محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف:۔

صاحب فضیلت شیخ محمد رضا سابق مدیر مکتبہ جامعہ فؤاد قاہرہ

ترجمہ

مولوی محمد عادل قدوسی

ناشران:۔

تاج کمپنی لمیٹڈ ۔ قرآن منزل ۔ کراچی و لاہور

مطبوعہ

تاج آرٹ پریس، منگھو پیر روڈ کراچی

ناشران

تاج کمپنی لمیٹڈ۔ کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اھداء

میں پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی یہ تالیف آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں پیش کرتے ہوئے حضور کے اسم گرامی سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ اس ذاتِ گرامی کے حضور میں جس پر قرآن کریم نازل کیا گیا اور جس نے عالم میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ شرک و بُت پرستی کی بیخ کنی کی۔ مخلوق کو اس فانی دُنیا اور دائمی آخرت کے لیے اعمالِ حسنہ کی تعلیم دی۔

اس سرتاپا نُورِ ہدایت کے حضور میں جو اپنے خُلقِ عظیم، عقلی برتری اور عقیدہ کی پختگی میں اُس مُنتہیٰ تک پہنچا جہاں نہ کسی دُور رس کی نگاہ پہنچ سکتی ہے نہ اس سے بالاتر کوئی اور رفعت و بلندی ہے اور نہ ہی کسی بلند سے بلند تر صاحبِ عزم و ہمّت کی اس سے اُوپر رسائی ممکن ہے۔ وہ ذاتِ گرامی جس کی خود ربُّ العزت نے مدح و ثنا فرمائی اور جس کی شان میں فرمایا:

"اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ○ بلاشُبہ آپ اخلاقِ فاضلہ کی عظیم بلندیوں پر فائز ہیں۔

یا رسُول اللہؐ! یہ حضور کی پاکیزہ و عطر بیز سیرت ہے!

میں حضُور کے لُطفِ بے پایاں کا خواہاں اور رضامندی کا طلب گار ہوں۔

اس کتاب کی تالیف سے میری منشا محض حق تعالیٰ کی خُوشنودی، رسُولِ امین کی برکت کا حصُول اور عامّۃ المُسلمین کی خدمت کرنا ہے۔

مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

کتاب محمّد رسول اللہؐ

کتاب "محمّد رسول اللہ" مؤلفہ حضرت علامہ محمّد رضا اُن اہم اسلامی کتب میں سے ایک ہے، جن کی قبولیت عام مُقدّر ہو چکی ہے اور جو انتہائی پسندیدگی بلکہ رشک کی نگاہ سے دیکھی گئی ہیں۔ یہ مؤلفات تمام عالمِ اسلامی میں شائع ہو چکی ہیں جن سے تاریخ عرب کے طلبہ اور سیرت محمدی کے شائقین کو غایت درجہ فائدہ پہنچا ہے۔

حضرت رسُول اللہؐ کی سیرت طیّبہ کے واقعات جو مختلف کتب میں منتشر تھے اس کتاب میں یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ نیز یہ تالیف ان تمام اعلیٰ حقائق اور عظیم الشان کارناموں پر مشتمل ہے جو آپ کی بلندی درجات، عالی ہمتی اور استقامت و عزیمت کے ان اوصافِ عالیہ کو ظاہر کرتے ہیں جو آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو عطا نہیں ہوئے۔

ایسی عظیم کتاب کی تالیف آسان کام نہ تھا لیکن علامہ محمّد رضا نے سالہا سال تک صرف سیرۃ النبی سے متعلق تمام کتب کا ہی مطالعہ نہیں کیا بلکہ تاریخ، تفسیر، کُتبِ حدیث و شروحِ حدیث، کُتبِ لُغات، تذکرہ جاتِ اکابرِ اُمت نیز مُستشرقین کی مؤلفات کا گہرا مطالعہ کیا جن میں بعض انصاف پسند اور بعض معاند و خود غرض ہیں۔ چنانچہ اس تالیف میں ان مُستشرقین کے اقوال کی تردید اور ان گمراہوں کی دروغ گوئی اور افترا پردازی کا قلع قمع کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ باوجودیکہ سیرتِ محمّدی کا احاطہ کرنا ایک دُشوار کام ہے لیکن علامہ موصُوف نے اپنی تمام مساعی بلیغہ صرف کر کے سیرتِ نبوی کے متعلق تمام متفرق روایات اور واقعات کو یکجا کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کر دی۔ چنانچہ موصوف خود اپنے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

میں نے اس تالیف میں مختلف روایات کی تحقیق و چھان بین کی ہے۔ نیز صرف ان صحیح ترین روایات ہی کو جن پر اکابر صحابہ و علماء کا اتفاق ہے پیش کیا ہے۔ علیٰ ہذا مناسب مواقع پر آیاتِ قرآنی بھی بیان کی ہیں تاکہ ہر موقع کی مناسبت سے نزُولِ آیات کا علم ہو سکے۔ نیز مختلف شہروں، غزوات اور کلمات کی لغوی تشریح کی ہے اور واقعات کو ہجری تواریخ کے ساتھ عیسوی تواریخ سے بھی مطابق کر کے قلمبند کیا ہے۔

ہیں نے کسی صحابی کو جن کا میری کتاب ہیں ذکر آیا ہے بغیر تعارف کے نہیں چھوڑا تاکہ ان کی مختصر سیرت اور واقعۂ مذکورہ کے ساتھ ان کا تعلق معلوم ہو سکے۔ اس طرح یہ کتاب اللہ کے فضل سے صحیح تاریخی حقائق اور ٹھوس علمی مباحث پر مشتمل ہے جسے پختہ دلائل سے مزید مستحکم اور دفاعی براہین سے قوی بنایا گیا ہے۔ نیز کتاب اللہ اور احادیثِ نبوی سے ان کی تائید مزید کی گئی ہے۔

اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ یہ کتاب سیرت محمدی میں ایک جامع و مبسوط تالیف کی حیثیت کی حامل ہے تو تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ نیز یہ ایک ایسی کتاب ہے جو صرف سیرت النبی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ ان دشمنانِ اسلام سے جو اسلام کے خلاف شبہات و پیچیدگیاں پیدا کرتے رہتے ہیں اسلام کا دفاع بھی کرتی ہے کیونکہ ان کی تردید اہلِ علم کے علاوہ دوسرا نہیں کر سکتا۔

چنانچہ مؤلف موصوف نے بعض مواقع پر اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ ان عبارتوں کی تشریح کر دی ہے جن کا سہارا لے کر اسلامی تعلیمات اور ذاتِ اقدس پر طعن کیا گیا ہے تاکہ عوام کو ان مخالفینِ اسلام مستشرقین یورپ کے خبثِ باطن کا علم ہو سکے۔ اس لئے مؤلف نے اپنی کتاب کا بڑا حصہ ان خود غرض مستشرقین اور گمراہ کن مسیحی مبلّغین کی تردید کے لئے وقف کر دیا ہے کیونکہ انھیں اس کا احساس ہوا کہ اگر ان شبہات کو مسلمانوں میں پھیلنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تو اس سے مزید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور دشمنانِ اسلام کو اسلام کے خلاف اپنی شر انگیزی کے لئے ایک وسیع میدان ہاتھ آ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب بیحد مقبول ہوئی اور اسلامی ممالک میں اس کی اتنی کثیر اشاعت ہوئی کہ مختصر مدت میں یہ تین بار شائع ہو کر ختم ہو گئی۔

اس کی پہلی اشاعت مئی ۱۹۳۴ء میں ہوئی تھی۔ دوسری اشاعت اکتوبر ۱۹۳۷ء میں ہوئی۔ اس میں مزید مفید اضافے کیے گئے اور مزید تحقیقاتی معلومات شامل کی گئیں جو پہلی اشاعت میں نہیں تھیں۔

پھر تیسری اشاعت نومبر ۱۹۴۸ء میں ہوئی اور اس میں ان اہم معلومات کا اضافہ کیا گیا اور وہ جدید تحقیقات شامل کی گئیں جو پہلی اور دوسری اشاعت میں نہ تھیں۔ اگر دوسری عالمگیر جنگ برپا نہ ہوتی جس کی وجہ سے دوسری اشاعت ختم ہو جانے کے باوجود مجبوراً تیسری اشاعت ملتوی کرنی پڑی تو تیسری اشاعت اپنے مقررہ وقت سے دو سال مؤخر نہ ہوتی لیکن چوتھی اشاعت کی تاخیر کا سب سے بڑا سبب خود مؤلف کی وفاتِ حسرت آیات کا المیہ تھا حالانکہ تیسرا ایڈیشن کئی سال قبل ختم ہو چکا تھا۔

چوتھی اشاعت ۱۹۶۱ء میں ہو سکی جسے ہم اس کتاب کی صورت میں قارئین کرام اور سیرتِ محمدیہ کے

مُشتاقین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں تاکہ وہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ کریمہ کے متعلق نہایت مستند معلومات اور غایت درجہ صائب آراء و افکار سے مُستفید ہو سکیں۔

اگر مؤلف کی حیات میں اس اشاعت کا موقع مل جاتا تو اس میں مرحوم کی اور بہت سی مزید تحقیقات و مُفید حواشی کا اضافہ ہو سکتا تھا۔

عرضِ ناشر

اِس کتاب کی اجمالی تعریف اُوپر آپ نے پڑھی۔ جس سے کتاب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مکمل مطالعہ سے کتاب کی تمام خوبیاں ظاہر ہو جائیں گی۔

مجھے یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ ۱۹۶۷ء میں جب مجھے حج بیت اللہ شریف کی دوبارہ سعادت نصیب ہوئی۔ تو میں نے اپنی ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے کہ میں حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کوئی ایسی کتاب تاج کمپنی سے شائع کروں جو اپنی جامع حیثیت کے اعتبار سے اسلامی دُنیا کے علمی و تحقیقی حلقوں میں معروف و مقبول ہو اور مستند تسلیم کی جاتی ہو۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں متعدد علماء و شیوخ سے دریافت کیا کہ مجھے سیرتِ پاک کے موضوع پر کوئی ایسی کتاب بتایئے جو مذکورہ صفات کی حامل ہو تاکہ میں اُسے اُردو میں ترجمہ کرا کے مسلمانانِ پاکستان کے استفادہ کے لئے شائع کروں میرے سوال کے جواب میں ہر بزرگ نے اِسی کتاب کا نام لیا۔ مجھے کسی قدر تعجب بھی ہوا کہ سارے بزرگ ایک ہی کتاب کے لئے کہتے ہیں تاہم اس سے کتاب کی اہمیت اور مقبولیت بھی ظاہر ہوتی تھی۔ چنانچہ میں یہ کتاب اپنے ساتھ لے آیا۔ اور اِس کا اُردو ترجمہ آج آپ کے سامنے ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ جس طرح عربی ممالک میں اِس کتاب کو مقبولیتِ عامہ حاصل ہے اِسی طرح اہلِ پاکستان اور وہ تمام اُردو داں حضرات جو اس کتاب کو پڑھیں گے اِسے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اور تاج کمپنی کی اِس خدمت کو انشاء اللہ مسلمان خواص و عوام میں یکساں مقبولیت حاصل ہو گی۔

اِس کتاب کے ساتھ علامہ محمد رضا کی لکھی ہوئی سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی چار کتابیں اور میں لایا ہوں۔ جن کے ترجمے بھی انشاء اللہ بہت جلد شائع ہوں گے۔ اور اپنی علمی و تحقیقی بلند پایگی کے سبب وہ بھی بہت مقبول ہوں گے۔

والسلام

نیاز مند :۔ عنایت اللہ

مینیجنگ ایجنٹ، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی

عرب ممالک کا مختصر جغرافیہ و حالات

عرب ممالک برِ اعظم ایشیا کے جنوب مغربی سمت ایک جزیرہ کی صورت میں واقع ہیں جن کی حدبندی یہ ہے۔ شمال میں شام و فلسطین اور جزیرہ کے علاقے ہیں۔ جنوب میں خلیج عدن اور بحیرۂ ہند ہیں۔ مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس ہیں۔ مغرب میں خلیج عرب اور تنگنائے بابُ المندب، بحیرۂ احمر اور نہر سویز ہیں جزیرہ نمائے عرب کا رقبہ دس لاکھ مُربع میل ہے جس کا سب سے زیادہ فاصلہ عقبہ تا عدن چودہ سو میل طویل ہے۔ عرب ممالک کو ایسے ٹیلے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو مشرق کی سمت ڈھلان میں واقع ہیں۔ وہاں کا موسم گرم ہے۔ آبادی تقریباً ستر لاکھ ہے۔ وہ سامیوں کا وطن ہے جو چند ممالک پر منقسم ہے۔ ان میں سب سے مشہور یمن، حجاز، تہامہ، نجد، یمامہ اور بحرین کے ممالک ہیں۔ ملک یمن پانچ اقسام پر منقسم ہے۔ حضر موت، شحر، مہرہ، عمان اور نجران۔ حضر موت کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضر موت بن قحطان وہ پہلا شخص ہے جو اس جگہ قیام پذیر ہوا۔ اس کا اصل نام عامر تھا۔ یہ شخص جب جنگ میں شریک ہوتا تو بہت زیادہ لوگوں کو قتل کرتا تھا۔ اس مناسبت سے لوگ اسے حضر موت[1] کہنے لگے۔ پھر یہی نام مجازاً اس سرزمین پر بھی بولا جانے لگا۔ جہاں اس کے قبیلہ نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ پھر اس کے بعد یہی لفظ عدن کے وسیع مشرقی حصہ پر بولا جانے لگا جو سمندر کے قریب واقع ہے جہاں پٹرول بہت پایا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ یہیں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر مبارک ہے۔

یمن کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب مشرق کی سمت رُخ کیا جائے تو یمن[2] کعبہ کی دائیں سمت پڑتا ہے۔ یمن کے مشہور شہروں میں صنعاء ہے جو وہاں کا مرکزی مقام ہے۔ نیز یہ ہمیشہ یمن کا دارالسلطنت رہا ہے۔ اس کے قریب پتھر کے کوئلہ کی کانیں پائی جاتی ہیں جن سے اب تک فائدہ نہیں اُٹھایا گیا۔ اس میں خوبصورت بازار اور بڑے بڑے تجارتی مراکز واقع ہیں۔ اس کے قریب مارب نامی ایک شہر آباد ہے جس کا دُوسرا نام عبدشمس ملقب بہ سبا کی نسبت سے سباء کہا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ عبدشمس نے وہاں ایک بڑا بند تعمیر کیا تھا اور دُور دراز علاقہ سے پانی کے بہاؤ کا رُخ اس کی طرف موڑا تھا۔ شہر کا ایک بڑا حصہ

---

[1] معنی ہیں 'موت آگئی' م

[2] یمن کے معنی ہیں 'دائیں جانب' م

مذکورہ بند پر تعمیر کیا گیا تھا۔ بعض سالوں میں موسلا دھار بارش کے زور سے سیلاب اس بند کے اوپر سے گزر کر کثیر مخلوق کی ہلاکت و تباہی کا باعث بن جاتا تھا اس لیے ایسے سیلاب کا نام "سیلِ عرم" رکھا گیا کیونکہ عرم اس بہاؤ کو کہتے ہیں جس کا روکنا طاقت سے باہر ہو جائے۔

صنعاء کے شمال مغرب کی سمت "صعدہ" نامی ایک شہر واقع ہے اور شہر "زبیدہ" صنعاء اور "بیت الفقیہ" سے مغرب کی سمت واقع ہے۔ ملک حجاز یمن کے شمال میں بحیرۂ احمر کی مشرقی سمت واقع اور خلیج عقبہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ساحل پر چھوٹے چھوٹے جزیرے واقع ہیں جہاں بوقتِ ضرورت چھوٹی چھوٹی کشتیاں آ کر ٹھہرا کرتی ہیں۔ اس کے نجد اور تہامہ کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے اس کا نام حجاز[1] رکھا گیا ہے۔ ملک حجاز کا سب سے مشہور شہر مکہ ہے جس کا نام قدیم علمائے اغریق کے یہاں (ماکورابا) تھا۔ مدینہ منورہ یعنی مدینۃ الرسول کو پہلے یثرب کہا جاتا تھا۔ یہاں آنحضرتؐ کی قبر مبارک ہے۔ اس کے شمال میں اُحد پہاڑ واقع ہے۔ مدینہ منورہ کو طیبہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی بہت نام ہیں۔

طائف۔ یہ بہت سرسبز و شاداب شہر ہے۔ یہاں کی آب و ہوا بہترین ہے۔ اس میں باغات چشمے اور چھوٹی چھوٹی نہریں بکثرت واقع ہیں۔ یہ مکہ کے مشرق میں واقع ہے۔ حجاز کے بہت مشہور شہروں میں خیبر بھی ہے جو مدینہ کے شمال مشرق میں ملک شام کے قافلوں کے راستے پر واقع ہے۔ وہاں کے سات قلعے عربوں میں مشہور ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ ناعم و القموص حصن ابی الحقیق حصن الشق حصن النطاط حصن السلام حصن الوطیح حصن الکتیبہ۔

خیبر بخار کی کثرت میں مشہور ہے۔

تہامہ۔ یہ شہر بحیرۂ احمر کے ساحل پر جنوبی یمن اور شمالی حجاز کے درمیان واقع ہے۔ یہاں گرمی شدید ہوتی ہے۔ ہوا کا ٹھیراؤ زیادہ رہتا ہے۔ اس بنا پر اس کا نام تہامہ رکھا گیا۔

نجد۔ یہ ملک شام کے جنوب، عراق کے مغرب، حجاز کے مشرق اور یمامہ کے شمال میں واقع ہے۔ وہاں کی اراضی سرسبز و شاداب ہے۔ اس کا دارالسلطنت "ریاض" ہے جو وہابی تحریک کا مرکز رہا ہے۔ مرحوم ابراہیم پاشا نے اسے مسمار کر ڈالا تھا۔ نجد کے شمال کی جانب جبلِ شمر یعنی جبل طی ہے۔ حائل اس کا ایک قصبہ ہے۔ اس کے مشہور شہروں میں "ابانا" نامی ایک شہر ہے۔ وہابی مسلک کے شیخ محمد بن

[1] حجاز یعنی حدِ فاصل م

عبدالوہاب یہیں پیدا ہوئے تھے۔

یمامہ۔ نجد اور یمن کے درمیان واقع ہے۔ یہ مشرق میں بحرین سے اور مغرب میں حجاز سے جا ملتا ہے۔ اس کے شہروں میں ایک شہر یمامہ ہے۔ یہ اک عظیم شہر تھا جس میں پانی اور کھجور کے باغات کی فراوانی تھی۔ یہی مسیلمہ[1] کذاب کا شہر ہے۔

عدن۔ یہ عرب ممالک کی سب سے مشہور بندرگاہ ہے جو عرب ممالک کے جنوبی ساحل پر واقع اہم تجارتی مرکز ہے۔

مخا۔ یہ بحیرۂ احمر کی مشہور بندرگاہ ہے اور یمن کی تجارت کا اصلی مرکز ہے۔

حدیدہ۔ یمن کے مشہور شہروں میں سے ہے جو بحیرۂ احمر پر واقع ہے۔ ہندوستانی عازمین حج کے جہاز یہیں لنگر انداز ہوتے ہیں۔

جدّہ۔ ساحل حجاز پر مکہ معظمہ سے ۴۵ میل کے فاصلہ پر جانب مغرب واقع ہے۔ یہ بحیرۂ احمر میں خوبصورت ترین بندرگاہ ہے۔

طوفانِ نوحؑ کے بعد عرب سب سے قدیم قوم ہے اور وہ یقطان یا قحطان کی طرف منسوب ہے۔ عرب کو قوت و شجاعت میں امتیازی درجہ حاصل ہے۔ عرب مؤرخین نے ان کو تین قسموں پر تقسیم کیا ہے اوّل عرب بائدہ۔ دوم عرب عاربہ۔ سوم عرب مستعربہ۔

بائدہ کی تاریخ۔ یہ سب سے قدیم عرب ہیں جن کا زمانہ بہت قدیم ہے اور بہت قدیم دور کی تاریخی معلومات کے فقدان کی وجہ سے ہم ان کے تفصیلی حالات بیان نہیں کر سکے۔ یہ قبائل عاد، ثمود، طسم۔ جدیس اور جرہم اولیٰ کے نام سے موسوم ہیں۔

قوم عاد۔ یمن اور عمان کے درمیان حضرموت و شحر تک پھیلے ہوئے ریگستانوں میں آباد تھے۔ جب وہ لوگ بتوں کو پوجنے لگے تو حق تعالیٰ نے انھیں برباد کر دیا۔

قوم ثمود کی آبادی حجاز و شام کے درمیانی علاقے وادی القریٰ اور حجر میں تھی۔ یہ لوگ پہاڑوں میں تراش کر اپنے گھر تیار کرتے تھے۔ یہ کافر اور سرکش تھے۔

جدیس کا وطن یمامہ تھا۔ یہ جگہ سب سے زیادہ سرسبز و شاداب اور بہت آباد تھی۔ یہاں پھل کے باغات

---

[1] یہ وہ شخص ہے جس نے آنحضرتؐ کے وصال کے بعد اپنی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ م

اور محلات بکثرت تھے۔

جرہم اولیٰ کا وطن یمن تھا۔ یہ لوگ عبرانی زبان بولتے تھے۔ یہ قوم عاد کے زمانہ میں موجود تھی پھر فنا ہوگئی۔

جرہم ثانی قحطان کی اولاد سے ہیں۔ ان ہی سے حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کا سلسلہ نسب جا ملتا ہے۔

بنو قحطان کی آبادی حجاز میں تھی اور جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کیا تھا تو انھوں نے بنو قحطان ہی میں پرورش پائی اور انہی میں ازدواجی تعلق قائم کیا۔ ان ہی کی اولاد کو عرب مُستعربہ کہا جانے لگا۔ اس لیے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اصل اور ان کی زبان عبرانی تھی۔ اسی لیے ان کو اور ان کی اولاد کو عرب کہا جانے لگا۔

عربُ العاربہ۔ یہ دراصل بنو سبا ہیں اور سبا کا نام عبد شمس تھا۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ اس شخص نے بہت سی جنگیں لڑی تھیں اور بکثرت قیدی بنائے تھے۔ اس مناسبت سے اس کا نام سبا[۱] پڑ گیا۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔ سبا کی متعدد اولادیں تھیں جن کے نام حمیر، کہلان، عمر، اشعر، عاملہ اور بنو سبا تھے۔

یمن کے تمام عرب قبائل اور وہاں کے تابعہ بادشاہ اسی سبا کی اولاد سے ہیں اور یمن کے تمام تابعہ حمیر بن سبا کی اولاد سے ہیں بجز عمران اور اس کے بھائی موزیقیار کے کہ وہ دونوں عامر بن حارثہ بن امری القیس بن ثعلب بن مازن بن ازد کی اولاد سے ہیں اور 'ازد' کہلان بن سبا کی اولاد سے ہے۔ ان کو عاربہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عرب بائدہ کے ساتھ ان کی بستیوں میں رہنے سہنے لگے تھے اور ان ہی کے عادات و اطوار اختیار کر لیے تھے۔

عرب زمانۂ جاہلیت کے عقائد کے اعتبار سے کئی قسموں پر منقسم ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ خالق کائنات کے وجود اور قیامت کا منکر تھا اور اس کا قائل تھا کہ کائنات کا وجود بغیر کسی خالق کی تخلیق کے خود بخود اور طبیعی طور پر عمل میں آیا اور اُسے فنا کرنے والا بھی وقت اور زمانہ[۲] ہی ہے۔

حق تعالیٰ نے آیت ذیل میں اسی گروہ کے متعلق فرمایا ہے:۔

۱؎ عربی میں سبا قیدی کو کہتے ہیں۔ م	۲؎ یعنی یہ موجودات بغیر کسی خدائی عمل کے وقت گزرنے پر خود بخود ہی فنا ہوتی رہتی ہیں۔ م

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی یہی دُنیوی زندگی ہے بس یہیں یہیں پر مرنا جینا ہے اور ہمیں صرف وقت و زمانہ ہی فنا کرتا ہے

ایک قسم وہ تھی جس نے خالق کائنات کا اقرار مگر آخرت کا انکار کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق حق تعالیٰ نے اپنے اس قول میں خبر دی ہے:۔

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝

بھلا کیا ہم اس کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے عاجز رہے تھے (کہ آئندہ عاجز رہیں گے) ایسا نہیں ہے بلکہ یہ لوگ ہمارے دوبارہ فنا شدہ مخلوقات کو پیدا کرنے کے متعلق شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔

اور ایک قسم بتوں کی پرستش کرتی تھی۔ ان کے بت مختلف قبائل کے ساتھ مخصوص تھے مثلاً 'وُدّ' بمقام دُومۃ الجندل قبیلہ کلب کا بت تھا۔ 'سواع' قبیلہ ہذیل کا بت تھا۔ 'یغوث ویعوق' قبیلہ مذحج اور دیگر یمنی قبائل کے بت تھے۔ 'نسر' بمقام شہر حمیر، قبیلہ ذوالکلاع کا بت تھا۔ 'یعوق' قبیلہ ہمدان کا بت تھا۔ 'لات' بمقام طائف قبیلہ ثقیف کا بت تھا۔ 'عُزّیٰ' قبائل قریش وبنو کنانہ کا بت تھا۔ 'منات' قبائل اوس وخزرج کا بت تھا۔

"ہُبَل" کفار کا سب سے بڑا بت تھا جو خانہ کعبہ میں نصب تھا اور 'اساف ونائلہ' صفا اور مروہ کے درمیان نصب تھے۔ ان فرقوں میں سے بعض یہودیت کی طرف مائل تھے۔ بعض نصرانیت اور بعض صابیہ کی طرف مائل تھے۔ یہ لوگ ستاروں کے معتقد تھے۔ ان میں سے بعض فرشتوں کی پرستش کرتے تھے اور بعض جنات کی۔ علم انساب، علم نجوم، علم تاریخ اور علم تعبیر خواب ان کے علوم تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بعض ایسے اُمور پر بھی عمل کیا جاتا تھا۔ جن کی تعلیم بعد کو شریعت اسلامی نے دی۔ مثلاً بعض لوگ ماؤں اور بیٹیوں سے نکاح نہیں کرتے تھے۔ ایک شخص کے عقد میں بیک وقت دو حقیقی بہنوں کا جمع کرنا ان کے نزدیک بہت معیوب تھا۔ علیٰ ہذا وہ اپنی بھاوج سے شادی کو بھی بہت بُرا سمجھتے تھے وہ اس کا نام 'الضیزن' رکھتے تھے۔ حج بیت اللہ کرتے تھے۔ عمرہ، احرام، طواف، صفا ومروہ کے درمیان سعی اور تمام مقررہ مقامات پر وقوف کرتے تھے۔ منیٰ میں نصب شدہ شیطانوں پر کنکریاں مارتے تھے۔ ہر تین سال میں ایک ماہ کا اضافہ کرتے تھے۔ جنابت سے غسل کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ملوکِ تبابعہ قبیلہ بنو حمیر سے تھے۔ انھیں تبابعہ اس لیے کہا گیا کہ وہ بالترتیب ایک دوسرے کے

بعد حاکم بنتے تھے۔ جب ان میں سے ایک ہلاک ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا لے لیتا تھا۔ وہ اپنے بادشاہ کو "شاہِ تُبّع" اس وقت تک نہ کہتے تھے جب تک کہ وہ بلادِ یمن، شحر اور حضر موت کا حاکم نہ بن جاتا۔ حمیر کے بعد بھی بادشاہت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ حتیٰ کہ ۴۸۰ء میں 'ذونواس' بادشاہ بن گیا۔

اس کا نام "زُرعہ" تھا۔ جب اس کو اپنے آباؤ اجداد تبابعہ کے ملک کی حکومت مل گئی تو اس نے اپنا نام یوسف رکھ لیا اور یہودی مذہب اختیار کر لیا اور یمنی قبائل کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا۔ چنانچہ حمیر نے بھی اس کی اتباع میں یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ اس پر اہلِ نجران نے اس کے خلاف جنگ کا ارادہ کر لیا کیونکہ یہاں کے عرب قبائل عیسائیت کے پیروکار تھے اور ان کا یہ مذہب زمانہ قدیم سے چلا آرہا تھا۔ یہ لوگ حوارئینِ عیسیٰؑ کے باقی ماندہ لوگوں میں سے تھے۔ چونکہ ذونواس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا جس میں وہ متشدد اور غالی بھی تھا اس لیے اس نے بڑے بڑے گڑھے کھدوا کر ان میں آگ دہکائی اور جو شخص یہودی مذہب اختیار نہ کرتا اُسے وہ ان گڑھوں میں ڈلوا دیتا تھا۔ اسی مناسبت سے اُسے 'صاحبُ الاُخدُود' یعنی گڑھے والا کا لقب دیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اہل نجران میں سے ایک شخص اس کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا اور سیدھا قیصر شاہِ رُوم کے پاس پہنچا اور شاہ سے ذونواس کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ شاہ نے اسے اپنے اس حکم کے ساتھ شاہ حبشہ کے پاس بھیج دیا کہ اس شخص کی مدد کی جائے۔ چنانچہ شاہِ حبشہ نے ذونواس سے جنگ کر کے اُسے شکست دے دی۔ اس طرح تبابعہ کی حکومت ۵۲۹ء میں ختم ہو گئی۔ حبشہ کی فوجیں یمن میں داخل ہو گئیں۔ انھوں نے حمیر کو ذلیل و خوار کیا اور شاہی قلعوں کو مسمار کر دیا۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی ذونواس کے دورِ حکومت میں یمن سے حمیر کی بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد حبشہ کا ایک رئیس پھر یمن کی سرحدی چوکیوں پر حملہ آور ہوا اور وہاں کے سردار سے جنگ کر کے اُسے قتل کر ڈالا۔ پھر اہلِ حبشہ نے ابرہہ کو یمن کا بادشاہ بنا دیا جس کا لقب الاشرم تھا۔ اس کا ذکر آئندہ اصحاب فیل کے قصہ میں آئے گا۔

جب ابرہہ فوت ہو گیا تو اس کے بعد اس کا فرزند یکسوم ۵۷۱ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی حمیر اور یمنی قبائل کو ذلیل و رسوا کیا۔ یہ عرب ممالک اور ان کی تاریخ کا خلاصہ ہے جسے ہم قارئین کتاب کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ہم آنحضرتؐ کی سیرت کا بیان شروع کرتے ہیں۔

آنحضرتؐ کا شجرہ نسب

محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیّ بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

ماہرینِ انساب میں حضرت سیدنا محمدؐ کے نسب کے بارے میں معد بن عدنان تک کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ ان ماہرین نے عدنان سے اسمٰعیل تک اختلاف کیا ہے لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ آپ کا سلسلہ نسب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ امام مالکؒ نے آپ کا سلسلہ نسب حضرت آدم علیہ السّلام تک بیان کرنے کو اس وجہ سے ناپسند فرمایا ہے کہ اس کے تسلسل کا صحیح ثبوت نہیں پایا جاتا۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ کا نسب عدنان تک پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں سے (اُوپر تک) اہلِ نسب نے غلط بیانی کی ہے۔ تمام اہلِ نسب کے نزدیک قبائل مضر اور ربیعہ بالاتفاق حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی اولاد سے ہیں۔ آنحضرتؐ کا نسب تمام انساب میں اشرف و اعلیٰ ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اس میں شک نہیں کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان سب میں افضل بنایا۔ پھر قبائل میں انتخاب کیا تو مجھے سب سے اعلیٰ قبیلہ میں پیدا کیا۔ پس میں شخصی اور گھرانہ ہر دو کے اعتبار سے سب انسانوں سے افضل ہوں۔

واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو برگزیدہ فرمایا پھر ان کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں مجھے منتخب فرمایا۔

آنحضرتؐ کے آباؤ اجداد کے فضائل کا بیان

آنحضرتؐ عرب کے معزز ترین گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے بزرگوں میں سب کو قیادت و سرداری حاصل تھی جو عربوں میں بہت اعلیٰ مقام اور بلند مرتبہ کے حامل تھے اور ان کی فہم و دانش، بہادری و دلیری اور جود و سخا شہرۂ آفاق تھے۔ یہ بات آئندہ ان کے مناقب کے بیان میں واضح ہو جائے گی۔

معد۔ بنی اسمٰعیل کے خلاف میدانی اور چھاپہ مار جنگوں کے ہیرو تھے۔ وہ جس سے بھی نبرد آزما ہوئے کامیاب و کامران واپس ہوئے۔ یہ عربوں کے مورثِ اعلیٰ تھے۔

نزار۔ یہ اپنے دور میں حُسن و جمال اور عقل و دانش میں ہمعصروں پر فوقیت رکھتے تھے۔ اسی طرح مضر کا حُسن بھی بے مثال تھا۔ جو انھیں دیکھتا ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ ان کے حکیمانہ اقوال میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

○ سب سے بہتر نیکی وہ ہے جس پر جلدی عمل ہو۔

○ خود کو مصائب کے مقابلہ کے لیے آمادہ رکھو۔

○ نفس کو ایسی خواہشات سے باز رکھو جن میں فساد کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ اصلاح و فساد کے درمیان صبر ہی کا تھوڑا سا فاصلہ ہے۔

مضر ہی نے سب سے پہلے اونٹوں کے لیے حُدی خوانی کا آغاز کیا۔ یہ خود بھی بہت خوش الحان تھے۔

الیاس۔ یہ اپنی قوم میں حضرت لقمان حکیم کی حیثیت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ ان کے دانشورانہ اقوال میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

○ جو شخص نیکی کا تخم بوئے گا۔ خوشی و شادمانی کا پھل کاٹے گا۔

○ جو شخص شر کا تخم بوئے گا، ندامت کا پھل کاٹے گا۔

فہر۔ ان پر قریشی نسب کی انتہا ہوتی ہے۔ ان سے اُوپر جو ہے وہ قریشی نہیں بلکہ کنانی کہلاتا ہے۔ ان کا نام قریش تھا۔ یہ بہت کریمُ النفس تھے۔ ضرورت مندوں کی خبر گیری کرتے اور اپنے مال سے ان کی حاجت روائی کرتے تھے۔ وہ چھٹی پشت میں حضرت ابُو عبیدہ بن جراح کے جدِّ اعلیٰ تھے۔

کعب۔ یہ حضرت عمر بن خطابؓ کے آٹھویں پُشت میں جدِّ اعلیٰ تھے۔ عرب اپنے قومی دن یعنی جمعہ کے روز ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔ یہ انھیں پند و نصائح کرتے اور نبی کریمؐ کی بعثت کی خوشخبری سُناتے اور آگاہ کرتے تھے کہ حضرت محمدؐ میری اولاد میں سے ہوں گے۔ وہ لوگوں کو آنحضرتؐ کی اتباع کی ہدایت کیا کرتے تھے۔

مُرّہ۔ یہ آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے چھٹی پُشت میں جدِّ اعلیٰ تھے۔ اُوپر کی پُشتوں میں حضرت امام مالکؒ کا سلسلہ نسب بھی آنحضرتؐ کے ساتھ انہی مُرّہ پر جا کر مل جاتا ہے۔

کلاب۔ ان کا نام حکیم ہے۔ بعض کے نزدیک عروہ ہے۔ ان کا لقب کلاب اس لیے پڑگیا کہ وہ شکاری کتوں سے شکار بہت کھیلا کرتے تھے۔ وہ آنحضرتؐ کی والدۂ محترمہ حضرت آمنہ کے سکڑ دادا تھے۔ اور آنحضرتؐ کے والد محترم اور والدۂ محترمہ کا نسب ان ہی پر جاکر مل جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کلاب وہ پہلے شخص تھے، جنھوں نے عربی مہینوں کے موجودہ نام رکھے تھے جو آج تک رائج چلے آرہے ہیں۔

قصیٰ۔ تقریباً ۴۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام زید ہے۔ انھیں مُجَمِّع بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ قبائلِ قریش میں باہم اختلافات تھے جنھیں حق تعالیٰ نے ان کے ذریعہ رفع فرماکر سب کو مُتّحد کردیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے بعض قبائل کو مکہ کی وادیوں میں آباد کیا۔ بعض کو پہاڑی درّوں اور بعض کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر آباد کیا۔ اس طرح قصیٰ نے ان کی آبادیوں کو تقسیم کردیا۔ اس کارنامہ کی بنا پر ان کا نام مُجَمِّع (جمع کرنے والا) پڑگیا۔ درحقیقت یہ اک بڑا کارنامہ تھا اور بہت فضیلت کی بات تھی جس کی تکمیل کسی بلند حوصلہ، محترم اور مُعزز ہستی کے ہاتھوں ہی ہوسکتی تھی۔ قُصیّ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے سب سے پہلے مزدلفہ میں آگ روشن کی تھی جو برابر روشن رہتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ عرفات سے واپس آنے والوں کو نظر آتی تھی اور وہ قریش میں پہلے شخص تھے جنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کعبہ کو ازسرِنو تعمیر کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا لقب قصیّ اس لیے پڑا کہ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد اپنی والدہ کے ہمراہ اپنے اعزّہ و اہلِ وطن سے دُور رہنے لگے تھے۔ کیونکہ ان کی والدہ نے ربیعہ بن حرام سے شادی کرلی تھی جو انھیں لے کر ملک شام میں چلے گئے تھے۔ ان کے متعلق حذافہ بن غانم نے اک شعر کہا ہے۔ ؎

ابوكم قصى كان يدعى مجمّعًا   به جمع الله القبائل من فهر

تمہارے مورثِ اعلیٰ قصی تھے جنھیں مجمع کہا جاتا تھا   حق تعالیٰ نے ان ہی کے ذریعہ قبائل فہر کو متحد فرمادیا تھا

زمانۂ جاہلیت میں بیت اللہ شریف کی کلید برداری، حجاج کے لیے فراہمی آب، ان میں لنگر کی تقسیم اور عام مہمانداری کے اہم فرائض ان کے سپرد تھے۔ وہ دارالشوریٰ کے صدر بھی تھے۔ جس کے تمام جلسے ان ہی کے مکان میں منعقد ہوا کرتے تھے۔ لوگوں کے نکاح ان ہی کے مکان میں پڑھائے جاتے تھے۔ جنگی اجتماعات ان ہی کے مکان میں ہوتے تھے۔ الحاصل عرب کے لیے ان کا مکان کلب کی حیثیت رکھتا تھا۔ بلکہ وہ ان کی تمام مشکلات میں خواہ وہ قومی نوعیت کی ہوتیں یا انفرادی، پُوری قوم کا ملجا و ماویٰ بنے

ہوئے تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب ہُوا تو اپنے بیٹوں کو شراب نوشی سے منع کیا یقیناً انہوں نے شراب نوشی کی مضرتوں کو محسوس کر لیا ہوگا۔ اسی لیے اپنے محبوب اہل تعلق کو اس سے منع کر دیا۔

۴۸۰ء میں بعمر اسّی سال ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا کلام ان کے تجربے اور عقلی برتری پر دلالت کرتا ہے جس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:۔

- جو شخص کسی بدبخت وشقی کا احترام کرتا ہے وہ اس کی شقاوت میں برابر کا حصہ دار بن جاتا ہے۔
- جو شخص کسی برائی کو پسند کرتا ہے وہ اس سے ضرور ہو کر رہتی ہے۔
- جو شخص استحقاق سے زیادہ کا طالب ہوتا ہے وہ محرومی و ناکامی کا منہ دیکھتا ہے۔
- جسے عزت راس نہیں آتی اسے ذلت حاصل ہوتی ہے۔
- حاسد چھپا ہُوا دشمن ہے۔

اگر انسان اپنے کلام سے پرکھا جاتا ہے تو ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں رذائل اور برائیوں سے بہت نفرت تھی۔ یہ دلیر و بہادر تھے اور حسد و غرور وغیرہ سے متنفر تھے۔

عبد مُناف۔ ان کا نام مغیرہ تھا۔ ان کو حُسن و جمال کی وجہ سے بطحا کا چاند بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی سخاوت کی وجہ سے قریش میں فیاض کے نام سے موسوم تھے۔ وہ چوتھی پُشت میں حضرت عثمان رضؓ کے جدِّ اعلیٰ تھے اور نویں پشت میں امام شافعیؒ کے جدِ اعلیٰ تھے۔

ہاشم۔ ان کا نام عمرو بن عبد مناف تھا۔ ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے اُنھیں عمرو العُلا کہا جاتا تھا۔ وہ عبد شمس کے بھائی تھے۔ اپنے والد عبد مناف کے بعد اپنی قوم کے سردار بنے۔ ایک مرتبہ ملک میں شدید قحط پڑا جس کی وجہ سے قریش شدید فاقوں میں مُبتلا ہو گئے۔ اس حالت سے متاثر ہو کر ہاشم ملک شام گئے اور وہاں سے آٹے اور کیک کی خریداری کی اور یہ سامان زمانۂ حج تک مکّہ میں لے آئے۔ پھر روٹیاں تیار کر کے ان کے اور کیک کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔ بہت سے اُونٹ ذبح کیے اور ثرید[1] تیار کیا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ اسی مناسبت سے ان کا نام ہاشم[2] پڑ گیا۔ انھیں ابُو البطحاء اور سید البطحاء[3] بھی کہا جاتا تھا۔ بطحاء، وادی کے پانی کے بہاؤ کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ ان کا دستر خوان تنگی و فراغت ہر حال میں وسیع اور عام

---

[1] شوربے میں روٹی کے ٹکڑے بھگونے کو ثرید کہا جاتا ہے۔ م [2] ہاشم کے معنی ہیں ٹکڑے کرنے والا۔ م

[3] بطحا کے باپ اور بطحا کے سردار۔ م

رہتا تھا۔ یہ دولتمند تھے اور لوگوں کی مدد کیا کرتے اور مصیبت زدہ لوگوں کو پناہ دیتے تھے۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے قریش کے لیے تجارتی سفر کا طریقہ رائج کیا۔ ایک موسم سرما دوسرا موسم گرما میں چنانچہ قریش موسم سرما میں یمن اور حبشہ کا سفر کرتے اور گرمیوں میں شام کا۔ ایک شاعر کا قول ہے۔

عمرو الذی ہشم الثرید لقومہ   ورجال مکّۃ مسنتون عجاف

سُنّت الیہ الرحلتان کلاھما   سفر الشّتاء ورحلۃ الاصیاف

عمرو وہی شخص ہیں جنھوں نے روٹی کے ٹکڑوں سے اپنی قوم کے لیے ثرید تیار کیا جبکہ مکّہ والے قحط اور بھوک سے دُبلے اور کمزور ہو گئے تھے۔ نیز انھوں نے ہی قریش کے لیے دو تجارتی سفروں کا طریقہ رائج کیا۔ ایک موسم سرما میں اور دوسرا موسم گرما میں۔

ان دونوں سفروں کا ذکر قرآنِ کریم میں سُورۂ قریش میں آیا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ○ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ○ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ○ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ○	چونکہ قریش سردی اور گرمی کے ایام میں تجارتی سفر کے عادی ہو گئے ہیں اس لیے انھیں اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کرنی چاہیے جس نے انھیں بھوک میں کھلایا اور ہر قسم کے خوف وہراس سے نجات دلائی۔

ہاشم تجارت کرتے ہوئے ملک شام میں غزہ کے مقام پر ۵۱۰ء میں وفات پاگئے۔

عبدُ المطّلب۔ ان کی والدہ سلمٰی بنت زید نجاریہ تھیں۔ خود ان کا نام شیبۃ الحمد[1] تھا۔ اس لیے کہ ان کے بال پیدائشی سفید تھے۔ نیز بطور فال یہ نام رکھا گیا تاکہ لوگ آئندہ ان کی تعریف کیا کریں اور ان کو عبد المطّلب اس لیے کہا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ ان کے چچا مطلب نے انھیں سفر میں اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھا لیا تھا۔ وہ اپنی عُسرت کی وجہ سے پراگندہ حال تھے۔ ان کے چچا سے کسی نے سوال کیا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے بوجہ شرم کے کہہ دیا کہ یہ میرا غلام ہے۔ (تب سے ان کا نام عبدالمطّلب پڑ گیا۔)

عبدالمطّلب عوام وخواص میں مقبول وہر دلعزیز تھے۔ ان کے دسترخوان سے پرندوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے درندوں تک کو غذا پہنچائی جاتی تھی۔ ان کا یہ عمل بے زبان حیوانات پر رحم اور ان کے متعلق ان کے نازک اور لطیف احساسات کی غمازی کرتا ہے۔ اسی بنا پر قوم کی طرف سے انھیں مطعم الطیر[2] اور

[1] قابلِ تعریف بوڑھا۔ م

[2] پرندوں کو کھلانے والا۔ م

فیّاض کے لقب سے نواز اگیا۔ وہ مصائب میں قریش کے کام آتے اور مشکلات میں ان کا ملجا و ماویٰ بنے رہتے تھے۔

وہ قریش میں معزز اور رہبر و مانے جاتے تھے۔ وہ پہلے شخص تھے جو غار حرا میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ رمضان کے مہینے میں حرا پہاڑ پر چڑھتے اور وہاں مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ ان کی عمر ایک سو بیس سال یا اس سے کچھ زائد ہوئی۔ ان کے چچا مطلب کے بعد انھیں قوم کی سرداری ملی۔ وہ اپنی اولاد کو ظلم و ستم اور فتنہ و شر سے باز رہنے کا حکم دیتے حسنِ اخلاق کی ترغیب دیتے اور ذلیل کاموں سے روکتے تھے۔

عبدالمطّلب نے آخری عمر میں بتوں کی پرستش ترک کردی تھی اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرلیا تھا۔ دغفل نسّابہ نے کہا ہے کہ عبدالمطّلب سفید رنگ، خوبرو اور دراز قامت انسان تھے۔ ان کی پیشانی سے نورِ نبوّت اور ملکی عزت و وقار جھلکتا تھا۔ ان کے دس بیٹے انھیں اس طرح گھیرے رہتے تھے۔ گویا وہ جنگل کے شیر ہیں۔ انھوں نے ہی حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے کنوئیں زمزم کا پتہ لگایا اور حجّاج کے لیے آبِ زمزم کی بہم رسانی کا اہتمام کیا۔ پس مندرجہ بالا اوصافِ جمیلہ کی بنا پر انھیں قریش اور پورے عرب میں انتہائی فخر اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

عبدالمطّلب نبی کریمؐ کی عزت کیا کرتے اور ان کی قدر و منزلت بڑھاتے تھے۔ حالانکہ حضورؐ ابھی کمسن ہی تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ فرزند بڑی شان و مرتبہ والا ہوگا۔ وہ آنحضرتؐ کی ولادت سے قبل و بعد آپ کے متعلق نجومیوں کی پیشین گوئیوں اور یہود و عیسائی راہبوں کی اطلاعات کی بنا پر ایسا فرمایا کرتے تھے۔

عبدالمطّلب کی کنیت ابوحارث تھی۔ اس وجہ سے کہ ان کے سب سے بڑے فرزند کا نام حارث تھا۔

عبدالمطّلبؒ کی اولاد۔ رسول اللہؐ کے چچا اور پھوپھیاں

عبدالمطّلب کی دس نرینہ اولاد تھیں۔ جن کے نام یہ تھے :-

عبداللہؑ۔ ابوطالبؑ۔ ان کا نام عبدمناف تھا۔ زبیرؑ۔ ان تینوں کی والدہ فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ تھیں۔ عباسؑ، جو خلفائے عبّاسیین کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ ضرارؑ، ان دونوں کی والدہ نتیلہ نمریہ تھیں۔ حضرت حمزہؓ اور مقومؑ، ان دونوں کی والدہ ہالہ بنت وہب تھیں۔ ابولہبؑ عبدالعزّیٰ، اس کی والدہ کا نام لبنیٰ

خزاعیہ تھا۔ حارث[۹]، ان کی والدہ صفیہ تھیں جن کا تعلق بنو عامر بن صعصعہ سے تھا۔ غیداق[۱۰]، ان کا نام حجل اور والدہ کا نام ممنعہ تھا۔

عبدالمطلب کی اولاد میں چھ خواتین تھیں جن کے نام یہ ہیں:
صفیہ[۱]۔ امِ حکیم[۲] بیضا۔ عاتکہ[۳]۔ امیمہ[۴]۔ اروٰی[۵]۔ برّہ[۶]۔

عبداللہ۔ آپ آنحضرتؐ کے والدِ محترم تھے۔ ان کی کُنیت ابو قثم تھی اور ابو محمدؐ اور ابو احمد بھی کہلاتے تھے۔ یہ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ مشہور ہے کہ عبدالمطلب وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے سیاہ خضاب کے لیے وسمہ استعمال کیا تھا۔ کیونکہ ان پر جلد بُڑھاپا آگیا تھا۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تو یہ حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور پُورا مہینہ شہر کے مساکین و فقراء کو کھانا کھلاتے۔ پہاڑ پر اس لیے تشریف لے جاتے کہ لوگوں سے یکسُو ہو کر حق تعالیٰ کی عظمت و جلال میں غور و فکر کر سکیں۔

عبدالمطلب سے وہ حکیمانہ اقوال منقُول ہیں جن کو بعد میں قرآن و حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً نذر کی تکمیل، محرم سے عقد کی ممانعت، چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم۔ اولاد کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب و زنا کی حُرمت اور ان پر حد کا نفاذ، عُریاں ہو کر طوافِ بیتُ اللہ کی ممانعت، حرام[۲] مہینوں کی عظمت و احترام باقی رکھنا۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے مقتُول کے قصاص میں سو اونٹوں کے خوں بہا کا طریقہ رائج کیا۔ پہلے یہ سلسلہ قریش میں جاری ہُوا۔ پھر یہ دُوسرے عربوں میں بھی رائج ہو گیا۔ بعد میں آنحضرتؐ نے بھی اس خُونبہا کو شریعت میں برقرار رکھا۔ زمانۂ جاہلیت میں ابُوسفیان کے والد حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ان کے مصاحب تھے۔ عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہُودی رہتا تھا۔ اس نے کسی بازار میں حرب بن امیہ سے سخت کلامی کی۔ اس پر حرب نے ایک شخص کو بھڑکا کر اس یہُودی کو قتل کرا دیا۔ جب عبدالمطلب کو اس کا علم ہُوا تو انھوں نے حرب بن اُمیّہ سے میل جول ترک کر دیا اور انھیں اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک پڑوس کے حق کی حفاظت کے طور پر ان سے مقتول یہودی کے چچیرے بھائی کو سو اُونٹنیاں بطور قصاص نہ دلوا دیں۔

---

۱ آنحضرت کے چچاؤں میں سے صرف حضرت حمزہ اور عباسؓ اسلام لائے اور آپ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کے اسلام لانے پر بھی راویوں کا اتفاق ہے۔ یہ حضرت زبیر بن عوام کی والدہ تھیں۔ یہ دیر تک زندہ رہیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے دورِ خلافت میں سنہ ۲۰ھ میں بعمر ۷۳ سال وفات پائی۔ م

۲ یہ چار ماہ، شوال تا محرم ہیں جن کے احترام میں مکہ میں شکار، فسق و فجور، جنگ و جدال اور فتنہ و فساد ممنوع ہے۔ م

آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی سُنّت

جب عبدالمطلب کو قریش کی طرف سے چاہ زمزم کی کُھدائی کے ارادے میں رکاوٹ پیش آئی تو انھوں نے نذر مانی کہ اگر ان کے دس بیٹے پیدا ہوئے اور جوان ہو کر ان کی قوّت بازو بنے تو ان میں سے ایک فرزند کو کعبہ کے پاس لے جا کر اللہ کے نام پر ذبح کر دیں گے۔ اس وقت تک ان کے حارث کے سوا کوئی اور فرزند نہ تھا۔ بعض لوگوں نے اس نذر کے واقعہ کو مشکوک قرار دیا ہے مگر ہم اسے بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لیے کہ یہ واقعہ تاریخ کی تمام اہم ترین کتب میں مذکور ہے۔ اس واقعہ کو ابن اسحاق نے روایت کیا ہے، نیز یہ تاریخ طبری، ابن اثیر اور طبقات ابن سعد میں بھی موجود ہے۔ جب عبدالمطلب کے دس بیٹے ہو گئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ میرے قوّتِ بازو بنیں گے تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو اپنی نذر بتا دی۔ اس پر انھوں نے باپ کی اطاعت کی اور پُوچھا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ انھوں نے کہا۔ تم میں سے ہر ایک بے پھل والا تیر لے اور اس پر اپنے اپنے نام لکھ لے۔ ان سب نے تعمیل حکم کی۔ سب تیر لے کر آئے۔ اور وسط کعبہ میں ہبل نامی بُت کے پاس حاضر ہوئے جو ان کا سب سے بڑا بُت تھا۔ عبدالمطلب کنوئیں پر بیٹھے کعبہ میں پیش کیے جانے والے تحائف جمع کرتے جاتے تھے۔ عبدالمطلب نے اس تیر لانے والے سے کہا۔ میرے ان بیٹوں پر ان کے یہ تیر پھینکو اور اسے اپنی نذر بتا دی۔ عبدُاللہ سب بھائیوں میں چھوٹے تھے اور باپ کے سب سے زیادہ چہیتے تھے۔ جب تیروں والا شخص تیر پھینکنے لگا تو عبدالمطلب کھڑے ہو کر خدا سے دُعا مانگنے لگے۔ جب تیر والے نے تیر پھینکا تو عبدُاللہ کے نام کا تیر نکلا۔ عبدالمطلب ان کا ہاتھ پکڑ کر اساف و نائلہ بُتوں کے سامنے لے گئے۔ یہ دونوں وہ بُت تھے جن کے پاس لوگ اپنی قربانی پیش کیا کرتے تھے۔ قریش کو جب یہ معلوم ہُوا تو وہ اپنی جلسہ گاہ سے اُٹھ کر آئے اور عبدالمطلب سے پُوچھا کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا میں عبدُاللہ کو ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر قریش اور عبدالمطلب کے بیٹوں نے کہا۔ خُدا کی قسم! ہم آپ کو کبھی انھیں ذبح نہ کرنے دیں گے۔ جبتک آپ اس کی کوئی صحیح وجہ بیان نہ کر دیں اور اگر آپ نے ایسا کیا تو ہم سب اپنے اپنے بیٹوں کو یہاں لا لا کر ذبح کرتے رہینگے۔ پھر مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم نے عبدالمطلب سے کہا۔ واللہ آپ عبداللہ کو ابھی ذبح نہ کریں بلکہ اس

میں توقف کریں۔ اگر ان کا فدیہ ہمارے مالوں سے ہو سکتا ہے تو ہم ان کی طرف سے مالی فدیہ ادا کر دیں گے۔

اور قریش اور عبد المطلب کے فرزندان نے ان سے عرض کیا کہ آپ ایسا نہ کریں اور بمقام حجر کاہنہ کے پاس چلیں اور اس سے معلوم کریں۔ اگر وہ آپ کو عبداللہ کو ذبح کرنے کو کہدے تو بیشک آپ عبداللہ کو ذبح کر دیں۔ اور اگر وہ ان کے عوض مالِ فدیہ ادا کرنے کو کہے جس میں ان کی رہائی ہو سکے تو اسے قبول کر لیں۔ چنانچہ یہ سب مل کر اس کے پاس بمقام خیبر پہنچے۔ عبد المطلب نے اس سے سب قصہ کہہ سنایا۔ اس نے کہا۔ آج تو تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ تا آنکہ میرے پاس میرا تابع (مُوَکّل) آجائے تو میں اس سے اس کے متعلق دریافت کروں گی۔ یہ حضرات واپس آگئے۔ دوسرے روز پھر اس کے پاس گئے تو اس نے کہا ہاں مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ تمھارے یہاں ایک آدمی کا خوں بہا کس قدر ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا۔ دس اونٹ کی دیت ہوتی ہے۔ کاہنہ نے کہا کہ تم لوگ اپنے شہر جا کر دس اونٹ مہیا کرو۔ پھر ان اونٹوں اور عبداللہ کے نام پر تیر پھینکو۔ اگر تیر تمھارے آدمی کے نام نکل آئے تو دس اونٹ اور بڑھا دو۔ پھر اسی طرح تیر پھینکتے رہو اور اونٹوں کا اضافہ کرتے رہو یہاں تک کہ تمھارا رب تم سے راضی ہو جائے۔ اور اگر وہ تیر اونٹ کے نام پر نکل آئے تو اسے ذبح کر دو۔ اس سے تمھارا رب تم سے راضی ہو جائے گا اور تمھارا آدمی نجات پا جائے گا۔

اس پر یہ لوگ وہاں سے روانہ ہو کر مکہ واپس آئے اور عبداللہ اور دس اونٹوں کو حاضر کیا گیا۔ جب تیر پھینکا گیا تو وہ عبداللہ کے نام پر نکلا۔ اس پر دس اونٹوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد پھر بھی تیر عبداللہ کے نام ہی کا نکلا۔ اس طرح ہر مرتبہ وہ لوگ دس دس اونٹوں کا اضافہ کرتے رہے اور تیر برابر عبداللہ کے نام پر ہی نکلتا رہا۔ حتیٰ کہ اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی۔

اس کے بعد جو تیر پھینکا وہ اونٹ کے نام پر نکلا۔ اس پر حاضرین بول اٹھے کہ اے عبد المطلب! اب تمھارا رب تم سے راضی ہو گیا۔ عبد المطلب نے کہا۔ واللہ یہ کافی نہیں بلکہ میں تین مرتبہ تیر پھینکوں گا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر تینوں مرتبہ تیر اونٹ کے نام پر ہی نکلا۔ تب اسے ذبح کر کے وہیں چھوڑ دیا گیا۔ مگر کسی آدمی یا درندے نے اس کے گوشت کی طرف رخ تک نہ کیا۔ ہر مرتبہ تیر عبداللہ کے نام پر نکلنا حتیٰ کہ اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ جانا ایک عجیب اتفاق ہے۔

اگر قریش، عبد المطلب کے فرزندان کی مخالفت اور کاہنہ کا مشورہ نہ ہوتا تو عبد المطلب کی نذر پر عبداللہ قربان ہو جاتے۔ لیکن مشیّتِ ایزدی یہی تھی کہ حضرت محمدؐ کے والد حیات رہیں اور ان سے آنحضرتؐ کا ظہور ہو۔

عبد المطلب یہ نذر ماننے کے لیے اس لیے مجبور ہوئے تھے کہ عدی بن نوفل بن عبد مناف نے چاہ زمزم کھودنے میں ان کی مخالفت کر کے انھیں رُوحانی اذیت پہنچائی تھی اور ان سے کہا تھا کہ اے عبد المطلب! تم ہم لوگوں پر خواہ مخواہ کام کا اضافہ کر رہے ہو۔ تمہارا کیا، تم تو اکیلے ہو، تمہارے کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس پر عبدالمطلب نے جواب دیا۔ تم ہلاک ہو جاؤ۔ کیا تم مجھے اولاد کی کمی کی غیرت دلا رہے ہو؟ خدا کی قسم! اگر حق تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمادے گا تو میں ضرور ان میں سے ایک کو اس کے نام پر خانہ کعبہ کے پاس ذبح کردوں گا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ قریش نے عبد المطلب اور ان کے فرزند کو بے وقوف کہا تھا اور ان سے جھگڑا کیا تھا۔ حتیٰ کہ یہ جھگڑا طول پکڑ گیا تھا۔ اس وقت ان کے ساتھ ان کے بڑے فرزند حارث کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ تب انھوں نے مذکورہ نذر مانی تھی۔

عبد المطلب جب اُونٹ ذبح کرنے کے بعد اپنے فرزند عبداللہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے واپس ہو رہے تھے تو قبیلہ بنو اسد بن عبد العزّیٰ بن قصیؓ کی ایک عورت پر ان کا گزر ہوا جو کعبہ کے پاس ہی کھڑی تھی۔ جونہی اس کی نظر عبداللہ کے چہرہ پر پڑی۔ اس نے ان سے کہا۔ اے عبداللہ! تم کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا۔ میں اپنے والد کے ہمراہ جا رہا ہوں۔ اس عورت نے کہا کہ اگر تم اسی وقت مجھ سے اختلاط کرلو تو میں تمھیں ایسا ہی اُونٹ پیش کروں گی جیسا ابھی تمہاری طرف سے ذبح کیا گیا ہے۔ عبداللہ نے انکار کر دیا اور کہا۔ میرے والد میرے ساتھ ہیں نہ ان کے خلافِ حکم کچھ کر سکتا ہوں۔ نہ ان سے علیحدہ ہو سکتا ہوں۔ عبداللہ قریش میں سب سے زیادہ حسین شخص تھے اور پاکباز، حلیم الطبع اور فیاض تھے۔ ان کی پیدائش تقریباً ۵۴۵ء میں ہوئی تھی۔

حضرت عبداللہ کی شادی

ایک روز عبد المطلب عبداللہ کو اس ارادے سے ساتھ لے کر چلے کہ ان کی شادی کردی جائے۔ اس لیے انھیں وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس لے کر پہنچے جو اپنی کبر سنی اور ذاتی شرافت کی بنا پر

بنو زہرہ کے سردار مانے جاتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بیٹی آمنہ بنت وہب[1] کے ساتھ عبداللہ کا عقد کر دیا۔ حضرت آمنہ اس وقت نسب و مرتبہ کے اعتبار سے قریش میں سب سے افضل خاتون سمجھی جاتی تھیں۔ انھیں عبداللہ سے حضرت محمدؐ کا حمل ٹھہر گیا جس کی وجہ سے آپ کا نور حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ میں منتقل ہو گیا۔

پھر عبداللہ حضرت آمنہ سے فراغت کے بعد اس عورت کے پاس آئے جس نے پہلے خود کو عبداللہ کے سامنے اختلاط کے لیے پیش کیا تھا اور اس سے کہا تجھے کیا ہو گیا کہ تو نے کل جو پیش کش مجھے کی تھی وہ آج نہیں کر رہی ہے اس نے جواب دیا کہ جو نور تم میں کل تھا آج نہیں ہے اس لیے مجھے آج تمھاری ضرورت نہیں رہی۔[2]

دراصل اس عورت پر یہ امر منکشف ہو گیا تھا کہ اس قوم میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے کیونکہ یہ عورت اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے اسکا تذکرہ سنتی رہتی تھی۔ ورقہ نصرانی تھے اور کتب سماوی کے ماہر تھے۔ (پس یہ عورت تاڑ گئی تھی کہ آپ کی پیشانی میں یہ وہی نورِ نبوت ہے)۔

حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے شادی چاہ زمزم کی کھدائی کے دس سال بعد ہوئی تھی۔

عبداللہ کا اصل نام عبدالدار تھا۔ جس سال ان کی طرف سے اونٹ کا فدیہ دیا گیا تھا اس موقع پر عبدالمطلب نے کہا تھا کہ یہ عبداللہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سے ان کا یہی نام مشہور ہو گیا۔

عبداللہ اپنی شادی کے کچھ عرصہ بعد تجارت کی غرض سے مکہ سے شام روانہ ہوئے وہاں سے واپسی پر مدینے ٹھہر گئے اس لیے کہ آپ بیمار ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ بحالت بیماری قبیلہ بنی نجار میں اپنے ماموؤں کے یہاں ایک ماہ تک ٹھہرے رہے۔ پھر وہیں وفات پا گئے۔ اس وقت آپ کے فرزند حضرت محمدؐ شکم مادر میں دو ماہ کے تھے۔ آپ دارِ نابغہ[3] میں اس جگہ دفن کیے گئے جو دار الصغریٰ میں داخل ہوتے وقت بائیں سمت واقع ہے۔

۱؎ حضرت آمنہ و حضرت عبداللہ کا سلسلۂ نسب اوپر جا کر کلاب میں جا ملتا ہے۔ م

۲؎ علماء نے کہا ہے کہ عبداللہ کا یہ عمل کسی بُرے ارادہ سے نہ تھا بلکہ وہ اس کی ملاقات کی پیش کش اور اونٹ دینے کی وجہ معلوم کرنا چاہتے تھے جو پہلے والد کی معیت کی وجہ سے معلوم نہ کر سکے تھے۔ م

۳؎ نابغہ کا تعلق بنو عدی بن نجار قبیلہ سے تھا۔ م

وفات کے وقت ان کی عمر پچیس سال تھی بعض نے ان کی عمر اٹھائیس سال بتائی ہے۔

حضرت عبداللہ نے ایک لونڈی اُمِّ ایمن برکہ حبشیہ، پانچ اُونٹ، بکریوں کا ایک گلہ ترکہ میں چھوڑا ان کی وفات پر حضرت آمنہ نے ان کے مرثیے میں یہ اشعار کہے:۔

عفا جانب البطحاء من آل ہاشم　　وجاور لحداً خارجاً فی الغماغم

آج وادی بطحا آلِ ہاشم سے خالی ہوگئی اور اس نے غماغم کے باہر ایک لحد میں سکونت اختیار کر لی۔

دعتہ المنایا دعوۃ فاجابہا　　وما ترکت فی الناس مثل ابن ہاشم

انھیں موت نے بلایا جسے اُنھوں نے مان لیا۔ ان کی موت نے ان جیسا کوئی فرزند لوگوں میں نہیں چھوڑا

عشیۃ راحوا یحملون سریرہ　　تعاورہ اصحابہ فی التزاحم

جس شب کو لوگ ان کا جنازہ لے کر چلے تو ہجوم کی وجہ سے ان کے ساتھیوں کا چلنا مشکل ہوگیا۔

فان تک غالتہ المنون وریبہا　　فقد کان معطاء کثیر التراحم

اگرچہ موت نے انھیں ہم سے چھین لیا ہے لیکن ان کی یہ یادگار باقی رہے گی کہ وہ بیحد فیاض اور بہت نرم دل تھے۔

حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کی آنحضرتؐ کے سوا کوئی اور اولاد نہیں ہوئی حضرت عبداللہ نے حضرت آمنہ کے سوا اور کسی سے شادی کی نہ حضرت آمنہ نے ان کے سوا دُوسرا عقد کیا۔

اصحابِ فیل کا واقعہ

جس سال حضرت محمدؐ کی ولادت باسعادت ہوئی اسی سال اندازاً ۵۷۰ء میں ابرہہ اشرم شاہ یمن نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ پر چڑھائی کر دی جس کا واقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

سلاطین حمیرؔ کے بعد اہل حبشہ یمن کو فتح کر کے وہاں کے حکمران بن گئے تھے جب یہ ملک ابرہہ بن صباح اشرم کے زیرِ نگین آیا تو اس نے یمن کے دارالسلطنت شہر صنعاء میں مقام غُمدان کے قریب ایک بہت بڑا کنیسہ (گرجا) تعمیر کیا جس کا نام قُلَیسؔ[۱] رکھا۔ اس زمانے میں کوئی دوسری ایسی عظیم الشان عمارت نہ تھی۔ اس کی تعمیر سنگ مرمر سے ہوئی تھی اور اس میں جو لکڑی استعمال ہوئی تھی اس میں سونے سے پچی کاری کی گئی تھی۔

---

۱ یہ کنیسہ بنو العباس کے پہلے خلیفہ سفاح کے زمانے میں برباد کر دیا گیا۔ سفاح نے یمن میں اپنے گورنر کو حکم دیا تھا جس نے اس کی سونے سے منقش لکڑیوں اور چاندی کے آلات کو جن میں سے بہت سونا ہاتھ آیا اور اس سے بہت دولت ملی۔ اس وقت سے اس کے آثار مٹ گئے اس کا ذکر ختم ہوگیا۔ م

اس کی تعمیر سے اس کا منشا یہ تھا کہ عربوں کو حج کرنے کے لیے کعبہ کی بجائے اس کنیسہ کی طرف متوجہ کر کے خانہ کعبہ کی مذہبی حیثیت کو ختم کر دیا جائے۔ جب اس نے عربوں میں یہ تحریک چلائی تو نسّاءہ کا ایک شخص طیش میں آگیا۔ اس کا تعلق قبیلۂ بنو فقیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر سے تھا۔ نسّاءہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لیے مہینوں میں ردّ و بدل اور کمی بیشی کر دیا کرتے تھے اسطرح کہ حرام مہینوں میں سے بعض کو حلال کر دیا کرتے اور اُنکی جگہ بعض حلال مہینوں کو حرام مہینوں میں داخل کر دیا کرتے تھے۔ اور اس حرام مہینے کو مؤخر کر دیا کرتے تھے۔ اس کے متعلق حق تعالےٰ نے آیت ذیل نازل فرمائی:-

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ	مہینوں کو مقدم مؤخر کرنا یقیناً شدّتِ کفر کی دلیل ہے جس کے ذریعہ کفار کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ ایک سال ایک مہینے کو حلال اور دوسرے سال اسی کو از خود حرام قرار دے لیتے ہیں تاکہ اللہ کے مقرر کردہ حرام مہینوں کی گنتی پوری کر لیں۔ اس طرح وہ حرام مہینوں کو حلال قرار دے سکیں۔

وہ پہلا شخص جس نے عربوں میں مہینوں کے تغیّر و تبدّل کو رواج دیا اور حلال مہینوں کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا وہ قلمس تھا۔ اسی کا نام حُذیفہ بن عبداللہ بن فقیم تھا جس نے محرم کو حرام مہینوں کا پہلا مہینہ شمار کیا۔

روایت ہے کہ کنانی نے قُلَیس کنیسہ پہنچ کر شب کو اس کے اندر غلاظت پھیلا دی اور وہاں سے روانہ ہو کر اپنے وطن واپس چلا گیا۔ جب ابرہہ کو اس کی خبر پہنچی تو اسے بے حد غصہ آیا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ بیت اللہ پہنچ کر اسے ضرور منہدم کر دے گا۔ (اسی سال کو ہاتھی کے سال سے موسوم کیا جاتا ہے) وہ راستے میں مقابلہ کرنے والے عربوں کو شکست دیتا ہوا جب طائف پہنچا تو اس نے اسود بن مقصود نامی ایک حبشی کو مکہ روانہ کیا جو اہل مکہ کے مویشیوں کو ہانک لایا۔ ان ہی میں عبدالمطلب بن ہاشم کے دوسو اونٹ بھی شامل تھے۔ اس نے یہ سب مویشی ابرہہ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ تب ابرہہ نے حناطہ حمیری کو مکہ بھیجا کہ وہ اس شہر کے سردار کا پتہ لگائے۔ چنانچہ اس نے جا کر معلوم کیا تو لوگوں نے عبدالمطلب کا نام بتایا۔ اس قاصد نے آپ سے کہا کہ ہمارے بادشاہ نے فرمایا ہے کہ میں آپ لوگوں سے جنگ کرنے کو نہیں آیا بلکہ میں صرف بیت اللہ کو منہدم کرنے آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! ہم بھی ان سے جنگ نہیں چاہتے۔ نہ ہم

میں جنگ کی طاقت ہے۔ یہ اللہ اور اس کے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھر ہے۔ اگر خدا اپنے گھر کے انہدام سے بادشاہ کو نہیں روکتا تو وہ اسی کا گھر اور حرم ہے (اسے اس کا اختیار ہے) اور اگر وہ اپنے گھر اور بادشاہ کے درمیان آڑے آتا ہے تو وہ اس پر قادر ہے۔ خدا کی قسم! ہم میں اس کے دفاع کی طاقت نہیں ہے۔ پھر عبدالمطلب خود ابرہہ کے قاصد کے ہمراہ اس کے پاس پہنچے۔ جب عبدالمطلب کے لیے حضوری میں پیشی کی اجازت طلب کی گئی تو عرض کیا گیا کہ قریش کے سردار حاضر ہیں۔ چنانچہ انھیں اندر آنے کی اجازت دی گئی۔ ابرہہ نے آپ کو دیکھ کر آپ کی تعظیم کی اور آپ کو نیچے بٹھانا پسند نہ کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ حبشہ کے لوگ انھیں شاہی تخت پر بادشاہ کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھیں۔ یہ سوچ کر ابرہہ خود تخت سے اتر کر فرش پر بیٹھ گیا اور آپ کو اپنے برابر بٹھالیا۔ پھر آپ سے کہا۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیان کیجیے۔ آپ نے شاہ سے اپنے پکڑے ہوئے اونٹوں کی رہائی کے متعلق کہا۔ یہ سن کر ابرہہ نے کہا میں نے جب آپ کو دیکھا تو آپ مجھے بھلے معلوم ہوئے تھے۔ لیکن آپ کی بات سن کر میری طبیعت میں آپ سے بیزاری و تنفر پیدا ہو گیا اس لیے کہ آپ مجھے اپنے سو اونٹوں کے متعلق تو کہہ رہے ہیں جو میں نے پکڑوا لیے ہیں لیکن آپ نے اس گھر کا ذکر تک نہ کیا جو آپ اور آپ کے آباؤ اجداد کا دینی مرکز چلا آرہا ہے اور میں اسے ہی منہدم کرنے آیا ہوں۔ اس کی نسبت آپ کچھ گفتگو نہیں کرتے۔

عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں۔ باقی اس گھر کا جو مالک ہے وہ اس کی خود حفاظت کرے گا۔ پس ابرہہ نے عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے۔ انھوں نے واپس جا کر اپنی قوم کو یہ سب سرگزشت سنادی اور انھیں مکہ چھوڑ کر باہر نکل جانے اور پہاڑوں اور دروں میں جاکر چھپ جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ ابرہہ کے لشکر کے شدید حملہ کا خطرہ تھا جنھیں قریش پر عددی برتری حاصل تھی پھر عبدالمطلب کعبہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر کھڑے ہوگئے۔ آپ کے ساتھ قریش کی ایک جماعت بھی کھڑی ہوگئی۔ یہ سب خدا سے ابرہہ اور اس کے لشکر کے مقابلہ میں قریش کی فتح و نصرت کی دعا مانگنے لگے۔ چنانچہ حلقہ پکڑے ہوئے عبدالمطلب یہ کہتے جاتے تھے۔

لَاهُمَّ اِنَّ الْعَبْدَ يَمْنَعُ ۔۔۔ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ حِلَالَكَ

اے خدا! یہ بندۂ ناچیز اپنے قافلہ کی حفاظت کر رہا ہے۔ اب تو اپنے گھر کی خود حفاظت فرمالے۔

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ ۔۔۔ وَمِحَالُهُمْ غَدْوًا مِحَالَكَ

ایسا نہ ہو کہ کل کو نصاریٰ کی صلیب خانہ کعبہ پر بلند ہو جائے اور ان کی قوت تیری قوت پر غالب آجائے۔

اِن کُنتَ تارکھُم و قبلتَنا فامرٌ ما بدالک

اگر تو نے انھیں ہمارے قبلہ کی بربادی کی چھوٹ دیدی تو پھر تجھے اس کا اختیار ہے جو چاہے سو کر۔

جب ابرہہ نے مکّہ میں داخل ہونے کی تیاری کی اور مکّہ کے انہدام کے عزم کے ساتھ اپنے سب سے بڑے ہاتھی محمُود کو اس مقصد کے لیے تیار کر لیا تو خدا کی قدرت دیکھئے کہ اس کے فوجی اس ہاتھی کو جب مکّہ کی طرف چلانا چاہتے تو وہ بیٹھ بیٹھ جاتا اور بالکل حرکت نہ کرتا اور جب اُسے کسی دُوسری طرف چلاتے تو وہ کھڑا ہو کر تیز تیز دوڑنے لگتا۔ اس معرکہ میں ابرہہ کے ہاتھی تیرہ تھے۔

یہ فوجی اسی کشمکش میں تھے کہ یکایک حق تعالیٰ نے ان پر سمندر کی طرف سے ابابیل پرندہ کے غول کے غول بھیجے۔ جن میں ہر ایک کے ساتھ تین تین کنکریاں تھیں۔ ایک ایک ان کی چونچ میں اور دو دو پنجوں میں تھیں۔ یہ کنکریاں چنے اور مسُور کی دال کے برابر تھیں۔ ان پرندوں نے یہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر پھینکیں حال یہ ہُوا کہ جس کے لگ جاتیں وہی ہلاک ہو جاتا۔ صرف چند آدمی بچ رہے جن کے کنکریاں نہیں لگی تھیں۔ پھر خُدا نے سیلاب بھیجا جس نے ان نعشوں کو سمندر میں بہا دیا۔ جو اس عذاب سے بچ رہے وہ ابرہہ سمیت تیزی سے راستہ طے کرتے ہوئے یمن کی طرف بھاگ گئے۔ راہ میں ابرہہ کے جسم کے اعضا کٹ کٹ کر گرنے لگے حتیٰ کہ جب وہ صنعاء تک پہنچا تو وہ اس چڑیا کے بچّے کی طرح مُنجارہ گیا جس کے بال و پر جھڑ گئے ہوں۔ پھر اس کا سینہ شق ہو گیا اور دل کی حرکت بند ہو گئی جس سے وہ مر گیا۔

اس سال سرزمینِ عرب میں پہلی مرتبہ خسرہ اور چیچک کی بیماری دیکھی گئی۔

ابرہہ کی وفات پر اس کا فرزند یکسوم ۵۷۱ء میں تخت نشین ہُوا۔

اس واقعہ کی اہمیت کے پیشِ نظر مُورخین عرب نے لکھا ہے کہ اگر ابرہہ قریش پر غالب آجاتا اور خانہ کعبہ کو منہدم کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو عیسائی مذہب مکّہ معظمہ میں داخل ہو جاتا اور عرب اس کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیئے جاتے۔ اس لیے کہ یمن حبشی عیسائی شاہوں کے تحت آگیا تھا اور یمن کے اکثر باشندوں کو خواہ وہ بُت پرست تھے یا یہُودی عیسائی مذہب قبول کرنے پر پہلے ہی مجبور کیا جا چکا تھا۔ قریش قصیّ بن کلاب کی عظمت و مرتبہ کی بنا پر ان کی وفات کے دن سے سالوں کی تاریخ کا تعین کیا کرتے تھے۔ مگر اس سے زیادہ اہم واقعۂ فیل کے بعد اس دن سے سالوں کی تاریخ مُرتب کرنے لگے۔

قرآن کریم میں بھی درج ذیل سورت میں فیل کے واقعہ کا بیان کیا گیا ہے :۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ	کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں
الْفِيْلِ ○ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ	کیا معاملہ کیا۔ کیا ان کے (انہدام کعبہ کے) داؤ کو سراسر
تَضْلِيْلٍ ○ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا	اُلٹا نہ کر دیا اور ان پر ابابیل پرندوں کے غول
اَبَابِيْلَ ○ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ	مسلط نہ کر دیئے جو ان پر کنکریوں کی پتھریاں پھینکتے تھے۔
سِجِّيْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○	یہانتک کہ اللہ نے انھیں چبائے ہوئے بھوسہ کی طرح پامال کر دیا۔

اس سورت میں حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو مطلع فرمایا ہے کہ ہاتھی والوں یعنی خانہ کعبہ کے انہدام کی غرض سے حملہ آور فوج کا کیسا المناک حشر ہوا اور صرف ان پرندوں کے ان پر کنکریاں پھینکنے سے جنھیں حق تعالیٰ نے ان پر مسلط فرما دیا تھا۔ وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ سجیل کے معنی ہیں خشک یا پتھریلی مٹی قرآن کریم میں سورۂ حجر میں بھی سجیل کا لفظ آیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ ہم نے ان پر (یعنی قوم لوط پر) پتھریلی کنکریاں برسائیں۔

سورۂ ہود میں ارشاد ہوتا ہے :۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ○ ہم نے اس قوم پر سخت پتھریلی کنکریاں برسائیں۔

اور جس نے سجیل کے معنی میکروب کے کئے ہیں وہ غلطی پر ہے اس لیے کہ لغت میں اس کے یہ معنی نہیں ملتے۔ الحاصل ان چھوٹی چھوٹی کنکریوں نے حملہ آور فوج کو یکایک تباہ و برباد کر ڈالا اور وہ بے نیل مرام شکست خوردہ ہو کر بھاگ گئی۔ ان کنکریوں نے انھیں مویشیوں کے چبائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر ڈالا۔ حال یہ تھا کہ یہ کنکریاں لگتے ہی ان کے جسم کا گوشت کٹ کٹ کر گر جاتا تھا۔

اگر کوئی شبہ کرے کہ یہ کیونکر تصور میں آسکتا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی کنکریوں نے اتنی بڑی فوج کو دُھنک کر رکھ دیا تو اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ حق تعالیٰ کی قدرتِ واسعہ کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ تھا۔ اس خُدائے برتر کو اس پر بھی قدرت حاصل تھی کہ وہ انھیں یُونہی بغیر پرندوں کے تسلط کے شکست دے کر لوٹا دیتا۔ لیکن اس مُسبّب الاسباب نے اس حقیر چیز کو ان کی ہلاکت کا سبب بنا دیا۔ بہرحال اس طرح حق تعالیٰ نے شاہِ حبشہ کو شکست فاش دے کر بیت اللہ کو منہدم ہونے سے بچا لیا۔ اور یہی بعد کو تمام رُوئے زمین کے مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔

ولادت باسعادت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

بتاریخ ۲۰؍ اگست ۵۷۰ء

بتاریخ ۱۲؍ ربیع الاوّل مطابق ۲۰؍ اگست ۵۷۰ء بروز دوشنبہ صبح کے وقت حضورِ اکرمؐ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (اہلِ مکّہ کا معمول چلا آرہا ہے کہ وہ آج تک آپ کی ولادت کے وقت آپ کے مقام ولادت کی زیارت کرتے ہیں) اسی سال اصحابِ فیل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ نیز کسریٰ انوشروان خسرو بن قباد بن فیروز کی حکومت پر چالیس سال گزر چکے تھے۔

آپ کی ولادت مکّہ مکرمہ میں مقام سوق اللیل کے اس مکان میں ہوئی تھی جو حجاج بن یوسف کے بھائی محمدّ بن یوسف ثقفی کا مکان کہلاتا تھا۔ آپ کی ولادت والا حجرہ اس گھر کا ایک جزو بنا دیا گیا جسے بعد میں مدّت کے بعد خلیفہ ہادی اور رشید کی والدہ خیزران نے مکان سے علیحدہ کرکے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ جس میں نماز پڑھی جانے لگی۔ اس سے قبل یہ مکان عقیل بن ابی طالب کی ملکیت تھا۔

آپ کی ولادت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی والدہ "شفاء" کے ہاتھوں ہوئی کہ وہی آپ کی دایہ تھیں بوقت ولادت آپ کی نظر آسمان کی طرف اٹھی ہوئی اور ہاتھ زمین پر ٹکے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ انھوں نے زمانۂ حمل میں دوسری حاملہ عورتوں کی طرح کسی قسم کی گرانی محسوس کی۔ نہ ایامِ حمل میں کسی خاص چیز کے کھانے کی خواہش پائی۔ آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کی ولادت کی خبر آپکے دادا کو بھیجی جو اس رات طواف بیت اللہ میں مشغول تھے۔ وہ یہ خبر سنتے ہی آپ کی والدہ کے پاس آئے۔ انھوں نے عرض کیا اے ابو الحارث آپکے گھر میں یہ عجیب و غریب بچّہ پیدا ہوا ہے۔ یہ سن کر عبدالمطلب گھبرا گئے اور بولے کیا وہ صحیح سالم پیدا نہیں ہوا؟ انھوں نے جواب دیا۔ نہیں اس کے اعضاء تو مکمّل ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس بچہ نے پیدا ہوتے ہی پہلے سجدہ ادا کیا۔ پھر اپنے سر اور دو انگلیوں کو آسمان کی طرف اٹھایا۔

پھر آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو آپکے دادا کو دیا۔ جنھوں نے پہلے تو آپ کو خوب جی بھر کر دیکھا۔ پھر آپ کو خانہ کعبہ میں لے گئے۔ جہاں حق تعالیٰ سے آپکے لیے فتنہ و شر سے خدا کی پناہ مانگی اور آپکے حق میں دعائے خیر کی۔ پھر آپ کو واپس لاکر آپ کی والدہ کے سپرد کر دیا۔ عبدالمطلب نے ہی آپ کا

نام "محمدؐ" رکھا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے ان کا یہ نام کیسے رکھا جبکہ آپ کے آباؤ اجداد میں سے کسی کا یہ نام نہ تھا۔ فرمایا۔ مجھے اُمید ہے کہ تمام اہلِ زمین ہمیشہ اس کی مدح و ثنا کیا کریں گے جس سال آپ کی والدہ محترمہ حاملہ ہوئیں وہ کامرانی اور خوشحالی کا سال تھا اس لیے کہ اس سے قبل قریش بہت بڑی قحط سالی اور عُسرت میں مُبتلا تھے۔ مگر اس سال زمین عرب سرسبز و شاداب ہو گئی۔ وہاں کے درخت پھلوں سے لد گئے اور قریش خوشحال و فارغ البال ہو گئے۔

آپ کی ولادت کے وقت جو عجیب و غریب واقعات پیش آئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ کسریٰ شہنشاہ فارس کے محل میں یکایک زلزلہ آ گیا۔ اور اس کے محل کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گر پڑے جس سے اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ اس خاندان میں ظلم و استبداد کرنے والے صرف چودہ بادشاہ باقی رہ گئے ہیں۔ چنانچہ دس بادشاہ تو یکے بعد دیگرے چار سال ہی میں ختم ہو گئے اور باقی چار حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ہلاک ہو گئے۔

ایک واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ فلسطین میں بحیرہ طبریہ یکایک خشک ہو گیا جس سے اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ وہاں کے باشندوں پر انتہائی مصائب و شدائد نازل ہوں گے۔

ایک واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ فارس کا آتشکدہ بُجھ گیا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ایک ہزار سال سے ایک لمحہ کو بھی اس کی آگ نہ بُجھی تھی۔

علامہ بیہقی اور ابو نعیم اصفہانی نے اپنی کتب میں اور خرائطی نے ہواتف میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یہ روایت بیان کی ہے۔

ایک واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ شہاب ثاقب کے ذریعے آسمان کی مزید حفاظت کر دی گئی اور شیطانوں کی گھاتیں ختم کر دی گئیں۔ انھیں چوری چھپے آسمانی خبریں سُننے سے روک دیا گیا۔ اس موضوع پر شقراطیسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ضَاءَتْ لِمَوْلِدِہِ الْاٰفَاقُ وَاتَّصَلَت بُشْرَی الْهَوَاتِفِ فِی الْاِشْرَاقِ وَالطَّفَلِ

آپکی ولادت باسعادت کے نور سے سب عالم جگمگا اُٹھے اور ہاتفِ غیبی کی طرف سے مشرق و مغرب میں آپکی ولادت کی خوشخبری پھیل گئی

وَصَرحُ کِسْرٰی تَدَاعٰی مِنْ قَوَاعِدِہٖ وَانْقَضَّ مُنْکَسِرَ الْاَرْجَاءِ ذَا مِیَلِ

کسریٰ کے محل کی بنیادیں زلزلہ سے ہلنے لگیں اور اس کے محل کے کنگرے جُھک گئے اور ٹوٹ کر گر پڑے۔

ونارفارس لم توقد وما خمدت　　مذ الف عام ونهر القوم لم یسل

ملک فارس کا آتش کدہ بجھ گیا۔ حالانکہ اس کی آگ ہزار سال سے نہ بجھی تھی اور بحیرہ طبریہ کا پانی خشک ہوگیا۔

خرت لمبعثہ الاوثان وانبعثت　　ثواقب الشھب ترمی الجن بالشھب

آپکی تشریف آوری پر بُت اوندھے منہ زمین پر گر پڑے اور شہاب ثاقب کے ذریعے شیاطین کو مارا جانے لگا۔

بعض مؤرخین نے مذکورہ واقعات کے علاوہ اس وقت ایک بڑے زلزلہ کا برپا ہونا بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ مؤرخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس وقت لوگوں کو شدید زلزلہ کا سامنا کرنا پڑا تھا جس نے تمام دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

روایت ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے کسریٰ کے محل کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی نے کہا اے امیر المومنین! آپ اس عمارت کو منہدم نہ کرائیں جو ظہورِ اسلام کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ بوصیری نے اپنے ہمزیہ قصیدہ میں لکھا ہے۔

وتداعی ایوان کسریٰ ولولا　　ایۃٌ منک ماتداعی البناءُ

زلزلہ سے کسریٰ کے محل کی بنیادیں ہل گئیں اگر وہ آپکی نبوت کی علامت نہ ہوتا تو زلزلہ سے اس کی بنیادیں نہ ہلتیں۔

وغدا کل بیت نار وفیہ　　کربۃٌ من خمودھا وبلاءُ

فارس کا ہر آتش کدہ اس کی آگ بجھ جانے کی وجہ سے اس کے پرستاروں کے لیے مصیبت اور غمکدہ بن گیا۔

وعیونٌ للفرس غارت فھل کا　　ن لنیرانھم بھا اطفاءُ

فارس کے چشمے خشک ہو گئے تو کیا ان چشموں کے پانیوں سے یہ آتش کدے بجھ گئے تھے۔

آنحضرتؐ کی ولادت طیبہ کے ساتویں دن آپکے دادا نے آپکے عقیقہ میں ایک دُنبہ ذبح کیا۔

آنحضرتؐ کی ولادتِ طیّبہ کا جشنِ مُبارک

امام ابوشامہ شیخ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دور کا نیا مگر بہترین اختراع آنحضرتؐ کے یوم ولادت کا جشن منانے کا عمل ہے جس میں اس مُبارک خوشی کی مناسبت سے صدقہ خیرات، محفلوں کی زیبائش وآرائش اور اظہارِ مسرت کیا جاتا ہے۔ یہ مُبارک تقریبات فقراء سے حُسنِ سلوک کے علاوہ امتیوں کی آنحضرتؐ سے والہانہ عقیدت ومحبت اور اہلِ محفل کے دل میں آپ کی فضیلت وعظمت کی پختگی اور آپ کو رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجنے والے کے قلبی شکر وامتنان کا احساس دلاتی ہیں۔

امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کا رواج تین صدی بعد ہوا ہے۔ اس کے بعد سے تمام ممالک و امصار میں مسلمانانِ عالم عید میلاد النبی مناتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ ان دنوں میں خیرات و صدقات کرتے اور میلاد النبی کی مجالس منعقد کرتے ہیں جن کی برکتوں سے ان پر حق تعالیٰ کا عام فضل و کرم ہوتا ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے سال بھر امن و عافیت رہتی ہے اور یہ مبارک عمل ہر نیک مقصد میں فوری کامیابی کی بشارت کا سبب بنتا ہے۔

سلاطینِ اسلام میں اس طریقہ کو رائج کرنے والے سب سے پہلے شاہِ اربل سلطان مظفر ابوسعید تھے جن کی فرمائش پر حافظ ابن دحیہ نے اس موضوع پر ایک کتاب "التنویر فی مولد البشیر النذیر" تالیف کی تھی۔ اس پر شاہ نے خوش ہو کر مؤلف کو ایک ہزار دینار انعام عطا فرمایا تھا۔ اسی سلطان نے سب سے پہلے جشن میلاد النبی منعقد فرمایا تھا۔ وہ ہر سال ماہ ربیع الاول میں یہ جشن انتہائی اہتمام کے ساتھ بہت اعلیٰ پیمانے پر منایا کرتے تھے۔ وہ طبعاً نہایت سخی، جواں مرد، شیر دل، فیّاض طبع، نہایت زیرک و دانا اور مُنصف مزاج تھے۔ کہا گیا ہے کہ وہ ہر سال جشن میلاد پر تین لاکھ دینار خرچ کیا کرتے تھے۔

سلطان ابوحمو موسیٰ شاہ تلمسان بھی عید میلاد النبی کا عظیم الشان جشن منایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ان کے زمانہ میں اور ان سے قبل مغرب اقصیٰ و اندلس کے سلاطین بھی منایا کرتے تھے۔ سلطان ابوحمو کے جشن کی تفصیل حافظ سید ابوعبداللہ تونسی ثم تلمسانی نے اپنی درج ذیل کتاب میں بیان کی ہے جس کا نام یہ تھا:

راح الارواح فیما قالہ مولی ابو حمو من الشعر وقیل فیہ من الامداح

سلطان ابو حمو اور دوسروں کے فرمودہ منقبتی اشعار میں ارواحِ انسانی کے لیے راحت و سکون ہے۔

مؤلف نے بیان کیا ہے کہ سلطان تلمسان کے صاحب رائے معززین کے مشورہ سے شبِ میلاد النبی میں ایک عام دعوت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے جس میں بلا استثناء ہر خاص و عام کو شرکت کی اجازت ہوتی تھی۔ اس محفل میں اعلیٰ قسم کے قالینوں کا فرش اور منقش پھول دار چادریں بچھائی جاتیں۔ سنہرے کار چوبی غلافوں والے گاؤ تکیے لگائے جاتے تھے۔ ستونوں کے برابر بڑے بڑے شمعدان روشن کیے جاتے تھے۔ بڑے بڑے دستر خوان بچھائے جاتے تھے۔ بڑے بڑے گول اور خوشنما نصب شدہ بخور دانوں میں بخور سُلگایا جاتا تھا جو دیکھنے والوں کو پگھلا ہوا سونا معلوم ہوتا تھا۔ پھر تمام حاضرین کے سامنے انواع و اقسام

کے کھانے چُنے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ موسم بہار میں رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ ایسے کھانے جن کی طرف دل کو رغبت ہو اور جنھیں دیکھ کر آنکھیں لذت اندوز ہوں۔ ان محفلوں میں اعلیٰ قسم کی خوشبوئیں بسائی جاتی تھیں جن کی مہک سے فضا معطّر ہو جاتی تھی۔ مہمانوں کو حسب مراتب ترتیب وار بٹھایا جاتا تھا۔ یہ ترتیب جشن کی مناسبت سے دی جاتی تھی۔ حاضرین پر عظمتِ نبوّت کا جلال و وقار چھایا رہتا تھا۔

انعقادِ محفل کے بعد سامعین آنحضرتؐ کے مناقب و فضائل اور ایسے پاکیزہ خیالات و نصائح سُنتے جو انھیں گناہوں سے توبہ کی طرف راغب کرتے۔ خطباء اسلوبِ بیان کے مدّوجزر اور خطابت کے تنوعات سے سامعین کے قلوب کو گرماتے اور سامعہ کو لذت اندوز کرتے تھے۔

سلطان کے قریب ایک خوبصورت کمرہ بنایا جاتا تھا جسے دُلہن کی طرح سجایا جاتا کہ وہ مُنی عروسی جوڑا معلوم ہوتا تھا۔ اس میں رات کے گھنٹوں کی تعداد کے برابر مُتحرک دروازے بنائے جاتے اور ہر گھنٹہ گزرنے پر ٹھیک وقت پر اس طرح گھنٹہ بجتا کہ اس کا ایک دروازہ کُھلتا جس میں سے ایک حسین ترین پُتلی نمودار ہوتی جس کے دائیں ہاتھ میں ایک پرچی ہوتی تھی اور اس میں اس گھنٹہ کا نمبر ترتیب وار درج ہوتا جو اس وقت بجتا تھا۔ وہ پتلی یہ پرچی نزاکت سے سلطان کے سامنے رکھ دیتی اور اپنا بایاں ہاتھ اپنے مُنہ پر رکھے رہتی گویا کہ وہ خلافت کی بیعت کر رہی ہو، صبح کے نمودار ہونے اور مؤذن کے "حیّ علی الفلاح" کہنے تک یہی کیفیت رہتی تھی۔

ہمارے زمانہ میں بھی مسلمانانِ عالم اپنے اپنے شہروں میں میلاد کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ مصر کے علاقوں میں یہ محفلیں مسلسل منعقد کی جاتی ہیں اور ان میں برابر میلادِ نبوی سے متعلّق بیانات کیے جاتے ہیں فقراء و مساکین کو خیرات تقسیم کی جاتی ہے۔ خاص شہر قاہرہ میں اس روز ظہر کے بعد ایک پیادہ جلوس کمشنر آفس کے سامنے سے گزرتا ہوا عباسیہ میدان کی طرف روانہ ہوتا ہے جو پولیس کے حفاظتی دستوں کے ساتھ سڑکوں سے گزرتا ہے۔ یہ جلوس مقاماتِ غوریہ، اشراقیہ، کوئلہ بازار اور حسینیہ سے گزرتا ہوا عباسیہ میدان پر ختم ہوتا ہے۔ ان راستوں پر ہجوم بڑھتا جاتا ہے۔ جلوس کے آگے پولیس کے سوار دستے ہوتے ہیں اور دونوں طرف فوج کے کچھ افسر ہوتے ہیں۔ مصر میں یہ مبارک دن حکومت کی طرف سے منایا جاتا ہے۔ چنانچہ عباسیہ میں وزراء و حکّام کے لیے شامیانے نصب کیے جاتے ہیں اور خود شاہ وقت یا ان کے نائب جلسہ گاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ شاہ کے پہنچنے پر فوج سلامی دیتی ہے۔ پھر وہ شامیانے

میں داخل ہوتے ہیں۔ پھر صُوفیہ اور مشائخ طریقت اپنے اپنے جھنڈے لیے وہاں حاضر ہوتے ہیں جن کا بادشاہ استقبال کرتے ہیں۔ پھر شاہ خود شیخ المشائخ کے شامیانے میں حاضر ہو کر ذکر میلاد النبی سماعت فرماتے ہیں۔ ختم محفل پر شاہ میلاد کا بیان کرنے والے کو شاہانہ خلعت عطا فرماتے ہیں۔ پھر حاضرین میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے۔ شربت پلایا جاتا ہے۔ اس کے بعد توپوں کی گونج میں شاہانہ سواری مراجعت فرما ہوتی ہے۔ پھر شام کے وقت خیموں پر نصب شُدہ قمقمے روشن کیے جاتے ہیں۔ بہترین آتشبازی چھوڑی جاتی ہے۔ اس دن تمام دفاتر میں تعطیل ہوتی ہے۔ نیز بمقام مشہد حسینی کمشنر مصر کی موجودگی میں سیرت النبی کا بیان ہوتا ہے۔ آج کل مذہبی علما اور بیدار مغز حکام کی توجہات و مساعی جمیلہ سے بیشتر مروجہ بدعتوں کو دُور کیا جا رہا ہے۔

یہ جشن میلاد النبی کے اہتمام کا بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ہم حکام وقت سے مُسلسل یہ مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ وہ ہر بُرائی جو دین کے خلاف ہے اور وہ تمام غیر ضروری باتیں جو ان مبارک مجالس کے موقعوں پر رواج پا گئی ہیں انھیں سختی سے روک دیا جائے۔ کیونکہ یہ باتیں اسلام کی خوبیوں کو داغدار بنا دیتی ہیں اور مجالس میلاد کے انعقاد کے پاکیزہ مقاصد کو مفاسد سے آلُودہ کر دیتی ہیں۔

آنحضرتؐ کے اسماء گرامی

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میرے بہت سے نام ہیں۔ میں "محمدؐ" ہوں۔ میں "احمدؐ" ہوں ہیں "ماحی" (مٹانے والا) ہوں جس کے ذریعے حق تعالیٰ دُنیا سے کفر کو مٹا دے گا۔ میں "حاشر" (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگ قیامت کے دن میرے قدموں تلے جمع ہوں گے۔ میں "عاقب" (آخری نبی) ہوں میں محمدؐ ہوں میں احمد (قابلِ تعریف) ہوں۔ میں "نبی رحمت" ہوں، "نبی توبہ" ہوں میں مقفی (افضل و معزز) ہوں۔ میں "حاشر" ہوں۔ میں "نبی الملاحم" (میدان ہائے جہاد کا نبی) ہوں۔

کتاب تہذیب میں ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کے اسماء گرامی رسُول (پیغمبر) نبی اُمّی (ان پڑھ نبی) شاہد (گواہ) مُبشّر (خوشخبری دینے والا) نذیر (عذاب سے ڈرانے والا) داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بُلانے والا) سراج مُنیر (روشن چراغ) رؤف و رحیم (نرم دل و مہربان) نیز رحمت، نعمت، ہادی بیان فرمائے ہیں۔ علیٰ ہذا آپ کے اسماء یہ بھی ہیں۔ فاتح، طٰہٰ، یٰسٓ، عبداللہ، خاتم الانبیاء، مختار۔ آپ

کی کُنیت ابو القاسم ہے۔ حضرت جبریل علیہ السّلام نے آپ کی کُنیت ابو ابراہیم رکھی تھی۔

آنحضرتؐ کو دُودھ پلانے والی خواتین

نبی کریمؐ کو آٹھ عورتوں نے دُودھ پلایا ہے بلکہ اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی گئی ہے۔ ان میں سب سے پہلی آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ ہیں۔ پھر آپ کے چچا ابُو لہب کی لونڈی ثوبیہ اسلمیہ ہیں جنھیں ابولہب نے حضرت حلیمہ کی آمد سے قبل آپ کی ولادت کی خوشخبری سُن کر آزاد کر دیا تھا۔ انہی میں خولہ بنت منذر اور امّ ایمن ہیں۔ انہی میں حضرت حلیمہ کے علاوہ سعدیہ نامی اک اور خاتون اور قبیلہ عواتک کی تین خواتین شامل ہیں۔

آپ کو سب سے زیادہ دُودھ پلانے والی حضرت حلیمہ بنت ابی ذوئیب سعدیہ ہیں جن کی کُنیت اُمّ کبشہ ہے۔

عرب میں عام رواج تھا کہ جب ان کے ہاں بچّہ پیدا ہوتا تو وہ اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر دوسرے قبیلہ کی کسی بہتر انّا کو تلاش کرتے تھے تاکہ بچّہ کی نشوونما بہتر عادات و اطوار اور لسانی فصاحت و شستگی پر ہو سکے۔ چنانچہ آپ کی ولادت پر بنو سعد کی عورتیں بنو سعد کی عورتیں انّا کی خدمت کے لیے بچوں کی تلاش میں مکّہ معظمہ آئیں۔ ان میں ہی میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ اس سال ملک میں شدید قحط تھا بجز حضرت حلیمہ کے دُوسری خواتین کو دُودھ پلانے کے لیے بچّے مل گئے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ اپنے وطن سے اپنے شوہر حارث بن عبد العزّیٰ کے ہمراہ نکلیں۔ ان کا بچّہ بھی شیر خوار تھا۔ قبیلہ بنو سعد کی چند اور خواتین بھی اسی غرض سے ان کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ اس سال شدید قحط سالی کی وجہ سے ہمارے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ میں ایک سفید گدھی پر سوار ہو کر نکلی تھی۔ ہمارے ساتھ ہماری اُونٹنیاں بھی تھیں۔ بخدا مجھے دُودھ کا ایک قطرہ تک نہ ٹپکتا تھا۔ میرا بچّہ بھُوک کی شدّت سے روتا رہتا تھا جس کی وجہ سے ہمیں شب بھر نیند نہ آتی تھی۔ نوبت یہ آگئی تھی کہ بچّہ کو پلانے کو نہ میری چھاتیوں میں دُودھ تھا نہ اونٹنیوں کے تھنوں میں کہ وہی پلا دیتی۔ لیکن ہم سب بارانِ رحمت اور کشائش رزق کے متوقّع ضرور تھے۔ میں نے اپنی گدھی پر سوار ہو کر سفر شروع کیا تو اس کی لاغری اور ضعیفی کی وجہ سے یہ سفر طویل اور قافلہ کے ساتھیوں کے لیے تکلیف دہ ہو گیا۔ خُدا خُدا کر کے ہم لوگ مکّہ پہنچے اور شیر خوار بچّوں کو تلاش کرنے لگے۔ ہم میں سے ہر ایک پر حضرت محمدؐ کو پیش کیا گیا مگر

جونہی کسی خاتون کو بتایا جاتا کہ یہ بچّہ یتیم ہے تو وہ آپ کو لینے سے انکار کر دیتی۔ کیونکہ ہم والدین سے اس کا معقول معاوضہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس بنا پر یہ رائے قائم ہوئی کہ یہ بچّہ یتیم ہے۔ نمعلوم اس کی والدہ اور دادا ہمیں معقول معاوضہ دے سکیں گے کہ نہیں اس لیے ہم سب نے انھیں لینے سے انکار کر دیا۔ مختصر یہ کہ میرے علاوہ میری سب ساتھنوں کو بچے مل گئے تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ واللہ میں جاکر اس یتیم بچے کو ہی لے آتی ہوں۔ شوہر نے کہا مضائقہ نہیں شاید حق تعالیٰ اس بچہ کی برکت سے ہی ہمیں فراغت عطا فرماوے۔ چنانچہ میں نے جاکر اس بچّہ کو حاصل کر لیا۔ دراصل اس بچّہ کو اس مجبوری کی بنا پر قبول کرنا پڑا تھا کہ اس کے علاوہ اور کوئی بچّہ باقی ہی نہ رہا تھا۔ چنانچہ میں لسے لے کر اپنے قافلہ میں واپس آگئی۔ پھر جو میں نے اس بچّہ کو اپنی چھاتیوں سے لگایا تو میری چھاتیوں میں اس قدر دُودھ بھر آیا کہ اس بچّے نے شکم سیر ہو کر پیا۔ ساتھ ہی اس کے رضاعی بھائی نے بھی سیر ہو کر پیا۔ پھر یہ دونوں سو گئے۔ حالانکہ اس سے قبل ہم اس بچّے کے رونے اور بلبلانے کی وجہ سے سو نہ سکتے تھے۔ میرے شوہر اپنی لاغر و نحیف اونٹنی کے پاس گئے تو اس کے تھن دُودھ سے بھرے ہوئے پائے چنانچہ انھوں نے دُودھ دوہا اور ہم دونوں دُودھ پی کر سیر ہو گئے اور رات بھر آرام سے سوئے۔ جب صبح ہوئی تو میرے ایک ہمسفر نے کہا۔ اے حلیمہ واقعی تمھیں ایک بابرکت بچّہ مل گیا ہے۔ میں نے کہا۔ واللہ میرا بھی یہی خیال ہے۔ پھر ہم نے وہاں سے روانگی کی تیاری کی۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہوتی اور حضرت محمدؐ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ واللہ اس لاغر گدھی نے اس تیزی سے سفر طے کیا کہ دوسروں کے گدھے اتنا تیز نہ چل سکے۔ حتّٰی کہ میری دو ساتھنیں کہنے لگیں۔ اے ابو ذوئیب کی بیٹی! ذرا ہم پر مہربانی کرو اور اتنا تیز نہ چلو۔ کیا یہ وہی گدھی نہیں ہے جس پر تم گھر سے سوار ہو کر روانہ ہوئی تھیں؟ میں نے کہا۔ بلاشبہ یہ وہی ہے۔ وہ کہنے لگیں۔ بخدا اس میں تو یکایک عظیم تغیر رُونما ہو گیا۔

پھر ہم سب بنو سعد کے علاقہ میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ وہاں اس وقت یہ خیال تھا کہ روئے زمین کا کوئی حصّہ اتنا قحط زدہ نہ تھا جس قدر ہمارا علاقہ تھا مگر جب سے ہم اس بچّہ کو اپنے ساتھ لائے میرے مویشی چراگاہ سے دُودھ بھرے تھنوں واپس آنے لگے کہ ہم انھیں دوہ کر خوب سیر ہو کر پیتے۔ حالانکہ ان دنوں دوسرے لوگوں کو دُودھ کا قطرہ تک مُیسّر نہ تھا اُنکے جانوروں کے تھن بدستور خشک رہتے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر ہماری قوم کے لوگوں نے اپنے چرواہوں سے کہا۔ تمھارا ناس ہو تم بھی

اپنے مویشی وہیں لے جاکر چراؤ جہاں ابوذویب کی دختر کا چرواہا چراتا ہے لیکن اس پر عمل کرنے کے بعد بھی ان کے جانور بھوکے ہی واپس لوٹتے جن کے تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ ہوتا تھا اور ہمارے مویشی دودھ سے بھرے ہوئے واپس ہوتے۔ الحاصل ہم پر اللہ کی طرف سے برابر فارغ البالی اور خوشحالی کا فیضان ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت محمدؐ کی رضاعت کے دوسالہ معاہدہ کی مدت پوری ہو گئی اور میں نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ اس وقت آپ اتنے تندرست و توانا ہو گئے تھے کہ دوسرے ہم عمر لڑکوں میں ممتاز اور بڑے نظر آتے تھے اور دو سال پورے ہونے سے قبل ہی ان کا جسم بھاری بھرکم ہو گیا تھا۔ ہم انھیں لے کر حسب معاہدہ ان کی والدۂ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن ہماری دلی آرزو یہی تھی کہ آپ ابھی کچھ دن اور ہمارے ہی پاس رہ جائیں اس لیے کہ ہم ان کی برکتوں کا صریحی مشاہدہ کر چکے تھے۔ چنانچہ ہم ان کے دوبارہ لے جانے پر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی والدۂ محترمہ نے انھیں دوبارہ ہمارے ساتھ بھیج دیا۔

سینہ مبارک شق ہونے کا واقعہ

حضرت حلیمہؓ کا بیان ہے کہ آپ کو ہم دوبارہ لے کر اپنے گھر واپس آ گئے۔ چند ماہ بعد اک عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہمارے گھروں کے عقبی حصہ میں بکریاں چرا رہے تھے کہ یکایک ان کا بھائی دوڑتا ہوا ہمارے پاس آیا اور مجھ سے اور اپنے والد سے بیان کرنے لگا کہ دو آدمیوں نے جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے اس قریشی بھائی کو پکڑ کر زمین پر لٹا دیا۔ پھر اس کا پیٹ چاک کر کے اس میں کوئی چیز ملا دی اور چلے گئے۔ یہ سنتے ہی میں اور میرے شوہر فوراً وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ حضرت محمدؐ کھڑے ہیں اور ان کا چہرہ خوف سے متغیر ہو رہا ہے میں نے اور میرے شوہر نے آپ کو سینہ سے چمٹا لیا اور شفقت سے پوچھا کہ اے بیٹے تمھیں کیا واقعہ پیش آیا۔ انھوں نے سنایا کہ کوئی دو اجنبی آئے جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے۔ انھوں نے مجھے پکڑ کر لٹایا اور میرا پیٹ چاک کر کے آنتوں میں کوئی چیز ملا دی اور چلے گئے۔ نہ معلوم وہ کیا شے تھی۔ ہم لوگ آپ کو ساتھ لے کر گھر واپس آ گئے۔ مجھے میرے شوہر نے کہا۔ اے حلیمہ مجھے اندیشہ ہے کہیں اس بچے پر آسیب کا اثر نہ ہو گیا ہو۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ کسی ناخوشگوار واقعہ کے ظہور سے قبل ہی انھیں ان کے گھر پہنچا

دیا جائے۔ چنانچہ ہم آپ کو لے کر آپ کی والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا۔ اے مادرِ مُشفقہ! تم اسے کیوں جلد ہی واپس لے آئیں۔ حالانکہ تم تو انھیں بہت چاہتی تھیں اور انھیں اپنے پاس رکھنے کی خواہشمند تھیں۔ اس پر میں نے کہا کہ میرا بیٹا بڑا ہو گیا ہے اور میں نے آپ سے کیا ہُوا معاہدہ پُورا بھی کر دیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں یہ بچہ کسی اتفاقی حادثہ کا شکار نہ ہو جائے۔ اس لیے میں آپ کی پہلی خواہش کے مطابق انھیں آپ کے سپرد کر رہی ہوں۔ اس پر حضرت آمنہ نے فرمایا تمھیں یکایک یہ کیا ہو گیا ہے۔ مجھے صحیح بتاؤ کیا بات ہے؟ الحاصل انھوں نے مجھے اتنا مجبور کر دیا کہ میں نے پُورا واقعہ کہہ سُنایا۔ انھوں نے کہا۔ کیا تمھیں ان پر کسی شیطانی اثر کا گمان ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا۔ بخُدا ہرگز ایسا نہیں ہے۔ ان پر شیطان کو ہرگز قُدرت نہیں ہو سکتی۔ میرے اس فرزند کی شان ہی نرالی ہے۔ کیا میں تمھیں ان سے متعلق عجیب واقعہ نہ سنا دُوں؟ میں نے عرض کیا ضرور سُنائیے۔ فرمایا جس وقت میں ان سے حاملہ ہوئی تو میں نے دیکھا کہ مجھ میں سے ایک ایسا نور چمکا جس کی روشنی میں مجھے شام کے شہر بصری کے محلّات صاف نظر آنے لگے۔ نیز مجھے اس حمل سے زیادہ ہلکا اور آسان کوئی دُوسرا حمل معلوم نہیں ہُوا۔ جب ان کی ولادت ہوئی تو یہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے اور سر آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے تھے۔ تم انھیں چھوڑ جاؤ اور بے خوف و خطر واپس چلی جاؤ۔

آنحضرتؐ کے سینہ چاک ہونے کا پہلا واقعہ آپ کی تین سالہ عمر میں پیش آیا۔ بعض راویوں نے چار سال کی عمر میں بیان کیا ہے۔ یہ عمل ممکنہ آلائشات سے آپ کی تطہیر اور ممکنہ شیطانی اثرات کو زائل کرنے کے لیے تھا۔ ایک مرتبہ یہی شقِ صدر کا عمل شبِ معراج میں بھی پیش آیا جیسا کہ بخاری نے روایت کیا ہے۔

اکثر مغربی مؤرخین نے اپنی تالیفات میں انہی کے منجملہ مسٹر نکلسن نے اپنی تالیف "تاریخ ادب العرب" صفحہ ۱۴۷۔ ۱۴۸ مطبوعہ ۱۹۰۷ء میں اور مسٹر میور نے اپنی تالیف "حیاتِ محمدؐ" میں لکھا ہے کہ یہ مرگی کا دَورہ تھا۔ یہ بات قطعی غلط اور ناقابلِ قبول ہے۔ اس لیے کہ آنحضرتؐ کی پُوری زندگی میں کبھی آپ پر مرگی کا ادنیٰ سا اثر بھی نہیں پایا گیا۔ آنحضرتؐ کی رضاعت کے واقعہ کو صاحبِ قصیدہ ہمزیہ نے یوں منظوم کیا ہے۔

وبدت فی رضاعه معجزات   لیس فیها عن العیون خفاء

آپ کے ایامِ رضاعت میں برملا ایسے معجزات ظاہر ہوئے جو کسی کی آنکھوں سے پوشیدہ نہ تھے۔

اذ ابتہ لیتمہ مرضعات　　قلن ما فی الیتیم غناء

کیونکہ سب دُودھ پلانے والی اناؤں نے اس یتیم کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اور صاف کہدیا تھا کہ اس یتیم کو لینے میں ہمیں کوئی مالی فائدہ ہوگا

فاتتہ من آل سعد فتاۃ　　قد ابتہا لفقرہا الرضعاء

جب تمام دودھ پلانے والیوں نے بوجہ غربت و افلاس انھیں لینے سے انکار کردیا تو قبیلہ سعد کی ایک خاتون آئیں اور انھوں نے آپکو حاصل کرلیا

ارضعتہ لبانہا فسقتہا　　وبنیہا البانہن الشاء

جب حضرت حلیمہ نے آپکو دودھ پلانا شروع کیا تو انکی چھاتیوں اور انکی بکریوں کے تھنوں میں دُودھ اتر آیا اور انھوں نے آپکو اور اپنے دوسرے بچوں کو پیٹ بھر کر دودھ پلایا

اصبحت شوّلاً عجافاً وامست　　مابہا شائل ولا عجفاء

حال یہ ہوگیا کہ ان کے جو جانور صبح کو کمزور اور خشک تھن چرنے جاتے تھے وہی شام کو دُودھ سے لبریز اور طاقتور لوٹتے تھے۔

اخصب العیش عندہا بعد محل　　اذ غدا للنبی منہا غذاء

قحط کا دور ختم ہو کر حضرت حلیمہ کی زندگی پُربہار و خوشحال ہوگئی تھی۔ کیوں نہ ہوتی جبکہ حضرت محمد نے انکی چھاتیوں سے غذا حاصل کی تھی۔

یا لہا منّۃ لقد ضوعف الاجر　　علیہا من جنسہا والجزاء

حضرت حلیمہ پر خدا کا بڑا ہی احسان ہوا کہ انکی دوسری ہم پیشہ عورتوں کے مقابلہ میں انھیں معاوضہ بھی زیادہ ملا اور مزید برآں ثواب بھی ملا۔

واذا سخر الالہ اناسا　　لسعید فانہم سعداء

جب اللہ نے لوگوں کو ایک خوش بخت کا تابع کردیا تو سب کے سب خوش نصیب و آسودہ حال ہوگئے۔

کُفّار کا آنحضرتؐ کو کمسنی میں قتل کرنے کا عزم

حضرت حلیمہؓ کا جب کسی یہودی جماعت پر گزر ہوتا اور وہ نبی کریمؐ کے حالات بتاتیں تو وہ لوگ انھیں آپ کو مار ڈالنے کی ترغیب دیتے اور جب وہ آپ کو بازار میں کاہنوں کے پاس لے جاتیں تو وہ بھی آپ کو مار ڈالنے کی صدائیں بلند کرتے اور کہتے کہ اس بچّے کو مار ڈالو۔ ورنہ یہ بڑا ہو کر تمھارے ہم مذہبوں کو قتل کرے گا، تمھارے بُتوں کو توڑ ڈالے گا اور تم پر اس کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

حضرت حلیمہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کچھ یہودی ان کے پاس سے گزرے تو انھوں نے ان سے کہا۔ کیا تم میرے اس فرزند کے متعلق کچھ بتا سکتے ہو۔ کیونکہ جب ان کی والدہ کو ان کا حمل ٹھہرا تو وہ ایسا ہلکا پھلکا رہا جب وضع حمل ہُوا تو اس طرح ہُوا اور ان کی والدہ نے ان کی ولادت کے وقت ایسے

ایسے واقعات دیکھے۔ اور جو جو واقعات آپ کی والدہ محترمہ سے سُنے تھے وہ سب اور جو خود آپ کو اپنے پاس رکھنے کے بعد دیکھے تھے وہ بھی ان سے تفصیل سے بیان کر دیئے اور یہ سب واقعات اپنی طرف منسوب کر کے بیان کیئے۔ گویا وہی ان کی والدہ ہیں، انہی کو حمل ٹھہرا اور ان سے ہی ان کی ولادت ہوئی یہ سُن کر یہودیوں نے آپس میں ایک دُوسرے سے کہا کہ اس بچّے کو مار ڈالو۔ پھر انھوں نے حضرت حلیمہ سے دریافت کیا کہ کیا یہ یتیم ہے؟ اُنھوں نے کہا نہیں یہ اس کے باپ ہیں اور میں اس کی ماں ہوں۔ اس پر وہ بولے کہ اگر وہ یتیم ہوتا تو ہم اسے مار ڈالتے کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ کی نبوّت کی نشانیوں میں آپ کا یتیم ہونا بھی درج تھا۔

انہی حضرت حلیمہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ آپ کو عکاظ کے بازار میں لے کر آئیں۔ یہ زمانہ جاہلیت میں طائف اور نخلہ کے درمیان ایک مشہور مقام تھا جہاں میلہ لگا کرتا تھا جب عرب حج کا ارادہ کرتے تو اس سے قبل ماہِ شوّال میں یہاں میلہ لگاتے اور اس میں خرید و فروخت کرتے۔ اپنے اپنے قصائد سُناتے اور ایک دوسرے پر فخر جتاتے تھے۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو لے کر اس بازار میں پہنچیں تو کسی کاہن نے آپ کو دیکھ لیا اور کہنے لگا۔ اے عکاظ والو! اس بچّے کو قتل کر ڈالو اس لیے کہ آگے چل کر اس کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ یہ سُنتے ہی حضرت حلیمہؓ آپ کو لے کر فوراً اس جگہ سے ہٹ گئیں۔ اس طرح حق تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔

حضرت حلیمہؓ کو آپکے وجود سے بے اندازہ خیر و برکت حاصل ہوئی اور حق تعالیٰ نے انھیں ان کے شوہر اور ان کی اولاد کو دولتِ اسلام سے نوازا۔

حضرت آمنہ کی وفات

جب حضرت حلیمہؓ نے حضرت محمدؐ کو آپ کی والدۂ محترمہ کو واپس کر دیا تو وہ ۵۷۵-۵۷۶ء میں آپ کو لے کر مدینہ روانہ ہو گئیں۔ تاکہ آپ کو آپکے ماموؤں سے ملا دیں جو قبیلہ بنو نجار سے تعلّق رکھتے تھے یعنی جو رشتہ میں آپکے دادا عبد المطّلب کے ماموں ہوتے تھے جب وہ آپ کو لے کر واپس آرہی تھیں تو راستہ ہی میں بمقام ابواء بیمار پڑ گئیں اور وہیں انتقال فرما گئیں اور وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ یہ مقام مکّہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ اس وقت آنحضرتؐ کی عمر چھ سال تھی اور وفات کے

وقت حضرت آمنہ کی عمر تیس سال تھی۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ بعد کو (عروج اسلام کے وقت) آنحضرت ﷺ ایک ہزار مسلح مجاہدین کو ہمراہ لے کر بمقام ابواء والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور وہاں آپ پر رقت طاری ہوگئی اور دوسرے صحابہ بھی فرطِ تاثر سے رو پڑے۔

آپ کی والدہ کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن برکہ حبشیہ[1] رضی اللہ عنہا نے آپ کی پرورش کی جو آپ کو اپنے والد کے ترکہ میں ملی تھیں۔ وہ آپ کو آپ کے دادا عبدالمطلب کی خدمت میں لے گئیں جو آپ سے بہت محبت کرتے اور آپ کا احترام کرتے تھے۔ عبدالمطلب کے لیے خانہ کعبہ کے سائے میں فرش بچھایا جاتا تھا۔ اس فرش کے اطراف ان کے فرزند بیٹھتے تھے اور جب تک عبدالمطلب تشریف نہ لے آتے کوئی بھی ان کی عظمت و جلال کی وجہ سے پہلے سے فرش پر نہ بیٹھتا تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ حاضر ہوتے تو آپ بچپن کی وجہ سے فرش پر بیٹھ جاتے آپ کے چچا آپ کو پکڑ کر فرش سے ہٹانا چاہتے تو عبدالمطلب دیکھ کر انھیں منع کرتے اور فرماتے کہ میرے اس فرزند کو چھوڑ دو۔ خدا کی قسم اس کی بڑی شان ہونے والی ہے۔ پھر وہ آپ کو فرش پر اپنے پاس بٹھا لیتے۔ محبت سے اپنا ہاتھ آپ کی پشت پر پھراتے اور آپ کی بچپن کی حرکتوں کو دیکھ دیکھ کر مسرور ہوتے۔

آنحضرت ﷺ اپنی والدہ کی وفات کے بعد یتیم رہ گئے۔ حق تعالیٰ قرآن کریم میں آپ کی یتیمی کا اس طرح ذکر فرماتا ہے:۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ کیا خدا نے آپ کو یتیم پاکر ٹھکانہ عطا نہیں فرمایا۔

جس سال بوجہ وفات والدین آپ کے دادا مستقلاً آپ کے کفیل ہوگئے تو اسی سال آپ شدید آشوب چشم میں مبتلا ہوگئے تھے۔

عبدالمطلب کا سیف بن ذی یزن کو مبارکباد دینا

جب سیف بن ذی یزن حمیری نے حبشہ کو فتح کر لیا اور یہ فتح آنحضرت کی ولادت کے بعد حاصل ہوئی

---

[1] ام ایمن اسلام کے ظہور کے وقت پہلے مشرف باسلام ہوئیں اور انھوں نے حبشہ اور مدینہ دونوں طرف ہجرت کی اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے۔ ام ایمن میری والدہ کے بعد میری ماں ہیں۔ آپ ان سے ملنے انکے گھر تشریف لے جاتے۔ آنحضرت ﷺ کے وصال پر وہ رونے لگیں تو ان سے پوچھا گیا کیوں روتی ہیں۔ جواب دیا مجھے علم تھا کہ آپکا وصال ہونے والا ہے لیکن میں وحی منقطع ہونے پر روتی ہوں۔

بھی تو عرب کے وفود اور معززین قوم اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان ہی میں ایک وفد قریش کا بھی تھا۔ اس وفد میں آنحضرتؐ کے دادا عبد المطلب بن ہاشم، امیہ بن عبد شمس، اسد بن عبد العزیٰ اور عبد اللہ بن جدعان شامل تھے۔ یہ لوگ قصر غمدان پہنچے جہاں وہ موجود تھا اور حاضری کی اجازت چاہی۔ سیف نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ وفد کی طرف سے عبد المطلب نے اسے مبارک باد پیش کی اور اس سے گفتگو کی۔ گفتگو کے بعد سیف نے عبد المطلب کو اپنے پاس بلایا پھر سب مہمان خانہ میں پہنچا دیئے گئے۔ یہ اس کے یہاں ایک ماہ تک مقیم رہے۔ اس عرصہ میں نہ تو ان لوگوں کی دوبارہ سیف سے ملاقات ہو سکی اور نہ ہی انھیں دربار سے واپسی کی اجازت ملی۔ پھر اسے یکایک ان کا خیال آیا اور اس نے ان لوگوں میں سے صرف عبد المطلب کو بلوایا اور انھیں تخلیہ میں اپنے پاس بٹھا کر آپ سے یہ گفتگو کی:۔

اے عبد المطلب! مجھے جو کچھ معلومات ہیں انھیں میں بطور امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اگر آپ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا۔ لیکن میں نے آپ ہی کو اس کا اہل سمجھا۔ کیونکہ آپ ہی اس کام کے ہیں اس لیے آپ کو اس امر کی اطلاع دیتا ہوں۔ مگر یہ بات آپ کے سینہ میں محفوظ اور راز رہنی چاہیے جب تک خود حق تعالیٰ ہی اس کے افشا کا حکم نہ دے دے۔ بہرحال وہ اپنے ایک اہم امر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔

میں اس مخفی علم اور پوشیدہ کتاب میں جسے ہم نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے اور اپنے سوا دوسروں سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے ایک عظیم الشان خبر اور بہت بڑی بلندی و مرتبہ کا ظہور پاتا ہوں جس میں تمام بنی نوعِ انسان کو حیات میں عظمت و شرف اور موت کے بعد فضیلت و برتری حاصل ہوگی اور آپ کی قوم کو عام طور سے اور آپ کو خاص طور سے یہ شرف حاصل ہوگا۔

عبد المطلب نے عرض کیا۔ اے شاہ! جیسا آپ نے فرمایا۔ وہ بھلائی، وہ راز اور وہ خوشخبری کیا ہے فرمایئے۔ عربوں کی جماعتیں آپ پر قربان ہوں۔

ابنِ ذی یزن نے فرمایا جب تہامہ[1] میں ایسا بچہ پیدا ہوگا کہ اس کے شانوں کے درمیان ابھرے ہوئے گوشت کی مُہر ہوگی تو اسے قیامت تک تمام عالم کی سرداری حاصل رہے گی۔

---

[1] شدتِ گرما اور ہوا کے حبس کی وجہ سے اس کا نام تہامہ رکھا گیا۔ اس کی حدیں شمال میں حجاز اور جنوب میں یمن سے جا ملتی ہیں۔ م

عبد المطلب نے عرض کیا۔ آپ سے ہر ملامت و برائی دور رہے۔ بلاشبہ آپ نے وہ خبر سنائی ہے جو کسی دوسرے نے نہیں سنائی۔ اگر شاہی عظمت و جلال مانع نہ ہوتا تو میں اس کی تفصیل معلوم کرنے کی خواہش کرتا تاکہ اس سے میری مسرت دوبالا ہو جاتی۔

ابن ذی یزن نے فرمایا۔ اس بچے کی ولادت کا یہی زمانہ ہے اور ممکن ہے وہ پیدا ہو چکا ہو اس کے والدین وفات پا جائیں گے اور اس کے دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے ہمیں یہ بات متعدد مرتبہ معلوم ہوئی ہے حق تعالیٰ اسے علانیہ مبعوث فرمائے گا اور ہم میں سے اس کے معاون و مددگار بنائے گا۔ جن کے ذریعے اس کے دوستوں کو عزت سے نوازے گا اور دشمنوں کو ذلت و رسوائی سے ہمکنار کرے گا۔ وہ روئے زمین کے بہترین علاقوں کو فتح کرے گا۔ لوگ اس کے اعوان و انصار کی مثال دیا کریں گے۔ وہ تمام ادیان کو باطل قرار دے دیگا۔ بتوں کو توڑ ڈالے گا۔ خدائے رحمان کی عبادت کرے گا۔ اس کا قول محکم اور قطعی فیصلہ کن ہو گا۔ اس کا حکم سر تا سر مبنی بر احتیاط و انصاف ہو گا۔ وہ بھلائیوں کا حکم دے گا اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہو گا۔ برائیوں سے منع کرے گا اور خود بھی رُکے گا۔

عبد المطلب نے عرض کیا۔ آپ کی عمر دراز ہو۔ آپ کی حکومت باقی رہے، آپ کی عزت اور بلند ہو۔ آپ کا فخر غالب ہو۔ کیا بادشاہ سلامت بعض امور کی مزید وضاحت فرما کر مجھے مزید مسرت کا موقع عنایت فرمائینگے؟

ابن ذی یزن نے کہا۔ طنابوں والے خیموں، ان کے نشانات اور کھمبوں کی قسم! اے عبد المطلب! آپ ہی اس نومولود ہستی کے دادا ہیں۔ اس میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ یہ سن کر عبد المطلب سجدہ شکر بجا لائے۔ پھر ابن ذی یزن نے کہا۔ اے عبد المطلب! سجدہ سے سر اٹھائیے۔ آپ کا دل ٹھنڈا اور آپ کی بات سر بلند رہے۔ میں نے آپ سے جو کچھ بیان کیا ہے آپ اس کے متعلق کیا معلومات رکھتے ہیں؟

عبد المطلب نے عرض کیا۔ اے بادشاہ! میرا ایک بیٹا تھا جس سے میں بے حد محبت کرتا اور اس پر بہت مہربانی و شفقت کرتا تھا۔ میں نے اپنی قوم کی سب سے زیادہ معزز خاتون سے اس کی شادی کر دی تھی جس کا نام آمنہ بنت وہب بن عبد مناف تھا۔ اس کے ایک بچہ پیدا ہوا جس کے دونوں شانوں کے درمیان ابھرے ہوئے گوشت کا ٹکڑہ چڑیا کی طرح ہے اور وہ تمام علامتیں موجود ہیں جو آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب اس کی پرورش میں اور اس کے چچا کرتے ہیں۔

ابن ذی یزن نے کہا جو کچھ میں نے بتایا ہے وہی سب آپ بیان کر رہے ہیں۔ اب آپ اپنے

اس فرزند کی حفاظت کیجئے۔ خاص کر یہودیوں سے اسے بچائے رکھیے۔ اس لیے کہ وہ لوگ اس کے سخت دشمن ہیں لیکن حق تعالیٰ انھیں ہرگز اس پر غالب نہ آنے دیگا۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اُسے آپ اپنی اس جماعت سے پوشیدہ رکھیں جو آپ کے ساتھ ہے۔ مجھے ان پر اطمینان نہیں ہے۔ ممکن ہے ان میں ایسے حاسد پیدا ہو جائیں جو آپ کی امارت اور سرداری کی مخالفت کرنے لگیں اور آپ کی راہ میں مشکلات کھڑی کر دیں اور کانٹے بو دیں۔ پھر وہ اور ان کی اولاد آپ کی مخالفت میں جو کرنا چاہیں کر گزریں۔ اگر میں یہ نہ جانتا کہ مجھے اس فرزند کی بعثت سے قبل ہی موت آجائے گی تو میں اپنے گھوڑے پر سوار اور پاپیادہ چل کر ان کے دارِ ہجرت یثرب پہنچ جاتا۔ کیونکہ میں اپنی رہنما کتاب اور قدیم علم میں یہ خبر پاتا ہوں کہ یثرب ان کی ہجرت گاہ اور ان کی نصرت و مدد کا مقام ہے۔ اگر میں انھیں آفتوں سے نہ بچانا چاہتا اور مجھے ان پر مصائب و شدائد کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ان کے بچپن ہی میں ان امور کا اعلان کر دیتا اور عربوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہدایت کرتا۔ لیکن آپ کے ساتھیوں کے خوف سے ایسا کرنے سے قاصر ہوں۔ اس لیے اس مہم کو آپ کے سپرد کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں۔ پھر ابنِ ذی یزن نے حکم دیا کہ ان لوگوں میں سے ہر شخص کو دس غلام، دس حبشی باندیاں، پانچ رطل چاندی، دو یمنی چادریں، عنبر کا ایک ڈبہ عطیہ کے طور پر دیئے جائیں اور عبدالمطلب کو ہر چیز دس دس گنی دینے کا حکم دیا اور آپ سے کہا کہ جب یہ سال گزر جائے تو مجھے اس بچے کے حالات پر مطلع کرنا۔ مگر ایک سال پورا نہ ہوا تھا کہ ابن ذی یزن کا انتقال ہو گیا۔ عبدالمطلب بن ہاشم نے فرمایا۔ اے گروہ قریش! بادشاہ کی کثیر داد و دہش کی وجہ سے تم مجھ پر رشک نہ کرو کہ یہ تو فنا اور ختم ہونے والی چیز ہے لیکن میرے اور میرے بعد کی نسلوں کے لیے وہ امور قابلِ رشک ہیں جن کا ذکر خیر شاہ نے مجھ سے کیا ہے اور جو ہمارے لیے باعثِ صد عزّ و افتخار ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کونسی باتیں ہیں۔ فرمایا کچھ عرصہ بعد تم سب پر ان کا از خود اظہار ہو جائے گا۔

تاریخ اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ سیف بن ذی یزن نے نبی کریمؐ کا زمانہ پایا تھا اور آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب نے انھیں آنحضرتؐ کے ظہور نبوت اور آپ کے اوصاف پر مطلع کیا تھا۔

ملک یمن حبشہ کی حکومت کے تحت تھا مگر اہلِ یمن اس حکومت کو ناپسند کرتے تھے۔ جب سیف بن ذی یزن نے اپنے آبائی ملک کو واپس لینا چاہا تو پہلے انھوں نے رومانیہ کی شہنشاہیت سے مدد طلب

کی مگر انھیں اس میں کامیابی نہ ہوئی تو پھر شاہ ایران سے مدد کی درخواست کی۔ انھوں نے اپنی فوج سے ان کی مدد کی۔ چنانچہ انھوں نے حبشہ سے جنگ کر کے اس پر فتح حاصل کی۔

اس جنگ میں حبشہ کا فرماں روا مسروق نامی مارا گیا۔ یہ واقعہ تقریباً ۵۷۵ء کا ہے۔ اسی سال حضرت آمنہ والدہ محترمہ جناب رسول اللہؐ کا انتقال ہوا تھا۔

پس تاریخی شواہد کی بنا پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ عرب وفود سیف بن ذی یزن کو مبارک باد پیش کرنے کیسے گئے تھے۔ مزید براں عرب اور سیف بن ذی یزن میں قرابت اور ہمسائگی کے تعلقات بھی تھے نیز ان کے تجارتی فوائد و مصالح بھی مشترک تھے۔ کیونکہ عرب قبائل تجارتی اغراض سے موسم سرما میں یمن اور گرما میں شام کا سفر کیا کرتے تھے بوجوہ صدر ایسے موقع پر عرب کا انھیں مبارک باد دینا ان کا ایک اخلاقی فریضہ تھا۔

مسٹر ویل نے مذکورہ قصہ کی صحت پر تاریخی زاویۂ نگاہ سے اعتراض وارد کیا ہے اور مسٹر برسیفال نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس اعتراض کی تردید کی ہے۔ کیونکہ انھوں نے پہلی مرتبہ ۵۷۵ء میں حبشہ کی شکست ثابت کی ہے۔ اگرچہ اہل حبشہ پورے طور پر یمن سے ۵۹۷ء تک بے دخل ہو سکے تھے۔

مسٹر میور عرب وفود اور ان کے ہمراہ عبد المطلب کے (جو اس وقت مکّہ کے حاکم تھے) سیف بن ذی یزن کی خدمت میں حاضر ہونے کی پوری طرح تکذیب تو نہیں کر سکے البتہ وہ اتنا ضرور کہہ گزرے کہ نبی منتظر کے ظہور کی خبروں کے متعلق اس واقعہ میں کثرتِ مبالغہ کو دخل ہے۔ اسی بنا پر وہ شک میں مبتلا ہو گئے علاوہ ازیں سیرت نبوی کے واقعات کی چھان بین کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ یہ واقعہ آنحضرتؐ کے ظہور نبوت سے متعلق کثیر واقعات اور خبروں میں کوئی ایک اور نیا واقعہ نہیں ہے۔ کیونکہ سیف نے جو خبر عبد المطلب کو دی تھی وہی بحیرا نے ابو طالب کو دی تھی اور سلمان فارسیؓ کو بھی (دوسرے عیسائی راہبوں سے) یہی سب کچھ معلوم ہو گیا تھا پھر یہودی علماء برملا اس کی تشہیر کرتے تھے جس کا تفصیلی تذکرہ ہم انشاء اللہ آئندہ اسی کتاب کے صفحات میں کریں گے۔

ابن ذی یزن نے عبد المطلب کو جو کچھ بتا دیا تھا، غالباً اسی کا یہ اثر تھا کہ عبد المطلب نبی کریمؐ کی بہت عزت و احترام کرتے تھے اور جب ان کے بیٹوں نے حضرت محمدؐ کو خورد سالی کی وجہ سے فرش سے اٹھانا چاہا تو عبد المطلب نے فوراً انھیں ٹوکا اور کہا کہ میرے اس فرزند کو چھوڑ دو۔ خدا کی قسم اس کی شان ہی نرالی ہوگی۔

الحاصل ایک کمسن بچہ ایک عظیم مستقبل کا مالک تھا جس کی عظمت و ذکاوت کی علامتیں اس میں کم عمری ہی سے نمایاں ہونے لگی تھیں۔ اس میں ایک خاص قسم کی کشش اور جاذبیت تھی جو اسے دوسرے تمام بچوں سے ممتاز کرتی تھی بلکہ اگر خود اس کے بھی بھائی ہوتے تو یہ بچہ ان میں بھی نمایاں حیثیت کا حامل ہوتا۔ یہ بچہ جہاں بھی جاتا لوگوں کی نظروں میں محبوب اور ہمعصروں میں برتر و ممتاز سمجھا جاتا۔ دراصل ایسی خصوصیات دنیا کی عظیم ترین شخصیتوں میں ہی نمایاں ہوا کرتی ہیں جیسا کہ ہمیں ایسے اکابر کے تذکروں سے پتہ چلتا ہے پس آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب آپکی خاص رعایت مدنظر رکھتے اور آپ کی پرکشش شخصیت اور مستورہ عظمتوں کی بناپر بچپن ہی سے آپکو اپنی اولاد پر ترجیح دیتے تھے۔ جیسے جیسے آپکی عمر بڑھتی گئی ویسے ویسے آپکی عظمتیں زیادہ واضح اور نمایاں ہوتی چلی گئیں۔

صحابہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ میں انتہا درجہ جاذبیت و کشش تھی اس لیے صحابہ آپ سے انتہائی محبت کرتے تھے اور آپکے کسی حکم سے ہرگز سرتابی نہ کر سکتے تھے۔

عبدالمطلب یہ تو نہ جانتے تھے کہ حضرت محمدؐ جیسا چھوٹا بچہ ایک دن اللہ کا رسول بنے گا البتہ وہ آپکی غیر معمولی جاذبیت و کشش اور آپکی پوشیدہ عظمتوں کو اپنے دل کی گہرائیوں میں زندگی بھر محسوس کرتے رہے۔ عبدالمطلب کی آپ سے محبت اور آپ کی انتہائی مراعات کا راز یہی تھا پھر خاص بات یہ تھی کہ عبدالمطلب خود ایک عظیم الشان اور صاحب فہم و فراست اور ذکاوت و فطانت شخصیت تھے۔ اس لیے آپ اپنی اولاد سے فرماتے تھے کہ میرے اس فرزند کو چھوڑ دو۔ اس کی ایک بڑی شان ہونے والی ہے۔

◎

آنحضرتؐ کے جدِّ امجد عبدالمطّلبؒ کی وفات در ۵۷۸ء اور آپ کے چچا ابُوطالبؒ کی کفالتؐ

آنحضرتؐ آٹھ سال کے تھے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب اصحاب فیل کے واقعہ کے آٹھ سال بعد ۵۷۸ء میں انتقال فرما گئے۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو دس سال اور بقول بعض اس سے بھی زیادہ تھی بوقت انتقال آنحضرتؐ ان کی چارپائی کے قریب بیٹھے رو رہے تھے۔ وہ اہلِ مکّہ کے قبرستان واقع حجون میں جو مکّہ کی بلندی پر ایک پہاڑی ہے اپنے دادا قصی کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے آنحضرتؐ کو آپ کے حقیقی چچا ابُوطالب کے سپُرد کر دیا۔ ان کا نام عبد مناف اور عبد کعبہ تھا۔ وہ بہت کریمُ النّفس اور فراخ دل انسان لیکن کثیر العیال اور غریب تھے۔ وہ آنحضرتؐ کی وجہ سے بہت خیر و برکت محسوس کرتے تھے اور آپ سے بہت محبّت کرتے تھے۔ اسی لیے وہ آنحضرتؐ کو اپنے برابر سُلاتے اور باہر نکلتے تو آپ کو ساتھ لے کر نکلتے تھے۔ عبدالمطلب نے اپنی وصیت میں ابُوطالب کو آبِ زمزم پلانے کی خدمت سپُرد کی اور اپنے دوسرے فرزند زبیر کو حکومت اور خانہ کعبہ سے متعلقہ اُمور کا انصرام و اہتمام سپرد کیا۔ اسی سال حاتم طائی اور کسریٰ انوشیرواں (شاہِ فارس) کا انتقال ہُوا۔

ابن عساکر نے حلیمہ بن عرفطہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ میں مکّہ میں حاضر ہُوا تو اہلِ مکّہ کو قحط میں مُبتلا پایا۔ اس پر قریش نے ابوطالب سے کہا۔ اے ابُوطالب! وادیٔ مکّہ میں سخت قحط اور خشک سالی ہے۔ جائیے اور بارش کی دُعا کیجیے۔ پس ابُوطالب چلے تو ان کے ہمراہ ایک کمسن لڑکا بھی تھا جو اس چمکتے سُورج کی طرح مُنوّر تھا جس پر سے بادل چھٹ چکے ہوں۔ ان کے گرد دُوسرے لڑکے بھی جمع ہو گئے۔ ابوطالب نے آپ کو پکڑ کر آپ کی پُشت خانہ کعبہ سے ملا دی۔ پھر اس لڑکے نے (عجز و انکساری سے دُعا کرنے والے کی طرح) اپنی انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ لیکن اس کے بعد ہی یکایک ہر طرف سے بادل گھر گھر کر آنے لگے اور خوب مُوسلا دھار بارش ہوئی جس سے ندّی نالے بہہ نکلے اور زمین سر سبز و شاداب ہوگئی۔ اس واقعہ پر ابُوطالب نے آنحضرتؐ کی شان میں درجِ ذیل مدحیہ اشعار کہے:۔

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

وہ وہ روشن جبیں اور منور ہستی ہے جس کے روئے زیبا کے واسطے سے بادلوں سے بارش مانگی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کا سہارا ان کا فریادرس اور بیواؤں کا حاجت روا ہے۔

يَلُوذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ نِعْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

تباہی کے قریب پہنچ جانے والے آل ہاشم نے اس کے سایہ میں پناہ لی تو وہ آپ کے پاس سے نعمتوں اور راحتوں سے مالا مال ہو گئے۔

یہ دو شعر ابو طالب کے طویل قصیدے[1] سے ماخوذ ہیں۔ ابو طالب نے جب اس دعا کے بعد بارش کا مشاہدہ کیا تو یہ قصیدہ کہا۔ وہ اس سے قبل بھی ایک مرتبہ استسقا کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ جیسا کہ خطابی نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ عبدالمطلب کی زندگی میں سالہا سال تک خشک سالی کا سلسلہ جاری رہا تو وہ اور تمام قریش ابو قبیس پہاڑ پر چڑھ گئے جہاں عبدالمطلب کھڑے ہوئے اور حضرت محمدؐ کو اپنے کاندھے پر اٹھا لیا۔ اس وقت آپ ایک کمسن لڑکے تھے۔ پھر انھوں نے دعا مانگی جو قبول ہوئی اور اسی وقت بارش ہوئی۔

ابو طالب کے اس مصرعہ "وابیض یستسقی الغمام بوجھہ" میں اسی طرف اشارہ ہے۔

قدیم زمانہ جاہلیت میں بارش طلب کرنے کا طریقہ اس کے برعکس تھا۔ وہ یہ کہ جب متواتر قحط رونما ہوتا اور قحط کی شدت ہوتی اور بارش کی شدید ضرورت محسوس ہوتی تو وہ لوگ ایک گائے کی دم اور سینگوں میں سلع اور عشر نامی دو درختوں کی شاخیں لٹکا دیتے۔ پھر اسے کسی سنگلاخ و دشوار گزار پہاڑ پر لے کر چڑھ جاتے اس کے نیچے اس سے علیحدہ کر دیتے اور ان شاخوں میں آگ لگا کر گائے کو مغرب کی سمت ہانک دیتے۔ یہ آگ ان کے یہاں طلب باراں کی آگ کہلاتی تھی۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ وہ لوگ گائے کی دم میں اس لیے آگ لگاتے تھے کہ وہ اس آگ سے آسمانی بجلی چمکنے کا شگون لیتے تھے۔ پھر وہ تضرع و زاری سے دعا مانگتے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طریقہ سے بارش ہو جائے گی۔

حضرت رسول اللہ کے والد ماجد عبداللہ اور چچا ابو طالب ایک ماں کی اولاد تھے۔ ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابو طالب نے اپنے بھائی عباس سے کہا کہ کیا میں آپ کو حضرت محمدؐ کی وہ باتیں نہ بتا دوں

---

[1] ابن اسحاق نے یہ پورا قصیدہ نقل کیا ہے جو اسّی سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔ م

جو میں نے اس بچے میں دیکھی ہیں؟ حضرت عباسؓ نے کہا۔ ضرور بتائیے۔ فرمایا جب میں نے اس فرزند کو اپنی کفالت میں لیا تو شب و روز میں کسی وقت بھی اسے اپنے سے جُدا نہ کرتا تھا اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی اور پر بھروسہ کرتا تھا۔ میں اسے اپنے ہی بستر میں سُلاتا تھا۔

ایک مرتبہ میں نے اس سے کہا کہ اپنے کپڑے اُتار کر میرے ساتھ سو جائے تو میں نے اس کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھے۔ مگر اسے یہ بھی گوارا نہ تھا کہ کھُل کر میری مخالفت کرے۔ چنانچہ اس نے کہا اے چچا جان! آپ اپنا منہ میری طرف سے موڑ لیجئے تاکہ میں کپڑے اُتار سکوں۔ اس لیے کہ کسی دوسرے شخص کو میرا جسم دیکھنا زیبا نہیں ہے۔ مجھے اس کی اس بات پر تعجب ہُوا مگر میں نے اپنا منہ موڑ لیا اور وہ بستر میں داخل ہو گیا۔ جب میں بھی بستر پر لیٹا تو مجھے محسوس ہُوا کہ میرے اور اس کے درمیان ایک کپڑا حائل ہے۔ حالانکہ میں نے بخدا کوئی کپڑا درمیان میں نہ رکھا تھا۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ اس کا جسم نہایت نرم و نازک اور خوشبو سے مُعطّر ہے۔ گویا مشک میں بسا ہُوا ہے۔ میں نے اس کا جسم دیکھنے کی بہت کوشش کی مگر نہ دیکھ سکا۔ بسا اوقات میں اسے بستر سے غائب پاتا۔ جب اس کی تلاش میں باہر نکلتا تو وہ مجھے پکار کر کہتا۔ اے چچا میں یہاں موجود ہوں۔ آپ واپس آجائیے۔ یہ سُن کر میں لوٹ آتا۔ بسا اوقات ایسا ہُوا کہ شب کا کچھ حصّہ گزرنے پر اس سے ایک عجیب و غریب کلام سننے میں آتا۔ جو مجھے بہت پسند آتا۔ ہم لوگ کھانے پینے سے قبل خدا کا نام لیتے تھے نہ بعد میں اس کی حمد کرتے تھے لیکن یہ فرزند کھانے کے آغاز پر "بسم اللہ الاحد" کہتا اور فراغت پر "الحمد للہ" کہتا۔ مجھے اس پر بہت تعجّب ہوتا۔ پھر میں نے اسے نہ کبھی جھوٹ بولتے ہوئے سُنا نہ اُسے ہنستے ہوئے دیکھا نہ کوئی جاہلانہ بات کرتے دیکھا، نہ کبھی دُوسرے کھلاڑی بچوں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہُوئے دیکھا۔

○

آنحضرت کا سفر بجانب شام

در ۵۸۲ء

جب آپ کی عمر بارہ سال ہوئی تو آپ ۵۸۲ء میں ایک تجارتی قافلے میں اپنے چچا ابُوطالب کے ہمراہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ یہ قافلہ شام کے ایک قصبہ بصریٰ میں جاکر ٹھہرا جو ضلع حوران کا ایک قصبہ تھا اور اس وقت اس عرب علاقہ کا حصہ تھا جو رُومانیہ کی حکومت کے تحت تھا۔

اس زمانہ میں بصریٰ کے گرجا میں بُحیرا نامی ایک پادری رہتا تھا جو عیسائی مذہب کا بڑا عالم تھا۔ اور عرصہ سے اسی گرجا میں پادری چلا آرہا تھا نسل در نسل مُنتقل ہونے والی مذہبی کتاب مُقدس کا یہی بڑا عالم رہ گیا تھا۔

عرب کے تجارتی قافلے اکثر اُدھر سے گزرا کرتے تھے لیکن بُحیرا نے کبھی ان سے کوئی گفتگو کی تھی نہ کسی بات پر انھیں ٹوکا تھا۔ لیکن اس سال جب یہ قافلہ اس کے گرجا کے قریب فروکش ہُوا تو اس نے اپنے گرجا کے اندر بیٹھے ہوئے ہی کوئی خاص بات دیکھ کر اس قافلہ والوں کے لئے بہت سا کھانا تیار کرایا اور انھیں مدعو کیا)۔

جب قافلہ والے آرہے تھے تو اس نے دیکھا کہ صرف ایک لڑکے پر بادل اپنا سایہ کیے ہوئے ہیں پھر یہ لوگ اس کے گرجا کے قریب ہی ایک سایہ دار درخت کے سایہ تلے فروکش ہوئے تو اس نے دیکھا کہ ایک بادل کے ٹکڑے نے اس درخت پر اپنا سایہ کرلیا اور درخت کی ٹہنیاں خود بخود آپ پہ جُھک گئیں اور آپ اسکے سایہ تلے آرام کرنے لگے جب بحیرا نے یہ منظر دیکھا تو اُس نے گرجا سے باہر آکر کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر اہلِ قافلہ کو کہلا بھیجا کہ اے جماعت قریش! میں نے آپ کے لیے کھانا تیار کرایا ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ میں کا ہر شخص چھوٹا بڑا، آزاد و غلام سب کے سب میرے یہاں آکر کھانا تناول کریں۔

ان میں سے ایک شخص نے کہا واللہ اے بُحیرا! آج تو تمہارا طرزِ عمل نرالا ہے۔ اس سے پہلے کبھی تم ہماری دعوت نہ کیا کرتے تھے۔ حالانکہ ہم اکثر تمھارے پاس سے گزرتے تھے۔ پھر آج اس کا کیا خاص سبب پیش آیا ہے؟ بُحیرا نے کہا۔ تم نے صحیح کہا ہے واقعہ یہی تھا جیسا تم کہہ رہے ہو لیکن تم لوگ مہمان

ہو اس لیے میں نے چاہا کہ میں تمہارا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے تمہارے لیے کھانا تیار کراؤں تاکہ تم سب اسے تناول کرو۔

چنانچہ سب کھانے پر جمع ہو گئے مگر حضرت محمدؐ اپنی کمسنی کی وجہ سے قافلہ کے پڑاؤ ہی میں درخت کے نیچے بیٹھے رہے۔ جب بحیرا نے ان لوگوں پر نظر ڈالی اور وہ علامات نہ دیکھیں جنھیں وہ جانتا اور اپنی کتابوں میں پاتا تھا تو کہا اے جماعت قریش! تم میں سے کوئی بھی میری دعوت سے غیر حاضر نہ رہے۔ انھوں نے جواب دیا۔ اے بحیرا! تمھاری دعوت میں شرکت کے اہل لوگوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا، صرف ایک سب سے کمسن لڑکا ہے جو اپنے پڑاؤ میں ہی رہ گیا ہے۔ بحیرا نے کہا ایسا نہ کیجئے اسے بھی بلا لیجئے تاکہ وہ بھی کھانے میں آپ کے ساتھ شریک ہو سکے۔ اس پر ایک قریشی اٹھا اور آپ کو گود میں اٹھا لایا اور دوسرے مہمانوں کے ساتھ آپ کو بھی دستر خوان پر لا بٹھایا۔ جب بحیرا کی نظر آپ پر پڑی تو آپ کو غور سے دیکھنے لگا اور آپ کے جسم مبارک میں ان علامات کی جستجو کرنے لگا جو آپ کے اوصاف کے متعلق اس کے علم میں تھیں۔ جب سب لوگ کھانے سے فراغت پا کر دستر خوان سے اٹھ کھڑے ہوئے تو بحیرا آپ کے پاس آیا اور کہا اے صاحبزادے! میں تمھیں لات و عزیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں۔ کیا تم میرے سوالات کا صحیح جواب دو گے؟ بحیرا نے یہ طرزِ تخاطب اس لیے اختیار کیا تھا کہ اس نے سنا تھا کہ آپ کی قوم والے لات و عزیٰ کی قسم کھایا کرتے ہیں۔ مگر آپ نے بتوں کی قسم کھانے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ تب بحیرا نے کہا۔ خدا کی قسم! کیا تم مجھے میرے سوالات کا جواب دو گے؟ آپ نے فرمایا۔ جو دریافت کرنا چاہتے ہو، کرو۔ چنانچہ اس نے آپ کے چند حالاتِ زندگی، آپ کی نیند اور سونے کی کیفیت پوچھی اور بعض دوسرے سوالات کیے۔ آپ بچپن سے پیش آنے والے واقعات بتاتے رہے جو بحیرا کی معلومات کے بالکل مطابق نکلے پھر آپ نے اس کی حسب فرمائش پشتِ مبارک کھول کر اسے دکھائی۔ اس نے آپ کے شانوں کے درمیان مہرِ نبوت دیکھی جو ابھرے ہوئے گوشت کی مانند (اک پھڑیا سی) تھی۔ جب وہ آپ سے سوالات کر چکا تو آپ کے چچا ابو طالب کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ کیا یہ لڑکا آپ کا رشتہ دار ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ میرا فرزند ہے۔ بحیرا نے کہا یہ آپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس لڑکے کی خصوصیات میں سے یہ امر بھی ہے کہ اس کے والد زندہ نہ ہوں۔ تب انھوں نے فرمایا۔ یہ میرا بھتیجا ہے۔ اس نے کہا۔ اس کے والد کیا ہوئے؟ فرمایا۔ یہ ابھی بطنِ مادر ہی میں تھے کہ اس کے والد انتقال کر گئے تھے۔ اس پر بحیرا نے کہا۔ آپ نے سچ کہا۔

اپنے اس بھتیجے کو فوراً اپنے وطن واپس لے جایئے اور ان کے متعلق یہودیوں سے ہوشیار رہیئے۔ خدا کی قسم! اگر انھوں نے انہیں دیکھ لیا اور جو کچھ علامات میں نے پہچان لی ہیں اگر وہ بھی پہچان گئے تو ضرور ان کے درپے آزار ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کا ایک عظیم الشان مستقبل ہونے والا ہے۔ اس لیے انھیں آپ جلدی سے اپنے وطن واپس لے جایئے۔ چنانچہ ابُوطالب شام کی تجارت سے فارغ ہوتے ہی فوراً آپ کو لے کر مکہ واپس پہنچ گئے۔

بُحیرا نے حضرت محمدؐ کو پہچان کر آپ پر یہود کے ممکنہ حملے کے اندیشے کی بنا پر ابُوطالب کو نصیحت کی کہ آپ کو لے کر فوراً واپس ہو جائیں اور آپ کی پوری پوری نگرانی رکھیں۔ حضرت حلیمہؓ نے بیان کیا ہے کہ یہود جب آپ کو دیکھتے اور پہچان لیتے تو ایک دوسرے کو آپ کے قتل پر اُکساتے تھے۔ اس بنا پر وہ آپ کو ان کی نظروں سے چھپانے اور ان سے دور رکھنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ بہرحال یہ لوگ اس زمانہ میں ایک نبی کے ظہور کے منتظر تھے اور ان کے بعض علماء جو دینی معلومات پر گہری نظر رکھتے تھے اس نبی کے اوصاف و علامات سے واقف تھے۔ ہم آئندہ آپ کے وہ اوصاف بیان کریں گے جو تورات میں مذکور ہیں۔ بلاشبہ بُحیرا جیسا عیسائی عالم ان اوصاف سے بخوبی واقف تھا۔

مسٹر مویر کے قول کی تردید

مسٹر ولیم مویر نے اپنی تالیف "حیاتِ محمدؐ" میں آنحضرتؐ کے اپنے چچا کے ہمراہ ملک شام کے سفر کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

سیرتِ نبی مُدوّن کرنے والے تمام مُؤلفین نے آنحضرتؐ کے اس سفر کے بارے میں بہت سی مضحکہ خیز باتیں بیان کی ہیں جو آپ کی نبوّتِ منتظرہ کی عظمت کو ثابت کرنے کے لیئے بیان کی گئی ہیں۔ پھر اس نے اس واقعہ کو اسی طرح نقل کیا ہے جس طرح اس کتاب میں بیان ہُوا ہے اور جیسا کہ دُوسرے مؤرخین نے بھی بیان کیا ہے۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ مسٹر مویر نے اس قصہ کو مضحکہ خیز کیوں قرار دیا ہے جبکہ اُنھیں اس کا بھی اعتراف ہے کہ تمام مؤرخین نے ان واقعات کو اسی طرح نقل کیا ہے اور مسٹر مویر خود بھی ان ہی مؤرخین کی کتب سے گلشن سیرتِ رسُول کی آبیاری کرتے ہیں۔ ان ہی میں وہ مؤرخین بھی شامل ہیں جن پر وہ اعتماد کامل رکھتے ہیں اور اپنی تالیف میں ان کے کلام سے استدلال بھی کرتے ہیں اور اگر کوئی واقعہ یا کوئی روایت

ان کی کتاب میں درج نہیں ہوتی یا ان کے کلام میں کوئی تحریف نظر آتی ہے تو وہ اُسے ترک بھی کر دیتے ہیں۔ مثلاً وہ ابنِ اسحاق، طبری اور واقدی وغیرہ پر اعتماد رکھتے ہیں تو ایک مؤرخ ہونے کی حیثیت سے اُن پر واجب ہے کہ وہ ان تمام تفصیلات کو جنھیں بغیر استثنار کے تمام مورخوں نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے انھیں بعینہٖ باقی رکھیں اور انھیں تسلیم کریں۔

پھر اس کے علاوہ خود ان کے پاس ان مؤرخین کی روایت سے زیادہ کوئی اور قابلِ اعتماد اور مستحکم روایت بھی نہیں ہے جو ان مورخین کی روایات سے متعارض ہو یا ان کی تردید و نفی کرتی ہو۔ جہاں تک ان روایات کو مضحکہ خیز کہنے کا تعلق ہے تو یہ ایسی بات ہے جسے ان تمام اکابر مورخین میں سے کسی نے بھی نہیں کہا ہے جن کی کتب پر وہ اپنی تالیف کے مواد کا تمام تر انحصار رکھتے ہیں۔ پس مناسب ہوتا اگر وہ اپنے مؤرخانہ منصب و مرتبہ کا صحیح اندازہ لگاتے اور وہ اچھی طرح سمجھ لیتے کہ وہ ایک عظیم الشان نبی کی سیرت لکھ رہے ہیں کسی عام انسان کی نہیں۔ اور یہ مُسلّم ہے کہ انبیار و مرسلین علیہم السلام کی مقدس زندگیوں میں ہمیشہ ایسے غیر معمولی اور خارق عادت واقعات ظہور پذیر ہوا کرتے ہیں جن سے ان کی نبوت پر روشنی پڑتی اور ان کی رسالت کی تائید ہوتی ہے۔ پس جو خلاف معمول واقعات آنحضرتؐ کے زمانۂ نبوت سے قبل پیش آئے۔ مثلاً وہ ما فوق العادت واقعات جو آپ کی ولادت باسعادت کے وقت پیش آئے۔ علیٰ ہذا حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے رزق کی فراوانی، برکت کی کثرت اور آپ کے سینۂ مبارک چاک ہونے کے جو واقعات مشاہدہ کیے نیز آپ کے سفرِ شام کے دوران جو واقعات پیش آئے انھیں دینی اصطلاح میں "ارہاص" کہا جاتا ہے اور جو خلافِ عادت واقعات ظہورِ نبوت کے بعد رونما ہوئے وہ معجزات کہلاتے ہیں اور اولیار اللہ کی کرامات انبیار کے معجزات کا درجہ رکھتی ہیں بجز اس کے کہ وہ نبوت کے دعویدار نہیں ہوتے۔ پس اولیار کرام پر ایمان لانا بھی واجب ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

آگاہ رہو کہ اولیار اللہ پر نہ کبھی خوف طاری ہوتا ہے نہ وہ کبھی غمگین ہوتے ہیں۔

بلاشبہ آنحضرتؐ سے خلاف عادت امور کا قبل از نبوت بھی صدور ہوا اور بعد از نبوت بھی۔ اس لیے آپ کے ارہاصات و معجزات سے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اوّل تاریخی لحاظ سے اس لیے کہ آپ کے معاصرین و اکابر صحابہ نے خود ان کا مشاہدہ کیا اور انھیں

بیان کیا پھر اکابر مؤرخین نے ان سے وہ واقعات نقل کیے۔ پس اگر ہم ان کے بیانات و مشاہدات کو باطل قرار دے دیں تو پھر تاریخ کی کوئی اصل اور قدر و قیمت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

دوم مذہبی لحاظ سے اس لیے کہ مذہب انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات کو تسلیم کرتا ہے بعینہٖ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں۔ کیونکہ وہ ابھی ماں کی گود میں بچے ہی تھے کہ انھوں نے معقول گفتگو فرمائی اور کوڑھیوں اور جذامیوں کو دستِ مبارک پھر اکر اچھا کر دیتے تھے اور مُردہ کو زندہ کر دیا تھا۔ اس کے باوجود کسی مسلمان نے آج تک یہ نہیں کہا کہ یہ باتیں مضحکہ خیز ہیں۔ ایسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں جو تورات و قرآن مجید میں مشترک طور پر مذکور ہیں۔

دُنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ نبی ہیں نہ ولی۔ لیکن تم انھیں ہر دور میں اپنے دور کی نسلوں میں ممتاز سمجھتے ہو۔ ان سے ایسے عظیم الشان کارنامے سرانجام پاتے ہیں کہ دوسروں سے ایسے اعمال سرزد ہونے ناممکن معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے مصر میں ایک ناخواندہ لڑکا دیکھا ہے۔ یہ ایک کسان کا لڑکا ہے۔ اس کی بہت شہرت ہوئی۔ اخبارات نے اس کے فوٹو شائع کیے۔ واقعہ یہ تھا کہ یہ لڑکا بڑی بڑی رقمیں لکھنا اور قلم چلائے بغیر حیرت انگیز سرعت سے فی البدیہہ ہر سوال کا فوراً جواب دے دیتا۔ میں نے خود اس لڑکے کو متعدد مرتبہ دیکھا ہے۔ اس واقعہ سے بڑے بڑے ماہرینِ حساب حیرت زدہ رہ گئے۔ بڑے بڑے صحافیوں اور حکومت کے افسران نے اس کا امتحان لیا۔ یہ ایک عام لڑکا ہے مگر وہ ایک خاص وجدان کا مالک ہے جس نے خواص تک کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ اس کے غیر معمولی وجدان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بچہ ہمارے درمیان زندہ موجود ہے۔ یہ راہ چلتے چلتے بڑے بڑے سوالات حل کر دیتا ہے اور سوال کرنے والے کو بالکل صحیح جواب بتا دیتا ہے۔

پس اگر ایک نسل بعد مسٹر موریہ جیسا مؤرخ آئے اور وہ لوگوں کے اس مشاہدہ کو خرافات و مضحکہ خیز کہہ دے جسے مصریوں نے گھڑ لیا ہے تو صرف اس کے کہنے سے اس امرِ واقعہ کی حقیقت بدلی نہیں جا سکتی۔

متواتر روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت مریم علیہا السلام کے پاس موسم سرما میں گرمیوں کے پھل اور گرمیوں میں موسم سرما کے پھل موجود ملتے تھے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام سے جو واقعہ ظاہر ہوا وہ ایک خلافِ عادت فعل تھا مگر کسی نے بھی اس پر

یہ نہیں کہا کہ یہ واقعہ مضحکہ خیز ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آپ سے معجزات ظاہر ہونے لگے تو لوگ آپ سے مشکل مطالبات کر کر کے آپ کو تنگ کرنے لگے۔ چنانچہ کسی نے آپ سے چمگادڑ پیدا کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے مٹی لے کر اس کی تصویر بنائی۔ پھر اس میں پھونکا تو اس سے یکایک چمگادڑ بن کر فضا میں اڑنے لگی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ	میں تمھارے لیے مٹی کے گارے سے پرندہ کی شکل بنا کر
الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا	اس پر پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے اڑتا ہوا
بِاِذْنِ اللّٰہِ۔	پرندہ بن جاتا ہے۔

تو کیا کسی نے اس واقعہ کو مضحکہ خیز کہا۔ پھر خاص کر آنحضرتؐ کے ارہاصات اور معجزات ہی کو کیوں مضحکہ خیز و بعید از عقل کہا جائے۔ قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے گہوارہ ہی میں گفتگو فرمائی اور آپ کے حواریوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان کے لیے آسمان سے خوانِ نعمت اترا کرے اس پر حضرت عیسیٰؑ نے خدا سے دعا کی کہ اے خدا! تو میری قوم پر آسمان سے غذاؤں کا خوان اتار تاکہ یہ ان کے لیے مسرت و شادمانی کا باعث ہو اور ان کے لیے خدا کی ایک نشانی ہو۔ حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی تو کیا مسلمانوں نے کبھی یہ کہا کہ یہ واقعہ مضحکہ خیز ہے۔

بحیرا کون تھے؟

بحیرا جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے اپنے زمانہ میں ملک شام کے ایک عیسائی پادری تھے۔ کتاب "آداب بیزانطیہ" میں مذکور ہے کہ وہ اریوس اور نسطور کے مسلک کے ایک نسطوری پادری تھے۔ وہ حضرت مسیح کی الوہیت کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ حضرت مسیح کو خدا کہنا ناجائز ہے بلکہ انھیں اللہ کا کلمہ کہنا مناسب ہے اور آپ کی والدہ محترمہ حضرت مریم کو ناسوتی والدہ (فطرتِ انسانیہ) کے نام سے موسوم کیا جانا مناسب ہے جو کلمہ سامی (اقنوم ثانی) کا مظہر ہے نہ یہ کہ وہ خدا کی والدہ ہیں۔ بحیرا ایک بڑا پادری عالم دین اور ماہر فلکیات و نجوم تھے۔ انھوں نے موصل سے شام کو جانے والی شاہراہ کے قریب اپنا گرجا تعمیر کر لیا تھا جہاں وہ عرصہ دراز تک اقامت گزیں رہے۔ ادھر سے عرب اور دیگر ممالک کے قافلے گزرتے تھے۔ وہ ان لوگوں کو خدائے واحد کی عبادت کی نصیحت کرتے اور بتوں کی پرستش سے منع کرتے رہتے تھے۔ ان کے

ایک شاگرد مذہب نامی بھی تھے اور قبولِ اسلام سے قبل حضرت سلمان فارسیؓ بھی ان کے معتقدین و تلامذہ میں داخل تھے۔ جن کے قبولِ اسلام کا قصہ بھی عجیب و غریب ہے۔ ہم اس کے موقع پر اس کا بیان کریں گے۔ مذہب کا بیان ہے کہ بُحیرا کو بعض شر پسند یہود کی سازش سے قتل کر دیا گیا تھا۔ سریانی زبان میں بُحیرا کے معنی مُتبحر عالم کے ہیں۔ اور اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ بُحیرا کا نام آرامی زبان کے کلمہ بحیرا سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں مُنتخب اور چُنا ہُوا۔ یہ ان کا لقب تھا۔ لیکن ان کا نام "سرجیوس" یا "جرجیوس" بیان کیا گیا ہے۔

مکہ میں آنحضرتؐ کے بکریاں چرانے کا بیان

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہؓ نے سوال کیا اور یا رسُول اللہؐ آپ نے بھی چرائی ہیں؟ فرمایا۔ میں بھی چند قیراط[1] اجرت پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک مرتبہ نبی کریمؐ کے ساتھ پیلو کے پھل چُن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تمھیں کالے پھل چُننے چاہئیں کیونکہ وہ زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔ جب میں بکریاں چرایا کرتا تھا تو وہی چُنا کرتا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہؐ! کیا آپ بکریاں چرایا کرتے تھے؟ فرمایا۔ ہاں۔ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

کہا گیا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ بکریوں کا چرانا، جو سب سے کمزور جانور ہے، قلب میں نرمی اور رحم کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور جب بھی پاکیزہ جذبہ خُدائی مخلوق کی طرف مُنتقل ہو جاتا ہے تو اسے ادب پاکیزہ و شائستہ بنا دیتا ہے۔

○

---

[1] اس زمانہ کے ایک سکہ کا نام ہے جو دینار یا اشرفی کے بیسویں حصے کے برابر ہوتا تھا۔ م

جنگِ فجار

واقعہ ۵۸۰ء-۵۹۰ء

جنگ فجار کے چار دَور ہُوئے ہیں:-

جنگِ فجار اوّل: قبائل کنانہ، عجز اور ہوازن کے درمیان برپا ہوئی۔

جنگِ فجار دوم: قریش اور کنانہ کے درمیان برپا ہوئی۔

جنگِ فجار سوم: کنانہ اور بنو نصر بن معاویہ کے درمیان برپا ہوئی۔
مگر اس میں کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی تھی۔

اور آخری (اور چوتھی) جنگ فجار — قریش اور تمام قبائل کنانہ اور ہوازن کے درمیان برپا ہوئی۔ اس آخری جنگ اور آنحضرتؐ کی بعثت کے درمیان پچیس سال کا وقفہ ہُوا تھا۔ اس آخری جنگ میں خود حضرت محمدؐ (اپنے قبیلہ کی طرف سے) بنفسِ نفیس شریک ہُوئے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ اس جنگ کا سبب یہ ہُوا تھا کہ حیرہ کے امیر نعمان بن منذر نے اپنے تجارتی مال سے لدے ہُوئے اُونٹ بغرض تجارت عکاظ[1] کے بازار میں بھیجے تھے۔ اس تجارتی قافلہ کو قبیلہ بنو ہوازن کے ایک شخص عُروہ نے اپنے یہاں ٹھہرایا۔ انھوں نے اورات نامی ایک کنوئیں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ اس پر قبیلہ بنو کنانہ کے ایک خبیث شخص براض نامی نے عروہ کو قتل کر ڈالا اور خود خیبر کی طرف بھاگ کھڑا ہُوا اور وہیں چھپا رہا۔ وہ وہاں بشر بن ابی خازم اسدی شاعر سے جا کر ملا اور اسے اس واقعہ کی اطلاع دی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ جا کر عبداللہ بن جدعان، ہشّام بن مُغیرہ، حرب بن اُمیّہ، نوفل بن معاویہ دیلی اور بلعاء بن قیس کو بھی اس واقعہ کی اطلاع دے دے۔ چنانچہ اس نے عکاظ پہنچ کر سب کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی۔ یہ لوگ پناہ لینے کے لئے حرم کی طرف روانہ ہو گئے۔ قیس کو یہ خبر اس دن کی شام کو پُہنچی۔ پس قبیلہ ہوازن کے سردار ابو براء نے کہا کہ ہمیں قریش سے دھوکہ ہُوا۔ اس پر اس قبیلہ والے قریش کے پیچھے روانہ ہوئے

---

[1] عکاظ زمانہ جاہلیت کے ایک میلے کا نام ہے جس میں عرب قبائل جمع ہو کر ہر سال وہاں اپنے اپنے قصائد پڑھتے اور ایک دوسرے پر تفاخر کا مظاہرہ کرتے۔ یہ میلا ماہ شوال میں منعقد ہوتا۔ یہاں سے مجنہ نامی قبیلے میں جا کر ذیقعدہ کے بیس دن گزارتے پھر ذوالمجاز میلے میں منتقل ہو جاتے جہاں زمانہ حج تک مقیم رہتے۔ م

اور انھیں جالیا مگر وہ لوگ حرمِ کعبہ میں داخل ہو چکے تھے۔ پس قبیلہ بنو عامر کے ایک شخص ادرم بن شعیب نے انھیں بلند آواز سے للکار کر کہا کہ اب ہمارے تمھارے درمیان آئندہ سال انہی ایام میں مقابلہ ہو گا اور ہم لشکر کشی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔

اس سال عکاظ کا بازار نہیں لگا۔ قریش اور دوسرے قبائل کنانہ، اسد بن خزیمہ اور کچھ حبشی جوان سے مل گئے تھے۔ ایک سال تک جنگی تیاری کرتے رہے۔

ادھر قیس بن عیلان نے بھی اپنی تیاری کی۔ پھر آئندہ سال وہ اور اسکے ساتھی اور دوسری طرف سرداران قریش، عبداللہ بن جدعان، ہشام بن مغیرہ، حرب بن امیّہ، ابواحیحہ سعید بن عاص، عتبہ بن ربیعہ عاص بن وائل، معمر بن حبیب جمحی، عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار میدانِ جنگ میں جمع ہوئے۔ مگر یہ کسی ایک سپہ سالار کی متفقہ کمان میں نہ تھے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان سب کی کمان عبداللہ بن جدعان کے ہاتھ میں تھی۔ ادھر قیس بن عیلان کے ساتھیوں میں درج ذیل اشخاص تھے:۔

ابو براء عامر بن مالک بن جعفر، سبیع، ربیعہ بن معاویہ نضری، درید بن صمہ، مسعود بن معتب، ابو عروہ بن مسعود، عوف بن ابی حارثہ مری، عباس بن رعل سلمی۔ اور یہ سب کے سب اپنے اپنے قبائل کے سپہ سالار تھے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان سب کی کمان ابو براء کے ہاتھ میں تھی اور اسی کے ہاتھ میں ان کا علم جنگ تھا اور اسی نے ان سب کی صف بندی بھی کی تھی۔

پھر فریقین میں جنگ شروع ہو گئی۔ دن کے ابتدائی حصہ میں قیس اور کنانہ کو قبیلۂ ہوازن اور ان کے رفقاء کے مقابلہ میں شکست ہوئی مگر دن کے آخر حصہ میں قیس کے مقابلہ میں قریش اور کنانہ کو شکست ہوئی جس میں قیس کے گروہ نے قریش و کنانہ والوں کا نہایت بے دردی سے قتلِ عام کیا۔ حتیٰ کہ عتبہ بن ربیعہ نے جو ابھی تیس سال سے بھی کم عمر کے نوجوان تھے صلح کا نعرہ بلند کر دیا۔ چنانچہ فریقین میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ مقتولین کو شمار کیا جائے اور قریش قیس کے مقتولوں کا خوں بہا ادا کریں۔ مگر قریش کے مقتولین کا خون بہا ادا نہ کیا جائے گا۔ اس پر یہ جنگ ختم ہو گئی اور قریش اور قیس اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس ہو گئے۔ آنحضرتؐ حربِ فجار کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں بھی اپنے چچاؤں کے ہمراہ اس جنگ میں شریک ہوا تھا اور کچھ تیر بھی پھینکے تھے مگر میری دلی خواہش یہی تھی

کہ ایسا نہ کرول۔ میں اس جنگ میں اپنے چچاؤں کو صرف تیر نکال نکال کر دیا کرتا تھا

مُعاہدۂ فضُول

جب قریش حرب فجار سے واپس ہوئے تو انھوں نے باہم ایک مُعاہدہ کیا جس کا نام "حلف فضُول" رکھا۔ یہ ایک بہترین مُعاہدہ تھا۔ اس کے سب سے پہلے داعی زبیر بن عبد المطلب تھے۔ چنانچہ بنو ہاشم بنو زہرہ اور بنو تیم۔ عبداللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہوئے جہاں حاضرین کے لئے کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہاں پر یہ مُعاہدہ ترتیب دیا گیا۔ جس میں سب نے یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ :-

"خُدا کی قسم! ہم لوگ مظلوم کا اس وقت تک ساتھ دیتے رہیں گے جب تک کہ دریا اُون کو تر رکھے گا (یعنی ہمیشہ ہمیشہ) اور معاشرت میں ایک دوسرے کی ہمدردی و غمگساری کیا کرینگے"

قریش نے اس مُعاہدہ کا نام "حلفِ فضُول" رکھا تھا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے ابن جدعان کے مکان میں طے پانے والے مُعاہدے کے مقابلہ میں سُرخ اُونٹ بھی پسند نہیں۔ میں بنو ہاشم، زہرہ اور تیم کی قدر کرتا ہوں کہ انھوں نے یہ مُعاہدہ کیا کہ جب تک دریا اون کو تر رکھے گا تب تک (یعنی ہمیشہ) وہ مظلُوموں کی حمایت کرتے رہیں گے۔ اگر مجھے بھی اس اجتماع میں بُلایا جاتا تو میں بخوشی اس دعوت کو قبول کرتا۔

کیا نبی کریمؐ نے یمن کا سفر فرمایا تھا؟

مسٹر ویل جرمنی نے لکھا ہے کہ حضرت محمدؐ نے سولہ سال کی عمر میں اپنے چچا زُبیر کے ہمراہ یمن کی طرف ایک تجارتی سفر کیا تھا مگر ڈاکٹر اسپرنجر نے اس کی تردید کی ہے کہ یہ خبر بے بُنیاد ہے اور انھوں نے کسی مُعتبر کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں دیکھا ہے اور صحیح واقعہ بھی یہی ہے۔ البتہ طبری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ اور ایک دُوسرے قریشی کو تہامہ کے بازار حباشہ میں تجارت کے لیے معاوضہ پر بھیجا تھا۔ ساتھ ہی طبری نے یہ بھی لکھا ہے کہ واقدی نے اس روایت کو غلط بتایا ہے اور کہا ہے کہ مشہور صرف ابنِ اسحاق کی روایت ہے، اور وہ یہ ہے کہ آپ نے صرف شام کا سفر کیا تھا۔ علیٰ ہذا آنحضرتؐ نے بحری راستہ سے نہ حبشہ کا سفر کیا تھا نہ فارس اور مصر کا۔ یہ سب روایات غلط اوہام ووساوس کی پیداوار ہیں۔

○

جاہلیّت کی بُرائیوں سے آنحضرتؐ کی دُوری کا بیان

حضُورِ اقدسؐ اپنی بعثت سے قبل اپنا ستر کھولنے کو معیُوب سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ نے اپنی کمسنی میں محلہ کے ایک مکان میں شادی کی تقریب کے موقع پر گانے بجانے کی آواز سُنی تو آپ سو گئے۔ یہاں تک کہ دھوپ کی گرمی سے بیدار ہُوئے۔ آپ کی قوم بوانہ نامی ایک بُت کا سالانہ جشن منایا کرتی تھی جس کی تقریب میں شرکت سے آپ صاف انکار فرما دیتے تھے۔ حتیٰ کہ اس بات پر آپ کے چچا ابُوطالب اور آپ کی پھُوپھیاں آپ پر غصہ کیا کرتی تھیں۔

آپ نے کبھی کسی بُت کے نام کا ذبیحہ نہیں چکھا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ کو رسالت کی فضیلت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کبھی یہُودیت یا نصرانیت کی طرف مائل نہیں ہُوئے۔ بُتوں سے ہمیشہ بیزار رہے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرماتے تھے اور ان کو زندہ رکھنے کی سعی فرماتے تھے۔ جب کبھی کوئی ایسا ارادہ کرتا تو آپ زندہ درگور کی جانے والی لڑکی کو اس کے باپ سے لے کر خود اس کی پرورش فرماتے۔

آپ نے نہ کبھی جُوا کھیلا نہ شراب پی، باوجودیکہ اس زمانہ میں اس کا وہاں عام رواج تھا۔ آپ کا خود پر شراب کو حرام فرما لینا صرف آپ ہی کی خصُوصیّت نہ تھی بلکہ زمانۂ جاہلیّت میں اور بہت سے لوگوں نے بھی اسے اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک شراب نوشی میں بہت سی آفات اور بُرائیاں تھیں۔ چنانچہ آپ کے اجداد میں قصیّ اور عبدالمطلب نے بھی شراب نوشی کو اپنے اُوپر حرام کر رکھا تھا۔ پھر اسلام نے اس کی عام حُرمت کا حکم صادر کر دیا اور اس کے پینے والے کے لئے سزا مقرر کر دی۔

زمانۂ جاہلیّت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی عربی رسم ہولناک ترین جُرم اور شدید بربریّت تھی۔ جسے سُن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے آ کر اس قبیح رسم کو قطعًا ناجائز قرار دیا اور اس کی پُوری طرح بیخ کنی کر دی اور عرب اس خبیث رسم سے بالکل پاک و مُبرا ہو گئے حق تعالیٰ سُورۂ تکویر میں فرماتا ہے۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝

جب زندہ درگور کی جانے والی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ اسے کس جُرم کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا۔

آنحضرتؐ کے دوسرے سفرِ شام کا واقعہ (واقعہ ۵۹۵ء)

جب رسول اللہؐ کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو ابو طالب نے آپ سے کہا: میں ایک مفلس شخص ہوں، ہم پر تنگی کا دور ہے اور تمھاری قوم کا مال سے لدا ہوا اونٹوں کا قافلہ روانہ ہونے والا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد تمھاری قوم کے کچھ لوگوں کو اپنے تجارتی اونٹوں کے ہمراہ تجارت کے لیے بھیجا کرتی ہیں۔ مناسب ہے کہ تم بھی انکے پاس جاکر خود کو اس خدمت کے لیے پیش کر دو امید ہے کہ وہ تمھیں فوراً قبول کر لیں گی۔ اُدھر اس گفتگو کی خبر کسی نے سیدہ خدیجہ کو پہنچا دی انھوں نے فوراً ہی از خود آپکو بلا بھیجا اور آپ سے کہا کہ میں آپ کو دوسرے لوگوں سے دگنا معاوضہ دوں گی۔

چنانچہ آپ سیدہ خدیجہ کے غلام میسرہ کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو گئے۔ آپ کے چچاؤں نے آپ کے متعلق قافلہ والوں کو بطورِ خاص فہمائش کر دی۔ آپ روانہ ہو کر شام کے شہر بُصریٰ پہنچے۔ یہ دمشق کے راستے پر واقع ایک شہر کا نام ہے۔ وہاں یہ دونوں ایک درخت کے سایہ تلے ٹھہرے۔ اس پر نسطورا پادری نے کہا کہ اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں ٹھہرتا۔ پھر میسرہ سے پوچھا کیا اس شخص کی آنکھوں میں سُرخی ہے؟ اس نے کہا، ہاں یہ سُرخی ہمیشہ رہتی ہے۔ اُس نے کہا یقیناً یہ نبی اور آخری نبی ہیں۔

پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ جب دوپہر کے وقت سخت گرمی ہوتی تو میسرہ دیکھتا تھا کہ دو فرشتے آتے اور آپ پر دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ کر لیتے تھے۔ میسرہ یہ سب باتیں ذہن نشین کرتا رہا۔

پھر سب نے اپنا مال فروخت کر دیا اور دوسرے تجار کے مقابلہ میں آپکو دوگنا نفع ہوا۔ جب اہل قافلہ واپس ہوئے تو میسرہ نے جاکر سیدہ خدیجہ سے نسطورا پادری کا قول نقل کیا۔ جب سیدہ خدیجہ نے غیر معمولی فائدہ دیکھا تو آپ سے جو معاوضہ طے کیا تھا اس سے دوگنا معاوضہ پیش کیا۔

مسٹر میور نے آپ کے اس سفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"حضرت محمدؐ کو خود کبھی بھی دولت مند بننے کی حرص نہ تھی بلکہ آپ صرف دوسروں کی بھلائی کے لئے ہی کوشاں رہتے تھے۔ اگر معاملہ صرف آپکی ذات کی حد تک محدود رہتا تو آپ یقیناً پُرسکون و پُرامن زندگی کو ترجیح دیتے اور اپنی اسی حالت پر قانع رہتے اور ایسے تجارتی سفروں کا خیال تک نہ فرماتے۔ لیکن جب آپ کے چچا نے آپ کو سفر کی ترغیب دی تو آپ کی کریم النفسی نے اپنے چچا کی معاشی تکلیف کو رفع کرنے کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے بطیب خاطر ان کی خواہش کو قبول فرمالیا۔"

سیّدہ خدیجہ رضؓ سے آنحضرتؐ کے عقد کا بیان

سیّدہ خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیّ نہایت دانشمند، مُستقل مزاج، شریف النفس مُتموّل اور حسین و جمیل خاتُون تھیں اور قریش میں نسب کے اعتبار سے اعلیٰ اور عزّت و شرف میں سب سے بڑھ کر مانی جاتی تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں طاہرہ اور سیّدہ قریش کے لقب سے مُلقّب کی جاتی تھیں۔ بہت سے لوگوں نے ان سے شادی کی خواہش ظاہر کی مگر انھوں نے قبول نہیں کی۔

جب آنحضرتؐ سفر شام سے واپس تشریف لائے تو سیّدہ خدیجہ نے ایک خاتُون کو آپ کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ آپ کو ان سے شادی کرنے پر آمادہ کرے۔

کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی بہن کو اور بقول بعض اپنی کنیز نفیسہ کو بھیجا تھا۔ بہرحال ان خاتون کی ترغیب پر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس شادی کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا۔ اگر آپ کو مصارف سے بے نیاز کر دیا جائے اور آپ کی خدمت میں مال و دولت، حُسن و جمال، عزّت و شرافت اور ضروریات کی کفالت کی پیش کش کی جائے تو کیا آپ اسے بھی قبول نہ فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا۔ ایسی خاتُون کون ہیں؟ اُنھوں نے عرض کیا وہ سیّدہ خدیجہ ہیں۔ فرمایا تو مجھے منظور ہے۔ انھوں نے واپس جا کر سیّدہ خدیجہؓ کو اس کی اطلاع دی۔ سیّدہ خدیجہ نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ فلاں وقت میرے مکان پر تشریف لے آئیں۔ اور اپنے چچا عمرو بن اسد کو کہلا بھیجا کہ آپ تشریف لا کر ان کا عقد کرا دیں۔ چنانچہ وہ تشریف لے آئے۔ ادھر آنحضرتؐ اپنے چچاؤں کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ پس آپ کے ایک چچا نے آپ کا ولی بن کر آپ کا سیّدہ خدیجہ سے عقد کر دیا۔ پھر عمرو بن اسد نے کہا۔ "یہ وہ شریف ہستی ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

جس وقت آنحضرتؐ نے سیّدہ خدیجہ سے نکاح کیا تو آپ کی عمر اس وقت پچیس سال اور سیّدہ خدیجہ کی چالیس سال تھی۔ یہ عقد آنحضرتؐ کے شام سے واپسی کے دو ماہ بعد عمل میں آیا تھا۔

اس عقد میں قبیلہ مضر کے رؤسا اور حضرت ابوبکرؓ شریک ہوئے تھے۔ اس موقع پر ابُوطالب نے یہ خُطبہ دیا تھا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ ذُرِّیَّةِ   تمام محامد اس خُدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں حضرت

ابراهيم وزرع اسمعيل وضئضئ	ابراہیم علیہ السلام کی اولاد حضرت اسماعیل کے چمن،
معد وعنصر مضر وجعلنا حضنة	معد کی نسل اور مضر کی اصل سے پیدا فرمایا۔ ہمیں اپنے
بيته وسوّاس حرمه وجعل لنا	گھر کا متوتی اور اپنے حرم کا نگہبان مقرر فرمایا اور ہمیں
بيتا محجوبا وحرما امنا وجعلنا	ایک پردہ دار گھر اور ایک محفوظ و پُرامن حرم مقدس عطا
الحكام على الناس۔ ثم ان ابن	فرمایا اور ہمیں لوگوں کا حاکم بنایا۔ پھر اگر میرے اس بھتیجے
اخي هذا محمد بن عبد الله لا يوزن	محمد بن عبداللہ کا کسی سے بھی موازنہ کیا جائے تو وہ
برجل الا رجح به شرفا ونبلا و	شرافت طبعی، نجابت خاندانی، فضیلت نفس اور عقل و
وفضلا وعقلا۔ فان كان في المال	دانش کے اعتبار سے سب پر فائق و برتر رہے گا۔ اگرچہ
قل فان المال ظل زائل وامر	مال کے اعتبار سے کمتر ہے لیکن مال فنا ہو جانے والا
حائل۔ ومحمد من عرفتم قرابته	سایہ اور ایک مٹ جانے والی چیز ہے۔ محمد نے جن کے خاندان
وقد خطب خديجة بنت خويلد و	سے آپ سب بخوبی واقف ہیں۔ سیدہ خدیجہ بنت خویلد
بذل لها ما اجله وعاجله كذا	سے عقد کیا ہے اور اس کے لیے اتنا اتنا مہر مؤجل اور
وهو والله بعد هذا له نبأ عظيم	معجل ادا کیا ہے[1]۔ خدا کی قسم اس کے بعد محمد کے لیے عظیم
وخطر جليل جسيم۔	خوشخبری ہے اور انھیں اعلیٰ وارفع مرتبہ اور شان و شوکت
	کی دولت حاصل ہوگی۔

جب ابوطالب اپنا خطبہ ختم کر چکے تو سیدہ خدیجہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے یہ خطبہ دیا۔

الحمد لله الذي جعلنا كما ذكرت	تمام تر تعریفیں صرف اس خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں
وفضلنا على ما عددت فنحن سادة	ویسا بنایا جیسا آپ نے ابھی بیان کیا ہے اور ہمیں ان فضائل
العرب وقادتها وانتم اهل ذلك	سے سرفراز فرمایا جنھیں آپ نے شمار کرایا ہے۔ پس ہم بھی عرب
كله لا تنكر العشيرة	کے سردار اور قائد ہیں اور آپ بھی ان سب عظمتوں کے حامل
فضلكم ولا يرد احد من	ہیں۔ قوم آپ کی فضیلت کا انکار نہیں کر سکتی اور کوئی

[1] آنحضرتؐ نے حضرت خدیجہؓ کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ سونا ادا کیا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہ مہر بیس اونٹنیوں کا تھا۔ اس میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ مذکورہ سونے کی قیمت کے برابر اونٹنیاں ادا کر دی ہوں۔ م

النَّاسِ فخرکم و شرفکم	شخص بھی آپ حضرات کے عزّو شرف اور مفاخر کی تردید
وقد رغبنا فی الاتصال بحبلکم	نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ہم نے آپ کے رشتہ قرابت اور آپ
و شرفکم فاشہدوا علیّ معاشر	کے اعزاز سے منسلک اور وابستہ ہونا پسند کیا۔ پس اے
قریش بانّی قد زوّجت خدیجة	جماعت قریش! آپ سب گواہ رہیں کہ میں نے سیدہ
بنت خویلد من محمّد بن عبد اللّٰه	خدیجہ بنت خویلد کا حضرت محمد بن عبداللہ سے اتنے
علی کذا۔	زرِ مہر پر عقد کر دیا ہے۔

جب وہ اپنا خطبہ ختم کر چکے تو ابوطالب نے کہا۔ میری خواہش ہے کہ سیدہ خدیجہ کے چچا بھی آپ کے اس کلام میں شریک ہوں۔ چنانچہ ان کے چچا عمرو بن اسد نے کہا۔

اشہدوا علیّ یا معشر قریش انّی	اے جماعت قریش! آپ گواہ رہیں کہ میں نے محمد
قد انکحت محمّد بن عبد اللّٰه	بن عبداللہ کا عقد سیدہ خدیجہ بنت خویلد سے
خدیجة بنت خویلد ۔	کر دیا ہے۔

پس آنحضرتؐ نے یہ عقد قبول فرما لیا اور اکابر قریش اس کے گواہ بنے۔

آنحضرتؐ نے اس موقع پر دعوت ولیمہ فرمائی۔ جس میں ایک اور بقول بعض دو اونٹنیاں ذبح کرائیں اور لوگوں کو کھانا کھلایا اور سیدہ خدیجہؓ نے اپنی کنیزوں کو رقص کرنے اور دف بجانے کا حکم دیا۔ حضرت ابوطالب اس عقد پر بہت زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا۔

خدا ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں جس نے ہماری پریشانیوں کو دور فرما دیا اور ہمارے رنج و غم مٹا ڈالے۔

یہ پہلا ولیمہ تھا جو آنحضرتؐ نے کیا تھا۔

واقدی نے لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدہ خدیجہؓ نے کسی کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیج کر آپ سے عقد کی خواہش ظاہر کی۔ یہ بہت معزز خاتون تھیں اور ہر قریشی ان سے عقد کا خواہشمند تھا اور اس طمع میں انھوں نے کافی دولت بھی خرچ کی تھی۔ لیکن سیدہ خدیجہ نے ایک دن اپنے والد کو بلایا اور انھیں شراب پلا دی جس کے نشہ میں وہ مخمور ہوگئے۔ پھر سیدہ خدیجہ نے ایک گائے ذبح کرائی اور نشہ کی حالت میں والد کو خوشبوؤں سے معطر کیا اور انھیں یمنی چادر اوڑھا دی۔ پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں قاصد بھیج کر آپ کو چچاؤں سمیت تشریف آوری کا پیغام کہلا بھیجا۔ چنانچہ وہ حضرات وقت مقررہ پر تشریف لے آئے اور انھوں نے دونوں کا عقد کر دیا۔

جب سیدہ خدیجہ کے والد ہوش میں آئے تو انھوں نے کہا یہ خوشبو کیسی ہے؟ یہ زعفرانی مہک کیسی ہے؟ اور یہ یمنی چادر کیسی ہے۔ اس پر سیدہ خدیجہ نے کہا کہ آپ نے میرا عقد محمدؐ بن عبداللہ سے کر دیا ہے انھوں نے کہا کہ میں نے تو نہیں کیا بھلا میں یہ کیسے کر سکتا تھا جبکہ رؤسا، قریش تک کے کئی رشتے آئے مگر میں نے رد کر دیئے

واقدی کہتے ہیں کہ یہ روایت سر تا سر غلط ہے۔ اس کی تردید میں ہمارے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہے اور وہ وہ حدیث ہے جسے محمدؐ بن عبداللہ بن مسلم نے اپنے والد محمدؐ بن جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے۔ دوسری حدیث وہ ہے جسے ابن ابی الزناد نے ہشام بن عروہ سے انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے تیسری حدیث ابن جبیبہ کی ہے جسے اُنھوں نے داؤد بن حصین سے، انھوں نے عکرمہ سے، اور اُنھوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سیدہ خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے ان کا عقد آنحضرتؐ سے کیا تھا اور سیدہ خدیجہ کے والد خُویلد بن اسد جنگ فجار سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے۔

سیدہ خدیجہؓ نے آنحضرتؐ سے قبل اپنے کنوارے پن میں عتیق بن عائذ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم سے پہلی شادی کی تھی۔ پھر ان کی وفات کے بعد ابُوہالہ نباش بن زرارہ سے ان کا دُوسرا عقد ہوا تھا۔

سیدہ خدیجہ کے بطن سے عتیق بن عائذ سے ایک لڑکی ہندہ بنت عتیق تولد ہوئی تھی اور ابُوہالہ سے ایک دُختر ہندہ بنت ابی ہالہ اور ایک فرزند ہالہ بن ابی ہالہ پیدا ہُوا تھا۔ اس طرح بلحاظ قرابت ہندہ بنت عتیق اور ہالہ اور ہندہ اولاد ابو ہالہ سیدہ خدیجہ کے بطن سے آنحضرتؐ کی اولاد کے بہن بھائی ہوئے۔

حضُور اقدسؐ کے حضرت خدیجہؓ سے عقد کے بعد پھر آپ کبھی کسی تجارتی سفر پر باہر تشریف نہیں لے گئے بلکہ مکّہ ہی میں اقامت گزیں رہے۔ یہاں تک کہ مدینہ مُنورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

آنحضرتؐ سے جتنی اولاد ہوئی بجز حضرت ابراہیم کے وہ سب کی سب حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئی۔ صرف حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے تولد ہوئے تھے۔ آپؐ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت قاسم تھے۔ انہی کے نام سے آپ کی کُنیت ابُوالقاسم رکھی گئی تھی۔

ان کے بعد بالترتیب حضرت طیبؓ، حضرت طاہرؓ، صاحبزادیاں حضرت رُقیہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت اُمِ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ رضوان اللہ علیہم آپ کی اولادیں تھیں۔

واقدی کہتے ہیں کہ ہمارے راوی کہتے ہیں کہ طیب کا ثبوت نہیں ہے بلکہ طاہر ہی کا دُوسرا نام طیب بھی تھا۔

تعمیرِ خانۂ کعبہ کی تجدید

در ۶۰۵ء

کعبہ بیتُ اللہ الحرام کا نام ہے جو مسجد حرام کے درمیان میں ایک چوکور شکل کی عمارت ہے۔ اس کا دروازہ زمین سے قد آدم اُونچا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی عبادت کے لیے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ آپ ایک اُولوالعزم پیغمبر تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو بابل کے جنوبی علاقہ میں آباد کلدانی قوم کی طرف بھیجا تھا جو ستاروں اور بُتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ جب آپ کی قوم نے آپ کی نافرمانی کی تو آپ انھیں چھوڑ کر مدین کی طرف ہجرت فرما گئے۔ یہاں حق تعالیٰ نے آپ کو، ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام[1] اور ان کی والدۂ محترمہ حضرت ہاجرہ کو ملک عرب کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان سب نے مکّہ کا سفر اختیار کیا پھر حق تعالیٰ نے انھیں خانۂ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ امام تقی فاسی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا خانۂ خدا کو تعمیر کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

ازرقی نے اپنی تاریخ میں ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت خلیل علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کو تعمیر کیا تو اس کی بلندی نو ہاتھ رکھی اور سطح زمین پر بیتُ اللہ شریف کے مواجہہ میں حجرِ اسود سے رکن شامی تک تئیس ہاتھ لمبائی رکھی اور میزابِ رحمت کی طرف سے رکنِ غربی تک جسے آج کل رُکنِ عراقی کہا جاتا ہے، بائیس ہاتھ چوڑائی رکھی اور بیت اللہ شریف کی پُشت کی جانب مذکورہ رکن غربی سے رُکنِ یمانی تک اکتیس ہاتھ لمبائی رکھی اور رُکنِ یمانی سے حجرِ اسود تک بیس ہاتھ چوڑائی رکھی۔ چوکھٹ

---

[1] حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب سے بڑی اولاد تھے۔ ان کا نام اشمویل تھا جو مُعرب کر کے اسمٰعیل کر لیا گیا۔ آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ قبطی تھیں اور مصر قدیم کے قریب فرمی کے سامنے ایک گاؤں کی رہنے والی تھیں۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو دو سال کی عمر میں اور حضرت ہاجرہ کو لے کر مکّہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ پھر حضرت ابراہیم انھیں چھوڑ کر شام واپس آگئے تھے۔ سب سے پہلے حضرت اسمٰعیل نے عربی بولی تھی جبکہ آپ کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ اس سے قبل لوگوں کی زبان عبرانی تھی جب آپ کی عمر بیس سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ ہاجرہ نوّے سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ انھوں نے انھیں حجر میں دفن کر دیا۔ خدا نے حضرت ابراہیم پر وحی بھیجی کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کریں۔ چنانچہ ان دونوں نے اس کی تعمیر کی۔ والد کے بعد حضرت اسمٰعیل فوت ہو گئے اور اپنی والدہ کے برابر خانہ کعبہ سے مُتّصل حجر کے اندر دفن کئے گئے۔ م

زمین سے ملی ہوئی رکھی نہ اُونچی تھی نہ اس میں دروازہ لگا ہوا تھا۔ پھر بعد میں تُبّع حمیری نے اس میں دروازہ نصب کیا تھا۔ بیتُ اللہ کی جس سمت میں دروازہ نصب ہے اس سمت کے درمیانی حِصّہ کے عین مقابلہ میں مقامِ ابراہیمؑ واقع ہے۔

یاقُوت نے اپنی کتاب مُعجم البلدان میں لکھا ہے کہ کعبہ شریف کی بہت سی خصُوصیات ہیں اس کے بے شمار فضائل ہیں جن کا اس کتاب میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ دُنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو بیتُ اللہ کا احترام نہ کرتی ہو اور اس کی قدامت و عظمت اور اس کا اعتراف نہ کرتی ہو کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کا تعمیر کردہ ہے۔ حتّٰی کہ یہودی، عیسائی، آتش پرست (پارسی) اور ملحد و بے دین سب ہی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ نبی کریمؐ کی پینتیس سالہ عمر تک خانہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ ہی کی تعمیر کردہ حالت پر باقی رہا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر میں پتھروں پر پتھر جمے ہُوئے تھے۔ اُوپر سے پلاستر نہ ہُوا تھا۔ ایک مرتبہ اس میں آگ لگ گئی تھی۔ پھر اس میں قدِ آدم سے بھی زیادہ سیلاب آ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے تھے اور قریش کو اس کے مُنہدم ہو جانے کا خطرہ ہو گیا تھا۔ حُسنِ اتفاق کہ اسی اثنا میں دریا کی موجوں نے ایک کشتی جدہ کے ساحل پر پھینک دی جو پاش پاش ہو گئی۔ ولید بن مُغیرہ قریش کے کچھ لوگوں کو لے کر وہاں پُہنچے اور مقامی لوگوں سے اس کی لکڑیوں کو خرید کر انھیں خانہ کعبہ کی چھت ڈالنے کے لئے درست کر لیا۔ اس زمانہ میں مکّہ میں سعید بن عاص کا غلام باقوم ماہر نجّار تھا جس نے بعد کو آنحضرتؐ کا منبر شریف بھی بنایا تھا۔ چنانچہ قریش نے اس نجار کو حکم دیا کہ وہ خانہ کعبہ کی تعمیر کا انصرام کرے۔ آنحضرتؐ بھی دُوسروں کے ہمراہ بنفسِ نفیس پتھر اُٹھا اُٹھا کر دیتے تھے۔ جب تعمیر حجرِ اسود تک پُہنچی تو اس میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ حجرِ اسود کو کون اس کی جگہ پر نصب کرے۔ اس لئے کہ ہر قبیلہ اس اعزاز کے حصُول کا مُتمنّی تھا یہاں تک کہ نوبت جنگ و جدال تک پُہنچ گئی۔ تب انھوں نے باہم مشورہ کر کے اس پر اتّفاق کیا کہ جو شخص کل صُبح سویرے سب سے پہلے باب شیبہ سے داخل ہو گا وہی اس نزاع کا فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ فجر میں سب سے پہلے حضور اقدسؐ اس دروازے سے داخل ہوئے۔ جب لوگوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ کہ یہ ہمارے نزدیک امین و دیانت دار ہیں۔ ہمیں ان کا فیصلہ منظُور ہو گا۔ پھر اُنھوں نے آپ سے صورتِ حال بیان

کی۔ اس پر آنحضرتؐ نے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھادی۔ پھر دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اُٹھا کر اس چادر میں رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ والا اس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اُوپر اُٹھائے۔ انھوں نے اس پر عمل کیا۔ جب وہ اس کی جگہ تک پہنچے تو آپ نے اسے اپنے دستِ مبارک سے اُٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرمادیا۔ آپ کے اس عمل پر سب راضی ہو گئے اور اس طرح سے ایک فتنہ کا سدِ باب ہو گیا۔

حضور اقدسؐ پر وحی نازل ہونے سے پیشتر ہی قریش نے آپ کو آپکے وقار، آپ کی نیکی، آپ کی راست بازی اور تمام بُرائیوں سے اجتناب کی بنا پر امین کا لقب دیا تھا۔

کتاب تہذیب اسماء میں مذکور ہے کہ سب سے پہلی خاتون جنھوں نے خانہ کعبہ پر ریشمی کپڑے کا غلاف چڑھایا تھا وہ حضرت عباس کی والدہ نتیلہ تھیں۔ اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ حضرت عباس بچپن میں گم ہو گئے تھے اس پر ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ اگر وہ مل گئے تو وہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھائینگی۔ چنانچہ آپ مل گئے تو انھوں نے اپنی نذر پوری کردی۔

○

آنحضرتؐ کے امینؐ کے لقب سے ملقب ہونے کا بیانؐ

انسائیکلو پیڈیا آف بریطانیہ میں آنحضرتؐ کی سیرتِ طیبہ کے بیان میں مذکور ہے کہ آپؐ کا لقب امین رکھنا آپ کی والدۂ ماجدہ (آمنہ) کے اسمِ گرامی سے ماخوذ ہے۔ اگرچہ عرب آپ کے اس لقب کی وجہ میں دونوں ناموں کے درمیان کوئی مناسبت و رابطہ بیان نہیں کرتے۔ یہ اس کتاب کے مؤلف کا خیال ہے۔ گویا وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ عربوں نے رسول اللہ کا لقب امین آپ کی امانت و دیانت کی وجہ سے نہیں رکھا بلکہ صرف اس لئے رکھا کہ آپ کی والدہ کا نام آمنہ تھا۔ اس لیے گویا اس لقب میں آپ کے لئے کوئی اعزاز و افتخار نہیں تھا۔ مگر یہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ کا نام امین صرف آپ کی صفتِ امانت کی بنا پر رکھا گیا تھا۔ اسی بنا پر حضرت خدیجہؓ نے آپ کی خدمات اپنی تجارت کے لئے معقول معاوضہ پر حاصل کی تھیں۔ چنانچہ انھیں آپ کے ذریعہ بہت زیادہ نفع حاصل ہوا۔ پھر آپ پر اعتماد ہی کی وجہ سے انھوں نے آپ سے عقد کر لیا تھا۔ لوگ آپ کی دیانتداری کی بنا پر ہی اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھواتے تھے۔ چنانچہ آپ کی قوم نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر بھی آپ کو اپنی خوشی سے ہی ثالث بنایا تھا۔

موسیو سیدیو اپنی کتاب تاریخ عرب میں لکھتے ہیں کہ "جب حضرت محمدؐ کی عمر پچیس سال کی ہوئی، تو آپ لوگوں سے خوش خلقی اور حسنِ سلوک سے پیش آنے کی وجہ سے اس بات کے اہل قرار پائے کہ آپ کو قوم کی طرف سے امین کا لقب دیا جائے۔"

مسٹر مویر لکھتے ہیں کہ "آپ کی اخلاقی عظمت کی بنا پر آپ کے شہر والوں نے متفقہ طور پر آپ کو امین کا لقب دیا تھا۔"

تمام مکہ والے آپ کی دیانت و امانت پر کامل اعتماد رکھتے ہوئے اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھواتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو حضرت علیؓ کو اپنی جگہ چھوڑ گئے اور انھوں نے وہاں ٹھیر کر آنحضرتؐ کے پاس رکھی ہوئی تمام امانتوں کو ان کے مالکوں کے پاس پہنچایا۔ پھر اس فریضہ سے سبکدوشی کے بعد انھوں نے ہجرت کی۔

○

بچپن اور جوانی میں آنحضرتؐ کے اخلاقِ حسنہ کا بیان

آنحضرتؐ کے زمانہ طفولیت کے حالات سے متعلق بہت کم اور ناکافی واقعات ملتے ہیں اس لئے کہ اس وقت سیرت نگاری کی طرف توجہ ہی نہ تھی۔ ہم یہاں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ اپنے بچپن میں ایک مرتبہ قریش کے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ دُوسرے بچے اپنی اپنی لنگیوں میں پتھر بھر بھر کر لاتے تھے جس سے ان کے جسم برہنہ ہو جاتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ ان کے برخلاف اپنی گردن پر پتھر اُٹھا کر لاتے تھے تاکہ آپ کا ستر نہ کھلے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے ہوئے سُنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی ایسی بُرائی کا ارادہ بھی نہیں کیا جس کا لوگ زمانۂ جاہلیت میں ارتکاب کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے مجھے منصبِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ صرف دو مرتبہ ایسا موقع پیش آیا مگر حق تعالیٰ نے مجھے دونوں مرتبہ بُرائی کے ارتکاب سے محفوظ رکھا۔

ایک مرتبہ میں نے قریش کے ایک لڑکے سے جو میرے ساتھ مکہ کی چوٹی پر اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ یہ کہا کہ ذرا میری بکریوں کی دیکھ بھال رکھنا۔ تاکہ میں آج رات مکہ میں جاکر کہانیاں سُنوں جس طرح اَور لڑکے سُنتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ بہتر ہے۔ جب میں مکہ کے قریب ایک گھر تک پہنچا تو میں نے گانے اور ڈھول کی آواز سُنی تو میں نے لوگوں سے پوچھا یہ گانے والا کون ہے۔ کہا فلاں شخص کی فلاں عورت سے شادی ہُوئی ہے۔ میں اس آواز میں کھو گیا۔ حتیٰ کہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور میں سو گیا۔ صبح کو سُورج کی شعاعوں نے ہی مجھے بیدار کیا۔ پھر میں اپنے ساتھی چرواہے کے پاس پہنچا تو اس نے دریافت کیا کہ شب میں کیا کیا؟ میں نے اُسے قصہ سنایا۔ پھر میں نے دُوسری شب بھی یہی عمل کیا۔

حق تعالیٰ جب کسی شخص کو بچانا چاہتا ہے تو اس پر لہو و لعب اور برائیوں کے دروازے بند کر دیتا ہے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے اور اسے اس راہ سے اس طرح روک دیتا ہے کہ کسی کے حاشیہ خیال میں بھی وہ بات نہیں آتی۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے آپ پر نیند کا غلبہ کر دیا۔ تاکہ آپ زمانہ جاہلیت کی خوشی کی محفلوں کے لہو و لعب، رقص و سرود اور شراب نوشی اور اسی قبیل کی خرافات کو نہ دیکھ سکیں تاکہ آپ کی ذات ہر قسم کی بُرائی بلکہ بُرائی کے شائبہ تک سے پاک صاف رہے۔

حضرت اُمِ ایمنؓ سے روایت ہے کہ کفار زمانۂ جاہلیت میں بوانہ کے پاس جشنِ عید منایا کرتے تھے۔ یہ مکہ کے بتوں میں سے ایک بُت تھا جسے قریش پوجتے، اس کی تعظیم بجالاتے، اس کے نام پر قربانی کرتے، اس کے پاس جاکر حلف اُٹھاتے اور ہر سال ایک شب و روز اس کے پاس اعتکاف کیا کرتے۔ ابُوطالب اپنی قوم کے ہمراہ وہاں حاضری دیتے اور جناب رسُول اللہؐ سے بھی کہتے تھے کہ وہ بھی اُن کے ساتھ اس جشن میں شرکت کریں لیکن آپؐ صاف انکار فرما دیتے تھے۔

اُمِ ایمن بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ابُوطالب کو رسُول اللہؐ پر اس انکار کی بنا پر غُصہ ہوتے ہُوئے دیکھا ہے اور آپ کی پھوپھیاں تو بہت ہی غُصہ ہوتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں کہ ہمارے خداؤں سے اجتناب کی وجہ سے ہمیں تم سے خطرہ ہے۔ اے محمدؐ! کیا تم نہیں چاہتے کہ اپنی قوم کی عید میں شریک ہو اور ان کا مجمع بڑھاؤ۔ یہ لوگ برابر آپ کو کہتے اور دباؤ ڈالتے رہے تو ایک مرتبہ آپ ان کے ساتھ چلے گئے۔ انجام یہ ہُوا کہ آپ وہاں سے اس حال میں واپس ہوئے کہ آپ دہشت زدہ اور سہمے ہُوئے تھے۔ یہ حال دیکھ کر ان عورتوں نے کہا تمھیں یہ کیا ہو گیا۔ یہ کیسی دہشت طاری ہے؟ آپ نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ مجھ پر شیطانی اثر ہو گیا ہے۔

اس پر وہ بولیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم پر شیطانی اثر ہو درآں حالیکہ تم میں جو بہترین اوصاف و عادات پائی جاتی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ آخر بتاؤ تو سہی تمھیں کیا نظر آیا ہے؟ فرمایا، جب بھی میں اس بُت کے قریب جاتا تو میرے سامنے ایک سفید لمبا آدمی نمودار ہوتا اور چیخ کر کہتا۔ اے محمدؐ! پیچھے ہٹ جاؤ۔ اس بُت کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ اُمِ ایمن بیان فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد آپ پھر کبھی ان کے جشن عید میں شریک نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ پھر آپ نبُوت سے سرفراز فرمائے گئے۔

آنحضرتؐ نے کبھی بھی بُتوں کے نام کے ذبیحہ کو چکھا تک نہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے کبھی کسی بُت کی پرستش کی ہے؟ فرمایا۔ کبھی نہیں۔ پُوچھا گیا۔ کبھی آپ نے شراب بھی پی ہے؟ فرمایا۔ میں ہمیشہ یہی سمجھتا تھا کہ یہ لوگ جس طریقہ پر عامل ہیں وہ کُفر ہے لیکن میں اس وقت تک واضح طور پر یہ نہیں جانتا تھا کہ کتاب اور ایمان کیا ہیں اور ان کی طرف لوگوں کو بُلانے کی کیا صُورت ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جب میں بڑا ہُوا تو میرے دل میں خدا کی طرف سے بُتوں اور شعر گوئی سے نفرت بٹھا دی گئی۔

نبی کریمؐ اپنے بچپن میں رحم دلی کی وجہ سے مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ آپ جنگ فجار میں شرکت فرما چکے ہیں جب کہ آپ کی عمر چودہ سال تھی۔ آپ اس میں اپنے چچاؤں کو تیر نکال نکال کر دیتے تھے۔ آپ معاہدہ فضول میں بھی شریک ہوئے تھے۔

جب آپ نے حضرت خدیجہؓ کی طرف سے شام کا تجارتی سفر اختیار فرمایا تھا تو اس موقع پر آپ کی امانت و دیانت ظاہر ہوگئی۔ آپ کو اس تجارت میں کامیابی ہوئی اور معقول منافع حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ نے کہا۔ اے محمدؐ! ہم نے سیدہ خدیجہ کی طرف سے اس سے پہلے بھی تجارتی سفر کیئے ہیں لیکن ہمیں کبھی اتنا زیادہ منافع نہیں ہوا اور جب میسرہ نے آپ کے حسن اخلاق اور امانت کا مشاہدہ کیا تو وہ بھی آپ سے بیحد محبت کرنے لگا۔

آپ کی پختگی عقل اور مشکلات کو حل کرنے میں حاضر دماغی کا اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے جو آپ نے حجر اسود کی اپنی جگہ تنصیب کے موقع پر تمام مختلف حریفوں کو متحدہ طور پر شریک فرما کر دکھائی تھی۔

جب حضرت خدیجہؓ کو آپ کی صداقت، حسن اخلاق اور امانت و دیانت کی خبر ملی تو انھیں آپ پر بہت اعتماد ہوگیا اور انھوں نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے آپ کی خدمات دوگنے معاوضہ پر حاصل کیں۔ حضرت خدیجہؓ نہایت ذی عقل اور شریف خاتون تھیں۔ چنانچہ جب نبی کریمؐ تجارتی سفر سے واپس ہوئے اور ان سے ان کے غلام نے آپ کے اوصاف حمیدہ بیان کیئے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کو بلایا اور عرض کیا کہ آپ سے خاندانی قرابت، اپنی قوم کے معزز اور امین ہونے نیز آپ کے حسن اخلاق اور راستبازی کی وجہ سے میرا دل آپ کی طرف مائل ہے۔ اس لیے میں آپ سے ازدواجی تعلق کے لیے خود کو پیش کرتی ہوں۔ جب آپ نے ان سے عقد فرمالیا تو آپ ان کے مثالی شوہر ثابت ہوئے اور ہمیشہ حضرت خدیجہؓ کے احترام و عقیدت مندی کا محور رہے جس پر آنحضرتؐ پر پہلی وحی نازل ہونے پر حضرت خدیجہؓ کے وہ جملے روشنی ڈالتے ہیں جو انھوں نے آپ کی دہشت کو رفع کرنے کے لیے تسلی کے طور پر ادا کئے تھے اور وہ یہ تھے:۔

"خدا کی قسم! حق تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے۔ یتیموں، محتاجوں کی کفالت و خبر گیری فرماتے، بیروزگاروں کو روزگار مہیا کرتے، مہمانوں کی خاطر و مدارات کرتے اور مصائب و مشکلات میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں"

وہ پہلی خاتون ہیں جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں۔ آنحضرتؐ نے ان کے متعلق فرمایا ہے

کہ خواتین جنت میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ، مریم بنت عمرانؑ اور آسیہ بنت مزاحمؓ (فرعون کی زوجہ) ہیں۔

آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ کے سامنے اکثر حضرت خدیجہؓ کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ کو غیرت آنے لگی۔

الحاصل ازدواجی زندگی میں آپ میں اور حضرت خدیجہؓ میں پوری پوری موافقت اور ہم آہنگی تھی اور بلاشبہ یہ سب کچھ آپ کے حسن اخلاق، حسن سیرت اور صفاء باطن کی بنا پر تھا۔

جب نبی کریمؐ کے حضرت خدیجہؓ کی بار بار تعریف فرماتے رہنے کی وجہ سے حضرت عائشہؓ میں جوش غیرت ورقابت پیدا ہو گیا تو انھوں نے ایک مرتبہ آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ وہ تو ایک بوڑھی عورت تھیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ان کا نعم البدل عطا فرما دیا ہے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ کو بہت جلال آگیا۔ حتیٰ کہ غصہ سے آپ کے سر کے سامنے کے بال کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا "نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ نے مجھے ان کا نعم البدل عطا نہیں فرمایا۔ جب لوگوں نے مجھ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو انھوں نے مجھے سچا کہا۔ جب لوگوں نے مجھے معاش سے محروم کر دیا تھا تو انھوں نے اپنے مال سے میری مدد کی۔ جب خدا نے دوسری بیویوں سے مجھے اولاد سے محروم رکھا تو ان سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے دل میں عہد کیا کہ آئندہ کبھی حضرت خدیجہؓ کا نام برائی سے نہ لوں گی۔

الحاصل نبی کریمؐ اپنے بچپن اور جوانی میں اعلیٰ اوصاف اور عظیم ترین اخلاق سے متصف تھے اور آپ کی ذات گرامی تمام شکوک وشبہات سے بالاتر تھی۔

○

توراۃ و انجیل سے آنحضرتؐ کی رسالت کا ثبوت

نبی کریمؐ تمام بنی نوع انسان کی طرف آخری رسول بنا کر بھیجے گئے اور آپ نے اپنی شریعت سے پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ فرما دیا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف خوشخبری سنانے اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ لیکن اکثر انسان اس سے ناواقف ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندہ پر قرآن کریم نازل فرمایا تاکہ وہ اہل جہان کو عذاب خداوندی سے ڈرائے۔

توراۃ، انجیل اور زبور میں بھی آپ کی رسالت کی بشارت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے یوحنا کا درج ذیل قول (ص ۱۴ ف ۱۵) میں مذکور ہے:۔

"اگر تم لوگ مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میری وصیتوں کو یاد رکھو۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمھیں دوسرا فارقلیط عطا فرمائے جو ابد تک تمھارا ساتھی رہے۔ وہ حق و صداقت کی روح ہوگا جسے پورا عالم تسلیم نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ نہ اسے دیکھے گا نہ پہچانے گا لیکن تم اسے اچھی طرح پہچان لوگے کیونکہ وہ تم میں سے ہوگا اور تمھارے ساتھ گھل مل کر رہے گا۔"

دوسری جگہ ص ۱۶ ف ۵ میں مذکور ہے:۔

بہرحال میں تو اب اسی ہستی کی طرف واپس جا رہا ہوں جس نے مجھے بھیجا تھا۔ تم میں سے کسی کو مجھ سے یہ دریافت کرنے کا حق نہیں ہے کہ آپ کہاں اپنی عمر گزاریں گے۔

کیونکہ اگر میں نے تمھیں یہ بات بتا دی تو تمھارے دل رنج و الم سے معمور ہو جائیں گے۔ تاہم میں تم لوگوں سے ایک حق بات کہتا ہوں اور وہ یہ کہ میرا چلا جانا ہی تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤنگا تو میرے جانے تک فارقلیط تمھارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن میں چلا گیا تو جا کر اُسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ جب وہ آئے گا تو تمام عالم کو ان کے گناہوں پر سرزنش کرے گا اور انھیں بھلائی اور دینداری کی ترغیب دیگا۔

گناہوں پر سرزنش اس لیے کہ وہ لوگ مجھ پر ایمان نہ لائے تھے، بھلائی کی ترغیب اس لئے کہ میں عنقریب خدا کے پاس جانے والا ہوں۔ اب تم مجھے دُنیا میں نہ دیکھ سکو گے۔ دینداری پر اس لئے کہ اب اس دُنیا کا دینی سردار دُوسرا مقرر ہو چکا ہے۔ (وہی تمھیں اب دینی تعلیم دے گا)۔

میری اور بہت سی باتیں ہیں جو تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن تم لوگ ابھی اس کے مُتحمل نہ ہو سکو گے۔ مگر جب حقانیت کی رُوح کا تم پر ظہور ہو جائے گا تو وہ تمھیں حق وصداقت کی تمام باتیں بتا دے گا۔ کیونکہ یہ نبی اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ بلکہ وہ جو کچھ اپنے خدا سے سُنے گا وہی بیان کرے گا، اور تمھیں آئندہ ہونے والی باتوں کی پیشگی خبر دیا کرے گا۔ وہ میری عظمت بیان کیا کرے گا اور میری شریعت سے کچھ اخذ کیے بغیر اپنی طرف سے تمھیں دینی ہدایات دیا کرے گا"

دراصل یہ ترجمہ ناقص ہے اس کا طرز بیان کمزور ہے۔ اس میں الفاظ کی بے معنی تکرار ہے جملے بے جوڑ اور رُوحِ معانی سے خالی ہیں۔ اسی لئے ان کا پڑھنے والا ان سے متاثر نہیں ہوتا۔ لفظ فارقلیط یا بارقلیط کا ترجمہ عربی زبان میں "احمد" ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:۔

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ ۖ
میں اپنے بعد آنے والے ایک اور رسول کی خوشخبری سُناتا ہوں جس کا اسم گرامی احمد ہوگا۔

مُترجمین نے اس لفظ میں تصرفات کیئے ہیں۔ پس کبھی تو وہ اس کے معنی ومفہوم اس کے تین اصلی لغات عبرانی، کلدانی اور یونانی سے نقل کرتے ہیں۔ کبھی اس کا خُلاصہ بیان کرتے ہیں اور کبھی اصلی کلمہ بارقلیط ہی لکھتے ہیں۔

پس جو کوئی ان تصریحات کو پڑھے گا اور ان کے معانی ومقاصد پر اچھی طرح غور کرے گا، اُسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے ہمارے نبی کریم کی رسالت کا مژدہ سُنایا ہے۔ پس انھوں نے آپ کو دوسرے فارقلیط کے نام سے موسُوم کیا ہے۔ یعنی وہ رسول جو ان کے سوا ہوگا اور اس کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔ اس کے بعد پھر کوئی دُوسرا نبی اور رسُول نہ آئے گا۔

انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ اس جہان سے تشریف نہ لے جائیں گے تو یہ فارقلیط نہ آئیں گے پھر نبی کریمؐ نے ان نصاریٰ ویہود کو سرزنش کی جنھوں نے حضرت مسیح علیہ السّلام کی نبوت کا انکار کیا تھا اور ان سے بدسلوکی کی تھی اور ان کے دین میں تحریف کر دی تھی اور آپ نے تمام انسانوں کو حق کی راہ دکھائی

نیز آپ از خود کچھ نہ فرماتے تھے بلکہ جو کچھ وحی کے ذریعہ سنتے تھے وہی بیان فرماتے تھے" یعنی آپ اپنے دل سے کچھ نہ کہتے تھے بلکہ آپ کا کلام وہ وحی ہوتی تھی جو خدا کی طرف سے آپ کی طرف بھیجی جاتی تھی۔"

یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ آپ نے بہت سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کی پیشگوئی فرمادی تھی اور جیسا آپ نے اطلاع دی تھی بعد کو ویسا ہی ہو کر رہا۔ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی عظمت و بزرگی بھی بیان فرمائی۔ قرآن کریم کی آیات ان باتوں پر روشنی ڈالتی ہیں جو انجیل میں وارد ہو چکی ہیں۔

پس نبی کریمؐ ہی وہ فارقلیط ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسول بن کر مبعوث ہوئے۔ "آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے تھے بلکہ جو کچھ بذریعہ وحی خدا کی طرف سے سنتے وہی بیان فرماتے تھے۔ نیز آپ راہِ حق کی رہنمائی فرماتے تھے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے :-

(قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ)○ (وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ○)

اے محمدؐ! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں مجھے خود علم نہیں کہ کل کو مجھ سے اور تم سے کیا معاملہ کیا جائے گا میں تو اس وحی ربّانی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ میں صرف لوگوں کو علانیہ عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہوں۔ علیٰ ہذا ہم نے آپ پر اپنے اُمور کی روح حقیقت کا القا کیا۔ اس سے قبل آپ کچھ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب اللہ کیا ہے؟ ایمان کیا شے ہے؟ لیکن ہم نے اس کتاب کو اک نور بنا کر نازل کیا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں رہنمائی کرتے ہیں۔ بلاشُبہ آپ بھی لوگوں کو راہِ مستقیم دکھاتے ہیں۔

دُوسری جگہ ارشاد ہُوا ہے :-

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور حضرت محمدؐ پر نازل ہونے والی کتاب پر بھی ایمان لے آئے اور اس کے خُدا کی طرف سے حق و صحیح ہونے کو بھی مان لیا۔ تو حق

سَيِّئَاتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ تعالیٰ ان کے سابقہ گُناہوں کو معاف فرمادیں گے اوران کے حالات کی اصلاح فرمادیں گے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ یہی وہ آیاتِ حقہ ہیں جنھیں ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں پھر یہ لوگ اللہ کے کلام اوراس کی واضح آیات کے بعد اور کس بات پر ایمان لائیں گے

اگر فارقلیط سے حضرت محمدؐ کی طرف اشارہ نہیں ہے تو اور کس طرف ہے ؟ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد وہ موعودہ فارقلیط کہاں ظاہر ہُوا؟ اور وہ کون سی ہستی ہے جس نے عالم کو اس کی غلطیوں پر سرزنش کرکے حجت قائم کردی اور وہ رُوحِ حق وصداقت کون سی ہے جو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتی ؟ کیا حضور اقدسؐ کی ذاتِ اقدس ہی وہ ذاتِ گرامی نہیں ہے ؟

ادھر حضرت مُوسٰی علیہ السلام کی وصیت میں بھی جو ص ۲۳ ف ۲ میں مذکور ہے دو کا حرف استعمال ہُوا ہے جس کی عبارت درجِ ذیل ہے۔ آپ نے فرمایا:-

"وہ رب کوہِ سینا سے آیا۔ پھر ساعیر پر چمکا۔ پھر وہی فاران کی چوٹی سے نمودار ہوگا۔ اس کے ساتھ ہزاروں پاکیزہ ہستیاں ہوں گی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں آگ کا شعلہ ہوگا۔ وہ مخلوق کی محبُوب ترین ہستی ہوگی۔ تمام پاکباز و پارسا اس کے قبضہ میں ہوں گے جو اس کے پیروں کے قریب ہوں گے وہ اس کی تعلیمات کو قبول کرلیں گے۔"

یہ حضرت مُوسٰی علیہ السلام کی آخری وصیت تھی۔ آپ نے حضرت عیسٰی اور حضرت محمد علیہما السلام کی رسالت کی خبر دی ہے اور اس کی وضاحت کی ہے کہ حق تعالیٰ کوہِ سینا سے آیا اور اس نے تمھیں میرے ذریعے تورات کی پیروی کی ہدایت فرمائی۔ پھر وہی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ذریعے ساعیر سے جو فلسطین کا ایک پہاڑ ہے روشن ہوگا۔ اب اس کا صرف کوہِ فاران سے ظہور باقی ہے ااس سے مُراد مکہ مکرمہ ہے۔ یہی وہ مُقدس شہر ہے جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سکُونت اختیار فرمائی تھی)۔ ہزاروں پاکباز صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم ہیں۔ اس کے ہاتھ میں آگ کے شعلہ سے اسلامی شریعت مُراد ہے کیونکہ اس نے مُشرکوں کو جلا ڈالا۔

چونکہ یہ امر اہم تھا کہ ہم فاران کا محلّ وقُوع معلوم کریں جس کا حضرت موسٰی علیہ السلام کی وصیّت میں ذکر ہے اس لئے میں نے سب سے زیادہ مشہُور اور قابل اعتماد تاریخی ماخذوں میں اس کی جستجُو کی تو دیکھا کہ مُعجم یاقُوت کے جزو ۶ صفحہ ۳۲۳ مطبُوعہ مصر طبع ۱۳۲۴ھ میں مذکُور ہے کہ "فاران مکہ ہی کا ایک نام ہے جس کا تورات میں بھی ذکر آیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مکّہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔"

اور کتاب "صفۃ جزیرۃُ العرب" مؤلفہ ہمدانی مطبُوعہ لندن ۱۸۸۳ء صفحہ ۱۰۷ پر درج ہے کہ:

"معدن فران۔ فران بن بلّی بن عمرو کی طرف منسُوب ہے جیسا کہ حرم کے پہاڑوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ فاران کے پہاڑ ہیں اور تورات میں بھی انھیں کا ذکر ہُوا ہے اور وہ پہاڑ فاران بن عملیق کی طرف منسُوب ہیں۔"

اور کتاب "الاِعلام باَعلامِ بیتُ اللہِ الحرام" مؤلفہ قطبُ الدّین نہروانی مکّی مطبع لیبسیک ۱۸۵۷ء صفحہ ۱۸ میں مکّہ کے ناموں کے بیان میں درج ذیل تحریر مذکُور ہے:

"مکّہ کے ناموں میں ایک نام کوثی ہے جو قبیلۂ قعیقعان کی ایک جگہ کا نام ہے۔ دوسرے نام فاران، مُقدسہ، قریۂ نمل[1] (چیونٹیوں کی کثرت کی وجہ سے)، حاطمہ[2] (کیونکہ وہاں بڑے بڑے باجبروت لوگوں کی عظمت پارہ پارہ ہوگئی) اور وادی۔ اور حرم وغیرہ بھی اس کے اسماء ہیں۔ اب اس میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ فاران مکّہ معظمہ ہی کے ایک پہاڑ کا نام ہے یا وہ خود مکّہ ہی کا نام ہے جو اس پہاڑ کے نام پر رکھ دیا گیا تھا۔

اور اشعیاء کی صحیح تورات کے اکتالیسویں باب میں مذکُور ہے:

"اے جزیرے والو! خاموش ہو جاؤ اور سب قبیلے اپنی اپنی قوّت کی از سرِ نو تنظیم کرلیں اور باہم مل جائیں پھر اس بارے میں مشورہ کریں کہ ہم سب مل کر فیصلہ کے لئے اس ہستی کے سامنے پیش ہو جائیں جو مشرق سے نمودار ہوگی اور فتح و نُصرت اس کے قدم چُومے گی۔ اس کے سامنے دوسری قومیں ہیچ ہو جائیں گی۔ دُنیا کے بادشاہوں پر اس کا غلبہ ہو جائے گا۔ وہ انھیں اپنی تلوار سے کاٹ کر مٹی میں ملائے گا اور اپنے تیر و کمان سے شکست دے کر خُشک گھانس کی طرح کر دے گا۔ وہ انھیں اپنی راہ سے ہٹا دیگا اور خود اس راستے سے صحیح و سالم گزر جائے گا

---

[1] لغوی معنی ہیں چیونٹیوں والا گاؤں۔ م

[2] حاطمہ کے لغوی معنی ہیں بھسم کرنے والی۔ م

جس پر کوئی دُوسرا نہ چلا ہوگا۔ وہ ابتدائی انسانی نسلوں کے سامنے اس کا مدّعی ہوگا کہ میں ہی پہلا رب ہوں اور بعد کو آنے والی نسلوں سے کہے گا کہ میں وہی پہلے آنے والا ہوں"

اس میں قبائل سے مُرادعرب کے قبائل ہیں اور تلوار و کمان والے حضرت محمدؐ ہیں اس لئے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے کبھی کسی سے جنگ ہی نہیں کی۔

اور تورات تثنیہ کے پانچویں جزو فصل ۱۸ میں مذکور ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت موسٰی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:۔

"اے موسٰی! بنی اسرائیل سے کہد یجئے کہ میں تمہارے ہی بھائیوں کی اولاد سے آخری زمانہ میں آپ ہی جیسا ایک نبی مبعوث کروں گا"

اور حضرت موسٰی علیہ السلام کے بعد جو نبی بھی بھیجا گیا وہ بنی اسرائیل سے تھا جن میں کے آخری نبی حضرت عیسٰی علیہ السلام ہوئے ہیں پس ان کے برادران کی اولاد سے آنے والا نبی آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی دُوسرا باقی نہیں رہا کیونکہ آپ حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے ہیں اور حضرت اسماعیل حضرت اسحٰق کے بھائی تھے اور حضرت اسحٰق بنی اسرائیل کے جدِّ اعلیٰ تھے۔ پس یہی وہ برادرانہ رشتہ ہے جس کا تورات میں ذکر آیا ہے اور اگر یہ بشارت بنی اسرائیل ہی کے انبیاء میں سے کسی نبی سے متعلق ہوتی تو اس جگہ ان کے بھائیوں کے ذکر کے کوئی معنی نہیں بنتے۔

اور یُوحنا انجیلی کی کتابُ الرّؤیا کے ص ۱۹ ف ۱۱ میں تحریر ہے کہ:

"پھر میں نے آسمان کا دروازہ کھلا ہوا دیکھا جس میں ایک سفید گھوڑا نظر پڑا کہ اس پر ایک شخص سوار تھا جس کے متعلق وہاں کہا جارہا تھا کہ وہ امین اور صادق ہوگا، عدل و انصاف جاری کرے گا اور دشمنوں سے جنگ کریگا۔ اس کی آنکھیں آگ کے شعلوں کی طرح سُرخ ہونگی۔ اس کے سر پر بہت سے تاج رکھے ہُوئے ہوں گے۔ اس کا نام لکھا ہوا ہوگا۔ اُسے اس کے سوا کوئی دُوسرا نہ جانے گا"

اس میں کہا گیا ہے کہ وہ جنگ کریگا۔ اس لئے اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ وہ آنحضرتؐ ہی کی ذات گرامی ہے اور پیغمبری سے پہلے آپ کو امین اور صادق کے القاب سے پُکارا بھی جاتا تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کرآئے ہیں۔

اور یُوحنّا لاہوتی کی کتابُ الرّؤیا ص ۱۹ ف ۱۵ میں مذکور ہے:۔

"اور اس کے مُنہ سے تیز کاٹنے والی تلوار نکلے گی تاکہ وہ اس سے دُوسری قوموں کو تہ تیغ کر سکے۔ وہ لوہے کے ڈنڈے سے ان پر حکُومت کرے گا۔ وہ نچوڑی ہُوئی شراب کو جو خُدائے قادر کے غضب و ناراضی کا باعث ہوگی اپنے پیروں تلے روند ڈالے گا۔"

اس قول سے کہ اس کے مُنہ سے تلوار نکلے گی۔ قرآن کریم مُراد ہے اور آنحضرتؐ نچوڑی ہوئی شراب کو پاؤں تلے روندنے سے یہ مُراد ہے کہ آپ نے اسے قطعی حرام قرار دے دیا۔

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق عیسائی روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے قاناکی شادی کے موقع پر پانی کو شراب سے بدل دیا تھا۔ آپ سے یہ بھی منقُول ہے کہ آپ نے شراب کے مُتعلق فرمایا تھا کہ شراب ان کا خُون ہے۔

الحاصل تورات و انجیل کی بیان کردہ تصریحات آنحضرتؐ کی رسالت کو ثابت کرتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ چونکہ بحیرا پادری علوُم عیسائیت کے مُتبحّر عالم تھے۔ انھوں نے دیکھتے ہی نبی کریمؐ کو پہچان لیا تھا اور کتبِ مُقدّسہ کی معلوُمات کی بنا پر آپ کو آپ کے رسُول ہونے کی اطلاع دے دی تھی کیونکہ سابقہ کتب میں آپ کے اوصاف و علامات اور آپ کے بعض ارہاصات و مُعجزات مذکوُر تھے۔

ادھر جب حضرت حلیمہ سعدیہؓ آپ کو یہُودیوں اور کاہنوں کے پاس لے جاتیں اور ان سے آپ کے حالات بیان کرتیں تو وہ آپ کے اوصاف و احوال سے آپ کو پہچان جاتے تھے۔ نیز حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے جو ایک مُعمّر عیسائی عالم تھے اس وقت آپ کی رسالت کی خبر دے دی تھی جب آنحضرتؐ نے وحی کی کیفیت اُن سے بیان کی تھی جسے سُن کر اُنھوں نے کہا تھا کہ "یہ وُہی فرشتہ ہے جو اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی آچکا ہے۔ اس کے بعد ان کا مُفصّل بیان ہے جس کا ذکر اس کے موقع پر کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ یہُودی لوگوں کو آپ کی آمد کی خبر سے ڈرایا کرتے تھے۔ سیرتِ ابن ہشّام میں اس کی تفصیل مذکوُر ہے۔ اس کا مطالعہ کر لیا جائے۔

یہود کا کفّار کو آنحضرتؐ کی آمد سے ڈرانے کا بیان

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے اپنی قوم کے لوگوں کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ان لوگوں نے کہا ہمیں اللہ کی رحمت و ہدایت سے اسلام لانے کی جو توفیق ہوئی اس کا سبب وہ خبریں تھیں جو ہم یہودیوں سے سُنا کرتے تھے۔ ہم مُشرک و بُت پرست اور وہ لوگ اہلِ کتاب تھے انھیں جو معلومات تھیں وہ ہمیں نہ تھیں۔ ہمارے ان کے درمیان ہمیشہ جھگڑے اور فساد رہا کرتے تھے جب ہمیں ان سے کچھ تکلیف پہنچتی تو وہ ہم سے کہتے کہ ایک نبی کے ظہُور کا زمانہ قریب آ رہا ہے جو اسی زمانہ میں مبعُوث ہونے والا ہے ہم اس کے ساتھ ہو کر تمھیں اسی طرح ہلاک کر ڈالیں گے جس طرح پہلے قوم عاد و ارم ہلاک کر ڈالی گئیں پس ہم اکثر ان سے یہ دھمکیاں سُنا کرتے تھے۔ جب خُدا نے اپنے رسولؐ کو مبعُوث فرمایا اور انھوں نے ہمیں اسلام کی دعوت دی تو ہم نے اسے قبُول کر لیا اور یہود ہمیں جس سے ڈرایا کرتے تھے ہم نے اسے پہچان لیا اور ان سے پہلے حاضر خدمت ہو کر مُشرّف باسلام ہو گئے مگر خود یہُود نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی درج ذیل آیات انھی یہودیوں کے مُتعلق نازل ہوئیں:۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝	جب ان کے پاس خدا کی طرف سے وہ کتاب آ پہنچی جو ان کی سابقہ کتب کی تصدیق کرنے والی تھی اور وہ اس سے پہلے کُفّار کے مقابلہ میں اس کے ذریعہ فتح و نصرت کے دعوے بھی کیا کرتے تھے۔ لیکن جونہی ان کے پاس وہ چیز آ گئی جسے انھوں نے اچھی طرح پہچان بھی لیا تو انھوں نے (محض عناد کی بنا پر) اس سے انکار کر دیا پس ایسے کافروں پر اللہ کی پھٹکار و لعنت ہو۔

ابنِ ہشام کہتے ہیں کہ يَسْتَفْتِحُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ وہ نئے نبی سے کفّار پر غلبہ کے لیے مدد کے طالب ہوں گے۔

اور اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ اس نبی کو اپنے جھگڑوں میں حکم بنائیں گے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ○ اے میرے پروردگار! تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے کہ تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف بن محمود بن لبید بن عبدالاشہل نے اُنھوں نے حضرت سلامہ بن وقش رضؓ سے جو اصحاب بدر سے تھے حدیث نقل کی ہے کہ محلہ بنو عبدالاشہل میں ایک یہودی ہمارا پڑوسی تھا وہ ایک دن اپنے گھر سے نکل کر آیا اور بنو عبدالاشہل کے سامنے آکھڑا ہوا۔ حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں بہت کم عمر تھا اور اپنے گھر کے صحن میں چادر اوڑھے ہوئے لیٹا تھا۔

پھر یہ یہودی قیامت، دوبارہ قبور سے اُٹھنے، حساب کتاب، میزانِ عدل، جنت اور دوزخ کا ذکر کرنے لگا۔ اس نے یہ مشرکوں اور بُت پرستوں کو سنا کر کہا۔ کیونکہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ اُٹھنے کے قائل نہ تھے۔ یہ سن کر کُفّار نے کہا۔ اے فلاں شخص تمھارا بُرا ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ واقعی ایسا ہوگا کہ مرنے کے بعد لوگ دوبارہ زندہ کیئے جائیں گے اور جنت یا دوزخ میں لے جائے جائیں گے۔ یہاں انھیں ان کے دنیوی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا اور میرے حصہ میں دوزخ کی جو آگ آنے گی، کاش اس کے بدلے میں دُنیا میں میرے گھر میں ایک بڑا تنور آگ سے بھڑکا کر اس میں مجھے ڈال کر اوپر سے تنور کا مُنہ بند کر کے گارے سے لیپ دیں کہ اس عمل سے میں کل قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے نجات پا جاؤں (تو مجھے یہ منظور رہے)۔

یہ سن کر حاضرین نے کہا۔ اے شخص تیرا بُرا ہو۔ اس کی کیا دلیل ہے؟ اس نے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ان شہروں کی طرف سے ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ تمھارے اندازے میں وہ کب تک ظاہر ہوں گے؟

سلمہ کہتے ہیں کہ میں ان سب میں چھوٹا تھا۔ پس اس نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ اگر اس لڑکے کی عمر نے وفا کی تو یہ اس نبی کا زمانہ پالے گا۔

سلمہ کہتے ہیں کہ خُدا کی قسم چند رات دن ہی گزرے تھے کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمدؐ کو مبعوث فرمادیا اور آپ آج ہمارے سامنے زندہ موجود ہیں۔ پس ہم تو آپ پر ایمان لے آئے مگر وہ یہودی سرکشی و حسد کے جذبہ سے قبولِ اسلام سے مُنکر ہو گیا۔

سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس یہودی سے کہا۔ تیرا بُرا ہو۔ کیا یہ وہی پیغمبر نہیں ہیں جن کے متعلق تو ہمیں خبر دیا کرتا تھا۔ کہا ہاں۔ وہ خبر صحیح تھی لیکن یہ وہ پیغمبر نہیں ہیں۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بنُو قریظہ کے شیخ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ ثعلبہ بن سعیہ اور راسد بن عبید قبیلۂ ہدل اور بنُو قریظہ کی برادری والوں کے اسلام لانے کا کیا سبب ہُوا؟ یہ لوگ جاہلیت میں اپنی برادری کے ساتھی تھے پھر اسلام کے دَور میں وہ اپنی برادری کے سردار بن گئے۔ میں نے کہا نہیں مجھے کچھ معلوم نہیں۔

کہا ابن ہیبان نامی شام کا ایک یہودی باشندہ ظہور اسلام سے چند سال قبل ہمارے شہر آیا اور وہیں آباد ہو گیا۔ بخدا میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اس سے بہتر پنج وقتہ نماز ادا کرتا ہو۔ وہ ہمارے یہاں ہی مقیم رہا۔

جب ہمارے یہاں قحط سالی ہوتی تو ہم ان سے کہا کرتے کہ اے ابنِ ہیبان! آبادی سے باہر نکل کر ہمارے لیئے بارش کی دُعا کر دیجئے۔ وہ جواب دیتے کہ بخدا میں ایسا نہ کروں گا جب تک تم باہر نکلنے سے پہلے صدقہ ادا نہ کرو گے۔ ہم ان سے دریافت کرتے کہ کتنا ادا کریں؟ وہ کہتے ایک صاع[1] کھجور یا دو مُد جَو صدقہ کر دو۔ جب ہم یہ ادا کر دیتے۔ تب وہ ہمیں لے کر بستی کے باہر میدان میں لے جا کر بارش کے لیے دُعا کرتے۔ بخدا وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹتے کہ بادل اُمڈ کر آتے اور برس جاتے۔ انھوں نے مُتعدد مرتبہ ایسا ہی کیا۔ پھر ہمارے پاس زمانہ قیام ہی میں وہ مرضُ الموت میں مُبتلا ہو گئے جب انھیں محسوس ہو گیا کہ اب وہ مرنے والے ہیں تو انھوں نے کہا۔ اے جماعتِ یہُود! کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں سرزمینِ نان و شراب کو چھوڑ کر قحط و فاقہ زدہ شہر میں کیوں آیا ہوں؟ انھوں نے کہا۔ آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ابنِ ہیبان نے کہا کہ میں اس شہر میں اس لیے آیا تھا کہ یہاں ایک آنے والے نبی کا انتظار کروں جس کے ظہُور کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور یہ شہر ان کا دارِ ہجرت ہے میری تمنّا تھی کہ وہ نبی مبعُوث ہوتے تو میں ان کی اِتباع کرتا۔ لیکن ان کا زمانہ تمھارے زمانے سے قریب ہو گا۔ پس اے یہُود! ان سے ٹکر لینے کی کوشش نہ کرنا۔ کیونکہ جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے وہ

[1] صاع ایک پیمانہ ہے جو اسی کے تول سے ساڑھے تین سیر کے مساوی ہوتا ہے۔ مُد بھی اک پیمانہ ہے جو دو رطل یعنی ایک سیر کے برابر ہوتا ہے۔ م

ان کے خون بہانے اور ان کی عورتوں، بچّوں کو اسیر کرنے کے مجاز ہوں گے اور تم انھیں اس سے باز نہ رکھ سکو گے۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے اور آپ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو ان لڑکوں نے جو نوجوان تھے، کہا۔ اے بنو قریظہ! واللہ یہ وہی نبی ہیں جن کے متعلق ابن ہیبان نے تم سے اطاعت کا وعدہ لیا تھا۔ مگر انھوں نے کہا۔ نہیں یہ وہ نہیں ہیں۔ جوانوں نے جواب دیا۔ واللہ یہ اپنے اوصاف کے اعتبار سے وہی نبی ہیں۔ پس وہ محاصرہ سے نکل کر حاضر خدمت ہو کر مشرّف باسلام ہوئے۔ اس طرح انھوں نے اپنے خون، اپنے مال اور اپنے متعلقین کو ہلاکت سے بچا لیا۔ ابنِ اسحٰق کہتے ہیں۔ یہ وہ اطّلاعات ہیں جو یہود کی خبروں سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں۔

اہلِ کتاب کے آنحضرت کی شخصیت اور آپ کی نبوّت سے انکار کی وجہ سے حق تعالیٰ نے آیات ذیل میں ان پر ملامت کی ہے:۔

يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ	اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی نشانیوں کا کیوں انکار کرتے
اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝	ہو حالانکہ تم انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

یعنی تم دیکھتے ہو کہ جناب رسول اللہؐ کے اوصاف تمھاری کتابوں میں موجود ہیں۔ پھر بھی تم ان کا انکار کرتے ہو اور ان پر ایمان نہیں لاتے۔ حالانکہ اپنی دینی کتابوں تورات و انجیل میں ان کا نام نبی اور اُمّی لکھا ہوا پاتے ہو۔

○

حضرت سلمان فارسیؓ کے اسلام لانے کا واقعہ

نام سلمان فارسی ابُو عبداللہ تھا۔ سلمانِ خیر کے نام سے مشہور تھے۔ آنحضرتؐ کے غلام تھے۔ اصفہان کے علاقہ میں جیؔ نامی شہر کے باشندے تھے۔ اسلام سے قبل ان کا نام مابہ بن بوذخشان بن مورسلان بن بہبوزان بن فیروز بن سہرک تھا۔ آپ الملک کی اولاد سے تھے جو ملک فارس میں مجوسی مذہب والے اور وہاں کے آتشکدہ کے متولی تھے۔ ان کے باپ پارسی تھے۔ اتفاق سے ایک دن یہ گھر سے بھاگ کر پادریوں سے جا ملے اور انھی کے ساتھ رہنے لگے۔ پھر آنحضرتؐ کے ظہور کے موقع پر عربوں کے ساتھ حجاز چلے گئے۔ جنھوں نے انھیں بنُو قریظہ کے ایک یہُودی کے ہاتھ فروخت کر دیا جو انھیں اپنے ساتھ مدینے لے آیا جب آنحضرتؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ مُشرف باسلام ہو گئے اور آپ کے ہمراہ اکثر معرکوں میں شریک رہے۔

پہلی جنگ جس میں وہ شریک ہُوئے غزوۂ خندق تھی۔ افضل ترین، زاہد و مُتقی اور اہل علم اکابر صحابہ اور آنحضرتؐ کے مُقربین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ جنگِ احزاب کے موقع پر انھوں نے ہی آنحضرتؐ کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا۔ انہی کی شان میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:۔

سلمان منا اھل البیت — سلمان ہمارے اہل بیت میں داخل ہیں۔

وہ اپنے ہاتھ سے کھجُور کے بورے بنا کر اس کی فروخت سے اپنی معاش پیدا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے اور حضرت ابُوالدرداءؓ کے درمیان بھائی چارہ کا رشتہ قائم فرما دیا تھا۔ علماء کی ایک جماعت نے ان سے احادیثِ رسُولؐ روایت کی ہیں۔ ۳۵ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۳۴ھ میں وفات پائی۔ بغداد کے مشرقی حصے مدائن میں دفن کئے گئے۔ قصرِ کسریٰ کے بالمقابل ان کا مزار آج تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ یہ جگہ سلمان پاک کے نام سے مشہور ہے۔ یہ فارسی کلمہ ہے جسکے معنیٰ طاہر اور پاکیزہ کے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کی عمر ڈیڑھ سو سال اور بقول بعض اس سے بھی زیادہ ہوئی وہ عربوں میں سب سے معمر شخص تھے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح منقول ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت سلمان فارسیؓ نے بیان کیا ہے اور میں نے

خود ان کی زبان سے سنا ہے کہ میں ملک فارس کے ضلع اصبہان کے قصبہ جیّ کا باشندہ اور وہاں کے چودھری کا بیٹا تھا اور اپنے باپ کا بہت لاڈلا تھا۔ اس لئے اس نے مجھے لڑکیوں کی طرح گھر میں پابند رکھ کر پالا تھا۔ میں نے گھر ہی میں رہ کر فارسی کی تعلیم پائی تھی۔ میرے والد بڑے جاگیردار تھے۔ وہ اپنے مکان کی مرمت میں مشغول تھے۔ اس لئے انھوں نے ایک دن مجھ سے کہا: اے بیٹے! تم دیکھ رہے ہو کہ میں اس تعمیر میں بہت مصروف ہوں۔ اس لئے تم ذرا جاگیر جاکر آجاؤ مگر وہاں رُکنا نہیں ورنہ مجھے جاگیر کے مقابلہ میں تمھاری زیادہ فکر رہے گی۔ چنانچہ میں جاگیر روانہ ہو گیا۔ راستے میں میرا نصاریٰ کے گرجا پر گزر ہوا جہاں وہ لوگ عبادت کر رہے تھے۔ میں اس طرف متوجہ ہو گیا اور مجھے ان کی عبادت پسند آئی۔ میں نے دل میں کہا۔ واللہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ چنانچہ میں غروبِ آفتاب تک وہیں ٹھہرا رہا۔ نہ جاگیر گیا نہ گھر واپس ہوا۔ جب بہت دیر ہو گئی تو والد صاحب نے ایک قاصد میری تلاش میں روانہ کیا۔ جب مجھے نصاریٰ کا دین پسند آیا تو میں نے ان سے معلوم کیا تھا کہ اس مذہب کا صدر مرکز کہاں ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ملک شام میں ہے۔ شام کو میں مکان واپس آیا تو والد صاحب نے فرمایا۔ اے پیارے بیٹے! میں نے تمھاری تلاش میں ایک آدمی کو روانہ کیا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ میرا ایک ایسی جماعت پر گزر ہوا جس کے لوگ گرجا میں نماز پڑھ رہے تھے مجھے ان کی نماز پسند آئی اور مجھے محسوس ہوا کہ ان کا مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ اے پیارے بیٹے! تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔ میں نے کہا: خدا کی قسم! ہرگز نہیں۔ اس پر والد نے مجھے ڈرایا دھمکایا اور مقید کر دیا۔ میں نے ان نصاریٰ کے پاس اپنا قاصد بھیج کر انھیں مطلع کیا کہ میرا دل ان کے دین کا معترف ہو چکا ہے اس لئے جب کوئی شام کی طرف جانے والا ہو تو مجھے مطلع کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے مجھے ایک روز اطلاع دی تو میں اپنے پیر سے بیڑی نکال کر خفیہ طور پر ان کے ساتھ ہو لیا اور ملکِ شام پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ساتھیوں سے ان کے عالم کو دریافت کیا تو انھوں نے پادری کا پتہ بتا دیا۔ میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا حال بیان کیا اور عرض کیا کہ میری دلی خواہش ہے کہ آپ کے پاس رہ کر آپ کی خدمت کرتا رہوں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھا کروں۔ اس پر انھوں نے مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ بعد کو مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک بداطوار شخص کے پاس ٹھہر گیا ہوں۔ کیونکہ وہ لوگوں کو صدقہ ادا کرنے کا حکم

دیتا۔ جب وہ اس مد میں اُسے کچھ دیتے تو وہ اسے خیرات کرنے کی بجائے اپنے ہی پاس رکھ لیتا۔ یہاں تک کہ اس نے سات گھڑے سونے چاندی سے بھر لئے۔ جب اس کا انتقال ہُوا تو میں نے لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی۔ اس پر لوگوں نے اُلٹا مجھے ہی ملامت کی۔ تب میں نے انھیں اس کا جمع کردہ سرمایہ دکھا دیا۔ تب انھوں نے غصہ میں آ کر اس کی نعش کو دفن کرنے کی بجائے سُولی پر لٹکا دیا۔ پھر اسے سنگسار کر دیا۔ اور ایک دُوسرے شخص کو جو عالم فاضل، متقی و پارسا اور آخرت کا خیال رکھنے والے تھے اس کا جانشین مقرر کر دیا۔ اللہ نے ان کی محبت میرے دل میں ڈال دی۔ حتّٰی کہ ان کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا۔ تب میں نے ان سے عرض کیا کہ اب مجھے کسی دوسرے شخص کا پتہ بتایئے۔ انھوں نے شہر موصل میں مقیم ایک بزرگ کا پتہ دیا۔ ہم دونوں ایک ہی مسلک پر عامل رہے۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد میں مُوصل پہنچا اور نشان دادہ بزرگ سے ملا اور ان سے اپنی تمام سرگزشت بیان کر کے عرض کیا کہ فلاں بزرگ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی ہدایت فرمائی تھی۔ انھوں نے فرمایا۔ تم بخوشی میرے پاس قیام کر سکتے ہو۔ میں نے انھیں بھی ان مرحوم بزرگ کے طور طریقوں پر عامل پایا۔ یہاں تک کہ ان کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے کسی اور بزرگ کا پتہ بتایئے۔ فرمایا۔ اب میں اپنے مسلک کا کوئی آدمی نہیں پاتا۔ بجز ایک صاحب کے جو عموریہ[1] میں رہتے ہیں۔ چنانچہ میں عموریہ پُہنچا اور ان بزرگ سے مل کر اپنی داستان کہہ سُنائی۔ انھوں نے بھی مجھے اپنے پاس ٹھہرا لیا اور میرے لئے کچھ سرمایہ فراہم فرما دیا۔ جس سے میں نے چند گائیں اور بکریاں خریدیں۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو میں نے عرض کیا کہ اب آپ مجھے کس کا پتہ دیتے ہیں؟ فرمایا۔ میں نہیں سمجھتا کہ آج ہمارے مسلک کا کوئی شخص باقی رہ گیا ہو لیکن ایک پیغمبر کے ظہُور کا زمانہ قریب آ رہا ہے جو ابراہیمی دینِ حنیف پر مبعُوث ہوں گے وہ کھجُور والے شہر کی طرف ہجرت کریں گے۔ ان کی علامتیں کھلی اور واضح ہوں گی۔ ان کے شانوں کے درمیان مُہر نبوت ہو گی۔ وہ ہدیہ تناول فرمائیں گے۔ صدقہ نہ کھائیں گے۔ اگر تم سے ممکن ہو سکا تو ان کی خدمت میں حاضر ہو جانا۔ پھر ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

ادھر عربی قبیلۂ بنو کلاب کا ایک قافلہ اُدھر سے گزرا تو میں نے ان سے استدعا کی کہ مجھے بھی اپنے

[1] عموریہ ملک رُوم کا ایک شہر ہے۔ م

قافلہ میں شامل کر کے اپنے ہمراہ ملک عرب لے چلیں۔ اس کے عوض اپنی تمام گائے بکریاں تمھاری نذر کرتا ہوں وہ اس پر راضی ہو گئے اور مجھے وادیٔ قُریٰ تک لے گئے۔ وہاں جا کر مجھے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ وہاں مجھے کھجور کے درخت نظر آئے تو میں سمجھ گیا کہ جس شہر کی علامات مجھ سے بیان کی گئی تھیں ضرور یہ وہی شہر ہے۔

جس نے مجھے خریدا تھا میں عرصہ تک اس کے پاس رہا۔ اس کے بعد یہود بنو قریظہ کا ایک شخص اسکے پاس آیا جس نے مجھے اس سے خرید لیا اور مجھے مدینہ لے آیا۔ وہاں کی نشانیاں دیکھ کر میں نے اُسے بھی پہچان لیا۔ میں اس کے کھجور کے باغ میں کام کرتا رہا۔ اس عرصہ میں آنحضرتؐ مبعوث ہوئے مگر مجھے پتہ نہ چل سکا۔ یہاں تک کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے اور پہلے بنی عمرو بن عوف قبیلہ میں فروکش ہوئے۔ اتفاق وقت کہ ایک روز میں کھجور کے درخت پر چڑھا ہُوا تھا کہ میرے آقا کا چچازاد بھائی آیا اور اس نے کہا۔ خدا بنو قیلہ[1] کو ہلاک کرے۔ میرا چند مرتبہ ان پر گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے گرد جمع ہیں جو اپنی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جونہی میں نے یہ بات سُنی، میرا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ کپکپی سے درخت کی ٹہنی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں گرنے کے قریب ہو گیا۔ میں جلدی جلدی درخت سے اُترا اور اپنے باغبانی کے کام میں مشغول ہو گیا جب شام ہوئی تو میں نے کھانے کی کچھ چیزیں جمع کیں اور انھیں لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ اس وقت اپنے صحابہ کے ہمراہ مقام قبا[2] میں مقیم تھے۔ میں نے عرض کیا میرے پاس کچھ ماکولات جمع ہو گئیں۔ انھیں بطور صدقہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کو لایا ہوں اس لئے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک بزرگ شخصیت ہیں اور آپ کے ساتھ آپکے ضرورت مند ساتھی بھی ہیں پس مجھے آپ حضرات ہی زیادہ مستحق نظر آئے۔ یہ کہہ کر میں نے وہ چیزیں آپکے سامنے پیش کر دیں۔ آپنے ان سے اپنا ہاتھ روک لیا اور صحابہ سے فرمایا کہ تم کھاؤ۔ چنانچہ انھوں نے وہ کھا لیں۔ میں نے دل میں کہا۔ یہ ایک علامت ہوئی۔

میں گھر واپس آ گیا۔ ادھر آپ قبا سے مدینہ منتقل ہو گئے۔ ایک روز میں پھر کچھ ماکولات جمع کر کے حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا مجھے آپ کی بزرگی کی وجہ سے آپسے دلی تعلق پیدا ہو گیا ہے اس لئے کچھ چیزیں بطور ہدیہ خدمت عالی میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ صدقہ نہیں ہے۔ یہ سُن کر آپنے ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کر دیا اور

---

[1] اس سے مدینہ کے عرب مراد ہیں۔ م

[2] قبا مدینہ کے مضافات میں کچھ فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔ م

آپ کے صحابہ بھی آپ کے ساتھ شریک ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا۔ یہ دُوسری علامت ہوئی۔
میں گھر لوٹ آیا۔ پھر ایک روز حاضر خدمت ہُوا تو دیکھا کہ آپ ایک جنازہ کے ہمراہ بقیع غرقد[1] تک تشریف لے گئے جہاں آپ کے صحابہ آپ کے اطراف جمع تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا اور مُتجسسانہ نظروں سے آپ کی پُشتِ مُبارک کی مُہرِ نُبوّت کی ٹوہ لگانے لگا۔ آنحضرتؐ پر غیب سے میرا ارادہ مُنکشف ہو گیا تو آپ نے کمر سے ردائے مُبارک ہٹادی۔ میں نے مہرِ نبوّت کو دیکھتے ہی اُسے بوسہ دیا اور رو پڑا۔ تب آنحضرتؐ نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور میں نے آپ سے اپنی تمام سرگزشت اسی طرح بیان کر دی۔ جس طرح اے ابنِ عبّاس تجھ کو سنا رہا ہوں۔ آپؐ اس پر مُتعجب ہوئے اور صحابہ کو سُنانے کو فرمایا۔
اسلام لانے کے بعد بوجہ غلامی غزوۂ بدر و اُحد میں شرکت سے معذور رہا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اے سلمان! تم اپنی آزادی کے لئے اپنے آقا سے مکاتبت[2] کر لو۔ چنانچہ میں اپنے آقا سے برابر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ اس سے اس شرط پر مکاتبت کا معاہدہ طے پایا کہ میں اس کے باغ میں اپنے پاس سے کھجور کے تین سو پودے لگا دوں گا اور چالیس اوقیہ[3] سونا ادا کر دوں گا۔ اس پر آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ کھجور کے پودے دے کر اپنے بھائی کی مدد کرو۔ چنانچہ سب نے دس دس، پانچ پانچ پودے دے کر میری مدد کی۔ حتّٰی کہ تین سو پودے جمع ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ان کے لئے گڑھے کھود کر تیار رکھو اور تم خود کوئی پودا نہ لگاؤ بلکہ میں خود آ کر پودے نصب کروں گا۔ چنانچہ میں گڑھے کھودنے لگا۔ جس میں دوسرے صحابہؓ نے بھی میری مدد کی۔ فارغ ہونے پر حاضرِ خدمت ہُوا تو آپ باغ میں تشریف لائے۔ میں ایک ایک پودا آپ کو دیتا جاتا تھا اور آپ لگاتے جاتے اور اس پر مٹی ڈالتے جاتے تھے۔ آپ یہ کام ختم فرما کر واپس تشریف لے گئے۔ خُدا کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے ان پودوں میں سے ایک بھی ضائع نہیں ہوا۔ اب سونے کی ادائی کا مسئلہ باقی رہ گیا۔ ایک روز آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے ایک صحابی انڈے کے برابر سونے کا ڈلا لے کر حاضر ہوئے جو انھیں کسی کان سے ملا تھا۔ آپ نے فرمایا مسکین سلمان فارسی مکاتب کو بلاؤ اور مجھے وہ سونا دے کر فرمایا۔ تم یہ اپنی مکاتبت میں ادا کر دو۔ میں نے عرض کیا یا رسُول اللہ جس قدر سونے کی ادائیگی میرے ذمّہ ہے بھلا اس سے اس کی ادائی کہاں تک ہو سکے گی؟

---

[1] یہ مدینہ کے قبرستان کا نام ہے جسے اب جنت البقیع کہا جاتا ہے۔ م [2] مکاتبت اس معاہدہ کو کہتے ہیں جو غلام آقا سے کچھ ادائی کر کے اپنی آزادی کے لئے کرتا ہے۔ م [3] ایک اوقیہ تقریباً اڑھائی اونس کا ہوتا ہے۔ م

یہ ہے حضرت سلمان فارسی کا قصہ۔ یہ قصہ جیساکہ ایک منصف مزاج پڑھنے والے پر واضح ہے قابلِ فہم اور معقولیت پر مبنی ہے اس میں کچھ بھی مُبالغہ نہیں۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت سلمان بچپن ہی سے دینداری اور متقشفانہ و زاہدانہ زندگی کی طرف بہت مائل تھے اسلئے وہ بہت بڑے بڑے دینداروں کی صُحبت میں رہ کر ان سے دینی معلُومات حاصل کرتے رہے۔ ان کا یہ واقعہ حضرت نبی اکرمؐ کی نبُوت کی صداقت پر روشنی ڈالتا ہے اسلئے کہ حضرت سلمانؓ نے آنحضرتؐ کو صرف ان نشانیوں سے ہی پہچانا جو ان کے ساتھی راہب نے عموریہ میں انھیں بتائی تھیں۔ چنانچہ وہ ذاتِ گرامی میں ان نشانیوں کو موجود پاکر ہی مُشرّف باسلام ہوئے تھے۔

حضرت سلمانؓ کی سوانح حیات سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ انکے والد فارس کے آتش پرست تھے اور یہ کہ حضرت سلمانؓ گھر سے بھاگ کر پادریوں سے جاملے اور یکے بعد دیگرے ان کی صُحبتوں میں رہے یہانتک کہ نبی کریم کی زیارت سے مُشرّف ہوئے۔ اس قصہ میں حضرت سلمانؓ نے اپنے بیان میں ان پادریوں کے نام نہیں بتائے جن کے پاس وہ مقیم رہے تھے البتہ صرف اُن کے شہروں کا ذکر کیا ہے۔

حضرت رسُول اللہؐ نے حضرت سلمان فارسی کی پاکیزگی، انکی خُدا کی طرف سے حفاظت اور پاکبازی کی گواہی دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔ "سلمان منا اهل البیت (سلمان ہمارے اہل بیت میں داخل اور گھر کے ایک فرد ہیں)۔"

دُوسری جگہ آنحضرتؐ نے آپ ہی کے حق میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

"اگر ایمان ثریا میں بھی ہوتا تو فارس کے لوگ اسے ضرور پا لیتے۔" یہ حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت سلمانؓ صحابہ میں کے اتقیا، فضلا، افضل ترین و مُنتخب اور آنحضرتؐ کے مُقربین میں سب سے افضل صحابہ میں سے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رات کو حضرت سلمان کی آنحضرتؐ کے پاس نشست ہوتی تھی اور وہ آنحضرتؐ اور ہم سب کے درمیان گفتگو میں ہم پر غالب رہتے تھے۔

حضرت علیؓ سے حضرت سلمانؓ کے حالات کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت سلمانؓ نے پہلی اور پچھلی تمام دینی معلُومات پر عبُور حاصل کیا۔ ان کا علم خشک نہ ہونے والے دریا کی مانند ہے۔ وہ ہمارے خاندان کے ایک فرد ہیں۔ غزوہ احزاب میں انھوں نے ہی پہلی مرتبہ آنحضرتؐ کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ انکے مشورہ ہی کی بنا پر آنحضرتؐ نے خندق کھودنے کا حکم دیا اور مہاجرین و انصار نے مل کر حضرت سلمانؓ کی اس کام میں مدد کی تھی۔

حضرت سلمانؓ بہت قوی اور مضبوط شخص تھے۔ حضرت عثمانؓ کے آخری دورِ خلافت ۳۵ھ میں آپکی وفات ہوئی۔ روایت ہے کہ آپ کی عمر تین سو پچاس سال ہوئی۔ بہرحال اڑھائی سو سال میں کسی کو شک نہیں۔

وہ لوگ جن کا نام زمانۂ جاہلیت میں "محمدؐ" تھا

زمانۂ جاہلیت کے عرب اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) اور نجومیوں سے یہ سنتے تھے کہ عرب میں ایک پیغمبر مبعوث ہو گا جس کا نام "محمدؐ" ہو گا۔ پس جن جن تک یہ خبر پہنچی، انھوں نے نبوت کے لالچ میں اپنے اپنے بیٹوں کا نام محمدؐ رکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ نبوت کی لالچ میں قبیلہ بنو سلیم کی شاخ بنو ذکوان میں محمد بن خزاعی بن حزابہ نام رکھا گیا۔ جب ابرہہ یمن میں داخل ہوا تو یہ صاحب جو اس کے ہم مذہب تھے، اس کے ہم سفر تھے حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے بھائی قیس بن خزام نے اس مفہوم کا ایک شعر کہا:

یہ ہمارا صاحب تاج محمدؐ ہے۔ میں نے اسے گھمسان کی جنگ میں شمشیر زنی کرتے دیکھا ہے۔

ایک شخص قبیلہ بنو تمیم میں "محمدؐ بن سفیان بن مجاشع" نامی تھا جو پادری تھا۔ اس کے والد سے کہا گیا تھا کہ عرب میں ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے جس کا نام محمدؐ ہو گا۔ اس بنا پر اس نے اپنے بیٹے کا نام محمدؐ رکھ دیا۔

علیٰ ہٰذا قبیلہ بنو سوادہ میں ایک شخص کا نام "محمدؐ جشمی" تھا۔ اس کے علاوہ نبوت کے لالچ میں "محمدؐ اسیدی، محمدؐ فقیمی" وغیرہ نام رکھے گئے تھے۔

میں نے (مشہور تاریخی کتاب) طبقات ابن سعد میں یہ حالات دیکھے ہیں۔ پس جو شخص چاہے وہ خود اس کتاب میں یہ حالات مطالعہ کر سکتا ہے۔ ان تمام واقعات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اس وقت کے تمام مذاہب کے لوگ اپنے زمانہ میں ایک نبی کے ظہور کے منتظر تھے۔

○

بُتوں کی پرستش کا بیان

صنم لکڑی، چاندی اور تانبے کے بنائے جاتے تھے۔ ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ جس بُت کا جسم یا صُورت ہوتی تھی اسے صنم کہا جاتا تھا۔ اور اگر اس کی جسامت یا صُورت نہ ہوتی تو اسے "وثن"[1] کہا جاتا۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ وثن اور صنم میں فرق یہ ہے کہ وثن وہ بُت ہے جس کا جسم مٹی یا لکڑی یا پتھر سے آدمی کی شکل پر بنایا گیا ہو جسے بطور مجسّمہ نصب کر کے اس کی پرستش کی جاتی ہو اور صنم اس تصویر کا نام ہے جس کے جسم نہ ہو۔ بعض حضرات ان دونوں لفظوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک یہ دونوں لفظ ہر دو مفہوم میں مُستعمل ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مذکورہ بیان کے برعکس جس بُت کی صورت نہ ہو اس پر وثن کا لفظ بولا جاتا ہے۔

ملک عرب میں وثنیت کا زمانہ بہت طویل ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام جب مکّہ میں اقامت پذیر ہوئے اور ان کی نسل بہت پھیلی۔ حتّٰی کہ مکّہ ان سے بھر گیا اور انھوں نے تنگی کی بنا پر وہاں اقامت پذیر عمالقہ خاندانوں کو بھی خارجُ البلد کر دیا۔ پھر بھی شہر مکّہ تنگ رہا اور ان میں باہم دُشمنیاں پھیل گئیں اور جنگیں برپا ہوئیں اور ایک نے دُوسرے کو وہاں سے نکال باہر کیا تو وہ تلاشِ روزگار میں دُوسرے شہروں میں جا بسے۔

ان تارکینِ مکّہ میں بُتوں اور پتھروں کی پرستش کا داعیہ یہ پیش آیا کہ مکّہ سے جو شخص بھی کسی دوسرے شہر کا رُخ کرتا وہ مکّہ سے محبّت اور حرم کی عظمت کی مناسبت سے حرم کا ایک ایک پتھر اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے جاتا اور جہاں کہیں یہ لوگ اقامت پذیر ہوتے وہاں اس پتھر کو رکھ دیتے۔ پھر حرم کے عشق و محبّت اور کعبہ کی نسبت سے نیک فالی کے طور پر ان پتھروں کا اسی طرح طواف کرنے لگے جس طرح خود کعبہ کا کیا کرتے تھے۔ پھر وہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام کی یادگار کے طور پر کعبہ اور مکّہ کی عظمت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہاں جا کر حج و عمرہ ادا کرنے لگے۔ مرورِ زمانہ سے ان لوگوں نے اپنے آبائی طریقہ کو بھلا دیا اور اپنی طرف سے جسے چاہا اُسے پُوجنے لگے۔ انھوں نے ابراہیم و اسمٰعیل کا مذہب بالکل بدل ڈالا اور نیا مذہب اختیار کر لیا۔ پس وہ سب باتیں بُھلا کر بُتوں کی پرستش کرنے لگے اور پہلی

[1] لغت عرب میں صنم اور وثن، بُت اور مجسّمہ کو کہتے ہیں۔ م

مسخ شدہ قوموں کے مسلک پر چل پڑے۔ نوح علیہ السلام کی قوم ورثہ میں ملی ہوئی بقیہ یادگاروں کی جس طرح پرستش کرنے لگی تھی اسی طرح یہ لوگ بھی کرنے لگے۔

ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے زمانہ کے باقی ماندہ مسلک پر قائم تھے۔ وہ بیت اللہ کی تعظیم واحترام کرتے۔ اس کا طواف کرتے، وہاں حج وعمرہ ادا کرتے مگر اس کے ساتھ ہی انھوں نے ان عبادات میں اپنی طرف سے نئی نئی باتیں بھی داخل کرلی تھیں۔

سب سے پہلا شخص جس نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دین میں تبدیلی کی اور اس غرض سے بتوں کے مجسمے بنا کر نصب کئے اور سائبہ، وصیلہ، بحیرہ اور حامیہ کی مُشرکانہ وجاہلانہ رسموں کو رائج کیا وہ عمرو بن ربیعہ تھا اور ربیعہ کا نام لحی بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی تھا۔ وہ خزاعہ کا باپ تھا اور عمرو بن لحی کی ماں کا نام فہیرہ بنت عمرو بن حارث تھا۔

اور حارث ہی کعبہ کے انتظامات کا متولی تھا۔ جب عمرو بن لحی بالغ ہوا تو اس نے حارث سے کعبہ کی تولیت کے بارے میں جھگڑا کیا اور مقام بنی اسماعیل میں قبیلہ جرہم سے جنگ کرکے ان پر فتح حاصل کی اور انھیں کعبہ سے بے دخل اور مکہ سے خارج البلد کردیا۔ پھر ان کے جانے کے بعد بیت اللہ کے حج سے متعلق تمام امور کا خود متولی بن بیٹھا۔ پھر وہ شدید مرض میں مبتلا ہوگیا۔ اسے لوگوں نے مشورہ دیا کہ ملک شام کے شہر بلقاء میں گرم پانی کا ایک چشمہ ہے اگر تم وہاں جاؤ تو صحت یاب ہوجاؤ گے۔ پس اس نے وہاں پہنچ کر اس چشمہ کے پانی سے غسل کیا اور صحت یاب ہوگیا۔ اس نے وہاں کے لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا تو پوچھا۔ یہ بت کیا ہیں؟ انھوں نے کہا ہم ان کے واسطے سے بارش اور دشمن پر غلبہ کی دعا مانگتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا کہ مجھے بھی ان میں سے کچھ دے دو۔ انھوں نے دے دیا۔ یہ اسے مکہ لے آیا اور اسے کعبہ کے باہر گاڑ دیا۔ ایک روایت ہے کہ انھوں نے اسے

۱؎ سائبہ سانڈنیوں کو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑنے کو کہتے ہیں کہ نہ ان سے کوئی کام لیا جائے نہ انھیں ذبح کیا جائے۔ وصیلہ آٹھویں مرتبہ بچے جننے والی بکری کا دودھ صرف عورتوں کو پینے کی ممانعت اور اسے خدا کے نام پر ذبح کرنے کی رسم کو کہتے ہیں۔ بحیرہ سائبہ اونٹنی کی بچی کو کہتے ہیں۔ یہ بھی اپنی ماں کے حکم میں داخل تھی۔ یعنی بتوں کے نام پر آزاد۔ اس کے کان علامت کے طور پر چھید دیئے جاتے تھے۔ حامیہ بڑھے اونٹ کو کہتے ہیں۔ جاہلیت میں اس پر سواری حرام قرار دے دی گئی تھی اور اسے جہاں چاہے آزادی سے چرنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ م

ایک بُت دیا تھا جس کا نام ہُبل تھا۔ چنانچہ اُس نے مکّہ میں لاکر کعبہ میں رکھ دیا۔ اس طرح یہ سب سے پہلا بُت تھا جو مکہ میں رکھا گیا۔

ہشام مؤرّخ کا قول ہے کہ مجھ سے کلبی نے ان سے ابُوصالح نے ان سے ابنِ عباس نے روایت کی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔ مجھے دوزخ دکھائی گئی۔ اس میں میں نے عمرو (یعنی عمرو بن لحی) کو دیکھا۔ یہ ایک پستہ قد، سُرخ رنگ، کرنجی آنکھ والا شخص تھا جو دوزخ میں اپنی آنتوں کو کھینچ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عمرو بن لحی ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے عرب میں بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور حامیہ کی مُشرکانہ رسمیں جاری کی تھیں اور اس طرح دینِ ابراہیمی کو بدل ڈالا تھا اور عرب کو بُت پرستی کی تبلیغ کی تھی۔

قرآن کریم میں ان پانچ بتوں کا ذکر آیا ہے جنھیں نُوح علیہ السلام کی قوم پُوجا کرتی تھی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۝ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝

حضرت نُوح علیہ السلام نے بارگاہ ربّ العزت میں عرض کیا اے میرے پروردگار! میرے ان امتیوں نے ہمیشہ میری نافرمانی کی اور ان کی پیروی اختیار کی جنھیں خود ان کے اموال و اولاد نے بجز خسارہ کے اور کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور انھوں نے (حق کے خلاف) بہت بڑا مکر بنایا اور اپنے متّبعین کو ترغیب دی کہ تم اپنے خُداؤں کو ہرگز مت چھوڑنا۔ تم اپنے بتوں وُد، سُواع، یغُوث، یعُوق اور نسر (کی عبادت کو) بالکل ترک نہ کرنا۔ غرضکہ انھوں نے اپنی اس ترغیب سے بہتوں کو گمراہ کر دیا۔ اے خدا ان ظالموں کو تو اور بھی گمراہ کر دے۔

قرآن کریم میں ہُبل کا ذکر نہیں آیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمرو بن لحی کو مذکورہ بُت جدّہ کے سمندر کے کنارے پر پڑے ملے تھے جنھیں اس نے قبائل عرب میں تقسیم کر دیا اور انھوں نے انھیں اپنا معبود بنا لیا۔

اور قدیم مشہور بُتوں میں اساف اور نائلہ بھی ہیں جن کی پرستش قبیلہ خزاعہ، قریش اور وہ لوگ کیا کرتے

تھے جنھوں نے بعد میں فریضۂ حج ادا کرنا شروع کر دیا تھا اور اہل عرب ان دونوں بتوں کے پاس جانوروں کی قربانی کیا کرتے تھے۔

اور مکہ و مدینہ کے درمیان بمقام قدید مشلل کی سمت دریا کے ساحل پر منات نامی بُت نصب تھا جس کا تمام عرب احترام کرتے اور اس کے پاس جانور ذبح کرتے تھے۔ قبیلہ اوس و خزرج والے اس بُت کا سب سے زیادہ احترام کرتے تھے۔ قرآن کریم میں بھی منات کا ذکر آیا ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ○ منات ان بُتوں میں تیسرا بُت تھا۔

یہ بُت قبیلہ ہذیل و خزاعہ کا تھا جسے فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت علیؓ نے مسمار کر دیا تھا۔ اور فلس قبیلہ طی کا بُت تھا۔ اسے بھی حضرت علیؓ نے بحکم سرورِ کائنات منہدم کر دیا تھا۔

اور لات بُت (اللہ کی تانیث ہے) منات کے بہت بعد کا بُت تھا۔ یہ ایک چوکور پتھر تھا۔ پورے قریش اس کی تعظیم کرتے تھے۔ یہ طائف میں تھا۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے:۔

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ○ کیا تم نے لات و عزّیٰ بتوں کو دیکھا ہے۔

الحاصل بُت پرستی کا یہ سلسلہ صدیوں جاری رہا یہاں تک کہ قبیلہ ثقیف مسلمان ہو گیا۔ تب آنحضرتؐ نے مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا جنھوں نے اسے منہدم کر کے آگ سے جلا ڈالا۔

لات کا دوسرا نام طاغیہ اور ربہ بھی تھا۔

اسلامی لُغت میں درج ہے کہ ہیرودوت مصنف نے اپنی کتاب میں کعبہ کا ذکر نہیں کیا لیکن لات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ عرب کے خداؤں میں سب سے بڑا خدا مانا جاتا تھا پس یہ تحریر اس بُت کے وجود پر قوی دلیل ہے جس کا نام لات رکھا گیا تھا اور جو اس زمانہ کے معبودوں میں سے ایک تھا۔

عربوں کے بتوں میں ایک بُت "عزّیٰ" نامی بھی تھا (یہ اعزّ کی مؤنث ہے) اعزّ کے معنی ہے عزیز ترین مورخین کا بیان ہے کہ یہ بُت لات و منات کے بعد کا جدید ترین بُت تھا۔ یہ وادی نخلہ شامیہ میں نصب تھا۔ قریش کے نزدیک یہ سب سے بڑا بُت تھا۔ اہل قریش اس کی زیارت کو جاتے۔ اس کے سامنے ہدایا پیش کرتے اور اس کے پاس جانور کی قربانی کر کے اس کی قربت حاصل کرتے تھے۔

ابن حبیب نے کہا ہے کہ عزّیٰ ایک درخت کا نام ہے جس کے پاس ایک بُت نصب تھا جسے غطفان قبیلہ والے پوجتے تھے۔ قرآنِ کریم کی آیتِ ذیل میں ان بتوں کا ذکر آیا ہے:۔

اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى ۝ کیا تم نے لات و عزّیٰ اور تیسرے اور آخری بُت منات کو دیکھا ہے۔

مدتوں عزّیٰ کی اسی طرح پرستش جاری رہی حتّٰی کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھیجا۔ آنحضرتؐ نے قوم کے سامنے عزّیٰ اور دوسرے بتوں کی مذمت بیان فرمائی اور عرب کو ان سب کی پرستش سے منع فرمایا اور قرآنِ کریم نے بھی بتوں کے متعلق یہی باتیں بیان کیں۔ یہ امر قریش پر بہت شاق گزرا۔ ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ اسی زمانہ میں ابُواحیحہ سعید بن عاصی بن اُمیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف مرضُ الموت میں مبتلا ہُوا تو ابُولہب اس کی عیادت کو اس کے پاس آیا۔ اس نے ابواحیحہ کو روتے ہُوئے پایا۔ ابُولہب نے دریافت کیا۔ اے ابُواحیحہ! کیوں رو رہے ہو؟ کیا موت کے ڈر سے رو رہے ہو حالانکہ وہ تو ضرور آکر رہے گی؟ کہا نہیں۔ بلکہ اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میرے بعد عزّیٰ کی پرستش نہ کی جاسکے گی۔ اس پر ابُولہب نے کہا۔ تمھاری زندگی میں عزّیٰ کی پرستش صرف تمھاری وجہ سے نہیں ہو رہی تھی اور نہ تمھارے مرنے پر تمھارے بعد اس کی عبادت متروک ہو سکے گی۔ ابُواحیحہ نے کہا۔ آج مجھے معلوم ہُوا کہ میرا بھی ایک قائمقام موجود ہے اور ابولہب سے عزّیٰ کی پرستش کے اہتمام کے اظہارِ خیال پر اُسے مسرت ہُوئی۔

اس قصہ سے عرب جاہلیت کے شدت کے ساتھ بُتوں کی پرستش کے اہتمام پر روشنی پڑتی ہے۔ اہلِ عرب کے بعض طبقے فرشتوں کی پرستش کرتے تھے اور اس کے قائل تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حق تعالیٰ نے اسے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے :۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِكَةَ تَسۡمِيَةَ الۡاُنۡثٰى ۝ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو عورتوں کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔

جب آنحضرتؐ نے مکّہ کو فتح کیا تو حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیج کر عزّیٰ کو مسمار کرا دیا۔ قریش کے اور بہت سے بُت کعبہ کے اردگرد اور اندر نصب تھے۔ جن میں ان کے نزدیک ہُبل سب سے بڑا تھا۔ ایک روایت ہے کہ وہ ایک انسان کی صورت پر سُرخ عقیق سے بنایا گیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہُوا تھا۔ وہ قریش کو اسی حال میں ملا تھا۔ بعد کو انھوں نے اس کا وہ ہاتھ سونے کا بنا دیا۔ سب سے پہلے اس بُت کو خزیمہ بن مُدرکہ بن یاس بن مضر نے نصب کیا تھا۔ اس لئے اس کا نام ہبلِ خزیمہ پڑ گیا تھا۔ عبدالمطلب نے اپنے فرزند

عبداللہ کے لئے تفاءل کا تیر اسی بُت کے پاس پھینکا تھا۔

کعبہ کے پاس نصب شدہ دُوسرے بُت اساف اور نائلہ بھی تھے۔ جب آنحضرتؐ فتح مکّہ کے دن کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے مسجد بیتُ اللہ سے سب بُتوں کو باہر نکلوا کر آگ میں جلا دیا۔ جن کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ انہی میں مناف نامی بُت بھی تھا۔

علاوہ ازیں مکّہ کے ہر ہر گھر میں ایک ایک بُت رکھا ہُوا تھا جس کی اس گھر والے عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے جب کوئی سفر کا ارادہ کرتا تو گھر سے رخصت ہوتے وقت اس کا آخری عمل یہ ہوتا تھا کہ وہ اس بُت کو چُھوتا تھا اور جب سفر سے واپس آتا تب بھی گھر میں داخل ہوتے ہی پہلے اسے چُھوتا تھا۔

اہلِ عرب جن پتھروں کو حرمِ کعبہ کے اِرد گرد نصب کرتے تھے ان کا نام انصاب رکھتے تھے۔

ان کے گھریلو بُتوں کے نام یہ تھے:۔

ذُوالخَلصہ۔ سَعد۔ ذُوالکفّین۔ ذُوالشَریٰ۔ اَقیصَر۔ سُعَیر۔ عَمیانس۔ اَسحو۔ اَشہَل۔ اَوال۔ باجر۔ بجّہ۔ بعیم۔ بلج۔ بوانہ۔ تیم۔ جریش۔

بُت پرست کفّار موت کے بعد دوبارہ زندہ اُٹھائے جانے کے منکر ہیں۔

بعض عرب طبقے تناسخ یعنی دُنیا ہی میں رُوحوں کے یکے بعد دیگرے مختلف جسموں میں منتقل ہوتے رہنے اور انسان کے مسخ ہو کر دُوسری ہیئت میں بدل جانے کے قائل ہیں۔ یہ لوگ اکثر امراض کو جنّوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بعض ان جنوں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ ان واقعات سے واضح ہو گیا کہ عربوں کے معبُود مُتعدّد تھے۔

○

دینِ ابراہیمؑ کے متلاشی چار افراد کا ذکر

بعض عرب بُتوں کی پرستش سے کراہت کرتے اور یہ محسوس کرتے تھے کہ بُت کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں بعثتِ رسُول سے پہلے ہی ان خیالات کے حامل تھے۔ چنانچہ ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک روز تمام قریش اپنی عید کے دن اپنے ایک بُت کے پاس جمع ہو کر اعتکاف و طواف میں مشغُول تھے اور وہ یہ عید سالانہ مناتے تھے کہ یکایک ان میں سے چار شخص ان سب سے الگ ہو گئے۔ یہ چار شخص یہ تھے۔ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عزیٰ۔ عبیداللہ بن جحش بن رئاب، عثمان بن حویرث بن اسد بن عبدالعزیٰ۔ زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ۔ اور یہ چاروں باہم کہنے لگے کہ خوُب جان لو کہ تمھاری قوم کا کوئی مذہب نہیں۔ یہ لوگ دین ابراہیمی کو بالکل بھُلا چکے ہیں۔ بھلا ہمیں ایسے بُت کا طواف کرنے سے کیا حاصل جو سُن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے، نہ کسی کو کچھ نفع نقصان پُہنچا سکتا ہے؟ اے لوگو! تم اپنے لئے دُوسرا صحیح مذہب تلاش کرو۔ کیونکہ بخُدا تم اب کسی مذہب پر باقی نہیں رہے ہو۔ یہ مشورہ کر کے یہ لوگ حنیفیت یعنی دینِ ابراہیمی کی تلاش میں مختلف شہروں میں پھیل گئے۔

۱۔ حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے پُختہ طور پر مذہب عیسائیت کو اختیار کر لیا اور عیسائیوں کی کتابوں کا تتبع کرتے رہے حتّٰی کہ اہلِ کتاب سے ان کے دین کا کافی علم حاصل کر لیا۔

۲۔ رہے عبیداللہ بن جحش سو وہ التباس و تردُّد کی حالت میں رہے (کوئی دُوسرا مذہب اختیار نہ کیا)۔ یہاں تک کہ اسلام لے آئے۔ پھر مُسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس ہجرت میں ان کے ہمراہ ان کی مسلمان اہلیہ امّ حبیبہ بنت ابی سُفیان بھی تھیں۔ لیکن پھر عبیداللہ نے مُرتد ہو کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور اسلام کو ترک کر دیا۔ یہاں تک کہ حبشہ ہی میں عیسائیت پر مرا۔ اس کی وفات کے بعد آنحضرتؐ نے اس کی اہلیہ اُمّ حبیبہ سے عقد کر لیا۔

۳۔ عثمان بن حویرث نے قیصر شہنشاہ رُوم کی خدمت میں حاضر ہو کر عیسائی مذہب قبول کر لیا اور شاہ کے دربار میں ان کی اچھی قدر و منزلت ہو گئی۔

۴۔ زید بن عمرو بن نفیل حالتِ توقّف میں رہے۔ انھوں نے یہُودی مذہب قبول کیا نہ عیسائی مذہب

اور اپنی قوم کے دین سے بھی علیحدہ و بیزار رہے۔ چنانچہ وہ بُت پرستی سے بالکل علیحدہ رہے۔

مسٹر کانون سل کے قول کی تردید

مسٹر کانون سل نے اپنی تصنیف "حیاتِ محمدؐ" میں لکھا ہے:۔

"زید اور اس کے رُفقا، دینِ ابراہیمی کے اتباع کی طرف مائل ہو گئے تھے اور خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت محمدؐ نے انہی سے دینِ اسلام کا نظریہ اخذ کیا تھا۔"

پھر اس نے لکھا ہے کہ:۔

زید اپنی قوم کے دین سے علیحدہ رہے اور بُتوں کی پرستش پر اہلِ مکّہ کی مُذمّت کرتے رہے۔ ان کی اس بات سے اہل مکّہ میں ان کے خلاف جوش و خروش پھیل گیا، اس لئے وہ مکّہ کو چھوڑ کر غارِ حرا میں گوشہ نشین رہنے پر مجبور ہو گئے۔ ایک عرصہ تک وہیں غور و فکر میں مشغول رہنے کے بعد انتقال کر گئے اور وہیں پہاڑ کے دامن میں دفن کر دیئے گئے۔ حضرت محمدؐ پر ان کا بہت اثر تھا اور آپ ان کا احترام اور قدر فرماتے تھے۔

بلاشبہ یہ حضرات اور ان جیسے اور بھی سمجھدار لوگ اکثر باہم مشورے کیا کرتے اور عرب اپنی اجتماعی حالت کے جس نقطۂ انحطاط و زوال تک پُہنچ چکے تھے اس کے متعلق آپس میں تبادلۂ خیال کیا کرتے تھے اور اپنے سیاسی مرکز کی کمزوری اور بُت پرستی کے پھیلنے پر افسوس و حسرت کیا کرتے تھے۔ عثمان بن حویرث مرکزی اقتدار کے قائم کرنے میں اس لئے کامیاب نہ ہو سکے کہ انھوں نے ایک اجنبی طاقت یعنی رُوم کی شہنشاہیت پر بھروسہ کر لیا۔ اس کے باوجود ضرورت اس امر کی مُقتضی تھی کہ مرکزی اقتدار بحال ہو، کعبہ کی اہمیّت کا اعتراف کر لیا جائے اور اسے تمام عرب کے لئے ایک مضبُوط دینی قوّت بنا دیا جائے۔ سوال یہ تھا کہ اس مقصد تک کیسے رسائی ہو اور بُتوں کی عبادت کو کیسے ختم کیا جائے؟

اس مضمون کے بعد مسٹر کانون سل لکھتے ہیں کہ "اس وقت ایک نبی کے ظہُور کا موقع میسّر آ گیا جس کے قریبی زمانہ میں ظہُور کے لئے زمین ہموار ہو چکی تھی۔ کچھ ہی عرصہ بعد اس نبی کا ظہُور ہو گیا۔ یہ نبی ایک مضبُوط شخصیّت، سیاسی سُوجھ بوجھ اور صرف عرب قوم کی رہنمائی کے لئے ایک محدُود رسالت کے ساتھ ظاہر ہوئے۔"

یہ تھے مسٹر کانون سل کے خیالات و مزعُومات۔

اس پر ہم یہ کہتے ہیں کہ :-

ہاں یہ صحیح ہے کہ مذکورہ حضرات نے بُت پرستی کی ترویج واشاعت پر تبادلہ خیال کیا اور صحیح مذہب کی جستجو کرنے لگے لیکن اس مسئلہ میں ان کے مذاکرات بہت کم اور سرسری تھے۔ ان کی کوئی اہمیت نہ تھی اور یہ روایت ہم تک نہیں پہنچی کہ آنحضرتؐ کبھی ان سے ملے جلے ہوں اور ان سے عرب کے سیاسی یا دینی امور پر گفتگو فرمائی ہو۔

اور زید بن عمرو کفار کے معتوب و مقہور تھے اس لئے انھوں نے غار حرا میں پناہ لی۔ لیکن ان کا آنحضرتؐ سے کوئی میل جول نہ تھا کہ اس بنا پر یہ کہا جا سکے کہ کبھی آپؐ نے ان سے دینی امور پر مذاکرت فرمائی ہے اور اس مذاکرت کی بنا پر انھوں نے آنحضرتؐ کے دل پر گہرا نقش چھوڑا یا آپؐ نے ان سے کوئی خیال اور نظریہ حاصل کیا۔ کیونکہ یہاں کسی سے کوئی فکر و نظریہ حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ قرآن کریم اس کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، اس کی حکمتِ بالغہ، اس کی بیان کردہ ٹھوس مثالیں، انبیائے سلف و اقوام ماضیہ کے احوال کا بیان، مستقبل کی خبریں، انسان کا خالقِ کائنات اور دوسری مخلوقات سے تعلق و رابطہ اور وہ عظیم الشان قانونِ شریعت الٰہیہ جو آگے چل کر مجتہدینِ عصر ائمہ اور متبحر و اجل علماء کا موضوعِ فکر و بحث بنی۔ یہ ایسے اہم اور ارفع و اعلیٰ حقائق ہیں کہ زید بن عمرو کی آنحضرتؐ سے اتفاقیہ غار حرا یا راستہ میں کبھی ملاقات ان حقائق کے ظہور کا سبب ہرگز نہیں بن سکتی۔

اس کے سوا ہمیں آنحضرتؐ کے واقعات سے کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ آپ لوگوں سے مذاکرات فرمایا کرتے یا یہ کہ عام لوگ بچپن سے آپ کو جانتے ہوں جب تک آپ نے نبوّت کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ یہ امر محقق ہے کہ آپ غیر تعلیم یافتہ تھے نہ آپ لکھنے پڑھنے سے واقف تھے نہ ہی دین و اصولِ دین سے یہاں تک کہ خدا نے آپ پر وحی نازل فرمائی۔ پھر آپ کی رسالت صرف عرب قوم تک ہی محدود نہ تھی جیسا کہ مسٹر سل اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے گمان کر لیا۔ اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ آپ کی رسالت تمام بنی نوع انسان کے لئے عام تھی جیسا کہ قرآنی تصریح سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ	اور ہم نے آپ کو کسی مخصوص قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام بنی
بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ	نوع انسان کی طرف بشیر اور نذیر[1] بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ

[1] بشیر، خوشخبری سنانے والا۔ نذیر، عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا۔ م

النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○ اس حقیقت سے واقف نہیں۔

ہم ذیل میں اتمام حجت کے لئے زید بن عمرو کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہیں تمھیں اس پر غور کرنا چاہیئے۔

زید بن عمرو کے سوانح حیات

ان کا نسب یہ ہے: زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرظ بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک قرشی عدوی۔ وہ حضرت سعید بن زیدؓ صحابی رسولؐ کے والد اور عشرہ مبشرہ[1] میں سے ایک تھے اور حضرت عمر بن خطابؓ کے چچا زاد برادر تھے۔ جن کا نسب حضرت عمرؓ کے ساتھ نفیل پر جاکر مل جاتا ہے۔ نبی کریم سے انہی زید کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "قیامت کے دن وہ اکیلے ایک مستقل قوم کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے"۔

زید بن عمرو زمانہ جاہلیت میں عبادت الٰہی کیا کرتے اور حضرت ابراہیم خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے متلاشی رہتے۔ اللہ کو ایک مانتے اور کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم کا خدا ہی میرا خدا اور حضرت ابراہیم کا دین ہی میرا دین ہے۔ وہ قریش کے بتوں کے نام پر قربانیوں کی مذمت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ "بکری کو خدا نے پیدا کیا اور اسی نے آسمان سے اس کے لئے پانی برسایا اور زمین سے اس کے لئے گھانس اگائی پھر تم اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو"۔

وہ اس فعل سے کراہت و بیزاری ظاہر کرتے اور خدا کی عظمت کی وجہ سے ایسا کہا کرتے تھے اور وہ بتوں کے نام کے ذبیحہ کو نہ کھاتے تھے۔ حضرت رسول اللہؐ پر نزولِ وحی سے قبل آپ کی زید بن عمرو سے بلدح[2] کے نشیبی حصہ میں ایک مرتبہ ملاقات ہوئی اور وہ زندہ درگور کی جانے والی لڑکیوں کو اس ہلاکت سے بچاتے تھے۔

حضرت زید بن حارثہؓ سے مروی ہے کہ ایک روز جبکہ مکہ میں شدید گرمی تھی میں آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ سے باہر روانہ ہوا۔ آنحضرتؐ میرے پیچھے سوار تھے۔ پس ہم نے زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات کی اور ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو سلام کیا۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے زید! یہ کیا بات ہے کہ میں تمھاری قوم کو تمھارا مخالف پاتا ہوں؟ کہا خدا کی قسم اے محمدؐ! یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے مجھ میں بے دینی نہیں پائی بلکہ

---

[1] وہ دس صحابہ جن کے جنتی ہونے کی حق تعالیٰ نے دنیا ہی میں خوشخبری دے دی وہ عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں۔

[2] بلدح مکہ کی مغربی سمت واقع ایک گھاٹی کا نام ہے۔ م

میں صحیح دین کی جستجو میں نکلا اور خیبر کے علمائے دین کے پاس حاضر ہوا تو میں نے انھیں دیکھا کہ وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں مگر دوسروں کو اس کا شریک بھی مانتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ جس دین کی مجھے تلاش ہے یہ وہ دین نہیں ہے۔

اس لئے میں وہاں سے مایوس واپس ہونے لگا تو انہی میں کے ایک بزرگ نے مجھ سے کہا کہ تم اس دین کے متعلق معلوم کرنا چاہتے ہو جس کی پیروی کرتے ہوئے ہم کسی شخص کو خدا کا عبادت گزار نہیں پاتے بجز ایک بزرگ کے جو "حیرہ" میں مقیم ہیں۔ میں وہاں سے روانہ ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا۔ میں بیت اللہ والوں میں سے ہوں اور کانٹوں اور ببول کے درختوں کی جگہ کا رہنے والا ہوں۔ انھوں نے کہا۔ جس دینِ الٰہی کی تمھیں تلاش ہے وہ خود تمھارے شہر میں ظاہر ہو چکا ہے۔ ایک پیغمبر مبعوث ہو چکے ہیں۔ ان کے ستارے طلوع ہو چکے ہیں اور باقی تم نے جن لوگوں کو دیکھا ہے وہ سب کے سب گمراہ ہیں۔

زید بن عمرو کہتے ہیں کہ مجھے کوئی نئی بات محسوس نہیں ہوئی۔

"زید بن حارثہ نے بیان کیا ہے کہ زید بن عمرو کا انتقال ہو چکا تھا تب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوئی پس آنحضرتؐ نے زید بن عمرو کے متعلق فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اکیلا ایک مستقل امت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زید بن عمرو سے اپنی ملاقات کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

میں کعبہ کے صحن میں آ کر بیٹھا۔ قریب ہی زید بن عمرو بن نفیل بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ امیہ بن ابی الصلت زید کے پاس آئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے بھلائی کے طلبگار! تمھارا کیا حال ہے؟ کہا بہتر ہے۔ اس نے دریافت کیا۔ کیا تم نے وہ دین پا لیا جس کی تمھیں تلاش تھی؟ کہا۔ ابھی تک نہیں۔ حالانکہ میں نے اس کی جستجو میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اس پر اس نے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ ہے: قیامت کے دن بجز دین حنیف اور اس کے دین کے جس کے حق ہونے کا خدا نے فیصلہ فرما دیا ہو۔ باقی ہر دین فاسد و باطل قرار پائے گا۔ یہ نبی آخر الزمان جن کا انتظار ہو رہا ہے یا تو ہم میں سے ہوں گے یا تم میں سے یا پھر اہلِ فلسطین میں سے ہوں گے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ اس سے قبل میں نے نہیں سنا تھا کہ کسی نبی کا انتظار کیا جا رہا ہے یا وہ مبعوث ہونے والا ہے۔ میں وہاں سے چل کر ورقہ بن نوفل کے پاس آیا۔ جن کی نظر آسمانی ادیان پر وسیع تھی اور جن کا سینہ خفیہ اسرار کا سرچشمہ تھا۔ میں نے ان سے اطمینان سے بیٹھنے کی درخواست کی۔ پھر ان سے تمام

سرگزشت بیان کی۔ اسے سُن کر انھوں نے فرمایا۔ ہاں اے میرے بھتیجے! تمام اہلِ کتاب اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ نبی جس کے ظہور کا انتظار کیا جا رہا ہے وہ عرب کے عالی نسب خاندان سے ہوگا۔ مجھے حسب نسب کی کافی معلومات ہیں۔ اس بنا پر کہتا ہوں کہ تمھاری قوم نسبی حیثیت سے تمام عرب میں اعلیٰ و ممتاز ہے۔ میں نے عرض کیا۔ عمِ محترم! یہ نبی کیا فرمائیں گے؟ فرمایا انھیں (بذریعہ وحی) جو کچھ بتایا جائے گا وہ اُسے ہی بیان کریں گے۔ آپ کی بعثت کے بعد دُنیا سے ظلم و استبداد کا دور دورہ ختم ہو جائے گا۔ پس جب نبی کریمؐ مبعوث ہوئے تو میں آپ پر ایمان لے آیا اور میں نے آپ کی تصدیق کی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہُوئے دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔ اے گروہِ قریش! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں زید کی جان ہے۔ میرے سوا تم میں سے کوئی بھی دینِ ابراہیمی پر باقی نہیں رہا اور وہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اے میرے خدا! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیری عبادت کا بہترین طریقہ کونسا ہے تو میں اسے ہی اختیار کرتا۔ لیکن افسوس مجھے وہ طریقہ معلوم نہیں۔ پھر وہ اپنی ہتھیلیوں کے سہارے سربسجُود ہو گئے۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے۔ مجھے زید بن عمرو کی اولاد میں سے کسی نے یہ بیان کیا ہے کہ جب زید کعبہ میں داخل ہوتے تو یہ کلمات ادا کیا کرتے تھے۔

لبیک حقا حقا۔ تعبدا	اے خدا میں پُورے خلوص و صداقت اور انتہائی جذبۂ عبدیت و
ورقا عذت بما عاذ به	سرافگندگی کے ساتھ تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور حضرت
ابراهیم۔	ابراہیم علیہ السلام نے جن چیزوں سے تیری پناہ مانگی تھی میں بھی
	ان سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

نیز وہ مؤدب کھڑے ہو کر یہ کلمات کہتے تھے:۔

اے خدا! میں انتہائی ذلت و عاجزی کے ساتھ تیرے سامنے اپنی ناک رگڑتا ہوں۔ تو مجھے جتنی بھی پُرمشقت عبادت کا حکم دے گا میں اسے بخوشی قبول کروں گا۔ میں تیری اطاعت کی توفیق چاہتا ہوں مال و دولت کا خواہاں نہیں۔

اور خطاب بن نفیل، زید بن عمرو بن نفیل کو اذیت دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ تنگ آ کر مکہ کے پہاڑی علاقہ کی طرف نکل گئے اور مکہ کے مقابل غار حرا میں مُقیم ہو گئے۔ اُدھر خطاب نے قریش کے نوجوانوں اور شرپسند آوارہ گردوں کو اس کام پر مامور کر دیا تھا کہ زید کو کبھی مکہ کے اندر نہ آنے دیں۔ اس لئے زید گاہ گاہ ان لوگوں

سے چھپ چھپا کر مکہ میں آیا جایا کرتے تھے۔ اگر کبھی ان لوگوں کو ان کی آمد کا پتہ چل جاتا تو وہ خطاب کو خبر دے دیتے اور وہ پھر زید کو مکہ سے نکلوا دیتے: اور اس اندیشہ سے کہ زید ان کے دین کے معاملہ میں گڑبڑ نہ کریں اور ان میں کا کوئی فرد ان کا دین چھوڑ کر زید کا اتباع نہ کرنے لگے۔ یہ اشرار انھیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔

زید آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے ہی انتقال کر گئے اور ان کی موت پر ورقہ بن نوفل نے ابیات ذیل میں ان کا مرثیہ کہا:-

رشدت وانعمت ابن عمرو وانما تجنبت تنورا من النار حامیا

اے ابن عمرو! تم ہدایت یافتہ اور نعمتِ الٰہی سے سرفراز رہے۔ تم دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ کے تنور سے بچے رہے۔

بدینک ربا لیس رب کمثله وترکک اوثان الطواغی کما هیا

تمھارے اپنے پروردگار کے صحیح دین پر قائم رہنے کی وجہ سے جس پروردگار کا کوئی ثانی ہے نہ ہمسر ہے نیز گمراہ بتوں کو ترک کر دینے کی وجہ سے تم راہِ ہدایت پر فائز رہے۔

وقد یدرك الانسان رحمة ربه ولو کان تحت الارض ستین وادیا

کبھی انسان سو گھاٹیوں کی گہرائی تک زمین کے نیچے چلے جانے پر بھی خدا کی رحمت سے فیضیاب ہو جاتا ہے۔

زید کہا کرتے تھے "اے گروہِ قریش! تم ریاکاری سے بچتے رہو کیونکہ وہ افلاس پیدا کرتی ہے"

یہ زید بن عمرو کے حالاتِ زندگی ہیں اور وہ اگرچہ بت پرستی سے بیزار ہو کر دینِ ابراہیمی کو قبول کر چکے تھے۔ اس کے باوجود وہ خدا کی عبادت کے صحیح اور پسندیدہ طریقوں سے ناواقف تھے۔ ان کے حالات میں صرف اتنا بیان ہوا ہے کہ ان کی آنحضرتؐ سے صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔ علیٰ ہذا حضرت ابوبکرؓ سے بھی ان کی صرف ایک ہی ملاقات کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

○

وحی کی ابتداء

واقعہ ۶ اگست ۶۱۰ء

جب نزولِ وحی کا زمانہ قریب آیا تو آنحضرتؐ تنہائی پسند ہو گئے۔ چنانچہ آپ غارِ حرا میں جا کر تنہا تشریف رکھتے اور راتوں میں وہاں پر مشغولِ عبادت رہا کرتے۔ پھر اپنے گھر واپس آجاتے اور دوبارہ چند دن کے ارادہ سے تیار ہو کر واپس لوٹ جاتے۔ آپ کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہبی طریقہ پر ہوتی تھی ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ خدا کی طرف سے القا کردہ طریقہ پر عبادت کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح واضح ہوتا۔ آپ کے یہی سچے خواب وحیِ الٰہی کا پیش خیمہ تھے۔ کہا گیا ہے کہ آپ کے ان خوابوں کی مدت چھ ماہ رہی۔ جب آپ کی عمر پورے چالیس سال کی ہو گئی تو جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں نبوت کی بشارت لے کر حاضر ہوئے۔ یہ مبارک واقعہ آپ کی ولادت کے حساب سے ۱۷ رمضان ۴۱ سنہ میلادیہ بروز دوشنبہ ظہور پذیر ہوا۔ اس وقت قمری حساب سے آپ کی صحیح عمر چالیس سال چھ ماہ آٹھ یوم تھی۔ یہ تاریخ ۶ اگست ۶۱۰ء کے مطابق تھی۔ اس وقت آپ غارِ حرا میں تشریف فرما تھے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

حضرت رسول اللہ پر وحی کی ابتدا اچھے خوابوں سے ہوئی۔ کیفیت یہ تھی کہ آپ جب بھی سوتے میں کوئی خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح واضح اور صحیح ثابت ہوتا۔ پھر آپ خلوت پسند فرمانے لگے چنانچہ اکثر غارِ حرا میں گوشہ نشین رہتے اور اپنے متعلقین کے پاس جانے سے پہلے کئی کئی رات وہیں عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتے۔ اور غارِ حرا میں تشریف لے جاتے ہوئے وہاں کی مدتِ خلوت نشینی کے لئے توشہ ہمراہ لے جاتے۔ پھر جب غار سے حضرت خدیجہؓ کے پاس لوٹتے تو دوبارہ غار تشریف لے جاتے ہوئے پھر اسی طرح توشہ ہمراہ لے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس غارِ حرا میں ہی پہلی وحی نازل ہوئی۔ وہاں حضرت جبریل حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا۔ پڑھیئے۔ فرمایا مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر مجھے فرشتہ نے سینہ سے لگا کر خوب زور سے بھینچا جس سے مجھے سخت تکلیف پہنچی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ اب پڑھیئے۔

میں نے پھر جواب دیا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ اس پر اس نے پھر مجھے پہلے کی طرح خوب بھینچا۔ یہاں تک کہ میرا بدن دُکھنے لگا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیئے۔ میں نے کہا۔ مجھے تو پڑھنا نہیں آتا۔ تب اس نے پھر مجھے تیسری مرتبہ بھینچا جس سے میرا جسم دُکھنے لگا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہیئے :۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○

تب رسُول اللہؐ نے ان آیتوں کو زبان سے دُہرایا مگر آپ کا دل دھڑ دھڑ کانپ رہا تھا۔ اس حالت میں آپ حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کے پاس پُہنچے اور کہا مجھے چادر اُڑھا دو۔ مجھے چادر اُڑھا دو۔ چنانچہ آپ کو چادر اُڑھا دی گئی۔ حتیٰ کہ کچھ دیر بعد آپ سے خوف کی کیفیت رفع ہو گئی۔ تب آپ نے حضرت خدیجہؓ کو تمام واقعہ کہہ سُنایا اور فرمایا اس واقعہ سے مجھے اپنی جان کی ہلاکت کا خطرہ ہو گیا۔ یہ سُن کر حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ خُدا کی قسم خدا آپ کو ہرگز رُسوا نہ کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں۔ یتیموں اور بیکسوں کی خبر گیری فرماتے ہیں۔ حاجت مندوں کی حاجت برآری فرماتے ہیں۔ مہمان کی خاطر مدارات فرماتے ہیں اور مصائب میں لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزّیٰ کے پاس لے گئیں۔ جنھوں نے زمانۂ جاہلیت میں نصرانی مذہب قبول کر لیا تھا وہ عبرانی زبان کی کتابیں لکھنے پر قادر تھے اور ماشاءاللہ انجیل کا کافی حصہ عبرانی میں لکھ چکے تھے۔ اس وقت وہ بہت بُوڑھے، مُعمّر اور نابینا ہو چکے تھے۔ ان سے حضرت خدیجہؓ نے کہا اے میرے بھائی! ذرا اپنے بھتیجے کا واقعہ سُن لیجیئے۔ پس مجھ سے ورقہ بن نوفل نے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے کیا دیکھا؟ پس آنحضرتؐ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا۔ یہ سُن کر ورقہ نے کہا۔ یہ وہی فرشتہ ہے جسے خُدا نے اس سے قبل حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کے پاس بھیجا تھا۔ کاش میں آپ کی نبوّت کے وقت نوجوان ہوتا۔ کاش اس وقت جب آپ کی قوم آپ کو آپ کے وطن سے نکال دے گی۔ میں زندہ رہتا۔ آنحضرتؐ نے سوال کیا کہ کیا میری قوم والے مجھے مکّہ سے نکال دیں گے؟ کہا ہاں آج تک کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جو آپ کی طرح نبوّت لے کر آیا ہو اور اس کی مخالفت نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے وہ زمانہ پالیا۔ تو میں آپ کی زبردست مدد کروں گا۔ پھر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ورقہ وفات پا گئے۔ ادھر آنحضرتؐ سے وحی مُنقطع ہو گئی۔

جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے آنحضرتؐ پر سب سے پہلے سُورۂ اقرأ نازل ہُوئی۔ حضرت

ابُو موسیٰ اشعری اور عبید بن عمیرؓ سے بھی یہی روایت منقول ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ یہی روایت درست ہے۔ جس پر اگلے پچھلے تمام جمہور اُمت کا اتفاق ہے۔

نبیٔ مُنتظر

عرب مؤرخین اور سوانح نگار اس پر مُتفق ہیں کہ اہل کتاب اس زمانہ میں ایک نبی کے ظہُور کا انتظار کر رہے تھے اور وہ اس کے اوصاف و احوال کو خوب جانتے تھے۔ ان آثار کے منجملہ ایکے درج ذیل بیانات ہیں:

(۱) اس دَور کی قریبی اور مُسلسل خبروں سے ثابت ہو گیا تھا کہ شقی اور سطیح نامی دو کاہنؔ آنحضرتؐ کے ظہُور سے پہلے آپ کے ظہُور کی خبر دیا کرتے تھے۔

(۲) حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا قصہ اور یہ کہ جب کبھی یہُود کی کوئی جماعت حضرت حلیمہؓ کے شہر سے گزرتی اور وہ حضرت رسُول اللہ کو ان کے سامنے پیش کر کے اُن سے ان کے واقعات بیان کرتیں تو وہ آپ کے قتل کے درپے ہو جاتے۔ پس حضرت حلیمہؓ ان کے پاس سے فرار ہو جاتیں۔

(۳) مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ بحیرا راہب نے آپ میں موجُودہ نشانیوں کو دیکھ کر آپ کو پہچان لیا تھا۔ اس لئے ابُو طالب سے کہا تھا۔ اپنے بھتیجے کو فوراً اپنے شہر واپس لے جاؤ اور یہُود سے انھیں بچاتے رہو۔ خُدا کی قسم! اگر انھوں نے دیکھ لیا اور جیسا کہ میں نے انھیں پہچان لیا ہے وہ بھی پہچان گئے تو وہ ان سے بہت بُرائی سے پیش آئیں گے۔ کیونکہ ان کی بہت بڑی شان ہونے والی ہے۔ پس انھیں جلدی اپنے وطن واپس لے جاؤ۔

(۴) سیرت ابن ہشام میں ابنِ اسحاق کی روایت سے منقول ایک فصل "یہُود کے کُفار کو رسُول اللہؐ کے ظہور سے ڈرانے کی" درج ہے جسے اس کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ میں نے بھی اس کتاب میں یہ روایت درج کی ہے۔

(۵) حضرت سلمان فارسیؓ کا قصہ جو رسُول اللہ کی واضح نشانیوں سے آپ کی رسالت کا ثبُوت فراہم کر کے مُشرف باسلام ہوئے تھے اور انھیں وہ نشانیاں اس راہب نے بتائی تھیں جس کی صُحبت میں وہ سب سے آخر میں رہے تھے۔ حضرت سلمانؓ کا یہ قصہ بہت مشہور ہے اور تاریخ کی ان تمام بنیادی کُتب میں مذکور ہے جن پر مؤرخین اعتماد کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ قصہ یونہی گھڑ لیا گیا ہو کیونکہ حضرت

۱؎ غیب کی خبریں بتانے والے کو کہتے ہیں۔ م

ابن عباسؓ نے اس قصہ کو خود حضرت سلمان فارسیؓ کی زبانی سُن کر بیان فرمایا ہے۔ قصہ کی اہمیت کے مدِنظر ہم نے بھی اسے اپنی اس کتاب میں بیان کیا ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن سلام بن حارثؓ کے اسلام لانے کا واقعہ جو ایک مُتبحر عالم تھے۔ ان کا بیان ہے، کہ میں نے حضرت رسُول اللہ ﷺ کے ظہُور کا ذکر سُنا اور میں اس سے قبل ہی آپکے اوصاف، آپ کا اسم مُبارک اور آپکے ظہور کے زمانہ کو جس کا ہم انتظار کر رہے تھے، بخوبی جانتا تھا پس مجھے آپ کے ظہُور کی خبر سے بہت مسرت ہوئی تھی، لیکن میں اس مسئلہ میں خاموش رہتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت رسُول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ آخر تک یہ قصہ بھی اس کتاب میں سیرت ابن ہشام سے نقل کیا گیا ہے۔

(۷) عرب اہل کتاب اور کاہنوں سے سُنا کرتے تھے کہ ملک عرب میں ایک نبی مبعوث ہو گا جس کا نام محمدؐ ہو گا۔ پس جسے جسے یہ خبر پہنچی اس نے نُبوّت کے لالچ میں اپنے اپنے نومولود بچّوں کے نام محمدؐ رکھنے لگے تھے۔ میں نے واقدی کی طبقات ابن سعد سے نقل کر کے ان میں سے بعض کے نام اپنی اس کتاب میں بھی درج کیے ہیں۔

(۸) صیحح بخاری میں "باب بدأ الوحی" میں یہ روایت درج ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ حضرت رسُول اللہ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی تھیں (اور یہ وہی مذہب نصرانیت کے بڑے عالم ہیں جو انجیل کو عبرانی میں لکھتے تھے) تو انھوں نے کہا تھا۔ یہ وہی فرشتہ ہیں جو اس سے قبل حضرت مُوسیٰؑ کے پاس بھی وحی لے کر آیا کرتے تھے۔

(۹) جب نبی کریمؐ نے یہود کے ایک گروہ بنو قینقاع کو جمع کر کے فرمایا تھا۔ اے گروہ یہود! خُدائی عذاب سے ڈرو۔ جیسا کہ قریش پر تباہی آچکی ہے مگر وہ اسلام لا کر بچ گئے۔ کیونکہ تم پہچان چکے ہو کہ میں خُدا کا بھیجا ہُوا پیغمبر ہوں۔ تم اپنی کتابوں میں اور خُدا سے تم نے جو عہد کر رکھا ہے اس میں میری نبوّت کا ذکر پاتے ہو۔

(۱۰) زمانۂ جاہلیت میں قیس بن نُشبہ ایک فلسفی اور مُنجّم تھا اور وہ لوگوں کو آنحضرتؐ کے مبعوث ہونے کی خبر دیا کرتا تھا۔ پس وہ آنحضرتؐ کی نبوّت کے اظہار پر آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور پُوچھا اے محمدؐ! کحلہ کیا چیز ہے؟ آپنے فرمایا۔ آسمان۔ پھر اس نے پُوچھا۔ محکہ کیا ہے؟ فرمایا۔ زمین۔ یہ سُن کر وہ

آپ پر ایمان لے آیا اور کہنے لگا کہ یہ رمز نبی کے سوا دُوسرا انہیں جانتا۔ پھر قیس نے اپنے قبول اسلام کے متعلق اشعارِ ذیل کہے :-

تابعت دین محمد ورضیته کل الرضا لامانتی ولدینی

میں نے دین محمد کا اتباع اختیار کر لیا اور اپنے دین اور مذہب کی حیثیت سے اس دین کو پسند کر لیا۔

ما زلت امله وارقب وقته والله قدرانه یهدینی

میں ہمیشہ سے اس کی اُمید کرتا اور اس کے ظہور کے وقت کا انتظار کیا کرتا تھا۔ خدا نے میرے لیے یہ مقدر فرما دیا تھا کہ یہ نبی مجھے راہِ راست دکھائیں۔

اعنی ابن امنة الامین ومن به ارجوا التخلص من عذاب الهون

اس سے میری مراد آمنہ کے فرزند امین اور وہ مقدس ہستی ہے جس کے واسطہ سے میں قیامت کے ہولناک عذاب سے نجات پانے کی اُمید رکھتا ہوں۔

پس جب قبیلہ قیس کے اہل قبیلہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ تمھارا کیا حال ہے؟

مذکورہ بالا اور دُوسرے تمام دلائل وشواہد اس امر کی تائید وتوثیق کرتے ہیں کہ سب لوگ اس زمانہ میں ایک نبی کے ظہور کے منتظر تھے اور یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی اس لئے کہ آپ کی آمد کی بشارت توریت وانجیل میں پائی جاتی تھی اور ہم نے عربی مطبوعہ کتاب مقدس کی آیتوں سے استناد کرتے ہوئے کتاب ہٰذا کی سابق فصل میں (ص ۵۷۔۶۰) اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ پس لازماً اس دور کے اہل کتاب کے پاس دُوسری کتب بھی موجود ہوں گی جنھیں ان کے علماء نے کتاب مقدس کی شرح کے طور پر تالیف کیا ہوگا اور اس سے انھوں نے وہ علامات اور معلومات حاصل کر لی ہوں گی جن کے ذریعہ انھوں نے رسول اللہ کی صفت، آپ کا وطن، آپ کے ظہور کا زمانہ، آپ کی قوم کے آپ پر مظالم، پھر آپ کی ہجرت کے تمام واقعات پیشگی معلوم کر لیے تھے۔

ہم اپنی اس رائے کو قابل ترجیح بلکہ یقینی سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ جب ہم نے اپنے زمانہ میں چھپی ہوئی کتاب مقدس سے وہ آیتیں نکال لیں جن میں آنحضرتؐ کی رسالت کی بشارت موجود ہے اور جو آپ کی ذاتی صفات، آپ کی شریعت، آپ کے وطن اور آپ کے صحابہ تک کا بیان کرتی ہیں تو یقیناً قدیم اہل کتاب

خاص کر ان کے علماء قدیم عبرانی زبان کے نسخوں سے جو ان کے پاس موجود تھے لیکن ہماری ان نسخوں تک رسائی نہ ہو سکی ہو۔ مذکورہ مکمل معلومات یا خاص رسول اللہؐ سے متعلق معلومات پر مُطلع ہو چکے تھے۔ اگرچہ وہ ہمیں کسی حد تک باعثِ تعجب معلوم ہوتی ہوں۔ ایک مُنصف مزاج مورّخ یہی نتیجہ نکالے گا۔ بلکہ ہر وہ شخص جو سوانح رسُول کی جُستجو کرے گا۔ لازماً اس کا ذہن فوراً ان اُمور کی طرف منتقل ہو گا۔

جہاں تک مسٹر مویر کا تعلق ہے تو انھوں نے اپنی کتاب کے دُوسرے حصہ میں استہزاء کے ساتھ تمام تاریخی مصادر کو جھُٹلایا ہے اور ان کے ان بیانات کی تردید کی ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ اہلِ کتاب ایک مبعُوث ہونے والے نبی کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ یہ روایات صحت پر مبنی نہیں۔ بلکہ یہ مورّخین کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ کیونکہ اگر مسٹر مویر ان روایات کو یا ان میں سے بعض کو صحیح مان لیں تو انھیں نبی کریم کی رسالت کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑتا ہے حالانکہ انھوں نے اپنی تمام مؤلفات میں یہی ثابت کرنے پر اپنا زورِ قلم صرف کیا ہے کہ آنحضرتؐ نبی نہ تھے بلکہ ایک ایسے شخص تھے جنھوں نے صرف اپنے اثر و نفوذ کو پھیلانے کی غرض سے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔

نبی اُمّی

حضرت عائشہؓ کی صحیح روایت کے مطابق آنحضرتؐ پر سب سے پہلے جو قرآنی آیت نازل ہوئی وہ "اِقرأ" تھی۔ یہی روایت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبید بن عمیرؓ سے مروی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہی روایت صحیح ہے جس پر سلف کے تمام جمہُور کا اتفاق ہے۔

آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میں قاری نہیں ہوں اس سے یہ مُراد تھی کہ میں ناخواندہ ہوں۔ کتابیں نہیں پڑھ سکتا۔ زجاج[1] کہتے ہیں کہ اُمّی اسے کہتے ہیں جو پیدائشی اَن پڑھ ہو۔ اس نے کوئی کتاب کسی سے نہ پڑھی ہو۔ پس وہ اپنی پیدائشی سرشت پر قائم ہو۔ قرآن کریم میں وارد ہے:-

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ۔ — بعض ان میں ان پڑھ ہیں جو کتاب نہیں سمجھتے بلکہ صرف کچھ تمنائیں رکھتے ہیں۔

پس اس آیت میں اُمّیین کے معنی ہیں وہ لوگ جو لکھنا پڑھنا بالکل ہی نہ جانتے ہوں۔

ابو اسحاق نے لکھا ہے۔ اُمّی کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنی پیدائشی جبلّت کی طرف منسوب ہو یعنی یہ کہ

[1] ایک مشہور نحوی کا نام ہے۔ م

وہ لکھ پڑھ نہ سکے۔ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری ہونے کی وجہ سے اُمّی کہلاتا ہے۔ کیونکہ لکھنا پڑھنا اکتسابی فعل ہے پس گویا وہ اس فطرت کی طرف منسوب ہوا جس پر اس کی ولادت ہوئی یعنی وہ ابتدائی کیفیت جس پر اُسے اس کی ماں نے جنم دیا ہو۔ اور عرب میں لکھنے کا فن اہل طائف میں پایا جاتا تھا جنھوں نے حیرہ والوں کے ایک شخص سے سیکھا تھا اور حیرہ والوں نے یہ فن انبار والوں سے حاصل کیا تھا۔

حدیث شریف میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد وارد ہے :۔

"ہم ایک ان پڑھ قوم ہیں۔ نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب کتاب۔"

عرب کو اُمّی اس لیئے کہا جاتا تھا کہ ان میں کتابت کا فن شاذ و نادر تھا پس عربی لغت میں اُمّی کے یہی معنی ہیں اور عرب اس کے یہی معنی سمجھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں فرمایا ہے :۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ	وہ لوگ جو ایک ان پڑھ صاحب کتاب نبی کا اتباع کرتے
الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ	ہیں جس کا ذکر وہ پہلے سے اپنی کتب تورات و انجیل
فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔	میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

دُوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ	آپ اس سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے نہ
وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ۔	اپنے ہاتھ سے اُسے لکھ سکتے تھے۔

امام فخر الدین رازی نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ "اکثر عرب لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور حضرت نبی کریمؐ بھی ایسے ہی تھے۔ اسی لئے آپ کو اُمّی کے لقب سے ملقّب کیا گیا۔ اہل تحقیق کا کہنا ہے کہ اس تشریح کے مطابق آپ کا اُمّی ہونا آپکے دُوسرے معجزات کے منجملہ ایک معجزہ تھا جس کی درج ذیل متعدّد وجوہ ہیں :۔

اوّل ۔ آنحضرتؐ صحابہؓ کے سامنے کتاب اللہ کی آیتیں یکے بعد دیگرے بغیر اس کے الفاظ و کلمات میں کسی تبدیلی کے مُنظّم طریق پر پڑھتے تھے اور ایک عربی خطیب اگر کوئی فی البدیہہ تقریر کرے پھر اس کا دوبارہ اعادہ کرے تو ضروری ہے کہ وہ اس کے کلمات میں کچھ نہ کچھ کمی بیشی کرے گا لیکن نبی کریمؐ باوجودیکہ لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے۔ پھر بھی خدا کی کتاب بغیر ادنیٰ کمی بیشی یا تغیر تبدّل کے بالکل صحیح تلاوت فرماتے تھے پس یہ آپ کا ایک معجزہ تھا۔ اللہ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے :۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ۝ ہم آپکو قرآن ایسا یاد کرادیں گے کہ پھر آپ اسے کبھی نہ بھولیں گے

دوم۔ اگر آنحضرتؐ اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتے تو آپ پر یہ تہمت عائد ہوسکتی کہ شاید آپ نے پہلے علماء کی کتابیں مطالعہ کر کے یہ علوم حاصل کر لیے ہوں گے لیکن جب آپ بغیر کسی تعلیم و مطالعہ کے یہ عظیم قرآن لے کر آئے جو بہت سے علوم پر مشتمل ہے تو یہ یقیناً آپ کا ایک معجزہ تھا۔ حق تعالیٰ کے اس قول سے یہی مراد ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ چونکہ آپ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے نہ
وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ لکھ سکتے تھے اس لئے اب آپ کو جھٹلانے والے
الْمُبْطِلُوْنَ ۝ تردد میں پڑ گئے۔

سوم۔ لکھنے کی تعلیم سہل ہے کیونکہ تھوڑی سی ذہانت والے تھوڑی سی کوشش سے لکھنا سیکھ لیتے ہیں لیکن آپ کا لکھنا نہ سیکھنا بظاہر سمجھ میں حد درجہ کمی کو بتاتا ہے۔ پھر بھی حق تعالیٰ نے آپ کو اگلوں پچھلوں کے تمام علوم بتا دیئے اور آپ کو وہ حقائق و معارف عطا فرما دیئے جن کی تہ تک کوئی بشر بھی نہ پہنچ سکا اور آپ میں عقل و فہم کی اتنی عظیم قوت کے باوجود آپ کو ایسا اُمّی رکھا کہ آپ نے لکھنا بھی نہ سیکھ لیا جسے تھوڑی سی عقل و فہم والا معمولی آدمی بھی بہت آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔ پس ان دو مختلف حالتوں کا یکجا جمع ہو جانا گویا ایک قسم کا اجتماعِ ضدّین ہے۔ پس لامحالہ یہ ایک خلافِ عادت واقعہ اور معجزاتِ نبوّت کے درجہ میں ہے۔

میں نے یورپین مُصنّفین کی ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جنھوں نے نبی کریمؐ کے حالات زندگی لکھتے ہوئے اس بحث کو چھیڑا ہے۔ میں نے ان کی تحریرات میں بہت گڑبڑ دیکھی ہے۔ چنانچہ جرمنی کے پروفیسر نولدکہ نے اپنی کتاب "تاریخ قرآن" میں ایک باب باندھا ہے "کیا نبی لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے" اس بحث میں وہ کسی یقینی رائے پر نہیں پہنچے۔ بلکہ انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ قرآن میں جو اُمّی کا لفظ مذکور ہے وہ اس بات کو نہیں بتاتا کہ نبی کریمؐ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ قدیم آسمانی کتب پڑھے ہوئے نہ تھے۔ اور تاریخ، قرآن اور حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریمؐ سرے سے لکھنا پڑھنا ہی نہ جانتے تھے۔ باوجودیکہ بعض مُستشرق[1] کسی دلیل کے بغیر اس کے برخلاف ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی اپنی سمجھ سے نتائج اخذ کرتے ہیں تاکہ وہ

[1] مستشرق۔ وہ یورپین اہل علم جو مشرقی زبانوں کے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ م

اپنی عقل و فہم کے مطابق آپ کے اُمّی ہونے کے متعلق جو چاہیں تعجب خیز رائے قائم کریں لیکن ان پر لازم ہے کہ وہ اس امر کا اقرار کرلیں کہ آنحضرتؐ لکھنا پڑھنا بالکل نہ جانتے تھے۔ کتابؒ قاموس الاسلام[1] میں مذکور ہے :۔

ان تمام روایات کے باوجود ہماری صحیح تحقیق یہی ہے کہ نبی کریم دانستہ اپنے ان پڑھ ہونے کو ظاہر کرتے تھے (حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا) تاکہ قرآن کریم کی تحریرات کو معجزہ قرار دے دیں۔ کیا اس سے بڑھ کر اور کوئی نادانی ہو سکتی ہے؟ اگر حضرت رسول اللہ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو آپ کے صحابہ یا مخالفین اس کا ذکر ضرور کرتے۔ یہ ناممکن تھا کہ زندگی بھر یہ راز راز ہی رہتا۔ خاص کر جبکہ صحابہؓ کرامؓ نے آنحضرتؐ کے تمام حالات و معمولات حتّٰی کہ ازواجِ مطہرات سے آپ کے گھریلو معاملات تک کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ مزید برآں خود یورپ کے مُصنّفین اور فلاسفہ نے بھی آپ کے اُمّی ہونے کا اقرار کیا ہے۔ منجملہ ان کے درج ذیل عبارت ہے جسے مُوسیو سیدیو (فرانسیسی) نے اپنی کتاب "تاریخ عرب" جزو اول صفحہ ۵۹ طبع ثانی میں لکھا ہے :۔

رسُول اللہؐ اپنے دوسرے ہم وطنوں کی طرح غیر تعلیم یافتہ تھے اور پڑھنا بالکل نہ جانتے تھے۔

انگریز فلسفی طوماس کارلائل نے اپنی تصنیف "کتاب الابطال" مترجمہ علامہ محمد سباعیؒ میں لکھا ہے :۔

پھر ہمیں ایک اور بات نہ بھولنی چاہیئے۔ وہ یہ کہ محمدؐ نے کبھی کسی اُستاد سے کچھ نہیں پڑھا اور اس زمانہ میں ملک عرب میں کتابت کا فن نیا نیا رائج ہوا تھا۔ اور دلائل سے مجھ پر یہ منکشف ہوا ہے کہ صحیح حقیقت یہی ہے کہ محمدؐ لکھنا پڑھنا بالکل نہ جانتے تھے۔ آپ کی واقفیت بس جنگل کی زندگی اور جنگل کے حالات تک ہی محدود تھی۔

کانٹ ہنری دی کاستری کی تالیف "کتابُ الاسلام" مترجمہ احمد فتحی زاغلول پاشا مرحوم میں یہ عبارت درج ہے۔ یہ امر محقق ہے کہ حضرت محمدؐ نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا۔ بلکہ جیسا کہ انھوں نے متعدد مرتبہ خود اپنے متعلق فرمایا ہے۔ وہ ایک اُمّی نبی تھے۔ یہ آپ کا ایسا وصف تھا جس میں آپ کے معصروں میں سے کوئی آپ کا مدِ مقابل نہ تھا۔

بلاشبہ مشرقی ملکوں میں یہ امر محال ہے کہ وہاں کا کوئی شخص اس طرح خفیہ تعلیم حاصل کرے کہ کوئی

---

[1] ایک مستشرق کی تصنیف ہے۔ م

اس پر مطلع نہ ہو سکے۔ کیونکہ مشرقی لوگوں کی پوری زندگی کھلم کھلا سب کے سامنے رہتی ہے۔ اس کے علاوہ اس دور میں عرب ملکوں میں تعلیم کا سرے سے رواج ہی نہ تھا۔

چونکہ حضرت رسول اللہؐ اُمی تھے اس لیے آپ کو ہمیشہ کاتبوں کی ضرورت رہا کرتی جو آپ کی طرف سے لکھا کرتے تھے۔ حافظ ابوالقاسم نے "تاریخ دمشق" میں ان کاتبوں کے نام صحیح اسناد سے لکھے ہیں۔ ان کاتبوں کے ناموں کی فہرست درج ذیل ہے:۔

حضرت ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان، علی، زبیر، ابی بن کعب بن قیس، زید بن ثابت، معاویہ بن ابی سفیان، محمد بن مسلمہ، ارقم بن ابی الارقم، ابان بن سعید بن عاص، ان کے بھائی خالد بن سعید، ثابت بن قیس، حنظلہ بن ربیع، خالد بن ولید، عبداللہ بن ارقم، عبداللہ بن زید بن عبد ربہ، علاء بن عتبہ، مغیرہ بن شعبہ، سجل، رضی اللہ عنہم۔

بعض دوسرے مصنفین نے شرجیل بن حسنہؓ کے نام کا بھی اضافہ کیا ہے۔ مورخین نے یہ بھی کہا ہے کہ ان سب میں زیادہ لکھنے والے حضرت زید بن ثابت اور معاویہؓ تھے۔

قریب میں غزوۂ احد کے واقعات میں بیان ہوگا کہ حضرت عباسؓ مکہ میں تھے کہ آپ نے آنحضرتؐ کے نام ایک عریضہ لکھا جس میں آنحضرتؐ کو قریش کے اجتماع اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی اطلاع دی تھی اور اس عریضہ کو بنو غفار کے ایک شخص کے ہاتھ ارسال خدمت کیا تھا۔ جب یہ تحریر آنحضرتؐ کے پاس پہنچی تو آپ نے اس کی مہر توڑ کر اسے ابی بن کعب کے ہاتھ میں دیا۔ جنھوں نے اسے آپ کو پڑھ کر سنایا۔ آپ نے سن کر ابی کو ہدایت فرمائی کہ وہ اس خبر کو کسی پر افشا نہ کریں۔ پس اگر آنحضرتؐ پڑھنا جانتے تو راز کی خبروں پر مشتمل خط کو کسی دوسرے کو پڑھنے کے لیے نہ دیتے۔

زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ پس جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو کسی کو بھیج کر مجھے طلب فرما لیتے اور میں حاضر ہو کر وحی کو قلمبند کیا کرتا تھا۔

اور ابن ماکولا نے بیان کیا ہے کہ تمیم بن جراشہ ایک وفد کے ساتھ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ میں ثقیف کے وفد میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہم سب آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ ہمیں اپنی طرف سے ایک تحریر لکھ دیں جس میں اسلام سے متعلق ضروری شرائط درج ہوں۔ آپ نے فرمایا، تم اپنی طرف سے جو مناسب

ہو لکھ لو۔ پھر وہ تحریر میرے پاس لے آؤ۔ ہم نے حضرت علیؓ سے ایک تحریر لکھنے کی درخواست کی جس میں ہمارے لئے سُود اور زنا کو حلال کر دیا گیا ہو۔ حضرت علیؓ نے ایسی عبارت لکھنے سے انکار کر دیا۔ پھر ہم نے خالد بن سعید بن عاص سے ایسی ہی اِستدعا کی تو حضرت علیؓ نے ان سے سوال کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو کیا لکھنا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جو کچھ یہ اہلِ وفد کہیں گے وہ سب لکھ دوں گا۔ پھر آنحضرتؐ کو اختیار ہے۔ چنانچہ ان سے لکھوا کر ہم وہ تحریر آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گئے۔ آپؐ نے پڑھنے والے سے فرمایا۔ اسے پڑھ کر سناؤ۔ جب وہ سُود کے بیان پر پہنچے تو آپؐ نے فرمایا۔ میری اُنگلی اس جگہ رکھ دو۔ چنانچہ آپؐ نے اس جگہ اُنگلی رکھ کر یہ آیت پڑھی:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور تمہارا زمانۂ جاہلیت کا جو سُود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔

پھر آپؐ نے اس عبارت کو مٹا دیا۔ اس پر ہمارے دل مُطمئن ہو گئے اور ہم نے آپؐ سے اس موضوع پر پھر کچھ عرض نہیں کیا۔ جب پڑھنے والا زنا کے مضمون پر پہنچا تو آپؐ نے اس جگہ پر اپنی اُنگلی رکھوا کر فرمایا:۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً

اے لوگو تم زنا کے قریب بھی مت بھٹکو کیونکہ یہ بڑا فحش کام ہے۔

پھر آپؐ نے اسے بھی مٹا دیا اور اس ترمیم شدہ تحریر کو ہمیں لکھ کر دینے کا حکم دیا۔

بعض مُستشرقین نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ "نبی کریمؐ قدیم دینی کتابیں پڑھ لیا کرتے تھے اور انھیں سے آپؐ نے اپنی معلومات میں استفادہ کیا تھا"۔ لیکن اس خیال کی کوئی بُنیاد نہیں ہے اس لئے کہ اس وقت جزیرۂ عرب میں عربی زبان میں مذہبی کتب کا ذخیرہ بھی موجود نہ تھا اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ آنحضرتؐ کوئی ایک بھی غیر عربی لُغت نہیں جانتے تھے۔

مخالفین کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ "آنحضرتؐ نے تجارتی اغراض سے سفرِ شام کے دَوران بعض مسیحی تعلیمات سے استفادہ کیا تھا"۔ لیکن یہ امر بدیہی ہے کہ ایک عربی تاجر جو آرامی اور یُونانی لُغت نہیں جانتا تھا اُسے شام کے مسیحیوں سے دینی معلومات حاصل کرنا دُشوار تھا اور جو لوگ ان مسیحین سے عربی میں بولتے تھے وہ اَن پڑھ اور جاہل تھے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ ورقہ بن نوفل نے مسیحی کتابوں کے کچھ حصہ کا عربی میں ترجمہ کیا تھا تو یہ بالکل غلط ہے۔ اس کے باوجود ورمنگم نے اپنی کتاب "حیاتِ محمدؐ" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ورقہ نے انجیلوں کا

عربی میں ترجمہ کیا تھا۔" مگر اس خیال کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہے یہ محض ان کا ذاتی گمان ہے اور بس۔

پس جن مستشرقین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ انھوں نے ان آیتوں کی طرف سے اپنی آنکھیں بالکل بند کر لیں جن میں آپ کے اُمّی ہونے کی صراحت موجود ہے ان کا یہ خیال اس لئے ہے کہ انھوں نے قرآن کو معجز بیان، گزشتہ اُمتوں کے واقعات پر مشتمل اور ایک عظیم الشان شریعت کا حامل پایا۔ جس کی پیش کردہ شریعت دوسری تمام شریعتوں پر فوقیت لے گئی جس میں بہترین نصیحتیں اور عجیب و غریب مثالیں اور حکمتیں درج ہیں حالانکہ موجودہ زمانہ والے بھی علوم و فنون کی ترقی اور جامعات کی کثرت کے باوجود بنی نوع انسان کے لئے اسلامی شریعت جیسی کوئی شریعت لا سکے اور نہ قرآن میں بیان فرمودہ اخلاق و آداب جیسے اخلاق و آداب ہی بیان کر سکے۔ یہ امر ان پر شاق گزرا اور وہ حیرت زدہ رہ گئے اور دلوں میں کہنے لگے کہ محمدؐ کے پاس تمام علوم کا ذخیرہ کہاں سے آ گیا اور بھلا ایسا شخص اَن پڑھ کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ اُمّی ہونا آپ کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے اور آنحضرتؐ پر (ان معلومات کی حامل) وحی نازل ہوتی تھی تو وہ اسے ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ کیونکہ اگر وہ آپ پر نزولِ وحی کو صحیح مان لیں تو پھر اس گھٹن سے نکلنے کے لئے ان پر آپ کی رسالت کی تصدیق لازمی ہو جاتی ہے۔ انھوں نے اس مقصد کے لئے آپ کے اُمّی ہونے سے صاف انکار کر دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور قدیم کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ تاریخ ان کے اس خیال کی تائید نہیں کرتی۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے ہمعصروں نے آپ کے اُمّی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اور یہ امر اس سلسلہ میں قرآن کریم کے بیان کے عین مطابق ہے تو انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضرت محمدؐ اپنی تعلیمی حالت کو پوشیدہ رکھتے اور اصل حقیقت کو تمام لوگوں یہاں تک کہ اپنی ازواج، اولاد اور تمام صحابہ تک سے چھپاتے تھے۔ لیکن ان کا یہ قول نہایت مضحکہ انگیز ہے۔ کیونکہ جو لکھتا پڑھتا ہے ضروری ہے کہ اسے کوئی نہ کوئی بلکہ بہت سے لوگ ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس کا چھپانا ناممکن ہے۔ جیسے کھانے پینے کا چھپانا ناممکن ہے۔

پس یہی امر واقعہ ہے، اور یہی ہمارا عقیدہ ہے، اور سیرت محمدیہ اور شریعتِ اسلامیہ کے ہر محقق کو بھی یہی عقیدہ رکھنا چاہیے۔

وحی کا انقطاع

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ[1] کی وہ حدیث نقل کی گئی ہے جس میں آپ نے وحی کے

[1] حضرت جابرؓ نابینا ہو گئے تھے۔ آپ کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی۔ مدینے میں وفات پانے والے آپ آخری صحابی تھے۔ آپ سے بخاری میں نوے احادیث مروی ہیں۔

انقطاع کے متعلق بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے :-

"میں چلا جارہا تھا کہ یکایک میں نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی۔ میں نے اوپر نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر مجھ پر دہشت طاری ہوگئی۔ میں فوراً گھر لوٹا اور گھر والوں سے کہا۔ مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اڑھا دو۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

اے کملی والے اُٹھ اور قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرا۔ اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک صاف رکھ اور بتوں سے بے تعلق رہ۔

اس کے بعد آپؐ کے پاس مسلسل وحی آتی رہی۔

ابنِ اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ پر نزولِ قرآن کی ابتدا ماہِ رمضان میں ہوئی تھی۔ جیسا کہ آیاتِ ذیل میں درج ہے :-

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ

رمضان کا مہینہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل فرمایا گیا۔ جو لوگوں کے لئے سر تا سر سرچشمہ ہدایت اور حق و باطل میں فرق و امتیاز کرنے والی یقینی دلیل ہے۔

نیز دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰۤىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

بلاشبہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور آپ کو کچھ معلوم بھی ہے شب قدر کیا چیز ہے۔ سنیئے! شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر و افضل تر ہے۔ اس شب میں فرشتے اور روح القدس (جبریل علیہ السلام) اپنے رب کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (زمین پر) اُترتے ہیں۔ یہ شب سر تا سر سلامتی کی رات ہے اور یہ طلوع فجر تک رہتی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے :-

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ

حٰمٓ۔ اس واضح کتاب کی قسم ہے کہ ہم نے اسے الوح

اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ○ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ○ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ○

محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک مبارک رات (شب قدر) میں نازل کیا ہم (اس کے ذریعہ) لوگوں کو ہر خیر و شر سے آگاہ کرنے والے ہیں۔ اس شب میں ہر حکیمانہ معاملہ ہمارے سامنے پیش ہو کر ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے اور ہم ہی آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجنے بھیجنے والے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے:۔

اِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا يَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ

اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے اور ہم نے اپنے خاص بندے (محمد رسول اللہ) پر حق و باطل کے فیصلے (بدر) کے دن اور دونوں لشکروں کے اجتماع کے دن جو کچھ نازل کیا اس پر ایمان لے آئے ہو۔

یہ وہ دن ہے جس دن حضرت رسول اللہؐ اور مشرکین مقام بدر میں ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوئے تھے۔ اس روز رمضان کی سترہ تاریخ جمعہ کا دن اور صبح کا وقت تھا۔ جب وحی آنی بند ہو گئی تو نبی کریمؐ بہت رنجیدہ رہنے لگے۔ حتیٰ کہ آپ نے چند مرتبہ شدت غم سے پہاڑ کی چوٹی سے خود کو گرا کر ہلاک کرنے کا قصد کیا۔ چنانچہ آپ جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر وہاں سے خود کو نیچے گرانے کا قصد کرتے اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام نمودار ہوتے اور عرض کرتے کہ اے محمدؐ! بلاشبہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اس یقین دہانی پر آپ کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا اور آپ کو قرار آجاتا۔

ابن اسحاق کی تحقیق کے مطابق انقطاع وحی کی کل مدت تین سال رہی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ پر سورۂ والضحیٰ لے کر نازل ہوئے جس میں حق تعالیٰ نے آپ کے لئے قسم کھائی تھی اور خدا نے ان کلمات کے ذریعہ آپ کی عزت افزائی فرمائی کہ "نہ تو اس نے آپ کو نظر انداز کیا ہے اور نہ ہی آپ کی کوئی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہوا۔

وَالضُّحٰى ○ وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰى ○

دن کی روشنی کی قسم اور رات کی قسم جب سکون و سناٹا ہو جاتا ہے نہ خدا نے آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے اسے کوئی بغض و کدورت پیدا ہوئی۔ آپ کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ عنقریب

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ	آپ کا رب آپ کو بیشمار نعمتیں عطا فرمائے گا کہ آپ خوش
فَتَرْضٰى ○ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا	ہو جائیں گے۔ کیا اللہ نے آپ کو یتیم پاکر آپ کے لئے ٹھکانا
فَاٰوٰى ○ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا	نہیں بنایا۔ اور کیا آپ کو شریعت سے بے خبری کے بعد
فَهَدٰى ○ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا	شریعت کا سیدھا راستہ نہیں بتایا اور آپ کو مفلس پاکر
فَاَغْنٰى ○	مالدار نہیں بنایا۔

اس سورت میں حق تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا ہے کہ خدا نے نہ تو آپ سے قطع تعلق کیا ہے۔ نہ ہی آپ سے کوئی بغض رکھا ہے۔

روایت ہے کہ آپ پر وحی نازل ہونے میں دیر ہوئی تو مشرکین نے ازراہِ تمسخر کہا کہ محمدؐ کے خدا نے اسے چھوڑ دیا ہے اور اب وہ اس سے بغض رکھنے لگا ہے۔ پس ان کی تردید کے لئے یہ سورت نازل ہوئی جس میں مزید برآں آپ کو یہ بشارت دی گئی تھی۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ یقیناً آپ کے لئے آخرت دُنیا سے کہیں بہتر ہے۔

کیونکہ وہ ابد تک باقی رہنے والی اور تمام مکروہات سے مبرا ہے اور دُنیا فنا ہونے والی اور نقصان دہ اور نہایت اذیت رساں بلاؤں سے گھری ہوئی ہے۔

سب سے پہلی ہستی جو آنحضرتؐ پر ایمان لائی

آزاد بالغ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ آنحضرتؐ پر ایمان لائے۔ لڑکوں میں حضرت علیؓ۔ خواتین میں حضرت خدیجہؓ۔ آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ، غلاموں میں حضرت بلال بن رباح حبشیؓ۔

محدثین و علماءِ تاریخ نے کہا ہے کہ آپ پر مطلقاً سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہؓ کی تھی۔ جن کے ساتھ آنحضرتؐ نے دوشنبہ کی شام کو نماز پڑھی تھی اور وہی آپ کی نماز کا پہلا دن تھا۔ اس وقت نماز صرف دو وقت کی تھی۔ چنانچہ دو رکعتیں فجر میں اور دو عشا کے وقت ادا کی جاتی تھیں۔

اور حضرت علیؓ اسلام قبول کرتے وقت نابالغ تھے۔ آپ کی عمر اس وقت دس سال کی تھی۔

آپ وحی کی ابتدا سے قبل آنحضرتؐ ہی کے پاس رہا کرتے تھے۔ آپ ہی آنحضرتؐ کو کھانا کھلایا کرتے اور آپؐ کے تمام کام سر انجام دیا کرتے تھے۔ آپ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ عنقریب آپ کے حالاتِ زندگی کے بیان کے موقع پر آپ کے اسلام لانے کا سبب بھی بیان کیا جائے گا۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد پہلے اسلام لانے والی دیگر خواتین کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

حضرت اُمِّ ایمن، حضرت عباسؓ کی اہلیہ حضرت اُمِّ فضل، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت اُمِّ جمیل، حضرت عمر بن خطابؓ کی ہمشیرہ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہن۔

○

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اور آپ کے اسلام لانے کا واقعہ

آپ کا نام و نسب عبداللہ بن ابی قحافہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ ۵۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ سب سے پہلے خلیفہ ہوئے۔ آپ کی والدہ کا نام و نسب ام خیر سلمٰی بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ ہے۔ آپ ابو قحافہ کے چچا کی لڑکی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ آنحضرتؐ کے غار اور ہجرت کے ساتھی رہے اور آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔ آپ نے نبی کریمؐ سے احادیث بیان کی ہیں اور حضرات عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، حذیفہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کے اصلی نام میں اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ آپ کا نام عبدکعبہ تھا۔ پھر آنحضرتؐ نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ ایک روایت ہے کہ انکے بزرگوں نے ہی ان کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ ایسا ہونا کچھ بعید نہیں۔ اس لئے کہ اسلام سے پہلے عبداللہ نام رکھنے کا رواج پایا جاتا تھا۔ آپ کو عتیق بھی کہا جاتا تھا۔ اس کا سبب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ کے حسنؑ و جمال کی وجہ سے آپکو یہ لقب دیا گیا۔

لیث بن سعد اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگوں کی یہی تحقیق ہے اور حضرت زبیر بن بکار اور ان کے ساتھ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ آپ کو یہ لقب اس لئے دیا گیا کہ آپ کے حسب و نسب میں کوئی نقص و عیب نہ تھا۔ ایک روایت عتیق نام سے متعلق یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے آپ کو فرمایا تھا کہ "تم خدا کی طرف سے دوزخ سے آزاد کر دیئے گئے ہو" اسی دن سے آپ کا نام عتیق پڑ گیا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا "تم دوزخ سے آزاد ہو" اسی دن سے آپ کا نام عتیق پڑ گیا۔ آپ کا ایک لقب "صدیق" بھی تھا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرتؐ کو شب معراج میں مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ اور آپ نے صبح کو لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ پر ایمان لانے والے لوگ اس واقعہ کا انکار کر کے شک و شبہ میں مبتلا ہو گئے لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا میں آپ کی اس سے بھی کہیں زیادہ بعید از قیاس بات

م ۱ لغت میں عتیق کے معنی حسن خوش منظری کے بھی آتے ہیں۔ م ۲ عتق کے کئی لغوی معنی ہیں حسن جمال غلامی سے آزادی۔ بے عیبی وغیرہ۔ م

کی تصدیق کرنے کو تیار ہوں۔ آپ نے آسمان کی سیر سے متعلق جو بھی خبر دی ہے خواہ وہ صبح میں ہو یا شام میں ہیں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اس بنا پر آپ کا لقب صدیق پڑ گیا۔

حضرت ابُو محجن ثقفی نے اس سلسلہ میں اشعارِ ذیل کہے ہیں :۔

وسميت صديقا وكل مهاجر سواك يسمى باسمه غير منكر

آپ کا لقب صدیق رکھا گیا جبکہ آپ کے سوا دوسرے تمام مہاجرین کسی تبدیلی کے بغیر اپنے پُرانے ناموں سے ہی موسوم کئے جاتے رہے

سبقت الى الاسلام والله شاهد وكنت جليسا فى العريش المشهر

خدا گواہ ہے کہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے جبکہ آپ ابھی چھپر کے مکان میں ہی سکونت پذیر تھے۔

حضرت ابُوبکرؓ آنحضرتؐ کی نبوت سے پہلے سے آپ کے دوست تھے۔ آنحضرتؐ عمر میں ان سے تین سال چھوٹے تھے اور حضرت ابُوبکر بحضرت آنحضرتؐ کے گھر آمد و رفت رکھتے اور آپ سے باتیں کیا کرتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ آپ کی کُنیت ابُوبکر اس لئے پڑی کہ آپ شروع ہی سے اوصافِ حمیدہ کے حامل تھے۔ جب اسلام لے آئے تو اپنے مال و جان ہر چیز سے اللہ کے دین کی مدد اور تقویّت کے لئے آنحضرتؐ کی مدد کرتے رہے۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ آپ نے وہ رقم اور تجارت سے کمائی ہوئی تمام رقم خدا کی راہ میں خرچ کر دی۔ اسی پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي — آخرت میں وہ شخص دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا جو اپنے نفس

مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ — کو پاکیزہ بنانے کے لئے اپنا سب مال خدا کی راہ میں لُٹا دیتا ہے

مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۝ — حالانکہ اس پر کسی کا کوئی احسان نہ تھا جس کا اسے بدلہ اتارنا ہو۔

تمام مفسرین قرآن اس پر متفق ہیں کہ اس آیت سے مُراد حضرت ابُوبکرؓ ہیں۔

بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی تھی لیکن امام فخر الدین رازیؒ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب بعض لوگوں نے میرے سامنے یہ دعویٰ کیا تو میں نے کہا کہ میں اس بات پر عقلی دلیل دے سکتا ہوں کہ اس آیت سے مُراد حضرت ابُوبکرؓ ہیں۔ آپ کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں اتقیٰ سے مُراد افضل مخلوقات ہے اور جب بات یہ ہو تو لامحالہ اس سے صرف حضرت ابُوبکرؓ کی ذات ہی مراد ہو گی۔ پس جب یہ دونوں مُقدمے صحیح قرار پائے تو ہمارا دعویٰ بھی صحیح ثابت ہو گیا۔ کیونکہ اُمت

محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد مخلوق میں سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں یا حضرت علیؓ لیکن اس آیت کو حضرت علیؓ پر محمول کرنا ممکن نہیں۔ پس اس کا حضرت ابوبکرؓ کی ذات پر محمول کرنا متعین ہو گیا۔

رہی یہ بات کہ اس آیت کو حضرت علیؓ پر محمول کرنا کیوں ممکن نہیں۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے اس اتقیٰ کی صفت میں فرمایا ہے (وما لاحد عندہ من نعمة تجزٰی) اور یہ وصف حضرت علیؓ پر صادق نہیں آتا۔ کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے زیر پرورش رہے ہیں۔ نیز اس لئے کہ آنحضرتؐ نے انھیں ان کے والد سے مانگ لیا تھا اور آپ ہی ان کے لباس و خورونوش اور تربیت کے کفیل تھے۔ پس رسول اللہؐ کے حضرت علیؓ پر احسانات تھے جن کا بدلہ انھیں اتارنا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ کوئی نبی کریمؐ کا ان پر کوئی دنیوی احسان نہ تھا بلکہ خود حضرت ابوبکرؓ اپنا مال آنحضرتؐ پر صرف کیا کرتے تھے۔

بے شک آنحضرتؐ کا حضرت ابوبکرؓ پر دینی رشد و ہدایت کا احسان تھا لیکن اس کا انھیں کوئی بدلہ دینا نہ تھا جیسا کہ حق تعالیٰ نے صراحت فرما دی ہے۔

مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ — آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دین کی تبلیغ کے سلسلہ میں میں تم سے کسی معاوضہ کا خواہاں نہیں۔

اس آیت میں جس احسان کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مطلق احسان نہیں بلکہ وہ احسان ہے جس کا بدلہ اتارا جائے۔ ان امور سے ہمیں یقین ہو گیا کہ اس آیت کا انطباق حضرت علیؓ پر نہیں ہوتا۔

زمانہ جاہلیت میں حضرت ابوبکرؓ کا شمار سرداران قریش میں ہوتا تھا۔ آپ قریش کے محبوب و ہر دلعزیز سردار تھے۔ زمانہ جاہلیت میں قوم کی طرف سے مجرمین پر دیت و خونبہا عائد کرنے کا کام انہی کے سپرد تھا اگر وہ کسی پر دیت یا ضمان متعین کرتے تو قریش اسے صحیح تسلیم کرتے اور ان کی اور ان کے نائب کی طے کردہ دیت کو جاری کر دیتے اور آپ کے سوا کوئی دوسرا اس کا فیصلہ کرتا تو اسے رد کر دیتے اور اسے تسلیم نہ کرتے۔

جب اسلام کا ظہور ہوا تو یہ سب سے پہلے اسلام لائے اور ان سے محبت رکھنے اور ان کی طرف دل سے مائل ہونے کی بنا پر ایک جماعت آپ کے ہاتھوں مشرف باسلام ہو گئی۔ حتیٰ کہ ہر دس میں سے پانچ آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ آپ سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔

شعبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟ فرمایا حضرت ابوبکرؓ نے۔ کہا تم نے حضرت حسانؓ کے یہ اشعار نہیں سُنے :-

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقۃ ۔ فاذکر اخاک ابا بکر بما فعلا

جب تو کسی معتبر بھائی سے کسی طربیہ محفل کا تذکرہ سُنے تو اپنے بھائی ابوبکرؓ کے کارناموں کو یاد کر لیا کر۔

خیر البریۃ اتقاھا و اعلاھا بعد النبیّ واوفاھا بما حملا

وہ نبی کریمؐ کے بعد تمام مخلوق میں سب سے بہتر سب سے زیادہ متقی سب سے ارفع و اعلیٰ اور اپنی ذمہ داریوں کو سب سے زیادہ پُورا کرنیوالے ہیں

والثانی التالی المحمود مشھدہٗ واول الناس قد ماصدّق الرسلا

وہ سب سے بڑی دوسری شخصیت ہیں جن کی مجلس مبارک و قابل ستائش ہیں۔ اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت رسولِ اکرمؐ کی نبوت کی تصدیق کی۔

حضرت ابوبکرؓ قریش کے حسب نسب اور ان کی نسبی بُرائیوں بھلائیوں کے تمام عرب سے زیادہ واقف تھے۔ آپ بہت متموّل تاجر، نہایت کریم النّفس، شائستہ مجلس والے اور خوابوں کی تعبیر کے فن کے ماہر تھے آپ جب مُشرّف باسلام ہوئے تو دُوسرے لوگوں کو بھی اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی۔

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میں نے جس کو بھی اسلام کی طرف بُلایا۔ اس کے قلب میں ابتداءً کچھ تردُّد، کچھ نظر و فکر اور کچھ غبار ضرور پیدا ہوا۔ بجز حضرت ابوبکرؓ کے کہ میں نے جونہی انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے بغیر کسی تردّد و تاخیر کے فوراً اسے قبول کر لیا۔ اور آیت ذیل حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی کی شان میں نازل ہوئی :-

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ط اے پیغمبر! آپ اپنے کاموں میں صحابہ سے مشورہ کر لیا کیجئے۔

پس حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے وزیر کے درجہ میں تھے اور آنحضرتؐ ان سے ہر معاملہ میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ جب قریش کی اذیت رسانی انتہا کو پہنچ گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے مہاجر صحابہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی بلکہ آپ آنحضرتؐ کے ساتھ ہی رہے۔ آپ نے اپنے تمام متعلقین کو مکّہ ہی میں چھوڑ کر آنحضرتؐ کی ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ تین دن تک آپکے ساتھ غار میں پناہ گزین رہے۔ اسی کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے :-

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ جب دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے تو ابوبکرؓ انھیں کے دوسرے

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحْزَنْ تھے اور وہاں حضرت پیغمبر اپنے ان ساتھی کو تسلی دے رہے تھے

اِنَّ اللہَ مَعَنَا کہ رنجیدہ نہ ہونا۔ کیونکہ بالیقین حق تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کو بتلاتی ہے کیونکہ حضرت رسول اللہؐ کو اگر ان کی ذات پر پورا پورا بھروسہ نہ ہوتا تو آپ ان کو ہجرت میں اپنے ساتھ نہ رکھتے اور خاص آپ کو اپنی رفاقت کے لئے منتخب نہ فرماتے۔ ہجرت کے موقعہ پر بجز حضرت ابوبکرؓ کے سب آنحضرتؐ سے جدا ہو گئے تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو دو میں کا دوسرا فرد قرار دیا۔ نبی کریمؐ آپ کا احترام اور عزت فرماتے اور دوسرے صحابہ کو آپ کے عظیم مرتبہ سے رُوشناس کراتے اور آپ کے سامنے آپ کی تعریف فرماتے تھے۔ نماز کی امامت میں آپ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔[1] آپ غزواتِ بدر، اُحد، خندق، بیعتِ[2] رضوان، خیبر، فتح مکہ، حُنین، طائف، تبوک اور حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر میں دُنیا میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو اپنا دوست بناتا۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ کعبہ کے پاس نماز ادا فرمارہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آکر اچانک زور سے آپ کا گلا دبا دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو اس حملہ سے نجات دلائی اور کہا "اے قوم! کیا تم ایک ایسی ہستی کو ہلاک کر ڈالنا چاہتے ہو جو یہ اعلان کرتی ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے"!

حضرت ابوبکرؓ نے سات غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا۔ جنھیں خدا کی راہ میں طرح طرح کے عذاب دیئے جارہے تھے۔ ان میں حضرت بلال اور حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی شامل تھے۔

جب حضرت ابوبکرؓ کی تعریف کی جاتی تو آپ کہا کرتے: "اے میرے خدا! تو مجھ سے زیادہ میرے نفس کو جانتا ہے اور میں خود مدح کرنے والوں سے زیادہ اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں اے اللہ! وہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتے ہیں تو مجھے اس سے بہتر اوصاف کا حامل بنانا اور میرے جن گناہوں سے وہ واقف نہیں ہیں تو انھیں بخش دینا اور جو کچھ وہ میرے متعلق کہتے ہیں تو مجھ سے اس کی بازپرس نہ کرنا۔"

آپ کی یہ دُعا محض آپ کے انکسار کی بنا پر تھی۔ ابو السفر کے درج ذیل بیان سے حضرت ابوبکرؓ

---

[1] یہ واقعہ آنحضرتؐ کی شدت بیماری کے موقع پر ہوا تھا۔ م

[2] بمقام حدیبیہ درخت کے نیچے صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی گئی تھی اسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ م

کی قوتِ ارادی پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ :۔

صحابہ حضرت ابوبکرؓ کی بیماری کے موقع پر عیادت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے خلیفۂ رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم آپ کے علاج کے لئے کسی طبیب کو بلا لائیں۔ ابوالسفر کا بیان ہے کہ آپ نے میری طرف دیکھا۔ حاضرین نے پوچھا کہ پھر آپ نے کیا فرمایا۔ کہا آپ نے یہ آیت پڑھ دی

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ — جو چاہوں وہ کر گزرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرتؐ نے ہمیں اپنے اموال فی سبیل اللہ صدقہ کرنے کو فرمایا۔ حسنِ اتفاق کہ اس وقت میرے پاس کافی سرمایہ تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ آج مجھے حضرت ابوبکرؓ پر سبقت لے جانے کا اچھا موقع حاصل ہے۔ پس میں اپنا نصف مال لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے متعلقین کے لئے کتنا رہنے دیا؟ میں نے عرض کیا اسی قدر ان کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔

پھر حضرت ابوبکرؓ اپنا تمام اثاثہ لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان سے سوال کیا کہ تم نے اپنے متعلقین کے لئے کیا چھوڑا ہے۔ عرض کیا۔ میں ان کے لئے فقط اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ اس پر میں نے دل میں کہا کہ میں ہرگز کبھی بھی کسی معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ پر سبقت نہ لے جاسکوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ کی منکسر المزاجی کا یہ عالم تھا کہ آپ محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ مفت دوہا کرتے تھے جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو محلہ کی ایک لڑکی نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ شاید اب ہماری بکریاں نہ دوہا کریں گے۔ یہ بات حضرت ابوبکرؓ نے سن لی اور فرمایا۔ میری عمر کی قسم ہے۔ میں ضرور تمہاری بکریاں دوہا کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ موجودہ منصبِ خلافت میرے سابق طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہ کرسکے گا۔ چنانچہ آپ منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد بھی اہلِ محلہ کے جانوروں کا دودھ نکال کر دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ اس لڑکی سے فرماتے کہ میں تمہارا دودھ بلو دوں یا اس پر سے بالائی اتار دوں؟ پس وہ جو کہتی آپ ویسا ہی کرتے۔

آج کل لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا دورِ تمدن، آزادی اور جمہوریت کا دور ہے لیکن اس دعویٰ کے باوجود تم ایک معمولی ملازم کو دیکھو گے کہ وہ لوگوں سے گفتگو تک کرنے یا ان کی ضروریات کو پورا کرنے کو اپنے لئے عار سمجھتا ہے۔

حضرت سالم بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ پر مرض الموت کا شدید حملہ ہوا تو آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو فرمایا:۔ اے لوگو! بلال کو کہو کہ وہ اذان دیں اور ابُوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس کے بعد ہی آپ پر پھر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہونے لگی تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہؐ! میرے باپ بہت رقیقُ القلب ہیں۔ اس لئے اگر کسی دُوسرے کو امامت کا حکم فرمائیں تو بہتر ہے۔ فرمایا۔ یقیناً تم حضرت یُوسف علیہ السّلام والی عورتیں ہو۔ اے لوگو! بلال سے کہو کہ اذان دیں اور ابُوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر جب آپ ہوش میں آئے تو فرمایا۔ کیا جماعت کھڑی ہوگئی؟ لوگوں نے عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا۔ کسی کو بُلاؤ جس کے سہارے میں جا سکوں۔ پس بریرہ خادمہ اور ایک دُوسرے صاحب حاضر ہوئے اور یہ دونوں آپ کو سہارا دے کر لے چلے کہ آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے اور آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے برابر لا بٹھایا۔ یہ محسُوس کر کے حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے انھیں روک دیا۔ حتّٰی کہ لوگ نماز سے فارغ ہوگئے۔

جب آنحضرتؐ کا وصال ہو گیا تو چونکہ اس سے قبل اس قوم میں کوئی نبی نہیں آیا تھا اور لوگ عام طور سے اَن پڑھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے پکار کر کہا۔ اگر کوئی بھی آپ کو مُردہ کہے گا تو میں اپنی تلوار سے اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ پس صحابہ نے سالم بن عبید سے کہا کہ جا کر آنحضرتؐ کے رفیق خاص کو بُلا لائیے۔ رفیق سے ان کی مُراد حضرت ابوبکرؓ تھے۔ میں گیا تو آپ کو مسجد میں پایا۔ میں آپ کے سامنے رونے لگا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ شاید آنحضرتؐ کا وصال ہو گیا۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت عمر کہہ رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص آپ کو مُردہ کہے گا تو میں تلوار سے اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ پس آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس طرف چل دیئے۔ جب وہاں پہنچے تو حاضرین نے آپ کے لئے جگہ چھوڑ دی۔ آپ آنحضرتؐ پر جُھک گئے۔ قریب تھا کہ آپ کا چہرہ آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک سے مس ہو جائے۔ آپ نے آنحضرتؐ کے سانس کو ٹٹولا اور آپ پر واضح ہو گیا کہ آنحضرتؐ وصال فرما چکے ہیں۔ تب آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ بلاشبہ آپکو موت آنے والی ہے اور دوسرے سب انسان بھی مرنے والے ہیں۔

صحابہ نے سوال کیا اے رسُول اللہؐ کے رفیق! کیا واقعی آنحضرتؐ کا وصال ہو گیا؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں تب سب کو آپ کی موت کا یقین ہُوا۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا وصال ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳ھ م ۲۳ اگست ۶۳۴ء)

جمعہ کے دن ہُوا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے آپکے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ آپ کا وصال آنحضرتؐ کے وصال سے دو سال چند ماہ بعد مدینہ منورہ میں ہُوا۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کا رنگ سفید تھا۔ جسم چھریرا، چہرہ پر بال کم اُگے تھے۔ دُبلے پتلے تھے، رخسار پچکے ہوئے۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہُوئی تھیں۔ پیشانی اُبھری ہوئی تھی۔ ہتھیلیاں رگوں سے صاف تھیں۔ آپ مہندی اور وسمہ کا خضاب استعمال فرماتے تھے۔

آپ سب سے پہلے اسلام لائے۔ آپکے والدین بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کو، آپکے والدین کو آپکے صاحبزادے کو اور آپکے پوتے کو آنحضرتؐ کی صُحبت کا شرف حاصل رہا ہے۔ آپ کی موت کے سبب میں اختلاف ہے ایک روایت یہ ہے کہ آپ کا وصال زہر کے اثر سے ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ ٹھنڈے موسم میں نہالئے تو اسکے اثر سے پندرہ دن تک مبتلائے بخار رہ کر وصال فرما گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ پر آنحضرتؐ کی جُدائی کا اثر شدید رہا اور آخر اسی صدمہ سے وصال فرما گئے۔

یہ حضرت ابوبکرؓ کے مختصر حالاتِ زندگی ہیں جو ہم نے آپکے اسلام لانے، آپ کی عظمتِ شان اور بلند منزلت کی مناسبت سے یہاں بیان کر دیئے۔ نیز اس لئے کہ آپنے آنحضرتؐ کی مدد کرنے میں اپنی پُوری توانائی صرف کر دی تھی۔ جس سے آپؓ کی آنحضرتؐ سے غایت درجہ وفاداری اور انتہائی اخلاص کا پتہ چلتا ہے۔

اور جیسا کہ بعض مُستشرقین کا گمان ہے۔ آپ کمزور نہ تھے بلکہ جری اور بہادر تھے اور محض اپنی شجاعت کی وجہ سے بڑے بڑے خطرات کو خاطر میں نہ لاتے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی تکالیف برداشت فرما لیتے تھے جیسا کہ ان کی سوانح حیات سے پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں پر کُفار کے شدید مظالم و ایذا رسانی کے باوجود آپنے مہاجرین کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی۔ جب آنحضرتؐ نے انھیں اپنے ساتھ (بجانب مدینہ) ہجرت کے لئے فرمایا تو آپکے فرطِ خوشی سے آنسو نکل آئے۔ آپ آنحضرتؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو غزوۂ اُحد کے نازک موقع پر آنحضرتؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

جب آنحضرتؐ کا وصال ہُوا تو لوگ (فرطِ غم سے) فکرِ سلیم کھو بیٹھے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ جیسے شخص نے علی الاعلان یہ کہہ دیا کہ آج جس نے یہ کہا کہ محمدؐ وفات پا گئے۔ میں اپنی اس تلوار سے اس کا سر قلم کر

دوں گا۔ اس نازک موقع پر حضرت ابوبکرؓ ہی وہ واحد شخص تھے جنھوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا۔ اور اس عظیم ترین مصیبت نے ان کی عقلِ سلیم میں کچھ خلل نہیں ڈالا۔ بلکہ آپ نے اس موقع پر یہ آیت پڑھی۔ "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" آنحضرتؐ کے وصال کے بیان کے موقع پر اس کی پوری تفصیل آئے گی۔ پس اگر (حسب رائے مستشرقین) ان واقعات کو کمزوری کہا جاتا ہے تو پھر قوت کسے کہا جائے گا؟

یہ صرف چند واقعات ہیں۔ باقی ہم نے بزمانۂ خلافت آپ کے عظیم الشان کارناموں کا یہاں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ (اس کے لئے مؤلف کی کتاب ابوبکرؓ صدیق کا مطالعہ کیا جائے)۔

یہ مستشرق یہ بھی کہتے ہیں کہ "حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کی اندھی تقلید کرتے تھے اور آپ عورتوں کی طرح کمزور دل اور بات بات پر رو دینے والے تھے۔" یہ بھی عجیب خیال ہے۔ بھلا آپ آنحضرتؐ کی کیسے تصدیق نہ کرتے جبکہ آپ کو یقین تھا کہ آپ سچے ہیں۔ جھوٹ کبھی نہیں بولتے۔ بلکہ آپ آنحضرتؐ کی سچائی کے دوسرے تمام لوگوں سے کہیں زیادہ واقف تھے۔ اس لئے کہ آپ مدتِ دراز تک آنحضرتؐ کی صحبت میں رہے۔ لامحالہ آپ کا آنحضرتؐ کی ہر بات میں آپ کی تصدیق کرنا آنحضرتؐ پر اعتمادِ کلی کی بنا پر تھا۔ اور اسی پختہ وثوق کی بنا پر آپ کو آنحضرتؐ کی کسی بات کو صحیح ماننے میں کوئی تردد و تامل نہ ہوتا تھا۔ اور اسی وجہ سے آپ آنحضرتؐ کے ساتھ سختیاں اور مصائب جھیلتے اور اسی بنا پر آپ نے آنحضرتؐ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنا تمام اثاثہ آپ پر قربان کر دیا تھا۔ اور یہی ایک عقلمند اور ذی ہوش کی شان ہوتی ہے کہ جب اس کا یقین مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جاتا ہے تو پھر وہ حق وصداقت کی مدد کی راہ میں پیش آنے والی سختیوں کی بالکل پروا نہیں کرتا۔

رہا آیاتِ قرآنی سننے پر ان کا رونا سو یہ تو آپ کے اخلاص کامل، تنورِ ذہنی اور اللہ کے کلام کو بخوبی سمجھنے کی قوی دلیل ہے کیونکہ کسی کلام کو جس قدر سمجھا جاتا ہے اسی قدر اس پر تاثر ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابوبکرؓ کے علم کی کثرت، عقل و فہم کی فراوانی اور زہد و انکساری پر سب ہی حضرات کا اتفاق ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے حکیمانہ مقولے

حضرت ابوبکرؓ کے مقولے درج ذیل ہیں:۔

○ سب سے زیادہ سمجھداری تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔ سب سے زیادہ حماقت فسق و فجور ہے۔ سب سے زیادہ سچائی امانت ہے۔ سب سے بڑا جھوٹ خیانت ہے۔ جب کسی شخص کے دل میں دُنیوی آرائشوں کا اہتمام جاگزیں ہو جاتا ہے تو اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ جب تک وہ ان خرافات کو ترک نہ کر دے۔

○ کاش میں وہ درخت ہوتا جس کا پھل کاٹ کر کھا لیا جاتا ہو۔ آپ نے اپنی زبان کا کنارا پکڑ کر فرمایا۔ یہی وہ ٹکڑا ہے جس نے مجھے ہلاکتوں میں ڈال دیا۔

○ اس بات میں کوئی خوبی نہیں جو خُدا کی رضا کے لئے نہ ہو اور نہ اس مال میں کوئی خُوبی ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے اور نہ اس شخص میں کوئی بہتری ہے جس کی جہالت اس کے تحمّل پر غالب ہو اور نہ اس میں کوئی بھلائی ہے جو خدا کی راہ میں (حق بات پر) ملامت کرنے والے کا خوف رکھتا ہو۔

○ ہم نے تقوٰی میں عظمت، یقین میں استغناء، تواضع وانکساری میں سربلندی پائی جس نے اللہ کے لئے اپنے نفس پر غلبہ پا لیا۔ اللہ اسے اپنے غضب سے محفُوظ رکھے گا۔

○ جو غفلت و لاپرواہی پر غالب آگیا۔ وہ مروت پر فائز ہو گیا۔

○ جس نے عاجزی کی حکمت کو سمجھ لیا۔ اس پر قُرب خداوندی کا حصُول آسان ہو گیا۔

○ فخر کرنے سے بچو، بھلا اسے فخر و بڑائی کا کونسا موقع ہے جو مٹّی سے پیدا ہُوا۔ پھر مٹّی کی طرف لوٹ جائے گا۔ جہاں اسے کیڑے کھا ڈالیں گے۔

○ اس بھلائی و نعمت میں کوئی خیر نہیں جس کا انجام دوزخ ہو۔ اور اس بُرائی میں کوئی بُرائی نہیں جس کا انجام جنّت ہو۔

○

حضرت علی ابنِ ابی طالب رضؓ کی زندگی اور آپکا قبولِ اسلام

علی بن ابی طالب رضؓ بن عبدالمطلب آنحضرتؐ کے عم زاد بھائی تھے ۶۰۰ء ۶۱۰ ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے۔ ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔ آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضؓ کے شوہر اور آپ کے داماد۔ امام حسن و حسین علیہما السلام کے والد بزرگوار ہیں۔ وہ پہلے ہاشمی ہیں جو ہاشمیوں کے گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ چوتھے خلیفہ اور بنو ہاشم میں کے پہلے خلیفہ ہیں۔ آپ اسلام قبول کرنے کے وقت نابالغ تھے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس وقت آپ دس سال کے تھے اور نزولِ وحی سے قبل آنحضرتؐ کی زیرِ کفالت تھے۔ کیونکہ قریش قحط و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا تھے۔ اور ابوطالب کثیر العیال اور کم آمدنی والے تھے اس لئے آنحضرتؐ نے حضرت علی رضؓ کو ان کے والد سے لے کر اپنے متعلقین میں شامل فرما لیا تھا۔ علیٰ ہٰذا حضرت عباس رضؓ نے حضرت جعفر رضؓ کو ان کے والد سے لے کر اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا تاکہ ابوطالب کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ حضرت جعفر رضؓ اپنے اسلام لے آنے اور حضرت عباس رضؓ کی مدد سے بے نیاز ہونے تک انہی کے پاس رہے۔

ان کے اسلام لانے کا یہ سبب ہوا کہ وہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ اور حضرت خدیجہ رضؓ دونوں ایک ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس پر انھوں نے سوال کیا یہ کیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ یہ اللہ کا وہ دین ہے۔ جسے اس نے اپنے لیے منتخب فرما لیا ہے۔ اور اپنے پیغمبروں کو یہ دین دے کر دنیا میں بھیجتا رہا ہے۔ پس میں تمھیں بھی خدائے وحدہٗ لاشریک کو ماننے، اس کی عبادت کرنے اور لات و عزیٰ کو ترک کر دینے کی دعوت دیتا ہوں۔ حضرت علی رضؓ نے عرض کیا۔ یہ ایک نئی بات ہے جسے میں نے اس سے قبل کبھی نہ سنا تھا۔ پس میں از خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک اپنے والد ابوطالب سے اس بارے میں گفتگو نہ کر لوں۔ چونکہ آنحضرتؐ اعلان نبوت سے قبل اس راز کے فاش ہونے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اس لیے آپ نے فرمایا۔ اے علی! اگر تم اسلام قبول کرنا نہیں چاہتے تو ابھی اس واقعہ کو پوشیدہ رکھو۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ اس رات کو متوقف رہے۔ پھر خدا نے انھیں اسلام لانے کی ہدایت فرمائی۔ پس وہ صبح سویرے ہی حاضر خدمت اقدس ہو کر آپ کے دست مبارک پر اسلام لے آئے۔

حضرت علیؓ اپنے والد کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپاتے رہے۔ یہاں تک کہ بالآخر ان کے والد کو اطلاع ہو ہی گئی۔ جس پر آنحضرتؐ نے انھیں اسلام پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا۔ تب انھوں نے لوگوں سے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ لیکن ابُوطالب نہیں چاہتے تھے کہ حضرت علی اپنے آبائی دین کو ترک کر دیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ دوشنبہ کے دن نبوت سے سرفراز ہوئے اور سہ شنبہ کے دن حضرت علیؓ مشرّف باسلام ہوئے۔

جس شب کو آنحضرتؐ نے ہجرت فرمائی اس شب حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر آرام کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تک قریش تمھیں میرے بستر پر سوتا ہُوا پائیں گے مجھے تلاش نہ کریں گے۔ چنانچہ آپ آنحضرتؐ کے بستر پر لیٹ گئے۔ ہجرت کے بیان میں اس کا تفصیلی ذکر آئے گا۔ پھر آپ آنحضرتؐ کے قرضہ جات اور لوگوں کی آپکے پاس رکھی ہُوئی امانتوں کو مستحقین کو ادا کرنے کے بعد آنحضرتؐ سے جا ملے۔ جب وہ خدمتِ اقدس میں پہنچے تو پاپیادہ طویل مسافت طے کرنے سے آپکے دونوں پیر مُتورّم ہوگئے تھے اور ان سے خُون ٹپک رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے آپ کو گلے لگا لیا اور ان کے پیروں کی حالتِ زار پر ترس کھا کر آبدیدہ ہوگئے۔ پھر اپنے ہاتھوں پر تھوک کر اسے حضرت علیؓ کے دونوں پیروں پر مل دیا اور خُدا سے ان کی صحت کی دُعا مانگی۔ چنانچہ آپ فوراً اچھے ہوگئے۔ اس کے بعد سے شہید ہونے تک آپ کو کبھی پیر کی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ بدر اور دُوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ صرف غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوسکے۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرتؐ نے آپ کو اپنے متعلقین کے نگران کے طور پر مدینہ ہی میں قیام کا حکم دیا تھا۔ آپ کو اُحد کے دن سولہ زخم لگے تھے۔ حضرت علیؓ اپنی غیر معمُولی شجاعت کے باوجود عالم اجلّ بھی تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ چُنے گئے اور مدینہ میں مسجد نبوی میں بروز جمعہ بتاریخ ۲۵ ر ذی الحجہ ۳۵ھ (م ۲۴ جون ۶۵۶ء) آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت لی گئی۔

حضرت علیؓ کا قتل

خارجی مسلک کے تین مندُوب عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی جو قبیلہ حمیر کی شاخ بنی مراد سے متعلق اور کندہ کے قبیلہ بنی جبلہ کا حلیف تھا اور دُوسرے دو برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی مکّہ میں جمع

ہوئے اور باہم عہد و پیمان کیا کہ یہ تینوں ان تین اکابر حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کو شہید کر کے لوگوں کو ان سے نجات دلا دیں گے۔ ابن ملجم نے کہا حضرت علیؓ کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ برک نے کہا۔ معاویہؓ کا میں ذمہ دار ہوں۔ عمرو بن بکر نے کہا۔ عمرو بن عاصؓ کا کام میں تمام کر دوں گا۔ اس پر ان لوگوں کا عہد و پیمان ہوا اور باہم اس کی توثیق کی کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے مدِمقابل سے جو اس کے لیے نامزد کر دیا گیا ہے۔ ہرگز پیچھے نہ ہٹے گا۔ اور پوری توجہ کر کے اُسے قتل کر دے گا یا اسی راہ میں خود فنا ہو جائے گا۔ ان سب نے اس کام کے لئے سترہ رمضان کی شب مقرر کی۔ پھر جہاں جہاں جس جس کا مدِمقابل تھا وہ اسی شہر کی طرف روانہ ہو گیا چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم کوفہ میں آیا اور اپنے خارجی دوستوں سے ملا۔ لیکن ان سے اپنا ارادہ پوشیدہ رکھا۔ وہ ان سب سے ملاقات کرتا رہا اور وہ بھی اس کی ملاقات کو آتے رہے۔ اس نے ایک دن قبیلہ بنی تیم رباب کی ایک جماعت کو دیکھا جس میں ایک عورت قطام بنت سخبہ بن عدی بن عامر بن عوف بن ثعلبہ بن سعد بن ذہل بن تیم رباب بھی نظر آئی جس کے باپ اور بھائی کو حضرت علیؓ نے جنگِ نہروان میں قتل کر دیا تھا۔ اُسے یہ عورت پسند آئی اور اس نے اس سے اپنا رشتہ مانگا۔ اس عورت نے کہا میں ہرگز تجھ سے شادی نہ کروں گی جب تک تو میری ایک مشکل کو آسان نہ کر دے اس نے کہا۔ تو مجھ سے جو مطالبہ کرے گی اُسے پورا کروں گا۔ عورت نے مطالبہ کیا کہ تین ہزار درہم نقد اور حضرت علیؓ کا قتل درکار ہے۔ اس نے جواب دیا۔ واللہ! میں اس شہر میں علیؓ کو ہی قتل کرنے آیا ہوں اور تیرا دوسرا مطالبہ بھی میں نے مان لیا۔ اس کے بعد ابن ملجم شبیب بن بجرہ اشجعی سے جا کر ملا اور اسے اپنے ارادہ کی اطلاع دی۔ اور اسے بھی اس معاملہ میں اپنا ساتھ دینے کو کہا۔ جسے اس نے قبول کر لیا۔ ابن ملجم اس رات جس کی صبح کو حضرت علیؓ کو قتل کرنا طے تھا۔ آپ کی مسجد میں رات بھر اشعث بن قیس کندی سے سرگوشی اور مشورے کرتا رہا۔ پھر اشعث نے کہا۔ اب صبح ہو گئی۔ چنانچہ ابن ملجم کندی اور شبیب بن بجرہ نے اپنی اپنی تلواریں سنبھالیں اور دونوں اس برآمدہ کے بالمقابل بیٹھ گئے جہاں سے حضرت علیؓ نماز کے لئے برآمد ہوتے تھے۔ جونہی آپ برآمد ہوئے۔ یہ دونوں آپ کے آڑے آ گئے اور دونوں نے آپ پر ایک ساتھ اپنی اپنی تلواروں سے حملہ کر دیا۔ ابن ملجم کی تلوار حضرت علیؓ کی پیشانی سے کھوپڑی تک کو زخمی کر کے دماغ تک پہنچ گئی کہ ابن ملجم ایک ماہ سے اپنی تلوار تیز کر رہا تھا

اور شبیب کی تلوار طاق پر پڑی۔ اس وقت حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا گیا۔ دیکھنا یہ لوگ بھاگنے نہ پائیں۔ چنانچہ لوگوں نے انھیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ شبیب تو بچ کر نکل گیا۔ لیکن ابن ملجم گرفتار ہو گیا۔ اسے حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا۔" اس کے لئے عمدہ کھانے اور نرم بستر کا انتظام کرو۔ اگر میں زندہ بچ رہا تو میں خود اپنے خون کا مختار ہوں گا۔ خواہ مُعاف کروں یا قصاص لوں۔ لیکن اگر میں مر جاؤں تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔ (یعنی قتل کر دینا) تاکہ میں خُدا کے سامنے اس سے اپنے معاملہ پر جھگڑ سکوں۔

حضرت علیؓ پر ۱۷ رمضان ۴۰ھ (م جنوری ۶۶۱ء) کو حملہ ہُوا تھا اور حملہ کے تین دن بعد آپ شہادت پا گئے اور ۱۹ رمضان شب یکشنبہ کو کوفہ میں دفن کر دیئے گئے۔ امام حسنؓ اور حسینؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ نے آپ کو غُسل دیا۔ صحیح روایت کے مُطابق وفات کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ آپ کی مُدّتِ خلافت تین ماہ کم پانچ سال رہی۔

علی باقر نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ گندم گُوں رنگ، بڑی بڑی آنکھوں اور بڑی توند والے تھے۔ سر کی چندیا کے بال اُڑے ہوئے تھے۔ میانہ قد تھے۔ خضاب استعمال نہ کرتے تھے۔

اُبو اسحاق ربیعی کا بیان ہے کہ میں نے آپکے سر اور داڑھی کے بال سفید دیکھے ہیں مگر گاہ گاہ داڑھی میں خضاب بھی لگاتے تھے۔

اُبو رجاء عطاردی کا قول ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو میانہ قد، بڑی توند والے، گھنی داڑھی والے دیکھا جو آپکے سینہ تک بھری ہوئی تھی۔ آپ کی چندیا کے بال بالکل غائب تھے۔

یہاں میں نے حضرت علیؓ کے مختصر اور ضروری حالاتِ زندگی پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ اس موقع پر اس سے زیادہ کی گنجائش نہ تھی (تفصیل کے لئے مؤلف کی کتاب" امام علی ابن ابی طالبؓ" کا مطالعہ کیا جائے)۔

○

حضرت زید بن حارثہؓ اور آپ کا اسلام

نام زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزّیٰ ہے۔ ان کے نسب میں اختلاف ورد و بدل اور کمی بیشی ہے۔ یہ حضرت رسول اللہؐ کے سب سے مشہور غلام ہیں۔ انھیں رسول اللہؐ کا حبیب کہا گیا ہے۔ انھیں حضرت خدیجہؓ نے نبوّت سے قبل آنحضرتؐ کو ہبہ کیا تھا۔ جبکہ ان کی عمر آٹھ سال تھی آنحضرتؐ نے ان کو آزاد فرما کر اپنا متبنّیٰ بنا لیا تھا۔ اس کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ان کے والد ان کے گم ہو جانے سے بہت غمگین ہوئے۔ یہ قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئے تھے۔ جب ان کے والد کو معلوم ہوا کہ وہ مکّہ میں موجود ہے تو وہ مکّہ آئے تاکہ ان کا فدیہ ادا کر کے انھیں حاصل کر لیں۔ پس حارثہ اور ان کے بھائی کعب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ اے عبدالمطلب کے فرزند! اے ابن ہاشم! اے اپنی قوم کے سردار کے فرزند! ہم آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو لینے حاضر ہوئے ہیں جو آپ کے پاس موجود ہے پس آپ ہم پر احسان فرمائیں اور ہم سے اس کا فدیہ قبول فرما کر ہم سے حسن سلوک فرمائیں۔ آپ نے پوچھا۔ وہ کون ہے؟ عرض کیا۔ وہ زید بن حارثہ ہے آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کیا فدیہ کے سوا دوسری صورت قبول نہ کرو گے؟ عرض کیا۔ وہ کیا ہے؟ فرمایا۔ اُسے بلا کر اختیار دیا جائے۔ اگر وہ تمھیں منتخب کر لے تو وہ تمھارا ہے اور اگر مجھے منتخب کرے تو خدا کی قسم! جس شخص نے مجھے منتخب کر لیا ہو۔ میں اس پر کسی کو اختیار نہیں دے سکتا۔ انھوں نے عرض کیا۔ آپ نے بہت زیادہ منصفانہ اور بہتر فیصلہ فرمایا ہے۔ پس آنحضرتؐ نے زید کو بلایا اور فرمایا۔ کیا تم پہچانتے ہو۔ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا۔ ہاں۔ یہ میرے باپ اور یہ چچا ہیں۔ فرمایا۔ تم مجھے اچھی طرح پہچان چکے ہو اور تم نے میری صحبت میں رہ کر دیکھ لیا ہے۔ اب تم مجھ میں اور ان ہر دو میں سے کسی کا انتخاب کر لو۔ عرض کیا۔ میں ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ میں آپ پر کسی دوسرے کو ترجیح دینے والا نہیں آپ ہی میرے باپ اور چچا کے درجہ میں ہیں۔ یہ سن کر ان دونوں نے کہا اے زید! تجھ پر افسوس ہے، کیا تو اس غلامی کو آزادی اور اپنے باپ اور چچا اور دوسرے اہلِ خاندان پر ترجیح دیتا ہے؟ کہا ہاں میں نے اس شخص میں وہ باتیں دیکھی ہیں جن کے بعد میں ان پر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا آنحضرتؐ نے زید کا یہ جواب سُن کر اپنی بغل میں دبا لیا اور فرمایا۔ اے حاضرین! گواہ رہو۔ آج سے زید میرا بیٹا ہے۔

وہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا۔ جب اس کے باپ اور چچا نے یہ معاملہ دیکھا تو دونوں خوش ہو گئے اور اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔

حضرت زیدؓ نے آنحضرتؐ کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کی اور غزوات بدر، اُحد، خندق، حدیبیہ اور خیبر میں شریک ہوئے وہی غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری لیکر مدینہ پہنچے تھے وہ قابل ذکر تیر اندازوں میں تھے آنحضرتؐ نے اپنی جاریہ اُمّ ایمن سے ان کی شادی کردی تھی۔ جن سے حضرت اُسامہ تولّد ہوئے۔ ان کی ایک شادی اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ سے بھی ہوئی تھی جنھیں انھوں نے طلاق دے دی تھی۔ پھر آنحضرتؐ نے خود ان سے عقد فرمالیا تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر آنحضرتؐ وحی کا کوئی حصہ چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپاتے:-

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ۔	اور اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ) سے جس پر اللہ نے اپنا فضل فرمایا اور آپ نے بھی اس پر احسان فرمایا تھا کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو (ابھی طلاق نہ دو) اور اس بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اس وقت آپ اس فیصلہ کو دل میں چھپائے ہوئے تھے جسے خدا ظاہر فرمادینا چاہتا تھا (یعنی متبنّیٰ کی مطلقہ سے عقد فرمانا۔ اس معاملہ میں آپ لوگوں سے خائف تھے حالانکہ صرف خدا ہی کی ذات ایسی ہے جس سے خوف کیا جائے

اس آیت تک: " وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا۝ اور اللہ کا منشا پورا ہو کر رہا "

جب آنحضرتؐ نے حضرت زینب سے عقد فرمالیا تو لوگوں میں چرچے ہوئے کہ یہ تو آپکے منہ بولے فرزند کی مدخولہ ہیں اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ	محمدؐ تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ صرف اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔

لوگ حضرت زید کو زید بن محمدؐ کہنے لگے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:-

اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ ھُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ	تم لوگوں کو انکے حقیقی باپوں کی نسبت سے پکارا کرو کہ یہی طریقہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے۔

آنحضرتؐ نے حضرت زید اور حضرت حمزہ کے درمیان باہم بھائی چارہ کا رابطہ قائم فرمادیا تھا۔ آنحضرتؐ نے آخر میں ان کو غزوہ موتہ میں لشکر اسلامی کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ آپ وہاں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں پیش آیا۔

حضرت زید کا رنگ سُرخ سپید تھا لیکن ان کے فرزند حضرت اُسامہ کا رنگ بہت گندمی تھا۔

خُفیہ طور پر اسلام کی تبلیغ

سُورہ "یٰاَیُّھَا المُدَّثِّر" کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانا شروع فرمادیا۔ پھر مسلسل وحی نازل ہونے لگی۔ اس سُورت کے نزُول سے آپ کی رسالت کی ابتدا ہوئی تھی۔ پس رسالت آپ کی نبوتؐ[1] کے بعد شروع ہوئی۔

رسالت کے ابتدائی تین سال تک آنحضرت لوگوں کو پوشیدہ طور پر اسلام کی طرف بُلاتے رہے۔ کیونکہ اس وقت تک آپ کو کھلم کُھلا دعوتِ تبلیغ کا حکم نہ ہُوا تھا۔ حتّٰی کہ پھر علانیہ دعوت کا حکم مل گیا ابتداءً جو لوگ اسلام لائے۔ وہ جب نماز پڑھنا چاہتے تو کسی گھاٹی میں جاکر نماز ادا کرتے تاکہ اپنی نماز مُشرکین سے پوشیدہ رکھیں۔ ایک روز مُشرکوں کی ایک جماعت کو اطلاع ملی کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کچھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان مُشرکین کو یہ امر بہت ناگوار گزرا اور اُنھوں نے اس جماعت کو اس عمل پر بُرا بھلا کہا اور مُسلمانوں سے لڑنے لگے۔ پس حضرت سعد نے ان میں سے ایک شخص پر وار کر کے اسے زخمی کر دیا اور یہ پہلا خُون تھا جو اسلام میں بہایا گیا۔

اس کے بعد سے آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ دارِ ارقم میں جاکر خُفیہ طور پر اپنی نماز اور عبادت کے فرائض ادا کرنے لگے۔ حتّٰی کہ حق تعالیٰ نے دین کے اظہار کا حکم صادر فرما دیا۔ دارِ ارقم حضرت ارقم بن ارقمؓ کا مکان تھا، جو پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ یہ مکان مقام صفا میں واقع تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ کی بنا پر حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ[2] مُشرف باسلام ہوئے۔ جب ان حضرات نے حضرت ابُوبکرؓ کی دعوت کو قبول کر لیا تو آپ ان سب کو لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے پس یہ حضرات مُشرف باسلام ہوئے اور انھوں نے نماز ادا کی۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی عظمت شان کی بنا پر یہاں ان کا مختصر سا ذکر کرتے جائیں۔

۱۔ حضرت عثمان بن عفانؓ آنحضرتؐ کے تیسرے خلیفہ ہیں۔ اُنھوں نے پہلے حبشہ کی طرف پھر مدینہ

---

[1] نبی صرف صاحب مذہب کو کہا جاتا ہے۔ رسُول وہ ہیں جن پر مستقل کتاب بھی نازل ہوئی ہو۔ م [2] حضرات ابوبکرؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰن اور طلحہؓ کپڑے کے تاجر اور حضرت زبیر قصاب تھے اور حضرت سعد بن ابی وقاص تیروں کے صنعت کار تھے۔ م

کی طرف ہجرت فرمائی۔ ان کا لقب ذُو النّورین ہے کیونکہ انھوں نے آنحضرتؐ کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور ان کی وفات کے بعد حضرت اُمِ کلثومؓ سے عقد فرمایا۔ ان کی پیدائش واقعۂ فیل کے چھٹے سال ہوئی اور بروز جمعہ بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر بیاسی سال تھی۔ آپ کا زمانۂ خلافت بارہ سال رہا۔ آپکے دور میں کثیر غزوات اور کثیر فتوحات ہوئیں چنانچہ اسکندریہ سابور، افریقہ، قبرص، اصطخر کا آخری حصہ، فارس کا پہلا حصہ پھر خوزو فارس کا آخری حصہ پھر طبرستان، دارابجرد کرمان، سجستان، سمندری جزائر پھر مرو یکے بعد دیگرے فتح ہوتے چلے گئے۔

آپ حسین و جمیل شخص تھے۔ آپ کا چہرہ شگفتہ، ناک و نقشہ نازک تھا۔ داڑھی گھنی تھی۔ رنگ گندمی تھا۔ سر و جسم پر بال بکثرت تھے۔ قد میانہ تھا۔ قریش میں بہت ہر دلعزیز تھے۔

۲۔ حضرت زبیر بن عوامؓ۔ عبد المطلب کی صاحبزادی اور آنحضرتؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ آپ کی والدہ تھیں۔ اس طرح آپ آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ زوجۂ مطہرہ نبی کریمؐ کے بھتیجے ہوتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے وقت ان کی عمر بارہ سال تھی۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے بعد خلافت کی نامزدگی کے لئے جن چھ صحابہ کرام کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی تھی اور منصب خلافت کو ان ہی میں دائر فرمایا تھا ان میں ایک یہ بھی تھے۔ ان چھ صحابہؓ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ حضرات عثمان، علی طلحہ، زبیر، سعد، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

حضرت زبیرؓ نے پہلے حبشہ پھر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے خدا کی راہ میں جہاد کے لئے تلوار اُٹھائی تھی۔ وہ غزوات بدر، اُحد، خندق، حُدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، محاصرۂ طائف اور تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے۔ پھر جنگ یرموک اور فتح مصر میں بھی شریک ہوئے۔

ان کا رنگ گندمی، قد میانہ، جسم معتدل تھا اور داڑھی ہلکی تھی۔

حضرت زبیرؓ جنگ جمل میں لڑائی ترک کر کے واپس ہو رہے تھے کہ راہ میں فساد و غوغا آرائی کرنے والے ایک گروہ نے آپ کو جا پکڑا اور بصرہ کے علاقہ میں وادی سباع میں آپ کو شہید کر ڈالا۔ وہیں آپکی قبر مبارک ہے۔ آپ ماہ جمادی الاولیٰ ۳۶ھ میں شہید کئے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۶ یا ۶۷ سال تھی۔

۳۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ۔ آنحضرتؐ کی دار الارقم میں پناہ گزینی سے قبل اور واقعۂ فیل کے دس سال بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کا شمار ان عشرہ مُبشّرہ میں ہے جنھیں دنیا ہی میں جنّتی

ہونے کی بشارت دے دی گئی تھی۔ نیز آپ ان چھ صحابہ کی مجلس شوریٰ کے ایک معزز رکن تھے جنھیں حضرت عمر بن خطابؓ نے خلافت کا اہل قرار دیا تھا۔ آپ نے پہلے حبشہ پھر مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ آپ غزواتِ بدر، احُد، خندق، بیعتِ رضوان اور تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریکِ جہاد رہے۔ غزوۂ اُحد میں آپ کو ۲۱ زخم لگے۔ پیر میں بھی کاری زخم لگا۔ نیز آپ کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ آپ راہِ خدا میں بہت دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ ایک دن میں اکتیس غلام خرید کر آزاد کر دیئے تھے۔ آپ بڑے صاحبِ سرمایہ، بہت کامیاب تاجر اور بے حد متموّل تھے۔ آپ کا رنگ سُرخ سفید تھا۔ خوبصورت اور شگفتہ چہرہ اور نازک خدوخال رکھتے تھے۔ آنکھیں بڑی تھیں۔ پلک لمبے اور بہت بال والے تھے۔ ناک سُتواں اور بلند تھی۔ سر پہ گھنے بال تھے ہتھیلیاں گداز، انگلیاں موٹی تھیں۔ ۳۲ھ میں بعمر ۷۲ سال انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

۴۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ۔ اسلام لانے کے وقت آپ کی عمر اُنیس سال تھی۔ آپ بھی عشرہ مُبشرہ اور خلافت کے لئے متعیّن چھ ارکان مجلس شوریٰ میں سے ایک تھے۔ آپ پہلے شخص تھے۔ جنھوں نے خدا کی راہ میں پہلا تیر دشمن پر پھینکا اور پہلے خُون بہایا۔ آنحضرتؐ کی ہجرتِ مدینہ سے قبل آپ مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے تھے۔ آنحضرتؐ کے ہمراہ غزوۂ بدر، اُحد، خندق اور سب غزوات میں شریک ہوئے۔ یہ اسلامی شہسوار کے لقب سے مشہور تھے۔ یہ اُحد کے دن بڑی مشکل میں پھنس گئے تھے یہ مستجابُ الدّعوات تھے۔ حضرت عمرؓ نے جو اسلامی لشکر ملک فارس پر حملہ کو بھیجے تھے انھیں ان کا سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔ یہ اس لشکر کے سپہ سالار تھے جس نے فارسیوں کو قادسیہ اور جلولا کے میدان میں شکست دی اور ان کا مالِ غنیمت لُوٹ لیا تھا۔ اُنھوں نے ہی کسریٰ کے شہر فتح کئے۔ اُنھوں نے ہی کوفہ کی بنا ڈالی۔ حضرت عمرؓ نے انھیں عراق کا گورنر مقرّر فرمایا تھا۔

حضرت سعدؓ نے غزوۂ اُحد کے دن دشمن پر ہزار تیر پھینکے تھے۔

جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تو حضرت سعدؓ فتنہ و فساد کی وجہ سے گوشہ نشین ہو گئے تھے اور بعد کی جنگوں میں حصّہ نہیں لیا تھا۔

مدینہ سے دس میل دُور مقام عقیق میں ۵۵ھ میں اپنے مکان میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

آپ کا رنگ گندمی، قد لانبا اور سر بڑا تھا۔

۵۔ طلحہ بن عبید اللہؓ۔ ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں تھا۔ نیز حضرت عمرؓ کے متعین کردہ چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کا لقب طلحۃ الخیر اور طلحہ جود رکھا تھا۔ آپ مہاجرین اولین میں تھے۔ غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے۔ غزوۂ احد اور مابعد کے غزوات میں شریک ہوتے۔ دس جمادی الاولیٰ ۳۶ھ کو جنگ جمل میں شہید کر دیئے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۴ سال تھی۔ بصرہ میں آپ کی قبر مشہور ہے جو زیارت گاہِ انام ہے اور زائرین اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

یہ ان پانچ اکابر صحابہ کا مختصر تذکرہ ہے جو حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر مشرف باسلام ہوئے۔ یہ وہ مشہور شخصیتیں تھیں جن کے اعمالِ جلیلہ کی بنا پر اسلام میں ان کا غلغلہ بلند ہوا۔ ان کے بعد یہ حضرات اسلام لائے:۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ (آپ کا نام عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر تھا) ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد۔ ارقم بن ابی ارقم۔ عثمان بن مظعون۔ ان کے دو برادران قدامہ اور عبداللہ فرزندانِ مظعون۔ عبیدہ بن حارث۔ سعید بن زید۔ ان کی اہلیہ فاطمہ بنت خطاب۔ اسماء بنت ابی بکر۔ عائشہ بنت ابی بکر اور وہ اس وقت کمسن تھیں۔ بنی زہرہ کے حلیف خباب بن ارت۔ سعد بن ابی وقاص کے بھائی عمیر بن ابی وقاص۔ عبداللہ بن مسعود۔ مسعود بن قاری، انہی کو مسعود بن ربیعہ بھی کہا جاتا ہے۔ سلیط بن عمر۔ ان کے بھائی حاطب بن عمر۔ عیاش بن ابی ربیعہ بن مغیرہ۔ ان کی زوجہ اسماء بنت سلامہ۔ خنیس بن حذافہ بن قیس۔ عامر بن ربیعہ۔ عبداللہ بن جحش۔ ان کے بھائی ابواحمد بن جحش۔ جعفر بن ابی طالب۔ ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس۔ حاطب بن حارث وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

مسٹر مرجولیوث کے قول کی تردید

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ حضرت ابوبکرؓ کی دعوت کو قبول کر کے مشرف باسلام ہوئے تھے لیکن مسٹر مرجولیوث نے اپنی کتاب "محمدؐ" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ آپ کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا تھا کہ آپ کو حضرت رقیہؓ دختر رسول اللہ سے محبت تھی۔ جس کی وجہ سے آپ ان سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ان کا رشتہ کسی دوسرے سے طے ہو گیا ہے تو انھیں اس کا رنج ہوا اور حضرت ابوبکرؓ سے اس واقعہ کو بیان کیا۔ اتفاق سے اسی وقت آنحضرتؐ کا

ادھر سے گزر ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کے کان میں آہستہ سے کچھ کہا اور اسی پر فیصلہ ہوگیا چنانچہ حضرت عثمان فوراً اسلام لے آئے اور حضرت رقیہؓ سے ان کی شادی ہوگئی۔

لیکن مسٹر مرجو لیوث نے ہم سے اس خبر کی اصل کو بیان نہیں کیا جہاں سے انھوں نے یہ خبر حاصل کی ہے تاکہ ہم ان سے اس بارے میں بحث کرسکیں اور ان کی رائے کی غلطی کو واضح کرسکیں کیونکہ ہر روایت قبول کرنے اور بھروسہ کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔

پھر انھوں نے حضرت خالد بن سعیدؓ کے اسلام لانے کے سبب کو یوں بیان کیا ہے :۔

حضرت خالد پہلے اسلام لانے والوں میں تھے۔ قبولِ اسلام میں ان کا نمبر تیسرا یا چوتھا اور بقول بعض پانچواں تھا۔

ان کے قبولِ اسلام کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ دوزخ کے کنارے کھڑے ہیں۔ انھوں نے اس کی اس قدر وسعت بیان کی کہ اس کا صحیح علم خدا ہی کو ہے۔ گویا ان کے والد انھیں اس دوزخ میں دھکیل رہے ہیں۔ پھر انھوں نے حضرت رسول اللہؐ کو دیکھا کہ آپ ان کے کولھوں کو پکڑ کر انھیں آگ میں گرنے سے بچا رہے ہیں۔ یہ گھبرا کر نیند سے چونک گئے اور کہنے لگے میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ خواب سچا ہے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ سے ملے اور ان سے یہ خواب بیان کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں تمھاری بھلائی چاہتا ہوں۔ یہ حق تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم ان کا اتّباع کرو۔ اس طرح تم اس اسلام میں ان کا اتّباع کروگے جو تمھیں دوزخ میں گرنے سے بچالے گا۔ جبکہ تمھارے باپ اس میں داخل ہوچکے ہوں گے۔ یہ سن کر وہ محلہ اجیاد[1] میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے محمدؐ! آپ کس کی طرف ہمیں بلاتے ہیں؟ فرمایا۔ اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نیز اس کی دعوت دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور یہ کہ تم اس پتھر کی پرستش چھوڑ دو جو سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ کون اس کی عبادت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ یہ سن کر خالد نے یہ کلمہ شہادت پڑھا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ پس آنحضرتؐ ان کے ایمان لانے پر بہت خوش ہوئے۔

---

[1] اجیاد مکہ میں ایک محلہ کا نام ہے۔ م

مرجولیوث نے بالاختصار حضرت خالد کے خواب اور حضرت ابُوبکرؓ کی تعبیر نیز یہ بیان کرنے کے بعد کہ یہی خواب حضرت خالد بن سعید کے اسلام لانے کا سبب بنا۔ ایک سوال قائم کیا ہے کہ کیا لوگ واقعۃً ایسے خواب دیکھتے ہیں؟ پھر اس نے کہا ہے کہ فلاماریون اور میزو نے اس کا جواب دیا ہے کہ ہاں، لوگ اس قسم کے خواب دیکھتے ہیں۔ اور یہ یوروپ کے مشہُور علماء میں سے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ مسٹر مرجولیوث اس سے ناواقف ہیں کہ لوگ ایسے خواب دیکھا کرتے ہیں جبکہ امریکا اور یورپ کے علم النّفس کے علماء نے اس حقیقت کا اقرار کیا ہے اور یہ کہ ایسے خواب بالعموم لوگوں میں مروّج و مشہور ہیں۔ پس حضرت خالد کا خواب کوئی تعجُب خیز بات نہیں جس میں مرجولیوث جیسے لوگ شک و شُبہ کریں۔ ہاں اگر کسی دُوسری وجہ سے شک ہے تو دُوسری بات ہے۔

بلاشُبہ لوگ خواب دیکھتے ہیں جن میں بعض واضح و یقینی اور بعض تاویل کے مُحتاج ہوتے ہیں۔ یہ امر بہت بعید ہے کہ کوئی شخص اپنے دل سے گھڑ کر کوئی خواب بیان کر دے۔ خوابوں کی حدُود ہیں نہ قواعد و ضوابط جن کی بنا پر یہ مُتعیّن کیا جا سکے کہ یہ خواب ہے، اور یہ نہیں ہے۔ پس حضرت خالد بن سعید کے خواب میں دوزخ کے دیکھنے پر مسٹر مارجولیوث کی حیرت اور اسکے ماننے میں ہٹ دھرمی کرنے کا کوئی موقع محل نہیں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام کا واقعہ ہے کہ ان کا وہ مشہور خواب جسے انھوں نے اپنے والدِ محترم سے بیان کیا تھا۔ آخر چالیس سال بعد صحیح ثابت ہو گیا تھا۔ علیٰ ہذا وہ خواب جوان نوجوانوں نے دیکھا تھا جو قید خانہ میں حضرت یُوسف علیہ السلام کے ساتھ مُقیّد تھے جس کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے، پس حضرت یوسف نے ان کے خواب کی تعبیر بیان فرمائی اور آپ کی تعبیر کے مطابق پیش آنے والے واقعات صحیح ثابت ہو گئے۔ جبکہ ان میں کا ایک بادشاہِ وقت کی طرف سے اپنے پہلے مرتبہ پر بحال کر دیا گیا اور دُوسرا ہلاک کر دیا گیا۔

لیکن مسٹر مرجولیوث کا مقصد صرف اسلام کا مذاق اُڑانا ہے۔ خوابوں پر اظہارِ تعجُّب کرنا نہیں۔ لیکن یہ امر ان جیسے مُستشرق کے شایانِ شان نہیں۔

مُشرکین کی حضرت ابُوبکرؓ کو ایذا رسانی

اگرچہ بُتوں کی عبادت کا بطلان بدیہی اور واضح ہے اس کے باوجود عرب اس عقیدہ سے شدت کے ساتھ چمٹے ہُوئے تھے۔ اس لیے کہ یہ فاسد عقیدہ مُدتوں سے ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا پس ان کے اس عمل کو معیُوب کہنے یا اس پر تنقید کرنے والوں کی کسی بات کے سُننے کی ان میں تاب نہ تھی۔ وہ کسی ناصح کی بات کو قبول کرنے کو آمادہ نہ تھے جو انھیں بھلائی کی نصیحت کرتا اور عقلی و نقلی دلائل کے ذریعہ انھیں سمجھانے کی سعی کرتا۔

جب ان سے کہا جاتا کہ تم پتھر کی عبادت کیسے کرتے ہو جو تمھیں فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، نہ دیکھ سکتا ہے نہ سُن سکتا ہے۔ نہ اُسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون اس کی عبادت کر رہا ہے کون نہیں تو انھیں اس پر غصہ آجاتا اور وہ کہتے کہ یہی وہ طریقہ ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو عمل کرتے ہُوئے پایا ہے اور وہ انتقامی طور پر ان لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانے لگتے جو اس کے قبل تک ان کے نزدیک بھی قوم کے معزز اور اشرف ترین ان میں سب سے زیادہ صاحب عقل و فہم اور بہت با اخلاق و نرم خُو مانے جاتے تھے۔ اس بنا پر دانائی اور اصابت رائے کا تقاضا یہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ اور آپ کے مُٹھی بھر صحابہ اسلام کا علانیہ اظہار کیا کریں اور اس قوم کے سامنے اپنے مذہبی ارکان ادا کرتے رہیں جو اپنے بُت پرستانہ مذہب پر جمے رہنے کے لئے اندھے تعصُّب کا شکار تھے۔

البتہ ان میں سے بعض افراد نے اپنی روشن عقل اور فطرتِ سلیمہ سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان کی قوم صریح غلطی میں مُبتلا ہے۔ پس بعض تو بُتوں کی عبادت کے مُنکر رہے اور اسی عقیدہ پر ظہور اسلام سے قبل وفات پا گئے اور ان میں سے کچھ وہ تھے جو رسالت کے ظہُور کی خبر ملتے ہی از خود مُشرف باسلام ہو گئے۔ جیسے حضرت سلمان فارسیؓ اور بعض وہ تھے جو حضرت رسول اللہؐ کی طرف سے دعوتِ اسلام پیش کرنے پر مُشرّف باسلام ہوئے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور ان کی تبلیغ پر ایمان لانے والے دوسرے صحابہ۔

ان حضرات نے اس راہ میں اپنی قوم کے عتاب اور ایذا رسانیوں کی مُطلق پروا نہ کی باوجودیکہ وہ اس سے واقف تھے کہ بظاہر ان کی تعداد بمقابلہ کفار بہت کم ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کو جو اذیتیں دی گئی اس کا کچھ بیان سیرت حلبیہ میں اس طرح آیا ہے کہ جب آنحضرتؐ

اپنے نومسلم صحابہ کو ہمراہ لے کر خفیہ عبادت کرنے کو دارارقم میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے کھل کر عبادت کرنے پر اصرار کیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے ابوبکر! ہماری جماعت ابھی تعداد میں کم ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ برابر اپنی رائے پر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھی باہر نکل آئے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوگئے اور ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس میں لوگوں کو آنحضرتؐ کی اتباع کی تبلیغ کی۔ اس جلسہ میں آنحضرتؐ بھی تشریف فرما تھے۔

اس طرح وہ پہلے مقرر تھے جنھوں نے لوگوں کو خدا کی طرف بلایا۔ ان کی تقریر سن کر مشرکین ان پر اور دوسرے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور انھیں بری طرح مارا پیٹا۔ حضرت ابوبکرؓ کو گرا کر پیروں تلے روند ڈالا گیا اور ان پر بہت سخت مار پڑی۔ عتبہ بن ربیعہ تسمہ دار جوتوں سے آپ کے منہ پر مارتا رہا۔ یہاں تک کہ زخموں اور خون کی شدت سے آپ کے چہرہ وناک میں امتیاز مشکل ہوگیا تھا۔ حتیٰ کہ بنوتیم کے لوگوں نے آکر ان سے جھگڑا کیا۔ تب مشرکین حضرت ابوبکرؓ کی مارپیٹ سے باز آئے۔ بنوتیم حضرت ابوبکرؓ کو اس حال میں ان کے گھر لے گئے کہ انھیں آپ کی موت میں شبہ نہیں رہا تھا۔ پھر یہ لوگ واپس لوٹ کر مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ خدا کی قسم! اگر ابوبکرؓ مر گئے تو ہم عتبہ کو قتل کر ڈالیں گے۔ پھر یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور آپ کے والد ابوقحافہ اور قبیلہ بنوتیم والے آپ سے بات کرنے لگے لیکن آپ شام تک ان کی بات کا جواب دینے کے قابل نہ ہوئے۔ پھر وہ شام کو بولے اور پوچھا کہ آنحضرتؐ کا کیا حال ہے؟ اس پر یہ لوگ آپ کو ملامت کرنے لگے۔ لیکن آپ بار بار یہی دریافت کرتے رہے۔ اس پر آپ کی والدہ نے کہا۔ واللہ مجھے تمھارے ساتھی کی بابت کچھ معلوم نہیں۔ آپ نے والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ آپ ام جمیل کے پاس جاکر ان سے آپ کا حال دریافت کرائیں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گئیں اور ان سے کہا کہ تم محمد بن عبداللہ کی خیریت معلوم کر کے مجھے بتا دو۔ انھوں نے جواب دیا۔ میں نہ محمدؐ سے واقف ہوں نہ ابوبکرؓ سے۔ کیا تم پسند کروگی کہ میں بھی تمھارے ساتھ چلی چلوں؟ انھوں نے کہا۔ ہاں۔ پس وہ ان کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئیں اور آپ کو شدت کرب سے اوندھے منہ لیٹا ہوا پایا۔ ام جمیل نے غضبناک ہوکر کہا۔ جس قوم نے آپ سے یہ سلوک کیا وہ فاسق فاجر لوگ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ خدا ان سے آپ کا انتقام لے گا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا کہ آنحضرتؐ کا کیا حال ہوا؟ انھوں نے کہا۔ یہ آپ کی والدہ سن رہی ہیں۔ فرمایا۔ ان سے تمھیں کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہیئے۔ یعنی یہ تمھارا راز افشا نہ کریں گی۔

تب انھوں نے بتایا کہ آپ بعافیت ہیں اور دارارقم میں محفوظ ہیں۔ فرمایا۔ خدا کی قسم ہے۔ جب تک آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہوں گا نہ کھانا چکھوں گا نہ پانی پیوں گا۔ آپ کی والدہ کا بیان ہے کہ ہم نے انھیں ذرا توقف کرنے کو کہا۔ حتیٰ کہ جب پیر کو کچھ آرام ہوا اور لوگ بھی ٹھنڈے پڑ گئے تو ہم حضرت ابوبکرؓ کو اپنا سہارا دے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لے چلے۔ جب آپ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو دیکھ کر آنحضرتؐ پر شدید رقت طاری ہوگئی اور آپ جھک کر حضرت ابوبکرؓ کو بوسے دینے لگے اور اسی طرح دوسرے مسلمان بھی آپ پر جھک گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ مجھے اور کوئی فکر نہیں بجز اس کے کہ ان لوگوں نے میرا چہرہ مسخ کر دیا ہے۔ یہ میری والدہ اپنے فرزند سے حسنِ سلوک سے پیش آتی ہیں۔ اس لیئے توقع ہے کہ حق تعالیٰ انھیں آپ کے طفیل دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔

پس آنحضرتؐ نے آپ کی والدہ کے حق میں خدا سے دُعا کی اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ فوراً مشرف باسلام ہوگئیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس وقت مسلمان شدید خطرہ میں تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کو اذیت پہنچائے بغیر مشرکوں کے قلب کو سکون میسر نہ ہوتا تھا۔ اس لئے ایسے موقع پر پوشیدہ رہنے ہی میں حکمت تھی۔ چنانچہ مسلمان دارِارقم میں چھپے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی۔ ان میں سب سے آخر میں اسلام قبول کرنے والے حضرت عمر بن خطابؓ تھے۔ پس پورے چالیس ہونے کے بعد یہ لوگ باہر نکلے اور علی الاعلان اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔

یہ تھی حضرت ابوبکرؓ کی شجاعت، آپ کی قوتِ ایمانی اور آپ کے یقین کی پختگی۔ آپ مخالفین کے سامنے ڈٹ گئے۔ ان کی کثرت تعداد کی پرواہ نہ کی اور اپنی قیمتی جان کو محض اس لئے خطرہ میں ڈال دیا کہ انھیں حق وصداقت، خدائے واحد وقہار کی عبادت اور شرک و بت پرستی کو ترک کر دینے کی دعوت دے سکیں۔ انجام کار آپ کو وہ انتہائی اذیت پہنچی جو کسی انسان کو زیادہ سے زیادہ پہنچ سکتی تھی۔ قریب تھا کہ آپ کا قصہ ہی تمام ہو جاتا۔

اس نازک حالت کے باوجود جونہی آپ کو کچھ ہوش آیا تو آپ نے سب سے پہلے جو بات کی وہ آنحضرتؐ کی خیریت معلوم کرنے سے متعلق تھی اور اس وقت تک آرام نہ لیا اور مطمئن نہ ہوئے جب تک

آنحضرتؐ کو اپنی آنکھوں سے صحیح سالم نہ دیکھ لیا۔ پس کہاں یہ اور کہاں وہ لوگ جو مسلمانوں کے عقائد کے مخالف، خواہشاتِ نفسانی پر مائل، ظاہری طاقت کی طرف جھکنے والے اور وقتی منفعت کی خاطر باطل کی مدد کرنے والے تھے۔ حالانکہ یہ متاعِ دنیوی فانی اور زوال پذیر ہے۔ اگر ابتدا ہی میں مسلمانوں میں تذبذب اور دین کی کمزوری کا احساس ہوتا تو نہ عمارت اسلامی کے ستون مستحکم ہوتے، نہ اس کے اجزا قوی ہوتے نہ اس کی بنیادیں مضبوط ہوتیں۔ بلکہ وہ ظاہر ہوتے ہی دفن کر دیا جاتا۔

لیکن وہ ایسے طاقتور، سچے اور مخلصین کے کاندھوں پر بلند ہوا جنھوں نے اپنے محیّرالعقول کارناموں اور مسلسل جہاد سے تمام عالم کو لرزا دیا۔ یہاں تک کہ روئے زمین کی تمام قومیں اس کے آگے جھک گئیں اور اس سے مغلوب ہو گئیں۔ پس ان ہی جیسی اہم شخصیّتوں کے اعمالِ جلیلہ سے اقوامِ عالم کے مصلحین و زعماء کو روشنی اور ہدایت حاصل کرنی چاہیئے۔

○

اسلام کا اعلان

سنہ ۶۱۳ء

حق تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو امر فرمایا کہ انھیں حق تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام ملا ہے اسے علانیہ ظاہر کر دیں اور لوگوں کو کھلم کھلا اس کی طرف بُلائیں اور انھیں قبولِ اسلام کا حکم دیں۔ قبل ازیں آنحضرتؐ کا اخفائے دین بھی خدا ہی کے منشا کے تحت تھا۔ اور آنحضرتؐ کے دعوتِ تبلیغ کو چھپ چھپ کر انجام دینے اور پھر حق تعالیٰ کے علانیہ تبلیغ کے حکم فرمانے کے درمیان آپ کی بعثت کے آغاز سے تین سال کا وقفہ تھا۔ پھر حق تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ — آپ کو خدا کی طرف سے جو حکم ملا ہے اس کا اظہار کر دیجیے اور مشرکوں سے بے پروا ہو جائیے۔

یعنی ان مشرکین کی پروا نہ کیجیے اور ان کے آپ کو دعوت الی اللہ پر ملامت کرنے پر کچھ دھیان نہ دیجیے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ — اپنے قریبی عزیزوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے اور جو مومن آپ کا اتباع کریں ان سے عجز و تواضع سے پیش آئیے۔

اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتؐ نے صفا پہاڑ پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ اے قوم قریش! یہ سُنتے ہی قریش نے آپس میں کہا کہ محمدؐ صفا پر سے آواز دے رہے ہیں۔ پس سب آپ کی طرف چل پڑے اور یکجا جمع ہو گئے اور پوچھا۔ اے محمدؐ! کیا کہنا چاہتے ہو؟ فرمایا۔ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے نیچے غنیم کا لشکر جمع ہے تو کیا تم میری اس بات کی تصدیق کرو گے؟ کہنے لگے ضرور۔ اس لیے کہ آپ ہمارے نزدیک کسی تہمت سے پاک ہیں اور ہم نے اپنے تجربہ میں کبھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا پس آگاہ رہو کہ میں تمھیں خدا کی طرف سے نازل ہونے والے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔

اے بنو عبدالمطلب! اے بنو عبدِ مناف! اے بنو زہرہ! حتیٰ کہ سلسلہ وار قریش کے تمام خاندانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی اعزّہ کو خدا سے ڈراؤں۔ میں نہ تو دُنیا میں تمھیں کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہوں اور نہ ہی آخرت کی کوئی نعمت دلا سکتا ہوں بجز اس کے کہ تم کلمہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لو۔ یہ سُن کر ابُولہب نے کہا "تو برباد ہو جائے۔ کیا تونے ہمیں یہی سنانے کو جمع کیا تھا؟" اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔

جب ابُولہب نے یہ آیت سُنی تو کہا کہ اگر محمدؐ کی بات سچ ہوئی تو میں اپنے مال اور فرزند سے اس کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ○ نہ ہی اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔

اس وقت سے ابُولہب کا یہ طریقہ ہو گیا تھا کہ جب کوئی بیرونی وفد مکّہ میں آتا اور آنحضرتؐ کے متعلق دریافت کرتا تو ابُولہب کہہ دیتا کہ وہ تو جادوگر اور پاگل ہے (نعوذُ باللہِ منہ) یہ سُنتے ہی اہل وفد بغیر آپ سے ملے ہوئے واپس ہو جاتے۔ اس سُورت نے ابُولہب کو مُشتعل کر دیا اور وہ اس وقت سے آنحضرتؐ کی شدید دُشمنی پر اُتر آیا۔ شدُہ شدُہ لوگوں میں آنحضرتؐ کے متعلق اس کی کذب بیانی مشہور ہو گئی۔ تب سے آنحضرتؐ کے متعلق اس کی کوئی بات صحیح تسلیم نہ کی جاتی۔ پس وہ اپنی سعی میں ناکام رہا اور اس کا مقصد فوت ہو گیا۔

حضرت طارق محاربیؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو ایک مرتبہ بازار میں دیکھا کہ آپ لوگوں سے فرما رہے تھے۔ اے لوگو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو۔ کامیاب و کامران ہو گے۔ یہ سُن کر پیچھے سے ایک شخص آپ پر پتھر برسانے لگا۔ حتیٰ کہ آپ کے پیروں کو لہولہان کر ڈالا اور لوگوں سے کہا۔ اس کی بات ہرگز نہ سُننا کہ یہ بہت جھوٹا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا۔ محمدؐ اور ان کا چچا ابُولہب ہے۔

ابُولہب کی بیوی اُمِّ جمیل بنت حرب بن اُمیہ، ابُوسفیان بن حرب کی بہن اور حضرت معاویہؓ کی پھوپھی تھی۔ یہ بھی رسُول اللہ کی انتہا درجہ کی دشمن تھی اور آپ کے راستہ میں کانٹے بچھا دیا کرتی تھی۔

زہری کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے لوگوں کو خُفیہ و علانیہ اسلام کی دعوت دی۔ پس جوانوں اور بوڑھوں میں سے جسے توفیق ہوئی اس نے اس خدائی دعوت کو قبول کر لیا۔ یہاں تک کہ مُسلمانوں کی کثرت ہو گئی۔ ابتداءً قریش آپ کی باتوں پر ناپسندیدگی کا چنداں اظہار نہ کرتے تھے اور جب آپ ان کی محفلوں میں جاتے تو وہ باہم کہا کرتے کہ یہ بنُو عبدالمطلب کا لڑکا آسمانی باتیں کرتا ہے۔ معاملہ یُونہی چلتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے ان کے بُتوں کی مذمت شروع کر دی جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے اور ان کے آباؤ اجداد

کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ کفر پر مرے ان کے لئے آخرت میں ہلاکت و بربادی ہے اس وقت سے کفار آنحضرتؐ سے بُغض رکھنے لگے اور آپ کی عداوت پر تُل گئے۔

ابنِ عتبہؓ کا بیان ہے کہ جب سے آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ علانیہ دعوتِ اسلام کا اظہار فرمانے لگے اور مکہ میں آپ کی تحریک کُھل کر سامنے آگئی اور مُسلمانوں نے دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک طرف تو حضرت ابُوبکرؓ، حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت عثمانؓ چُھپکے چُھپکے تبلیغ فرماتے تھے اور دُوسری طرف حضرت عُمرؓ، حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اور حضرت ابُوعبیدہؓ بن جراح علانیہ تبلیغ فرماتے تھے تو اس عمل سے قریش بہت مُشتعل ہو گئے اور وہ آنحضرتؐ سے کھلم کُھلا بغض و حسد اور عداوت رکھنے لگے۔ ان میں سے کچھ آپ کی ایذا رسانی اور ہلاکت کے درپے ہو گئے۔ لیکن کچھ دُوسرے کفار نے آپ کی عداوت دل میں چُھپائے رکھی۔ رائے ان کی بھی یہی تھی جو پہلوں کی تھی۔ لیکن وہ اپنے آپ کو آنحضرتؐ کی علانیہ مخالفت سے علیحدہ رکھے ہوئے تھے۔

رسُول اللہؐ سے علانیہ دُشمنی رکھنے والے اور اپنے رُفقاء سے آنحضرتؐ کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتے رہنے کا مطالبہ کرنے والے کُفار یہ تھے:۔

ابُوجہل بن ہشام۔ ابُولہب بن عبدالمطلب۔ اسود بن عبدیغُوث۔ حارث بن قیس بن عدی اور اس کی کُنیت ابن غلیطہ ہے۔ ولید بن مغیرہ۔ اُبَیّ بن خلف۔ ابوقیس بن فاکہ بن مُغیرہ۔ عاص بن وائل۔ نضر بن حارث۔ منبہ بن حجاج۔ زہیر بن ابی اُمیّہ، سائب بن صیفی بن عابد۔ اسود بن عبدالاسد۔ عاص بن سعید بن عاص بن ہاشم۔ عقبہ بن ابی معیط۔ ابو اصدی ہذلی۔ حکم بن ابی العاص۔ عدی بن حمراء۔ زیادہ تر ان کی عداوت کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ آنحضرتؐ کے پڑوسی تھے اور جن کی آنحضرتؐ سے عداوت انتہا کو پہنچی ہُوئی تھی وہ یہ تھے:۔

ابُوجہل۔ ابُولہب۔ عقبہ بن ابی مُعیط۔

اور ربیعہ کے فرزندان عتبہ اور شبیہ اور ابوسفیان بن حرب آپ سے عداوت تو رکھتے تھے لیکن انھوں نے قریش کی طرح آنحضرتؐ کو تکالیف نہیں پُہنچائیں۔

مذکورہ لوگوں میں سے بجز ابوسفیان کے اور کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔

○

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
جو قرآن کریم کی با آوازِ بلند تلاوت کرنے والے پہلے شخص تھے

آنحضرتؐ کے بعد مکہ میں جس نے سب سے پہلے قرآن کریم کی با آوازِ بلند تلاوت کی۔ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے جس کی ابتدا یُوں ہوئی کہ ایک روز رسُول اللہؐ کے صحابہ جمع ہوئے اور آپس میں یہ گفتگو ہوئی کہ خدا کی قسم! قریش نے آج تک کسی بلند آواز سے تلاوتِ قرآن کرنے والے سے اس قرآن کو سنا ہی نہیں پس کوئی ہے جو انھیں پڑھ کر سُنا دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ میں اس خدمت کے لئے تیار ہوں۔ حاضرین نے کہا۔ ہمیں کُفار کی طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے ہم کسی ایسے شخص سے یہ کام لینا چاہتے ہیں جو صاحب قبیلہ ہو۔ تاکہ اگر کفار اس سے کچھ نازیبا حرکت کرنا چاہیں تو اس کے قبیلہ کے لوگ اُنھیں اس سے باز رکھ سکیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ مجھے یقین واثق ہے کہ حق تعالیٰ خود میرا دفاع فرمائے گا۔ پس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ظہر کے وقت مقامِ ابراہیمؑ پر تشریف لائے جبکہ قریش اپنی مجلس میں مشغُول تھے۔ پس آپ نے مقامِ ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ تلاوت شروع فرمائی:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ اَلرَّحۡمٰنُ ○ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ○

چنانچہ آپ نے قریش کو اس طرف متوجہ کر لیا اور بقیہ سُورت تلاوت فرماتے رہے۔ قریش باہم کہنے لگے کہ اُمِ عبد کا بیٹا کیا کہہ رہا ہے؟ پھر خود ہی کہا کہ محمدؐ جو کتاب لائے ہیں۔ یہ شخص اس میں سے کچھ حصہ پڑھ رہا ہے۔ پھر یہ لوگ آپ کے پاس پُہنچے اور آپ کے مُنہ پر طمانچے مارنے لگے لیکن آپ برابر تلاوت فرماتے رہے یہاں تک کہ جس قدر خُدا کو منظور تھا، اتنی تلاوت پُوری فرما دی پھر اپنے ساتھیوں میں واپس آ گئے۔ انھوں نے آپ کے چہرہ پر زخموں کے نشانات دیکھ کر کہا۔ ہمیں آپ کو یہی صورت پیش آنے کا خطرہ تھا۔ آپ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم! یہ اعداء اسلام میرے نزدیک کبھی اتنے حقیر و ضعیف نہ تھے جتنے اب ہیں اور اگر آپ حضرات چاہیں تو میں آج کی طرح کل بھی ان کے سامنے اپنے اس عمل کا اعادہ کر دوں۔ انھوں نے کہا۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نے انھیں ایک مرتبہ وہ آیات سُنا دیں جنھیں سُننا وہ گوارا نہیں کرتے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابوجہل نے آپ کے تھپڑ مار کر آپ کا کان پھاڑ دیا۔ جس سے خون بہ نکلا۔ جب آپ واپس ہوئے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے۔ نبی کریمؐ نے آپ کو دیکھا تو رقت سے قلبِ مبارک بھر آیا اور آپ نے شدّتِ غم کی وجہ سے سر جھکا لیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام خوش و خرم ہنستے ہوئے حاضر خدمت ہو رہے ہیں آپ نے فرمایا۔ اے جبریل! آپ ہنس رہے ہیں جبکہ ابن مسعودؓ رو رہے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا۔ آپ کو عنقریب اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ جب جنگِ بدر میں مسلمان فتحیاب ہوئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آنحضرتؐ سے خواہش کی کہ اس جہاد سے انھیں بھی کچھ حصہ ملنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا اپنا نیزہ لے کر کفّار کے زخمیوں کو ٹٹولو جس میں رمق برابر زندگی کے آثار پاؤ اسے قتل کر دو۔ اس طرح تمھیں مجاہدوں کا ثواب مل جائے گا۔ چنانچہ آپ مقتولین کو ٹٹولنے لگے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ابوجہل زخموں سے نڈھال زمین پر پڑا ہوا ہے۔ آپ کو اندیشہ ہوا۔ مبادا اس میں ابھی طاقت ہو اور یہ آپ کا مقابلہ کرے۔ اس لئے آپ نے دور سے اس کے گلے پر نیزہ سے حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

مارپیٹ، گالی گلوچ متعصّب جاہلوں کا شیوہ ہے

کفارِ قریش نے کبھی ان قرآنی آیات کو سن کر جو آنحضرتؐ تلاوت فرماتے تھے ان میں مناظرہ و مباحثہ نہیں کیا بلکہ بغیر سوچے سمجھے آپ پر کبھی جھوٹ کی تہمت لگاتے کبھی آپ کی طرف جنون یا جادو کی نسبت کرتے اور جسے باآواز بلند قرآن پڑھتا ہوا سنتے اُسے مارنے لگتے۔ دراصل یہ جاہل اور کمزور کا اوچھا ہتھیار ہوتا ہے۔

حضرت رسول اللہؐ کفار کے ان معبودوں کو بُرا کہتے تھے جن کی وہ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہی بُت تو ہیں جنھیں تم نے خود اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے۔ یہ تمھیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں پس انکی عبادت ترک کر کے اس خدا کی عبادت شروع کر دو۔ جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ آپ ان کے سامنے خدائے عزّو جل کی قدرت اور اس کی صفات گنوایا کرتے۔ پس اگر کفار کے دلوں میں باطل عقیدہ راسخ نہ ہوتا اور یہ قدیم باطل عقائد ہی اس کے ماننے والوں کی عقل و فہم سب سلب کر لیتے ہیں تو وہ اپنی عقلوں کو

حکم اور ثالث بناتے اور اللہ پر ایمان لانے میں باہم مُسابقت کرتے۔ لیکن یہ امر ان پر شاق گزرا کہ ان ہی میں سے ایک شخص اُٹھے اور ان پر کفر و گمراہی کی تہمت رکھے اور ان قدیم خداؤں میں عیب نکالے جن کے سامنے کفار اپنے آباؤ اجداد کو سجدہ کرتے اور ان کے سامنے اپنی قربانیاں اور نذرانے پیش کرتے چلے آرہے تھے۔ پس یہ لوگ مُسلمانوں سے مار پیٹ اور گالی گلوچ سے پیش آنے لگے اور ہر مُتعصب اور جاہل کی یہی شان ہوتی ہے۔

جب آنحضرتؐ فاتحانہ مکّہ مکرّمہ میں داخل ہوئے اور ان بتوں کے توڑنے کا حکم دیا جنھیں کُفّار مُقدّس سمجھتے اور ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کوئی بھی انھیں کسی قسم کی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اور فوراً ہی سب توڑ پھوڑ دیئے گئے۔ اور کفّار نے دیکھ لیا کہ ان بتوں میں نہ کچھ حرکت ہے نہ طاقت اور کعبہ میں جو جادوگر تھے وہ بھی قتل کر دیئے گئے۔ تب کُفّار کو یقین آیا کہ وہ اب تک کھلی گمراہی میں مُبتلا تھے اس موقع پر آنحضرتؐ نے آیت ذیل تلاوت فرمائی:۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ○ — حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو مٹنے ہی والا تھا

پس دعا ہے کہ اے خدا ہمارے قلوب کو شرک سے پاک فرما اور ہمیں اسلام پر ہی موت دے۔

قرآن کریم نے عرب کے دانشوروں کو مبہوت کر دیا

عرب کے دانشور اس قرآن کی فصاحت سے حیرت میں پڑ گئے جو ان ہی کی زبان میں نازل ہُوا جبکہ وہ خود بھی فصاحت و بلاغت کے ماہر مانے جاتے تھے۔ قریش کو اندیشہ لاحق ہُوا کہ ایسا نہ ہو اسلام پھیل جائے اور نبی کریم اپنے دین کی طاقت سے بُتوں پر غالب آجائیں۔ پس ان لوگوں نے غور و فکر کے بعد بالاتفاق طے کیا کہ رسُول اللہ کو ایسے قبیح نام سے پکارنے لگیں جس سے لوگوں کو آپ سے نفرت ہو جائے اور آپ کی شہرت کو بٹہ لگ جائے تاکہ اس طرح آپ کی دعوت کی اشاعت میں رکاوٹ پیدا ہو سکے۔ اس کی صُورت یہ طے پائی کہ ولید بن مُغیرہ کے پاس قریش کے کچھ لوگ جمع ہوئے۔ ولید ان سب میں مُعمّر تھا۔ یہ حج کا زمانہ تھا۔ اس نے ان سے کہا۔ اے جماعتِ قریش! حج کا زمانہ آپہنچا۔ اس زمانہ میں عنقریب عربی وفود تمھارے پاس آئیں گے اور یہ سب تمھارے اس شخص (یعنی محمدؐ) کی دعوت کا چرچا سُن چکے ہونگے

پس اس موقع کے لئے محمدؐ کے حق میں کسی ایک بات پر متفق ہو جاؤ۔ تم میں اختلاف باقی نہ رہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم ہی ایک دوسرے کو جھٹلانے لگو اور ایک دوسرے کی بات کی تردید کرنے لگو۔ سب نے کہا۔ اے ابو عبد شمس! تم ہی کچھ کہو اور ہمیں ایک ایسی بات بتا دو جسے ہم متفقہ طور پر کہیں۔ اس نے کہا۔ نہیں تم ہی کہو۔ میں سنتا ہوں۔ حاضرین نے کہا۔ ہم اسے کاہن بتائیں گے۔ اس نے کہا۔ واللہ! وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے نہ اس میں کاہنوں کا سا ترنم ہے، نہ ان کی سی مسجع عبارت ہے۔ تب سب نے کہا تو پھر ہم اسے مجنون کہیں گے۔ اس نے کہا۔ وہ مجنون بھی نہیں۔ ہم نے جنون کی کیفیت دیکھی ہے اور اسے پہچانتے ہیں۔ نہ اس میں تشنجی کیفیت ہے، نہ اختلاجی نہ وسوسہ کی۔ اس پر انھوں نے کہا تو پھر اسے شاعر کہیں گے۔ اس نے کہا۔ وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ ہمیں شعر کی تمام اصناف رجز، ہزج، قریضہ، مقبوضہ، مبسوطہ کا بخوبی علم ہے۔ پس ان کے کلام کو شعر بھی نہیں کہا جا سکتا۔ پھر انھوں نے کہا کہ ہم اسے جادوگر کہیں گے۔ کہا۔ وہ جادوگر بھی نہیں۔ ہم نے جادوگروں اور ان کے جادو کے عمل کو دیکھا ہے۔ پس محمدؐ نہ جادوگروں کی طرح گرہ لگاتے ہیں۔ نہ اس پر پھونکتے ہیں۔ آخر انھوں نے کہا۔ اے ابو عبد شمس! پھر ہمیں کیا کہنا چاہیئے۔ اس نے کہا۔ خدا کی قسم! اس کے کلام میں ایک حلاوت و شیرینی ہے۔ اس کی جڑیں دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور اس کی شاخوں میں پھل لگے ہوئے ہیں۔ اور تم نے جونہی ان باتوں میں سے کوئی بات بھی کہی تو فوراً پہچان لیا جائے گا کہ تمھارا یہ قول باطل ہے۔ پس ان سب سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ تم کہو کہ وہ جادوگر ہے اور ایک جادو بھرا کلام لایا ہے جو ایک شخص اور اس کے ماں باپ میں اور اس کے اور اس کے بھائی میں، مرد اور اس کی بیوی میں، لوگوں میں اور ان کے کنبہ میں تفریق و اختلاف پیدا کر دیتا ہے۔ پس اس تجویز کے بعد سب منتشر ہو گئے اور زمانۂ حج میں مختلف سمتوں میں زائرین کے راستوں پر بیٹھ گئے اور جو شخص ان کے پاس سے گزرتا اسے ہی آنحضرتؐ سے ڈراتے۔ لیکن اس کا نتیجہ برعکس نکلا کیونکہ اس طرح رسول اللہؐ کا تذکرہ تمام عرب ممالک میں تیزی سے پھیل گیا۔

ضماد بن ثعلبہ ازدی زمانۂ جاہلیت میں نبی کریمؐ کے دوست تھے۔ یہ طبیب بھی تھے اور جھاڑ پھونک بھی کیا کرتے تھے اور علمی مشغلہ بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے مکّہ کے بے وقوفوں سے سنا کہ وہ حضرت محمدؐ کو مجنون کہتے ہیں۔ پس وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں۔

اگر آپ پر کچھ اثر ہوگیا ہے تو کیا میں اسے زائل کرنے کے لئے اپنا عمل کروں۔ اس کا جواب آنحضرتؐ نے کلماتِ ذیل سے دیا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ۔ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

تمام تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں۔ ہم اسی کی تعریف بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جسے خدا ہدایت دیتا ہے اسے کوئی دوسرا گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے خدا گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہیں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں، صرف وہی ایک خدا ہے اس کا کوئی اور شریک نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد

یہ سن کر ضماد نے عرض کیا۔ یہ کلمات دوبارہ فرمایئے۔ آنحضرتؐ نے تین مرتبہ یہی کلمات دُہرائے اس پر اس نے کہا واللہ میں نے کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کے اقوال سنے ہیں لیکن اب تک ایسے پاکیزہ کلمات نہیں سنے۔ واللہ آپ بلاغت کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں۔ اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کرلوں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے دستِ مبارک بڑھا دیا۔ انھوں نے آپکے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کرلیا۔

اس طرح کفّار کی مساعی سست پڑتی چلی گئیں۔ ان کی بہتان طرازیوں کا اثر زائل ہوتا چلا گیا حقیقت یہ ہے کہ حاسد کبھی نہیں ابھرتا اور جھوٹے کا کوئی اعتبار قائم نہیں ہوتا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق سر بلند ہوتا ہے اور باطل اس کے سامنے عاجز اور سر افگندہ ہو جاتا ہے۔

○

قریش کا حضرت رسول اللہؐ کے معاملہ میں ابوطالب سے مذاکرہ

پہلی گفتگو

جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب آنحضرتؐ کی حفاظت پر کمر بستہ ہو گئے اور انھوں نے آپ کو قریش کے حوالہ نہیں کیا تو قریش کے معززین کا وفد ابوطالب کے پاس آیا۔ اہل وفد میں ہر دو فرزندان ربیعہ، عتبہ و شیبہ۔ ابوالبختری بن ہشام۔ اسود بن مطّلب۔ ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل سہمی، فرزندان حجاج نُبَیہ و مُنَبّہ اور دوسرے لوگ شریک تھے۔ انھوں نے ابوطالب سے کہا۔ اے ابوطالب! تمھارا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے۔ ہمارے دین کے عیوب بیان کرتا ہے ہمیں بے وقوف و سفیہ بتاتا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ یا تو اسے ان حرکتوں سے باز رکھو۔ یا اپنا درمیان اٹھا کر ہمیں اور انھیں آزاد چھوڑ دو۔ کیونکہ ہماری ہی طرح تم بھی اس کے خیالات کے خلاف ہو۔ یہ سن کر ابوطالب نے ان سے نہایت عمدگی سے گفتگو کی اور ان کی خواہش کو مناسب طریقہ سے ٹال دیا۔ چنانچہ یہ سب لوگ واپس لوٹ گئے اور آنحضرتؐ بدستور اپنی تبلیغ میں مشغول رہے۔

قریش کی آپ سے متعلق یہ پہلی بات چیت تھی جو بے نتیجہ رہی۔ کیونکہ آنحضرتؐ حسب سابق لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے رہے۔

دوسری گفتگو

پھر جب یہ لوگ اپنی اپنی جگہ دور دراز مقامات پر چلے گئے اور ان میں آنحضرتؐ سے بغض وحسد بڑھتا چلا گیا اور یہ لوگ آنحضرتؐ کا چرچا ہر جگہ سننے لگے تو انھوں نے دوبارہ اس معاملہ میں ابوطالب سے گفتگو کرنا طے کی اور آپ کے پاس آئے اور کہا اے ابوطالب! آپ ہم سب میں معمّر اور مرتبہ و عزت میں ہم سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ہم نے پہلے آپ سے خواہش کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو روک لیجئے مگر آپ نے کچھ نہ کیا۔ واللہ! اب ہم اس پر صبر نہیں کر سکتے کہ محمدؐ ہمارے خداؤں اور آباؤ اجداد کو برا کہیں اور ہمیں بے عقل بتائیں۔ بجز اس کے کہ یا تو آپ انھیں اس بات سے بالکل روک دیں ورنہ ہم آپ سے اور ان سے مقابلہ کریں گے یہاں تک کہ فریقین میں سے کوئی ایک برباد ہو جائے۔ یہ تو سُن

دے کر یہ لوگ واپس چلے گئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس مرتبہ انھوں نے ابوطالب کو علانیہ دھمکی دی تھی اور آپ سے دشمنی کا اظہار کیا تھا۔ پس ابوطالب پر قوم کا چھوٹ جانا اور ان کا دشمن بن جانا بہت شاق گزرا۔ ادھر ان کا دل آنحضرتؐ کی تبلیغِ اسلام کی وجہ سے آپ کی ذلت و رسوائی بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ اس لئے انھوں نے آنحضرتؐ کو بلا بھیجا اور آپ کو قریش کی باتوں پر مطلع کر کے کہا کہ آپ بدستور اپنی شخصی اور میری ذمہ داری پر قائم رہیں لیکن مجھ پر میری طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالیں آنحضرتؐ کو خیال گزرا کہ ان کے چچا نے انھیں بے سہارا چھوڑ دیا اور وہ اب ان کی مدد کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ نے جواباً عرض کیا۔

اے پیارے چچا۔ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ اس شرط پر کہ میں اپنی تحریک ترک کر دوں، میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند کو بھی رکھ دیں گے تو اسے ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اسلام کا بول بالا فرمائے گا یا میں خود اس راہ میں فنا ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر آنحضرتؐ رو پڑے اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے جب آپ لوٹنے لگے تو ابوطالب نے آپ کو آواز دی۔ آپ واپس آئے تو ابوطالب نے آپ سے کہا اے میرے بھتیجے! اٹھو جو چاہے کہو۔ خدا کی قسم ہے میں تمھیں کسی قیمت پر کسی کے حوالہ نہ کروں گا۔

پس اے سیرتِ نبویؐ کا مطالعہ کرنے والو۔ تمھیں مخالف محاذ کے سامنے آپ کی اس عظیم الشان معنوی قوت اور آخر تک اپنے اصول پر سختی سے جمے رہنے پر غور و فکر اور سوچ بچار کرنا چاہیئے۔

تیسری گفتگو

ایک وہ ہستی جو ابوطالب کے زیرِ پرورش رہی ان ہی کے گھر میں پروان چڑھی، اس کے سوا مروت و اخلاق کے تحت جو اخلاقی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی تھی اس کے اقتضاء کے تحت وہ اپنے بھتیجے کی طرفداری اور ہر حملہ سے ان کے بچاؤ پر مضبوطی سے قائم رہے۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنے سابق دین پر ہی قائم رہے۔ اسلام کے حلقہ بگوش نہ ہوئے۔ اسی لئے ان کی یہ ذمہ داری بہت مشقت طلب اور ان کا موقف خاصا دشوار ہو گیا تھا۔ کیونکہ ان کے سامنے قریش تھے جو اپنے آبائی دین پر سختی سے قائم تھے اور آنحضرتؐ کی اسلامی تبلیغ اور بتوں کی مخالفت نے قریش کو بیحد مشتعل کر رکھا تھا۔ ادھر ایک صاحبِ دعوت ہستی کو دینِ اسلام کا مذاق اڑانے والے کے تمسخر یا کسی کٹر مخالف کی مخالفت و ایذا رسانی خدا کی طرف سے

مُتعین کئے ہُوئے فریضہ منصبی کی ادائی سے نہ روک سکتی تھی۔

البتہ اگر ابُوطالب اسلام لے آتے تو پھر ان کا آنحضرتؐ کی طرف سے دفاعی موقف بہت عظیم ہو جاتا اور پُورے عرب کے سامنے ان کی حجّت زیادہ قوی اور مُستحکم ہو جاتی۔ لیکن ابُوطالب اپنے آبائی دین پر قائم رہتے ہُوئے دینی عقیدہ کی بنا پر نہیں بلکہ صرف قرابت کے تعلّق سے برابر مخالفین سے آنحضرتؐ کی حفاظت کرتے رہے۔ اس مرتبہ یہ لوگ عمارہ بن ولید کو ابُوطالب کے پاس لے کر پہنچے اور ان سے درخواست کی کہ یہ عمارہ جو قریش کا بہت ہوشمند اور حسین ترین نوجوان ہے آپ اسے قبُول کرلیں۔ اس کی عقل و دانائی اور مدد آپ کے کام آئے گی۔ اسے آپ مُتبنّٰی بنالیں اور اپنے اس بھتیجے کو جس نے ہماری عقلوں کو ناکارہ قرار دے دیا ہے اور خُود آپ کے اور آپ کے آباء و اجداد کے دین کی مخالفت شروع کردی ہے اور آپ کی قوم میں انتشار پیدا کردیا ہے۔ ہمارے سپُرد کردیں تاکہ ہم اُسے قتل کرڈالیں اور جان کے بدلے جان کے اصول پر عمارہ کو ان کے بدلے میں رکھ لیں۔ ابُوطالب نے جواب دیا۔ واللہ! تم مجھ سے جو سودا کر رہے ہو وہ بہت بُرا سودا ہے۔ کیا تم مجھے اپنا فرزند اس لئے دیتے ہو کہ میں اسے تمہارے لئے کھلا پلا کر تیار کروں اور تمھیں اپنا فرزند اس لئے دے دوں کہ تم اسے قتل کر ڈالو؟ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

اس پر مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بولا۔ آپ کی قوم نے آپ کے سامنے مُنصفانہ تجویز رکھی ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کسی بات کو قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔ آپ نے کہا۔ واللہ! ان لوگوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ بلکہ تم نے مجھ پر قوم کو چڑھا کر لانے اور مجھے رُسوا کرنے کی دونوں تدبیریں کی ہیں۔ پس اب تمہارا جو جی چاہے کرلو۔

ہر عقلمند جانتا ہے کہ قریش نے ابُوطالب کے سامنے جو تجویز رکھی تھی وہ انتہائی احمقانہ تھی۔ لیکن یہ لوگ جس طرح ہو سکے صاحبِ دعوتِ الٰہیہؐ سے چھٹکارا پانے کے لئے مختلف حیلے تلاش کر رہے تھے جب قریش اپنے مطالبہ کے پُورا ہونے سے ہر طرح مایُوس ہو گئے تو عام مسلمانوں پر ظلم و تشدّد پر اُتر آئے۔ پس ہر قبیلہ والے اپنے قبیلہ کے نو مسلموں کو طرح طرح کا عذاب دینے لگے اور انھیں اپنے دین سے مُرتد کرنے کی سعی کرنے لگے۔

یہ دیکھ کر ابُوطالب بنو ہاشم کے پاس گئے اور انھیں حضرت رسُول اللہؐ کی حفاظت پر آمادہ کرنے کی پیش کی جسے انھوں نے قبول کرلیا۔

کفّار کی طرف سے مسلمانوں کی ایذارسانی

قریش نے نبی کریمؐ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو تکالیف پہنچانی شروع کردیں۔ یہاں تک کہ کمزور مسلمانوں کی ایک جماعت پر شدید ترین عذاب ڈھائے جو ان کے انتہائی تعصب اور قساوتِ قلبی کا مظہر تھے۔ ان ہی لوگوں میں جن کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں سخت تکالیف پہنچائی گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام حضرت بلال بن رباحؓ بھی تھے۔ حضرت بلال کے والد اور ان کی والدہ حمامہ حبشہ کے جنگی قیدیوں میں سے تھے۔ ان کی جائے ولادت مقام شرات تھا۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ پہلے حضرت بلالؓ اُمیّہ بن خلف جمحی کے غلام تھے۔ اس کے آپ کو عذاب دینے کا طریقہ یہ تھا کہ جب دوپہر کے وقت دھوپ خوب تیز ہوجاتی تو وہ آپ کو تپتی ریت پر کمر کے بل چت لٹا کر ایک بہت بڑا گرم پتھر منگواتا اور آپ کے سینہ پر رکھوادیتا اور آپ سے کہتا کہ تیرا ہمیشہ یہی حال رہے گا۔ یہاں تک کہ تو اسی میں مرجائے گا۔ ورنہ محمدؐ کا انکار کرکے لات وعزّیٰ کی پرستش قبول کرلے۔ مگر حضرت بلالؓ اس حالت میں بھی احد، احد ہی کہے جاتے۔ ایک روز حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اس عذاب میں دیکھ کر امیّہ بن خلف جمحی سے کہا۔ کیا تجھے اس مسکین کے بارے میں خدا کا کچھ خوف نہیں آتا؟ اس نے جواب دیا۔ تم نے ہی اسے بگاڑا ہے۔ تم ہی اسے نجات دلاؤ۔ آپ نے فرمایا۔ میرے پاس بلالؓ سے بھی زیادہ قوی ہیکل اور ان سے زیادہ سیاہ فام ایک غلام ہے جو تیرے دین پر ہے۔ میں تجھے اسے بلال کے عوض دینے پر تیار ہوں چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اسے اپنا وہ غلام دے دیا اور حضرت بلالؓ کو اس کے عوض لے کر آزاد کردیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے انھیں پانچ اوقیہ سونے کے عوض خرید فرمایا تھا۔ پھر جنگ بدر کے موقع پر حضرت بلالؓ نے حضرت معاذ بن عفراء، حضرت خارجہ بن زید اور حضرت حبیب بن اساف کے اشتراک سے اُمیّہ بن خلف کو قتل کرڈالا اور اس کے بیٹے علی کو حضرت عمار بن یاسر اور حبیب بن اساف نے قتل کردیا۔

انہی مصیبت زدگان میں حضرت عمار بن یاسر ابُو یقظان عنسی بھی تھے جو قبیلہ مُراد کی ایک شاخ سے تھے۔ یہ عنس اور ان کے والدین ابتدائی دور میں جبکہ آنحضرتؐ دارِ ارقم میں تشریف فرما تھے تقریباً تیس صحابہ کے اسلام لانے کے بعد ہی مُشرّف باسلام ہوچکے تھے۔ انھوں نے اور حضرت صہیبؓ نے ایک ہی

دن اسلام قبول کیا تھا۔
یاسر قبیلہ بنی مخزوم کے حلیف تھے۔ پس وہ لوگ حضرت عمار اور ان کے والدین کو سخت گرمی کے وقت پتھریلے میدان میں لے جاتے اور اس شدید گرمی میں انھیں سخت اذیت پہنچاتے۔ ایک روز آنحضرتؐ ادھر سے گزرے تو یہ دیکھ کر فرمایا کہ "اے آل یاسر صبر کرو کہ تمھارا موعودہ ٹھکانہ جنت ہے۔" پس حضرت یاسرؓ انھی تکالیف کے صدمہ سے فوت ہو گئے اور ان کی اہلیہ حضرت سمیہؓ نے ابوجہل کو سخت باتیں کہہ دیں تو اس شقی نے اپنے نیزہ سے ان کی شرمگاہ کو زخمی کر دیا۔ چنانچہ وہ اسی تکلیف سے جاں بحق ہو گئیں۔ یہ خاتون راہِ اسلام کی سب سے پہلی شہید تھیں۔
علیٰ ہذا حضرت عمار کو بھی سخت تکالیف پہنچائی گئیں۔ کفار کبھی انھیں شدت گرمی میں زمین پر لٹاتے اور کبھی سخت گرمی میں تپتا ہوا پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتے اور کہتے کہ جب تک تو محمدؐ کو برا اور لات و عزیٰ کو بھلا نہ کہے گا ہم ہرگز تجھے نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ انھوں نے جان بچانے کو ظاہری طور پر کہہ دیا اور انھوں نے انھیں چھوڑ دیا۔ یہ روتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا تمھیں کیا ہوا؟ عرض کیا۔ یارسول اللہؐ بری خبر ہے۔ واقعہ اس اس طرح ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ عرض کیا۔ میں اپنے دل کو ایمان پر مطمئن پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے عمار! اگر وہ دوبارہ بھی تم سے ایسا ہی مطالبہ کریں تو بے شک تم پہلے کی طرح کر سکتے ہو۔ اس پر حق تعالیٰ نے آیت ذیل نازل فرمائی:۔

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔ — مگر وہ شخص معذور ہے جس پر جبر کیا گیا ہو در آنحالیکہ اس کا دل اپنے ایمان پر مطمئن ہو۔

ان حضرات میں ایک حضرت خباب بن ارت تھے۔ یہ پہلے اسلام لانے والوں میں تھے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آنحضرتؐ کے دارِ ارقم میں داخل ہونے سے قبل چھ اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے۔ انھیں کفار نے پکڑ لیا اور طرح طرح کی شدید تکالیف پہنچائیں۔ وہ انھیں ننگا کر دیتے۔ پھر انھیں کمر کے بل تپتی ہوئی ریتیلی اور پتھریلی زمین پر لٹا کر آگ میں دہکایا ہوا پتھر ان پر رکھ دیتے۔ لیکن وہ اُف تک نہ کرتے اور کفار کی کوئی بات قبول نہ کرتے۔ انھوں نے ہجرت کی اور آنحضرتؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ پھر یہ کوفہ میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۳۷ھ میں وفات پائی۔

حضرت علیؓ نے ان کے حق میں فرمایا۔ حق تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ خباب برضا و رغبت اسلام لائے خوشی سے ہجرت کی۔ مجاہدانہ زندگی بسر کی۔ خدا کے لئے اپنی جان پر کفار کے ظلم و ستم سہے۔ جس نے اچھے عمل کئے۔ حق تعالیٰ اس کا اجر کبھی ضائع نہیں فرمائے گا۔

ان ہی میں ایک حضرت صہیب بن سنان رُومی بھی تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے اولاد پیدا ہونے سے قبل ہی ان کی کنیت ابویحییٰ رکھ دی تھی۔ یہ بھی ان ہی میں سے تھے۔ جن پر خدا کی راہ میں شدید مصائب توڑے گئے تھے چنانچہ انھیں دردناک اذیتیں دی گئیں۔ جب انھوں نے ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے انھیں روک دیا جس پر انھوں نے کفار کو اپنا پورا مال اپنی جان کے فدیہ میں دے کر اپنی گلوخلاصی کرائی۔

جب حضرت عمر بن خطابؓ کی موت کا وقت قریب آپہنچا تو آپ نے نئے خلیفہ کے انتخاب تک انھیں اپنی جگہ نماز کی امامت کے لئے مقرر فرمایا تھا۔

ان ہی میں ایک صحابی حضرت عامر بن فہیرہ مولیٰ طفیل بن عبداللہؓ تھے۔ حضرت طفیلؓ حضرت عائشہؓ کے بھائی اور ان کی والدہ اُمّ رومان کے بطن سے تھے۔ یہ ابتداء میں آنحضرتؐ کے دارارقم میں تشریف رکھنے سے پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ یہ کمزور و بے سہارا شخص تھے۔ خدا کی راہ میں ان پر مصیبتیں ڈھائی جاتی تھیں لیکن یہ دینِ اسلام سے نہ پھرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ جب آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے اثناء میں غار میں روپوش تھے تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ان ہی خادم عامر بن فہیرہ کو جو ان کی بکریاں چرایا کرتے تھے شام کے وقت دُودھ کے لئے بکریاں غار میں لاتے رہنے کا حکم دیا تھا۔ عامر نے ان ہر دو حضرات کے ساتھ ہجرت کی اور تمام راستے ان کی خدمت کرتے چلے گئے۔

عامر غزوۂ بدر و اُحد میں شریک ہوئے اور ۴ھ میں بعمر چالیس سال غزوہ بئر معونہ میں شہادت پا گئے۔

ان مُعذَّبین میں بنو مؤمّل بن حبیب بن کعب کی باندی حضرت لبیبہ بھی تھیں۔ یہ حضرت عمر بن خطابؓ کے مُسلمان ہونے سے قبل مشرف باسلام ہوئیں۔ حضرت عمر اپنے اسلام سے قبل ان پر سخت مظالم کرتے۔ تاکہ یہ اپنے دین سے پھر جائیں۔ پھر مارتے مارتے چھوڑ دیتے اور کہتے۔ میں تجھے صرف اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ تھک گیا ہوں۔ وہ جواب دیتیں اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو تمھارے ساتھ بھی خدا ایسی سلوک کرے گا۔

جیسا تم میرے ساتھ کر رہے ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُنھیں خرید کر آزاد کر دیا۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں جنھیں میں نے بطور نمونہ بیان کر دیا ہے تاکہ سیرت کا مطالعہ کرنے والوں پر مُنکشف ہو سکے کہ ان اسلام قبول کرنے والے مردوں عورتوں پر کیسے کیسے ظلم ڈھائے جاتے تھے۔

آنحضرتؐ کو کُفّار کے ہاتھوں جو اذیتیں پہنچیں۔ ان کے منجملہ ایک وہ ہے جو حسب روایت صحیح بخاری حضرت عمرؓ نے بیان کی ہے۔ آپ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم لوگ کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک عقبہ ابن معیط آیا اور آنحضرتؐ کے شانۂ مبارک کو پکڑ کر اپنا کپڑا آپ کی گردن میں ڈال کر شدّت سے آپؐ کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ آئے اور انھوں نے اس کا شانہ پکڑ کر پیچھے ہٹایا اور آنحضرتؐ کو اس سے نجات دلائی۔ ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ اُسے ہٹا کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کیا تم اس شخص کو ہلاک کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار خُدا ہے۔

اور صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ ایک روز آنحضرتؐ کعبہ کے پاس نماز ادا فرما رہے تھے۔ اسی کے قریب قریش کا بھی مجمع تھا۔ اچانک ان میں سے ایک شخص بولا۔ کیا تم اس دکھاوے کے نمازی کو نہیں دیکھ رہے ہو؟ تم میں کوئی ہے جو فلاں قبیلہ کے مذبح خانہ میں جا کر وہاں سے جانوروں کا گوبر، خون اور اوجھڑی اُٹھا لائے اور مُنتظر رہے۔ جونہی یہ شخص سجدے میں جائے۔ اسے اس کی گردن پر رکھ دے۔ یہ سن کر ان میں سے ایک بدبخت آمادہ ہو گیا اور جب آنحضرتؐ سجدہ میں گئے تو اس نے وہ سب اوجھ آپ کی گردن پر رکھ دیا۔ اس کے بوجھ کی وجہ سے آنحضرتؐ سجدہ سے نہ اُٹھ سکے۔ یہ دیکھ کر یہ کفار قہقہے لگانے لگے۔ یہاں تک کہ ہنسی کی شدّت سے ایک دُوسرے پر گرے پڑ رہے تھے۔ پس ایک شخص نے حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔ وہ فوراً دوڑی ہوئی آئیں۔ دیکھا کہ آنحضرتؐ سجدہ سے سر نہیں اُٹھا سکتے۔ انھوں نے اس غلاظت کو آپ کی گردن سے ہٹا کر کفار کو بُرا بھلا کہتے ہوئے ان ہی پر پھینک دیا۔ آنحضرتؐ جب فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اے میرے خدا تو ہی قریش سے نمٹ لے۔ پھر انکے نام لے لے کر فرمایا

"اے اللہ! تو ہی عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ۔ اُمیّہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید سے میرا انتقام لے لے"۔ چنانچہ یہ تمام لوگ جنگ بدر کے دن ہلاک ہو گئے۔ پھر ان کی نعشوں کو بدر کے ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ صرف عقبہ بن ابی معیط زندہ گرفتار ہو کر آیا تھا، جسے آنحضرتؐ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

قریش کی طرف سے آنحضرتؐ کو پیشکش

ایک روز نبی کریمؐ مسجد میں تنہا تشریف فرما تھے کہ قریش کی مجلس شوریٰ میں بیٹھے ہوئے عتبہ بن ربیعہ نے کہا۔ اے جماعت قریش! کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں محمدؐ کے پاس جا کر ان سے کچھ بات کروں اور ان کے سامنے چند تجویزیں پیش کروں۔ شاید وہ کسی تجویز کو مان لیں۔ پس وہ جو چیز ہم سے طلب کریں وہ ہم انھیں دے دیں۔ تاکہ اس کے بدلے وہ ہماری تکفیر سے باز آجائیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت حمزہؓ اسلام میں داخل ہوئے اور کفار نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کے ماننے والوں میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ حاضرین نے کہا، ضرور اے ابو ولید! تم جا کر ان سے گفتگو کرو۔ عتبہ وہاں سے اُٹھ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے نزدیک بیٹھ کر کہنے لگے۔ اے میرے بھتیجے! جیسا کہ تمھیں معلوم ہے۔ تم ہم میں کے ایک معزز و اعلیٰ کنبہ کے فرد اور نسبی شرافت میں ہم سے برتر ہو۔ تم اپنی قوم کے لئے ایک عظیم تحریک لے کر آئے جس کی وجہ سے تم نے اپنی جماعت میں تفریق پیدا کر دی۔ اس کے دانشوروں کو نادان بتایا۔ ان کے خداؤں میں اور ان کے دین میں عیب نکالے۔ ان کے گزرے ہوئے آباؤاجداد کو کافر بتایا۔ اب مجھ سے سنو۔ میں تمھارے سامنے کچھ تجویزیں رکھتا ہوں، ان میں غور کرو۔ شاید تم ان میں سے کسی بات کو مان لو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے ابوولید! کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں سنوں گا۔ انھوں نے کہا۔ اے میرے بھتیجے! اگر اس تحریک سے جو تم نے چلائی ہے تمھارا مقصد دولت حاصل کرنا ہے تو ہم تمھیں اتنی دولت جمع کر کے دے دیں گے کہ تم ہم سب سے زیادہ متمول بن جاؤ گے۔ اگر تمھیں عزت و جاہ کی خواہش ہے تو ہم تمھیں اپنا سردار مان لینے کو تیار ہیں۔ یہاں تک کہ کبھی تمھاری مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کریں گے اور اگر تم بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ بنا لیں گے۔

اور بقول تمھارے تم پر جو یہ شخص آتا ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ کوئی جن ہے جسے تم خود اپنے سے نہیں ہٹا سکتے تو ہم کسی طبیب کو بلا کر تمھارا علاج کرانے کو تیار ہیں۔ اس میں جو خرچ ہوگا ہم برداشت کریں گے تاکہ تمھیں اس سے نجات دلا سکیں۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی جن کسی انسان پر مسلط ہو جاتا ہے اور مؤثر تدبیر کے بغیر نہیں ٹلتا

جب عتبہ اپنی گفتگو ختم کر چکا جسے آنحضرتؐ خاموشی سے سنتے رہے تھے تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوولید!

تم کہہ چکے؟ کہا۔ ہاں! آپ نے فرمایا۔ اب میری بات سنو۔ کہا کہیئے۔ آپ نے آیاتِ ذیل تلاوت فرمائیں:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ فصلت)

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ حٰمٓ۔ یہ کلام پاک خدائے رحمان و رحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں صاف اور واضح طور پر بیان کی گئی ہیں۔ یہ عربی زبان کا قرآن مجید ہے جو دانشوروں کے لئے نافع ہے۔

آنحضرتؐ یہ سورت برابر تلاوت فرماتے رہے۔ عتبہ تلاوت کے اثنا میں خاموش رہے اور اپنے ہاتھوں کو کمر کے پیچھے زمین پر ٹیک کر بیٹھ گئے اور آپ کی تلاوت کو سنتے رہے۔ پھر آنحضرتؐ جب سجدہ کی آیت پر پہنچے تو آپ نے سجدہ ادا فرمایا۔

پھر عتبہ سے فرمایا۔ اے ابو ولید! جو کچھ سننا تھا تم نے سن لیا۔ بس اب تم ہو اور یہ کلام ہے (یعنی یہی تمہاری باتوں کا جواب ہے)۔

پس یہاں سے اٹھ کر عتبہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے۔ ان کی ہیئت دیکھتے ہی ایک نے دوسرے سے کہنا شروع کیا خدا کی قسم! ابوالولید تمہارے پاس سے جس طرح گئے تھے اس سے بدلے ہوئے واپس ہو رہے ہیں۔ جب یہ جا کر اپنے مجمع میں بیٹھے تو سب نے پوچھا اے ابوالولید کیا خبر لائے ہو؟

کہا خبر یہ ہے کہ واللہ میں نے وہ کلام سنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسا کلام نہ سنا تھا۔ واللہ! وہ نہ شعر ہے، نہ جادو ہے، نہ کہانت ہے۔

اے جماعت قریش! میری بات مانو اور میری رائے سے اتفاق کر لو۔ تم اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور اس سے بے تعلق ہو جاؤ۔ خدا کی قسم! میں نے اس سے جو کلام سنا ہے وہ ایک عظیم مستقبل کا حامل ہے۔ پس اگر عرب نے از خود اس کی تائید کر دی تو ان کا یہ طرز تمہیں کسی ممکنہ تہمت سے باز رکھنے کا سبب بن جائے گا۔ اور اگر یہ شخص عرب پر غالب آ گیا تو اس کا ملک تمہارا اپنا ہی ملک ہو گا اس کی عزت تمہاری اپنی عزت ہو گی اور تم اس کی وجہ سے اقوام عالم میں بہت سربلند، صاحب نصیب اور خوش بخت رہو گے۔

یہ سن کر سب نے کہا۔ واللہ! اے ابوالولید اس شخص نے اپنی لسانی سے تم پر جادو کر دیا ہے۔ ابوالولید نے کہا۔ میری اس کے بارے میں یہی رائے ہے۔ اب تم جو چاہو سو کرو۔

دراصل ابُوالولید نے شروع میں یہ گمان کیا تھا کہ وہ جو مال وجاہ اور ملک نبی کریمؐ کو پیش کرے گا تو وہ اسے قبول کر لیں گے۔ اس بنا پر انھوں نے آپ کو یہ پیش کش کی کہ قریش آپ کو وہ سب کچھ دینے کو تیار ہیں جو آپ چاہیں۔ بشرطیکہ آپ ان کے دین سے تعرض نہ کریں اور انہیں بتوں کی عبادت ترک کرنے کی دعوت نہ دیں۔ ابوالولید نے یہ رائے اس لئے قائم کی کہ انسان طبعاً خاص کر جب کہ وہ فقیر و محتاج ہو مال کا لالچ کرنے لگتا ہے اور حکومت کی عظمت و طمطراق اسے دھوکہ میں ڈال دیتے ہیں اس لئے ان دونوں سے اُسے تعلق خاطر رہتا ہے اور ان کے حصول کے لئے جو تدبیر بھی بن پڑے اس کی جد و جہد کرتا ہے۔ اگر ابُوالولید یہی پیشکش یا اس کا کچھ حصّہ بھی نبی کریمؐ کے سوا کسی دُوسرے پر پیش کرتے تو وہ اس پر خوش ہو جاتا اور فوراً قریش کی بات مان لیتا اور خود کو اور اپنے ساتھیوں کو ہر وقت کے ظلم و تشدّد، ایذا رسانی، تکلیف دہی اور قتل کی دھمکیوں سے محفوظ کر لیتا لیکن نبی کریمؐ ان چیزوں میں سے کسی کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے والے نہ تھے اور خواہ قریش آپ کو اپنی تبلیغ سے باز رکھنے کی کتنی ہی سعی کیوں نہ کرتے۔ آپ کے لئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آپ اسلامی دعوت کی تحریک سے علیحدگی اختیار فرما لیتے، تم نہیں دیکھتے کہ آنحضرتؐ نے اپنے چچا ابُوطالب سے کیا فرمایا تھا۔ واللہ اگر یہ لوگ میری دائیں ہتھیلی میں سُورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں تاکہ میں اپنی دینی مہم سے دستبردار ہو جاؤں تو بھی میں اسے ہرگز ترک نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ یا تو حق تعالیٰ اس مہم کو کامیاب بنا دیں یا میں اس راہ میں فنا ہو جاؤں۔

اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اس دعوتِ الٰہیہ کو پھیلانے کا حکم فرمایا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ اے کملی والے اُٹھ اور انسانوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرا۔

حق تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:۔

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ اور اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لئے صبر کیجئے۔

یعنی مُشرکوں کی طرف سے مشقّت، تکالیف اور ایذا رسانی پر صبر کیجئے۔

پس اس خدائی حکم کے بعد کیونکر ممکن تھا کہ آپ کی عزیمت پست و خوار اور آپ کے قوائے عمل سُست پڑ جاتے اور آپ کو پہنچنے والی تکالیف پر آپ صبر نہ کر سکتے اور کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ دُنیوی جاہ و دولت پر پھُولے نہ سماتے اور قریش کی طرف سے پیش کی ہوئی حکومت، منصب و جاہ اور مال و منال سے دھوکا

کہا جاتے۔

جب قریش نے دیکھا کہ حضرت رسُول اللہؐ نے ان کی اس پیشکش کو بھی رد کر دیا ہے تو انھوں نے کہا: اے محمدؐ! ہم نے جو تجویزیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ اگر آپ انھیں قبول کرنے پر آمادہ نہیں تو آپ جانتے ہیں کہ کوئی دُوسری قوم ہم سے زیادہ رہائشی تنگی، پانی کی قلت اور معاشی مشکلات میں مُبتلا نہیں ہے اس لئے آپ اپنے اس خدا سے جس نے آپ کو ایک نیا مذہب دے کر بھیجا ہے۔ دُعا کیجیے کہ وہ یہاں سے ان پہاڑوں کو ہٹا دے جن کی وجہ سے ہم پر جگہ تنگ ہو کر رہ گئی ہے۔ اس طرح ہمارے شہر کو کشادہ اور وسیع کر دے۔ نیز شام و عراق کی نہروں کی طرح ان پہاڑوں سے ہمارے لئے بھی نہریں نکال دے اور ہمارے اسلاف کو دوبارہ زندہ کر کے ہمارے پاس بھیج دے۔ ان میں قصی بن کلاب ضرور ہوں۔ کیونکہ وہ ہمارے سچے بزرگ تھے تاکہ ہم ان سے آپ کے دعویٰ کے مُتعلق تصدیق کر سکیں کہ یہ دعویٰ سچا ہے یا جھوٹا؟ اگر انھوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ نے ہمارا مطالبہ پُورا کر دکھایا اور ہم اللہ کے نزدیک آپ کی قدر و منزلت کو جان گئے۔ نیز یہ کہ اسی نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے تو اس وقت ہم بھی آپ کو سچا نبی تسلیم کر لیں گے۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا۔ میں ان باتوں کے پُورا کرنے کے لئے تمھاری طرف نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں حق تعالیٰ کا ایک خاص پیغام لے کر تمھارے پاس آیا ہوں اور وہ پیغام تم تک پہنچا چکا ہوں۔ اگر تم اسے مان لو گے تو دُنیا اور آخرت میں تمھارے لیے خوش بختی ہے اور اگر تم اسے رد کر دو گے تو میں صبر کروں گا کہ حق تعالیٰ میرے تمھارے درمیان خود فیصلہ فرما دے گا۔

اس پر انھوں نے کہا۔ اگر آپ ہمارے لئے یہ چیزیں خدا سے نہیں مانگ سکتے تو پھر خُدا سے عرض کریں کہ وہ آپ کے ساتھ ایک فرشتے کو بھیج دے جو آپ کے دعویٰ کی تصدیق کر دے اور آپ کی طرف سے ہم سے رجُوع کرے۔ اور خدا سے یہ بھی عرض کریں کہ وہ ہمارے لئے باغیچے، محلّات اور سونے چاندی کے ذخائر مہیا کر دے جو آپ کو بھی فکرِ معاش سے بے نیاز کر دے۔ کیونکہ آپ بھی بازاروں میں گھُومتے اور ہماری طرح روزی تلاش کرتے ہیں۔ تاکہ اگر آپ اپنے دعویٰ کے مطابق واقعی سچّے رسُول ہیں تو مذکورہ امُور کے ذریعہ ہم خدا کے یہاں آپ کی قدر و منزلت کا اندازہ لگا سکیں۔

آنحضرتؐ نے جواب دیا۔ میں یہ سب کچھ نہ کروں گا نہ ہی خُدا سے ان چیزوں کا مطالبہ کروں گا۔ میں ان چیزوں کے لئے تمھاری طرف نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ خدا نے مجھے نیکو کاروں کو رحمتِ الٰہی کی خوشخبری سنانے اور

بدکاروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانیوالے کا منصب دے کر بھیجا ہے۔ پس اگر تم میری ان باتوں کو تسلیم کر لو گے تو دین و دنیا میں تم صاحب نصیب رہو گے اور اگر انکار کردو گے تو میں خدا کے آئندہ حکم تک صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ میرے تمھارے درمیان آخری فیصلہ وہی صادر فرمائے گا۔

انھوں نے کہا یہ نہیں تو آپ ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گروادیں۔ جیساکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کا خدا چاہے تو ہم پر یہ عذاب نازل کرسکتا ہے۔ ہم آپ پر جبھی ایمان لاسکتے ہیں جب آپ یہ کر دکھائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ یہ کام خدا ہی کا ہے۔ اگر وہ خود تم سے یہ معاملہ کرنا چاہے گا تو کردے گا۔

پھر اُنھوں نے کہا اے محمدؐ! کیا آپ کے خدا کو یہ معلوم ہے کہ ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ سے وہ سوالات و مطالبات کریں گے جو ابھی آپ سے کر چکے ہیں جس کی بنا پر وہ آپ کے پاس آکر ہماری آپ سے گفتگو سے آپ کو پیشگی باخبر کردے گا اور اگر ہم نے آپ کا لایا ہُوا دین قبول نہ کیا تو وہ ہم سے جو معاملہ کرنے والا ہے۔ اس سے بھی آپ کو مُطلّع کردے گا۔ ہمیں تو یہ معلوم ہُوا ہے کہ یمامہ[1] کا ایک شخص ہے جو آپ کو یہ سب باتیں بتاتا ہے۔ اسے رحمان کہا جاتا ہے اور اے محمدؐ! ہم رحمان پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ ہم نے آپ سے اپنا عذر بیان کردیا ہے۔ واللہ ہم آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے یہاں تک کہ آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے یا آپ ہمیں ہلاک کر دیں گے۔ ان ہی میں سے ایک بولا کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ کی بیٹیاں ہیں

دُوسرے نے کہا۔ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ خدا اور فرشتوں کو علانیہ ہمارے سامنے نہ لائیں گے۔

جب یہ لوگ آنحضرتؐ سے یہ سب کچھ کہہ چکے تو آپ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کے ساتھ ہی عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم آنحضرتؐ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطّلب کا فرزند بھی اُٹھا اور کہنے لگا اے محمدؐ! آپ کی قوم نے آپ پر اپنے معروضات پیش کئے مگر آپ نے انھیں نہ مانا۔ پھر انھوں نے آپ سے اپنے لئے بعض مطالبات کئے تاکہ جیسا آپ کا دعویٰ ہے خدا کے نزدیک آپ کے مرتبہ و مقام کا پتہ لگا سکیں۔ پھر آپ کی تصدیق کردیں اور آپ کا اتباع کریں۔ مگر آپ نے وہ بھی نہ کیا۔ پھر انھوں نے مطالبہ کیا کہ آپ خود اپنے حق میں وہ شواہد حاصل کرلیں جن کے ذریعہ یہ لوگ خدا کے یہاں آپ کی عظمت و مرتبہ کو معلوم کرسکیں۔ مگر آپ نے یہ بھی نہ کیا۔ پھر انھوں نے آپ سے یہ آخری مطالبہ بھی کیا

---

[1] یمامہ یمن کا ایک شہر اور مُسیلمہ کذّاب کا وطن ہے۔ غالبًا یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

کہ آپ جس عذاب سے انھیں ڈراتے رہتے ہیں وہ عذاب ان پر پیشگی نازل کرا دیں۔ مگر آپ نے یہ بھی نہ کیا۔

پھر اس نے آپ سے کہا واللہ! میں آپ پر کبھی بھی ایمان نہ لاؤں گا۔ بجز اس کے کہ آپ میرے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں جا کر اپنے ساتھ ایک آسمانی دستاویز اور اس کے ساتھ بطور گواہی چار فرشتوں کو بھی ساتھ لائیں جو ہمارے سامنے گواہی دیں کہ واقعی آپ سچے پیغمبر ہیں۔ جیسا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں۔

اور خدا کی قسم! اگر آپ نے یہ کام کر لیا۔ تب بھی مجھے شبہ ہے کہ میں آپ کی تصدیق کر سکوں گا۔

اس مجلس کے ختم پر آنحضرتؐ اپنی قوم کی ہٹ دھرمی اور ان کی ہدایت کی اُمید کے بعد مایوسی کی وجہ سے رنجیدہ و غمگین اپنے گھر واپس تشریف لائے۔

بلاشبہ قریش نے آنحضرتؐ سے جو مطالبات کیئے تھے وہ بہت حیرت انگیز تھے جن سے ان کے تشدد و عناد کا پتہ چلتا ہے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ اسی وقت اسلام قبول کریں گے جب وہ معجزات و محالات کا مشاہدہ کر لیں گے۔ اسی لیئے انھوں نے آنحضرتؐ سے ایسے ایسے عجیب و غریب مطالبات کیئے تھے جن کا کسی کو خیال بھی نہ گزر سکتا تھا۔ محض اس لیئے کہ آپ سے ان مطالبات کی تکمیل سے مجبوری کا اظہار کرائیں پھر اس کی قوم میں تشہیر کریں۔ پس انھوں نے مطالبہ کیا کہ پہاڑوں کو اپنی قدیم جگہ سے دُور ہٹوا دیں اور زمین سے نہریں جاری کرا دیں، مُردوں کو زندہ کرا دیں۔ یا اللہ ان کے لیئے باغات و محلات بنا دے اور انھیں دولت کے خزانے دے دے۔ پس مادہ پرستوں اور بُت پرستوں کے مُطالبات یہ تھے۔

پھر ان سب مُطالبات میں سب سے زیادہ سفیہانہ مُطالبہ عبداللہ بن ابی اُمیہ بن مغیرہ کا تھا۔ جس نے آپ سے مُطالبہ کیا تھا کہ آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ایک دستاویز لکھوا کر مع چار فرشتوں کے لے کر آئیں تاکہ یہ فرشتے آپ کے دعویٰ کی تصدیق کریں اور یہ سب ہنگامہ کس لیئے تھا۔ صرف اس لیئے کہ عبداللہ بن ابی اُمیہ اسلام قبول کر لے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام نے ہمیشہ ان کفار کو راہِ راست پر لانے کے لیئے، جو انبیاء کو گمراہی، بیوقوفی، جنوں و جادوگری کی تہمت لگاتے رہے ہیں۔ شدید ترین مصائب و سختیاں جھیلی ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ — ہم نے حضرت نوح علیہ السّلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ — آپ نے ان سے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو۔

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

تمھارا خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں بصورت نافرمانی تم پر اس عظیم الشان (قیامت کیسے) دن عذاب الٰہی نازل نہ ہو۔

انھوں نے اس کا کیا جواب دیا:۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ایک جماعت نے کہا۔ بلاشبہ ہم تو تمھیں صریح گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔

علیٰ ہذا جب حضرت ہُود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کی طرف بُلایا تو انھوں نے بھی آپ پر حماقت و جھوٹ کی تہمت لگائی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ انھوں نے اپنی قوم سے کہا۔ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو۔ کیونکہ تمہارا اسکے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ اس پر آپ کی قوم کے کفار کی ایک جماعت نے کہا کہ ہم تم کو حماقت پر دیکھ رہے ہیں اور ہم تمھیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا معجزہ ظاہر کیا اور اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا جو اژدہا بن گئی تو کفار نے دعویٰ کیا کہ آپ جادوگر ہیں۔ حق تعالیٰ نے آیت ذیل میں اس کا ذکر فرمایا ہے:۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝

حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی تو وہ کھلم کھلا اژدہا بن گئی اور اپنے آستین سے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کو سفید چمکتا ہُوا دکھائی دینے لگا۔ اس پر فرعون کی قوم کی ایک جماعت نے کہا۔ بلاشبہ یہ ایک بڑا جادوگر اور علم سحر کا واقف ماہر شخص ہے۔

پس مُتشدّد و ہٹ دھرم لوگ مُعجزات اور کُھلی ہوئی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود بھی ایمان نہیں لاتے۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ

اور کُفّار نے کہا کہ تم ہمارے سامنے خواہ کوئی بھی نشانی

لِتَسۡحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِينَ ○ لے کر آؤ تاکہ ہمیں اس سے مسحور کر سکو، ہم کسی طرح بھی تم پر ایمان نہ لائیں گے۔

پس کیا اس کے بعد اس سے بڑھ کر کفر پر اصرار اور بغض و عناد کی کوئی اور مثال ہو سکتی ہے؟

ابو جہل کی حماقت

جب آنحضرتؐ اپنی قوم کے بغض و عناد اور کفر پر جمے رہنے پر رنجیدہ و غمگین مکان پر واپس ہوئے تو ابو جہل نے اپنے لوگوں سے کہا۔ اے جماعت قریش! تم دیکھ رہے ہو کہ محمدؐ ہمارے دین میں عیب نکالنے، ہمارے بزرگوں کو برا کہنے اور ہمارے خداؤں کی توہین سے باز نہیں آ رہے اس لیئے میں خدا سے اس کا عہد کرتا ہوں کہ میں کل کو ان کے لیئے ایک پتھر جسے میں اٹھا سکوں تیار رکھوں گا۔ جب وہ نماز میں سجدہ میں جائیں گے تو اس پتھر سے ان کا سر کچل دوں گا۔

اس بات سے ابو جہل کی آپ سے غیر معمولی عداوت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی دشمنی نے اسے عقل سے بالکل ہی خارج کر دیا تھا اور اس نے جاہلوں کا سا طرزِ عمل اختیار کر لیا تھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو اس کے شر سے بچا لیا اور اس کی غداری سے نجات دیدی۔ ابو جہل اس قوم کا فرعون تھا۔ اس کا نام عمرو بن ہشام تھا۔ جنگِ بدر میں بحالت کفر قتل ہوا۔ جنگ بدر ہجرت کے دوسرے سال برپا ہوئی تھی اسے عمرو بن جموح انصاری اور ابن عفراء انصاریؓ نے قتل کیا تھا۔ یہ دونوں نو عمر لڑکے تھے۔ صحیح بخاری میں ان دونوں کا مشہور قصہ مذکور ہے۔ احادیث کی کتب میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اسے مقتول دیکھا تو فرمایا "آج اس اُمت کا فرعون مارا گیا"۔

یہ شخص نہایت بداخلاق، بدزبان اور قسی القلب تھا۔

اس کی بداخلاقی کا ایک واقعہ یہ ہے کہ اس نے ایک تاجر پر جو زبید سے تین بڑھیا اونٹ فروخت کے لیئے لایا تھا، بڑا ظلم کیا۔ اس طرح کہ اس نے ان اونٹوں کی قیمت اصل قیمت سے تہائی لگائی۔ نتیجہ یہ کہ اس کی وجہ سے کسی اور شخص نے بھی ان کی قیمت زیادہ نہ لگائی۔ اس طرح ابو جہل نے اس کا معاملہ بگاڑ دیا اور اس سے منصفانہ معاملہ نہیں کیا۔ بجز آنحضرتؐ کے کیونکہ آپ نے اس کے مال کی صحیح قیمت لگائی جس سے مالک خوش ہو گیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان اونٹوں کو خرید کر ان میں سے دو کو پوری

قیمت پر فروخت کر دیا اور تیسرے کو فروخت کر کے اس کی قیمت بنو عبد المطّلب کی بیواؤں میں تقسیم فرما دی۔

دُوسرا واقعہ یہ ہُوا کہ ابو جہل ایک یتیم کے مال کا نگران تھا مگر اس نے اس کا پُورا مال ہضم کر کے اسے دھتکار دیا۔ اس یتیم لڑکے نے آنحضرتؐ سے مدد چاہی تو آنحضرتؐ اس کے ساتھ ابو جہل کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے یتیم بچے کو اس کا حق واپس دلوایا۔

تیسرا واقعہ یہ ہُوا کہ ابو جہل نے اراشی نامی ایک شخص سے چند اُونٹ قیمتہً خریدے (مگر قیمت ادا نہ کی) اس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے مدد چاہی اور عرض کیا کہ وہ پردیسی اور مسافر ہے اور ابو جہل نے اس کا حق مار لیا ہے۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ فوراً اس کے ساتھ ابو جہل کے مکان پر پُہنچے۔ اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے پُوچھا۔ کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔ محمدؐ۔ پس وہ باہر نکلا اور خوف سے اس کا رنگ اُڑا ہُوا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ اس شخص کا حق ادا کر دو۔ اس پر آپ کا رُعب چھا گیا اور اس نے فوراً اس شخص کی رقم ادا کر دی۔

یہ ہے ابو جہل اور یہ اس کی بدمعاملگی، ظلم و تعدّی اور لوگوں کے حقوق غصب کر لینے کے چند واقعات ہیں۔ کتاب قاموس الاسلام طبع دوم ۱۸۹۶ء میں تحریر ہے کہ ابو جہل بہت بڑائی مارنے والا اور بہت بدکردار شخص تھا۔

قریش کا آنحضرتؐ کا امتحان لینا

قریش نے ان ہی تمام باتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آنحضرتؐ پر مختلف سوالات کی بوچھاڑ کر کے آپ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ کے یہودی علماء کے پاس روانہ کیا اور انھیں فہمائش کر دی کہ وہ ان علماء سے محمدؐ کے بارے میں سوال کریں۔ ان کے سامنے آپ کے اوصاف بیان کریں اور انھیں آپ کے دعوٰی نبوت کی اطلاع دے کر معلومات کریں کیونکہ وہ پہلی آسمانی کتاب والے ہیں اور ان کے پاس انبیاء سے متعلق وہ معلومات ہیں جو ہمارے پاس نہیں ہیں چنانچہ یہ دونوں مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے اور وہاں کے یہودی علماء سے کہا کہ آپ لوگ تورات والے ہیں۔ ہم اس لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمیں ہمارے ان مدّعی نبوت کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچائیں۔

یہودی علماء نے ان سے کہا کہ ہم تین باتیں تمھیں بتاتے ہیں۔ تم ان سے جا کر ان تینوں باتوں کے متعلق سوال کرنا۔ اگر انھوں نے ان کے جوابات دے دیئے تو وہ واقعی خُدا کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہیں اور اگر جواب نہ دے سکے تو سمجھ لو کہ وہ خود ساختہ نبی ہیں۔ پس ان سے بچتے رہو۔

۱۔ پہلے زمانہ میں کچھ لوگ گزرے ہیں جن کا قصّہ عجیب و غریب تھا۔ تم ان پیغمبر سے دریافت کرو کہ وہ قصّہ کیا تھا؟

۲۔ ان سے دریافت کرو کہ وہ شخص جس نے مشرق سے مغرب تک تمام روئے زمین کا سفر کیا تھا کون تھا اور اس کا کیا واقعہ تھا؟

۳۔ ان سے رُوح کی حقیقت کے متعلق سوال کرو۔

اگر انھوں نے تمھیں ان تمام باتوں کی اطلاع دے دی تو تم ان کا اتباع کرنا اس لیئے کہ وہ سچے نبی ہیں اور اگر وہ جوابات نہ دے سکے تو سمجھ لینا کہ وہ خود ساختہ نبی ہیں۔

پس یہ ہر دو مکّہ واپس ہوئے اور قریش سے کہا کہ ہم تمہارے اور محمدؐ کے درمیان حق و باطل کا فیصلہ کرنے والی باتیں لے کر آئے ہیں۔ وہ یہ کہ یہودی علما نے ہم سے کہا ہے کہ ہم محمدؐ سے چند سوالات کریں اگر وہ ان کے جوابات دے سکیں تو جان لو کہ وہ نبی ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ وہ خود ساختہ اور جھوٹے ہیں۔ ان سے دُور بھاگو۔

پھر یہ سب لوگ جمع ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے محمدؐ! ہمیں بتائیے کہ گزشتہ دور میں جو چند نوجوان گزرے ہیں جن کا قصّہ عجیب و غریب تھا۔ وہ کون تھے اور ان کا قصّہ کیا ہے؟

دُوسرے ایک ایسا شخص گزرا ہے جس نے مشرق سے مغرب تک تمام روئے زمین کی سیاحت کی ہے۔ وہ شخص کون تھا؟

تیسرے ہمیں رُوح کی حقیقت سے آگاہ کیجئے۔

اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تمھیں کل سب کچھ بتاؤں گا مگر آپ نے انشاء اللہ نہ فرمایا۔ وہ لوگ اس وعدہ پر واپس چلے گئے۔ ادھر آنحضرتؐ پندرہ دن تک انتظار کرتے رہے۔ نہ خدا نے آپ پر وحی بھیجی نہ حضرت جبریلؑ حاضر خدمت ہوئے۔

اس پر مکّہ والوں نے لوگوں کو بھڑکانے کو کہنا شروع کر دیا کہ محمدؐ نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا۔

جسے آج پندرہ دن گزر گئے مگر اس نے ہمارے سوالات کا اب تک کچھ جواب نہیں دیا۔ آپؐ کے بارے میں اہل مکہ کے یہ طعنے اور وحی کا انقطاع آپ پر بہت گراں گزرا۔ پھر حضرت جبریلؑ سورۂ کہف لے کر حاضر ہوئے جس میں کفار کی باتوں پر آپؐ کے رنجیدہ ہونے پر آپ پر عتاب تھا اور انکے سوالات کے جوابات تھے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ قریش نے جب آنحضرتؐ سے تین سوالات کیئے تھے تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں کل جواب دوں گا مگر اِن شَاءَ اللہ نہ کہا تھا۔ اس بنا پر پندرہ دن تک وحی آنی رُک گئی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی :-

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ — تم جب بھی یہ کہو کہ میں یہ کام کل کروں گا تو اس کے ساتھ کلمۂ اِن شاء اللہ[1] ضرور کہہ لیا کرو۔

اِن شاء اللہ کہنا اس لیے ضروری ہے کہ جب انسان یہ کہتا ہے کہ میں فلاں کام کل کروں گا تو بعید نہیں کہ وہ کل آنے سے پہلے ہی فوت ہو جائے یا کسی اچانک پیش آمدہ مجبوری کی وجہ سے وہ اسے پورا نہ کر سکے تو اگر اس نے کلمہ اِن شاء اللہ نہیں کہا ہو گا تو وہ اپنے وعدہ میں جھوٹا قرار پائے گا اور جھوٹ قابلِ نفرت و مذموم فعل ہے اور ایسا کرنا انبیاء کے شایانِ شان نہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام قریش کے سوالات کے جوابات سے متعلق وحی لے کر حاضر ہوئے جس میں ان نوجوانوں کی شان میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا :-

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ○ — کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار اور پہاڑ والے ہمارے عجائباتِ قدرت میں سے کوئی عجیب شے تھے۔

اور تمام دنیا کا دورہ کرنے والے شخص سے متعلق سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی :-

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ○ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ○ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ○ (الیٰ آخرہ) — اور یہ لوگ آپؐ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں سو کہہ دیجئے کہ ابھی تم سے ان کا قصہ بیان کرتا ہوں۔ ہم نے ہی انھیں روئے زمین کی حکومت عطا کی تھی اور ہم نے ہی انھیں ہر قسم کا کافی ساز و سامان دیا تھا۔ چنانچہ وہ بارادہ فتوحات مغرب کی راہ پر روانہ ہو گئے تھے۔

---

[1] اس کے معنی ہیں۔ "اگر خدا نے چاہا۔" م

رہی رُوح سو اس سے متعلق سوال کے جواب میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا:۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ	یہ لوگ آپ سے رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ ان سے
الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ	کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کا ایک امر ہے اور تمھیں اس کے
مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝	متعلق بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر ولفنسون اسرائیلی نے بھی جو مصری یونیورسٹی میں سامی زبانوں کے پروفیسر ہیں اس روایت کی تائید کی ہے اور اپنی تصنیف "عرب ملکوں میں یہود کی تاریخ" صفحہ ۹۸ میں لکھا ہے:۔

بعض مستشرقین نے بغیر کسی دلیل کے جس پر ہم مطمئن ہو سکیں اس اہم واقعہ کی صحت سے انکار کر دیا ہے۔ مگر حق بات یہ ہے کہ اس تاریخی روایت کا انکار مشکل ہے جو سورۂ کہف اور خاص رُوح اور ذُوالقرنین سے متعلقہ آیات کے نزول کا سبب بنی۔ اور یہ ہمارے پاس ایک ایسی دلیل ہے جو ہمیں یہ ماننے پر مجبور کرتی ہے کہ غالباً[۱] یہ روایت درست ہی ہوگی اور وہ یہ ہے کہ "تلمود[۲]" میں ایک مشہور قصہ مذکور ہے جو اہلِ کہف کے قصہ سے ملتا جلتا ہے اور یہود نے قریش کے ذریعہ آنحضرتؐ سے جو سوالات کیے تھے وہ اسی قصہ سے اخذ کیے گئے تھے۔

اس قصہ سے ہمارے اس دعویٰ کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اس وقت مکہ میں ایک بھی یہودی آباد نہ تھا۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو قریش یہودی علماء سے آنحضرتؐ کے متعلق معلومات حاصل کرنے اپنے وفد کو مدینہ نہ بھیجتے اور اگر مکہ میں کوئی ایک آدھا یہودی ہوگا بھی تو وہ عالم نہ ہوگا۔

اور قریش نے آپؐ سے مکہ کے پہاڑوں کو ہٹوا دینے، زمین پر نہریں جاری کرا دینے اور ان کے مُردہ آباؤ اجداد کو زندہ کرا دینے کے متعلق جو مطالبات کیے تھے ان کے متعلق حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ح[۱] یہ ایک کمزور تعبیر ہے۔ جب یہ مستشرق دوسرے مستشرقین کی تردید کر رہے ہیں جو بغیر دلیل کے اس روایت کا انکار کرتے ہیں اور وہ اسے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے مشابہ ایک قصہ تلمود میں مذکور ہے تو انھیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ یہ واقعہ صحیح ہے۔ مسٹر مرجولیوث نے یہود کی طرف سے ان سوالات کا انکار کیا ہے۔ مزید برآں ذُوالقرنین کی بجائے اسکندر اکبر لکھا ہے اور ہر دو میں فرق کیا ہے کہ پہلا رومی، دوسرا یمنی تھا جیسا کہ مقریزی وغیرہ نے بھی یہی ثابت کیا ہے۔ ذُوالقرنین کا نام صعب بن ذو مراثد بن حارث رائش بن ہمال ذی سدد تھا۔ جن مؤرخین و مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ذوالقرنین سکندر مقدونی تھا انھوں نے غلطی کی ہے۔

ح[۲] تلمود یہود کی ایک دینی کتاب کا نام ہے۔ م

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ

وہ ہرگز اسلام نہ لائیں گے۔ اگرچہ قرآن کے ذریعہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے یا روئے زمین کو طے کر لیا جائے۔ یا اس کے ذریعہ مردوں سے بات چیت کر لی جائے سب قدرت صرف حق تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

یعنی (خدا فرماتا ہے کہ) میں ان میں سے وہی بات کروں گا جسے میں خود کرنا چاہوں گا۔

اور قریش نے آنحضرتؐ سے جو یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ اپنی ذات کے لیئے خدا سے یہ چیزیں طلب کریں کہ وہ آپکے لیئے باغات و محلات اور خزانے مہیا فرما دے اور آپکے پاس اپنا ایک فرشتہ بھیجے جو آپکے دعویٰ کی تصدیق کر دے اور آپ کی طرف سے سوالات کے جواب دے دے، تو اس مطالبہ کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی :۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝

اور کفار کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہو گیا کہ یہ (ہماری ہی طرح) کھانا بھی کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ اس پر ایک فرشتہ نازل ہو کر اس کے ساتھ رہتا اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا یا اس پر خزانہ اُتارا جاتا یا اس کے لیئے میوہ کے باغات ہوتے جن سے وہ پھل کھاتا۔ یہ ظالم کہتے ہیں کہ اے لوگو! تم فضول ایک جادوگر کا اتباع کر رہے ہو۔ دیکھیئے آپ کی شان میں کیسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ ایسی ہی باتوں سے گمراہ ہو گئے اور صحیح راستہ نہ پا سکے۔ خدا کی ذات بہت بابرکت ہے، وہ اگر چاہے تو آپکے لیئے مذکورہ صورتوں سے بہتر صورت پیدا کر سکتا ہے وہ یہ کہ آپکے لیئے ایسے باغات نمودار کر دے جن کے نیچے ہمیشہ نہریں بہتی رہیں اور آپ کے لیئے عالی شان محلات بنا دے۔

اور عبداللہ بن ابی اُمیہ کے آپ سے مطالبہ کے متعلق حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ
لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ
لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ
فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝
اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ
عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ
الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ
لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى
فِى السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ
حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ
اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

اور کفار کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب
تک کہ آپ ہمارے لیئے زمین سے چشمے نہ جاری کردیں
یا خاص آپ کی ذات کے لیئے کھجوروں اور انگوروں کے
ایسے باغات قدرت سے عطا نہ ہوں جن کے درمیان سے
نہریں بہتی ہوں یا جیسا آپ دعویٰ کرتے ہیں ہم پر آسمان
کے ٹکڑے عذاب الٰہی کے طور پر گروادیں۔ یا آپ اللہ اور
فرشتوں کو ہمیں علانیہ دکھلادیں۔ یا آپ کے لیئے مزین و آراستہ
خوبصورت مکان ہو یا آپ سیڑھی سے آسمان پر چڑھ کر
دکھائیں اور ہم آپ کے آسمان پر چڑھنے پر اس وقت تک ہرگز
یقین نہ کریں گے جب تک کہ آپ آسمان سے ہمارے لیئے
کوئی ایسی واضح کتاب لے کر نہ آئیں جسے ہم پڑھ سکیں۔ آپ ان
سے کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان فرمائشات کی تکمیل سے منزہ ہے
میں تو صرف ایک بشر اور خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

اور قریش نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یمامہ کا ایک شخص جس کا نام رحمان بتایا جاتا ہے آپ کو یہ سب تعلیم دیتا ہے۔ مگر ہم اس کی تعلیمات پر کبھی بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اس کے متعلق حق تعالیٰ نے آیت ذیل نازل فرمائی:-

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِىْٓ اُمَّةٍ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ
لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ
قُلْ هُوَ رَبِّىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ
مَتَابِ ۝

علیٰ ہذا ہم نے آپ کو ایک امت میں اپنا پیغمبر بنا کر
بھیجا ہے۔ اس سے قبل بھی بہت سی قومیں ہو گزری ہیں
تاکہ آپ اپنی قوم والوں پر وہ آیات تلاوت فرمائیں جو
ہم نے آپ پر وحی کے ذریعہ نازل کی ہیں۔ یہ کفار رحمٰن
کا انکار کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ رحمٰن میرا
پروردگار ہے۔ کائنات میں اس کے سوا دوسرا کوئی معبود
نہیں میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں پھر اسی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے

اور ابُوجہل نے آپ کی شان میں جو کہا اور آپ کو ایذا پہنچانے کا جو منصُوبہ بنایا تھا اس کے متعلق قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی :۔

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْہٰی ۙ○ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ؕ○ اَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰٓی ۙ○ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ؕ○ اَرَاَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ؕ○ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ؕ○ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ ۬ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَۃِ ۙ○ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ ۚ○ فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ ۙ○ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ ۙ○ کَلَّا ؕ لَا تُطِعْہُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ۩○

کیا تو اس شخص کے حال سے واقف ہے جو ہمارے ایک برگزیدہ بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے. کیا تو بتا سکتا ہے کہ اگر وہ راہِ مُستقیم پر قائم ہے اور تقویٰ کا حکم کرتا ہے تو پھر تو بتا کہ بھلا ایسا شخص جو ناحق دین کو جھُٹلاتا اور دین سے رُوگردانی کرتا ہو کیا اسے یہ پتہ نہیں کہ اللہ یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اسے ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیئے. اگر یہ شخص باز نہ آئے گا تو ہم اس کے دروغ بافیدہ وگناہ آلُودہ پٹھے پکڑ کر (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے۔ سو یہ اپنے مصاحبوں کو بُلا لے ہم بھی دوزخ کے کارندوں کو بُلالیں گے۔ اسے ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ اے پیغمبر آپ اس کی بات نہ مانیں اور بدستور نماز ادا کرتے رہیں اور خُدا کا قرب حاصل کرتے رہیں۔

اور قریش نے جو آپ کو اپنے اموال کی پیشکش کی تھی اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی :۔

قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ۚ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ ○

اے محمدؐ! ان سے کہدیجئے کہ میں نے تم سے اگر کوئی صلہ طلب کیا ہو تو وہ تم اپنے ہی پاس رہنے دو۔ میرا صلہ تو خُدا ہی کے ذمّہ ہے اور وہی ہر بات کا گواہ ہے۔

○

حضرت جابر بن عبداللہ کا قبولِ اسلام

مسٹر مرجولیوث نے اپنی کتاب "محمد" کے صفحہ ۱۰۶ پر ان اساتذہ کے متعلق بحث تحیص میں کافی جدوجہد کی ہے جو بقول ان کے آنحضرت کو آسمانی مقدس کتابوں کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مصنف کا بیان حسب ذیل ہے۔

جابر بن عبداللہ مولی بنی عبدالدار ایک یہودی تھا جو مکہ میں سنار کا کام کرتا تھا۔ وہ اور ایک دوسرا یہودی یاسر نامی اپنی تجارتی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ اپنی مقدس کتاب بھی پڑھا کرتے تھے۔ نبی کریم ادھر سے گزرتے اور ان سے یہ کتاب سنا کرتے تھے۔

مؤلف کتاب کی رائے کے مطابق اس کے معنی یہ ہوئے کہ گویا آنحضرت نے جابر بن عبداللہ سے کتابِ مقدس سن سن کر اپنے خاص افکار و نظریات توریت سے مرتب فرماتے تھے۔ لیکن یہ لکھنے کے بعد مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب ان ہی جابر نے آنحضرت کو سورۂ یوسف تلاوت کرتے ہوئے سنا تو وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ پس جب جابر یہودی حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ سن کر مشرف باسلام ہو گئے حالانکہ یہی قصہ تورات میں بھی مذکور ہے جسے وہ مؤلف کے دعویٰ کے مطابق آنحضرت کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی قصہ قرآن کریم میں انتہائی پختگی، لطافت اور جامع تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ یہاں تک کہ اس نے جابر جیسے شخص کی عقل کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا جسے مرجولیوث نے آنحضرت کے معلم کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ علاوہ بریں مرجولیوث نے حضرت جابرؓ کے اسلام لانے کا اعتراف بھی کیا ہے کیونکہ تمام تاریخی کتب میں اس کا ذکر موجود ہے۔

ہم حضرت جابرؓ کے اسلام لانے کو قرآن کریم کے اعجاز کی واضح دلیل سمجھتے ہیں۔ نیز اس کی دلیل سمجھتے ہیں کہ وہ آنحضرت پر نازل ہوا ہے۔

رہے یاسر یہودی سو انھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا اور محض اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کیے گئے تھے یہاں تک کہ انہی شدائد سے انتقال فرما گئے۔

مسٹر مرجولیوث نے اپنی تالیف میں یہ بھی کہا ہے کہ :-

"خیال کیا جاتا ہے کہ قرآن میں جو حصہ مسیحیت کے بیان سے مختص ہے وہ نبی کریمؐ نے حضرت صہیبؓ سے پڑھا ہے جو بہت پہلے اسلام لے آئے تھے اور یہ رومی النسل اور موصل کے باشندے تھے۔"

ہم یہ کہتے ہیں کہ ان حضرات کا اسلام لانا آنحضرتؐ کی رسالت اور آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ صہیبؓ اس وقت مشرف باسلام ہوئے جب آنحضرتؐ دارارقم میں تشریف فرما تھے۔ یہ مکہ میں کمزور و مجبور شخصوں میں سے تھے۔ انھیں راہِ خدا میں سخت اذیتیں دی گئی تھیں۔ انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور آنحضرتؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ ان دلائل کے علاوہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ مسٹر تولدکہ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ رسول اللہ قدیم کتابوں سے بالکل ناواقف تھے۔

مسٹر مرجولیوث نے جو کچھ آنحضرتؐ کے متعلق کہا ہے وہی کفارِ قریش بھی کہتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ۔	کفار یہ کہتے ہیں کہ حضرت محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ سرتا سر جھوٹ ہے جسے انھوں نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے بعض لوگوں نے ان کفار کے قول کی تائید و ہمنوائی کی ہے۔

کلبی اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی تھی کیونکہ وہی یہ بات کہا کرتا تھا اور دوسرے اس کی تائید و امداد کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ عداس مولی حویطب بن عبدالعزیٰؓ۔ یسار ا عامر بن حضرمی کا غلام اور جبر مولیٰ عامر ہیں۔ یہ تینوں اہل کتاب تھے۔ توریت پڑھا کرتے تھے اور اس کی احادیث لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے۔ جب یہ تینوں مسلمان ہو گئے۔ تو نبی کریمؐ ان سے قدیم روایات سُنا کرتے تھے۔ غالباً نضر نے جو بات کہی وہ اسی بُنیاد پر کہی تھی۔

○

حبشہ کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت

بماہ رجب سنہ ۵ بعثت نبوی (م سنہ ۶۱۵ ء)

جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ صحابہ کرام کفار کی طرف سے طرح طرح کے دردناک مصائب و تکالیف میں مبتلا ہیں اور آپ کفار کے ظلم و ستم کو روکنے پر قادر نہیں۔ دوسری طرف خود آپ خدا کے نزدیک آپ کی منزلت کی وجہ سے نسبتاً امن و عافیت میں ہیں۔ نیز ابوطالب بھی آپ کے تحفظ کے لئے سینہ سپر ہیں تو آپ نے صحابہ سے فرمایا مناسب ہے کہ تم لوگ ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ کیونکہ وہاں کا بادشاہ ایسا ہے کہ اس کی قلمرو میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور اس وقت تک وہاں رہو جب تک حق تعالیٰ تمہارے لئے اس ابتلا سے نکلنے کی کوئی متبادل سبیل نہ فرما دے اور تمہارے لئے فراغت و کشادگی کی راہ نہ کھول دے

مگر آپ خود مکہ ہی میں ٹھہرے رہے اور خفیہ و علانیہ تبلیغ اسلام فرماتے رہے۔ اس وقت کے نجاشی بادشاہ کا نام "اصحمہ بن ابجر" تھا۔ عربی زبان میں اصحمہ کے معنی عطیہ کے ہیں اور نجاشی حبشہ کے ہر بادشاہ کا لقب ہوتا تھا۔ حبشی لوگ مذہباً نسطوری مسیحی تھے۔ پس آنحضرت کے حکم کے بعد مہاجرین صحابہ حبشہ کی طرف خفیہ طور پر روانہ ہو گئے اور یہ واقعہ بماہ رجب سنہ ۵ بعد از نبوت م سنہ ۶۱۵ ء کو ظہور پذیر ہوا۔

مہاجرین کا یہ قافلہ بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھا۔ مکہ سے چل کر یہ لوگ شعیبہ[1] تک پہنچے۔ ان میں بعض سوار اور بعض پیدل تھے۔ خدا نے اس وقت مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائی کہ وہ تاجروں کی دو کشتیاں لے آئے اور سب کو ان میں سوار کرا کر حبشہ کی طرف روانہ کر دیا۔ ادھر ان کی خبر معلوم ہوتے ہی کفار نے ان کا پیچھا کیا اور سمندر تک پہنچ گئے لیکن ان سے پہلے مسلمان کشتیوں میں سوار ہو چکے تھے۔ اس لئے کوئی ان کے ہاتھ نہ آسکا۔ کیونکہ انھوں نے بہت خفیہ طور پر سفر کیا تھا۔ صحابہ کا بیان ہے کہ ہم حبشہ صحیح سالم پہنچ گئے۔ وہاں ہمیں بہترین پڑوس ملا اور مذہبی تحفظ حاصل رہا۔ ہم بلا خوف و خطر اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ نہ ہمیں کوئی اذیت دیتا اور نہ کوئی ناگوار بات سننے میں آتی۔ حبشہ قریش کی تجارتی منڈی تھا۔ جہاں جا کر وہ تجارت کیا کرتے تھے اور وہاں سے وہ اپنی روزی کماتے اور امن و عافیت

---

[1] جدہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

پاتے تھے۔

اگرچہ مہاجرین کی تعداد کم تھی لیکن اسلامی تاریخ میں یہ ہجرت عظیم الشان تھی۔ کیونکہ یہ ہجرت اہلِ مکہ کے لئے مسلمانوں کے اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہنے میں غایت درجہ اخلاص اور اس راہ میں تمام مشکلات ونقصانات برداشت کرنے کے عزم پر ایک واضح وروشن دلیل تھی۔

حبشہ کی طرف یہ پہلی ہجرت، اسی طرف دوسری ہجرت کا، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کا پیش خیمہ تھی۔ اس ہجرت کے مہاجرین ومہاجرات کے نام یہ ہیں:۔

حضرت عثمان بن عفانؓ مع زوجۂ خود حضرت رقیہؓ دختر رسول اللہؐ۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہؓ مع زوجۂ خود حضرت سہلہ بنت سہیلؓ۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ۔ حضرت زبیر بن عوامؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مع زوجۂ خود حضرت اُمِّ سلمہؓ۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ حضرت عامر بن ربیعہؓ مع زوجۂ خود حضرت لیلیٰ بنت ابی ہیثمہؓ۔ حضرت ابوسبرؓ حضرت حاطب بن عمروؓ۔ حضرت سہیل بن بیضاءؓ۔ ان ہی کو سہیل بن وہب بھی کہا جاتا ہے۔

○

غرانیق کی شفاعت کا بیان

اور زندیقوں کا آنحضرتؐ پر بہتان

بعض مؤرخین نے روایت کی ہے اور ان سے مفسرین نے بھی نقل کیا ہے کہ:

جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ آپ کی قوم آپ سے رُوگردانی کرتی ہے تو آپ گھر میں کچھ دن گوشہ نشین ہو گئے اور آرزو کرنے لگے کہ کاش اب مجھ پر کوئی ایسی آیت نازل نہ ہو جو میری قوم کو مجھ سے متنفر و بیزار کر دے۔ پھر آپ اپنی قوم سے میل جول بڑھانے لگے اور ان سے قریب ہو گئے۔ وہ لوگ بھی آپ سے قریب ہو گئے۔ ایک دن آپ کعبہ کے قریب ان کی ایک منعقدہ مجلس میں ان کے ساتھ بیٹھے اور سُورۂ (والنجم اذا ھوی) تلاوت فرمانی شروع کی حتّٰی کہ جب آپ آیۂ

اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝	کیا تم نے لات و عزّٰی اور تیسرے بُت منات کو دیکھا ہے۔

پر پہنچے تو ساتھ ہی شیطان نے آپ کی زبان سے یہ دو کلمے زیادہ کہلوا دیئے۔

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔	یہ غرانیق بلند مرتبت والے بُت ہیں جن کی شفاعت کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

چنانچہ آنحضرتؐ کی زبان سے یہ کلمات ادا ہو گئے۔ پھر آپ نے باقی سُورت کی تلاوت مکمل فرمائی اور سجدہ تلاوت ادا فرمایا۔ آپ کے ساتھ ہی حاضرین نے بھی سجدہ ادا کیا۔

ولید بن مغیرہ مٹی کا ڈھیلہ اُٹھا کر اپنی پیشانی کے قریب لایا اور اس پر سجدہ کیا۔ کیونکہ وہ بہت بُوڑھا تھا بوجہ ضُعف سجدہ کی طاقت نہ رکھتا تھا۔

اور بعض نے یہی صورت اُبو اُحیحہ سعید بن عاص کی طرف منسوب کی ہے۔ پس بعض نے اس واقعہ کو ولید کی طرف اور بعض نے اُحیحہ کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض کا قول ہے کہ ان دونوں ہی نے اپنی اپنی

۱؎ غرنُوق ایک پرندہ سارس نامی کو کہا جاتا ہے۔ کفّار کا عقیدہ تھا کہ بُت انھیں اللہ کا قرب دلاتے اور خدا سے ان کی سفارش کرتے ہیں۔ پس انھیں پرندوں سے تشبیہ دی جانے لگی جو آسمان پر اڑیں اور بلند پرواز ہوں۔

کبر سنی و ضعیفی کی وجہ سے یکساں عمل کیا تھا۔ اور یہ لوگ آنحضرتؐ کے مذکورہ کلمات پر راضی ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ خدا ہی مخلوق کو زندہ کرتا، وہی مارتا اور وہی اسے رزق دیتا ہے۔ لیکن ہمارے یہ دوسرے خدا (یعنی بت) خدا کی بارگاہ میں ہماری سفارش کرتے ہیں۔ پس اگر آپ خدائی میں ان کا بھی حصہ رکھیں تو پھر ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آنحضرتؐ پر ان کی یہ بات گراں گزری۔ حتیٰ کہ آپ خانہ نشین ہو گئے۔ شام کو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر خدمت ہو کر آپ پر سورۂ والنجم پیش کی اور عرض کیا کہ یہ دو کلمے جو آپ نے پڑھے ہیں یہ زائد ہیں۔ میں یہ لے کر نہیں آیا تھا۔ اس پر آنحضرتؐ نے تاسف کے لہجہ میں فرمایا کہ میں نے اللہ کے کلام میں وہ کلمے ملا دیئے جو اس نے نہیں فرمائے تھے۔

اس پر حق تعالیٰ نے آپ پر یہ وحی نازل فرمائی:۔

وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْکَ خَلِیْلًا ○

اور قریب تھا کہ کفار آپ کو ان احکام سے بچلا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعہ بھیجے تھے تاکہ آپ ان کے دھوکہ میں آ کر ہماری وحی کے سوا کسی دوسری بات کی طرف نسبت کر بیٹھیں۔ پھر ایسا ہونے پر وہ آپ کو اپنا پکا دوست بنا لیتے ہیں

آیت ذیل تک:۔

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ○

ایسا ہو جاتا تو پھر آپ ہمارے سوا اپنے لئے دوسرا کوئی مددگار نہ پاتے۔

ابن سعد نے اپنی طبقات میں اس روایت کو عبداللہ بن خطب سے نقل کیا ہے اور ترمذی کا قول ہے کہ خطب نے آنحضرتؐ کا زمانہ نہیں پایا۔

نہ ہی وہ آیت جس کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ اس وجہ سے نازل ہوئی تھی کہ آنحضرتؐ کی زبان سے خدائی کلام میں شفاعت غرانیق کا وہ جملہ سبقت لسانی سے ادا ہو گیا تھا جو حقیقۃً جزو وحی نہ تھا۔ یعنی آیت ذیل:۔

وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ۔

سو یہ آیت دراصل اس موقع پر نازل نہیں ہوئی تھی جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے عطاء کی روایت کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ آیت مذکورہ قبیلہ ثقیف کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس کے

ارکان آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ سے ایک نازیبا مطالبہ کیا تھا اور عرض کیا تھا کہ آپ ہمیں ایک سال ہمارے لات نامی بُت سے استفادہ کا موقع دیں اور جس طرح آپ نے بزمانۂ حج مکہ مکرمہ، اس کے درختوں، پرندوں اور چوپایوں کی حُرمت کا اعلان کیا ہے اسی طرح ہماری وادی کو بھی حرام قرار دے دیں۔

آنحضرتؐ نے سُنا مگر بوجہ ناگواری کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر انھوں نے آپ سے مکرّر اپنا منشا بیان کیا اور عرض کیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس طرح عرب خود پر ہماری فضیلت و برتری کو جان لیں اور اگر آپ اسے پسند نہ فرمائیں اور آپ کو یہ خدشہ ہو کہ عرب کہیں گے کہ آپ نے بنو ثقیف کو جو فضیلت عطا فرمائی وہ ہمیں عطا نہ فرمائی تو آپ فرما دیں کہ میں نے خُدا کے حکم سے ایسا کیا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے سکوت فرمالیا دراصل ان لوگوں کے دلوں میں یہ لالچ پیدا ہو گیا تھا اس پر حضرت عمرؓ ان پر برس پڑے اور کہنے لگے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمھاری واہی تباہی باتوں کی وجہ سے ہی آنحضرتؐ نے خاموشی اختیار فرمالی ہے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور صاحب کشاف نے بیان کیا ہے کہ ثقیف اپنے کاتب کو ہمراہ لائے تھے جس نے ان کے منشا سے لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ دستاویز محمّد رسول اللہ کی طرف سے قبیلہ ثقیف کے لیئے تحریر کی جاتی ہے کہ وہ نہ عُشر ادا کریں گے، نہ وطن سے نکالے جائیں گے، نہ خراج ادا کریں گے۔

اس پر آنحضرتؐ خاموش ہو گئے۔ ان لوگوں نے کاتب سے پھر کہا کہ لکھو۔ "نہ وہ خراج ادا کریں گے...." کاتب آنحضرتؐ کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر بن خطابؓ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور اہلِ وفد سے کہا۔ اے جماعت قریش! کیا تم ہمارے نبیؐ کے قلب کو جلاتے ہو۔ خدا تمھارے دلوں کو جلا دے۔ انھوں نے کہا۔ ہم تم سے بات نہیں کرتے، ہم تو محمّدؐ سے بات کر رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ واقعہ چونکہ مدینہ میں پیش آیا تھا۔ اس لئے اس آیت کو مدنی کہا گیا ہے۔

طبری نے شفاعت غرانیق کے واقعہ کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ مجھ سے محمّد بن اسحاق نے ان سے یزید بن زیاد مدنی نے ان سے محمّد بن کعب قرظی نے بیان کیا ہے۔ پھر انھوں نے محمّد بن کعب قرظی کی روایت تقریباً وہی بیان کی ہے جو عبداللہ بن خطب کی روایت سے ملتی جلتی ہے جسے ہم اوپر طبقات ابن سعد سے بیان کر آئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ محمّد بن کعب نے کہا ہے کہ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:-

---

ما۱ یعنی اس موقع پر نزولِ آیات میں راویوں کا اختلاف ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۙ	اے حضرت محمدؐ! ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نبی ایسا نہیں بھیجا جسے یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب کبھی اس نے اللہ کے احکام سے کچھ پڑھا تب ہی شیطان نے اس کے پڑھنے سے کفار کے قلوب میں) شبہ ڈال دیا، پھر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات وسوسوں کو زائل فرما دیا اور اپنی آیتوں کو اور زیادہ مستحکم (اور قلوب میں راسخ) فرما دیتا ہے اللہ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے۔

اس آیت سے حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے دل سے غم کو دھو دیا اور آپ کو جو اندیشہ لاحق ہو گیا تھا اس سے آپ کو محفوظ فرما دیا اور شیطان نے تلبیس کر کے آپ کی زبان سے جو کفّار کے خداؤں کے ذکر کے کلمات " تلك الغرانیق العلیٰ وان شفاعتهن لترتجیٰ " جاری کرا دیئے تھے وہ منسوخ فرما دیئے چنانچہ لات وعزّیٰ اور منات الثالثۃ الاُخریٰ کے ذکر کے ساتھ یہ بھی فرما دیا۔

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى ۝ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ۝ اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ	کیا بقول تمہارے تمہارے لئے تو لڑکے تجویز ہوں اور خدا کے لئے لڑکیاں تجویز ہوں۔ اس طرح تو یہ بہت بے ڈھنگی اور ظالمانہ تقسیم ہے۔ ان بتوں کا کوئی وجود ہی نہیں۔ یہ تو صرف وہ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے گھڑ لئے ہیں۔

آیات ذیل تک :-

لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡضٰى ۝	جسے خدا چاہے اور اسے پسند فرمائے (اسے ہی اس کی طرف سے شفاعت کی اجازت مل سکتی ہے)۔

یعنی خدا کی بارگاہ میں تمہارے بتوں کی شفاعت کیسے سود مند و قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔

یہ محمد بن کعب قرظی بنو قریظہ کی طرف منسوب ہیں جو یہود کا مشہور و معروف گروہ ہے۔ یہ تابعیؒ ہیں جنھوں نے ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب تہذیب التہذیب میں درج ذیل مضمون مکتوب ہے۔

۱۔ تابعی وہ کہلاتے ہیں جنھوں نے صرف صحابہ کرام کو دیکھا اور ان کا زمانہ پایا ہو۔ آنحضرتؐ کا زمانہ نہ پایا ہو۔ م

پہلے قتیبہ کی جو روایت نقل ہوئی ہے کہ محمدؐ بن کعب آنحضرتؐ کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ان کے والد پیدا ہوئے تھے۔ راویوں کا بیان ہے کہ یہ قریظہ کے ان قیدیوں میں سے تھے جو ابھی نابالغ تھے اور جن کے چہرہ پر بال بھی نہ اُگے تھے۔ اس لئے انھوں نے بچہ سمجھ کر انھیں چھوڑ دیا تھا۔ امام بخاری نے محمدؐ کے تذکرہ میں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے شفاعت غرانیق کا قصہ بیان کرنے کے بعد متذکرہ بالا آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ روایت عام ظاہر بین مُفسّرین کی بیان کردہ ہے لیکن اہلِ نظر و محقق مُفسّرین نے لکھا ہے کہ:

یہ روایت غلط اور من گھڑت ہے۔ اس کے ثبوت میں انھوں نے قرآن، حدیث اور عقلی دلائل کو پیش کیا ہے۔ قرآن کریم کے دلائل مُتعدد ہیں۔

اوّل۔ خدا کا یہ ارشاد ہے :۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝	اور اگر خدا نخواستہ پیغمبر کوئی بناوٹی بات ہماری طرف زبردستی منسوب کر بھی دیتے تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے۔
دوم : قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ	آپ کفار سے (جو آیات میں تغیّر و تبدّل کو کہتے ہیں) کہہ دیجئے کہ مجھے یہ امر دشوار ہے کہ میں اپنی طرف سے آیتوں کو بدل ڈالوں میں تو صرف ان ہی آیات کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہیں۔
سوم : وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝	اور حضرت محمدؐ اپنے دل سے کوئی بات بیان نہیں کرتے بلکہ وہ جو فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

پس بالفرض اگر آنحضرتؐ اس آیت کے بعد "تلک الغرانیق" والی عبارت پڑھ دیتے تو فوراً حق تعالیٰ کی غلط بیانی ظاہر ہو جاتی (نعوذ باللہ) اور اس کا کوئی مسلمان بھی قائل نہیں۔

چہارم: وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝

اور کلمہ کاد کے معنی ہیں قریب الوقوع امر کے مقصد واضح ہے کہ وہ امر واقع نہیں ہوا۔

پنجم:۔ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ تھوڑا سا ان کی طرف جھک جاتے۔

لولا کا کلمہ کسی شے کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے مغائر چیز موجود ہے پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ وہ تھوڑا سا ممکنہ جھکاؤ بھی نہیں پایا گیا اس لئے کہ آپ ثابت قدم رہے۔

ششم: كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ۔ ہم آپ سے انبیاء سابقین کے واقعات بیان کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ آپ کے دل کو قوی اور مضبوط بنا دیں۔

ہفتم: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ ۝ ہم آپ کو قرآن ایسا یاد کرا دیں گے کہ پھر آپ اسے کبھی نہ بھولیں گے

از روئے حدیث ہمارے دعویٰ کا ثبوت وہ روایت ہے جو محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے مروی ہے کہ ان سے اس قصہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ قصہ منافقین کا گھڑا ہوا ہے۔ اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے فرمایا ہے کہ روایتاً یہ قصہ ثابت نہیں ہے۔ نیز انھوں نے اس کے راویوں میں کلام فرمایا ہے کہ اس قصہ کے راوی مطعون ہیں۔ نیز امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ نبی کریم نے سورۃ النجم تلاوت فرمائی اور اس کے سجدہ تلاوت پر مسلمانوں، مشرکوں اور تمام انس و جن نے سجدہ کیا مگر اس سورت میں غرانیق والی حدیث کا کہیں وجود نہ تھا۔

پھر یہ حدیث بہت سے سلسلوں سے روایت کی گئی ہے لیکن ان میں کہیں بھی غرانیق والی حدیث مذکور نہیں۔

رہا عقلی استدلال سو اس کے بھی چند وجوہ ہیں:۔

اوّل۔ یہ کہ جس نے بھی رسول اللہؐ سے بتوں کی تعظیم کا جواز ثابت کیا اس نے کفر کیا کیونکہ یہ امر محقق ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کی سب سے زیادہ ساعی بتوں کے وجود کو یکسر مٹانے پر مرکوز تھیں۔

دوم۔ اسلام کے ابتدائی دور میں آنحضرتؐ کے لئے ممکن نہ تھا کہ آپ مشرکوں کی ایذا رسانی سے بے خوف وخطر ہو کر اطمینان سے کعبہ کے پاس نماز و تلاوت قرآن کا فریضہ انجام دے سکیں۔ کیونکہ اس کا ہر وقت امکان تھا کہ کفار آپ پر دست درازی کریں۔ اس وقت تو حال یہ تھا کہ آپ جب رات کے وقت موقع دیکھتے کہ کفار آس پاس نہیں ہیں یا کسی وقت کعبہ میں تنہائی پاتے تب وہاں نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ پس اس واقعہ سے ان کے قول کی تردید ہو جاتی ہے۔

سوم: کفار کی آنحضرتؐ سے عداوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ان کا صحیح حقیقت پر مطلع ہوئے بغیر اتنی طویل قراءت کے سننے تک ٹھہرے رہنا مشکل تھا۔

پس یہ کیونکر ممکن ہو سکا کہ وہ اس خیال سے آپکے گرد جمع ہو گئے ہوں کہ آپ ان کے خداؤں کی عظمت بیان کر رہے ہوں۔ یہاں تک کہ وہ بھی آپکے ساتھ ہی سربسجود ہو گئے۔ باوجودیکہ ان کے نزدیک آنحضرتؐ کی ان کے عقائد و خیالات سے ہم آہنگی کا کوئی ثبوت انھیں نہ مل سکا تھا۔

چہارم: حق تعالیٰ کا یہ ارشاد:۔

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۔ پھر حق تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات و وساوس کو زائل فرما دیتا ہے اور انکی بجائے اپنی آیتوں کو زیادہ مستحکم بنا دیتا ہے۔

یہ اس لئے کہ شیطان کی طرف سے وحی الٰہی میں ممکنہ دخل اندازی اور التباس کا حضرت رسول اللہ کی طرف سے ازالہ کر کے آیاتِ الٰہیہ کو مستحکم اور قوی بنانا اس سے زیادہ بہتر و مناسب ہے کہ ان آیات سے انھیں منسوخ قرار دے دیا جائے جن میں کسی قسم کے اشتباہ و التباس کی کیفیت پائی جاتی ہو۔

پس جب حق تعالیٰ کا یہ منشا ہو کہ آیاتِ الٰہیہ کو شک و تردد سے بالا کر کے مستحکم بنایا جائے تاکہ غیر قرآنی کلمات قرآنی آیات سے ملتبس و مخلوط نہ ہو سکیں تو اس مقصد کے لئے ابتدا ہی سے شیطان کو ایسی مداخلت سے روک دینا زیادہ قرین قیاس و بہتر ہے۔

پنجم۔ اور یہ سب سے قوی عقلی دلیل ہے کہ اگر ہم اس قسم کے التباس کو جائز قرار دے دیں تو پھر شریعت الٰہیہ کا تحفظ ہی ختم ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا ہم تمام احکامِ الٰہی اور مسائل شریعت میں اس عمل کو جائز قرار دے دیں تو ان کا بھی وہی حشر[1] ہو گا اور یہ صورتِ حال حق تعالیٰ کے اس ارشاد کو باطل کر دے گی۔ (نعوذ باللہ منہا)

[1] یعنی وہ بھی غیر شرعی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ م

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ	اے پیغمبر آپ پر آپکے رب کی طرف سے جو وحی نازل کی
مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا	گئی ہے اسے انسانوں تک پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ	کیا تو گویا حقِ رسالت ادا نہ کیا۔ اور حق تعالیٰ آپ کو لوگوں
مِنَ النَّاسِ ؕ	کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

کیونکہ عقلی طور پر تو وحی میں کمی بیشی سے کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔

پس مذکورہ بالا دلائل کی بنا پر ہمیں اجمالی طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ قصہ بالکل ہی گھڑا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں صرف اتنا ہی ہوا ہے کہ مفسرین کے ایک طبقہ نے تفسیر کے سلسلہ میں اسے بیان کیا ہے لیکن وہ اس روایت کی صداقت میں تواتر کی حد تک نہیں پہنچ سکے اور شریعت کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ صرف ایک اکیلی روایت حد تواتر تک پہنچی ہوئی نقلی روایات و عقلی دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

پھر امام فخر الدین رازیؒ[1] نے مزید دوسری تفصیلات بیان کی ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ یہ قصہ بالکل غلط، دسیسہ کاری اور منافقین کی من گھڑت ہے جو اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ نبی کریمؐ کسی صورت میں بھی غرانیق کی شفاعت کے معترف ہو جائیں۔ حالانکہ آپ کا تبلیغی منصب ہی بندوں کو خدا کی عبادت کی طرف بلانا اور بتوں کے خلاف جنگ کرنا تھا۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ شیطان کو (خدانخواستہ) اس حد تک آپ پر قدرت حاصل ہو گئی تھی کہ وہ آپ سے وحی لکھوا سکے اور آپ کی زبان سے کفریہ کلمات جاری کرا سکے تو پھر صرف اسی ایک قصہ پر کیا موقوف ہے دوسرے مواقع پر بھی وحی ربانی شیطان کا ایک کھلونا بن کر رہ جائے گی۔ حالانکہ نبی کریمؐ شیطان کے غلبہ سے محفوظ اور معصوم قرار دے دیئے گئے ہیں۔

صاحبِ تفسیر بیضاوی نے اپنی تفسیر میں غرانیق کا قصہ بیان کر کے لکھا ہے کہ :-

"پھر جبریل علیہ السلام نے آپ کو متنبہ کیا جس سے آپ رنجیدہ ہوئے پس حق تعالیٰ نے اس آیت سے آپ کی تسلی فرمائی۔ یہ بات علمائے محققین کی رائے میں غیر صحیح ہے اور اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ یہ قصہ متزلزل ایمان والوں کے مقابلہ میں اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں کے لئے ایک آزمائش و امتحان ہے۔"

اسماعیل قنوی نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ قصہ محققین کی نظر میں غلط اور مردود ہے بلکہ تمام مسلمانوں

[1] آپ مشہور مفسرِ قرآن مؤلف تفسیر کبیر ہیں۔

کے نزدیک اس کا غلط ہونا ضروری ہے کیونکہ اس میں جھوٹ کی علامات واضح اور ظاہر ہیں۔

اور بیضاوی کا یہ قول کہ بالفرض اسے صحیح بھی مان لیا جائے، روایت کے اعتبار سے اس کے صحیح نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے اپنی تالیف "شفاء" میں کہا ہے کہ معتبر کتابوں میں کسی صحیح سند کے ساتھ کہیں یہ قصہ مذکور نہیں۔ یہ محض منافقین کا گھڑا ہوا قصہ ہے۔

موصوف نے کہا ہے کہ صحیح احادیث بیان کرنے والوں میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو بیان نہیں کیا اور نہ ہی کسی معتبر راوی نے اُسے معقول اور مسلسل سند کے ساتھ روایت کیا ہے بلکہ صرف ان مفسرین و مؤرخین نے جو ہر نادر و عجیب خبر سے دلچسپی رکھتے ہیں اُسے بطور دلچسپی اپنی کتب میں بیان کر دیا ہے۔

علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب "الملل والنحل" جزء ۴ صفحہ ۲۳ پر بیان کیا ہے کہ وہ حدیث جس میں "وَانَّهُنَّ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی" کے کلمات بیان کئے گئے ہیں سراسر جھوٹ ہے۔ روایت و درایت کسی اعتبار سے بھی ایسی موضوع حدیث میں دلچسپی لینے کے کوئی معنی نہیں کیونکہ غلط روایت گھڑنے سے تو کوئی بھی عاجز نہیں ہوتا۔

امام بیہقی نے فرمایا ہے کہ اس قصہ کے تمام راوی مجروح ہیں۔

امام نوویؒ نے امام بیہقی سے یہ بیان نقل کیا ہے کہ مؤرخین و مفسرین نے جو بیان کیا ہے کہ "آنحضرتؐ کے ساتھ مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب وہ کلمات ہیں جو ان کے بتوں کی تعریف میں آنحضرتؐ کی زبان پر جاری ہو گئے تھے۔ یہ قول بالکل باطل ہے۔ اس واقعہ کی کوئی بات بھی عقلاً صحیح ہے نہ روایۃً کیونکہ خدا کے سوا دوسرے فرضی خداؤں کی مدح سرائی کفر ہے اور آنحضرتؐ کی طرف کفر کی نسبت کرنا ہرگز درست نہیں اور نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ شیطان نے یہ کلمات آنحضرتؐ کی زبان سے کہلوا دیئے کیونکہ شیطان کا آپ پر قادر ہو جانا ہرگز درست نہیں ورنہ اس سے وحی پر عدم اعتماد لازم آتا ہے۔

علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر (روح المعانی) میں کہا ہے کہ:۔

اس بارے میں سب سے زیادہ قبیح اور سب سے زیادہ شرانگیز قول جو ہمارے سامنے آیا ہے، یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خدانخواستہ یہ کلمہ اپنی طرف سے وحی میں داخل فرما دیا۔ اس لالچ میں کہ آپ کی قوم خوش ہو کر ایمان لے آئے۔ پھر آپؐ نے اس کلمہ سے رجوع فرما لیا۔" ایسا کہنے والے پر توبہ کرنا واجب ہے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کفار کی زبانوں سے جو بات نکلتی وہ (ان کی حیثیت سے) بہت

اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ بڑی بھاری اور نامناسب بات ہے یہ لوگ تو زا جھوٹ بکتے ہیں

اسی کے قریب قریب ایک اور قول بھی ہے کہ یہ کلمہ قرآنی ہے جو فرشتوں کی تعریف میں نازل ہوا تھا مگر جب مشرکین کو یہ وہم ہو گیا کہ آنحضرتؐ کو اس کلمہ سے مشرکوں کے خداؤں کی تعریف کرنا مقصود ہے تو یہ کلمہ منسوخ کر دیا گیا۔ ہمیں یہ معلوم ہی ہے کہ آیت (وما ارسلنا) کی تفسیر اس قصہ کی صحت کے ثبوت پہ موقوف نہیں۔ رہا یہ کہ سورۂ حج میں حق تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ سو اس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے جن پیغمبروں کو مبعوث فرمایا ہے اگرچہ انھیں بالارادہ و دانستہ غلطی کرنے سے معصوم بنایا ہے لیکن سہو اور شیطانی وسوسہ اندازی کے امکان سے محفوظ قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس معاملہ میں انبیاء کا حال دوسرے انسانوں کا سا ہے۔ پس مذکورہ آیت غرانیق کے قصہ سے مختص نہیں بلکہ یہ اس شیطانی وسوسہ سے متعلق ہے جو عام طور پر انبیاء و رسل کو پیش آجاتا ہے۔ پس ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ لوگ انبیاء کا ان باتوں میں اتباع کریں جنھیں وہ علم کی کسوٹی پر جانچ پرکھ لیں۔ یہی صورت محکم اور قوی ہے۔

ابو مسلم کا قول ہے کہ اس آیت کا کہ خدا نے کسی کو اس وقت تک نبی بنا کر نہیں بھیجا جب تک کہ اس کی تمنا نہ ہوئی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ گویا یہ کہنا مقصود ہے کہ ہم نے بشر کی طرف کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا۔ اور ان کی طرف جو نبی بھیجا وہ ان ہی میں سے بھیجا اور نہ ہم نے کسی نبی کو ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ جب وہ وحی کی تلاوت کرتا ہو تو وہ شیطان کی طرف سے وسوسہ پیدا کرتے اور اس کے دل میں وحی کے معارض کوئی اور مضمون ڈالنے اور اسے وحی کے حفظ سے باز رکھنے کی کوشش سے مبرا رہ سکے لیکن اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ اپنے نبی کو وحی اور اس کے یاد کرنے پر مضبوطی سے قائم فرما دیتا ہے اور اسے صحیح وحی کی تعلیم فرماتا اور شیطانی رخنہ اندازی کو کالعدم فرما دیتا ہے

اور حق تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اے محمدؐ! لوگوں سے فرما دیجئے کہ میں تو تمھیں کھلم کھلا خدا کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔

تو یہ آیت مذکورہ تاویل کو قوی کرتی ہے۔ گویا حق تعالیٰ نبی کریمؐ کو حکم دیتا ہے کہ وہ کفار سے کہیں کہ میں تو تمھیں ڈرانے والا ہوں لیکن میں ایک بشر ہوں فرشتہ نہیں اور حق تعالیٰ نے میری ہی طرح پہلے بھی کسی فرشتہ

کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا تھا بلکہ انسانوں ہی کو بھیجا تھا جن کے دلوں میں شیطان غلط وسوسے ڈالتا رہتا تھا۔

الحاصل انبیاء کے خلاف ایسے ہی دسیسہ کاری اور غلط افترا پردازی کے قصوں نے اعداء اسلام کے سامنے نقد و تبصرہ، حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے اور بھلائیوں کو برا کر کے دکھانے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ افسوس ہے کہ ایسے واہیات فرضی قصے بغیر چھان بین و تحقیق کے ہماری مؤلفات میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

اس قصہ کے غلط ہونے پر تاریخی نقطۂ نظر سے ایک دلیل اور سن لیجئے اور وہ یہ ہے کہ حبشہ کی طرف صحابہ کی پہلی ہجرت ماہ رجب ۵ نبوت کو ہوئی تھی اور سجدہ کا حکم اسی سال ماہ رمضان میں نازل ہوا تھا۔ یعنی حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام سے پہلے کیونکہ یہ دونوں حضرات ۶ نبوت میں اسلام لائے تھے تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اسلام سے قبل تمام مسلمان دارارقم میں چھپے ہوئے تھے اور وہیں اپنے دینی فرائض ادا کرتے تھے اور صحابۂ کرام اس وقت تک کعبہ کے پاس نماز ادا کرنے پر قادر نہ تھے جب تک کہ حضرت عمرؓ اسلام نہ لے آئے جب وہ مشرف باسلام ہوئے تو انھوں نے قریش سے جھگڑا کیا اور پہلی مرتبہ تمام صحابہ کو ساتھ لے کر کھلم کھلا کعبہ کے پاس نماز ادا کی۔ اس پر صحابہ نے بالاتفاق آپ کا لقب فاروق رکھ دیا۔ پس جب یہ حال تھا کہ حضرت عمرؓ کے اسلام سے قبل مسلمان کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی ہمت و قدرت ہی نہ رکھتے تھے تو پھر یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے کعبہ کے پاس سجدہ ادا فرمایا اور آپ کے ساتھ پوری قوم نے بھی سجدہ ادا کیا۔ پس حقیقت واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت سرتاسر جھوٹ اور محض من گھڑت اور بناوٹی ہے۔

مسٹر میور نے اپنی تالیف "حیات محمدؐ" جزو دوم میں لکھا ہے کہ حمزہ و عمر نبوت کے چھٹے سال اسلام لائے۔ تب مسلمان اپنے اپنے گھروں میں چھپ چھپ کر نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ ان کے اسلام کے بعد سے پورے امن و سلامتی اور اطمینان قلبی کے ساتھ کعبہ کے پاس نماز ادا کرنے لگے تھے۔

وہ مسلمان جنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی جب ان تک یہ افواہ پہنچی کہ حالات اب سدھر گئے ہیں یا انھوں نے ایسی غلط باتیں سنیں جن سے وہ مطمئن ہو گئے تو وہ شوال ۵ میں مکہ واپس آ گئے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی کی پناہ لے کر داخل ہوا۔ بجز حضرت عثمان بن مظعونؓ کے کیونکہ آپ بغیر کسی پناہ کے داخل ہوئے تھے اور کچھ دن ٹھہر کر جلد ہی پھر حبشہ کی طرف لوٹ گئے تھے کیونکہ ابھی تک مسلمان مکہ میں بدستور مظلوم و مقہور تھے اور آنحضرتؐ بتوں کی برائیاں بیان فرماتے تھے۔ پس مذکورہ دلائل

اس کی تائید کرتے ہیں کہ شفاعت غرانیق کا قصہ یا یہ کہ نبی کریمؐ نے قریش کے معبودوں کا بھلائی سے ذکر کیا تھا محض بہتان طرازی اور گھڑا ہوا افسانہ ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ محقق مؤرخین میں سے کوئی بھی اس قصہ کو سچا قرار دے سکے۔

اور کتاب تاریخ قرونِ وسطیٰ مرتبہ کیمبرج یونیورسٹی جزو دوم (صفحہ ۳۱۰ - ۳۱۱) میں اس قصہ کو صحیح قرار دیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے اس جملہ کے ادا کرنے پر نادم ہوئے تھے اور شیطان نے آپ کی زبان سے جو کلمہ ادا کرا دیا تھا اُسے منسوخ فرما دیا اور مؤلف کتاب نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ آنحضرتؐ اس کلمہ کو ادا کرنے پر یہ یقین نہ رکھتے تھے کہ آپ یہ کلمہ ادا کرتے وقت یا اس سے رجوع کرتے وقت حکمِ الٰہی کا اتباع کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی مؤلف نے حاشیہ پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ:-

"بہت سے مسلمان محقق اس قصہ کو خرافات سمجھتے ہیں۔ خیر ان سے تو یہی توقع کی جا سکتی تھی لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ کائتٹن جیسا نہ لچکنے والا مؤرخ بھی اس قصہ کی صحت کا منکر ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں اسلئے کہ جو مؤرخ اپنے مرتبہ و مقام کی قدر کرتا ہے اور کسی کی خاطر بلا دلیل کسی کی طرف نہیں جھکتا وہ کسی خارجی اعتبار سے متأثر ہوئے بغیر دقتِ نظر سے اصل تاریخی حقیقت کا اعتراف کر لیتا ہے۔ پس اگر مسٹر کائتٹن نے جو ایک بہت بلند پایہ ایطالوی مؤرخ ہیں جنھوں نے تاریخ اسلام پر متعدد ضخیم کتابیں لکھی ہیں اس قصہ کا انکار کیا ہے تو اس کی صرف یہی ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اس مسئلہ میں کسی خارجی میلان کے بغیر صرف وہی بات بیان کی ہے جو ان کے نزدیک تحقیق سے ثابت ہو سکی ہے۔

○

حضرت حمزہؓ کا قبولِ اسلام

حضرت حمزہؓ عبد المطلب کے بیٹے ہیں۔ ان کی والدہ ہالہ بنت وہب ہیں۔ وہ آنحضرتؐ کے چچا اور رضاعی بھائی بھی ہیں۔ کیونکہ ابولہب کی باندی ثوبیہ نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ یہ آنحضرتؐ سے صرف دو سال بڑے تھے۔

آپ ہی سید الشہداء کے لقب سے ملقب ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ہجرت کے بعد ان کے اور حضرت زید بن حارثہؓ کے درمیان بھائی چارہ کا رابطہ قائم فرما دیا تھا۔ آپ نبوت کے چھٹے سال اسلام لائے۔ آپ کی کنیت ابو عمارہ تھی۔ آپ بڑے بہادر، جنگجو، طاقت ور اور قد آور تھے۔

آپ کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ ابوجہل کا آنحضرتؐ سے آمنا سامنا ہوا تو اس نے آپؐ کو ایذا پہنچائی اور آپ پر سبّ و شتم کیا اور آپ کے دین کی تنقیص و تحقیر کی۔ مگر آنحضرتؐ نے اس سے بات نہ کی۔

اس وقت عبداللہ بن جدعان تیمی کی باندی صفا کی بلندی پر اپنے مکان میں یہ باتیں سن رہی تھیں۔ اس کے بعد ابوجہل آپ سے الگ ہو کر کعبہ کے پاس قریش کی مجلس شوریٰ کی طرف روانہ ہو گیا اور جا کر اپنے لوگوں میں بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد حضرت حمزہ بن عبد المطلب اپنی شکار گاہ سے لوٹتے ہوئے اپنی کمان گلے میں لٹکائے ہوئے آپہنچے۔ آپ کی اپنی شکار گاہ تھی۔ جہاں آپ شکار کے لیئے جایا کرتے تھے۔ اور آپ کا معمول تھا کہ جب شکار سے واپس آتے تو پہلے کعبہ کا طواف کرتے پھر گھر جاتے تھے۔ طواف کے بعد قریش کے دار الشوریٰ میں جاتے وہاں ٹھہر کر حاضرین کو سلام کرتے اور ان سے باتیں کرتے۔ یہ قریش میں بڑے معزز، باوقار اور خوددار مانے جاتے تھے اور اس وقت تک اپنے ہی دین پر قائم تھے۔ جب اس باندی پر ان کا گزر ہوا اور اس وقت تک آنحضرتؐ اپنے مکان واپس جا چکے تھے تو اس نے ان سے کہا کہ اے ابو عمارہ! کاش آپ دیکھ سکتے کہ ابوالحکم[1] کی طرف سے آپ کے بھتیجے محمدؐ پر کیا گزری۔ ابوالحکم نے محمدؐ کو یہاں پا کر تکلیف پہنچائی اور سب و شتم کیا اور آپ کی خلاف شان باتیں کیں۔ پھر واپس چلا گیا۔ محمدؐ خاموش رہے کچھ نہ بولے۔ یہ سن کر حضرت حمزہ کو جلال آگیا اور وہ فوراً وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور کعبہ میں داخل ہوتے ہی طواف کرنے کے معمول کو نظر انداز کر کے راہ میں کسی کے پاس ٹھہرے بغیر ابوجہل پر حملہ کے ارادہ کی نیت سے اس طرف چل دیئے۔ جونہی مسجد میں

---

[1] زمانۂ جاہلیت میں ابوجہل کی کنیت ابوالحکم تھی۔ بعد میں آنحضرتؐ نے ابوجہل رکھ دی۔ اسلام میں یہی کنیت مشہور ہو گئی۔ م

داخل ہوئے ابوجہل پر نظر پڑی کہ وہ اپنی قوم میں بیٹھا ہوا ہے۔ پس آپ اس پر جھپٹے اور اپنی کمان اٹھا کر اس کے سر پر دے ماری جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا۔ اس پر قریش کے قبیلۂ بنی مخزوم کے لوگ ابوجہل کی طرفداری میں حمزہ کے بالمقابل کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اے حمزہ! معلوم ہوتا ہے۔ تم بے دین[1] ہو گئے ہو حضرت حمزہؓ نے جواب دیا بے شک مجھ پر حضرت محمدؐ کی حقانیت منکشف ہو گئی۔ پھر مجھے قبولِ حق سے کیا چیز روک سکتی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ جو فرماتے ہیں وہ بالکل برحق ہے۔ پس خدا کی قسم! میں اس دین سے رُوگردانی نہ کروں گا۔ اگر تم میں کچھ صداقت ہے تو تم مجھے روک کر دکھا دو۔ اس پر ابوجہل نے کہا۔ ابوعمارہ کو چھوڑ دو۔ کیونکہ واللہ میں نے ان کے بھتیجے پر شدید سبّ وشتم کیا ہے۔ اس کے بعد سے حضرت حمزہؓ اپنے اسلام پر ثابت قدم رہے۔

جب حضرت حمزہ اسلام لے آئے تو قریش نے سمجھ لیا کہ اب رسول اللہؐ قوی اور غالب ہو گئے ہیں۔ اب حمزہ ان کی پوری پوری حمایت کیا کریں گے۔ پس وہ آنحضرتؐ کی ایذارسانی سے باز آ گئے۔ پھر حضرت حمزہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور اس غزوہ میں ایک عظیم مشکل میں مبتلا ہوئے جس کا واقعہ مشہور ہے۔ آپ نے بدر کے دن دو تلواروں سے جنگ کی۔ آپ غزوۂ اُحد میں بھی شریک ہوئے اور اسی میں بروز شنبہ وسط ماہ شوال ۳ھ میں شہادت سے قبل اکتیس کفار کو واصل جہنم کر کے خود جامِ شہادت نوش فرمایا۔ جس کا واقعہ یہ ہوا کہ عین حالتِ جنگ میں آپ کمر کے بل گھوڑے سے گر پڑے اور آپ کی زرہ جسم سے سرک گئی۔ یہ دیکھ کر جبیر بن مطعم کے غلام وحشی حبشی نے تاک کر آپ پر نیزہ سے وار کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ پھر مشرکین نے آپ کو اور تمام مسلم شہداء کو مثلہ[2] کر دیا اور مشرکین کی عورتوں ہندہ اور اس کی ساتھنوں نے مسلمان شہداء کے ناک، کان کاٹنا اور ان کے پیٹوں کو چاک کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا۔ آپ کا کلیجہ نکال کر چبانا شروع کیا لیکن جب اس سے نہ چبایا جا سکا تو اس نے تھوک دیا۔

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اگر حضرت حمزہؓ کا کلیجہ ہندہ کے پیٹ میں چلا جاتا تو اسے دوزخ کی آگ نہ چھو سکتی جب آنحضرتؐ نے حضرت حمزہؓ کو اس حالت میں دیکھا تو رو پڑے اس کے باوجود آپ نے فتح مکہ کے دن ہندہ کا یہ قصور معاف فرما دیا۔ حضرت حمزہؓ احد پہاڑ کے دامن میں شہادت کے مقام پر ہی دفن کیے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر اُنسٹھ ۵۹ سال تھی۔ حضرت حمزہؓ پہلے شہید تھے جن کی نماز جنازہ حضرت رسول اللہؐ نے پڑھائی تھی۔

[1] یعنی آبائی دین سے پھر کر مسلمان ہو گئے ہو۔ م [2] مثلہ ناک کان وغیرہ کاٹ کر چہرہ کو مسخ کر دینے کو کہتے ہیں۔ م

حضرت عمرؓ بن خطاب کا ذکر اور آپکے اسلام لانے کا سبب

آپ کا نسب عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم ہے۔ آپ کی ولادت واقعۂ فیل کے تیرہ سال بعد ہوئی۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ فرمایا: میری ولادت فجار کی جنگ عظیم کے چار سال بعد ہوئی تھی۔ آپ کا سنہ ولادت ۵۸۱ء کے مطابق ہے۔ آپ دراز قد تھے قریش کے معززین اور مشہور تاجروں میں تھے۔ زمانہ جاہلیت میں سفارت کے فرائض آپ ہی انجام دیا کرتے تھے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ جب کبھی قریش میں باہم جنگ چھڑتی۔ یا ان میں اور دوسری کسی قوم کے درمیان میدان کارزار گرم ہوتا تو قریش حضرت عمر ہی کو اپنا سفیر بنا کر مخالف کے پاس بھیجتے۔ اگرچہ کوئی شخص اس بارے میں ان سے محاکمہ کرتا یا کوئی حسب نسب میں فخریہ آپ پر اپنی برتری بیان کرتا تب بھی سب لوگ آپ ہی پر متفق ہوتے اور آپ ہی کو بھیجتے۔ خواہ کوئی آپکے مقابلہ میں محاکمہ کرتا یا آپ پر اپنی نسبی برتری پر فخر کرتا، جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو حضرت عمرؓ آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی عداوت میں بہت سخت تھے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عمر قبل از اسلام بنو مؤمل کی لونڈی کو اس کے اسلام قبول کرنے کی بنا پر سخت تکالیف پہنچاتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے اُسے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر اُنتالیس مرد اور ایک عورت مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ اسلام لے آئے۔ تب چالیس مرد ہو گئے۔

ایک روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے خدا سے یہ دعا مانگی تھی: "اے خدا! دو شخصوں عمر بن خطابؓ یا عمرو بن ہشام (یعنی ابوجہل) میں سے کسی ایک شخص کو، جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو، مسلمان کر کے اسلام کو غلبہ وشوکت عطا فرما۔"

حضرت عمرؓ نے خود اپنے اسلام لانے کا واقعہ یوں بیان فرمایا ہے۔

میں ابتدا میں آنحضرتؐ کی مخالفت میں سب سے زیادہ سخت تھا۔ ایک روز میں شدید گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت مکہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ مجھے قریش کا ایک شخص ملا اور پوچھا اے خطاب کے فرزند کدھر

جا رہے ہو۔ تم تو اس نئے دین سے بیزاری و عداوت کا اظہار کرتے ہو مگر کچھ خبر بھی ہے کہ یہ دین خود تمھارے گھر میں داخل ہو چکا ہے۔ میں نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ کہا۔ آپ کی بہن بے دین (یعنی مسلمان) ہو چکی ہیں۔ کہتے ہیں یہ سنتے ہی میں غصہ میں بھرا ہوا گھر لوٹا۔ آنحضرتؐ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی ایک یا دو شخص نئے داخل اسلام ہوتے تو آپ اُنھیں کسی ایسے مسلمان کے ساتھ رکھ دیتے جس کے پاس طاقت ہوتی۔ یہ نومسلم اس کے ساتھ رہتے اور اسی کے ذمہ کھانا ہوتا۔ چنانچہ اسی طرح آنحضرتؐ نے میرے بہنوئی کے پاس دو آدمیوں کو رکھ دیا تھا۔ میں نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی کون ہے؟ میں نے کہا۔ ابن خطاب۔ اندر یہ سب لوگ بیٹھے قرآن کے کسی جزء کی تلاوت کر رہے تھے جو ان کے پاس تھا۔ جونہی انھوں نے میری آواز سنی جلدی سے دوڑ کر اندر چھپ گئے۔ اور اس دہشت میں کلام پاک وہیں چھوڑ گئے۔ بہن نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ میں نے کہا۔ اے اپنی جان کی دشمن! میں نے سنا ہے تو نے اپنا دین بدل ڈالا ہے۔ یہ کہہ کر اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اُسے مارنے لگا جس سے اس کے خون بہہ نکلا۔ جب بہن نے خون دیکھا تو رونے لگی اور کہا۔ اے ابن خطاب! جو تمھارا جی چاہے کر لو۔ میں نے تو اسلام قبول کر لیا ہے۔ پھر میں اسی غصہ کی حالت میں مکان کے اندر آیا اور تخت پر بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ گھر میں ایک طرف ایک کتاب رکھی ہوئی ہے۔ میں نے کہا۔ یہ کون سی کتاب ہے مجھے دو۔ واضح رہے کہ حضرت عمرؓ پڑھے لکھے تھے۔ بہن نے کہا۔ یہ میں تمھیں نہ دوں گی۔ کیونکہ تم اس قابل نہیں ہو۔ تم نہ غسلِ جنابت کرتے ہو، نہ پاک رہتے ہو اور یہ وہ کتاب ہے جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں برابر اس سے اصرار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے غسل کیا۔ تب وہ اس نے مجھے دی۔ اس میں تحریر تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جب میں الرحمٰن الرحیم پر پہنچا تو لرز اُٹھا اور وہ کتاب میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا تو اس میں لکھا دیکھا:۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ — آسمانوں میں اور زمین پر جو مخلوق ہے وہ سب کی سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

کہتے ہیں جب بھی میں خدا کے ناموں میں سے کسی نام پر پہنچتا تو کانپ اُٹھتا۔ پھر خود کو سنبھالتا حتیٰ کہ میں اس آیت پر پہنچا:۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا — اے لوگو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور جو ال

جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ   تمھیں ورثہ میں ملا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرو۔

یہاں تک کہ جب میں آیت :

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝   اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

پر پہنچا تو کہہ اٹھا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

پس اندر چھپے ہوئے لوگوں نے جونہی مجھ سے کلمۂ شہادت سُنا، غایت مُسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے باہر نکل آئے اور خدا کی حمد و ثنا بیان کرنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔ اے ابن خطاب! تمھیں بشارت ہو کیونکہ آنحضرتؐ نے دوشنبہ کے دن تمھارے حق میں یہ دُعا کی تھی کہ اے خُدا! اسلام کو ان دو شخصوں عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطابؓ میں سے کسی ایک کو اسلام سے مُشرف کر کے اسلام کو غالب و سربلند فرما۔

ہمیں اُمید ہے کہ آنحضرتؐ کی دُعا آپ کے لئے مقبول ہوئی اس لئے آپ کو بشارت ہو۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب ان لوگوں نے میری صداقت ایمانی کو جان لیا تو میں نے ان سے کہا مجھے بتاؤ۔ آنحضرتؐ کہاں تشریف فرما ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اس وقت آپ صفا کے نیچے والے مکان میں تشریف رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں وہاں پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آواز آئی۔ کون ہے؟ میں نے کہا۔ ابن خطاب۔ یہ لوگ آنحضرتؐ کے خلاف میری شدّت سے واقف تھے مگر انھیں میرے اسلام لانے کا علم نہ تھا۔ اس لئے کسی کی ہمّت نہ ہوئی کہ دروازہ کھول دے۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا۔ دروازہ کھول دو۔ کیونکہ اگر خُدا کو اس کی بھلائی منظور ہوئی تو وہ اسے ہدایت دے گا۔ اس پر لوگوں نے دروازہ کھول دیا اور دو آدمیوں نے میرا بازو پکڑ لیا۔ جب میں آنحضرتؐ کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو۔ انھوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آنحضرتؐ نے میرا قمیص پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا۔ اے ابن خطاب! اسلام قبول کر لو۔ اے خُدا اسے ہدایت دے۔ تب میں نے کہا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ   میں گواہی دیتا ہوں کہ خُدا کے سوا دوسرا کوئی اور خدا
وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔   نہیں اور یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔

یہ سُنتے ہی مُسلمانوں نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کی آواز مکّہ کے راستوں پر سُنی گئی حضرت عمرؓ

کے قبولِ اسلام کا واقعہ نبوّت کے چھٹے سال حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے تیسرے دن ظہور پذیر ہوا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر چھبیس سال تھی۔ آنحضرتؐ نے آپ کو الفارُوق کا لقب عطا فرمایا تھا کیونکہ انھوں نے اسلام لاتے ہی عرض کیا تھا کہ یا رسُول اللہ! کیا موت و زیست ہر حالت میں ہم حق پر نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ بلاشبہ تم حق پر ہیں۔ خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تم یقیناً مرنے جینے کی ہر حالت میں حق پر ہو۔ میں نے عرض کیا۔ پھر ہمیں چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب باہر نکلیئے۔ پس ہم سب کو مکان سے باہر کر کے دو صفوں میں تقسیم کیا۔ ایک صف میں حضرت حمزہؓ چلے، دُوسری میں میں چلا حتیٰ کہ ہم مسجد میں داخل ہو گئے۔ قریش نے جب مجھے اور حضرت حمزہؓ کو دیکھا تو انھیں ایسا شدید صدمہ ہُوا کہ پہلے کبھی نہ ہُوا تھا پس اس وقت آنحضرتؐ نے مجھے الفارُوق یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والے کا لقب عطا فرمایا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

جب میں مسلمان ہو چکا تو رات کو یاد کیا کہ مکّہ والوں میں سے کون شخص آنحضرتؐ سے شدید عداوت رکھتا ہے تاکہ میں اُسے جا کر بتا دوں کہ میں اسلام لے آیا ہوں۔ میں نے دل میں کہا۔ ابُوجہل ہے۔ چنانچہ میں نے صُبح ہی اس کے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابُوجہل باہر نکلا اور کہنے لگا۔ خوش آمدید! کیسے آئے ہو؟ میں نے کہا۔ اس لئے آیا ہوں کہ تمھیں مُطّلع کر دوں کہ میں اللہ اور اس کے رسُولؐ پر ایمان لے آیا ہوں اور آنحضرتؐ کی لائی ہوئی وحی کی تصدیق کر چکا ہوں۔ یہ سُنتے ہی اس نے میرے مُنہ پر دروازہ دے مارا اور کہا۔ خدا تمھارا اور تمھاری لائی ہوئی خبر کا بُرا کرے۔ پس حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام نے ابُوجہل کے خلاف ایک بھرپُور ضرب کا کام کیا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ نے جونہی قرآن کریم کی آیات پڑھیں فوراً اسلام لے آئے باوجودیکہ اسلام لانے سے قبل آپ بنی مؤمل کی لونڈی کو اس کے اسلام لانے کی بنا پر بغیر کسی مروّت و شفقت کے اسے سخت تکلیف پہنچاتے تھے اور جب تک خود ہی اُسے مارتے مارتے تھک نہ جاتے تھے اُسے نہ چھوڑتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ آپ اسلام سے انتہائی شدید بُغض رکھتے اور اپنے دین کے حد درجہ طرفدار تھے۔ اسی بنا پر انھوں نے اپنی بہن پر ظلم کیا اور انھیں سخت زخمی کر دیا تھا اور کوئی اس کا تصوّر بھی نہ کر سکتا تھا کہ ایسا کٹر بد خُلق انسان جو اسلام و مسلمانوں کے حق میں اتنا شدید اور مسلمان مرد و زن پر مار پیٹ اور طرح طرح کی ایذا رسانی کے ذریعہ انتہائی مظالم ڈھانے والا ہو وہ محض قرآن کی چند آیتوں

کو پڑھتے ہی اک دم مسلمان ہو جائے گا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ کوئی شخص اس کا تصور تک نہ کر سکتا تھا لیکن چونکہ قرآن کریم کسی انسان کا کلام نہ تھا بلکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا کلام تھا اس لئے سننے والوں کے قلوب پر اس کا عجیب و غریب اثر ہوتا تھا۔ اسی لئے اس کا سننے والا خواہ وہ کتنا ہی سخت دل کیوں نہ ہو اس کے دل میں رقت کی کیفیت پیدا ہوئے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جونہی حضرت عمرؓ نے اس فصیح و بلیغ عربی عبارت کو سنا برملا کہہ اٹھے کہ جو انھوں نے تلاوت کیا ہے وہ یقیناً حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا کلام ہے اور چونکہ اس جیسا معجزانہ کلام کہنا کسی بشر کے بس کی بات نہ تھی اس لئے آپ نے حضرت محمدؐ پر نازل ہونے والے اس کلام کے خدائی کلام ہونے کی فوراً تصدیق کر دی۔

یقیناً اس واقعہ میں اہل عقل و دانش کے لئے بڑی عبرت و نصیحت ہے۔ حضرت عمرؓ خلفاء راشدین میں دوسرے خلیفہ ہیں جن کا مشہور عدل و تقویٰ تاریخ عالم میں ایک اعلیٰ نمونہ و مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں جس نے علانیہ ہجرت کی ہو بجز حضرت عمر بن خطابؓ کے۔ انھوں نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو گلے میں تلوار حمائل کی۔ شانہ پر کمان لٹکائی۔ ہاتھ میں چند تیر لئے اور کعبہ میں حاضری دی جہاں سردارانِ قریش بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے سات طواف کئے۔ مقامِ ابراہیمؑ کے پاس دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر قریش کے ایک ایک حلقہ میں پہنچے اور پکار پکار کر کہا تمھارے چہرے مسخ ہو جائیں۔ آج جس کی خواہش ہو کہ اس کی ماں اس پر نوحہ گری کرے جو اپنے بچوں کو یتیم اور بیوی کو بیوہ بنانا چاہتا ہو وہ اس وادی کے پیچھے مجھ سے آکر ملے لیکن کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ آپ کا پیچھا کرتا۔

حضرت عمر بن خطابؓ کے عظیم الشان اوصاف میں سے یہ بھی تھا کہ اکثر آیاتِ ذیل میں وحی الٰہی آپ کے قبل از وحی مقولہ کی موافقت میں نازل ہوئی۔

۱۔ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی آیت۔

۲۔ شراب کی حرمت کی آیت۔

۳۔ قبلہ بدلنے کی آیت۔

۴۔ عورتوں کے پردہ کی آیت۔

۵۔ مرنے والے منافقوں کی قبر پر حاضری کی ممانعت کی آیت۔

حضرت عمرؓ بروز چہار شنبہ بتاریخ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ مجروح کردیئے گئے اور بروز یکشنبہ یکم محرم ۲۴ھ م ۶۴۴ء دفن کر دیئے گئے۔ صحیح اور مشہور قول کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ جس شخص نے حضرت عمرؓ کو مجروح کیا تھا۔ وہ مغیرہ بن شعبہ کا غلام علج ابو لولو فیروز نامی شخص تھا۔ وہ صبح کی نماز میں شامل ہو گیا۔ جب حضرت عمرؓ نے نماز کی نیت باندھی تو فیروز نے آپ کو دو دھاری چاقو سے مجروح کر دیا اور آپ کے شانہ اور کوکھے پر چاقو کے وار کیئے۔ کہا گیا ہے کہ اس نے پے بہ پے کئی وار کئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: خدا ہی کے لئے تمام محامد و خوبیاں ہیں جس نے میری موت کسی مسلمان کے ہاتھوں نہ ہونے دی۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ علج ایک پاگل شخص تھا۔ اس لئے کہ اس نے حضرت عمرؓ کے ساتھ تیرہ دوسرے آدمیوں کو بھی مجروح کر دیا۔ جن میں سے سات فوت ہو گئے تھے باقی زندہ بچ گئے تھے۔ جب اُسے یہ احساس ہوا کہ اب مجھے قتل کر دیا جائے گا تو اس نے خود ہی اپنے آپ کو بھی ہلاک کر لیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کی مدت دس سال پانچ ماہ اکیس دن تھی۔

صحیح بخاری اور دوسری صحاح کی روایت سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے لوگوں کو باجماعت نماز تراویح کا پابند کیا اور انھیں حضرت ابی بن کعب بن قیس کی امامت کے تحت جمع کیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی اب تک نماز تراویح کے مستحب ہونے پر مسلمانوں کا اجماع چلا آرہا ہے۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ماہ رمضان میں چند مسجدوں پر ان کا گزر ہوا جو قندیلوں سے روشن تھیں۔ انھیں دیکھ کر انھوں نے فرمایا۔ "حق تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے جس طرح انھوں نے ہماری مساجد کو منور فرما دیا ہے۔"

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے اپنی بیوی کو جس سے بہت محبت کرتے تھے محض اس اندیشہ کی بنا پر طلاق دے دی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ آپ سے کوئی غلط سفارش کر بیٹھیں اور آپ ان کی محبت کے جذبہ سے متاثر ہو کر ان کی دلجوئی کے لئے ان کی بات مان لیں۔ آپ کے شدید جذبۂ عدل و انصاف کی بنا پر آپ سے یہ فعل سرزد ہوا۔

حبشہ کی طرف دُوسری ہجرت کا بیان

جب حضرت عمرؓ کے اسلام لانے اور کُھلم کُھلا اسلامی تبلیغ کے جاری ہونے کی خبر صحابہ کرام حبشہ کی پہلی ہجرت سے مکہ واپس آئے تو ان کی قوم نے ان پر تشدد کیا اور ان کے قبیلوں نے ان پر مظالم ڈھائے اور کُفار سے ان مُسلمانوں کو سخت اذیتیں پہنچیں۔ یہ حال دیکھ کر آنحضرتؐ نے انھیں دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ پس اس مرتبہ ان کا مکہ سے نکلنا بڑا مشقت طلب تھا۔ اس مرتبہ قریش نے ان سے بہت بُرا برتاؤ کیا۔ ان پر لعن طعن کی بوچھاڑ کی اور انھیں طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں۔ دراصل نجاشی کے مُسلمانوں سے حُسن سلوک کی خبریں ان پر بہت شاق گزریں اور وہ ایک طاقتور اجنبی حکومت کی مہاجر مُسلمانوں سے ہمدردی پر برافروختہ ہو گئے۔ ہجرت کے وقت حضرت عثمانؓ نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہؐ! ہم نے پہلے بھی نجاشی کی طرف ہجرت کی تھی اور اب یہ دُوسری مرتبہ بھی ہجرت کر رہے ہیں لیکن افسوس کہ آپ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا دراصل تم سب کی ہجرت اللہ کی اور میری طرف ہے، پس تمہیں ان دونوں ہجرتوں کا اجرِ عظیم ملے گا۔ یہ سُنکر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا۔ پس یا رسُول اللہ یہ ہمارے لئے کافی ہے۔

اس ہجرت پر سفر کرنے والوں کی تعداد تراسی مرد، گیارہ قریشی اور سات غیر قریشی عورتوں پر مُشتمل تھی۔ یہ مہاجرین حبشہ میں شاہ نجاشی کے حُسن سلوک کی پناہ میں رہے۔ جب انھوں نے آنحضرتؐ کے مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے کی خبر سُنی تو ان میں سے تینتیس[۳۳] مرد اور آٹھ عورتیں (مدینہ کی جانب ہجرت کی غرض سے) مکہ واپس آ گئے جن میں دو مرد مکہ میں فوت ہو گئے اور سات افراد مکہ میں روک لیئے گئے۔

شعب ابی طالب کے محاصرہ اور عہد نامہ کا بیان

آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ کے بائیکاٹ کا واقعہ

جب قریش نے دیکھا کہ صحابہ رسول اللہؐ ایسے ملک میں پہنچ گئے ہیں جہاں انھیں امن و سکون میسر آگیا ہے اور ان میں سے جس نے بھی نجاشی کے ملک میں پناہ لی اس نے ان سب کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے اور حضرت عمرؓ بھی اسلام لے آئے اور وہ اور حضرت حمزہ دونوں آنحضرتؐ کے طرفدار بن گئے جس کی وجہ سے اب اسلام دُور دراز کے قبائل تک پھیلنے لگا۔ تو یہ لوگ جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ وہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے خلاف ایک معاہدہ مرتب کریں جس کی رُو سے قریش نہ ان سے ازدواجی تعلقات قائم کریں اور نہ ان سے تجارتی معاملات کریں، نہ ان سے میل جول رکھیں، نہ ان سے کبھی صلح کریں، نہ اپنے دلوں میں ان کی طرف سے کسی قسم کی نرمی اور رحم دلی کو جگہ دیں تا اینکہ یہ لوگ رسول اللہ کو قتل کرنے کی غرض سے ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔ یعنی ان لوگوں نے مسلمانوں کے اسلام قبول کرنے اور بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کے حضرت رسول اللہؐ کی حفاظت کرنے کا انتقام لینے کے لئے بالاتفاق یہ طے کیا کہ ان سب کا مکمل مقاطعہ کرنے کا ایک معاہدہ کیا جائے۔ چنانچہ خود کو اس مقاطعہ کا پابند بنانے کے لئے ایک دستاویز لکھ کر محرم سنہ ۷ نبوت م ۶۱۷ء کی چاندرات کو اسے کعبہ کے وسط میں آویزاں کر دیا۔ یہ دستاویز بغیض بن عامر بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ پس آنحضرتؐ نے اس کے حق میں بددعا کی۔ نتیجہ یہ کہ اس کے ہاتھ شل ہو کر رہ گئے۔

قریش کے قطع تعلق کے بعد بنو المطلب بن عبد مناف اور بنو ہاشم ابوطالب کے پاس شعب ابوطالب میں جمع ہو گئے۔ ادھر ابولہب قریش کی طرف گیا اور انھیں بنو ہاشم اور بنو المطلب کے خلاف بھڑکایا۔ پس انھوں نے ان لوگوں پر کھانے پینے اور ضروریاتِ زندگی کی تمام چیزیں بند کر دیں۔ نتیجہ یہ کہ یہ محصورین صرف زمانہ حج سے اگلے زمانہ حج ہی میں وادی سے باہر نکل سکتے تھے۔ یہاں تک کہ ان پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا اور وادی کے عقب سے بچوں کے بلکنے اور تڑپنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ قریش کے بعض لوگ تو ان کی اس حالت پر مسرور تھے۔ لیکن بعض کو یہ صورتِ حال بہت ناگوار گزری اور وہ کہنے لگے

غور کرو کہ بغیض بن عامر کا کیا حال ہوا۔ یہ مظلومین تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور و محبوس رہے یہاں تک کہ آنحضرتؐ، ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ نے اپنا اپنا تمام سرمایہ خرچ کر ڈالا۔ اس کے بعد نوبت فقر و فاقہ تک آ پہنچی۔ پھر حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آنحضرتؐ کو قریش کی دستاویز کی حالت پر مطلع فرمایا وہ یہ کہ اس کاغذ میں ظلم و تشدد کا جو مضمون تھا اُسے دیمک چاٹ گئی ہے اور جس قدر حصہ اللہ کے ذکر کا تھا وہ باقی رہ گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ واقعہ ابو طالب سے بیان کیا۔ ابو طالب نے دوسرے اہلِ خاندان سے بیان کیا۔ یہ سب مسجد گئے اور وہاں ابو طالب نے کفارِ قریش سے کہا کہ میرے بھتیجے نے، جنھوں نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ مجھے اطلاع دی ہے کہ خدا نے تمھاری دستاویز پر دیمک کو مسلط فرما دیا جس نے اس میں تحریر کردہ ظلم و جور اور قرابت داروں سے قطع تعلق کی عبارتوں کو چاٹ لیا ہے اور اللہ کے ذکر والی عبارتیں باقی رہ گئی ہیں۔ پس اگر میرا بھتیجا اپنی بات میں سچا ہے تو تم لوگ اپنی غلط رائے سے باز آجاؤ اور اگر وہ جھوٹا ثابت ہو تو میں اسے تمھارے سپرد کر دوں گا۔ پھر تمھیں اختیار ہے کہ تم اسے قتل کر ڈالو یا اسے زبانی شرمندہ کر کے چھوڑ دو۔ اس پر وہ بولے کہ تم نے یہ انصاف کی بات کہی ہے۔ پس انھوں نے کچھ لوگوں کو اس دستاویز کا حال دیکھنے کو بھیجا۔ انھوں نے اُسے کھولا تو واقعی اسے ایسا ہی پایا جیسا حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا تھا۔ پس وہ ذلیل و خوار ہوئے اور شرمندگی سے ان کی گردنیں جھک گئیں۔ اس پر ابو طالب نے کہا کہ جب حقیقت حال واضح ہو چکی تو اب ہمیں کس لیے حبس بیجا اور محاصرہ کی حالت میں رکھا جا رہا ہے۔ پھر وہ اور ان کے ساتھی کعبہ اور کعبہ کے پردوں کے درمیان داخل ہوئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا "اے خدا! جنھوں نے ہم پر ظلم کیا ہم سے رشتہ داری کے رشتوں کو قطع کر لیا۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیا، ان کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ اس دعا کے بعد یہ سب شعب ابی طالب میں واپس چلے گئے۔

ادھر قریش بنو ہاشم کے ساتھ اپنے اس طرزِ عمل پر ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنے لگے ان لوگوں میں مطعم بن عدی۔ عدی بن قیس۔ زمعہ بن اسود۔ ابو البختری بن ہشام اور زہیر بن ابی اُمیہ شامل تھے۔ انھوں نے ہتھیار لگائے اور بنو ہاشم اور بنو المطلب کے پاس پہنچے اور انھیں اپنے اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ انھوں نے اس پر عمل کیا۔ جب قریش نے یہ معاملہ دیکھا تو سخت نادم و شرمسار ہوئے اور جان گئے کہ یہ لوگ محصورین کو ہمارے سپرد نہ کریں گے۔

یہ لوگ سنہ ۱۰ نبوت میں شعب ابی طالب سے باہر نکلے تھے۔ سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ اور آپ کے اعزہ و صحابہ دو یا تین سال تک حالت محاصرہ میں رہے۔ یہاں تک کہ ان پر عرصہ حیات اتنا تنگ ہو گیا تھا کہ کھلم کھلا کوئی چیز ان تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ بجز اس کے کہ جو شخص ان سے ہمدردی کرنا چاہتا وہ کچھ سامان کبھی کبھی قریش سے چھپا کر بڑی رازداری سے ان تک پہنچاتا تھا۔ چنانچہ انھی دنوں اس قسم کا ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد اپنے ساتھ ایک لڑکے کے سر پر گیہوں لئے ہوئے شعب میں پہنچے تاکہ یہ گندم اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کو پہنچا دیں۔ جو اس وقت آنحضرتؐ کے ساتھ ہی شعب میں محصور تھیں۔ ابوجہل بن ہشام نے انہیں یہ گندم لے جاتے دیکھ لیا اور ان پر جھپٹ پڑا اور کہنے لگا۔ کیا تم بنی ہاشم کے پاس کھانے پینے کا سامان لے جا رہے ہو۔ قسم ہے تم اور تمھارا یہ غلہ یہیں رہے گا اور میں ابھی مکہ میں جا کر تمہیں رسوا کروں گا۔

یہ سن کر ابوالبختری ابوجہل کے پاس آیا اور کہا۔ اس کی پھوپھی کا یہ غلہ میرے پاس رکھا تھا میں نے ہی اسے اس کے ہاتھ یہاں بھیجا تھا۔ کیا تم اسے اپنی پھوپھی کے پاس لے جانے سے روکتے ہو؟! اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ ابوجہل نے یہ بات نہ مانی اور دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ حتّٰی کہ ابوالبختری نے اونٹ کا جبڑا اٹھا کر ابوجہل کو اس سے مار مار کر زخمی کر دیا۔ پھر اسے پیروں تلے روند ڈالا۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بھی کہیں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ قریش یہ نہ چاہتے تھے کہ اس واقعہ کی خبر آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ تک پہنچے ورنہ وہ اس پر خوش ہوں گے۔ ادھر یہ ہنگامہ خیز مصائب تھے۔ ادھر ان سب کے باوجود آنحضرتؐ اللہ کے حکم کے مطابق اپنی قوم کو شب و روز علانیہ و پوشیدہ برابر اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور تبلیغ کے بارے میں کسی شخص سے خائف نہ ہوتے تھے۔

ایک طرف یہ واقعات ہیں۔ دوسری طرف حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مرجلیوث کہتا ہے کہ ابوجہل عقل و دانش میں مشہور تھا۔ قارئین کرام! آپ کچھ سمجھے، وہ ایسا کیوں کہتا ہے۔ محض اس لئے کہ وہ رسول اللہ کا سخت دشمن تھا۔ ورنہ اس کے اوصاف و اعمال جن کا ہم ذکر کر چکے، ہرگز نہیں بتاتے کہ وہ کوئی عاقل اور سمجھدار شخص تھا۔

بلاشبہ نبی کریمؐ عرب کو ان اعمال کی دعوت دیتے تھے۔ جن میں دنیا و آخرت میں ان کی

بھلائی اور سعادت وخوش بختی مُضمر تھی۔ آپ انھیں صرف ایک خُدا کی عبادت کرنے اور پتھروں کی پرستش ترک کر دینے کی تبلیغ فرماتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ان کو اس دینی پستی سے نکالنے کی جدّ وجہد فرماتے تھے جس میں وہ غرق تھے۔ اور اُنھیں بلند مراتب اور اعلیٰ نظریات پر فائز کرنا چاہتے تھے۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ ان میں تہذیب و شائستگی پھیلاتے اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتے تھے نیز ان کے قلوب میں بلند اجتماعی آداب راسخ فرماتے تھے۔

پس کیا ایسے شخص کو جو رسول اللہ ؐ جیسی مُصلح ہستی سے شدید عداوت و بغض رکھتا ہو، عقلمند کہا جاسکتا ہے؟

پھر مرجولیوث اسلام لانے والوں پر اپنے غیظ وغضب کا اظہار کرتا ہے۔ خاص کر ان ہستیوں پر جو بہادر اور اپنے اسلام میں پُختہ تھے۔ انھیں مکروہ اور بُری عادات سے مُتّہم کرتا ہے۔

○

طفیل بن عمرو دوسی رضؓ

ایک شاعر جو اپنی عقل کو حکم بنا کر اسلام قبول کرتا ہے۔

قریش کا یہ طرزِ عمل تھا کہ جب کوئی نیا شخص کسی عرب ملک سے مکہ آتا تو یہ لوگ اس سے ملنے میں جلدی کرتے اور اسے آنحضرتؐ سے ڈراتے تھے۔ اس اندیشہ کی بنا پر کہ کہیں یہ اسلام قبول نہ کرلے پھر اپنے ملک واپس جاکر تبلیغ اسلام شروع نہ کردے۔

لیکن طفیل بن عمرو دوسی نے ان کی اس رکاوٹ کی کوئی پروانہ کی بلکہ انھوں نے اپنی عقل کو حکم بنایا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ سے قرآنی آیات سُنیں اور ان میں غور و فکر کیا اور ان سے لذت اندوز ہوئے کیونکہ وہ خود شاعر تھے بالآخر متاثر ہوکر اسلام لے آئے۔ ان کے اسلام لانے کا پورا قصہ اس طرح ہے۔

ان کا نسب یہ ہے۔ طفیل بن عمرو بن طریف بن عاص بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس بن عدنان بن عبداللہ بن زہران بن کعب بن حارث بن کعب بن عبداللہ بن نصر بن ازد دوسی۔ ان کا لقب ذُوالنّور تھا۔

طفیل بن عمرو دوسی نے اپنا قصہ یُوں بیان کیا ہے کہ وہ مکہ میں آئے۔ جہاں حضرت رسُول اللہؐ موجُود تھے۔ پس قریش کے بعض اشخاص میرے پاس آئے۔ (طفیل ایک شریف انسان اور بہترین شاعر تھے) پس انھوں نے ان سے کہا۔ اے طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو اور یہ شخص (یعنی حضرت محمدؐ) جو ہمارے درمیان موجود ہے اس نے ہماری زندگی اجیرن کردی ہے۔ ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی ہے۔ اس کا کلام جادُو کی طرح مُوثر ہے۔ یہ انسان اور اس کے باپ کے درمیان، ایک انسان اور اس کے بھائی کے درمیان، ایک انسان اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق ڈال دیتا ہے۔ ہمیں تم پر اور تمھاری قوم پر ایسا ہی اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ پس تم ان سے کچھ بات کرنا، نہ ان کی کوئی بات سُننا۔ طفیل کہتے ہیں۔ خدا کی قسم! وہ برابر مجھ سے یہی اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے اقرار کرلیا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ اُن کی کوئی بات سُنوں گا، نہ ان سے کوئی بات کروں گا۔ یہاں تک کہ میں نے کان

میں روئی رکھ لی۔ کہ کہیں ان کی بات میرے کانوں تک نہ پہنچے۔ کیونکہ میں ان سے کچھ سننا نہیں چاہتا تھا۔ پھر میں صبح کے وقت مسجد پہنچا تو دیکھا کہ رسول اللہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں ان کے پاس جا کھڑا ہوا تو خدا نے مجھے اپنا کلام سنوا ہی دیا۔ میں نے بہت عمدہ کلام سنا اور اپنے دل میں کہا۔ میری ماں مرے۔ واللہ میں ماہر فن شاعر ہوں۔ مجھ سے کلام کا حسن و قبح پوشیدہ نہیں۔ پھر میرے لئے اس شخص کی بات سننے سے کیا امر مانع ہو سکتا ہے؟ وہ جو کلام لاتے ہیں۔ اگر وہ بھلا ہے تو میں اسے قبول کر لوں گا۔ اگر وہ بُرا ہے تو چھوڑ دوں گا۔

یہ سوچ کر میں وہیں ٹھہرا رہا۔ جب رسول اللہؐ گھر کی طرف لوٹے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہو گیا۔ اور عرض کیا۔ اے محمدؐ! آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا ایسا بیان کیا ہے لیکن حق تعالیٰ نے آپ کا کلام مجھے سنوا ہی دیا۔ پس میرے بہت اچھا کلام سننے میں آیا ہے۔ اس لئے عرض ہے کہ آپ جس امر کی دعوت دیتے ہیں وہ مجھ سے بھی بیان فرمائیں۔ پس آنحضرتؐ نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا اور قرآن کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ خدا کی قسم! میں نے نہ اس سے پہلے ایسا اچھا کلام سنا تھا نہ اس سے زیادہ بہتر احکام سنے تھے۔ پس میں فوراً اسلام لے آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میری قوم میری بات مانتی ہے۔ میں واپس ہو کر ان میں اسلام کی تبلیغ کرونگا۔ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرما دے جو میری تبلیغ میں میری معین و مددگار ثابت ہو۔ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! کوئی نشانی عطا فرما۔ پھر میں اپنی قوم کے پاس آیا۔ یہاں تک کہ جب میں اپنی وادی میں پانی کے کنارے جمع شدہ لوگوں تک پہنچا تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان اک نور چمکا جیسے کہ چراغ روشن ہو گیا ہو۔ میں نے خدا سے عرض کیا۔ اے خدا! چہرہ کے سوا کہیں اور یہ نور ظاہر ہو۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہیں موجودہ نور سے میری قوم والے یہ نہ سمجھ لیں کہ ان کا دین چھوڑ دینے کی وجہ سے میری جسمانی ہیئت میں تبدیلی ہو گئی ہے۔ پھر وہ نور میرے کوڑے کے سرے پر نمودار ہو گیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ نور ایک معلق قندیل کی صورت میں میرے کوڑے میں دیکھا جب کہ میں وادی کی بلندی سے ان کی طرف اتر رہا تھا۔ جب میں نیچے اتر آیا تو میرے بوڑھے والد میرے پاس آئے۔ میں نے کہا۔ اے میرے باپ! آپ مجھ سے دور ہی رہیئے۔ کیونکہ اب میں آپ کا رہا نہ آپ میرے۔ انھوں نے کہا۔ اے میرے پیارے بیٹے! ایسا کیوں ہوا؟ میں نے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ انھوں نے کہا۔ اے

بیٹے! اب سے میرا بھی دین وہی ہے جو تیرا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اسلام لے آئے۔ پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ اس سے بھی میں نے وہی بات دوہرائی۔ پس وہ بھی مسلمان ہوگئی اور کہنے لگی۔ اس تبدیلی سے مجھے ذی الشریٰ سے تو کوئی خطرہ نہ ہوگا؟ یہ ان کے قبیلہ کا بُت تھا۔ میں نے کہا، نہیں میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ پھر میں نے قبیلۂ دوس پر دعوتِ اسلام پیش کی۔ مگر انھوں نے قبولِ اسلام میں تردد کیا۔ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! دوس پر دُنیوی مفاد کا غلبہ ہے۔ آپ ان پر بددُعا کیجئے۔ مگر آپ نے دُعا فرمائی کہ اے خدا! دوس کو میرا سیدھا راستہ دکھادے پھر مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اور اپنی قوم کو پھر دعوتِ اسلام دو اور ان سے نرمی کا برتاؤ کرو۔ کہتے ہیں پھر میں واپس لوٹا اور اپنی بستی میں دوس قبیلہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ حتیٰ کہ یہ لوگ بحالت اسلام مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوگئے۔

اس وقت تک آپ بدر و اُحد اور خندق کے غزوات سے فارغ ہو چکے تھے۔ پھر میں بھی اپنی قوم کے ان دُوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر جو میرے ہاتھ پر اسلام لے آئے تھے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ اس وقت آپ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ اس لئے میں قبیلۂ دوس کے ستر اسی کنبوں کو لے کر مدینہ میں فروکش ہوا۔ پھر ہم سب خیبر پہنچ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دُوسرے مسلم مجاہدین کے ساتھ مالِ غنیمت میں ہمارا حصہ بھی رکھا۔ پھر میں برابر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر باش رہا۔ حتیٰ کہ خُدا نے آپ کے دستِ مُبارک پر مکہ فتح کرا دیا میں نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہ! مجھے عمرو بن حممہ کے بُت ذی الکفین کے پاس بھیجئے تاکہ میں اسے جلا آؤں۔ چنانچہ طفیل اس بُت کی طرف روانہ ہوئے اور وہ اس لکڑی سے بنے ہوئے بُت کو جلاتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے۔

یا ذاالکفین لست من عبادکا — اے ذوالکفین! میں تیرے پرستاروں میں سے نہیں ہوں۔

میلادنا اقدم من میلادکا — ہماری پیدائش تیرے وجود سے پہلے کی ہے۔

انی حشوت النار فی فؤادکا — میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی ہے۔

پھر یہ کام کر کے طفیلؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوگئے اور وفات پانے تک برابر آپ ہی کی خدمت میں رہے۔

○

ابُوطالبؓ کی وفات

سنہ ۶۲۰ء

ابُوطالب بن عبدالمطلب نے عمر بھر سب لوگوں سے بڑھ چڑھ کر انتہائی شدت واہتمام کے ساتھ آنحضرتؐ کی دُشمنوں سے حفاظت کی لیکن ان کا دل اسلام کے حلقہ بگوش ہونے اور اپنے دین کو چھوڑنے پر کبھی بھی آمادہ نہ ہو سکا۔

روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ قریش میرے چچا کی زندگی تک مجھے تکالیف پہنچانے میں بے بس و مجبور رہے۔ آنحضرتؐ ہمیشہ چاہتے رہے کہ آپ کے چچا اسلام لے آئیں۔ اس لئے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کی پرورش کی تھی اور اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک آنحضرتؐ کی حمایت و مدافعت کرتے رہے تھے۔

جب ابُوطالب کے مرض نے شدت اختیار کر لی تو آنحضرتؐ نے ان سے عرض کیا۔ اے میرے چچا کلمہ شہادت ادا کر لیجئے تو قیامت کے دن مجھے آپ کی شفاعت کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس پر ابُوطالب نے جواب دیا۔ اے میرے بھتیجے! اگر مجھے لوگوں کے بُرا بھلا کہنے اور قریش کے میری نسبت یہ گمان کرنے کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں نے موت سے گھبرا کر کلمہ پڑھ لیا ہے تو بلاشبہ یہ کلمہ پڑھ لیتا۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ	آپ جسے ہدایت دینا چاہیں نہیں دے سکتے۔ لیکن
وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ	حق تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دے سکتا ہے۔

زجاج کا قول ہے کہ تمام مُسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابُوطالب کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی۔ جس وقت آنحضرتؐ نے ان کو یہ پیش کش کی تھی کہ وہ کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیں۔ مگر انھوں نے صرف اس خیال سے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ کہیں اس پر قریش انھیں عار نہ دلائیں۔ پس صرف لوگوں کی ملامت اور سب و شتم، نیز یہ کہنے کے گمان نے کہ دیکھو ابُوطالب نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر اپنے بھتیجے کے دین کو اختیار کر لیا۔ جسے انھوں نے ہی بچپن

سے پرورش کیا تھا۔ انھوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پس مشہور یہی ہے کہ وہ کفر پر ہی مرے۔

ان کی اولاد میں حضرت جعفرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عقیلؓ۔ حضرت طالب۔ حضرت اُمّ ہانی جن کا نام فاختہ تھا، اور جمانہ تھے۔ طالب کے سوا ان سب نے اولاد چھوڑی۔

ابُوطالب لنگڑے تھے۔ بعثتِ نبویؐ کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال قبل وفات پائی جبکہ ان کی عمر تقریباً اسی کو پہنچ چکی تھی۔ شیعہ اس کے قائل ہیں کہ ابُوطالب مسلمان مرے۔

تاریخ اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ جب ابُوطالب کا مرض بڑھا تو انھوں نے عبدالمطلب کی اولاد کو بُلایا اور انھیں نصیحت کی کہ تم جب تک محمدؐ کی بات مانتے رہو گے اور اس کا اتباع کرتے رہو گے تب تک تم بھلائی پر رہو گے۔ پس تم پہ لازم ہے کہ ان کا اتباع و تصدیق کرو اور ان سے ہدایت حاصل کرو۔

جب ابُوطالب کا انتقال ہوا تو آنحضرتؐ نے ان کی نعش کو مخاطب کر کے فرمایا۔ خدا آپ پر رحم کرے اور آپ کو بخش دے۔ میں ہمیشہ آپ کے لئے مغفرت کی دُعا کرتا رہوں گا تا آنکہ حق تعالیٰ ہی مجھے اس سے منع نہ کر دے۔ یہ سُن کر تمام مُسلمان اپنے ان مردوں کے لئے دُعائے مغفرت کرنے لگے جو شرک پر مرے تھے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

نبی اور مومنین کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کی مغفرت کی دُعا کیا کریں۔ اگرچہ وہ ان کے قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ مشرکین دوزخی ہیں۔

○

حضرت خدیجہؓ کی وفات

سنہ ۶۲۰ء

ابُوطالب کے انتقال کے تین دن بعد حضرت خدیجہؓ کا وصال ہوگیا۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ اس سے زیادہ کچھ مُدّت کے بعد ان کا وصال ہوا۔ یہ سانحہ ہجرت سے تین سال قبل بماہ رمضان وقوع پذیر ہوا وصال کے وقت آپ کی عمر پینسٹھ سال تھی۔ ان سے عقد کے وقت آنحضرتؐ کی عمر ساڑھے چوبیس سال تھی۔ انھیں آنحضرتؐ نے بمقام حجون دفن کیا۔ اس وقت تک جنازوں پر نماز کا حکم نازل نہ ہُوا تھا۔ آنحضرتؐ اس حادثہ پر بہت غمگین تھے اور خود ان کی قبر کے اندر اُترے تھے۔

ابُوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات سے آنحضرتؐ پر پیہم مصائب ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ یہ دونوں آپ کے انتہائی مددگار اور سخت حفاظت و مدافعت کرنے والے تھے۔ ان کے بعد آنحضرتؐ پر قریش کی ایذارسانی بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ بعض نے آپ کے سر مبارک پر مٹی پھینک دی۔ بعض نے نماز میں آپ پر بکری کا اوجھ ڈال دیا۔ جس سال ابُوطالب و حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہُوا۔ اس کا نام 'غم کا سال' پڑ گیا۔

آنحضرتؐ کو حضرت خدیجہؓ سے جو تعلق و انس تھا، وہ آپ عُمر بھر نہ بھُول سکے اور ہمیشہ ان کی تعریف فرماتے رہتے تھے اور آپ کو ان کا احترام اس قدر ملحُوظ تھا کہ ان کی حیات میں دوسری شادی نہیں کی۔ درحقیقت حضرت خدیجہؓ ایک نیک و وفادار بیوی کا اعلیٰ نمونہ تھیں۔ جنھوں نے اپنی جان و مال سب کچھ حضرت رسُول اللہؐ پر قربان کر دیا تھا اور جب آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی تو بغیر کسی تردّد کے اُنھوں نے ہی سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی تھی۔

○

آنحضرت کا طائف کی طرف سفر

طائف حجاز کا ایک شہر ہے جو مکّہ سے جنوب مشرقی سمت پینسٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ شہر اپنی سرزمین کی سرسبزی و شادابی، عمدہ چراگاہ اور اپنے پھلوں خاص کر انگور، آلو بخارا، انار اور آڑو کی اعلیٰ اقسام و کثرت پیداوار کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس میں بہتی ہوئی نہریں ہیں۔ حُسن و خوبی میں وہاں انگور بطور ضرب المثل پیش کیا جاتا ہے۔ سردی میں وہاں پانی جم جاتا ہے۔ جس پہاڑ پر یہ شہر آباد ہے اس کا نام غزوان ہے۔ یہ شہر مکّہ کے اُمراء کا گرمائی مقام ہے اور عُزّیٰ بُت کی قدیم عبادت گاہ ہے۔

آنحضرتؐ ۲۷ شوال ۱۰؁ نبوّت (م جنوری، فروری ۶۲۰؁ء) اپنے غلام زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر طائف کی طرف روانہ ہوئے تاکہ قبیلہ ثقیف سے مدد طلب کریں۔ وہاں پہنچ کر ثقیف کے سرآوردہ معززین سے ملے اور انھیں اللہ کی طرف بُلایا۔ ان میں سے ایک بولا۔ کیا خُدا کو رسُول بنانے کے لئے تمہارے سوا کوئی نہیں ملا تھا؟ دُوسرا بولا۔ خدا کی قسم! میں ہرگز تم سے نہ بولوں گا۔ کیونکہ اگر تم اپنے دعوے کے مطابق واقعی خُدا کے رسُول ہو تو پھر تمھاری شان اس سے کہیں بلند و بالا ہے کہ میں تم سے بات بھی کر سکوں۔ اور اگر تم اللہ پر جھوٹا بُہتان رکھ رہے ہو تو پھر ایسے شخص سے میرا بولنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ پھر انھوں نے اپنے یہاں کے غنڈوں اور اپنے غلاموں کو آپ کے خلاف بھڑکایا جنھوں نے آپ کو گالیاں دیں۔ آپ پر پتھر برسائے اور آپ کے خلاف شور و غوغا کیا حتّٰی کہ اور لوگ بھی جمع ہو کر آپ پر حملہ آور ہوئے اور آپ کو مارتے مارتے دیوار میں گھُسا دیا۔ آپ کے پیروں کو لہولہان کر دیا۔

جب آپ کو قدرے اطمینان ہوا اور غنڈے آپ کو چھوڑ کر چلے گئے تو آنحضرتؐ نے بارگاہ ایزدی میں دُعا کی: اے میرے خدا! میں اپنی کم طاقتی، بے بضاعتی اور کمزوری کی تجھی سے شکایت کرتا ہوں۔ اے میرے خدا! اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم فرمانے والے! تو ہی ضعیفوں کا پروردگار ہے۔ تو ہی میرا رب ہے، مجھے جس کے چاہے سپرد کر دے۔ خواہ کسی انسانیت سے عاری شخص کے جو مجھ سے بد خلقی و ترش رُوئی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جسے مجھ پر قدرت عطا فرما دے۔ اگر تیرا غضب مجھ پر نازل نہ ہو تو پھر مجھے کسی مصیبت کی بھی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت و کرم زیادہ وسیع ہے۔ میں تیرے اس نُور کے واسطہ سے جس کی ضیا پاشی سے دُنیا کی سب ظلمتیں چھٹ گئیں اور جس سے

دُنیا و آخرت کے سب مُعاملات سنور گئے۔ اس سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا مجھ پر اپنا عتاب کرے۔ میں تجھ سے تیری رضا کا طالب رہوں گا۔ یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے دو جہان میں تیرے سوا نہ کوئی حرکت ہے، نہ کوئی دُوسری طاقت ہے۔" آپ کی یہ دُعا، دعاءِ طائف کے نام سے مشہور ہے۔

جب ربیعہ کے دونوں بیٹوں عتبہ اور شیبہ نے آنحضرتؐ کی یہ حالتِ زار دیکھی تو ان کے دلوں میں آپ پر رحم کا جذبہ موج زن ہُوا اور انھوں نے عداس نامی اپنے نصرانی غلام کو پکارا اور اس سے کہا کہ انگور کا یہ خوشہ لو اور اس طباق میں رکھ کر اس شخص (یعنی حضرت محمدؐ) کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ یہ کھالے۔ عداس نے اس کی تعمیل کی اور طباق لاکر آنحضرتؐ کے سامنے رکھ دیا۔ آنحضرتؐ نے انگوروں پر ہاتھ رکھا تو بسم اللہ فرمایا۔ عداس آپ کا چہرۂ مُبارک دیکھنے لگا اور کہا۔ واللہ! اس شہر کے لوگ یہ جُملہ نہیں بولتے۔ آنحضرتؐ نے اس سے دریافت فرمایا۔ اے عداس! تم کس شہر کے باشندے ہو اور تمھارا مذہب کیا ہے؟ عرض کیا۔ میں عیسائی ہوں اور شہر نینوی[1] کا رہنے والا ہوں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا تو تم ایک بزرگ شخص یونس بن متی کے قصبہ کے رہنے والے ہو۔ اس نے عرض کیا۔ آپ کو یونسؑ بن متی کی کیا خبر؟ آپ نے فرمایا۔ وہ میرے دینی بھائی تھے۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سُنتے ہی عداس آپ پر جُھک گیا اور آپ کے سرِ مبارک اور دست و پائے مُبارک کو بوسے دینے لگا۔ ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے یہ منظر دیکھ کر ایک دوسرے سے کہا۔ اس شخص نے تو تمھارے غلام کو تم سے برگشتہ کر دیا۔ جب عداس ان کے پاس آیا تو اُنھوں نے اس سے کہا۔ اے عداس! تجھ پر افسوس ہے۔ تجھے کیا ہُوا کہ تو اس شخص کا سر اور ہاتھ پیر چُومنے لگا؟ اس نے کہا۔ اے میرے آقا! رُوئے زمین پر کوئی شخص اس سے بہتر نہیں ہے۔ اس نے مجھے ایسی بات کی اطلاع دی ہے۔ جسے نبی کے سوا کوئی دُوسرا جان نہیں سکتا۔ اُنھوں نے کہا۔ اے عداس! تجھ پر افسوس ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے تیرے دین سے پھیر دے۔ حالانکہ تیرا دین یقیناً اس کے دین سے بہتر ہے۔

جب آنحضرتؐ بنو ثقیف کے حُسنِ سلوک سے نا اُمید ہو کر طائف سے مکّہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے تو وہاں اپنی قوم والوں کو اپنی مخالفت اور آپ کے دین سے بیزاری میں اور بھی سخت پایا۔ بجز

[1] یہ شہر موصل ملک عراق میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام کا وطن ہے۔ م

ان مٹھی بھر کمزور مسلمانوں کے جو آپ پر ایمان لا چکے تھے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرتؐ طائف سے مکّہ کی طرف واپس تشریف لے جانے لگے تو راہ میں بعض مکّہ والے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان میں سے ایک سے فرمایا۔ اگر میں تمھیں ایک پیغام دے کر بھیجوں تو کیا تم پہنچا دو گے؟ اس نے عرض کیا ضرور۔ آپ نے فرمایا۔ تم اخنس بن شریق کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ کیا تم مجھے اپنی پناہ میں لے سکتے ہو تاکہ میں اطمینان سے اپنی تبلیغ جاری رکھ سکوں؟ قاصد اس کے پاس آئے اور آپ کا پیغام پہنچایا۔ اخنس نے جواب دیا کہ کسی معاہدہ کا حلیف کسی کو کھلم کھلا پناہ نہیں دے سکتا۔ قاصد نے واپس آکر آنحضرتؐ کو یہ جواب سُنا دیا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ کیا تم پھر جا سکتے ہو؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا۔ اب سہیل بن عمرو کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ محمدؐ نے تمھیں پیغام دیا ہے کہ کیا تم مجھے پناہ دے سکتے ہو تاکہ میں اپنی تبلیغ جاری رکھ سکوں؟ قاصد نے پہنچ کر اُسے بھی وہی پیغام دیا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ بنو عامر بن لوئی بنو کعب کے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔ قاصد یہ جواب لے کر واپس ہُوا اور آنحضرتؐ کو جا کر سُنا دیا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم پھر جا سکتے ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا۔ اب مطعم بن عدی کے پاس جاؤ اور ان سے کہنا کہ محمدؐ نے تم سے دریافت کیا ہے کہ کیا تم مجھے پناہ دے سکتے ہو۔ تاکہ میں خدائی پیغام کی تبلیغ جاری رکھ سکوں؟ اس نے کہا۔ ضرور۔ آپ مکّہ آجائیں۔ قاصد نے واپس جا کر آنحضرتؐ کو یہ جواب پہنچایا۔ ادھر مطعم، اس کے بیٹوں اور بھتیجوں سب نے ہتھیار باندھے اور مسجد حرام میں پہنچے۔ جب ابوجہل نے انھیں دیکھا تو پوچھا۔ کیا تم کسی کو پناہ دینے آئے ہو یا کسی بُرے ارادہ سے آئے ہو؟ اُنھوں نے کہا۔ نہیں میں پناہ دینے آیا ہوں۔ ابوجہل نے کہا تو جسے تم نے پناہ دی ہم نے بھی اسے پناہ دی۔

تب نبی کریمؐ نے مکّہ میں داخل ہو کر وہاں اقامت اختیار فرمائی۔

ایک دن آپ مسجد حرام میں حاضر ہوئے۔ وہاں کعبہ کے پاس مشرکین بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ابوجہل کی نظر آپ پر پڑی تو کہا۔ اے بنی عبد مناف! یہ تمھارا نبی ہے؟ عتبہ بن ربیعہ نے جواب دیا اگر ہم میں کوئی فرشتہ یا نبی ہو جائے تو تمھیں کیوں بُرا معلوم ہوتا ہے؟ کسی نے یہ خبر آنحضرتؐ تک پہنچا دی یا آپ نے خود ہی سُن لی۔ پس آپ ان لوگوں کے پاس آئے اور فرمایا:-

اے عتبہ بن ربیعہ! خدا کی قسم۔ تم نے اللہ اور رسُول کے لئے میری حمایت نہیں کی بلکہ اپنی آن بان کے لیئے کی ہے۔

اور اے ابُوجہل! خُدا کی قسم۔ تجھ پر زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا کہ تو ہنسے گا کم اور روئے گا زیادہ۔

اور اے گروہِ قریش! خُدا کی قسم۔ تم پر زیادہ مُدّت نہ گزرے گی مگر یہ کہ تم بُہت بُرے اور سخت ناپسندیدہ دور سے گزرو گے۔

کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ طائف میں دس دن تک مُقیم رہے اور ظاہر یہی ہے کہ آپ کے اس سفر کا مقصد ان سے مدد چاہنا تھا۔ لیکن آپ کو ناکام و نامراد لوٹایا گیا۔ ابُو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ کو ثقیف سے مدد طلب کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

اس پر مُستزاد یہ کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ہجرت کر کے حبشہ جا چُکا تھا۔ ادھر جب آپ طائف سے واپس ہوئے تو مطعم بن عدی جیسے شخص کی پناہ کے بغیر مکہ میں داخل نہ ہو سکے۔

جب آنحضرتؐ طائف سے واپس آ رہے تھے تو راہ میں آپ سُورۂ جن کی تلاوت فرما رہے تھے کہ یمن کے شہر نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت کا آپ پر گزر ہُوا۔ انھوں نے اُسے سُنا اور غائبانہ آپ پر ایمان لے آئے لیکن آنحضرتؐ کو اس کا علم نہ ہُوا حتّٰی کہ آپ پر یہ آیت نازل ہُوئی۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ۝

اس وقت کو یاد کیجیے جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو قرآن کریم سُننے کے لئے آپ کی طرف بھیج دیا جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو باہم کہنے لگے کہ خاموش رہو (اور قرآن سُنو) جب وہ سُننے سے فارغ ہو گئے تو واپس جا کر اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ جن سات تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ اس سے زیادہ تھے۔

اسراء و معراج کا بیان

سنہ ۶۲۱ء

معراج کا واقعہ آنحضرتؐ کی طائف سے واپسی کے بعد اور ہجرت سے ایک سال قبل ۲۷ رجب شب دوشنبہ کو پیش آیا تھا۔ ابن حزم کا اسی پر یقین ہے۔ یہی مشہور روایت ہے اور لوگوں کا آج تک اسی پر عمل چلا آ رہا ہے۔

اسراء آپ کی بیت المقدس تک تشریف بری اور معراج آسمانوں کے اوپر تشریف لے جانے کو کہا جاتا ہے۔ اس شب میں آپ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ قرآن کریم میں اسراء کا ذکر آیت ذیل میں کیا گیا ہے:۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا	پاک ہے وہ ذات جو اپنے برگزیدہ بندے کو راتوں رات
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ	مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے اطراف ہم نے
الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ	اپنی برکتیں جمع کر دی ہیں۔ تاکہ اس بندے کو اپنی نشانیاں
مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝	دکھائیں۔ بلاشبہ وہ خدا بہت سننے والا اور دیکھنے والا ہے

معراج کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے۔ مسلم طبقات کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ آنحضرتؐ کو جسمانی[1] معراج کا شرف حاصل ہوا تھا اور اقلیت اس کی قائل ہے کہ آپ کو روحانی معراج ہوئی تھی۔

محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر (ابن جریر) میں حضرت حذیفہؓ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو معراج خواب میں ہوئی تھی۔ آپ کا جسم اپنی جگہ سے غائب نہ ہوا تھا۔ بلکہ صرف آپ کی روح کو آسمانوں پر لے جایا گیا تھا۔

---

[1] شفا قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ سلف صالحین اور مسلمانوں کی بڑی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ آپ کی معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں ہوئی تھی اور یہی قول صحیح ہے۔ یہی حضرت ابن عباس۔ جابر۔ انس۔ حذیفہ۔ عمر۔ ابوہریرہ۔ مالک بن صعصعہ۔ ابو حبہ بدری۔ ابن مسعود۔ ضحاک۔ سعید بن جبیر۔ قتادہ۔ ابن مسیب۔ ابن شہاب۔ ابن زید۔ حسن۔ ابراہیم۔ مسروق۔ مجاہد۔ عکرمہ اور ابن جریج وغیرہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ سے بھی ایسا ہی منقول ہے لیکن حضرت عائشہؓ کی حدیث ثابت نہیں۔ کیونکہ وہ معراج کے واقعہ کے وقت آنحضرتؐ کے ازدواجی تعلق سے منسلک نہ ہوئی تھیں۔
نسفی نے کہا ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں ہوئی تھی۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! رسول اللہ کا جسم اپنی جگہ سے غائب نہ ہوا تھا بلکہ آپ کی رُوح کو معراج کرائی گئی تھی۔

حضرت معاویہؓ سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے لیکن جمہور ائمہ و علماء پہلے قول (جسمانی معراج) پر متفق ہیں کیونکہ خواب دیکھنے والے کے خواب میں کوئی فضیلت ہے نہ سونے والے کے کچھ دیکھنے میں کوئی برتری ہے۔

مُسلمانوں کی اکثر جماعتیں اسی پر متفق ہیں کہ رسُول اللہ کے جسم مبارک کو آسمانوں پر لے جایا گیا تھا اور یہی قول صحیح بھی ہے۔

علامہ ابن قیم جوزیؒ کی کتاب زاد المعاد میں درج ہے کہ:

"ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ سے نقل کیا ہے۔ ان دونوں نے بیان کیا کہ صرف آنحضرتؐ کی رُوح کو اُوپر لے جایا گیا تھا۔ آپ کا جسم اپنی جگہ سے غائب نہ ہوا تھا۔"

حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اس قول میں کہ آپ کو خواب میں معراج ہوئی اور اس میں کہ آپ کو جسم کے بغیر صرف رُوحانی معراج ہوئی کیا فرق ہے؟ درحقیقت ان ہر دو اقوال میں بڑا فرق ہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت معاویہؓ نے یہ نہیں کہا کہ معراج آپؐ کا ایک خواب تھا۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ آنحضرتؐ کے جسم کے اپنی جگہ سے غائب ہوئے بغیر صرف آپ کی رُوح کو معراج کے لیئے لے جایا گیا تھا اور ان ہر دو اقوال میں فرق ہے۔ کیونکہ سونے والا جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے وہ بیداری میں محسوس و نظر آنے والی شکلوں کا ایک خاکہ ہوتا ہے جو نیند میں اس کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ پس وہ خواب میں دیکھتا ہے گویا اسے آسمانوں پر لے جایا گیا۔ یا مکہ یا اور کسی زمینی خطہ میں لے جایا گیا۔ لیکن اس کی رُوح اپنی جگہ قائم رہتی ہے نہ آسمانوں پر چڑھتی ہے نہ زمین کے کسی حصہ میں جاتی ہے۔ بلکہ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ خواب دکھانے والا فرشتہ اس کے سامنے ایک عکسی نقشہ کھینچ دیتا ہے اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ کی روح کو آسمانوں

پر لے جایا گیا تھا وہ دو گروہ ہیں۔ ایک اس کا قائل ہے کہ آپ کی رُوح اور جسم دونوں کو آسمانوں پر لے جایا گیا۔ دُوسرا اس کا قائل ہے کہ صرف آپ کی رُوح کو لے جایا گیا۔ جسم اپنی جگہ موجود رہا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ دونوں گروہ اس کے ہرگز قائل نہیں کہ آپ کی معراج صرف ایک خواب تھا۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی رُوح کو مکّہ سے لے جایا گیا اور درحقیقت اسی کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور فی الواقع آپ کی روح جسم سے علٰحدہ ہو کر اپنی ہم جنس ارواح سے مُلاقی ہوئی تھی۔ اور اس صُورت میں اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ وہ جسم سے علیحدہ ہو کر ایک ایک کر کے تمام آسمانوں پر گئی۔ حتیٰ کہ ساتویں آسمان پر پہنچ کر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سامنے کھڑی ہوئی۔ پھر حق تعالیٰ نے اپنی منشا سے اسے احکامات دیئے۔ پھر وہ زمین پر واپس آئی۔ پس آنحضرتؐ کو شب معراج میں جو کچھ عجیب واقعات پیش آئے وہ اس سے کہیں زیادہ مکمل واعلیٰ تھے جو صرف روح کو اُوپر جانے کی صورت میں پیش آسکتے تھے۔ اور یہ امر واضح ہے کہ یہ معاملہ نیند میں خواب دیکھنے والے کے معاملہ سے کہیں بلند و بالا ہے۔"

پس معراج کا واقعہ صرف کوئی خواب ہرگز نہ تھا۔ کیونکہ اگر صرف خواب ہوتا تو مشرکین اسے نہ جھٹلاتے۔ کیونکہ بعض لوگ اس قسم کے خواب دیکھتے رہتے ہیں گویا وہ آسمانوں پر چڑھے اور نیند ہی میں طویل فاصلے طے کر لئے۔ جن کا عقلِ انسانی تصوّر ہی نہیں کر سکتی۔ خواب کوئی خلاف عادت واقعہ اور معجزہ نہیں ہوتا اور نیند میں رُوح جسم سے جُدا نہیں ہوتی۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر معراج صرف خواب میں ہوتی تو آنحضرتؐ خود ہی اس کی صراحت فرما دیتے۔[1]

طبری نے اپنی تفسیر (ابن جریر) میں اس کا انکار کیا ہے کہ معراج صرف رُوحانی تھی اور انھوں نے ایسا کہنے والوں کی تردید میں لکھا ہے کہ:

"اس مسئلہ میں صائب قول یہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے خاص بندے محمدؐ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ جیساکہ اس نے اپنے بندوں کو اس کی اطلاع دی اور آنحضرتؐ سے مروی روایات میں یہ خبریں صریحی طور بیان کی گئی ہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو براق پر سوار کر کے

---

[1] معتزلہ کا ایک فریق اس طرف گیا ہے کہ آنحضرتؐ کو بیداری کی حالت میں نہیں نیند کی حالت میں معراج کرائی گئی۔ لیکن یہ قول جمہور اہل سنّت والجماعت کے برخلاف ہے۔ م

مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا وہاں آپ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو نماز پڑھائی جس کے بعد آپ کو جو کچھ نشانیاں دکھانی تھیں وہ دکھائیں۔

اور جسم کے بغیر صرف رُوحانی معراج کے ماننے والوں کا قول بالکل لایعنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ رُوحانی معراج ماننے کی صُورت میں نہ آنحضرتؐ کی نبوت پر دلیل قائم ہوتی ہے نہ آپ کی رسالت پر حجّت قائم ہو سکتی ہے اور نہ مُشرکین کے لئے اس سے انکار کا جواز باقی رہ جاتا ہے اس لئے کہ مُشرکین اور نہ بنی نوعِ انسان میں کسی کی فطرت سلیمہ اس سے مُنکر ہو سکتی ہے نہ ہی مُشرکین اسے کوئی تعجب خیز اور انوکھا واقعہ سمجھتے تھے کہ کوئی شخص نیند میں ایک سال کی مسافت تک پہنچنے کا خواب دیکھے چہ جائیکہ صرف کم و بیش ایک ماہ کی مسافت تک پہنچنے کا خواب۔

اور اگر بالفرض معراج روحانی ہوتی تو رُوح کو بُراق پر سوار نہ کرایا جاتا۔ کیونکہ سواری کے جانور صرف جسموں ہی کو سوار کر سکتے ہیں۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ رُوحانی معراج کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے جسم کو براق پر سوار کرایا گیا۔ اس صُورت میں آنحضرتؐ سے منقولہ یہ روایت کہ حضرت جبریل علیہ السّلام نے آکر آپ کو خود براق پر سوار کیا غلط ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ رُوحانی معراج کے قائل کی رائے کے مطابق اگر یہ سب کچھ واقعہ خواب ہی میں پیش آیا تھا تو اس کے نزدیک بھی تنہا رُوح کسی سواری پر سوار نہیں ہو سکتی اور بقول اس کے کہ آنحضرتؐ کا جسم مبارک بھی براق پر سوار نہ تھا تو اس کے قول کے مطابق یہ امر لازم آتا ہے کہ بُراق پر نہ حضرت رسُول اللہؐ کا جسم سوار ہُوا، نہ رُوح۔ پس اس کے نزدیک یہ واقعہ کسی عام سونے والے کا ایک معمولی خواب ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح یہ قول صریح آیاتِ قرآنی، آنحضرتؐ سے منقولہ متواتر روایات اور اکابر صحابہ و تابعین سے مروی مُسلسل احادیث سب کے خلاف پڑتا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ:

مُحققین نے کہا ہے کہ وہ ذریعہ جس کے ذریعہ ہمیں یہ معلوم ہُوا کہ حق تعالیٰ آنحضرتؐ کی رُوح و جسم ہر دو کو مکّہ سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، قرآن کریم اور احادیث نبویؐ ہے۔ قرآن کریم کی دلیل تو اس کی مذکورہ معراج کی آیات ہیں۔ اور اس دلیل کی وضاحت یہ ہے کہ عبد جسم و رُوح کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ معراج جسم و رُوح کے مجموعہ کو حاصل ہوئی تھی۔ رہی حدیث سو معراج کی

خبروں سے متعلق وہ روایت ہے جو حدیث کی مُستند و مشہور صحیح کُتب[1] (صحاح ستہ) میں بالتواتر منقول ہے اور یہ احادیث آنحضرتؐ کے مکّہ سے بیتُ المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے جانے کی اطلاعات پر وضاحت سے روشنی ڈالتی ہیں۔

آنحضرتؐ کو آسمانوں کی معراج کرانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ عالمِ ملکوت کے عجائبات پر مطلع ہو سکیں۔ جیساکہ خود حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا — آنحضرتؐ کو معراج اس لئے کرائی گئی کہ ہم آپ کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھادیں۔

ورنہ اللہ کو نہ تو زمانہ محیط ہوتا ہے نہ جگہ۔ آنحضرتؐ نے شب معراج میں اپنے رب کی براہِ راست زیارت کی۔ اور خُدا نے اپنے بندہ پر جو کچھ القا کرنا تھا وہ القا فرمایا۔ وہیں آپ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور تمام انبیائے سابقین کو آپ کے سامنے جمع کیا گیا اور آپ نے پہلے بیتُ المقدس میں نمازیں ان کی امامت کی۔ پھر انھوں نے الگ الگ مختلف آسمانوں پر آپ کا استقبال کیا۔ پھر ان سب مُشاہدات سے فراغت کے بعد آپ اسی شب کو مکّہ واپس تشریف لے آئے۔ تمام عیسائی آنحضرتؐ کے مسجد اقصیٰ تک جانے اور آسمانوں کی سیر کرنے کے واقعہ کا انکار کرتے ہیں اور ان کا انکار کچھ تعجّب خیز بھی نہیں بلکہ باعثِ حیرت تو یہ امر ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السّلام کے آسمانوں پر تشریف لے جانے کے قائل ہیں۔ مرقس کی انجیل کے آخر میں یہ عبارت تحریر ہے۔

"تحقیق پھر رب اپنے حواریوں سے بات کرنے کے بعد آسمان پر چلا گیا اور حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کے دائیں جانب جاکر بیٹھ گیا"

اور لُوقا کی انجیل کے آخر میں مذکور ہے :۔

"اور حضرت مسیح علیہ السّلام اپنے صحابہ کو برکت دے رہے تھے کہ یکایک ان سے علیحدہ ہو کر آسمان پر چڑھ گئے"

قریش پر معراج کی خبر کا اثر

آنحضرتؐ نے شبِ معراج میں جو کچھ دیکھا تھا وہ صُبح کو لوگوں کے سامنے بیان فرما دیا۔ جسے

---

[1] صحیح احادیث کے چھ مجموعوں کو کہا جاتا ہے جو یہ ہیں۔ بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ ترمذی اور نسائی۔ م

سُن کر حضرت صدیق اکبرؓ اور پختہ ایمان والوں نے فوراً آپؐ کے قول کی تصدیق کر دی لیکن بعض مسلمان مرتد ہو گئے۔ کفار نے آپ کو جھٹلایا اور آپؐ سے مسجد بیت المقدس کے اوصاف و حالات دریافت کئے آپؐ نے وہ بیان کر دیئے۔ پھر انھوں نے مسجد کی اندرونی اشیاء کے متعلق پوچھا تو قدرت سے مسجد کا نقشہ آپؐ کے سامنے کھینچ دیا گیا۔ آپ اسے دیکھ دیکھ کر اس کی ہر چیز بیان کرتے رہے اور انھیں اس کا ایک ایک دروازہ گن گن کر بتاتے رہے۔ پس آپ کی ہر بات ان کی معلومات کے مطابق رہی۔ پھر انھوں نے اپنے ایک قافلہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے اس قافلہ اور اس کی آمد سے متعلق خبر دے دی۔ چنانچہ آپ کی دی ہوئی اطلاع بالکل صحیح ثابت ہوئی۔

ایک روایت ہے کہ جب آپ شب معراج کی صبح کو مکہ واپس تشریف لائے تو آپؐ نے سب سے پہلے اپنی معراج کی خبر حضرت اُمِ ہانی دخترِ ابو طالب ہمشیرہ حضرت علیؓ کو سنائی اور فرمایا کہ آپ اپنی قوم کے پاس جا کر یہ خبر سنانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ آپ خدا کی اس قدرت اور اپنے بلند مقام کی دلیل کو ان سے چھپانا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ یہ سن کر اُمِ ہانی نے آپ کی چادر پکڑ لی اور عرض کیا۔ اے میرے چچازاد بھائی! میں آپ کو خدا کی قسم دیتی ہوں کہ آپ یہ واقعہ قریش سے بیان نہ فرمائیں۔ ورنہ جو آپ کی تصدیق کر چکے ہیں وہ بھی آپ کو جھٹلا دیں گے۔ آپؐ نے چادر پر ہاتھ مار کر ان سے چادر چھڑالی۔ اُمِ ہانی کہتی ہیں کہ اس وقت آنحضرتؐ کے دل کے قریب ایسا نور چمکا کہ قریب تھا کہ میری آنکھیں اس کی تیزی سے چُندھیا جائیں۔ پس میں اُسے دیکھتے ہی فوراً سجدہ میں گر پڑی۔ جب میں نے سر اُٹھایا تو آنحضرتؐ تشریف لے جا چکے تھے۔

میں نے اپنی حبشی کنیز نبعہ نامی سے کہا کہ آپؐ کے پیچھے پیچھے جا اور دیکھ کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ اس نے واپس آ کر خبر دی کہ آنحضرتؐ حطیمؐ[1] میں بیٹھی ہوئی قریش کی ایک جماعت کے پاس پہنچے جس میں مطعم بن عدی اور ابوجہل بھی موجود تھا اور آپؐ نے انھیں واقعہ معراج کی اطلاع دی۔

جب رسول اللہؐ نے قریش کے ایک مجمع کے سامنے معراج کا واقعہ بیان کیا تو انھوں نے اس واقعہ کو بہت عظیم واقعہ خیال کیا اور ان میں سے بعض تالیاں بجانے لگے اور بعض نے تعجب سے اپنا سر پکڑ لیا۔ (پس اگر معراج کا واقعہ ایک سونے کا خواب ہوتا تو کچھ باعثِ تعجب نہ ہوتا اور اس پر اس قدر شور و غوغا

---

[1] خانہ کعبہ کے باہر ایک احاطہ کا نام حطیم ہے۔

بلند نہ ہوتا۔ اس واقعہ کو بعض مسلمانوں نے بھی جھٹلایا۔ بجز ان کے جو قوی عقیدہ اور مستحکم ایمان والے تھے)۔

یہ سن کر مطعم بن عدی بولا۔ آج سے قبل آپ کا معاملہ آپکے آج کے بیان سے زیادہ ہلکا تھا۔ مگر آج خود یہی واقعہ آپکے جھوٹ کا شاہد ہے۔ ہم بیت المقدس جانے کے لئے ایک ماہ کی مسافت کی چڑھائی اور ایک ماہ کی اترائی میں اپنے اونٹوں کے جگر پتہ کر ڈالتے ہیں اور تمہارا یہ دعوی ہے کہ تم وہاں تک ایک ہی شب میں پہنچ گئے؟ لات وعزیٰ کی قسم ہے۔ میں ہرگز تمہارے اس قول کی تصدیق نہ کروں گا اور جو تم بیان کر رہے ہو، یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔

اس پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ اے مطعم! تم نے اپنے بھتیجے کے حق میں جو رائے قائم کی ہے۔ وہ بہت بری ہے۔ تم نے انھیں ذلیل کیا اور جھٹلایا ہے مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرتؐ اپنی اس خبر میں سچے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ خبر سن کر مشرکین حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور آپ سے کہا کہ تمھیں کچھ اپنے صاحب کی بھی خبر ہے۔ ان کا دعوی ہے کہ وہ گزشتہ شب بیت المقدس تک لے جائے گئے؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ کیا انھوں نے ایسا بیان کیا ہے؟ انھوں نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے کہا۔ اگر آنحضرتؐ نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ کہا ہے۔ انھوں نے کہا۔ کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو کہ محمدؐ بیت المقدس تک جا کر صبح سے پہلے ہی واپس بھی آ گئے؟ آپ نے کہا۔ میں آپ کی اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس اطلاع کی تصدیق کرتا ہوں جبکہ میں صبح و شام آسمان سے آپ پر نازل ہونے والی وحی میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔

پھر مطعم بولا۔ اے محمدؐ! آپ ہم سے بیت المقدس کے حالات بیان کریں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یا رسولؐ مجھ سے اس کا حلیہ بیان فرمایئے۔ کیونکہ میں وہاں جا چکا ہوں۔ پس خدا کی قدرت سے حضرت جبریل علیہ السلام نے مسجد کی پوری صورت اور نقشہ آنحضرتؐ کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ چنانچہ آپ نے بتانا شروع کیا کہ اس کا ایک دروازہ فلاں جگہ واقع ہے ایک فلاں جگہ۔ حضرت ابوبکرؓ سنتے جاتے اور کہتے جاتے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ کے سچے رسولؐ ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے مسجد اقصیٰ کے پورے حالات بیان فرما دیئے۔

یہی وہ احادیث ہیں جو صحیح بخاری شریف میں خاص معراج کے واقعہ سے متعلق وارد ہوئی ہیں جن کی مختصر شرح قسطلانی سے نقل کر کے بخاری کے حاشیہ پر درج کی گئی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا۔ حق تعالیٰ نے میرے سامنے سے بیت المقدس تک حجاب اُٹھا دیا اور میں اسے دیکھ دیکھ کر اس کی علامات و نشانیاں بیان کرنے لگا۔

معراج کا بیان

حضرت مالک بن صعصعہ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ان سے شب معراج کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا کہ میں حطیم میں سو رہا ہوا تھا کہ میرے پاس ایک آنے والا (یعنی جبریلؑ) آیا اور اس نے یہاں سے یہاں تک میرا سینہ چاک کر دیا۔ بقول راوی اس سے سینہ کے بالائی حصہ سے ناف تک کا حصہ مراد ہے۔ پس اس نے میرا دل نکالا۔ پھر ایمان سے لبریز سونے کا ایک طشت لایا گیا۔ جس میں اس نے میرے دل کو دھویا۔ پیٹ کی آلائش صاف کی۔ پھر دل کو اپنی جگہ پر رکھ کر بند کر دیا۔ ایک سفید چوپایہ جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا میرے پاس لایا گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ براق تھا اور وہ اپنا ایک ایک قدم اپنی حدِ نگاہ پر رکھتا تھا۔ میں اس پر سوار کیا گیا۔ حضرت جبریلؑ مجھے لے کر دُنیوی آسمان تک لے گئے اور دروازہ کھلوایا۔ آواز آئی۔ کون ہے؟ کہا جبریلؑ۔ دریافت کیا گیا۔ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمدؐ۔ پوچھا گیا۔ کیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ کہا۔ ہاں۔ کہا گیا۔ پس ہم انھیں خوش آمدید کہتے ہیں کہ یہ بہت اچھا آنے والا آیا ہے۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ جب آپ اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں حضرت آدم علیہ السّلام تشریف فرما ہیں۔ حضرت جبریلؑ نے ان کا تعارف کرایا کہ یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السّلام ہیں۔ آپ نے اور میں نے حضرت آدم علیہ السّلام کو سلام کیا اور اُنھوں نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور فرمایا۔ فرزند صالح خوش آمدید! پھر جبریل مجھے دُوسرے آسمان پر لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کون ہے؟ کہا گیا۔ جبریل۔ پھر پُوچھا گیا۔ آپ کے ساتھ یہ کون ہیں۔ حضرت جبریلؑ نے بتایا۔ حضرت محمدؐ ہیں۔ پُوچھا گیا۔ کیا آپ کو خُدا نے ان کے پاس بھیجا تھا۔ کہا ہاں۔ آسمانی بواب

نے کہا۔ خوش آمدید۔ کیا ہی بہتر آنے والا آیا ہے۔ یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ جب میں اندر داخل ہُوا تو وہاں حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السّلام کو موجُود پایا۔ اور یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت جبریل نے مجھے بتایا کہ یہ حضرات یحییٰؑ و عیسیٰؑ ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان دونوں کو سلام کیا۔ اُنھوں نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ صالح برادر اور صالح نبی خوش آمدید۔ پھر حضرت جبریلؑ مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے۔ وہاں دروازہ کھلوایا تو دریافت کیا گیا کہ آپ کون ہیں۔ کہا جبریلؑ ہوں۔ پھر دریافت کیا۔ یہ آپکے ساتھ کون ہیں۔ کہا حضرت محمدؐ ہیں۔ کہا کیا آپ کو ان کے پاس بھیجا گیا تھا۔ کہا ہاں۔ کہا گیا۔ خوش آمدید! کیا ہی بہتر آنے والا آیا ہے۔ اور یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ جب میں اندر داخل ہُوا تو وہاں حضرت یُوسف علیہ السّلام کو پایا۔ حضرت جبریلؑ نے بتایا کہ یہ حضرت یوسفؑ ہیں پس انھوں نے انھیں سلام کیا۔ پھر میں نے بھی سلام کیا۔ انھوں نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید۔ پھر حضرت جبریلؑ مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا۔ دریافت کیا گیا۔ آپ کون ہیں؟ کہا جبریل ہوں۔ پھر پُوچھا گیا۔ یہ آپکے ساتھ کون ہیں؟ کہا حضرت محمدؐ ہیں۔ پُوچھا گیا۔ کیا آپ ان کی طرف بھیجے گئے تھے؟ کہا ہاں۔ کہا گیا۔ مرحبا۔ آنے والا شخص کیا ہی اچھا ہے۔ یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ جب میں اندر داخل ہُوا تو وہاں حضرت ادریس علیہ السّلام کو موجُود پایا۔ حضرت جبریلؑ نے تعارف کرایا کہ یہ حضرت ادریسؑ ہیں۔ پس آپنے اور میں نے انھیں سلام کیا اور انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا۔ صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید۔ پھر حضرت جبریل مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا۔ دریافت کیا گیا۔ کون؟ کہا۔ جبریل۔ پُوچھا گیا۔ یہ آپکے ساتھ کون ہیں؟ کہا حضرت محمدؐ۔ پُوچھا گیا۔ کیا آپ ان کے پاس بھیجے گئے تھے۔ کہا ہاں۔ کہا خوش آمدید۔ آنے والا کیسا بہتر شخص ہے۔ جب میں اندر داخل ہُوا تو وہاں حضرت ہارُون علیہ السّلام کو موجود پایا۔ حضرت جبریلؑ نے تعارُف کرایا کہ یہ حضرت ہارونؑ ہیں۔ پس آپنے اور میں نے اُنھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا۔ صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید۔ پھر حضرت جبریل مجھے چھٹے آسمان پر لے گئے وہاں کا دروازہ کھلوایا تو سوال کیا گیا۔ کون ہے؟ کہا۔ جبریلؑ۔ سوال کیا گیا۔ یہ آپکے ساتھ کون ہیں؟ کہا۔ حضرت محمدؐ ہیں۔ سوال کیا گیا۔ کیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ کہا۔ ہاں۔ کہا گیا۔ خوش آمدید

آنے والا کیا ہی بہتر شخص ہے۔ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت موسیٰؑ کو موجود پایا۔ حضرت جبریلؑ نے بتایا کہ یہ حضرت موسیٰؑ ہیں۔ پس آپ نے اور میں نے انھیں سلام کیا اور انھوں نے جواب دیا پھر کہا۔ صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید۔ جب میں وہاں سے جانے لگا تو حضرت موسیٰؑ رو دیئے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں۔ فرمایا میں اس لئے روتا ہوں کہ میرے بعد ایک نوجوان کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ مگر اس کی اُمّت کے لوگ میری اُمّت سے زیادہ جنّت میں داخل ہونگے پھر حضرت جبریل مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے اور دروازہ کھلوایا۔ سوال کیا گیا۔ کون ہے۔ کہا جبریل۔ سوال کیا گیا۔ یہ آپکے ساتھ کون ہیں؟ کہا۔ حضرت محمدؐ ہیں۔ سوال کیا گیا۔ کیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کہا۔ ہاں۔ بواب نے کہا۔ خوش آمدید۔ کیا ہی بہتر آنے والا آیا ہے۔ جب میں اندر گیا تو وہاں حضرت ابراہیمؑ کو موجود پایا۔ حضرت جبریلؑ نے بتایا کہ یہ آپکے جدّ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ پس آپ نے اور میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا۔ فرزند صالح اور نبی صالح! خوش آمدید۔

پھر مجھے سدرۃُ المنتہیٰ لے جایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں کے بیر مقام ہجر کے منکوں کے برابر اور بیری کے پتّے ہاتھی کے کانوں کے برابر بڑے ہیں۔ حضرت جبریلؑ نے بتایا۔ یہ سدرۃُ المنتہیٰ ہے میں نے دیکھا کہ وہاں چار نہریں بہہ رہی ہیں۔ دو نہریں اُوپر اور دو نہریں نیچے پوشیدہ بہہ رہی ہیں۔ میں نے سوال کیا۔ اے جبریلؑ! یہ کیسی نہریں ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ دو پوشیدہ نہریں جنّت کی نہریں اور اُوپر والی نیل و فرات کی نہریں ہیں۔ پھر بیتُ المعمُور میرے سامنے لایا گیا جس میں ہر روز ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ پھر میرے پاس شراب، دُودھ اور شہد کا ایک ایک پیالہ لایا گیا۔ میں نے ان میں سے دُودھ کا پیالہ لے لیا۔ اس پر حضرت جبریلؑ نے کہا۔ یہ پیالہ اس فطرت صحیحہ کی علامت ہے۔ جس پر آپ اور آپ کی اُمّت قائم رہے گی۔

پھر مجھ پر ہر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ واپسی پر میرا حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر گزر ہوا تو انھوں نے دریافت کیا کہ آپ کو کیا حکم ملا ہے؟ میں نے کہا۔ مجھے ہر دن میں پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ آپ کی امت ہر دن پچاس نمازیں ادا نہ کر سکے گی۔ خدا کی قسم ہے۔ میں آپ سے پہلے لوگوں میں تبلیغ دین کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کی دینی اصلاح کی سخت ترین

تدابیر اختیار کر کے تجربہ کر چکا ہوں۔ مناسب ہے کہ آپ خُدا کی طرف واپس جائیں اور اس سے اپنی اُمت کے حق میں تخفیف کے لئے عرض کریں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور حق تعالیٰ نے مجھ سے دس نمازیں کم کر دیں۔ جب میں حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پھر پہلی بات دوہرائی۔ چنانچہ پھر میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوا تو خُدا نے پھر دس نمازوں کی اور تخفیف فرما دی پھر میں حضرت موسیٰ کے پاس لوٹا تو انھوں نے پھر مجھے پہلی سی نصیحت فرمائی۔ میں نے پھر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو کر مزید تخفیف کی التجا کی تو پھر خدا نے دس نمازیں اور کم فرما دیں۔ پھر میں حضرت مُوسیٰ کے پاس لوٹا تو انھوں نے پھر مجھے پہلی نصیحت کی۔ پھر میں نے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر مزید تخفیف کی درخواست کی۔ خدا نے مزید دس نمازوں کی تخفیف فرما دی اور ہر دن میں صرف دس نمازیں باقی رہنے دیں۔ پھر جب میں حضرت موسیٰ کے پاس لوٹا تو انھوں نے پھر سابقہ نصیحت دُہرائی میں نے پھر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر مزید تخفیف کے لئے عرض کیا تو خدا نے ہر دن میں پانچ نمازیں باقی رکھیں۔ پھر میں حضرت مُوسیٰ کے پاس لوٹا تو انھوں نے سوال کیا کہ اب آپ کو کیا حکم ملا ہے۔ میں نے بتایا کہ ہر دن میں پانچ نمازوں کا حکم ملا ہے۔ اس پر انھوں نے فرمایا کہ آپ کی اُمت ہر دن پانچ نمازیں بھی ادا نہ کر سکے گی۔ کیونکہ میں آپ سے پہلے لوگوں کو آزما چُکا ہوں اور بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے سخت ترین تدابیر اختیار کر چکا ہوں۔ اس لئے مناسب ہے کہ آپ پھر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی اُمت کے حق میں مزید تخفیف کے لئے عرض کریں۔ میں نے کہا میں نے خُدا سے بار بار اس قدر معروضات کی ہیں کہ اب مجھے شرم آنے لگی ہے۔ اس لئے میں اب اسی حکم پر راضی ہوں اور اسے تسلیم کر لیتا ہوں۔

جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو کسی غیبی پُکارنے والے نے مجھے پُکار کر کہا۔ تو نے میرے فریضہ کا حق ادا کر دیا اور میرے بندوں کا بار ہلکا کر دیا۔

حق تعالیٰ کے ارشاد:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ	ہم نے آپ کو (شب معراج میں) جو کچھ دکھایا تھا۔ وہ
اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے ایک امتحان تھا۔

کی تشریح میں حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت رسُول اللہ کا وہ آنکھوں دیکھا حال تھا، جسے

آپ نے اس شب کو دیکھا تھا۔ جس شب کو آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا تھا۔ نیز آپ نے فرمایا۔ کہ قرآن کریم میں شجرۂ ملعونہ جو فرمایا گیا ہے اس سے ناگ پھل کا درخت مُراد ہے۔

کیا آنحضرتؐ نے شبِ معراج میں اپنے خُدا کو برملا دیکھا تھا؟

حضرت عائشہ رضؓ نے شب معراج میں آنحضرتؐ کے اپنے رب کو دیکھنے کا انکار کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے خُدا کی انہی آنکھوں سے زیارت کی تھی اور حضرت ابُوذرؓ اور کعب کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت حسنؓ بھی حلفیہ یہی قول بیان کرتے تھے۔ نیز حضرت ابن مسعُود حضرت احمد بن حنبل اور صحابہ کی ایک بڑی جماعت بھی ظاہری دیدار الٰہی کی قائل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کیا تم لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ خلیل کی نسبت حضرت ابراہیمؑ کو ملے، ہمکلامی کی سعادت حضرت موسیٰؑ کو نصیب ہو اور دیدار الٰہی کا شرف آنحضرتؐ کو حاصل ہو۔

حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے پُوچھا گیا کہ کیا (شب معراج میں) آنحضرتؐ نے اپنے رب کو (ان آنکھوں سے) دیکھا تھا؟ فرمایا۔ ہاں۔

امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں بیان کیا ہے کہ:

"واقعہ معراج کے باب میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث اصل بنیاد ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ اُمتِ محمدیہؐ کے بہت بڑے عالم اور مشکل مسائل میں قوم انھیں کی طرف رجُوع کرتی تھی۔ حتیٰ کہ حضرت ابن عمرؓ نے ان سے اس مسئلہ میں رجُوع کیا اور ذریعہ مراسلت آپ سے دریافت کیا کہ کیا حضرت محمدؐ نے شب معراج میں اپنے خدا کو دیکھا تھا۔ آپ نے انھیں جواب دیا کہ بیشک دیکھا تھا۔

اس باب میں حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث کوئی نقص وعیب وارد نہیں کرتی۔ اس لئے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ کی طرف یہ نسبت نہیں کی کہ میں نے جناب رسُول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میں نے اپنے رب کو (معراج میں) نہیں دیکھا۔ بلکہ انھوں نے جو کچھ بیان کیا وہ حق تعالیٰ کی آیاتِ ذیل کی تشریح و تاویل کرتے ہوئے بیان کیا ہے:۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ — کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے براہِ راست

اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ — کلام فرمائے بجز وحی کے ذریعہ کے یا پردہ کے پیچھے سے
اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا ۝ — یا یہ کہ خدا اپنے کسی قاصد کو اس کے پاس بھیجے۔

اور آیت:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ — خدا کو انسانی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔

اور مُسلّمہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی صحابی کوئی بات بیان کرے اور صحابہ ہی میں سے دُوسرا اس کا خلاف کرے تو پہلے کا قول مُستند دلیل نہیں بن سکتا۔

اور جب آنحضرتؐ کے حق تعالیٰ کے دیدار سے مُشرّف ہونے کی روایتیں حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہیں تو ان کی صحت و اثبات کو تسلیم کرنا لازمی ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ ایسا ہے جس کا نہ عقل سے احساس و ادراک ہو سکتا ہے نہ یہ ظنّ و تخمین سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس کا تعلّق صرف سُنی ہوئی روایات و اخبار ہی سے ہے اور کوئی شخص بھی اسے معقُول و جائز قرار نہیں دے سکتا۔ کہ حضرت ابن عباسؓ جیسی ممتاز شخصیت کے مُتعلق یہ رائے قائم کرے کہ انھوں نے اس مسئلہ پر محض اپنے گمان اور عقلی اجتہاد سے کام لے کر کلام کیا اور رائے قائم کی ہے۔

جب حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایتوں میں اختلاف کا لوگوں میں چرچا ہُوا تو معمر بن راشدؒ نے کہا کہ ہم سب کے نزدیک حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ سے زیادہ عالم نہیں ہیں۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے اس حقیقت کو ثابت کیا ہے جس کی بعض دُوسروں نے نفی کی ہے اور یہ مُسلّمہ اصُول ہے کہ ثابت کرنے والا نفی کرنے والے پر مُقدّم اور قابلِ ترجیح ہوتا ہے۔

جمہُور علماءِ امت کے نزدیک راجح و غالب قول یہی ہے کہ آنحضرتؐ نے شبِ معراج میں اپنے خُدا کو اپنے چہرہ کی انہی دونوں آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ظاہر یہی ہے کہ آنحضرتؐ کے واقعہ معراج کی اطلاع دہی آپ کے اسراء[1] کے واقعہ کی اطلاع دہی کے ساتھ نہ تھی بلکہ اس کے بعد تھی۔ درانحالیکہ ان دونوں کا وقوع ایک ہی شب میں ہُوا تھا۔ حق تعالیٰ نے معراج کے واقعہ کو سُورۂ اسراء (سبحان الذی) میں بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کا بیان سُورۃُ النجم میں فرمایا۔ ان ہر دو واقعات کے ایک ہی رات میں واقع ہونے کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ جسے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں بیان

---

[1] اسراء آنحضرتؐ کے حرم کعبہ سے مسجد اقصٰی واقع بیت المقدس تک لے جانے کو کہا جاتا ہے اور معراج آسمانوں کے اوپر تک لے جانے کو۔ م

کیا ہے۔ انھوں نے ایک باب باندھا ہے: "اسراء کی رات نماز کس طرح فرض کی گئی" کیونکہ یہ بات معلوم و معروف ہے کہ پانچ نمازوں کی فرضیت معراج کے موقع پر ہوئی تھی۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا خلاف کیا ہے کہ کیا آنحضرتؐ کی معراج جسمانی تھی یا رُوحانی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ واللہ! حضرت رسول اللہ کا جسم اپنی جگہ سے غائب نہ ہوا تھا۔ بلکہ آپ کی رُوح آسمانوں پر گئی تھی۔

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ معراج جسمانی تھی اور حالت بیداری میں ہوئی تھی اور یہی وہ قول ہے جس پر اکابر صحابہ کا بھی اتفاق ہے۔

اور بعض کا یہ خیال کرنا کہ آسمانوں پر اس جسم ظاہری کے ساتھ چڑھنا عقلاً محال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جسم کے ساتھ آسمانوں پر جانا آنحضرتؐ کا خاص معجزہ ہے اور عقل کی گرفت سے بالاتر ہے جیسا کہ آپ کے دُوسرے معجزات اور دوسرے تمام پیغمبروں کے معجزات عقل و سمجھ سے بالا ہیں اور اگر آپ کا یہ آسمانی سفر صرف رُوحانی ہوتا تو آپ خود ہی اس کی صراحت فرما دیتے اور اس صُورت میں قریش بھی آپ کو نہ جھٹلاتے اور بالفرض اگر آپ کی مسجد اقصیٰ تک تشریف بری پھر آسمانی معراج کو عجیب امر مان بھی لیا جائے تو اس سے کہیں زیادہ عجیب عیسائیوں کی یہ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سُولی دی جاتی ہے یا وہ قتل کئے جاتے ہیں۔ دفن ہو جاتے ہیں پھر آپ مُردوں کے درمیان سے اُٹھ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور اللہ کے دائیں جانب جا بیٹھتے ہیں۔ جیسا کہ عیسائی اعتقاد رکھتے ہیں۔

نماز کی فرضیت

روزانہ کی پانچوں نمازیں ہجرت سے ایک سال قبل شب معراج میں فرض ہوئی تھیں۔ اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے اور رکعتوں کی تعداد بھی وہی تھی جو اب ہے، اور یہی صحیح ترین قول ہے۔ نماز اک دائمی فریضہ اور ثابت شدہ شرعی حقیقت ہے جس کی فرضیت کتاب اللہ کے ان ارشادات سے ثابت ہے:-

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز کو قائم کیا کرو۔

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی تمام نمازوں کی خاص کر نماز عصر کی پابندی کیا کرو۔

یہ آیات نمازوں کی فرضیت اور ان کے پانچ ہونے کو ثابت کرتی ہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے تمام نمازوں کی محافظت کا حکم فرما کر اس پر نمازِ وسطیٰ کا عطف فرمایا ہے اور کم سے کم جمع کا وہ عدد جس کے ساتھ وسطیٰ کا تصور ہو سکتا ہو، وہ چار کا عدد ہے۔

اور حدیث میں آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے پانچ کا عدد ثابت ہے۔

"بلاشبہ حق تعالیٰ نے ہر مسلمان مرد و زن پر ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔"

اور نمازوں کی مشروعیت کی حکمت یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے سامنے اپنی انکساری اور عاجزی کا اظہار کرے اور تلاوت قرآن و ذکر اللہ کے ذریعہ خدا سے راز و نیاز کی باتیں کرے اور اپنے اعضاء کا خدا کی خدمت میں استعمال کرے۔ اس طرح درحقیقت نماز ظاہری جسمانی عبادتوں میں سب سے افضل و برتر عبادت ہے۔

شیخ ابن سینا نے اپنی کتاب "رسالہ نماز" میں لکھا ہے۔ "بلاشبہ نماز انسانی نفس ناطقہ کو آسمانی اجسام کے مماثل بنا دیتی ہے اور حقانیتِ مطلقہ کی دائمی عبادت کی عادت ڈال دیتی ہے تاکہ نماز ادا کرنے والے کو دائمی و ابدی ثواب حاصل ہوتا رہے۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "نماز دین کا ستون ہے۔" اور دین دراصل نفس انسانی کو شیطانی کدورتوں اور بشری وسوسوں سے پاک صاف رکھنے اور دنیاوی کمینہ باتوں سے بچانے والی حقیقت کا نام ہے اور نماز سب سے اعلیٰ و عظیم الشان معبود اور تخلیق کائنات عالم کے اوّلین و بنیادی مسبّب کی پرستش کرنے کا نام ہے۔ اس بنا پر حق تعالیٰ کے ارشاد ذیل میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ میں نے جن و انس کو صرف اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

یعنی وہ میری ہستی کو پہچان لیں کیونکہ عبادت معرفتِ الٰہی کا نام ہے یعنی ذاتِ واجب الوجود کو پہچاننا۔ اور صفاءِ باطن، قلب پاکیزہ اور نفس مطمئنہ کے ذریعہ اسے جاننا۔ پس اب نماز کی اصل حقیقت یہ ہوئی کہ انسان حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات کو، اس کی وحدانیت، اس کے واجب الوجود ہونے، اس کی

ذات کی تمام ممکنہ بُرائیوں سے برات اور اس کی صفاتِ عالیہ کے تقدس و پاکی کو اپنی مخلصانہ نماز کے دوران بدیہی طور پر معلوم و محسوس کر سکے۔

اخلاص سے میری یہ مُراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اس طرح علم ہو جائے کہ ان میں کثرت کی گنجائش نہ رہے نہ ان کے اضافی (نسبتی) ہونے کا محل و موقع باقی رہے (یعنی صفات اصلی و ذاتی ہوں)۔ پس جس نے ایسا عمل کر لیا۔ وہ اپنے عمل میں مخلص ہو گیا اور اس نے اپنی نماز کسی گمراہی اور بہکاوے کے بغیر ادا کی اور جس نے یہ عمل نہ کیا تو اس نے گویا خدا پر بُہتان رکھا۔ جھوٹ بولا اور خدا کی نافرمانی کی۔ حالانکہ حق تعالیٰ کی ذاتِ والا اس بات سے کہیں بلند و بالا، برتر، عظیم تر اور قوی تر ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے :۔

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ — جو نماز ادا نہیں کرتا اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔

وَلَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ — جس میں امانداری نہیں اس کا بھی ایمان نہیں رہتا۔

نیز آپ نے فرمایا ہے :۔

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ — تم اس طرح نماز پڑھا کرو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○ — بلاشبہ نماز انسان کو فحش اور بُری باتوں سے روکتی ہے اور حق تعالیٰ کا ذکر کرنا بہت بڑی بات ہے۔ تم جو کچھ عمل کرتے ہو حق تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔

○

رسول اللہؐ کا خود کو قبائلِ عرب پر پیش کرنا

ابتدا میں آنحضرتؐ نے اپنی رسالت کو مخفی رکھا۔ پھر نبوت کے چوتھے سال اس کا اظہار فرما دیا اور لوگوں کو دس سال تک اسلام کی دعوت دیتے رہے اس طرح کہ آپ ہر سال زمانۂ حج میں منیٰ اور موقف میں حجاج کے پیچھے پیچھے ان کے گھروں تک جاتے۔ ان کے ٹھکانے معلوم کرتے۔ وہاں کے مشہور بازاروں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز میں تشریف لے جاتے۔

عرب کا قاعدہ تھا کہ وہ بزمانۂ حج شوال کے مہینے میں ایک ماہ تک عکاظ میں قیام کیا کرتے تھے۔ پھر مجنہ بازار میں آتے۔ وہاں بیس دن تک ٹھہرتے تھے۔ پھر بازار ذی المجاز میں آتے اور وہاں بقیہ ایامِ حج میں مقیم رہتے۔ پس آنحضرتؐ ان قبائل پر پیش ہوتے اور انھیں اس کی دعوت دیتے کہ وہ آپ کے ہاتھ قوی کریں تاکہ آپ اپنے رب کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا سکیں۔ آپ لوگوں کے گھروں پر جاتے اور ان سے فرماتے:

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ	اے لوگو! حق تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم صرف اسی کی
اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا	عبادت کیا کرو۔ کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بنایا کرو۔

ادھر ابولہب آپ کے پیچھے ہو لیتا اور کہتا جاتا کہ لوگو! یہ شخص تمھیں یہ ہدایت کرتا ہے کہ تم اپنے آبائی دین کو چھوڑ دو۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے قبائلِ کندہ، کلب، بنو حنیفہ اور بنو عامر بن صعصعہ پر اسلام پیش کیا تو ان میں کے ایک شخص نے آپ سے کہا کہ اگر ہم آپ کی دعوت کے مطابق آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ پھر خدا آپ کو مخالفوں پر غلبہ عطا فرما دے تو کیا آپ کے بعد ہمیں حکومت مل سکے گی: آپ نے جواب دیا، حکومت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے بخش دے۔ اس پر اس نے کہا، کیا یہ بات ہے کہ ہم آپ کی طرف سے عرب سے لڑائی مول لیں اور جب خدا آپ کو کامیابی عطا کرے تو حکومت دوسروں کو مل جائے؟ ہمیں آپ کا حکم ماننے کی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے آپ کی اطاعت سے انکار کر دیا۔

قبیلۂ بنو عامر میں ایک بوڑھا شخص تھا جو ان کے ساتھ حج ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اس

لئے وہ گھر ہی میں رہا) جب بنو عامر حج کر کے اپنے گھروں کو لوٹے تو اس بوڑھے نے ان سے حج کے حالات دریافت کئے۔ اُنھوں نے کہا۔ اس مرتبہ نئی بات یہ ہوئی کہ قریش کے عبدالمطلب کی اولاد میں کا ایک نوجوان ہمارے پاس آیا اور اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور ہم سے مطالبہ کیا کہ ہم اس کے ہاتھ مضبوط کریں اور اسے اپنے شہروں میں لے جائیں۔ یہ سُن کر اس بوڑھے نے اپنے ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور کہا۔ اے بنو عامر! کیا اب اس واقعہ کا کوئی تدارک و تلافی ہو سکتی ہے؟

خدا کی قسم جس کے قبضہ میں اس کی جان ہے کہ بنی اسمٰعیل کا یہ شخص جھوٹ نہیں بولتا۔ جو کچھ وہ کہتا ہے برحق ہے۔ تم نے ایک اچھا موقع ہاتھ سے نکال دیا۔

واقدی نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ قبائل بنو عبس، بنو سلیم، بنو محارب، فزارہ، مرہ، بنو نضر، عذرہ اور حضارمہ کے پاس آئے (اور انھیں اسلام کی دعوت دی) وہ آپ سے بُری طرح پیش آئے اور کہا۔ تمھارا کنبہ اور قبیلہ تمھیں زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسی لئے انھوں نے تمھارا اتباع نہیں کیا۔

اور اہل یمامہ میں مُسیلمہ کذاب کی قوم کا قبیلہ بنو حنیفہ تمام عرب سے زیادہ آپ سے بُری طرح پیش آیا۔ اور آپ کی تردید کرنے میں قبیلہ ثقیف سب سے پیش پیش تھا۔ یہیں سے یہ مثل مشہور ہو گئی۔

شَرُّ قَبَائِلِ الْعَرَبِ بَنُو حَنِيفَةَ وَ ثَقِيفٌ۔ عرب قبیلوں میں سب سے بدتر قبائل بنو حنیفہ اور ثقیف ہیں۔

آنحضرتؐ ہر سال بزمانۂ حج برابر قبائل پر اسلام پیش کرتے رہے اور ان سے فرماتے رہے کہ میں کسی پر کسی معاملہ میں زبردستی نہیں کرتا۔ جو شخص میری دعوت کو خوشی سے قبول کر لے بہتر ہے اور جو نہ ماننے میں اس پر جبر نہیں کرتا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے قتل نہ کیا جائے۔ تاکہ میں اطمینان سے اپنے خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا سکوں۔ لیکن ان قبیلوں میں سے کسی نے بھی آپ کی کوئی بات نہ مانی اور کہنے لگے۔ ہر شخص کی اپنی قوم اس کے حالات سے زیادہ باخبر ہوتی ہے۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ شخص ہماری اصلاح کر سکتا ہے جس نے اپنی قوم میں فتنہ و فساد برپا کر دیا۔

○

انصار کے اسلام کی ابتداء

عقبۂ اولیٰ کی بعیت۔ حضرت سعد بن معاذؓ کا قبولِ اسلام

آنحضرت ہر سال زمانۂ حج میں قبائل عرب میں تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ امسال بھی آپ قبائلِ عرب اور حج پر آنے والوں سے مل کر ان پر اسلام کو پیش فرما رہے تھے۔ جب آپ مقام عقبہ پر پہنچے جس کی طرف جمرہ کی نسبت کی بنا پر اُسے جمرۂ عقبہ کہا جاتا ہے اور وہ مکہ سے منیٰ کو جانے والے راستے کی دائیں جانب واقع ہے تو وہاں آپ کی مُلاقات۔ قبیلۂ اوس و خزرج کی ایک جماعت سے ہوئی۔ یہ لوگ حج کے لئے آئے تھے۔ یہ دونوں یثرب کے مشہور و عظیم الشان عرب قبیلے ہیں جب آنحضرتؐ ہجرت کر کے ان کے پاس پہنچے تھے تو انھوں نے آپ کی حفاظت اور بھرپور امداد کی تھی۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ان کو انصار کا لقب دیا تھا۔

آپ سے ملنے والے قبیلۂ خزرج کے لوگوں میں اسعد بن زرارہ اور عوف بن حارث معروف بابن عفرا تھے۔ ان دونوں کا تعلق بنو نجار سے تھا۔ اور رافع بن مالک بن عجلان۔ عامر بن عبد حارثہ تھے۔ جن کا تعلق بنو زریق سے تھا اور قطبہ بن عامر بن حدیدہ بنو سلمہ سے۔ عقبہ بن عامر بن نابی بنو غنم سے۔ جابر بن عبداللہ بن رباب۔ بنو عبیدہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سب پر اسلام پیش فرمایا اور قرآنی آیات تلاوت فرمائیں۔ جس کا ان کے دلوں پر گہرا اثر ہوا اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مدینہ میں یہودی قبائل اوس و خزرج کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ اہل کتاب تھے اور اوس و خزرج مشرک و بت پرست تھے۔ جب ان میں باہم کوئی جھگڑا ہوتا تو یہودی کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں۔ ان کے ظہور کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔ ہم ان کا اتباع کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمھیں قوم عاد و ارم کی طرح ہلاک کر ڈالیں گے۔ یہ لوگ ان قبائل کے سامنے آپ کے اوصاف و نشانیاں بیان کیا کرتے تھے۔

جب مذکورہ حضرات حج کر کے مدینہ واپس لوٹے تو انھوں نے اپنی قوم سے آنحضرتؐ کے ظہور کا ذکر کر کے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ ان میں کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ پھر اگلے سال حج کے

زمانہ میں بارہ انصاری حج کے لئے گئے۔ یہ نبوت کا بارھواں سال (اور عیسوی ۶۲۱ء) تھا۔ ان حضرات نے آپ سے عقبہ میں مل کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ یہ بیعت بیعت نساء کے نام سے مشہور ہوئی کیونکہ یہ بیعت ان امور پر ہوئی تھی جن کا ذکر سورہ ممتحنہ میں خاص کر خواتین کی بیعت کے سلسلہ میں آیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے:-

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ	اے نبی! جب مومن عورتیں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر
يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ	ان امور پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیں کہ وہ ہرگز کسی کو اللہ
شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ	کا شریک نہ بنائیں گی۔ نہ کبھی چوری کریں گی۔ نہ زنا کریں گی
وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ	اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔ نہ ہی وہ دوسرے کی گناہ
بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ	کی اولاد اپنے ہاتھوں پیروں کے درمیان اپنے شوہر کے
وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ	نطفہ سے ثابت کریں گی اور نیک کاموں میں آپ کی
مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ	نافرمانی نہ کریں گی تو اس صورت میں آپ ان سے بیعت
لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ	لے لیا کریں اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کیا کریں۔
رَّحِيْمٌ ○	یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت مہربان ہے

اس بیعت کی تکمیل کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ہمراہ مدینہ روانہ فرمایا۔ تاکہ وہ اُنھیں قرآن پڑھائیں اور اسلامی تعلیم دیں۔ چنانچہ حضرت مصعب مدینہ میں قاری کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ آپ کے ہاتھ پر حضرات سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت سعد کا شمار وہاں کے جلیل القدر سرداروں میں ہوتا تھا۔ آپ کے اسلام لانے کے بعد مدینہ میں اسلام پھیل گیا۔

حضرت سعد نے اسلام لاتے ہی بنو عبدالاشہل سے کہا کہ "جب تک تم اسلام قبول نہ کر لو۔ اس وقت تک مجھ پر تمھارے مرد و زن سے بات کرنا حرام ہے۔" یہ سُن کر اس قبیلہ کے لوگ اسلام لے آئے۔ پس آپ کی ہستی اسلام میں بڑی بابرکت ہستی تھی۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ غزوہ بدر میں نیز غزوۂ احد و خندق میں شریک جہاد ہوئے۔ غزوۂ خندق میں آپ کو ایک تیر آ کر لگا۔ تب آپ نے بنو قریظہ کے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اس حکم دینے کے بعد ہی آپ کی رگوں سے خون بہہ نکلا۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا۔ حال یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے

جسم مُبارک پر آپ کا خُون بہہ رہا تھا۔ پس حضرت ابو بکرؓ بھی وہاں آ گئے اور یہ حال دیکھ کر کہنے لگے افسوس ان کی کمر ٹُوٹ گئی۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا "چھوڑ دو۔ رہنے دو۔" حضرت عمرؓ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا جب آنحضرتؐ نے آپ کو دفنا دیا اور دفنا کر واپس ہوئے تو آپ کے آنسو آپ کی ریش مُبارک سے بہہ رہے تھے اور آپ اپنا دستِ مُبارک ریش مُبارک پر پھیر رہے تھے۔

انصار کا کوئی گھر بھی ایسا باقی نہ رہا تھا جس کے مرد و زن مسلمان نہ ہو گئے ہوں۔ بجز بنو اُمیہ بن زید خطمہ وائل اور واقف کے گھرانوں کے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں ابو قیس بن اسلت صیفی ان کا شاعر اور لیڈر تھا۔ وہ لوگ اس کی بات سُنتے اور اس کا حکم مانتے تھے۔ اس نے انھیں اسلام لانے سے باز رکھا۔ وہ یہی سعی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ آنحضرتؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔

مقامِ عقبہ پر دُوسری بیعت

انصار کی ایک جماعت میں اس پر اتفاق رائے ہُوا کہ خُفیہ طور پر کہ کسی کو اطلاع نہ ہو سکے آنحضرتؐ سے شرفِ مُلاقات حاصل کیا جائے۔ اس قرارداد کی بنا پر زمانہ حج میں ذی الحجہ کے مہینے میں اپنی قوم کے کفّار کے ہمراہ مکّہ پُہنچے اور آنحضرتؐ سے جا کر ملے اور آپ سے ایام تشریق کے وسط میں دوبارہ ملنے کا وعدہ کر گئے۔ جب رات ہوئی تو تہائی رات گزرنے پر خُفیہ نکلے اور عقبہ کے مقام پر جمع ہو گئے۔ ان کے ساتھ ابُو جابر عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی حاضر خدمت ہوئے تھے اور اسی شب کو مُشرف باسلام ہوئے تھے۔ پھر آنحضرتؐ بھی اس جماعت کے پاس پہنچ گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب تھے۔ اس وقت تک وہ اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے۔ وہ اس لئے آئے تھے کہ اپنے بھتیجے کے لئے انصار سے پختہ عہد و پیمان لے لیں۔ پس آپ نے اس رات سب سے پہلے آنحضرتؐ کے دستِ مُبارک پر بیعت کی اور سب سے پہلے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے گروہِ خزرج (عرب اوس و خزرج دونوں کو گروہِ خزرج کہتے تھا) جیسا کہ تمھیں معلوم ہو چکا حضرت محمدؐ ہم میں انتہائی عزت و احترام اور پُوری حفاظت کے ساتھ رہ رہے ہیں لیکن اُنھیں تمہارے یہاں جانے پر اصرار ہے۔ پس اگر تمھیں یقین کامل ہو کہ تم ان کی مدد کا جو وعدہ کر رہے ہو اسے پُورا کر سکو گے اور ان کی پُوری حفاظت کر سکو گے تو تم انھیں لے جا سکتے ہو۔ اور اگر تم انھیں کُفّار کے حوالے کر دو گے۔ تو پھر انھیں ابھی سے چھوڑ جاؤ۔

کہ وہ یہاں باعزت اور محفوظ ہیں۔ انصار نے جواب دیا کہ آپ نے جو فرمایا ہم نے سن لیا۔ یارسول اللہؐ آپ ارشاد فرمائیں اور اپنی ذات اور اپنے خدا کے لئے جو عہد و پیمان بھی ہم سے لینا چاہیں، لیں۔ پس آنحضرتؐ نے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی اور انھیں اسلام پر پختگی کی ترغیب دی پھر فرمایا۔ جس طرح تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو، اسی طرح میری بھی حفاظت کرنا۔

اس رات حضرت براء بن معرور آنحضرتؐ پر اعتماد و حسن اخلاص میں ڈوبے ہوئے، مقام محمود کے حامل تھے۔ کیونکہ انھوں نے آنحضرتؐ کا دست مبارک تھاما اور عرض کیا۔ اس ذات اقدس کی قسم! جس نے آپ کو نبئ برحق بنا کر بھیجا ہے۔ ہم یقیناً آپ کی ان تمام آفتوں سے حفاظت کریں گے، جن سے اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس یارسول اللہؐ! ہم سے اس پر بیعت لیجئے۔ خدا کی قسم! ہم جنگجو لوگ ہیں۔ پھر ابوالہیثم بن تیہان حلیف بنو عبدالاشہل کے خطاب کا نمبر آیا۔ تو انھوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہمارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان تعلقات ہیں جنھیں ہم آپ کی وجہ سے توڑ ڈالیں گے۔ ان کی مراد یہود سے تھی۔ پس جب آپ کو حق تعالیٰ کفار پر غلبہ عطا فرمادیگا تو کیا آپ ہمیں بے سہارا چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس تشریف لے جائیں گے؟ اس پر آنحضرتؐ نے تبسم فرمایا اور فرمایا۔ نہیں ایسا نہ ہوگا۔ بلکہ تمھارا خون میرا خون ہے۔ جہاں تمھارا خون بہے گا میرا بھی بہے گا۔ آج سے تم میرے ہو اور میں تمھارا ہوں۔ جس سے تم صلح کروگے۔ اس سے میں بھی صلح کروں گا۔ جس سے تم جنگ کروگے۔ میں بھی جنگ کروں گا۔ جن حضرات نے اس رات آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی ان کی تعداد بہتّر تھی۔ جن میں ستّر مرد اور دو عورتیں قبیلہ بنو سلمہ کی ام عمارہ نسیبہ بنت کعبؓ اور اسماء بنت عمرو بن عدیؓ نامی تھیں۔ ان حضرات میں سے آنحضرتؐ نے اپنی اپنی قوم کی ذمّہ داری لینے کے لئے بارہ زعماء و سرداروں کو نقیب انتخاب فرمایا۔ جن میں نو قبیلۂ خزرج کے اور تین قبیلۂ اوس کے تھے اور ان سے فرمایا کہ تم اپنی قوم کی طرف سے ضامن ہوگے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے حواریوں نے ان کی حفاظت کی ضمانت لی تھی۔ اور میں اپنی قوم کی طرف سے ضامن ہونگا۔

ان منتخب شدہ افراد کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔

۱۔ سعد بن عبادہ　　۲۔ اسعد بن زرارہ　　۳۔ سعد بن ربیع

۴۔ سعد بن خیثمہ ۵۔ منذر بن عمرو ۶۔ عبداللہ بن رواحہ
۷۔ براء بن معرور ۸۔ ابوالہیثم بن تیہان ۹۔ اسید بن حضیر
۱۰۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام ۱۱۔ عبادہ بن صامت ۱۲۔ رافع بن مالک بن عجلان

روایت ہے کہ ان تمام نقیبوں پر حضرت اسعد بن زرارہ کو نقیب اعلیٰ مقرر فرمایا۔ جن کا بعد میں مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران انتقال ہو گیا۔ پس مسلمانوں میں وہ پہلے شخص تھے جو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

یہ حضرات آنحضرتؐ سے بیعت کر کے مدینہ لوٹ گئے۔ یہ لوگ ماہ ذی الحجہ میں مکہ حاضر ہوئے تھے۔ مگر آنحضرتؐ بقیہ ماہ ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینوں میں مکہ ہی میں مقیم رہے۔ پھر ماہ ربیع الاول میں مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور بارہ ربیع الاول کو مدینہ میں داخل ہوئے۔ جب قریش کو انصار کے اسلام لانے کی اطلاع ملی تو انھوں نے مکہ کے مسلمانوں پر مزید تشدد شروع کر دیا جس سے انھیں بے انتہا دل تنگی و تکلیف ہونے لگی۔ اس پر آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مسلمان گروہ در گروہ نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ مکہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ کوئی مسلمان بھی باقی نہ رہا۔ بجز حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کے یہ دونوں صحابہ آپ کے حکم سے ٹھہرے رہے۔ ادھر آنحضرتؐ جناب باری سے اپنے لئے ہجرت کا انتظار کرنے لگے۔

تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم میں انصار کے اسلام لانے کی بہت بڑی عظمت وشان ہے۔

○

قریش کا آنحضرتؐ کو قتل کرنے کیلئے خفیہ جوڑ توڑ

مسلمانوں پر قریش کے جور و ظلم اور ایذا رسانی کا سلسلہ یہاں تک شدید ہو گیا تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی اور باقی حضرات آنحضرتؐ کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ جب قریش کو یہ خبر لگی کہ مسلمان پے در پے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے چلے جا رہے ہیں اور وہاں ان کے طرفدار و مددگار پیدا ہو گئے ہیں اور آخر میں آنحضرتؐ نے بھی ان سے جا کر مل جانے کا ارادہ کر لیا تو قریش نے باہم مشورے کرنے شروع کر دیئے کہ آپ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ چنانچہ یہ لوگ قصی بن کلاب کے مکان میں واقع "دارالندوہ" میں جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ آنحضرتؐ کو مکہ ہی میں روک لیا جائے۔ یا انھیں یہاں سے خارج البلد کر دیا جائے۔ آخر اس امر پر اتفاق رائے ہوا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک بہادر نوجوان کو منتخب کر لیا جائے اور یہ سب مل کر آنحضرتؐ کو قتل کر ڈالیں اس طرح آپ کا خون بہا تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا اور اکیلے بنو عبد مناف کو ان سب قبائل سے جنگ کرنے کی ہمت نہ ہو گی۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ابو جہل کی رائے تھی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے خلاف ہر قسم کی ریشہ دوانی، ہر ممکن ایذا رسانی اور آپ پر جور و ستم ڈھانے میں ابو جہل اور ابو لہب کا نام ہمیشہ سر فہرست پایا جاتا ہے۔ گویا ان دونوں کو اس کے سوا کوئی اور کام ہی نہ رہا تھا۔

الحاصل ان لوگوں نے اسی شب کو آنحضرتؐ کے قتل کی تیاری کر لی۔ ادھر حضرت جبریل علیہ السلام نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ اپنے اس بستر پر جس پر روزانہ آرام فرماتے ہیں۔ آج کی شب آرام نہ فرمائیں جب رات خوب اندھیری ہو گئی تو کفار قریش آپ کے دروازے کے پاس جمع ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ آپ کب سوتے ہیں تا کہ وہ آپ پر حملہ آور ہوں۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے بستر پر سو جائیں اور آپ کی سبز چادر اوڑھ لیں اور وہ آنحضرتؐ کے تشریف لے جانے کے بعد مکہ ہی میں ٹھہریں۔ تا آنکہ آنحضرتؐ کے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں وہ ان کے مستحقین کو پہنچا دیں۔ چنانچہ

حضرت علیؓ نے تعمیل ارشاد کی۔ پس حضرت علیؓ کی وہ اولین شخصیت تھی۔ جس نے صرف حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو فروخت کر دیا تھا اور جس نے اپنی جان کی قربانی سے آنحضرتؐ کو اعداء سے محفوظ کر دیا تھا۔

اس موقع پر ہم یہ بھی بیان کئے دیتے ہیں کہ مسٹر مرجولیوث کی کچھ عادت ہو گئی ہے کہ وہ حضرت رسول اللہ کے دشمنوں کو عقل و فراست اور نجابت و ذکاوت جیسے اوصاف سے متصف کرتے ہیں لیکن اپنی اس رائے کے ماخذ کے طور وہ کسی بھی کتاب کا حوالہ پیش نہیں کر سکتے۔ غیر تحقیقی طور پر اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "محمدؐ" میں ابوجہل کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ابوجہل کو عقل و دانش کے اعتبار سے غیر معمولی شہرت حاصل تھی۔ یہاں تک کہ وہ تیس سال کی عمر میں دارالندوہ کا ممبر بن گیا تھا۔ حالانکہ اس وقت اہلِ مکہ میں سے کسی کو بھی چالیس سال سے کم عمر میں اس میں شرکت کی اجازت نہ دی جاتی تھی۔"

حالانکہ صحیح واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ کسی غیر قریشی کو چالیس سال سے کم عمر میں اس میں شریک ہی نہ کرتے تھے۔ بخلاف قریشی کے کیونکہ اس کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا تھا اور چونکہ ابوجہل قریشی تھا اس لئے اس کے لئے چالیس سال سے کم عمر میں دارالندوہ میں شرکت کی سہولت میسر تھی۔ یہ اس لئے نہ تھا کہ وہ بہت ذہین و طباع اور بہت عقلمند تھا۔ بلکہ صرف اس لئے کہ وہ قریشی تھا۔

○

قرآنِ کریم

اور مکّہ میں نازل ہونیوالی سورتوں کا بیان

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قرآن کریم شب قدر میں پورا کا پورا دنیاوی آسمان پر اُتار اگیا۔ پھر اس کے بعد وہاں سے متفرق اوقات میں بیئس سال کے عرصہ میں آنحضرتؐ پر نازل ہوتا رہا۔

آنحضرتؐ کی مدینہ میں قیام کی مدّت دس سال ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں لیکن نبوت کے بعد آپ کے مکّہ میں قیام کی مُدّت مشہور قول کے مطابق تیرہ سال ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ پر چالیس سال کی عمر میں وحی نازل ہوئی اور صحیح روایت کے مطابق آپ کا وصال ترسیٹھ ۶۳ سال کی عمر میں ہوا۔

قرآن کریم کا کچھ حصّہ مکّی اور کچھ مدنی ہے۔ مکّی وہ کہلاتا ہے جو آپ پر مکّہ میں ہجرت سے قبل نازل ہُوا۔ اور مدنی وہ کہلاتا ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوا۔ خواہ مدینہ میں نازل ہُوا ہو یا اس کے سوا اور کسی شہر میں حتیٰ کہ مکّہ یا عرفہ میں بھی نازل ہُوا وہ مدنی ہی کہلاتا ہے۔ حق تعالیٰ اور آنحضرتؐ کے درمیان قاصد حضرت جبریل علیہ السّلام تھے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ○ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ○	حضرت جبریل نے قرآن کریم کو آپ کے قلب پر القا کیا۔ تاکہ آپ خدا کے عذاب سے لوگوں کو ڈرائیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ○ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ○ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ○	بلاشبہ یہ اس معزز قاصد کا پیام ہے جو بڑی قوت والے صاحب عرش کے پاس رہنے والے ملائکہ کے واجب الاطاعت اور امانت دار ہیں اور تمہارے یہ صاحب مجنون و بے عقل نہیں ہیں۔ (مراد حضرت جبریلؑ ہیں)

حق تعالیٰ نے منکرین اسلام کو عام چیلنج کیا کہ قرآن جیسی ایک سورت لے کر آئیں لیکن فصحاءِ

ملہ روح الامین حضرت جبریل علیہ السّلام کا لقب ہے۔ م

عرب تک اس سے عاجز رہے۔ پس قرآن کریم آنحضرتؐ کا دائمی معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔ یہ وہ جامع کتاب ہے جو بہت سے علوم، گزشتہ اور آیندہ، غیبی اور سچی خبروں اور منصفانہ احکامِ شرائع پر مشتمل ہے۔

قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا کہ قریش تمام عرب کا خلاصہ ہیں۔ قرآن کے بہت سے نام ہیں منجملہ ان کے فرقان، تنزیل، حدیث اور متعدد نام ہیں قرآن کے معنی ہیں قرات (پڑھنا) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن اور قرادت ہم معنی ہیں۔

قرآن کریم ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے جن میں سب سے طویل سورۂ بقرہ ہے۔ مکہ میں قرآن کی بیاسی سورتیں نازل ہوئیں۔ جن میں سے بعض کی تکمیل مدینہ میں ہوئی۔ آپ پر سب سے پہلی سورت "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ نازل ہوئی اسکے بعد ن ○ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○ پھر وَالضُّحٰى ○" پھر "يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○" پھر "يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○" پھر "سورۂ فاتحہ" پھر سورۂ "تَبَّتْ" پھر "اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○" پھر "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ○" پھر "وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ○" پھر "وَالْفَجْرِ ○" پھر "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○" پھر "اَلرَّحْمٰنُ ○" پھر "وَالْعَصْرِ ○" پھر "اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○" پھر "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○" پھر "اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ○" پھر "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ○" پھر "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ○" پھر "عَبَسَ وَتَوَلّٰى ○" پھر "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○" پھر "وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ○" پھر "وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ○" پھر "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○" پھر "لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ○" پھر "اَلْقَارِعَةُ ○" پھر "لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ○" پھر "وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ ○" پھر "وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ○" پھر "قٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ○" پھر "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○" پھر "وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ○" پھر "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ" پھر "صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ○" پھر "الاعراف" پھر "سورۂ جن" پھر "سورۂ یاسین" پھر "تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ" پھر "ملائکہ کی تعریفی سورت" پھر "سورۂ مریم" پھر "سورۂ طٰہٰ" پھر طٰسٓمٓ الشُّعَرَآء" پھر "طٰس النمل" پھر "طٰسٓمٓ القصص" پھر "سورۂ بنی اسرائیل" پھر "سورۂ یونس" پھر "سورۂ ہود" پھر "سورۂ یوسف" پھر "الحجر" پھر "الانعام" پھر "الصافات" پھر "لقمان" پھر "حٰمٓ المومن پھر

حٰمٓ السجدہ" پھر "حٰمٓ عسق" پھر "الزُّخرُف" پھر "سبا" پھر "تنزیل الزُمَر" پھر "حٰمٓ الدّخان" پھر حٰمٓ الشُّوریٰ" پھر "احقاف" پھر "وَالذّٰرِیَات" پھر "هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ○" پھر "سُورۃ الکہف" پھر "سُورۃ النّحل" پھر "اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا نُوْحًا" پھر "سُورۃ ابراہیمؑ" پھر "اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ" پھر "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○" پھر "الرعد" پھر "والطُّور" پھر "تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ" پھر "اَلْحَاقَّةُ" پھر "سَاَلَ سَآئِلٌ" پھر "عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ○" پھر "وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ○" پھر "اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ○" پھر "سُورۃ روم" پھر "اَلْعَنْكَبُوْت"۔

حضرت ابن عباسؓ سے آپ کا یہ بیان منقول ہے کہ قرآن کریم ٹکڑے ٹکڑے ایک ایک آیت کر کے نازل ہوا۔ سُورت درسُورت نازل نہیں ہُوا۔ پس جس سُورت کا ابتدائی حصّہ مکّہ میں نازل ہُوا اُسے ہم نے مکّی قرار دیا۔ اگرچہ اس کی تکمیل مدینہ کے زمانہ میں ہوئی ہو۔ علیٰ ہٰذا جس کا ابتدائی حصّہ مدینہ میں نازل ہُوا اُسے مدنی قرار دیا۔ ایک سُورت سے دُوسری سُورت کے درمیان، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ذریعہ فصل و امتیاز قائم کیا گیا۔ جب بسم اللہ نازل ہوتی تو صحابہ سمجھ جاتے کہ اب پہلی سُورت ختم ہو چکی اور بسم اللہ سے دُوسری سُورت کی ابتدا ہوتی ہے۔

○

مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کا بیان

واقعہ ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۶۲۲ء

کفّار قریش آپ کی گھات میں لگے ہوئے تھے کہ آپ ان کے سامنے سے ہی حجرۂ مبارک سے باہر نکلے اس طرح کہ آپ نے دونوں ہاتھوں میں مٹّی لی اور یہ مٹّی ان کے سروں پر پھینک دی۔ ساتھ ہی آپ نے سورۂ یٰسٓ فَاَغۡشَیۡنٰهُمۡ فَهُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ[1] تک تلاوت فرمائی۔ یہ پڑھتے ہوئے آپ باہر نکل گئے مگر کفّار آپ کو دیکھ نہ سکے جب وہ اپنی مدہوشی سے ہوش میں آئے تو آپ کو تلاش کرنے لگے حضرت علیؓ کو آنحضرتؐ کی چادر اوڑھے ہوئے سوتے دیکھ کر کہنے لگے کہ محمدؐ ابھی سو رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ دروازے پر کھڑے ہو کر، یہ سمجھتے ہوئے کہ نبی سو رہے ہیں ان کی نگرانی کرتے لگے کہ یہ صبح کو اُٹھیں ہی گے۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ اس بستر سے حضرت علی کھڑے ہوئے۔ تب انھوں نے ان سے پُوچھا کہ تمھارے دوست کہاں ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اس وقت انھیں معلوم ہُوا کہ نبی کریمؐ بچ کر نکل گئے ہیں۔ حضرت علیؓ آپ کے بعد مکّہ ہی میں مقیم رہے تاکہ آنحضرتؐ کی امانتیں مُستحقین تک پُہنچا دیں۔ آنحضرتؐ حجرۂ مبارک سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پُہنچے۔ اور انھیں مطّلع فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے سوال کیا۔ یارسُول اللہؐ! کیا میرا بھی ساتھ ہو گا۔ فرمایا۔ ہاں۔ تم ہمراہ ہو گے۔ یہ سُن کر فرطِ انبساط سے حضرت ابوبکرؓ کے آنسو جاری ہو گئے اور انھوں نے عبداللہ بن اریقط دیلمی نامی شخص کو جو مُشرک تھا، دونوں کو مدینہ کا مختصر راستہ بتانے اور طویل راستہ سے بچانے کے لئے معاوضہ پر حاصل کیا۔ مکّہ سے آنحضرتؐ کے نکلنے کا علم بجز حضرت ابوبکرؓ و علیؓ و متعلقین ابُوبکرؓ کے کسی اور کو نہ ہو سکا۔ مکّہ سے آپ کی تشریف بری یکم ربیع الاوّل پنجشنبہ کے دن عمل میں آئی اور اسی ماہ کی بارہ تاریخ ولادت مبارکہ سے ترپّن ۵۳ سال بعد ۲۸ جون سنہ ۶۲۲ء کو بروز دوشنبہ بوقت ظہر مدینہ میں داخل ہوئے۔

روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے مکّہ سے مدینہ کی طرف روانگی کے وقت یہ فرمایا:۔

---

[1] ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جس سے وہ دیکھ نہ سکے۔ م

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّهُمْ اَخْرَجُوْنِيْ	اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ کفار نے مجھے میرے محبوب ترین
مِنْ اَحَبِّ الْبِلَادِ اِلَيَّ فَاَسْكِنِّيْ اَحَبَّ	شہر سے نکال دیا ہے۔ بس اب تو مجھے اپنے پسندیدہ
الْبِلَادِ اِلَيْكَ۔	شہر میں بسا دے۔

حاکم نے مستدرک میں یہ روایت نقل کی ہے۔

نبوت کے بعد مکہ میں آپ کے قیام کی مدت تیرہ سال تھی۔

الحاصل آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ مکہ سے روانہ ہو کر ثور پہاڑ کے ایک غار میں وارد ہوئے جو مکہ کے جنوب غربی سمت تین میل کی مسافت پر واقع ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے فرزند حضرت عبداللہ کو حکم دے گئے کہ وہ مکہ میں ہم دونوں کی روانگی سے متعلق لوگوں کی چہ میگوئیاں سنتے رہیں اور رات کو آکر انھیں سنادیا کریں۔ اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ وہ دن بھر بکریوں کو چرا کر رات کو ان کے پاس لے آیا کریں تاکہ وہ ان کا دودھ حاصل کر لیا کریں۔ اور آپ کی صاحبزادی اسماء بنت ابی بکرؓ دونوں حضرات کا کھانا لایا کرتی تھیں۔ یہ دونوں تین دن تک غار میں چھپے رہے۔ ادھر جب قریش نے آپ کو نہ پایا تو وہ ایک قائف[1] کو ساتھ لے کر آپ کی تلاش میں نکلے۔ قائف نے آپ کے پیروں کے نشانات و علامات راہ کا اتباع کیا، حتیٰ کہ وہ غار پر آکر رک گیا اور اس نے بتایا کہ یہاں پر پیروں کے نشانات ختم ہو گئے ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن رکھا ہے اور دروازے پر کبوتروں نے گھونسلا بنا رکھا ہے۔ یہ دیکھ کر قریش کہنے لگے کہ اس کے آگے تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ پس انھوں نے دوسری تدبیر یہ کی کہ عام اعلان کر دیا کہ جو شخص آنحضرتؐ کو واپس لا کر ان کے سپرد کر دے گا اُسے سو اونٹ انعام کے طور پر دیئے جائیں گے۔ ادھر جب تین دن گزر گئے اور جستجو کرنے والے ٹھنڈے پڑ گئے تو ان حضرات کا رہبر ان کے پاس دو اونٹ لے آیا۔ ان میں سے ایک آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے قیمت ادا کر کے لے لیا تاکہ اللہ کی راہ میں آپ کی ہجرت جانی و مالی ہر دو اعتبار سے شمار ہو، کیونکہ آپ کی خواہش تھی کہ اللہ کی طرف ہجرت کی فضیلت مکمل ہو جائے۔ چنانچہ دونوں حضرات اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اونٹ پر عامر بن فہیرہ کو بھی ساتھ بٹھا لیا۔ تاکہ راستے میں ان کی خدمت کرتے جائیں۔ حضرت اسماءؓ دونوں حضرات کے لئے توشہ لے کر حاضر ہوئیں اور اپنی اوڑھنی پھاڑ کر اس میں وہ توشہ باندھ دیا۔ اس بنا پر ان کا لقب

[1] قائف پیروں کے نشانات سے کسی کا پتہ لگانے والے کو کہتے ہیں۔ عرب اس فن میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ م

ذات النطاقین" پڑ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سب مال جو چھ ہزار درہم کے قریب تھا ساتھ لے لیا تھا۔ یہ حضرات اپنے سفر پر بغیر کسی ہتھیار کے چلے جا رہے تھے کہ اثناء راہ میں سراقہ بن مالک بن جعشم نے انھیں دیکھ لیا اور انھیں واپس لوٹانے کی نیت سے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس پر بددعا کی۔ نتیجہ یہ کہ اس کے گھوڑے کے پیر سخت زمین میں دھنس گئے۔ وہ کہنے لگا کہ اے محمدؐ! میرے حق میں دعا کیجئے۔ اگر اللہ مجھے اس مصیبت سے نجات عطا فرمائے تو میں آپ کی جستجو کرنے والوں کو آپ سے روک دوں۔ آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو اسے اس مشکل سے نجات مل گئی۔ لیکن وہ بدعہدی کر کے پھر آپ کا پیچھا کرنے لگا۔ آپ نے پھر بددعا کی۔ اس مرتبہ اس کے گھوڑے کے پیر پہلے سے بھی زیادہ زمین میں دھنس گئے۔ وہ پھر عرض پرداز ہوا کہ اے محمدؐ! میں سمجھ گیا کہ یہ سب آپ کی میرے حق میں بددعا کا نتیجہ ہے۔ پس آپ خدا سے میرے لئے پھر دعا کریں کہ وہ مجھے اس مشکل سے نجات دے۔ میں آپ سے خدا کا واسطہ دے کر عہد واثق کرتا ہوں کہ قریش کو آپ کی جستجو سے روک دوں گا۔ آپ نے پھر اس کے حق میں دعا کی تو اس مشکل سے اسے چھٹکارا مل گیا۔ اس نے آپ حضرات سے وعدہ کیا کہ وہ نہ ان سے لڑے گا اور نہ ان کے اس سفر کے متعلق کسی کو کچھ بتائے گا اور تین دن رات تک ان کی خبر کفار سے پوشیدہ رکھے گا۔ چنانچہ سراقہ نے واپس جا کر ہر شخص کو جس سے اس کی ملاقات ہوئی آپ کی طرف سے مایوس کر کے آپ کی جستجو سے باز رکھا اور کہہ دیا کہ ان کا یہاں کچھ پتہ نہیں چلتا۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

ہم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ یہ سر چھپائے ہوئے حضرت رسول اللہؐ ہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ آپ ایسے وقت ہمارے یہاں تشریف نہ لایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھ کر عرض کیا۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ واللہ اس وقت آپ کسی اہم کام کی وجہ سے ہی تشریف لائے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر آنحضرتؐ دروازہ پر تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دے دی، آپ اندر تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ اپنے پاس موجود لوگوں کو یہاں سے ہٹا دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے

ؔ اوڑھنی یا رومال جس سے کمر کو کسا جائے نطاق کہا جاتا ہے۔ حضرت اسماء نے ایک کے پھاڑ کر دو کر دیئے اسلئے وہ دو اوڑھنیوں والی کے لقب سے مشہور ہوگئیں۔

عرض کیا۔ آپ پر میرے باپ فدا ہوں یہ تو سب آپ ہی کے گھر والے ہیں۔ فرمایا۔ مجھے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم مل گیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ آپ پر میرے باپ قربان ہوں کیا مجھے بھی رفاقت کی اجازت ہے؟ فرمایا۔ ہاں حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ آپ پر میرے باپ قربان ہوں میرے ان دو اونٹوں میں سے ایک آپ لے لیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میں قیمتاً لوں گا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے جلدی جلدی سامانِ سفر تیار کیا اور ان حضرات کے لئے چمڑے کے برتن میں کھانا رکھ دیا۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ نے اپنا رومال پھاڑ کر اس سے برتن کا منہ باندھ دیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام "ذات النطاقین" مشہور ہو گیا۔ اسماء بنت ابی بکر عمر میں حضرت عائشہؓ سے بڑی تھیں وہ ان کی والد کی طرف سے بہن تھیں۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکر حضرت اسماء کے حقیقی بھائی تھے۔

حضرت عائشہؓ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پھر حضرت رسول اللہؐ اور حضرت ابوبکرؓ مکہ کے ایک پہاڑ جبلِ ثور کے ایک غار میں چلے گئے جہاں یہ حضرات تین دن تک چھپے رہے۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکر جو نوجوان، سنجیدہ اور بہت سمجھدار نوجوان تھے ان حضرات کے پاس ہی سوتے تھے اور صبح اندھیرے ان کے پاس سے روانہ ہو کر صبح ہی مکہ میں قریش کے ساتھ جا ملتے۔ گویا انھوں نے مکہ ہی میں شب گزاری ہے۔ پس وہ آنحضرتؐ کے خلاف ان لوگوں کے مکر و کید کی باتیں سن کر یاد کر لیتے اور رات کو اندھیرے میں جب غار پر پہنچتے تو وہ سب باتیں ان حضرات کو سنا دیتے اور عامر بن فہیرہ حضرت ابوبکرؓ کے غلام بکریاں چرا کر شب کو عشا کے وقت بکریاں ان حضرات کے پاس لے آتے۔ اور یہ حضرات ان کا دودھ پی کر آرام سے سو جاتے۔ صبح کو پھر عامر بن فہیرہ بکری کا دودھ نکال کر آپ حضرات کو دے کر اندھیرے سے بکری کو جنگل کی طرف ہانک لے جاتے۔ تین رات تک برابر وہ یہی عمل کرتے رہے اور آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے قبیلہ بنی دیل، بنی عبد بن عدی خاندان کے ایک شخص (عبداللہ بن اریقط نامی) کو، جو راستوں کا ماہر تھا اجرت پر حاصل کر لیا تھا۔ یہ شخص عاص بن وائل سہمی کے خاندان کا گہرا حلیف تھا اور کفار قریش کے دین پر تھا۔ ان ہر دو حضرات نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے دونوں اونٹ اس کے سپرد کر دیئے اور اسے تین دن بعد ان اونٹوں کو غارِ ثور پر لے آنے کا وقت دیا۔ چنانچہ وہ تیسری شب کی صبح کو ان دونوں اونٹوں کو وہاں لے آیا۔ پس ان ہر دو حضرات کے ہمراہ عامر بن فہیرہ اور یہ راستہ بتانے والا شخص دونوں روانہ ہوئے۔ یہ راہبر ان حضرات کو ساحلی راستہ سے لے چلا۔

سراقہ بن جعشم کا بیان ہے کہ ہمارے پاس کفّارِ قریش کے قاصد آئے۔ جنھوں نے کہا کہ قریش نے طے کیا ہے کہ جو شخص حضرت رسول اللہ اور ابو بکر کو قتل کر دے گا یا پکڑ کر لے آئے گا۔ اسے ان دونوں کی خوں بہا کی رقم انعام میں دی جائے گی۔

میں ایک روز اپنے قبیلہ بنو مدلج کی ایک محفل میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور ہمارے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ ہم بیٹھے رہے۔ اس نے کہا۔ اے سراقہ! میں نے چند اشخاص کو ساحل کے ساتھ ساتھ جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ہیں۔ سراقہ کہتا ہے کہ میں سمجھ گیا کہ یہ وہی لوگ ہیں لیکن اس سے کہا نہیں۔ یہ وہ لوگ نہیں۔ شاید تم نے فلاں فلاں شخص کو دیکھا ہو گا جو ہمارے سامنے روانہ ہوئے تھے۔ میں کچھ دیر اس مجلس میں بیٹھا رہا۔ پھر اپنے گھر واپس آکر اپنی باندی سے کہا کہ میرا گھوڑا تیار کر۔ چنانچہ وہ گھوڑا تیار کر کے میرا نیزہ لے کر میرے مکان کی پُشت کی طرف سے گھوڑا لے کر آئی۔ میں اس پر سوار ہوا اور اسے دوڑایا۔ تاکہ اس جماعت سے جا ملوں۔ پس میں ان کے قریب جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں اس کی کمر پر سے نیچے آ رہا۔ پھر میں نے کھڑے ہو کر اپنے تیروں کے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر قلم نکالے اور ان سے فال نکالی کہ میں ان لوگوں کو نقصان پہنچا سکوں گا کہ نہیں لیکن فال میرے منشا کے خلاف نکلی۔ مگر اس کے باوجود میں اس فال کے خلاف پھر گھوڑے پر سوار ہو کر ان لوگوں کے قریب جانے لگا۔ یہاں تک کہ جونہی میں نے رسول اللہ کی تلاوت کی آواز سنی جس میں آپ منہمک تھے، البتہ حضرت ابو بکرؓ بہت چوکنا ہر طرف نظر دوڑا رہے تھے۔ تو میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں اس پر سے گر گیا۔ پھر میں نے اُسے مار کر اُٹھانا چاہا۔ لیکن اس کے پاؤں زمین سے نہ نکل سکے۔ جب وہ سیدھا کھڑا ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے پاؤں کے قریب بہت دھواں ہے۔ جو آسمان تک پہنچ رہا ہے۔

میں نے پھر اپنے قسمت کے قلموںؔ سے فال نکالی تو پھر میرے خلاف نکلی۔ تب میں نے ان حضرات کو مجھے امان دینے کے لئے پکارا۔ پس وہ ٹھہر گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان تک پہنچا۔ جب میں نے ان لوگوں کے مقابلہ میں اپنی مجبوری و بے بسی کا یہ واقعہ دیکھا تو میرے دل میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ عنقریب

۱؎ زمانہ جاہلیت میں کچھ قلم ہاں، نہ لکھے ہوئے رکھے جاتے تھے۔ انھیں ازلام کہا جاتا تھا۔ جب کسی کام کا ارادہ ہوتا تو ان قلموں سے فال نکالتے۔ اگر ہاں لکھا ہوا نکلتا تو وہ کام کرتے۔ اگر نہ والا نکلتا تو کام سے باز رہتے۔ م

حضرت رسول اللہؐ کا غلبہ ہو کر رہے گا۔ میں نے آنحضرتؐ کو خبر دی کہ آپ کی قوم نے آپ کے قتل پر خونبہا کی رقم انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔ اور آپ کے ساتھ یہ لوگ جو معاملہ کرنا چاہتے ہیں وہ سب آپ سے بیان کر دیا اور اپنی طرف سے آپ کی خدمت میں کچھ سفری توشہ اور دوسرا سامان پیش کیا۔ پس یہ ہر دو حضرات نہ مجھ سے بُرائی سے پیش آئے اور نہ مجھ سے کچھ دریافت کیا۔ صرف اتنا کہا کہ ہمارا حال چھپائے رکھنا۔ کسی کو خبر نہ ہو۔ پس میں نے آنحضرتؐ سے خواہش کی کہ آپ مجھے امن دینے کا پرچہ لکھ دیجئے۔ چنانچہ آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا۔ انھوں نے کھال کے ایک ٹکڑہ پر امن نامہ لکھ کر دے دیا۔

پھر آنحضرتؐ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اثناءِ راہ میں ان حضرات کو یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ راستے میں حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ سے ان کی ملاقات ہو گئی ہے۔ جو تجارتی سفر سے واپس آرہے تھے انھوں نے ان ہر دو حضرات کو سلام کیا اور دونوں کے نئے سفید کپڑے بدلوائے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیر ملے تھے اور انھوں نے بھی یہی معاملہ کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں ایک ساتھ ہی آپ سے ملے ہوں یا یکے بعد دیگرے وقفہ کے ساتھ اور دونوں نے ہی آنحضرت اور حضرت ابوبکر کو نئے کپڑے پہنائے ہوں۔

جب رسول اللہ کی قوم نے آپ کا مذاق اُڑایا۔ آپ کے پیغام کو نظر انداز کر دیا اور اپنے اسی قدیم عقیدہ سے چمٹے رہے۔ جس سے وہ مانوس ہو کر چلے آرہے تھے اور اپنی عقلوں کو حکم نہ بنایا اور اس کا اعتراف نہ کیا کہ واقعی خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کفر ہے اور کفر سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں ہے۔ اور نہ شرک سے بڑھ کر کوئی اور گمراہی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ	حق تعالیٰ اس بات کو کبھی نہ بخشے گا کہ اس کا کسی کو شریک بنایا جائے۔ اسکے ماسوا جسے چاہے گا اس کے ہر گناہ کو معاف فرمائے گا۔

تو ان مایوسانہ حالات کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے مولدِ مبارک مکہ مکرمہ کو خیر باد کہہ دیا اور وہاں سے ہجرت فرما گئے۔

آنحضرتؐ نے مکہ کو اس کیفیت کے ساتھ چھوڑا کہ آپ اپنی قوم کی ایذا رسانیوں پر صبر فرماتے رہے اور برسوں ان شدائد و مصائب کا مقابلہ فرماتے رہے۔ مکہ سے چلتے وقت آپ کے قلب پر اپنی قوم

کی جُدائی کا بے حد اثر تھا۔ پس ایک عالم میں پھیلنے والا نور، ایک وسیع علم، ایک بلند ہمت، ایک شریف ترین ہستی، ایک پاکیزہ اور صاف ستھری رُوح، ایک ہر دلعزیز اور محبوب ترین پُرکشش شخصیت ایک روشن و ہنس مُکھ چہرہ، ایک عظیم الشان اخلاق، ایک دہنِ مُبارک جو اپنی طرف سے ایک بات بھی نہ کہتا تھا۔ آج انھیں چھوڑ کر جا رہا تھا۔

آج ان سے ایک حاملِ امانتِ ربّانی پیغمبر ایک سیدھی راہ دکھانے والا اور ایک جہانوں کے پروردگار کے احکامات کا مُبلّغ جُدا ہو رہا تھا۔

اگر قریش حقیقتِ حال کو جان لیتے اور تعصّب کو چھوڑ دیتے تو وہ ردائے مُبارک کو تھام لیتے آپ کا دامن پکڑ لیتے آپ کے فیضانِ علمی اور حکمت کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے۔ آپ کی رُشد و ہدایت سے سیدھی راہ پر گامزن ہوتے۔ آپ کے اخلاق کا اتباع کرتے اور دین و دُنیا کی نعمتوں پر فائز ہو جاتے۔

آنحضرتؐ کا مدینہ منوّرہ پہنچنا

آنحضرتؐ ماہ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ ظہر کے قریب مدینہ منوّرہ پہنچے اور وہاں تشریف لے جانے سے قبل بمقام قبا قبیلہ اوس کی شاخ قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن ہدم کے پاس فروکش ہوئے۔ قبا مدینہ منوّرہ کی جنوبی سمت دو میل پر واقع ایک گاؤں ہے۔ یہ شاداب علاقہ ہے جس میں انگوروں، کھجوروں، انجیروں اور اناروں کے باغات ہیں۔ یہاں آنحضرتؐ نے دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنجشنبہ چار دن قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بُنیاد ڈالی۔ یہی وہ مسجد ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ یہ مسجد پہلے ہی دن سے تقویٰ و پرہیزگاری پر تعمیر کی گئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ قبا کے محلہ سنح میں حبیب بن اساف کے پاس فروکش ہوئے پھر حضرت علیؓ بھی مکّہ کے لوگوں کی امانتوں کو جو آنحضرتؐ کے پاس رکھی ہوئی تھیں اہل امانت کے سُپرد کر کے قبا پہنچ گئے اور آنحضرتؐ کی اتباع میں یہ بھی کلثوم بن ہدم کے مکان میں ہی فروکش ہوئے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ کمسن بچے حضرت اُمّ ایمنؓ، ان کے لڑکے ایمنؓ اور ضعیف دبلے سہارا مومنوں کی ایک جماعت تھی۔ حضرت علیؓ راتوں کو سفر کرتے اور دن کو کہیں چھپ جاتے۔ حتیٰ کہ مُسلسل سفر کرتے کرتے آپ کے پیر پھٹ گئے۔ آنحضرتؐ نے آپ کو گلے لگایا اور آپ کے مُتورّم پیروں کو دیکھ کر آپ کی حالت پر آنحضرتؐ کو ترس آیا اور آپ رو پڑے۔ پھر اپنا لُعاب مُبارک ہاتھوں

پر مل کر حضرت علیؓ کے پیروں پر لگایا جس سے ان کے پیر بالکل اچھے ہو گئے۔ حتیٰ کہ پھر کبھی ان میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر آنحضرتؐ جمعہ کے دن مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں بنو سالم بن عوف کے مقام پر جمعہ کا وقت ہو گیا تو آپ نے وہیں وادی کی مسجد میں اپنے سو ہمراہی مسلمانوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا فرمائی۔ یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو آپ نے نواح مدینہ میں ادا فرمایا تھا اور آپ کا سب سے پہلا خطبہ تھا جو اسلام میں دیا گیا تھا۔

نماز کے بعد آپ اپنی اونٹنی قصویٰ نامی پر سوار ہو کر خاص شہر مدینہ کے لئے روانہ ہوئے اور اونٹنی کی نکیل ڈھیلی چھوڑ دی۔ وہ جس جس انصاری کے گھر پر سے گزرتی وہی کہتے۔ یا رسول اللہؐ! ہمارے غریب خانہ پر تشریف فرما ہوجئے کہ ہمارے سب افراد خاندان، ہمارا سب مال و دولت، ہماری سب طاقت آپ کے لئے حاضر ہے اور جگہ جگہ آپ کی اونٹنی کو روکتے تھے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم اس کا راستہ چھوڑ دو اور اسے آزاد رہنے دو۔ کیونکہ یہ خدا کی طرف سے مامور ہے۔ حتیٰ کہ پھرتے پھرتے آپ کی اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی۔ جہاں آج مسجد نبوی ہے۔ اس وقت یہ جگہ قبیلہ بنو نجار کے دو کمسن یتیم بچوں سہل و سہیل فرزندان عمرو کی ملکیت اور ان کے کھجوریں خشک کرنے کی جگہ تھی۔ جب اونٹنی یہاں بیٹھی تو آنحضرتؐ اس سے نیچے نہ اترے۔ چنانچہ اونٹنی پھر اٹھی اور تھوڑی دور چلی اور آنحضرتؐ نے اس کی باگ ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی۔ اسے کسی طرف از خود متوجہ نہ فرماتے تھے اونٹنی گھوم پھر کر پھر پیچھے مڑی اور اسی پہلی جگہ واپس آئی جہاں ابتدا میں بیٹھ چکی تھی۔ چنانچہ وہ پھر یہیں آکر بیٹھ گئی اور اس نے اپنی گردن جھکا دی۔ تب آنحضرتؐ اس پر سے اتر آئے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اونٹنی کا کجاوہ اور دوسرا سامان اپنے گھر اٹھا لے گئے اور آنحضرتؐ ان کے مکان میں فروکش ہوئے اور وہیں مقیم رہے۔ حتیٰ کہ آپ نے مسجد نبوی اور اپنے حجرے تعمیر فرمائے۔ تعمیر سے قبل آنحضرتؐ نے اس جگہ کے مالک لڑکوں کو بلایا اور ان سے اس جگہ کی خرید کا معاملہ فرمایا۔ تاکہ یہاں مسجد بنا سکیں۔ ان لڑکوں نے عرض کیا۔ ہم قیمت نہیں لیتے بلکہ آپ کی خدمت میں یہ قطعہ ہدیۃً پیش کرتے ہیں لیکن آپ نے ان کا یہ ہدیہ قبول نہیں فرمایا بلکہ ان سے یہ قطعہ دس دینار طلائی کے بالعوض خرید فرمالیا اور انھیں یہ رقم حضرت ابو بکرؓ کے مال سے ادا فرمائی۔ پھر آپ نے یہاں مسجد تعمیر فرمائی جس کی تعمیر کے دوران آپ خود بھی بہ نفس نفیس دوسرے صحابہ کے ساتھ اینٹیں اٹھا اٹھا کر معمار کو دیتے جاتے

اور یہ مصرعے پڑھتے جاتے تھے۔

هٰذا الحِمَالُ لَاحِمَالُ خَيْبَر[1] — یہ اینٹوں کی ڈھلائی خیبر کی ڈھلائی نہیں ہے۔

هٰذا اَبَرُّ رَبَّنَا وَاَطْهَر — بلکہ یہ اللہ کے نزدیک بہت نیکی اور پاکیزگی کا فعل ہے۔

نیز فرماتے جاتے تھے :۔

اِنَّ الاَجرَ اَجرُ الآخِرہ — واقعی اصلی اجر تو آخرت ہی کا اجر ہے۔

فارحمِ الانصارَ والمُهاجِرہ — پس اے خدا تو انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔

پھر آنحضرتؐ نے وہاں کے یہودیوں سے صُلح کر لی اور اپنے اور ان کے درمیان صلح و امن کا مُعاہدہ نامہ مُرتب فرمالیا۔ اس تحریر کا ذکر آئندہ اپنی جگہ پر آئے گا۔

اس سے پہلے کہ آنحضرتؐ مسجد کی تعمیر مکمل فرماتے حضرت سعد بن زرارہ حلق کے درد کی بیماری سے فوت ہو گئے۔ یہ بنو نجار کے نقیب تھے۔ اس قبیلہ نے آپؐ سے ان کی جگہ دُوسرا نقیب مقرر کرنے کی درخواست کی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ میں خود تمہارا نقیب ہوں۔ آپؐ نے ان میں کے کسی شخص کو نقابت کے لئے مخصوص نہ فرمایا پس یہ بات ان کے مناقب میں شمار کی جانے لگی۔ آنحضرتؐ ربیع الاول سے صفر تک مسجد تعمیر کراتے رہے۔ مسجد معمولی تھی جس کی دیواریں اینٹوں کی، بُنیاد پتھروں کی چھت کھجور کی شاخوں کی اور ستون کھجور کے تنے کے تھے۔ اس میں کسی قسم کی آرائش اور نقش و نگار نہ تھے۔ نہ ہی کوئی منبر تھا۔ چنانچہ ابتداءً آنحضرتؐ بغیر منبر کے ہی خُطبہ دیا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کی تشریف آوری پر مدینے والے بے حد مسرُور ہوئے اور انھوں نے مسرت آمیز مظاہروں سے آپؐ کا استقبال کیا اور عورتیں زیارت مُبارک کے لئے چھتوں پر چڑھ گئیں۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو عورتوں، بچوں اور کنیزوں نے محفل منعقد کی جس میں باواز بلند یہ اشعار پڑھتی تھیں :۔

طَلَعَ البَدرُ عَلَینَا مِن ثَنِیَّاتِ الوَدَاع — اس بلند مقام سے جہاں سے مدینہ کے مسافرین کو رخصت کیا جاتا ہم پر بدر کامل کا

وَجَبَ الشُّکرُ عَلَینَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاع — ہم پر اللہ کی طرف بُلانے والے کی دعوت اسلامی کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

[1] خیبر کی ڈھلائی سے مراد کھجور و کشمش وغیرہ کی ڈھلائی ہے۔ جس پر اس کے اٹھانے والے خوش ہوتے تھے۔ اس پر اینٹوں کے اٹھانے کو جو تعمیر مسجد کے لئے اٹھائی جا رہی ہیں۔ ترجیح دی ہے۔ م

اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاع   اے ہم میں مبعوث ہونے والے پیغمبر! آپ ہم میں واجب الاطاعت شریعت لے کر تشریف لائے ہیں۔

اُدھر جیوش نے آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں فن نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا۔ اِدھر انصار کے مرد و زن آپ کی خدمت میں ہدایا و تحائف پیش کرنے لگے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی ولادت شریفہ دوشنبہ کے دن ہوئی۔ دوشنبہ ہی کے دن آپ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ دوشنبہ ہی کے دن حجرِ اسود کو اٹھا کر کعبہ میں نصب فرمایا اور دوشنبہ کے دن ہی وصال فرمایا۔ آپ کی مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمانے کے وقت سے اسلامی تاریخ و سنہ کی ابتدا قرار پائی۔ سب سے پہلے ہجرت کے سترھویں سال جس شخص نے ہجری تاریخ تحریر فرمائی وہ حضرت عمر بن خطابؓ ہیں۔ مگر ہجری تاریخ آپ کی ہجرتؐ سے دو ماہ قبل سے شروع ہوتی ہے۔ یہ اس لئے کہ صحابہ نے تاریخ و سنہ کی ابتدا ہجرت کے سال ماہ محرم سے طے کی۔ حالانکہ اس وقت آنحضرتؐ مکہ ہی میں تھے۔ ہجرت اس کے بعد ماہ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔

قرآن کریم میں آنحضرتؐ کی ہجرت کا ذکر

حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ؕ	اگر تم حضرت محمدؐ کی مدد نہ کرو گے تو حق تعالیٰ نے تو آپ کی اس وقت مدد فرمائی تھی جبکہ کفار نے آپ کو وطن سے نکال دیا تھا اور جب یہ دونوں رفقاء غار میں تھے تو آپ ان میں سے ایک تھے اور جب آپ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرنا۔ کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اس میں اللہ کی طرف سے صحابہ کو مطلع کیا گیا ہے کہ صرف خدا ہی اپنے رسول کی دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں مدد دینے والا اور آپ کو ان پر غلبہ عطا فرمانے والا تھا نہ کہ صحابہ۔ خواہ انھوں نے آپ کی مدد کی ہو یا نہ کی ہو مگر حقیقی مددگار صرف خدا ہی تھا) جبکہ آنحضرتؐ اپنے ساتھی حضرت ابوبکرؓ سے فرما رہے تھے کہ خوف زدہ نہ ہو۔ یہ اس لئے فرمایا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ دشمنوں کی دوڑ و جستجو سے خائف تھے کہ کہیں وہ ان

کے چھپنے کا ٹھکانہ معلوم نہ کر لیں۔ اس خیال سے ان پر گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اے ابو بکرؓ! خوف نہ کھاؤ۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہی ہمارا مددگار ہے۔ مُشرکین کو ہرگز ہماری خبر نہ ہو سکے گی۔ نہ ہی وہ ہم تک پہنچ سکیں گے۔

دراصل اللہ نے ہی دُشمنوں پر آپ کو کامیاب فرمایا۔ حالانکہ آپ کو ساتھی کے خوف اور قلتِ افراد سے واسطہ تھا۔

رسُول اللہؐ کے مدینہ میں پہلے جمعہ کے خُطبہ کا بیان

آنحضرتؐ نے محلہ بنو سالم بن عوف واقع مدینہ منورہ میں اپنے پہلے جمعہ کو جو خُطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کا متن درجِ ذیل ہے:۔

"تمام تر تعریفیں صرف خُدا ہی کے لئے ہیں۔ میں اس کی تعریف بیان کرتا ہوں اسی سے مدد کا خواستگار ہوں۔ اسی سے طلبِ مغفرت کرتا ہوں۔ اسی سے ہدایت خواہ ہوں، اسی پر ایمان لاتا ہوں اس کا انکار نہیں کرتا اور اس کے منکر کا مخالف ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی دُوسرا خدا نہیں ہے۔ صرف وہی ایک خدا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ حضرت محمدؐ اس کے خاص بندے اور رسُول ہیں جنھیں خُدا نے ہدایت، نور اور سرتاسر نصیحت بنا کر مبعوث فرمایا۔ جبکہ پیغمبروں کو دنیا میں آئے ہوئے کافی وقفہ ہو چکا تھا۔ علم کم ہو چکا تھا۔ گمراہی عام ہو چکی تھی۔ جہل پر طویل زمانہ گزر چکا تھا۔ قربِ قیامت اور قربِ آخرت کا زمانہ آ گیا تھا۔ پس جس نے اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کی وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی۔ وہ راہِ مُستقیم سے بھٹک گیا اور شدید گمراہی میں مُبتلا ہو گیا۔

میں تمھیں زہد و تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں کہ ایک مُسلمان دُوسرے مسلمان بھائی کو اس سے بہتر نصیحت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد کا درجہ یہ ہے کہ بھائی ایک دُوسرے کو آخرت کی ترغیب دیں اور اُسے تقویٰ کی ہدایت کریں۔ پس خُدا نے جس امر سے تمھیں بچنے کا حکم دیا ہے اس سے بچو۔ اس سے بہتر اور کوئی نصیحت نہیں ہے اور نہ اس سے افضل اور کوئی ذکر ہے۔ حقیقی تقویٰ اس کا ہے جو دل میں اپنے رب کا خوف اور اخروی امُور کی صداقت کا جذبہ لئے ہوئے اس پر عمل کرے۔ اور جو شخص اپنے اور اپنے خدا کے درمیان معاملہ کو ظاہر و باطن میں ٹھیک رکھے اور اس سے صرف اللہ کی خوشنودی کی نیت رکھے تو یہ عمل دُنیا میں اس کے ذکرِ خیر کا باعث اور موت کے بعد ذخیرۂ آخرت ہو گا جس

روز انسان اپنے پچھلے اعمال کا محتاج ہوگا اور اس کے سوا جو کچھ ہوگا اس کے متعلق وہ خواہش کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے عمل کے درمیان طویل مدت فاصل ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے عذاب سے بھی ڈراتا ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان بھی ہے۔ حق تعالیٰ اپنے قول میں صادق اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ — میرے سامنے کسی قول میں تغیر و تبدل نہ ہو سکے گا اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

پس اے لوگو! اپنے دنیوی و اخروی سب امور میں ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ جو خدا سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کا کفارہ کر دیتا ہے اور اس کے اجر میں اضافہ فرما دیتا ہے۔ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ عظیم الشان کامیابی پر فائز ہو جاتا ہے۔ خدا کا تقویٰ انسان کو خدا کے غضب اور ناراضی سے محفوظ رکھتا ہے۔ خدا کا تقویٰ متقیوں کے چہروں کو سفید و منور رکھے گا۔ اس کے رب کو راضی کر دے گا اور اس کے مراتب بلند کر دے گا۔ اے لوگو! اپنا اپنا حصہ حاصل کر لو اور اللہ کے معاملہ میں زیادتی سے کام نہ لو۔ حق تعالیٰ نے تمھیں اپنی کتاب کی تعلیم دی اور تمھاری نجات کے لئے ایک طریقہ مقرر فرما دیا تاکہ وہ اس کی تصدیق کرنے والوں اور اس کے جھٹلانے والوں کو جان لے۔ پس جس طرح خدا نے تم سے بھلائی کی ہے۔ تم بھی بھلائی کرو۔ خدا کے دشمنوں سے تم بھی عداوت رکھو۔ اس کی راہ میں جہاد کا حق پوری طرح ادا کرو۔ اسی نے تمھیں اسلام کے لیے منتخب فرمایا ہے اور تمھارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ وہ جسے ہلاک کرے اُسے قطع حجت کے ساتھ ہلاک کرے اور جسے زندہ رکھے اُسے قطع حجت کے ساتھ زندہ رکھے۔ خدا کے سوا کائنات میں کوئی اور طاقت نہیں ہے۔ پس تم لوگ اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو اور آخرت کے لئے نیک عمل کرتے رہو۔ کیونکہ جس نے اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ ٹھیک کر لیا تو خدا اس کے اور لوگوں کے درمیان ہونے والے معاملات کے لئے کافی ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ لوگوں پر حکم چلاتا ہے۔ لوگ اس پر حکم نہیں چلاتے اور اللہ ہی لوگوں کے معاملات کا مالک و مختار ہے۔ لوگ اس کے معاملات کے مختار نہیں۔ اللہ بہت بڑا ہے اور کائنات میں کوئی طاقت سوائے خدائے عظیم کی طاقت کے نہیں ہے۔"

یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ میں پہلے جمعہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ یہ امر قابل لحاظ

ہے کہ آنحضرتؐ نے اس تمام خُطبہ میں اہلِ مکہ، ان کے آپ سے بُغض و عناد اور کفر پر اصرار اور مسلمانوں کی ایذارسانی اور آنحضرتؐ کے قتل کی دسیسہ کاریوں کا ذرا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنا خطبہ صرف مُسلمانوں کو تقویٰ کی ترغیب دینے اور انہیں اللہ کی یاد دلانے تک محدُود رکھا۔ حق و صداقت کے بیان میں آپ کا یہ طرزِ عمل انتہائی ادب و شائستگی اور بُردباری و درگذر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ورنہ اگر آنحضرتؐ کے سوا کوئی دُوسرا ہوتا تو اسے غیظ و غضب بھڑکا دیتا اور وہ اس موقع پر کفار کے عیُوب بیان کرتا۔ کیونکہ انھوں نے ہی آپ کو رُسوا کیا، آپ پر مظالم ڈھائے اور آپ کو اپنے محبُوب وطن سے باہر نکالا اور وہ لوگ آپ کے خُدائی پیغام کو بندوں تک پہنچانے کی راہ میں رُکاوٹ بنے رہے۔ درحقیقت حق تعالیٰ نے آپ کی شان میں جو فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ اے محمدؐ! یقیناً آپ عظیمُ الشان اخلاق پر فائز ہیں۔

بے شک یہ عظیمُ الشان اخلاق اور انتہائی حسنِ ادب ہے۔ ہم مختلف جماعتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی تقریروں میں صرف معمولی باتوں پر مخالفین کے مقابلہ میں بدترین الفاظ استعمال کرتے اور انتہائی بدگوئی پر اُتر آتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو زعیم و قائد قوم سمجھتے ہیں جو علوم و تمدن کی نشر و اشاعت کے علمبردار اور اصلاح قوم اور آزادی کے دعویدار بنتے ہیں۔

○

آنحضرتؐ کا یہود سے معاہدہ

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے مہاجرین وانصار کے درمیان ایک معاہدہ مرتب فرمایا جس میں یہود سے باہمی صلح و امن کے ساتھ رہنے کا معاہدہ تھا اور انھیں اپنے مذہب اور مال و متاع پر قائم رکھا گیا تھا۔ ان پر کچھ شرطیں اور پابندیاں عائد فرمائیں اور کچھ شرطیں ان کے مفاد کے مطابق رکھیں وہ معاہدہ یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہؐ کی طرف سے یہ تحریر قریش اور یثرب کے مومنین و مسلمین، ان کے متبعین ولاحقین اور ان کے ساتھ ہو کر جہاد کرنے والوں کے لئے ہے کہ یہ سب کے سب ایک قوم ہیں۔ ان کے سوا دوسرے لوگ اس قومیت میں شریک نہیں۔ قریش کے مہاجرین اپنے سابقہ حالات و باہمی ذمہ داریوں پر قائم رہیں گے۔ باہم ایک دوسرے کا خونبہا ادا کریں گے۔ اپنے قیدی کا فدیہ مومنین میں باہم عدل و بھلائی کے ساتھ ادا کیا کریں گے۔ بنو عوف اپنے سابقہ حالات و ذمہ داریوں پر قائم رہیں گے اور اپنے سابق طریق پر اپنی دیتیں ادا کیا کریں گے اور ان کا ہر طبقہ اپنے قیدیوں کا فدیہ جذبۂ عدل و بھلائی سے ادا کیا کرے گا۔ بنو ساعدہ اپنے سابق حالات پر قائم رہیں گے جسبِ سابق اپنی دیتوں کو ادا کریں گے اور ان کا ہر طبقہ اپنے قیدیوں کا فدیہ عدل و بھلائی کے مطابق ادا کرے گا۔

علیٰ ہذا قبائل بنو الحارث، بنو الجشم، بنو نجار، بنو عمرو بن عوف۔ بنو نبیت، بنو اوس سب کے سب یکساں طور پر ذمہ داریوں کے پابند ہوں گے۔ اور مومنین کو اپنے کسی ایسے مقتول کا فدیہ یا خوں بہا ادا کئے بغیر نہ رہنا چاہیئے جس کے قاتل کا پتہ نہ چل سکا ہو۔ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے مولیٰ سے کوئی معاہدہ نہ کرے۔

متقی مومنوں میں سے کسی نے گناہ کیا، یا اس نے ظلم، جرم، زیادتی یا مومنوں کے درمیان فساد برپا کرنے کا ارتکاب کیا تو اس پر سب کی طرف سے مواخذہ کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔

آج سے کوئی مومن کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا اور نہ مومن کے مقابلہ میں کسی کافر کی مدد

اور حمایت کی جائے گی۔ اللہ کی ذمہ داری سب کے لئے ایک ہو گی۔ جس میں قوم کا ادنیٰ شخص بھی اپنی فریاد پیش کر سکے گا۔ مومن آپس میں ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔ کفار کے علاوہ جو یہودی ہمارا ساتھ دیں گے اور ہمارے متبع رہیں گے ان کی مدد کی جائے گی اور ان سے بہتر سلوک کیا جائے گا۔ نہ ان پر ظلم روا رکھا جائے گا، نہ ان پر دوسروں کو غالب ہونے دیا جائے گا۔

مومنوں کا امن و صلح ایک اور اجتماعی ہو گا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے موقع پر یہ نہ ہو گا کہ ایک مومن کسی سے صلح کرے اور دوسرا نہ کرے۔ بلکہ سب کے سب امن و صلح کی پیش کش میں مساوات اور عدل و انصاف کے طریقوں کے پابند ہوں گے اور نمازیوں کا جو گروہ ہمارے ساتھ شریک جہاد ہو گا۔ وہ باہم ایک دوسرے کی غلطیوں کی گرفت و مؤاخذہ کا ذمہ دار ہو گا۔ مومن اپنے خون راہِ خدا میں بہانے کے جذبہ کے تحت ایک دوسرے کی طرف سے مدافعت اور دشمن کی روک تھام کریں گے۔

متقی مومنین بہترین و مستحکم ترین طریق رشد و ہدایت پر قائم رہیں گے۔ کوئی مشرک کسی قریشی کے مال اور جان کے مقابلہ میں کوئی استغاثہ دائر نہ کر سکے گا اور نہ وہ کسی مومن کے معاملات میں رکاوٹ بن سکے گا۔ اور کسی نے بغیر حق کے کسی مومن کو قتل کر ڈالا تو اس سے اس کا قصاص لیا جائے گا۔ بجز اس کے کہ مقتول کا وارث کسی نقد معاوضہ پر راضی ہو جائے۔ تمام مومن اس کے خون کا بدلہ لینے کے ذمہ دار ہوں گے۔ ان سب پر یہ مطالبہ کرنا لازم ہو گا۔

کوئی مومن جس نے اس دستاویز کے مندرجات کا اقرار کر لیا ہو اور وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لے آیا ہو، اس کے لئے جائز نہ ہو گا کہ وہ کسی منکرِ اسلام کی مدد کرے یا وہ اُسے پناہ دے۔ جس نے ایسے شخص کی مدد کی یا اُسے پناہ دی قیامت کے دن اس پر اللہ کا غضب اور لعنت نازل ہو گی۔ اس سے اس کے بالمقابل کوئی مال اور قیمت قبول نہ کی جائے گی۔

جب تم میں اس دستاویز سے متعلق کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں اللہ اور اس کے رسول سے رجوع کیا جائے۔ یہودی جب تک مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کرتے رہیں گے۔ تو وہ مسلمانوں کے ساتھ متحد شمار ہوں گے۔

قبیلہ بنو عوف کے یہودی مومنوں کے ساتھ اپنی ذات اور اپنے اپنے دوستوں سمیت متحدہ قومیت شمار ہوں گے مگر یہودی بدستور اپنے دین پر اور مسلمان اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔ بجز اس کے کہ کسی نے ظلم و زیادتی کی یا کسی قسم کا ارتکاب جرم کیا۔ اس صورت میں وہ اپنے آپ اور اپنے متعلقین کو

ہی ہلاکت میں ڈالے گا۔

بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو اوس اور بنو ثعلبہ کے یہودیوں کے وہی احکام و شرائط ہوں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کے لئے مذکور ہوئے ہیں۔ بجز اس کے جس نے کوئی ظلم و زیادتی کی یا کسی اور جرم کا ارتکاب کیا کہ وہ خود اپنی اور اپنے متعلقین کی ہلاکت کا باعث ہو گا۔ بنو ثعلبہ کی شاخ جفنہ کا معاملہ بنو ثعلبہ جیسا ہو گا۔

بنو شطنہ کو بھی وہی مراعات حاصل ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لئے ہیں۔ سب کے ساتھ حسن سلوک ہو گا، کوئی بد معاملگی نہ ہو گی۔ بنو ثعلبہ کے موالی کا حکم ان ہی جیسا ہو گا۔ یہود کے تمام اہل و عیال اور قبائلی شاخوں کا وہی حکم ہو گا جو ان کی ذات کے لئے طے ہے۔

کوئی یہودی آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر مدینہ سے باہر نہ جا سکے گا اور نہ وہ کسی زخمی و مقتول کے قصاص میں حائل ہو گا۔ جس نے بغیر حق کے کسی کا خون بہایا اس نے جواباً خود اپنا اور اپنے متعلقین کا خون بہایا۔ بجز اس کے کہ کسی پر ظلم و زیادتی کی گئی ہو۔ حق تعالیٰ اس کے اس فعل سے بالکل بری ہے۔

یہودیوں پر ان کے مصارف کا بار عائد ہو گا، مسلمانوں پر ان کے اپنے مصارف کا۔

اس دستاویز کے مندرجہ لوگوں سے جو شخص جنگ کرے گا اس کے مقابلہ میں مسلم و یہود باہم مددگار و معاون رہیں گے۔ باہم ان سب طبقات میں خیر خواہی، خیر سگالی اور حسن سلوک کا برتاؤ رہے گا۔ بدسلوکی و جرائم کا رواج نہ ہو گا۔

کوئی شخص اپنے حلیف سے بدسلوکی سے پیش نہ آئے گا۔ ہر مظلوم کی مدد اور دادرسی کی جائے گی۔ مومنین جب تک اعدائے اسلام سے نبرد آزما رہیں گے۔ یہود بھی ان کے ساتھ مصارف جنگ میں اپنا حصہ ادا کریں گے۔ اس دستاویز والوں پر یثرب کا علاقہ محترم[1] رہے گا۔ پڑوسی کو اپنی جان کے مانند سمجھا جائے۔ نہ اسے کوئی ضرر پہنچانا چاہیئے نہ اس سے بدسلوکی سے پیش آنا چاہیئے۔

کسی عورت کو اس کے شوہر کے بغیر پناہ نہ دی جائے۔ اس دستاویز کے فریقوں کے درمیان کوئی نئی بات یا کوئی فتنہ انگیز اور نزاعی معاملہ پیش آجائے تو اس میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے رجوع کیا جائے۔ حق تعالیٰ اس دستاویز کے مندرجات کے تقدس و بھلائی کا ضامن ہے۔ کسی قریشی اور اس کے معاون مددگار کو پناہ نہ دی جائے۔ اگر کوئی باہر سے یکایک یثرب پر حملہ

م۱ یعنی اس میں کسی کا خون بہانا، جدائی کرنا، کسی کی ایذا رسانی وغیرہ حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ م

کرے تو اس کے مقابلہ میں یہود و مسلمان باہم معاون و مددگار رہیں گے۔ اگر دشمن اُنھیں صلح کی دعوت دے تو وہ اسے قبول کر کے صلح کر لیں اور اس پر کاربند رہیں۔ اگر یہود کو ایسی ہی صلح کی دعوت دی جائے تو مومنوں پر اس صلح کی پابندی لازمی ہوگی بجُز اس صورت کے کہ کوئی گروہ مذہبی جنگ کرے (اس صورت میں ان کی تائید لازم نہ ہوگی) سب آدمیوں پر اپنی اپنی ذمّہ داری کا پاس کرنا لازم ہے جو پہلے سے ان پر عائد ہو چکی ہے۔

قبیلہ اوس کے یہودیوں کی ذات اور ان کے دوستوں اور حلفاء کے لئے بھی وہی احکام ہیں جو اس دستاویز کے شرکاء کے لئے ہیں کہ وہ ان کی طرف سے حُسن سلوک و خوش معاملگی کے مُستحق قرار پائیں گے۔ ان میں باہم حسنِ سلوک رہے گا۔ بدسلوکی نہ ہوگی۔

ہر شخص اپنے لئے اپنی ذمّہ داری پر ہر کام کرے گا۔ حق تعالیٰ اس دستاویز کے مندرجات کا سب سے سچّا اور بہتر گواہ ہے۔ یہ دستاویز کسی ظالم اور مرتکب جرائم کی قرار واقعی سزا کی راہ میں حائل نہ ہوگی۔

مدینہ میں جو شخص گھر سے باہر نکلے گا وہ امن میں رہے گا اور جو گھر میں بیٹھا رہے گا وہ بھی امن میں رہے گا۔ بجُز اس کے جس نے ناحق ظلم و ارتکابِ جُرم کیا ہو۔

یقیناً حق تعالیٰ اور حضرت محمد رسول اللہؐ ہر نیکوکار و مُتقی کی پُشت پناہی کریں گے۔

○

قبیلۂ خزرج اور اوس

اور ان کے اور یہودیوں کے باہمی معاملات

خزرج اور اوس یثرب کے دو مشہور قبیلے ہیں جب آنحضرتؐ نے ان قبائل کی طرف ہجرت فرمائی تو ان کو انصار کے لقب سے ملقب فرمایا۔ کیونکہ یہی وہ قبائل تھے۔ جنھوں نے آپ کی مدد کی تھی اور دشمنوں سے آپ کی حفاظت و مدافعت کی تھی۔ عقبۂ اولیٰ و ثانیہ کی بیعت کے بیان میں ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک جویائے احوال ان دونوں قبیلوں کی تاریخ پر مطلع ہونے کا اشتیاق ظاہر کرے گا اور یہ بھی معلوم کرنا چاہے گا کہ ان کے اور یہود کے درمیان کیسے روابط تھے اور کیا کیا جھگڑے اور جنگیں برپا ہوئیں۔ کیونکہ یہ واقعات انھیں باشندگانِ مدینہ کی تاریخ سمجھنے میں مدد دیں گے۔ اور انہی کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں انصار و یہود کے موقف پر بھی روشنی پڑے گی۔ نیز نبی کریمؐ کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد کے پیش آنے والے واقعات و حوادث کے بیان کے موقع پر وہاں کی پرانی تاریخ دلیل و حجت کا کام دے گی۔

خزرج اور اوس دو بھائی تھے جن کا نسب نامہ یہ ہے۔ خزرج اور اوس بن حارثہ بن ثعلبۃ العنقاء بن عمرو بن مزیقیاء بن عامر بن ماء السماء بن حارثہ الغطریف بن امرئ القیس بن بطریق بن ثعلبہ بن مازن بن ازد بن غوث بن نبت مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

اور والدہ کی طرف سے ان کا نسب یہ ہے۔ اوس و خزرج بن قیلہ بنت کاہل بن عذرا بن سعد بن قضاعہ۔ ماں کی نسبت سے انھیں ابناء قیلہ بھی کہا جاتا ہے۔

اس سلسلۂ نسب سے یثرب میں دو عربی النسل عظیم الشان اور مشہور قبیلے ہوئے ہیں جن کا اکثر ایک ساتھ ذکر آتا ہے اور کہا جاتا ہے اوس و خزرج۔ لیکن خزرج کا نام ہر دو پر غالب آگیا۔ انہی کو انصار بھی کہا جانے لگا۔ کیونکہ یہی وہ پہلے قبیلے تھے جو نبی کریمؐ کی مدد کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے قریش سے آپ کے غزوات کے مواقع پر آپ کی پوری پوری مدد کی اور آپ کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی۔

سیرت کی کتابوں میں ان قبائل کی اصل کے متعلق یوں آیا ہے کہ:

جس وقت سبا والے مشہور سیلاب کے بعد منتشر ہو گئے تو مزیقیا یمن سے نکل کر شام میں غسّان کا امیر بن گیا۔ پھر اس کے ہلاک ہونے کے بعد اس کا بیٹا ثعلبہ عنقا تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد اس کے بھائی جفنہ کے فرزند عمرو نے اقتدار حاصل کر لیا تو ثعلبہ کا فرزند حارثہ سخت ناراض ہوا اور اپنی جماعت کو جمع کر کے یثرب کی طرف روانہ ہوا اور خیبر کے یہود کے پاس فروکش ہوا اور ان سے امان دینے اور افرادی و اسلحہ کی قوت فراہم کرنے کا معاہدہ کیا۔ یہودیوں نے ان کے حسبِ مرضی جو انھوں نے مانگا دے دیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب ثعلبہ بن عمرو بن عامر اپنی فوج کو لے کر یثرب سے روانہ ہوا تو اوس و خزرج نے اپنے ساتھیوں سمیت ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور ان میں سے کچھ تو صحراؤں میں اور کچھ گاؤں میں وہاں والوں کے ساتھ رہنے لگے۔ لیکن گاؤں والے بکریوں والے تھے نہ دولت والے تھے نہ ان کے گاؤں میں چراگاہیں تھیں۔ نہ ان لوگوں کے کھجوروں کے باغات تھے نہ کھیتی تھی۔ صرف تھوڑے سے کھجور کے درخت تھے۔ پس یہ لوگ بنجر زمینوں کو ہی درست کر کر کے ان میں کھیتی کرتے تھے اور اس میں مال یہودی لگاتے تھے۔ یہ قبائل اسی تنگدستی و بدحالی کے ساتھ ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہے پھر ان میں سے مالک بن عجلان نامی ایک شخص ابو جبیلہ غسانی کے پاس پہنچا۔ اس نے ان لوگوں کا حال دریافت کیا تو مالک نے اپنی معاشی تنگی کا حال بیان کیا۔ اس نے کہا۔ تم ان دولتمند یہود پر غلبہ کیوں حاصل نہیں کر لیتے جس طرح ہم نے اپنے ملک والوں پر غلبہ پا لیا ہے۔ اور اس نے مالک سے وعدہ کیا کہ وہ ان کی مدد کے لیے اپنی فوج بھیجے گا۔ پس مالک نے واپس آ کر اپنی قوم کو ابو جبیلہ کے وعدہ کی اطلاع دی تو وہ اس کے استقبال کو تیار ہو گئے۔ پھر وہ خود اپنے ساتھیوں سمیت وہاں پہنچا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہود قلعہ بند نہ ہو جائیں۔ پس اس نے ایک بلند جگہ پر پڑاؤ ڈالا اور قاصد بھیج کر یہود کو بلا بھیجا۔ چنانچہ ان کے خاص امرا اور حشم و خدم اس کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو اس نے انھیں اپنے پڑاؤ میں آنے دیا۔ پھر اپنی فوج کو حکم دیا۔ انھوں نے ان میں کے آخری آدمی تک کو تہ تیغ کر ڈالا۔ پھر اوس و خزرج سے کہا کہ اگر تم نے ان کے قتل ہونے کے بعد بھی اُن کے نہروں پر قبضہ نہ کیا تو میں تمھیں جلا ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر ملک شام کو واپس ہو گیا۔ اس کے بعد اوس و خزرج یہود سے عداوت رکھنے لگے۔ پھر مالک بن عجلان نے یہود کے لئے کھانا تیار کرایا اور انھیں کھانے کی دعوت دی مگر انھوں نے غدر کے خوف سے انکار کر دیا۔ پھر مالک نے ابو جبیلہ کی حرکت کے متعلق ان سے معذرت کی اور ان سے وعدہ

کیا کہ وہ ہرگز ایسا نہ کرے گا۔ اس پر انھوں نے دعوت قبول کر لی اور وہ آ گئے۔ تب مالک نے ان سے بے وفائی کر کے ان کے ستاسی سردار قتل کر ڈالے جو باقی بچے وہ بھاگ گئے۔

اس کے بعد سے یہود نے اپنے کنیسوں اور معبدوں میں مالک کا مجسمہ بنا کر رکھ لیا۔ جب وہ کنیسہ میں داخل ہوتے تو اس پر لعنت بھیجتے تھے۔

ابن اثیر نے ایک دوسری روایت بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہود کا ایک بادشاہ فیطون نامی تھا جو بہت ظالم اور بدکار تھا۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ جس عورت کی شادی ہوتی وہ اس کے شوہر سے پہلے اس سے تخلیہ کرتا تھا۔ ایک روز اس مالک کی بہن کی شب عروسی کا موقع آیا۔ وہ اس مجلس میں پہنچی جہاں اس کا بھائی بیٹھا ہوا تھا اور اس نے اپنی پنڈلی سب کے سامنے ننگی کر دی۔ اس کے بھائی نے کہا تو نے یہ بہت برا کیا۔ اس نے کہا آج رات کو میرے ساتھ جو ہو گا وہ اس سے بھی زیادہ برا ہو گا۔ یہ سن کر غصہ سے اس کا سر پھر گیا اور وہ عورت کا لباس پہن کر اپنی بہن کے ساتھ شاہ کے مکان میں داخل ہو گیا۔

جب مکان سب لوگوں سے خالی ہو گیا تو اس نے اس بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور بھاگ کر ابوجبیلہ کے پاس جا پہنچا۔ ابوجبیلہ غسان کا بادشاہ نہ تھا بلکہ غسانی بادشاہوں کے دربار میں رسوخ رکھتا تھا۔ مالک کے اس عمل کے بعد یہود ذلیل ہو گئے اور ڈر گئے اور ان کا ہر طبقہ اوس و خزرج کے خاندانوں سے پناہ مانگنے اور ان سے مدد چاہنے لگا اور ان کا حلیف بن گیا۔ اس طرح مالک اور سودہ حیان کی شان بڑھ گئی اور زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اوس و خزرج دولت مند بن گئے اور ان کا بازو مضبوط ہو گیا۔ ان کا توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہا۔ ان کی تعداد بڑھ گئی اور ان کی متعدد شاخیں پھیل گئیں۔ پس بنو اوس سب کے سب مالک بن اوس کی نسل سے ہوئے۔ جن کے منجملہ خطہ بن جشم بن مالک، ثعلبہ، لوذان، عوف ہوئے۔ یہ سب بنو عمرو بن عوف بن مالک کہلائے۔

اور بنی عوف سے حنش، مالک اور کلفہ ہوئے اور مالک سے معاویہ اور زید اور زید سے عبید ضبیعہ اور امیہ ہوئے اور کلفہ سے جحجباہ ہوا۔

اور مالک بن اوس سے حارث اور کعب فرزندان خزرج بن عمرو بن مالک ہوئے۔ پھر کعب سے بنو ظفر اور حارث بن خزرج سے حارثہ اور جشم ہوئے۔ اور جشم سے بنو عبدالاشہل ہوئے۔ اور مالک بن اوس ہی کی

نسل سے بنو سعد اور بنو عامر فرزندان مرہ اور بنو سعد جادرہ ہوئے اور بنو عامر سے عطیہ، امیہ، وائل، بنو زید بن قیس بن عامر ہوئے اور مالک بن اوس ہی کی نسل سے اسلم اور واقف فرزندانِ امرؤالقیس بن مالک ہوئے۔ یہ اوس کی شاخیں ہیں جیسا کہ ابن خلدون نے بیان کیا ہے۔ رہے خزرج سوان کی پانچ یہ شاخیں ہوئیں۔ کعب۔ عمرو۔ عوف۔ جشم۔ حارث۔

۱۔ کعب بن خزرج سے بنو ساعدہ بن کعب ہوئے۔

۲۔ عمرو بن خزرج بنو نجار کہلائے اور وہ تیم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو ہیں۔ ان کی درج ذیل بہت سی ذیلی شاخیں ہیں:۔

بنو مالک، بنو عدی، بنو مازن، بنو دینار۔ یہ سب بنو نجار ہیں۔ اور مالک بن نجار سے مبدول ہوئے جن کا نام عامر ہے اور غانم اور عمرو ہوئے اور عمرو سے عدی اور معاویہ ہوئے۔

۳۔ عوف بن خزرج سے بنو سالم اور قواقل اور عوف بن عمرو بن عواف اور قواقل سے ثعلبہ اور مرضخہ بنو قوقل بن عوف ہوئے۔

اور سالم بن عوف سے بنو عجلان بن زید بن عصم بن سالم اور بنو سالم بن عوف ہوئے۔

۴۔ جشم بن خزرج سے بنو غضب بن جشم اور یزید بن جشم ہوئے۔ پھر بنو غضب سے بنو بیاضہ، بنو زریق، اور بنو عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب ہوئے۔

یزید بن جشم سے بنو سلمہ بن سعد بن علی بن راشد بن سارہ بن یزید ہوئے۔

۵۔ اور حارث بن خزرج سے بنو خدرہ اور بنو حرام فرزندان عوف بن حارث بن خزرج ہوئے۔

جب یہ قبائل یہود کے ساتھ جو معاملہ کرنا تھا کر چکے اور انھیں ان پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ اور ان کی تعداد بڑھ گئی تو یہ قبائل یثرب کے بلند و زیریں حصہ میں پھیل گئے اور اس کے مالک و حاکم بن گئے اور اپنے پڑوسی قبائل مضر کے حلیف بن گئے۔ پھر ان ہر دو قبائل میں باہم فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے حلیفوں قبیلہ مضر اور یہود سے امداد طلب کی۔

اور قبیلہ خزرج بن منذر کا شخص عمرو بن اطنابہ حیرہ کے شاہ کے پاس پہنچا جس نے اسے حیرہ کی حکومت کا مالک بنا دیا۔ تب سے خزرج میں امارت کا سلسلہ جاری ہو گیا اور خزرج اور اوس میں جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔

اوس و خزرج کے درمیان عداوت

اوس و خزرج کے درمیان جو پہلا فتنہ برپا ہُوا وہ جنگ سمیر تھی۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ کعب نامی شخص نے جو اوس کا حلیف تھا کسی بات میں اوس پر اپنی برتری و فضیلت بیان کی۔ جس سے ان میں کے ایک شخص سمیر نامی کو غُصّہ آگیا اور اس نے اسے بُرا بھلا کہا۔ پھر اس کی گھات میں رہا۔ حتّٰی کہ ایک تنہائی کا موقع پاکر اُسے قتل کر ڈالا۔ اس پر مالک بن عجلان بھڑک اُٹھا اور اس نے قاتل کے کُنبہ سے اُسے مانگا۔ مگر انھوں نے اس کے موجود ہونے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ البتہ ان کے سامنے خُوں بہا ادا کرنے کی پیش کش کی جسے مالک نے منظور کر لیا۔ لیکن انھوں نے اس کے پاس خوں بہا کی نصف رقم بھیجی۔ اس بنا پر کہ وہ شخص ان کا حلیف تھا، قرابتدار نہ تھا۔ مالک نے نصف رقم لینے سے انکار کر دیا اور کامل رقم کا مطالبہ کیا۔ لیکن ان لوگوں نے اسے نہ مانا۔ اس پر ہنگامہ برپا ہوگیا اور نوبت لڑائی تک آپہنچی۔ چنانچہ فریقین میں دو مرتبہ جنگ برپا ہوئی۔ دُوسری مرتبہ میں اوس کو کامیابی ہوئی۔ جب ختم جنگ پر سب منتشر ہوگئے تو اوس نے مالک کے پاس قاصد بھیجا کہ ہمارے درمیان منذر بن حرام نجاری خزرجی کو ثالث بنا لیا جائے یہ صاحب حضرت حسّان بن ثابت کے دادا تھے۔ چنانچہ مالک نے اس بات کو منظور کر لیا۔ ثالث نے فیصلہ دیا کہ اوس مالک کو پُورا خوں بہا ادا کرے۔ پھر یہ لوگ اپنے پُرانے پرامن طریقہ پر لوٹ جائیں۔ چنانچہ اس پر سب راضی ہوگئے اور منتشر ہوگئے۔ لیکن فریقین کے دلوں میں بُغض بڑھتا چلا گیا اور دشمنی نے جڑ پکڑ لی۔

پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ کعب بن عمر مازنی خزرجی نے قبیلۂ بنو سالم کی ایک خاتون سے شادی کر لی۔ پھر قبیلہ اوس کے بنو جحجباہ کے سردار احیحہ بن جلاح نے ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ کعب کی تاک میں رہے اور موقع پاکر اُسے قتل کر ڈالے۔ چنانچہ انھوں نے اس کی تعمیل کی۔ اس پر مقتُول کے بھائی عاصم نے اپنے قبیلہ کو اپنی مدد کے لئے بُلایا۔ وہ تیار ہو کر آئے اور وہ اور اوس صف آرا ہوگئے اور ان میں شدید جنگ برپا ہوئی۔ جس میں بنو جحجباہ اور احیحہ ہر دو کو شکست ہوئی۔ عاصم نے اپنا گھوڑا دوڑا کر احیحہ کا تعاقب کیا اور اسے جا لیا۔ احیحہ نے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ عاصم نے اس پر تیر پھینکا مگر وہ اسے نہ لگ سکا۔ اس پر اس نے اس کے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ تب احیحہ نے یہ عزم کیا کہ بنو نجار پر بے خبری میں

اچانک حملہ کردے۔ اس کی بیوی اسی قبیلہ کی تھی۔ اسے شوہر کی یہ بات ناگوار گزری اور اسے اپنی قوم کی ہلاکت کا اندیشہ لاحق ہوا۔ اس لئے جب احیحہ طویل بیداری کے بعد غافل سوگیا تو یہ اپنے قبیلہ کے پاس گئی اور انھیں احیحہ کے ارادہ پر باخبر کردیا۔ نتیجہ یہ کہ جب احیحہ نے ان پر اچانک حملہ کرنا چاہا تو انھیں ہتھیاروں سے لیس اور چوکنا پایا۔ اس لئے یہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ سب اس کی بیوی نے کیا ہے تو اس نے اُسے بہت مارا۔ حتیٰ کہ اس کا ایک ہاتھ توڑ دیا اور اُسے طلاق دے دی۔

پھر قبیلہ اوس کے بنو وائل بن زید اور خزرج کے بنو مازن بن نجار کے درمیان جنگ برپا ہوئی۔ اس کا واقعہ یوں ہوا کہ حصین بن اسلت اوسی کا بنو مازن کے ایک شخص سے جھگڑا ہوگیا جسے حصین نے قتل کرڈالا۔ اس پر بنو مازن کی قوم نے اس کا تعاقب کرکے اسے بھی قتل کرڈالا۔ یہ خبر مقتول کے بھائی ابو قیس اسلت کو پہنچی تو اس نے اپنی قوم کو جمع کرلیا۔ انجام یہ کہ اوس و خزرج کی مڈبھیڑ ہوگئی اور باہم شدید جنگ برپا ہوئی جس میں اوس کو شکست اٹھانی پڑی۔

پھر اوس کے بنو ظفر اور خزرج کے بنو مالک بن نجّار کے درمیان جنگ ہوئی جس کا سبب یہ ہوا کہ بنو ظفر کا ایک شخص بنو نجّار کے ایک شخص کی زمین میں سے ہوکر اپنی زمین پر جارہا تھا کہ اس زمین والے نے اسے منع کیا۔ مگر یہ باز نہ آیا۔ اس پر باہم جھگڑا ہوگیا اور ظفری قبیلہ کے ایک شخص نے دوسرے کو قتل کردیا۔ اس پر فریقین کے قبیلے جمع ہوگئے اور دونوں میں جنگ چھڑ گئی جس میں بنو مالک بن نجّار نے شکست کھائی۔

پھر بنو نجار کے ایک شخص نے قبیلۂ قضاعہ کے غلام کو قتل کرڈالا۔ اس غلام کا چچا معاذ بن نعمان اوسی کا پڑوسی تھا۔ معاذ نے بنو نجّار سے غلام کا خوں بہا طلب کیا۔ لیکن انھوں نے دینے سے انکار کردیا۔ اس پر وہ اپنی قوم کو ساتھ لے کر حسّان بن ثابتؓ کے قلعہ فارع اطم کے پاس ان کے مقابل صف آرا ہوا اور باہم جنگ جاری ہوگئی۔ یہاں تک کہ ایک تیسرے شخص عامر بن المنابہ نے معاذ کو مقتول کا خون بہا ادا کردیا۔ جس کے بعد فوراً فریقین میں صلح ہوگئی۔

پھر وہ معرکہ پیش آیا جو معرکۂ حاطب کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ حاطب بن قیس، بنو امیّہ بن زید بن مالک بن عوف اوسی قبیلہ کا شخص تھا۔ اور جنگ سمیر اور ان جنگوں میں سو سال کا فصل تھا۔ ان لڑائیوں کا سبب یہ ہوا کہ حاطب ایک شریف اور معزز شخص تھا۔ اس کے پاس بنو ثعلبہ بن سعد بن ذبیان کا ایک

شخص آ کر مہمان ہوا۔ ایک روز یہ مہمان قینقاع بازار کی طرف چلا تو اسے یزید بن حارث معروف ابن فسحم نے دیکھ لیا۔ یہ شخص قبیلہ بنو حارث بن خزرج سے متعلق تھا۔ یزید نے ایک یہودی سے کہا کہ اگر تم اس ثعلبی کی مقعد پر لات مار دو تو میں تمھیں اپنی یہ چادر دے دوں گا۔ چنانچہ یہودی نے یزید سے چادر لے کر ثعلبی کے اس زور سے لات ماری کہ بازار والوں نے بھی اس کی آواز سن لی۔ اس پر ثعلبی نے پکارا۔ اے حاطب! میری مدد کو پہنچو کہ آج تمھارے مہمان کی پٹائی اور رسوائی ہو گئی ہے۔ حاطب کو اس کی خبر ملی تو وہ اس کے پاس آیا اور پوچھا تمھیں کس نے مارا ہے؟ اس نے یہودی کو بتا دیا۔ حاطب نے تلوار سے اس یہودی پر وار کر کے اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ یہ خبر ابن فسحم تک پہنچی اور اس سے کہا گیا کہ یہودی کو حاطب نے قتل کر ڈالا ہے۔ ابن فسحم جلدی سے حاطب کے پیچھے دوڑا اور اسے پا لیا جبکہ وہ اپنے کنبہ کے گھروں میں داخل ہو چکا تھا۔ وہاں اسے بنو معاویہ کا ایک شخص ملا تو اسے ہی قتل کر دیا (ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ ابن فسحم نے اس یہودی کو ثعلبی کو مارنے پر آمادہ کیا تھا) اس کے نتیجہ میں اوس و خزرج میں جنگ بھڑک اٹھی جس میں خزرج کو فتح ہوئی۔ اس دن فریقین کا بہت بڑا اجتماع تھا۔ اس کے بعد بھی بہت سے معرکے پیش آئے جو سب کے سب حاطب کے سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔ یہ جنگیں یوم ربیع یوم بقیع، فجار اول، فجار ثانی، یوم بعاث کے نام سے مشہور رہیں۔ یوم بعاث ان کی آخری لڑائی تھی۔

جنگ فجار ثانی میں بنو قریظہ اور بنو نضیر نے خزرج کے مقابلہ میں اوس سے معاہدہ کیا اور فریقین میں جنگ برپا ہوئی۔ یہ دن فجار ثانی کے نام سے مشہور ہوا۔

اور یوم بعاث کی جنگ کا سبب یہ ہوا کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر نے اوس سے باہمی امداد کے معاہدہ کی تجدید کر کے اپنا معاملہ مستحکم کر لیا اور جنگ کی خوب تیاری کر لی۔ مذکورہ قبائل کے سوا یہودیوں کے دوسرے قبائل بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔

جب خزرج نے یہ خبر سنی تو اس نے بھی اپنی بہت سی فوج جمع کر لی اور اپنے حلیف قبائل اشجع اور جہینہ کو آگے بھیجا۔ ادھر اوس نے اپنے حلیف قبیلہ مزینہ کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ فریقین چالیس دن تک جنگ کی تیاری کرتے رہے۔ پھر مقام بعاث میں صف آرا ہوئے جو قریظہ کے اضلاع میں سے ایک ضلع ہے۔

قبیلہ اوس کے سپہ سالار اسید بن حضیر کے والد حضیر کتائب تھے۔ اور خزرج کے سپہ سالار عمرو بن نعمان بیاضی تھے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے ساتھیوں سمیت خزرج سے الگ ہو گیا۔ علیٰ ہذا قبیلہ بنو حارثہ بن

حارث اوس سے الگ ہو گیا۔ جب ہر دو قبائل آمنے سامنے صف آرا ہوئے تو ان میں شدید معرکہ برپا ہوا اور سب بہادری سے لڑے۔ پھر اوس ہتھیاروں سے خالی ہو گئے اور شکست کھا کر عریض کی سمت بھاگنے لگے۔ جب حضیر نے ان کی شکست دیکھی تو اس نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اپنے پیر کو اپنے ہی نیزے کی نوک سے زخمی کر دیا اور آواز لگائی واحسرتا! میرے پیر اونٹ کے پیروں کی طرح تلوار سے کاٹ دیئے گئے۔ اللہ کی قسم! مجھے میدان جنگ سے قتل کیے بغیر نہ جانے دیا جائے گا۔ پس اے گروہ اوس! اگر تم مجھے بچانا چاہتے ہو تو بچا لو۔ یہ آواز سن کر سب اس کی طرف پلٹ پڑے اور بنو عبدالاشہل کے دو نوجوانوں نے جو خلیفہ کے فرزند محمود و یزید نامی تھے حضیر کی طرف سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ دونوں قتل ہو گئے۔ ادھر ایک تیر خزرج کے سردار عمرو بن نعمان بیاضی کو آ کر لگا، نامعلوم وہ کس نے پھینکا تھا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔

بعاث کے قریب ہی عبداللہ بن ابی بن سلول اپنی سواری پر تجسس حالاتِ جنگ کی غرض سے ادھر ادھر گھوم رہا تھا کہ اس کے سامنے سے عمرو بن نعمان کی نعش گزری جسے چار آدمی ایک چادر میں لپیٹے لئے جا رہے تھے۔ جب ابن سلول نے اسے دیکھا تو کہا کہ جنگ کا مزہ چکھو۔ اس جنگ میں خزرج کو شکست ہوئی اور اوس نے اس قبیلہ کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر کسی نے پکار کر کہا۔ اے جماعت اوس! اپنے بھائیوں سے بھلائی سے پیش آؤ اور انھیں تہ تیغ نہ کرو۔ کیونکہ ان کا پڑوس ثعلبیوں کے پڑوس سے بہتر ہے۔ یہ سن کر اس نے ہاتھ روک لیا اور انھوں نے انھیں لوٹا بھی نہیں البتہ بنو قریظہ اور بنو نضیر نے لوٹا۔ پھر اوس نے حضیر کو زخمی حالت میں سوار کرایا۔ جس کے بعد وہ مر گئے۔ اور اوس نے اس جنگ میں خزرج کے گھروں اور باغوں کو آگ لگا دی۔ پھر سعد بن معاذ اشہلی نے بنو سلمہ کے اموال، ان کے باغات اور ان کے گھروں کو بچا لیا۔ یہ اس احسان کے بدلے میں کیا جو بنو سلمہ نے ان کے ساتھ رعل کے معاملہ میں کیا تھا اور آج کے دن زبیر بن ایاس بن باطا نے ثابت بن قیس بن شماس خزرجی کو عذاب سے نجات دلائی۔ اس طرح کہ اسے پکڑ کر اس کی پیشانی کے بال کاٹ دیئے اور اسے چھوڑ دیا۔ اور یہ وہی احسان تھا جس کا بدلہ ثابت نے اسلام لانے کے بعد یوم بنی قریظہ میں دیا تھا۔

خلاصہ

خزرج اور اوس کی تاریخ سے ہم پر واضح ہو گیا کہ یہ دونوں حارثہ بن عنقا بن عمرو مزیقیا کے

بیٹے تھے جو اہل سبا کے سیل عرم کی وجہ سے منتشر ہو جانے کے بعد یمن سے باہر نکل گیا تھا۔ اور یہ سیلاب بے حقیقت افسانہ نہ تھا۔ بلکہ یہ کئی مرتبہ آیا اور اس نے بند کو توڑ کر متصلہ شہروں کو غرقاب کر دیا تھا۔

دوم یہ کہ اوس و خزرج ایک زمانہ تک یہود کے ساتھ آباد رہے جو بنجر و ناقابل کاشت اراضی کو قابلِ کاشت بنا کر ان میں کھیتی کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ انتہائی تنگدست تھے۔ جبکہ یہودی متمول تھے پھر ان میں اور یہودیوں میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ وہ اسی قسم کے جھگڑے تھے جیسے کہ آخری دور میں کسانوں یا مزدوروں اور اہلِ دوَل کے درمیان پیش آرہے ہیں۔

سوم یہ کہ اوس و خزرج کے درمیان باہمی جنگیں برپا ہوئیں جن میں کبھی خزرج کی فتح ہوئی کبھی اوس کی۔ زیادہ تر کامیابی خزرج کو ہوتی رہی۔ آخری دور میں بنو قریظہ اور بنو نضیر نے خزرج کے مقابلہ میں اوس سے دوستی کا سمجھوتہ کر لیا اور قبیلہ بنو قینقاع خزرج سے مل گیا۔ علاوہ ازیں دو برابر قبیلوں کے درمیان ان خونریز جنگوں کا سبب جہاں تک ہمیں تاریخی شواہد سے معلوم ہوا ہے صرف شخصی رنجشیں تھیں جن کی تلافی ممکن تھی لیکن ان میں دشمنی بڑھتی چلی گئی۔ کیونکہ بدلہ لینا عربوں کی طبیعت میں داخل ہے۔ نبی کریمؐ کی مدینہ کی طرف ہجرت سے قبل اوس و خزرج کے درمیان عداوت اپنے منتہا کو پہنچ گئی تھی ان میں آخری جنگ یوم بعاث پر ہوئی تھی جس میں خزرج کو شکست ہوئی۔ یہ واقعہ تقریباً سنہ ۶۱۶ء میں پیش آیا۔ جب یہ قبیلے جنگوں سے عاجز آ گئے تو انھوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنا بادشاہ بنانے کی تجویز پر اتفاق کر لیا۔ یہ ابن سلول وہی شخص ہے جو اسلام میں رئیس المنافقین کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اوّل خزرج قبیلہ کا سردار تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی قوم قبولِ اسلام پر مُصر ہے تو مجبوراً اس نے بھی بظاہر اسلام قبول کر لیا لیکن بباطن نفاق اور اسلام سے بغض و حسد پر اڑا رہا۔ پس وہ منافقین کا سردار بن گیا۔ منافق اسی کے پاس جمع ہوتے تھے۔ یہ نبی کریمؐ سے حسد کرنے لگا اس لئے کہ آپ ہی اس کی تاجپوشی میں آڑے آئے۔ اس نے اسے وقار کا مسئلہ بنا لیا اور دل میں فتنہ و شر برپا کرنے کا منصوبہ چھپائے رکھا۔ چنانچہ غزوہ مصطلق میں اسی نے یہ نعرہ بلند کیا تھا۔

لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ‌ؕ	جب ہم مدینہ واپس ہوں گے تو ہم میں کا شریف طبقہ ذلیل طبقہ کو نکال باہر کرے گا۔

اس پر اس کے فرزند عبداللہ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ واللہ یارسول اللہؐ! آپ ہی باعزت ہیں۔ اور یہ کلام کہنے والا میرا باپ ہی ذلیل ہے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں خود اسے قتل کر ڈالوں۔ خدا کی قسم! خزرج کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ان میں مجھ سے زیادہ کوئی اور اولاد اپنے باپ سے حُسنِ سلوک کرنے والی نہیں۔ اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ کسی دُوسرے مسلمان کو میرے باپ کو قتل کرنے کا حکم دیں اور وہ انھیں قتل کر دے تو میرا دل یہ گوارہ نہ کرے گا کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو زمین پر زندہ چلتا پھرتا دیکھوں جب تک کہ اُسے قتل نہ کر ڈالوں۔

اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ جب تک تمھارا باپ ظاہری طور پر بھی ہمارے ساتھ رہے گا ہم بھی اس سے اچھا برتاؤ اور نرمی کا معاملہ کرتے رہیں گے۔ تاکہ لوگ باہم یہ چہ میگوئیاں نہ کریں کہ محمدؐ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کروا دیتے ہیں تمھیں اجازت ہے کہ تم اپنے باپ سے حسبِ سابق حسنِ سلوک سے پیش آؤ اور ان کے ساتھ نشست برخاست رکھو۔

جب خدا نے خزرج اور اوس کو اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا تو سب ایک ہی کلمہ پر مُتفق اور باہم متحد ہو گئے اور فریقین میں بھائی چارہ کا رابطہ قائم ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے ہر دو کو ملا کر ان کا ایک نام اور ایک لقب "انصار" رکھ دیا۔ کیونکہ ان قبیلوں نے ہی ابتداءً آپ کی مدد کی تھی۔ اسلام کے جھنڈے تلے دونوں ناموں کی وحدت کا لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر پڑا۔ کیونکہ اس طرح باہمی لڑائی جھگڑے ختم ہو گئے۔ دل صاف ہو گئے اور سب کی غایتِ حیات ایک، سب کا نظریہ و اصُول ایک ہو گیا۔ اور وہ تھا اسلام کی نشر و اشاعت۔

دائرۃُ المعارف اسلامیہ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) میں "انصار" کے مادہ کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ گویا حضرت محمدؐ نے کلمۂ انصار اور کلمہ نصاریٰ کے درمیان جو عیسائیوں کے لئے بولا جاتا تھا۔ باہم تطبیق و تشبیہ دینی چاہی تھی۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے۔ کیونکہ "انصار" کا کلمہ "نصیر" کی جمع ہے۔ اس کے برعکس "نصاریٰ" شام کے ایک گاؤں کی طرف منسوب ہے جس کا نام "ناصرہ" یا "نصران" تھا۔

اس کے علاوہ خزرج و اوس کا نام انصار رکھنے کی وجہ معروف و مشہور ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے آنحضرتؐ کی مدد کی تھی۔ نیز آنحضرتؐ کی ذاتِ اقدس کسی تشبّہ اور تقلید سے بالاتر تھی۔

شہر یثرب کا بیان

اسلام کے بعد یثرب کا نام مدینہ رکھا گیا جو مدینۂ رسول اللہؐ ہے۔ یہ ان تمام دیہات و قصبات پر مشتمل ہے جو وہاں کی مُسطّح زرخیز زمین پر واقع ہیں۔ اس شہر اور مکّہ کے درمیان دو سو میل کا فاصلہ ہے اور اور یہ مکّہ کے شمال میں واقع ہے۔

یاقوت کی کتاب معجم البلدان میں مذکور ہے کہ مدینہ منوّرہ کے انتیس نام ہیں۔ پھر انھیں گنوایا ہے علیٰ ہذا مجد شیرازی لغوی نے اس کے تیس کے قریب نام بتائے ہیں اور سمہودی نے کتاب "وفاء الوفا" میں چورانوے نام بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ناموں کی کثرت مسمّیٰ کے عزّ و شرف کی دلیل ہے۔ اور ابن زبالہ نے نقل کیا ہے کہ عبدالعزیز بن محمدؒ دراوردی نے کہا ہے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ توراۃ میں مدینہ کے چالیس نام بیان کئے گئے ہیں۔

پس اس کے بہت سے ناموں کے منجملہ اثرب اور یثرب ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ	اور جب ان (منافقین) کے ایک گروہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا
يَاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ	کہ اے یثرب (مدینہ) والو! یہاں سے لوٹ چلو کہ تمھارے یہاں
فَارْجِعُوْا	ٹھیرنے کا موقع محل نہیں ہے۔

اور اس کا نام بلد بھی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○	میں اس بلد (شہر) کی قسم کھاتا ہوں۔

اس کے بعض نام یہ ہیں :۔ دارِ ہجرت، دارِ سنّت۔ طیبہ۔ طابہ۔ قریۂ انصار۔ مدینۂ رسولؐ۔ آرام گاہِ رسولؐ۔ اکّالۃ بُلدان۔ مبارکہ۔ سکینہ۔ عذرا۔ بارہ۔ فاضحہ۔

مدینہ منوّرہ کا رقبہ مکّہ معظّمہ کے نصف رقبہ کے برابر ہے۔ یہاں کی زمین شور اور پتھریلی ہے۔ اس میں کھجور کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔ پانی کے کنوئیں کافی ہیں۔ یہاں کھجور کے باغات و کھیتیاں کنوؤں سے سیراب کی جاتی ہیں جن پر خادم مقرر ہیں۔ مدینہ منوّرہ چار دیواری سے محصور ہے۔ اس کے وسط میں مسجد نبوی اور مسجد کے مشرقی جانب قبرِ مبارک واقع ہے۔

روضۂ اقدس ایک بلند عمارت ہے اور اس کے اور مسجد نبوی کی چھت کے درمیان صرف تھوڑی سی

کشادگی ہے۔ روضۂ اقدس ہر طرف سے بند ہے۔ جس میں کوئی دروازہ نہیں۔ اس میں آنحضرتؐ، حضرت ابُوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبریں واقع ہیں۔

اور وہ منبرِ مبارک جس پر کھڑے ہو کر آنحضرتؐ خطبہ دیا کرتے تھے، ایک دوسرے منبر سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ منبر کے سامنے منبر اور قبرِ مبارک کے درمیان میں روضۂ جنّت واقع ہے۔

اور آپ کی عیدگاہ جس میں آپ عیدین کی نمازیں ادا فرمایا کرتے تھے۔ مدینہ کے مغربی سمت باب الداخلہ کے قریب واقع ہے۔

اور بقیع الغرقد مدینہ کے مشرقی جانب شہر سے باہر ایک قبرستان ہے جو مدینہ والوں کی اکثر میتوں کا مدفن ہے۔

قُبَاء۔ مدینہ منوّرہ سے باہر قبلہ کی سمت تقریبًا دو میل پر واقع ہے جو ایک دیہات سا ہے۔

اُحد۔ مدینہ کے شمالی سمت ایک پہاڑ ہے۔ یہ پہاڑ مدینہ کے سب سے قریب دو فرسخؔ پر واقع ہے۔ اس کے قریب اہلِ مدینہ کی کھیتیاں اور کھجور کے باغات اور املاک واقع ہیں۔

وادیٔ عقیق۔ مدینہ اور فُرع کے درمیان واقع ہے۔

فُرع۔ مدینہ کے جنوبی سمت وہاں سے چار دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اس میں ایک جامع مسجد ہے۔ بجز اس کے کہ ان املاک کا اکثر حصہ ویران ہے۔ علیٰ ہذا مدینہ کے اطراف میں بہت سی املاک ہیں مگر وہ بھی اکثر ویران ہیں۔ ان اطراف کا سب سے میٹھا پانی عقیق کے کنوؤں کا ہے۔

آنحضرتؐ نے مدینہ کے ہر سمت بارہ بارہ میل تک درختوں کا کاٹنا حرام قرار دے دیا۔ البتہ پتلی سُوکھی ہوئی شاخوں اور زمینی پیداوار کے کاٹنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اور لکڑی مار کر درخت کے ہرے پتے جھاڑنے سے منع فرمایا۔ نیز درخت کو کاٹنے اور اس کی ٹہنیوں کو جُھکا کر توڑنے سے بھی منع فرمایا۔ اس وقت مدینہ سرسبز و شاداب اور پیداواری شہر نہ تھا۔ بلکہ اس میں تھوڑے سے کھجوروں کے درخت اور مویشی تھے۔

مدینہ کے خصائص کے منجملہ یہ ہے کہ اس کی ہوا میں مہک ہے اور وہاں کے عطر میں غیر معمولی خوشبو ہوتی ہے جو دوسرے شہروں میں نہیں پائی جاتی۔

وہاں کی صیحانی نامی کھجور بہت عمدہ ہوتی ہے۔ اس جیسی کھجور کسی اور شہر میں نہیں پائی جاتی۔ وہاں لُوبان

مـ۱ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے م

کے دانے بھی ہوتے ہیں اور وہیں سے دُوسرے تمام شہروں میں بھیجے جاتے ہیں۔ وہاں کا پہاڑ اُحد ہے جس کی فضیلت میں آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہے :۔

"اُحد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبّت رکھتا ہے اور ہم بھی اسے محبُوب رکھتے ہیں اور وہ جنّت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر واقع ہے۔"

اور اُحد کے پتّھر نقش ونگار اور کتبوں کے کام میں آتے ہیں۔

فاصلے۔ مدینہ سے مکّہ کا فاصلہ دس مرحلہ[1] ہے۔

اور کوفہ سے مدینہ کا فاصلہ بیس مرحلہ ہے۔

بصرہ سے مدینہ کا فاصلہ تقریبًا اٹھارہ مرحلہ ہے اور یہ راستہ معدنِ نقرہ کے قریب کوفہ کے راستہ سے مل جاتا ہے۔

اور رقّہ سے مدینہ تک کا فاصلہ تقریبًا بیس مرحلہ ہے اور بحرین سے مدینہ تک ساحلی راستہ سے بھی یہی فاصلہ ہے۔

جب آنحضرتؐ مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو آپ نے وہاں کے لوگوں کو ناپ تول میں بہت خبیث پایا۔ اس پر حق تعالیٰ نے سورہٗ "وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ"[2] نازل فرمائی۔

اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے ناپ واوزان درست کر لئے۔

مُہاجرین کا مدینہ کے بخار میں مُبتلا ہو جانا

سردارانِ قریش نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت سے روکنے کی بہت تدابیر کیں لیکن مسلمان چند ہی ہفتوں میں مکّہ سے ہجرت کر گئے۔ مہاجرین مکّہ کی خشک آب و ہوا کے عادی تھے۔ جب یہ مدینہ منوّرہ پہنچے تو ان میں سے اکثر بخار میں مُبتلا ہو گئے۔ یہ بخار انفلوئنزا یا ملیریا کی قسم کا تھا۔ کیونکہ مدینہ کا موسم گرما مرطوب اور موسم سرما بہت سرد تھا اور بارش تقریبًا ہمیشہ رہتی تھی۔

حضرت عائشہ رضؓ نے بیان فرمایا ہے کہ جب آنحضرتؐ مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو وہ پہلی زمین

---

[1] ایک مرحلہ بیس میل کا ہوتا ہے۔ م [2] ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے کہ جب لوگوں سے ناپ کر کچھ لیں تو پُورا لیں اور جب انھیں ناپ تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ م

تھی جہاں آنحضرتؐ کے صحابہ مصائب و بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ صرف آنحضرتؐ محفوظ رہے۔ باقی حضرت ابوبکرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ وغیرہم سب کو بخار آ گیا پس حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ سے شدتِ بخار کی بنا پر ان حضرات کی عیادت کو جانے کی اجازت چاہی۔ اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔

چنانچہ وہ اجازت پا کر ان کے پاس پہنچیں یہ سب حضرات ایک ہی مکان میں مقیم تھے انھوں نے دیکھا کہ یہ حضرات بخار کی شدت سے ہذیان میں مبتلا ہیں۔ انھوں نے آنحضرتؐ کو جا کر اس کی اطلاع دی تو آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا۔ "اے خدا ہمارے دل میں مدینہ کی اتنی ہی محبت ڈال دے جتنی مکہ کی تھی یا اس سے بھی زیادہ۔ اے خدا ہمارے صاع اور مد میں برکت عطا فرما۔ اس شہر کو ہمارے لئے صحت و توانائی کا شہر بنا دے اور یہاں کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرما دے۔" حق تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرما لی اور وہاں کی آب و ہوا، وہاں کی سرزمین، وہاں کی رہائش اور وہاں کی معاشرت کو بہتر بنا دیا۔

حضرت ابوبکرؓ بخار کی حالت میں یہ شعر پڑھتے تھے:۔

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ ۔۔۔ وَالْمَوْتُ أَدْنَىٰ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

ہر شخص اپنے متعلقین میں بود و باش رکھتا ہے مگر موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ اس سے قریب ہوتی ہے۔

یہ حنظلہ بن سیلو کا شعر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا اپنا شعر نہیں۔

مدینہ کے اطراف میں کنوئیں اور تالاب تھے۔ اس لئے یہ بخار ملیریا تھا۔ یہاں تک کہ وہاں کا پانی پی کر اونٹ تک بیمار ہو جاتے تھے۔ قریش یثرب والوں پر بخار کے ابتلا اور یہود کے ان پر تسلط کا طعنہ دیتے تھے۔ اس بخار کو ام ملدم کہا جاتا تھا۔

آنحضرتؐ نے زید خیل سے جو قبیلہ طے اور اسلم کے وفد کے ہمراہ حاضر خدمت ہوا تھا، فرمایا تھا۔ "اے زید! تجھے ام ملدم ہلاک کر ڈالے۔" اس سے آپ کی مراد بخار تھا۔ چنانچہ زید کو واپسی میں راستہ میں ہی بخار چڑھا اور وہ اسی سے مر گیا۔

○

جحفہ رابغ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ وہاں اس زمانہ میں یہودی آباد تھے۔

مسجد رسول اللہؐ

حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں آپ کی مسجد تعمیر کی گئی تھی جس کی چھت کھجور کی شاخوں کی اور ستون کھجور کے درخت کے تنے کے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس میں کچھ اضافہ نہیں فرمایا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس میں اضافہ فرمایا اور اس کی سابق بنیادوں پر ہی اس کی تعمیر جدید کرائی۔ پھر حضرت عثمانؓ نے سابق تعمیر کو بدل دیا اور اسے منقش پتھروں اور چاندی کے پتروں سے تعمیر کرایا اور اس کے ستون نقشیں پتھروں کے بنوائے۔ اس کی چھت ساگوان لکڑی کی بنوائی اور مسجد کے رقبہ میں بھی مزید اضافہ فرمایا۔

صحیح بخاری میں تعمیر مسجد کے ذکر میں روایت منقول ہے۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ: "ہم ایک ایک اینٹ اٹھا کر لاتے تھے۔ اور حضرت عمار بن یاسرؓ دو دو اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے جب انھیں دیکھا تو ان پر سے گرد جھاڑتے ہوئے یہ فرمایا۔ "عمار پر حسرت ہے کہ ایک باغی گروہ انھیں شہید کرے گا۔"

امام بیہقی نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں آنحضرتؐ کے مولیٰ حضرت سفینہؓ سے روایت نقل کی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ جب آنحضرتؐ نے مسجد کی تعمیر کا آغاز فرمایا تو پہلے خود سنگِ بنیاد رکھا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ میرے پتھر کے برابر اپنا پتھر رکھیں۔ پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پتھر کے برابر اپنا پتھر رکھیں۔ پھر حضرت عثمانؓ کو فرمایا کہ وہ حضرت عمرؓ کے برابر اپنا پتھر رکھیں پھر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ یہ حضرات میرے بعد میرے خلیفہ ہونگے۔

حضرت مکحولؓ نے فرمایا ہے کہ جب آنحضرتؐ کے صحابہ زیادہ ہو گئے تو انھوں نے عرض کیا کہ ہمارے لئے ایک مسجد تعمیر کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ لکڑیاں اور خشک شاخیں جمع کر کے میرے بھائی حضرت موسیٰ صلوات اللہ علیہ کے جھونپڑے جیسا ایک جھونپڑا بنالو۔ کیونکہ موت اس سے بھی پہلے تیار کھڑی ہے۔

رزین نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے مزید یہ بیان کیا ہے کہ اس کے فوراً بعد صحابہؓ اینٹیں اور دیگر تعمیری سامان لانے لگے اور آنحضرتؐ بھی بنفسِ نفیس ان کے ساتھ اینٹیں ڈھونے لگے۔

مسجد تعمیر کرنے والوں نے مسجد کا طول قبلہ کی سمت پیچھے تک سو گز رکھا اور قبلہ بیت المقدس کی سمت رکھا۔ مسجد کے تین دروازے تعمیر کئے۔ ایک پچھلا دروازہ جو آج قبلہ کی سمت واقع ہے۔ ایک باب

عاتکہ جسے بابُ الرحمہ کہا جاتا ہے اور وہ دروازہ جس سے آنحضرتؐ مسجد شریف میں داخل ہُوا کرتے تھے آج کل وہ باب آلِ عثمان سے موسُوم ہے۔

قبلہ کی تبدیلی کے بعد یہ دونوں دروازے نہیں بدلے گئے۔ جب قبلہ تبدیل ہُوا تو آنحضرتؐ نے پچھلا دروازہ بند فرما دیا اور اس دروازہ کو کھول دیا جو مسدُود کردہ دروازہ کے بالمقابل واقع ہے۔

جب آنحضرتؐ نے اپنی مسجد تعمیر فرمالی تو اپنی دو ازواج حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کے لئے بھی دو حجرے مسجد کی تعمیر کے طرز پر اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے تعمیر کرائے۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا دروازہ ایک پٹ کا تھا جو سرو یا ساگوان کا بنا ہُوا تھا۔ جب آنحضرتؐ نے دوسری ازواج سے عقد فرمایا تو ان کے لئے بھی مختلف اوقات میں مجمُوعی طور پر نو حجرے تعمیر کرائے۔ ازواجِ مُطہرات کے حجرے مسجد میں داخل نہ تھے بلکہ ان کے دروازے مسجد میں کُھلتے تھے۔

ابتداءً آنحضرتؐ کھجُور کے درخت کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر خُطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ پھر ایک انصاری خاتون یا مرد نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لئے منبر نہ بنا دیں؟ آپ نے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو مسجد کے لئے منبر بنا سکتے ہو جب منبر تیار ہو گیا او آنحضرتؐ اس درخت کو چھوڑ کر منبر پر تشریف فرما ہُوئے تو وہ درخت رونے لگا اور اُونٹ کی بلبلاہٹ کی طرح اس کی آواز سُنائی دینے لگی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا اس لکڑی کے رونے پر تمھیں کچھ تعجب نہیں ہُوا؟ تب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے اس کے رونے کی آواز سُنی تو ان پر بھی رقت طاری ہوگئی اور وہ بھی رونے لگے۔ پھر آنحضرتؐ نے منبر سے اُتر کر اس درخت کو اپنے سینہ سے لگایا۔ تب وہ خاموش ہُوا۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ آنحضرتؐ پہلے کھجُور کے خشک درخت سے ٹیک لگا کر خُطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر تیار ہو گیا تو آپ اس پر تشریف فرما ہو گئے۔ اس پر اس درخت سے رونے کی آواز بلند ہوئی تو آپ نے اس پر اپنا دستِ شفقت پھیر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ خشک درخت کا رونا آنحضرتؐ کے مُعجزات میں سے ہے اور یہ روایت مشہُور ہے جسے دسیوں صحابہ نے روایت کیا ہے۔ یہ منبر جھاؤ کے درخت کی لکڑی سے تیار کیا گیا تھا۔ جس میں ایک بیٹھنے کی جگہ اور دو درجے اور تھے۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنی کتاب رحلہ ابنِ بطوطہ میں اس درخت کا واقعہ اس طرح بیان کیا

ہے کہ ہم حرم شریف میں داخل ہوئے اور مسجدِ نبویؐ تک پہنچے۔ اوّلاً ہم نے بابُ السلام پر رُک کر سلام عرض کیا۔ پھر روضۂ اقدس کے پاس قبر مبارک اور منبر شریف کے درمیان نماز ادا کی اور ہم نے اس درخت کے باقی ماندہ ٹکڑے کو بوسہ دیا۔ جو آنحضرتؐ کی جدائی پر رویا تھا۔ وہ قبلہ کی سمت قبر و منبر شریف کے درمیانی ستون سے ملا ہوا تھا۔ پھر قبر مبارک کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اوّلاً آنحضرتؐ مسجد مبارک میں ایک خشک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ کے لیئے منبر بنا دیا گیا اور آپ اس پر تشریف لے گئے تو یہ خشک درخت اس طرح بلبلا کر رویا جس طرح اونٹنی اپنے بچہ کے لئے بلبلاتی ہے۔ روایت ہے کہ اس پر آنحضرتؐ منبر سے اُتر کر اس کے پاس تشریف لائے اور اسے اپنے سے چمٹا لیا۔ تب وہ خاموش ہوا۔ آنحضرتؐ نے اس وقت فرمایا کہ اگر میں اُسے نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک اسی طرح روتا رہتا۔

منبر کس نے بنایا؟ اس میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ تمیم داریؓ نے بنایا تھا۔ دُوسری روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ کے ایک غلام نے بنایا تھا۔ ایک روایت کہ ایک انصاری خاتُون کے غلام نے بنایا تھا۔ یہ روایت صحیح حدیث میں وارد ہے۔ یہ منبر جنگلی جھاڑ اور بقول بعض جھاؤ کے درخت کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ اس کے تین درجے تھے۔ آنحضرتؐ سب سے اُوپر کے حصّہ پر تشریف رکھتے تھے اور اپنے پائے مُبارک درمیانی درجہ پر رکھتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو درمیانی درجہ پر بیٹھتے تھے اور پہلے درجہ پر اپنے پیر رکھتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو پہلے درجے پر بیٹھتے اور اپنے پیر زمین پر رکھتے تھے۔ پھر حضرت عثمانؓ اپنے خلافت کے شروع زمانہ میں حضرت عمرؓ جیسا ہی عمل کیا۔ پھر آپ سب سے اُوپر تیسرے درجہ پر تشریف رکھنے لگے۔ جب حضرت معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے منبر شریف کو ملک شام لے جانا چاہا۔ لیکن اس پر مسلمان مشتعل ہو کر اس کے خلاف آوازیں بلند کرنے لگے۔ جب حضرت معاویہؓ نے یہ حال دیکھا تو اسے اسی جگہ رہنے دیا اور نیچے کی طرف اس میں چھ درجے اور بڑھا دیئے۔ اس طرح وہ مجمُوعی طور پر نو درجوں کا ہو گیا۔

جب سنہ ۱۶۱ھ میں خلیفہ مہدی بن منصور عباسی نے حج ادا کیا تو ارادہ کیا کہ منبر کو (اضافہ معاویہ سے قبل) اس کی سابق حالت پر لوٹا دے لیکن امام مالکؒ نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ اسے اپنے حال پر رہنے

رہنے دیا جائے۔ ورنہ فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اس پر اس نے اسے ویسا ہی رہنے دیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے جو نچلا منبر بنا کر نبی کریمؐ کے منبر کو اس پر اونچا کر دیا تھا۔ وہ مرورِ زمانہ سے بوسیدہ ہو گیا تھا۔ پھر کسی عباسی خلیفہ نے اسے از سر نو بنوایا اور تبرکاً نبی کریمؐ کے منبر کی لکڑیوں کی کنگھیاں بنوا لیں۔ پھر مستعصم باللہ کے زمانہ میں جب مسجد اقدس میں ماہِ رمضان سنہ ۶۵۶ھ کی چاند رات کو آگ لگ گئی تھی تو یہ منبر بھی جل گیا تھا اور مستعصم تاتاریوں سے جنگ میں مصروف رہنے کی وجہ سے اسے بنوا نہ سکا تھا تو یمن کے حاکم مظفر نے سنہ ۶۵۶ھ میں یمن سے ایک منبر تیار کرا کر مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ جو نبی کریمؐ کے منبر کی جگہ رکھ دیا گیا جو سنہ ۶۶۶ھ تک باقی رہا۔

○

آنحضرتؐ کا حضرت عائشہؓ سے عقد فرمانے کا بیان

حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام اُمِّ رومان بنت عامر بن عویمرؓ ہے۔ ان کی ولادت ہجرت سے آٹھ یا نو سال قبل (۶۱۳-۶۱۴ء میں) ہوئی۔ یہ بچپن میں مشرف باسلام ہوگئیں۔ آنحضرتؐ نے آپ سے ہجرت سے قبل شوّال کے مہینہ میں مکہ مکرمہ میں عقد فرمایا تھا۔ پھر مدینہ منورہ میں ہجرت کے آٹھ ماہ بعد شوال کے مہینے میں حضرت ابوبکرؓ کے مکان واقع محلہ سنح میں آپ کی تقریب زفاف ہوئی۔ آپ کا مہر چار سو درہم تھا۔ آپ آنحضرتؐ کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ آپ کی کنیت اُمِّ عبداللہ تھی جو ان کی ہمشیرہ اسماءؓ کے فرزند کی نسبت سے اُمِّ عبداللہ بن زبیر رکھی گئی تھی۔ اس لئے کہ حضرت عبداللہ آپ کو ماں کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ کی گود میں ہی ان کی پرورش ہوئی تھی۔ آپ نے آنحضرتؐ سے ہزار سے زیادہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ تمام عورتوں میں سب سے زیادہ عقلمند تھیں۔ آپ فصیح البیان اور صحیح عربی زبان بولنے والی تھیں آپ کو بہت سے قصائد یاد تھے۔ آپ نہایت کریم النفس و سخی تھیں۔ اپنے پاس کچھ جمع نہ رکھتی تھیں۔ (سب تقسیم کر دیتی تھیں) اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ احادیث کی حافظ تھیں۔ آپ سے مرد و زن بہت سے راویوں نے احادیث روایت کی ہیں بعض مؤرخین نے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے پاس قرآن کریم کا ایک مکمّل نسخہ موجود تھا۔

آنحضرتؐ کے وصال کے وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ آنحضرتؐ نے آپ کے سوا کسی اور کنواری خاتون سے عقد نہیں فرمایا۔ آنحضرتؐ کا وصال اس طرح ہوا کہ آنحضرتؐ کا سر مبارک آپ کی گود میں تھا۔ آنحضرتؐ کی تدفین آپ کے حجرہ شریف میں عمل میں آئی آپ نے ۱۷ رمضان شب سہ شنبہ ۶۷ھ (م ۱۳ جولائی ۶۷۸ء) کو تقریباً سرسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جنت البقیع میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ شب کے وقت آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ یہ حضرت معاویہ کے دورِ خلافت میں مروان بن حکم کے مدینہ کی گورنری کا زمانہ تھا۔ اس سال مروان عمرہ ادا کرنے گیا تو اپنی جگہ حضرت ابوہریرہؓ کو قائم مقام گورنر بنا گیا تھا۔

قاسم بن محمدؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ مجھے دُوسری ازواجِ مُطہّرات پر درج ذیل باتوں میں افضلیّت حاصل رہی :-

① آنحضرتؐ نے میرے سوا کسی اور کنواری خاتُون سے شادی نہیں کی۔
② میرے ماں اور باپ ہر دو کو ہجرت کا شرف حاصل ہُوا۔
③ حضرت جبریل علیہ السّلام ریشمی لباس میں میری صُورت میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
④ حضرت جبریلؑ نے آپ کو مجھ سے عقد کا حکم دیا۔
⑤ میں اور آنحضرتؐ ایک برتن میں غُسل کرتے تھے۔
⑥ حضرت جبریلؑ آنحضرتؐ پر ایسے وقت وحی لے کر آتے تھے کہ میں آپ کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتی تھی۔
⑦ مجھ سے آنحضرتؐ نے ماہِ شوّال میں عقد فرمایا اور اسی ماہ میں زفاف فرمایا۔
⑧ آنحضرتؐ کا وصال میرے دل اور سینے کے درمیان ہُوا۔
⑨ حق تعالیٰ نے آسمان سے میری برأت نازل فرمائی۔
⑩ آنحضرتؐ میرے حُجرہ ہی میں دفن کئے گئے۔

یہ وہ فضائل ہیں جن میں کوئی دُوسرا میرا ہم پلّہ نہیں ہُوا۔

○

بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کا حکم

جو ہجرت کے اٹھارھویں ماہ ۱۵ شعبان (م نومبر ۶۲۳ء) کو دیا گیا

آنحضرتؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے کے بعد سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا فرمائی۔ مگر آپ کی دلی آرزو یہ تھی کہ آپ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کیا کریں۔ کیونکہ آپ کو یہ خبر پہنچی تھی کہ یہود یہ کہتے ہیں کہ محمدؐ ہماری تو مخالفت کرتے ہیں مگر ہمارے ہی قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے ہیں۔ پس آپ نے فرمایا۔ اے جبریلؑ! میری خواہش ہے کہ حق تعالیٰ یہود کے قبلہ سے میرا رُخ پھیر دے حضرت جبریلؑ نے عرض کیا کہ میں صرف بندہ ہوں۔ آپ خدا سے اس کے لئے دعا کریں آنحضرتؐ جب بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تو ہر نماز میں سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے۔ اور آسمانی حکم کا انتظار فرماتے۔ کیونکہ آسمان ہی دُعاؤں کی قبلہ گاہ ہے۔ چنانچہ آیت ذیل نازل ہوئی:۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا	ہم آپ کے بار بار آسمان کی طرف نظر اُٹھا اُٹھا کر دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔ پس ہم عنقریب آپ کا رُخ اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔ جسے آپ پسند کرتے ہیں۔

پس نماز ہی میں آپ نے کعبہ کی طرف میزاب رحمت کی جانب رُخ پھیر لیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ظہر کے وقت مسجد میں مسلمانوں کو دو رکعتیں پڑھائی تھیں کہ آپ کو نماز ہی میں حکم خداوندی پہنچا کہ آپ مسجد حرام کی طرف رُخ پھیر لیں۔ چنانچہ آپ نماز ہی میں کعبہ کی سمت گھوم گئے اور آپ کے ساتھ ہی دُوسرے مسلمان بھی گھوم گئے۔

ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرتؐ بنو سلمہ میں ام بشر بن براء بن معرور کی ملاقات کو تشریف لے گئے تھے۔ ان خاتون نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا۔ اس اثنا میں ظہر کا وقت ہو گیا اور آپ نے وہیں موجود صحابہ کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ اسی دوران آپ کو حکم ہوا کہ کعبہ کی سمت اپنا رُخ بدل لیں۔ چنانچہ آپ اثنا نماز ہی میں کعبہ کی سمت گھوم گئے اور میزاب کی سمت اپنا رُخ پھیر لیا۔ پس اس مناسبت سے اس مسجد کا نام مسجد قبلتین رکھ دیا گیا۔ یہ واقعہ ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد وسط رجب یوم دوشنبہ کو پیش آیا۔

جمہور کے سوادِ اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ تحویلِ قبلہ کا واقعہ ہجرت کے اٹھارھویں ماہ وسط شعبان میں پیش آیا۔

بخاری شریف میں مذکور ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے بیان کیا کہ آنحضرتؐ پر قرآن نازل ہوا ہے جس میں آپ کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ پس تم بھی اسی طرف اپنا رخ کر لو۔ چنانچہ سب نمازی کعبہ کی سمت گھوم گئے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ	اب تو یہ بے وقوف ضرور ہی یہ کہیں گے کہ مسلمانوں کو کس بات نے اس قبلہ (بیت المقدس) سے پھیر دیا جس کی طرف وہ پہلے رخ کیا کرتے تھے۔ ان سے فرما دیجئے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے لئے ہیں وہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

اس میں یہود و منافقین کا رد ہے جنھیں یہ امر ناگوار گزرا تھا۔

یزید نحوی نے حضرت عکرمہ اور حسن بصریؒ سے روایت کی ہے۔ ان دونوں حضرات نے فرمایا ہے کہ قرآن کا سب سے پہلا حکم جو منسوخ کیا گیا وہ قبلہ کا حکم تھا۔

اذان کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارادہ فرمایا کہ کوئی ایسی تدبیر کی جائے جس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے جمع کیا جا سکے۔ اس سلسلہ میں آپ کے سامنے بوگنے اور اس کے بجانے والوں کا ذکر کیا گیا۔ نیز سنکھ اور اس کے بجانے والوں کا ذکر کیا گیا۔ مگر آپ نے ان ہر دو صورتوں کو ناپسند فرمایا یہاں تک کہ عبداللہ بن زید نامی ایک انصاری کو خواب میں اذان سکھائی گئی اور اسی رات حضرت عمر بن خطابؓ کو بھی خواب میں بتائی گئی۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہے کہ صبح ہوتے ہی میں نے آنحضرتؐ کو اس خواب کی اطلاع دے دی اور ان انصاری نے شب کو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا اور انھوں نے نماز کے لئے بلانے کو اذان دی۔ اور اس دن سے

لوگوں نے اذان یاد کر لی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نے صبح کی اذان میں اپنی طرف سے کلمۂ "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" (نماز نیند سے بہتر ہے) کا اضافہ کر دیا۔ جسے آنحضرتؐ نے باقی رہنے دیا۔ انصاری نے خواب میں جو اذان سُنی تھی اس میں یہ کلمہ نہ تھا۔ آنحضرتؐ کے مدینہ میں دو مُؤذّن خاص تھے۔ حضرت بلالؓ اور حضرت ابن اُمّ مکتومؓ۔ بلالؓ وہ پہلے صحابی ہیں جنھوں نے اسلام میں اذان دی۔ نیز انھوں نے بیتُ المقدس میں جامع عمر بن خطابؓ میں بھی اذان دی ہے اور دمشق میں ان کا وصال ہُوا۔

جب ہجرت کے پہلے سال آنحضرتؐ اپنی مسجد تعمیر فرما چکے۔ تب اذان دی گئی۔ رہا یہ امر کہ خاص اذان ہی کو ایک شخص کے خواب کے ذریعہ مُروّج کیا گیا وحی کے ذریعہ نہیں۔ سو اس میں آنحضرتؐ کی عظمت شان اور آپ کی بلندیٔ ذکر مقصود تھی۔ کیونکہ غیر کی زبان سے آپ کی مدح و عظمت ادا ہو تو اس سے آپ کا ذکرِ خیر زیادہ ارفع و اعلیٰ طور پر ادا ہو گا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس خواب سے پہلے آنحضرتؐ پر اس کے متعلق وحی آ چکی تھی۔

اذان کے لغوی معنی ہیں "بہت زیادہ تشہیر کرنا" اور شرعاً خاص الفاظ کے ذریعہ ایک خاص طریق پر ایک خاص اعلان کو اذان کہا جاتا ہے۔ کسی بلند مقام پر اذان دینا مردوں کے لئے سُنّت مؤکدہ ہے جو پانچوں فرض نمازوں کے لئے ان کے اوقات میں دی جانی چاہیئے اگرچہ فرض نماز قضا ہو۔ فرض نمازوں کے سوا دُوسری نمازوں کے لئے نہ دی جانی چاہیئے۔

آج کل مؤذّن گا گا کر اذان دیتے ہیں۔ مگر یہ طریقہ نہ مسنون ہے نہ مُستحب۔ اسلام میں صرف اس حد تک خوش آوازی مطلوب ہے کہ اس کے الفاظ شرعی حدُود سے تجاوز نہ کریں۔ علاوہ گانے کے انھوں نے کچھ کلمات بھی اپنی طرف سے بڑھائے ہیں جو اذان میں داخل نہیں ہیں۔

○

ماہِ رمضان کے روزوں اور زکوٰۃ کی فرضیّت کا بیان

جب اہلِ عرب نے مہینوں کے نام قدیم لُغت سے عربی میں نقل کئے تو ان کا نام ان موسموں پہ رکھا جس میں وہ مہینے واقع ہُوئے تھے۔ چنانچہ اس وقت رمضانؔ شدید گرمی میں آیا۔ اس لئے اس کا نام رمضان رکھا گیا۔

ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد ماہِ شعبان میں تحویلِ قبلہ کے بعد ماہِ رمضان کے فرض روزوں کے رکھنے کا حکم نازل ہُوا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ — اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے :۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ — جو رمضان کا مہینہ پائے اُسے چاہیئے کہ وہ اس پُورے ماہ کے روزے رکھے۔

پس خدا نے مُقیم اور تندرست پر روزے رکھنا لازمی قرار دیا ہے اور مریض و مسافر کو افطار کی اجازت دی ہے اور ضعیف اور بُوڑھے شخص کو جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کے عوض فقراء و مساکین کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں عاشوراء کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ بھی ان کی مُوافقت میں اس دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ مگر آپ نے اپنے صحابہ کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم نہ دیا تھا۔ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو خود بھی یہ روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی یہ روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ جب رمضان کا مہینہ آیا تو صرف رمضان کے روزے ہی فرض قرار پائے اور عاشُوراء کے روزہ کی پابندی ترک فرمادی۔ اس کے بعد جس نے نفل سمجھ کر چاہا روزہ رکھ لیا۔ جس نے چاہا نہیں رکھا۔

مدینہ کے یہُودی اس دن کا احترام کرتے اور روزہ رکھا کرتے تھے۔ کیونکہ اس دن حق تعالیٰ نے حضرت مُوسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو دریائے نیل میں غرق ہونے سے بچا لیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر ڈالا تھا۔ اس بنا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر گزاری کے طور پر اس دن روزہ رکھا تھا اور اسی بنا پر آنحضرتؐ

---

۱ رمض عربی میں شدید گرمی کو کہا جاتا ہے اس لئے گرمی میں آنے والے ماہ کا نام رمضان رکھ دیا گیا۔ م

نے بھی اس دن روزہ رکھا اور دوسروں کو اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اے یہود! ہم تمہارے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ کی نجات کا یادگاری روزہ رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک روایت میں اَحَقُّ بموسیٰ (زیادہ حقدار) کے بجائے اولیٰ بموسیٰ (زیادہ بہتر و افضل) کا کلمہ آیا ہے۔

یوم عاشورا محرم کی دسویں تاریخ کو کہا جاتا ہے۔

روزہ کا سب سے بڑا رکن روزہ شکن چیزوں سے پرہیز رکھنا ہے۔ اموال کی زکوٰۃ کی فرضیت سے قبل اس سال صرف زکوٰۃ فطر ادا کرنے کا حکم صادر ہوا۔

آنحضرتؐ عید الفطر سے دو یوم قبل خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جس میں عیدگاہ جانے سے قبل صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ میں دس سال تک قیام فرمایا۔ جن میں ہر سال قربانی فرمایا کرتے تھے۔ آپ دو موٹے تازے سینگ والے، سیاہ و سفید رنگ والے دنبے قربانی میں ذبح فرمایا کرتے تھے ایک اپنی امت کی طرف سے، دوسرا اپنی طرف سے۔ پھر آپ خود اور آپ کے اہلِ بیت ان کا گوشت کھاتے اور مساکین و فقرا کو بھی کھلاتے تھے۔

فریضۂ زکوٰۃ کا بیان

زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے جو ہجرت کے دوسرے سال فرض کی گئی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر قائم کی گئی ہے۔ کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا جسے سفر حج کے مصارف مہیا ہوں اس پر حج ادا کرنا۔

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ — اے مسلمانو! زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

نیز ارشاد فرمایا ہے:۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ — اہلِ ثروت کے اموال میں سوال کرنے والے کا بھی حق ہے اور سوال نہ کرنے والے کا بھی۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

تحقیق زکوٰۃ کی ادائی کے یہ مدات ہیں۔ فقراء، مساکین اس کے وصول کنندہ عمال۔ نومسلم جن کی تالیف قلوب مقصود ہو، غلاموں کو آزاد کرانے، قرض خواہوں کی ادائی قرض۔ جہاد فی سبیل اللہ مسافر (جو اثنائے سفر مفلس ہو جائے) یہ زکوٰۃ اللہ کی طرف سے فرض کی گئی ہے اور حق تعالیٰ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے :۔

اَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ۔ اے مسلمانو! اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

زکوٰۃ کی فرضیت انسان کے دل سے دُنیوی محبت کے مرض کا ازالہ کرنے والی اور دولتمندوں کو نافرمانی سے روکنے والی حقیقت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ بے شک کبھی انسان حدآدمیت سے نکل جاتا ہے اس لئے کہ خود کو اپنے ہم جنسوں سے مستغنی پاتا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائی دولت مندوں کے قلوب میں فقراء و مساکین کی محبت پیدا کردیتی ہے جس کی بنا پر ان کے دلوں سے حسد، کینہ اور غیظ و غضب کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔ پھر اگر انسان فاضل دولت کو روکے رکھے تو انسان معطّل و بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے یہ لازم ہے کہ اس کا کچھ حصّہ فقراء پر صرف کرے تاکہ اس کا حال درست ہو سکے اور یہ عمل اسلام کے بہت بڑے محاسن اور نعمتوں میں سے ہے۔

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد :۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً آپ دولتمندوں کے اموال سے زکوٰۃ وصول کیا کریں۔

یہ ثابت کرتا ہے کہ امام وقت کو ہر مال سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔

چنانچہ آنحضرتؐ اور آپ کے دونوں خلفاء لوگوں سے زکوٰۃ وصول فرماتے اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔ حتّٰی کہ جب حضرت عثمانؓ کا دورِ خلافت آیا تو انھوں نے پوشیدہ دولت کی زکوٰۃ کا اس کے مالکوں ہی کو اختیار دے دیا۔ مگر اس سے امام کے طلب زکوٰۃ کا حق ساقط نہیں ہو جاتا۔ اس لئے اگر خلیفہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شہر کے لوگ اپنی اپنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو اسے ان سے اس کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔

اور دولت مندوں کی بڑی جماعت اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتی۔ اس وجہ سے فقراء میں معاشی تنگی اور بے چینی شدید پیدا ہو جاتی ہے اور وہ امراء پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور انھیں قتل کرنے لگتے اور ان کے یہاں چوری کرنے لگتے ہیں۔ اس بنا پر ہم بہتری اسی میں سمجھتے ہیں کہ خود حکومت فرض زکوٰۃ وصول کرے اور فقراء کی معاشی اصلاح کی مدات میں خرچ کرے۔ یہ کہ ان کے رہنے کا ٹھکانہ بنا دے، ان کے خورد و نوش، لباس، علاج اور تعلیم پر صرف کرے، بجائے اس کے کہ انھیں بھوک پیاس، عُریانی و بیماری کے مصائب برداشت کرنے اور جرائم اور جدید اشتراکی نظریات قبول کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دے۔ جو سرمایہ داروں اور فقیروں کے درمیان اختلاف کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔

اس لئے اسلامی حکومتوں پر لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کے نظام کی طرف رجوع کریں اور ان اموال کو محتاجین کے مصالح میں اور امن و امان قائم کرنے میں صرف کریں۔ لیکن اغنیاء کو اموال کی زکوٰۃ ادا کرنے میں ان کی مرضی پر چھوڑ دینا، ادائی زکوٰۃ کو معطل کرنے اور اس کی حکمت و مصلحت کو کالعدم کر دینے کا باعث ہے۔

○

مُہاجرین و انصار کے درمیان مُوَاخاۃ کا بیان

آنحضرتؐ نے اپنی ہجرت سے قبل اپنے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا پس وہ قافلہ در قافلہ نکلے۔ سب سے پہلے جو صحابہ مدینہ پہنچے وہ ابو سلمہ بن عبدالاسد عامر بن ربیعہ اور عبداللہ بن جحش تھے۔

پھر آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ پہنچنے کے پانچ ماہ بعد مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کا رشتہ قائم فرما دیا۔ تاکہ مہاجرین کے قلوب سے پردیس کی وحشت دُور ہو جائے اور اپنے کنبہ و برادری سے جُدائی کا غم زائل ہو جائے اور ان میں سے ہر ایک دُوسرے کا معاون و مددگار بن جائے۔ آنحضرتؐ نے ان میں حق و صداقت اور ہمدردی و غمگساری کی بُنیاد پر بھائی بندی کا رابطہ قائم فرما دیا۔ نیز یہ کہ کسی کے مرنے کے بعد ذوی الارحام کے علاوہ بھی ایک دُوسرے کے وارث بنیں۔ یہ حضرات جن میں یہ رشتہ قائم فرمایا گیا نوّے تھے، پینتالیس مہاجرین اور پینتالیس انصار میں سے تھے۔ ایک روایت ہے کہ مہاجرین ڈیڑھ سو تھے اور انصار پچاس تھے۔ میراث کا یہ حکم غزوہ بدر سے پہلے تھا۔ غزوہ بدر کے بعد حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :-

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى	اور قرابت دار اللہ کی کتاب کے مطابق باہم ایک دُوسرے
بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ	کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں۔ بیشک حق تعالیٰ ہر چیز کو خوب
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝	جانتا ہے۔

اس آیت نے سابق حکم کو منسُوخ کر دیا اور اس کے بعد میراث کی حد تک بھائی چارہ کا تعلق مُنقطع ہو گیا اور میراث میں ہر شخص اپنے نسبی رشتہ تک محدود ہو گیا اور صرف اس کے ذوی الارحام ہی اس کے وارث قرار پائے۔

ہم یہاں بعض ان حضرات کا ذکر کرتے ہیں جن کے درمیان آنحضرتؐ نے بھائی چارہ کا رشتہ قائم فرمایا تھا۔ آپ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا۔ یہ میرے بھائی ہیں۔ دُوسرے بھائی چارہ والے حضرات کے نام یہ ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیر انصاریؓ حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ

۱؎ مواخاۃ کے معنی ہیں باہم بھائی چارہ کا رشتہ۔ م

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت معاذ بن جبل انصاریؓ — حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ اور حضرت زید بن حارثہ انصاریؓ

〃 ابو عبیدہ بن جراحؓ 〃 〃 سعد بن معاذؓ 〃 ، 〃 عبد الرحمن بن عوفؓ 〃 ، 〃 سعد بن ربیعؓ 〃
〃 زبیر بن عوامؓ 〃 〃 سلمہ بن سلامہؓ 〃 ، 〃 طلحہ بن عبید اللہؓ ، 〃 کعب بن مالکؓ 〃
〃 عثمان بن عفانؓ 〃 〃 اوس بن ثابتؓ 〃 ، 〃 سعید بن زیدؓ 〃 〃 ابی بن کعبؓ 〃
〃 مصعب بن عمیرؓ 〃 〃 ابو ایوبؓ 〃 ، 〃 ابو حذیفہ بن عتبہؓ ، 〃 عباد بن بشرؓ 〃
〃 عمار بن یاسرؓ 〃 〃 حذیفہ بن یمان عنسیؓ 〃 ، حاطب بن ابی بلتعہؓ 〃 〃 عویم بن ساعدہؓ 〃
〃 سلمان فارسیؓ 〃 〃 ابو الدرداءؓ 〃 ، 〃 ابو ذر غفاریؓ 〃 〃 منذر بن عمروؓ 〃
〃 ابو سبرہ بن ابی رہمؓ 〃 〃 سلامہ بن وقش 〃 ، خباب بن ارتؓ 〃 〃 تمیم مولی خراش بن صمہؓ 〃
〃 صفوان بن وہبؓ 〃 〃 رابع بن عجلانؓ 〃 〃 صہیب بن سنانؓ ، 〃 حارث بن صمہؓ 〃
〃 عبد اللہ بن مخزمہؓ 〃 〃 فروہ بن عمرو بن ورقہؓ 〃 ، مسعود بن ربیعہؓ ، 〃 عبید بن تیہانؓ 〃
〃 معمر بن حارث بن معمرؓ 〃 〃 معاذ بن عفراءؓ 〃 ، واقد بن عبد اللہ بن عبد منافؓ 〃 بشر بن براءؓ 〃
〃 زید بن خطابؓ ، معن بن عدیؓ 〃 ، ارقم بن ابی ارقمؓ 〃 〃 طلحہ بن زیدؓ

مہاجرین نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم نے کوئی قوم جن کے پاس ہم آئے ہوں، انصار کے برابر نہیں دیکھی وہ ہمارے تھوڑے سے کام کا بہت اچھا صلہ دیتے اور زیادہ کام میں بہت غیر معمولی معاوضہ دیتے ہیں۔

انھوں نے ہمارے تمام مصارف و ضروریات کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے اور اپنے کاروبار میں ہمیں حصہ دار بنا لیا ہے۔ ہمیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ ثواب سب کا سب وہی حاصل کر لیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا نہ ہوگا۔ تمہارا ان کی تعریف کرنا اور ان کے حق میں دعا کرنا ان کے تمہارے ساتھ حسنِ سلوک کی کسی قدر تلافی کر دے گا۔ سورۃ مجادلہ میں حق تعالیٰ نے انصار کی یوں مدح بیان فرمائی ہے:۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ	اور صدقات ان انصار کے لئے بھی ہیں جو مہاجرین کی آمد
قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ	سے پہلے دار الاسلام مدینہ کے باشندے تھے اور ایمان پر
وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً	قائم تھے اور وہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے قلبی

مِمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝	تعلق رکھنے لگے اور مہاجرین کو جو کچھ ملا۔ اس سے انھوں نے اپنے قلوب میں کسی قسم کا شک نہیں پایا۔ وہ خود پر تنگی ترشی برداشت کر کے بھی اپنے مہاجر بھائیوں کو (اپنے مال اور مکانات میں) اپنے اوپر ترجیح دینے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کو بخل و حرص سے محفوظ رکھا گیا، وہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے انصار سے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو مہاجرین میں اپنے گھروں اور مالوں کو تقسیم کر دو اور میں اس کے بالعوض جو مالِ غنیمت مہاجرین میں تقسیم کرتا وہ تم میں تقسیم کر دوں گا۔ اور اگر تم پسند کرو تو مہاجرین کو مالِ غنیمت مل جائے اور تمھارے گھر بار مال و دولت تمھارے پاس رہیں۔ انصار نے عرض کیا۔ ایسا نہیں بلکہ ہم مہاجر بھائیوں میں اپنے گھر اور اپنے اموال بھی تقسیم کر دیں گے اور مالِ غنیمت میں بھی ان کے حصہ دار نہ بنیں گے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

الحاصل۔ انصار نے مہاجرین کا غیر معمولی اکرام و احترام کیا۔ تاکہ ان کی ضروریات کی دشواریوں کو رفع کر دیں۔ پس باوجودیکہ وہ ابھی نئے نئے داخل اسلام ہوئے تھے لیکن اپنے مہاجر بھائیوں کی مدد کی خاطر خود اپنی ذات کو اموال سے محروم کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ تاریخ عالم میں ان کی غیر معمولی مدد اور حسنِ اخلاق کی مثال دی جانے لگی۔

○

عبداللہ بن سلام بن حارث اسرائیلی کے اسلام لانے کا واقعہ

جیسا کہ عبداللہ بن سلام کے بعض ماننے والوں نے ان کے متعلق کہا ہے وہ اپنے دین کے علامہ و فاضل شخصیت تھے۔

عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ میں نے جونہی حضرت رسول اللہ ؐ کا ذکر سنا تو آپ کے وصف، آپ کے نام اور آپ کی بعثت کے زمانہ کو پہچان لیا۔ جس کے ہم منتظر تھے۔ اس خبر پر مجھے دلی مسرت تھی لیکن میں خاموش رہا۔ حتّیٰ کہ آنحضرتؐ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ جب آپ مقام قبا میں قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں فروکش ہوئے تو ایک شخص میرے پاس آیا۔ جس نے آنحضرتؐ کی تشریف آوری کی خبر دی۔ میں اس وقت کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کچھ کام کر رہا تھا۔ اور میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ جونہی میں نے آنحضرتؐ کے تشریف لانے کی خبر سنی۔ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جب میری پھوپھی نے میری تکبیر سنی تو کہنے لگیں۔ خدا تجھے نامراد کرے۔ واللہ! اگر تو حضرت موسیٰ بن عمران کی آمد کی خبر بھی سنتا تو اس سے زیادہ نہ کہتا۔ میں نے ان سے کہا۔ اے میری پھوپھی! اللہ کی قسم وہ حضرت موسیٰ بن عمران ہی کے بھائی اور انہی کے دین پر ہیں۔ جس دین کو لے کر حضرت موسیٰ مبعوث ہوئے تھے۔ اسی دین کو لے کر یہ بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ انھوں نے ازراہِ تعجب سوال کیا۔ اے میرے بھتیجے! کیا واقعی یہ وہی نبی ہیں جن کی ہمیں پہلے سے خبر دی گئی ہے کہ وہ اسی زمانہ میں مبعوث ہوں گے؟ میں نے کہا۔ یہ وہی ہیں۔ کہنے لگیں تب تو بیشک یہ وہی نبی ہیں۔ کہتے ہیں۔ پھر میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔ پھر اپنے متعلقین میں واپس آکر انھیں بھی قبول اسلام کی ہدایت کر دی۔ چنانچہ وہ سب اسلام لے آئے۔ مگر میں نے ابھی یہود سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ پھر میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یہودی ایک بہتان طراز قوم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کسی حجرہ میں چھپا دیں۔ پھر یہود سے میرے متعلق دریافت فرمائیں تاکہ وہ میرے قبولِ اسلام کی اطلاع سے قبل اپنے نزدیک میرے مرتبہ کو حضرت سے کھل کر بیان کر دیں۔ کیونکہ اگر انھیں میرے قبولِ اسلام کا علم ہو گیا تو وہ مجھ پر بہتان رکھیں گے اور عیب لگائیں گے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے مجھے اپنے حجرۂ مبارک میں چھپا دیا۔ پھر یہودی حاضر خدمت ہوئے۔ انھوں نے آپ سے گفتگو کی اور کچھ سوالات کئے۔ پھر آنحضرتؐ نے ان سے سوال کیا کہ تم میں حصین بن سلام

کون شخص ہیں؟ سب نے کہا کہ وہ ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے فرزند ہیں۔ وہ ہمارے علّامہ اور فاضل شخصیت ہیں۔ عبداللہ کہتے ہیں جب وہ لوگ اپنی بات سے فارغ ہو چکے تو میں ان کے سامنے نکل آیا اور ان سے کہا۔ اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو اور تمہارے پاس جو پیغام آیا ہے۔ اُسے قبول کر لو۔ اللہ کی قسم تمھیں اس کا بخوبی علم ہے کہ حضرت محمدؐ اللہ کے سچے رسُول ہیں جن کا حال ان کے نام و اوصاف کے ساتھ تم توریت میں لکھا ہُوا پاتے ہو۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسُول ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا، ان کی تصدیق کرتا اور انھیں خوب پہچانتا ہوں۔ اس پر یہود نے کہا۔ تم جھُوٹے ہو۔ پھر وہ مجھ سے اُلجھ پڑے پس میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ اے نبی اللہ! کیا میں نے حضرت کو پہلے ہی اطلاع نہ دے دی تھی کہ یہ لوگ بہتان طراز، بے وفا اور جھُوٹے ہیں؟ کہتے ہیں۔ پھر میں نے اپنے اور اپنے متعلقین کے اسلام لانے کا برملا اعلان کر دیا اور میری پھُوپھی خالدہ بنتِ حارث بھی اسلام لے آئیں اور ان کا اسلامی کردار بہت اچھا رہا۔

کتاب دائرۃ المعارف اسلامیہ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) میں بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہؓ مدینہ کے یہود میں سے تھے۔ ان کا اصلی نام حصین تھا۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو آنحضرتؐ نے ان کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ ۴۳ھ (م ۶۶۳۔۶۶۴ء) میں ان کی وفات ہوئی۔

عبداللہ بن سلام بنو خزرج کے حلیف تھے۔ ان کی کُنیت ابو یُوسف تھی جو ان کے فرزند کے نام سے منسوب تھی۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو قینقاع سے تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا نام حصین تھا۔

ان ہی کی فضیلت میں حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۢ بَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ	بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ایسی ہی بات پر گواہی دی پھر
عَلَىٰ مِثْلِهِۦ فَـَٔامَنَ وَٱسْتَكْبَرْتُمْ	وہ تو ایمان لے آیا اور تم اکڑ گئے (اور ایمان سے محروم رہے)

ان ہی کے متعلق دُوسری یہ آیت بھی نازل ہوئی:۔

قُلْ كَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًۢا بَيْنِى	اے محمدؐ! کفار سے فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان
وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُۥ عِلْمُ	اللہ کا گواہ ہونا کافی شہادت ہے۔ نیز اس شخصیت کی گواہی کافی
ٱلْكِتَٰبِ ۝	ہے جس کے پاس آسمانی کتاب (توریت) کا علم ہے)

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے بیان کیا ہے کہ جب عبداللہ بن سلام کو آنحضرتؐ کی مدینہ تشریف آوری کا علم ہُوا تو وہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ سے تین باتوں

کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں جن کا علم نبی کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہوتا۔

قیامت کی علامتوں میں پہلی علامت کیا ہے۔ اہل جنت کا پہلا کھانا کیا ہوگا؟ بچہ کس بنا پر اپنے باپ کے مشابہ اور کس بنا پر اپنے ننھیال کے مشابہ پیدا ہوتا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے اس کے متعلق کئی مرتبہ اطلاع دی ہے۔ اس پر عبداللہ نے کہا۔ یہ فرشتہ یہود کا دشمن ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ قیامت کی سب سے پہلی علامت وہ آگ ہوگی جو مشرق سے مغرب تک تمام لوگوں کو جلا کر بھسم کر دے گی۔

اہلِ جنت سب سے پہلے جو کھانا کھائیں گے۔ وہ مچھلی کے پیٹ کا بڑھا ہوا ٹکڑا ہوگا۔

رہا اولاد کی مشابہت کا مسئلہ سو مرد و زن کی مباشرت کے وقت اگر مرد کا مادہ پہلے خارج ہو جائے تو اولاد مرد کے مشابہ پیدا ہوگی اور اگر عورت کا مادہ پہلے خارج ہو جائے تو اولاد عورت کے مشابہ پیدا ہوگی۔ یہ سُن کر عبداللہ بول اُٹھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

طبری نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن سلام جمہور کے قول کے مطابق مدینہ منورہ میں ۴۳ھ میں فوت ہوئے۔

○

یہود کی دشمنیاں اور ان کے جھگڑے

مدینہ میں بعض یہودی آنحضرتؐ سے شدید عداوت رکھنے میں مشہور تھے۔ باوجودیکہ ان کے علماء بخوبی جانتے تھے کہ قریبی زمانہ میں ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور وہ توریت کے ذریعہ آپ کے اوصاف بھی پہچانتے تھے۔ آپ کے ان دشمنوں کے منجملہ جو آپ کی عداوت پر کمربستہ رہتے تھے۔ حیی۔ ابو یاسر سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع۔ کعب بن اشرف۔ عبداللہ بن صوریا، ابن صلوبا، مخیریق جو بعد کو اسلام لے آئے اور لبید بن اعصم تھے۔ لبید وہ شخص تھا جسے یہود نے بھڑکا کر اس سے آنحضرتؐ پر جادو کرایا تھا۔ پھر حضرت جبرئیل حاضر ہوئے اور انھوں نے آنحضرتؐ کو اس جادو کی اور اس کی جگہ کی خبر دے دی۔ مگر آنحضرتؐ نے اُسے معاف فرمادیا اور فرمایا کہ مجھے تو خُدا نے جادو کے اثر سے بچالیا۔ اس لئے اب مجھے یہ پسند نہیں کہ میں (جادوگر کو قتل کرا کر) لوگوں میں فتنہ کی آگ بھڑکاؤں۔

انہی اعداء میں مالک بن صلت بھی تھا۔ یہ یہود کا بڑا عالم اور سردار قوم تھا۔ اس نے ایک موقع پر یہاں تک کہہ دیا کہ حق تعالیٰ نے آج تک کسی بشر پر کوئی بھی کلام نہیں اُتارا۔ غور کا مقام ہے کہ اس شخص نے ہمارے پیغمبر اور خود اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتابوں کا انکار کرکے ہمارے پیغمبر سے اپنی شدید عداوت کا اظہار کیا۔ اس پر یہود نے اس سے دریافت کیا کہ یہ تمہارے متعلق ہم تک کیا بات پہنچی ہے؟ اس نے کہا کہ اس شخص (یعنی حضرت محمدؐ) نے مجھے جوش دلا دیا تھا۔ اس لئے میں نے غصہ میں یہ بات کہہ دی تھی۔ اس بات پر اس کی قوم نے اسے سرداری سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ کعب بن اشرف کو سردار بنا دیا۔

یہودی علماء میں سے ایک شخص شاس بن قیس یہودی بھی تھا جو لوگوں کو اسلام سے برگشتہ اور مرتد کرنے میں بہت انہماک رکھتا تھا۔ یہ مسلمانوں پر سخت طعن و تشنیع کرتا تھا۔ ان سے بہت حسد رکھتا تھا۔ ایک روز انصاری قبائل اوس و خزرج ایک جگہ جمع تھے اور باہم باتیں کر رہے تھے کہ اس کا ادھر گزر ہوا۔ انھیں دیکھ کر اس کے دل میں آگ لگ گئی۔ پہلے ان میں کس قدر عداوت تھی اور اب ان میں کس قدر یگانگت و اُلفت نظر آرہی ہے۔ اس نے دل میں کہا۔ آج بنو قیلہ یکجا جمع ہیں۔ واللہ ہمیں ان کا میل جول دیکھ کر سکون نہیں آسکتا۔ پس اس نے ایک یہودی نوجوان سے کہا کہ تم ان کے پاس جا کر ان کی مجلس

میں بیٹھو۔ پھر ان کے سامنے "یوم بعاث" یعنی اس جنگ کا ذکر چھیڑ دو۔ جو ان میں باہم برپا ہوئی تھی اور اس کے واقعات بیان کرو۔ اور یہ باہم ایک دوسرے کی دشمنی میں جو اشعار پڑھا کرتے تھے وہ ان کے سامنے دوہراؤ۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ نتیجہ یہ کہ وہ لوگ باہم اس کے متعلق بات چیت کرنے لگے اور انھیں اپنے اپنے شعراء کے اقوال یاد آ گئے۔ چنانچہ وہ باہم جھگڑ پڑے اور باہم جنگ و جدل پر آمادہ ہو گئے۔ پس ان میں سے ایک قبیلہ نے پکارا۔ اے آلِ اوس! دوسرے نے پکارا۔ اے آلِ خزرج! پھر وہ اپنے اپنے طرفداروں کے ساتھ آمادۂ پیکار ہو کر نکلے اور اپنے اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔ جب آنحضرتؐ تک یہ خبر پہنچی تو آپ مہاجرین کو ساتھ لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے اور جا کر ان سے خطاب کیا۔ اے جماعتِ مسلمین! خدا کو یاد کرو۔ خدا کو یاد کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ کیا ایسی حالت میں کہ میں خود تم میں موجود ہوں۔ تم یہ جاہلیت کے دعوے کر رہے ہو۔ حالانکہ خدا نے تمھیں اسلام کی راہ دکھا دی اور اس کے ذریعہ تم سے جاہلیت کی برائیوں کو ختم کر دیا۔ اسی کے ذریعہ تمھیں کفر سے نجات دلائی اور تم میں باہم محبت و الفت پیدا فرمائی۔ کیا تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے؟ تب قوم کو تنبیہ ہوا کہ یہ شیطانی شوشہ اور ان کے دشمنوں کی طرف سے ایک مکر و فریب تھا۔ پس وہ رو پڑے اور اوس والے خزرج والوں سے بغلگیر ہوئے۔ پھر سب کے سب آنحضرتؐ کے فرمانبردار ہو کر آپ کے ہمراہ واپس ہو گئے۔

حق تعالیٰ نے اسی شاس بن قیس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی :۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا

اے اہل کتاب! جو شخص ایمان لے آیا ہے تم اسے راہِ حق سے کیوں ورغلاتے ہو۔ تاکہ اسے ٹیڑھے راستے پر لے چلو۔

اور انصار کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی :۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ○ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی اطاعت کرو گے تو وہ تمھیں ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ بھلا تم پھر کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو جبکہ تم پر خدا کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور خود رسول اللہ تم میں موجود ہیں۔ جس نے اللہ کا دامن تھام لیا۔ اسے راہِ مستقیم کی ہدایت میسر آ گئی۔ اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے

اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْہَا ۭ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ○

(سورۂ آل عمران)

اور تمھارا خاتمہ اسلام پر ہی ہونا چاہیئے۔ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہم انتشار وافتراق نہ پھیلاؤ۔ اور اللہ کی اس عظیم نعمت کو یاد کرو جب تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ لیکن خدا نے تمھارے دلوں میں اُلفت پیدا فرمادی جس کے بعد تم خدا کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور پہلے تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے کہ خدا نے اپنے کرم سے تمھیں اس میں گرنے سے بچالیا۔ حق تعالیٰ تمھارے سامنے اسی طرح اپنی نشانیاں کھول کر بیان فرماتا ہے۔ شاید اس طرح تم ہدایت پاجاؤ۔

اور یہود آنحضرتؐ سے محض حسد، بُغض اور تعصّب کی بنا پر بکثرت ایسے سوالات کرتے رہتے تھے جن کا مقصد حق و باطل میں تلبیس و شکوک پیدا کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ دو یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق سوال کیا:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۢ — اور ہم نے حضرت موسیٰ کو نو نشانیاں عطا فرمائی تھیں۔

آنحضرتؐ نے انھیں جواب دیا کہ وہ نو نشانیاں یہ تھیں:۔

اللہ کا کسی کو شریک[۱] نہ بنانا۔ زنا نہ کرنا[۲]۔ جس کا قتل کرنا[۳] خدا نے حرام کیا ہو اسے قتل نہ کرنا بجز حق کے۔ چوری[۴] نہ کرنا۔ جادوگری[۵] نہ کرنا۔ جرم[۶] سے مبرا کسی کی شکایت بادشاہ کے پاس نہ لے جانا۔ سود[۷] نہ کھانا۔ پارسا[۸] عورت کو زنا کی تہمت نہ لگانا اور اے یہودا! خاص[۹] طور سے ہفتہ کے دن کے بارے میں غلو سے کام نہ لینا۔

یہ سُن کر ان دونوں یہودیوں نے آنحضرتؐ کے دست و پائے مبارک چوم لیے اور کہا۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی پیغمبر ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تمھیں اسلام قبول کرنے سے کیا امر مانع ہے۔ عرض کیا۔ ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم اسلام لے آئے تو یہودی ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔

ایک مرتبہ یہود نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ نبی کی کیا پہچان ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔

آپ سے یہ بھی سوال کیا گیا کہ توریت نازل ہونے سے پہلے اسرائیل نے اپنے اوپر کونسا کھانا حرام کر لیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تم سے اس ذاتِ اقدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام بہت بیمار پڑ گئے تھے اور آپ کی بیماری طویل ہو گئی تھی۔ پس آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر حق تعالیٰ انھیں اس بیماری سے شفا عطا فرمائے گا تو وہ اپنا سب سے زیادہ پسندیدہ مشروب اور سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا خود پر حرام کر لیں گے، آپ کا مرغوب کھانا اونٹ کا گوشت تھا اور مرغوب مشروب اس کا دودھ تھا۔ اس پر وہ مان گئے کہ ہاں یہ صحیح ہے۔

ایک مرتبہ یہود نے آنحضرتؐ کو غصّہ دلانے کے لئے کہا کہ اس شخص میں بجز عورتوں اور نکاح میں دلچسپی کے اور کوئی بلند ہمّتی کی بات نہیں ہے۔ اگر وہ واقعی سچے نبی ہوتے تو نبوّت کی گراں تر ذمّہ داری انھیں عورتوں میں انہماک سے باز رکھتی۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ

ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے اور ان کو بیویاں اور اولادیں بھی عطا کی تھیں۔

روایات میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو بیویاں اور نو سو باندیاں تھیں۔

اور اوس و خزرج کی ایک جماعت یہودیوں سے مل گئی تھی۔ یہ لوگ منافق تھے اور اپنے آبائی دین شرک پر قائم اور بعثت نبوی کی تکذیب کے دل سے قائل تھے۔ لیکن اس خوف سے کہ قتل نہ کر دیئے جائیں۔ بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے تھے کیونکہ اسلام کا غلبہ ہو چکا تھا اور ان کی قوم کی اکثریت اجتماعی طور پر اسلام قبول کر چکی تھی پس بباطن اُن کے قلوب یہود کے ساتھ تھے۔ مگر بظاہر وہ مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ یہی لوگ منافقین کہلاتے تھے۔ بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو منافقین تھے۔ ان کی تعداد تین سو تھی۔ ان ہی میں عبداللہ بن ابی بن سلول تھا جو منافقین کا سردار تھا۔ اس کا نفاق ظاہر اور مشہور ہو چکا تھا۔ اس لئے صحابہ میں اس کا شمار نہیں کیا گیا۔ یہ مدینہ کے بڑے سرداروں میں سے تھا۔ حتیٰ کہ آنحضرتؐ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل قوم نے اس کے لئے جواہرات اور نگینوں کا ہار تیار کر لیا تھا تاکہ اس کی تاجپوشی کریں اور اسے اپنا بادشاہ بنالیں۔

اور عبداللہ بن اُبی حسین و جمیل، گداز جسم اور فصیح البیان شخص تھا۔ حق تعالیٰ کی اس آیت میں اس کے اسی حلیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:۔

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ — جب آپ ان کو دیکھیں گے تو ان کے عظیم جُثّے آپ کو تعجب میں ڈال دیں گے۔

ابن اُبی کے نفاق کی ایک مثال

ثعلبی نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کے نفاق کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ آیت:۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا — اور جب منافقین ایمان لانے والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لے آئے ہیں۔

عبداللہ بن اُبی اور اس کے رفقاء کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ واقعہ یہ ہُوا کہ یہ لوگ ایک دن باہر نکلے تو ادھر سے صحابہؓ کی ایک جماعت بھی آرہی تھی جس سے ان کا آمنا سامنا ہُوا۔ ابن ابی نے کہا دیکھو میں کیسے ان بے وقوفوں کا خیال تمہاری طرف سے ہٹاتا ہوں۔ پس اس نے اوّلاً حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا۔ مرحبا صدیق اکبر۔ بنو تیم کے سردار اور شیخ الاسلام اور غار میں رسول اللہ کے رفیق۔ اپنی جان و مال رسُول اللہ کے لئے قربان کرنے والے۔ پھر حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ مرحبا سردار بنو عدی۔ فاروق لقب اللہ کے دین میں قوی۔ اپنی جان و مال رسول اللہ کے لئے قربان کرنے والے۔ پھر حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر کہا مرحبا۔ رسول اللہ کے چچیرے بھائی۔ آپ کے داماد اور رسول اللہ کے بعد بنو ہاشم کے سردار۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا اے عبداللہ! اللہ سے ڈر اور نفاق کی باتیں مت کر کہ منافقین خدا کی بدترین مخلوق ہیں۔ عبداللہ نے کہا۔ اے ابوالحسن بس کرو۔ کیا آپ مجھے ایسا کہتے ہیں۔ واللہ ہمارے ایمان تمہارے ہی ایمان کی طرح اور ہماری تصدیق نبوت تمہاری ہی تصدیق کی مانند ہے۔ اس گفتگو کے بعد سب متفرق ہو گئے۔ تب عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ تم نے دیکھا۔ میں نے انھیں کیسا بنایا۔ اس پر سب نے اس کی بہت تعریف کی۔ مُسلمان واپس ہو کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْآ اِنَّا مَعَكُمْ — منافقین کا یہ حال ہے کہ جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں اور جب اپنے رفقا شیاطین سے علیحدگی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں۔

اس کے بعد آخر تک تمام آیتیں منافقین اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں ہیں۔

الحاصل نبی کریمؐ کو مدینہ منورہ میں منافقوں اور یہودیوں سے بہت زیادہ اور شدید اذیت پہنچی۔ تاہم بہ نسبت اہلِ مکہ کی ایذار سانیوں کے لاشے محض تھیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ مدینہ میں پہلے ہی دن سے انتہائی عزت و احترام شان و شوکت اور قوت و حفاظت کے ساتھ رہے اور یہود کی انتہائی ایذار سانی سوالات میں مناظرہ اور تعصب کی حد تک محدود رہی۔

جب اسلام کی شان و شوکت بڑھ گئی اور آنحضرت کے بازو قوی ہو گئے تو آپ کو جہاد کی اجازت دے دی گئی۔

○

اصحابِ صُفّہ کا بیان

اصحابِ صُفّہ وہ مہاجر فقرا تھے جو مدینہ ہجرت کر آئے تھے لیکن نہ ان کے رہنے کا ٹھکانا تھا۔ نہ قبیلہ کُنبہ تھا۔ یہ چار سو کے قریب تھے۔ پس یہ حضرات مسجدِ نبوی کے سایہ دار حصّہ میں رہتے تھے۔ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ روزے رکھتے تھے اور ہر غزوہ میں شریک ہوتے تھے۔ آنحضرت شب کے کھانے کے وقت انھیں طلب فرماتے اور انھیں اپنے صحابہ میں تقسیم فرما دیتے۔

اور ان میں کے کچھ حضرات آنحضرتؐ کے ساتھ رات کا کھانا کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ خُدا نے مسلمانوں کو غنی کر دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی اہلِ صُفّہ میں سے تھے۔ جب آنحضرتؐ کے پاس کہیں سے صدقہ کی کوئی چیز آتی تو اسے ان حضرات کے پاس بھیج دیتے تھے۔

حضرت ابُوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شب آنحضرتؐ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے دوستوں یعنی اہلِ صفّہ کو بلا لاؤ۔ میں نے جا کر ایک ایک شخص کو جگایا۔ اور سب کو جمع کیا۔ پھر ہم سب آنحضرتؐ کے درِ اقدس تک پہنچے اور حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ پھر آپ نے ہمارے سامنے ایک بڑا پیالہ رکھ دیا۔ جس میں جو سے تیار کردہ کھانا تھا اور پیالہ پر اپنا دستِ مبارک رکھ دیا اور فرمایا اس میں سے اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ پس ہم نے خوب کھایا۔ پھر اپنے ہاتھ اُٹھا لئے۔ جب آنحضرتؐ نے پیالہ رکھا تھا تو یہ فرمایا تھا۔ اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے۔ محمدؐ کے گھرانہ میں شام کو جو کھانا تیار ہوا، وہ ناقابلِ ذکر ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ ہم نے حضرت ابُوہریرہؓ سے پُوچھا۔ جب تم لوگ فارغ ہوئے تو اس وقت کتنا باقی رہ گیا تھا۔ فرمایا جتنا میں نے شروع میں رکھا تھا۔ اتنا ہی باقی تھا۔ ہاں مگر اس میں آنحضرتؐ کی انگلیوں کے نشانات موجود تھے اور آنحضرتؐ اپنی ذات اور متعلقین پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔ پس آپ کے پاس جو بھی ہوتا وہ محتاجین میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے (ان ہی میں اہلِ صفّہ بھی تھے) یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر آپ سے چکّی پیسنے اور گھریلو کاموں کی تکلیف کی شکایت کی۔ انھوں نے سُنا تھا کہ آنحضرتؐ کے پاس غلام اسیر ہو کر آئے ہیں۔ اس لئے انھوں نے آپ سے عرض حال کر کے ایک خادم طلب کیا تو آپ نے جواب دیا میں اہلِ صفّہ کو

چھوڑ کر جن کے پیٹ بھوک کی شدّت سے سمٹ جاتے ہیں تمھیں خادم نہیں دے سکتا۔ اس کے بجائے حضرت فاطمہؓ کو مشورہ دیا کہ کلمات سُبحان اللہ، اللہ اکبر، الحمد للہ کے ورد سے مدد حاصل کریں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی دُوسرا خدا نہیں۔ میں کبھی شدّتِ بھوک سے زمین پر اپنا سینہ لگا دیتا اور کبھی بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک روز میں اس راستے پر بیٹھ گیا جس پر سے صحابہ کا گزر ہوتا تھا۔ پہلے حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت پُوچھی۔ جس سے میرا مقصد یہ تھا کہ یہ مجھے کھانا کھلا دیں مگر انھوں نے کچھ نہ کیا اور گزر گئے۔ پھر حضرت عمرؓ تشریف لائے میں نے ان سے بھی اسی غرض سے ایک آیت پُوچھی۔ وہ بھی بغیر کُچھ کئے گزر گئے۔ پھر آنحضرتؐ تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر تبسّم فرمایا اور میری دلی کیفیت اور میرے چہرہ سے میرا مقصد سمجھ گئے اور فرمایا۔ اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا۔ حاضر ہوں یارسول اللہ! فرمایا۔ میرے ساتھ آؤ۔ چنانچہ میں آپ کے پیچھے ہولیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے۔ میں نے اجازت چاہی تو مجھے اندر آنے کی اجازت دی اور آپ اندر تشریف لے گئے تو وہاں ایک پیالہ میں دُودھ رکھا ہوا پایا۔ فرمایا۔ یہ دُودھ کہاں سے آیا؟ عرض کیا گیا۔ فلاں شخص یا فلاں خاتون نے حضرت کو ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ نے مجھے پکارا۔ اے ابوہریرہ! عرض کیا۔ حاضر ہوں یارسول اللہ! فرمایا۔ جاکر اہلِ صفّہ کو بُلا لاؤ۔ ابُوہریرہ کہتے ہیں کہ اہلِ صفّہ اسلام کے مہمان تھے۔ نہ ان کے متعلّقین تھے۔ نہ مال تھا نہ کسی اور پر ان کے مصارف کی ذمّہ داری تھی۔

جب آنحضرتؐ کے پاس کہیں سے صدقہ آتا تو وہ ان حضرات کو بھیج دیتے خود اس سے کُچھ نہ لیتے تھے۔ اگر ہدیہ آتا تو اہلِ صفہ کو بُلا بھیجتے۔ خود بھی کھاتے اور ان سب کو بھی اس ہدیہ میں شریک فرمالیتے۔ پس مجھے آپ کا ان کی طلبی کا امر طبعاً شاق گزرا اور میں نے دل میں کہا۔ بھلا یہ ذرا سا دُودھ اہلِ صفّہ کو کیا کافی ہوگا۔ میں اکیلا ہی اس کا زیادہ مستحق تھا کہ اسے پی کر مجھ میں کچھ توانائی آجاتی۔ اصحابِ صفّہ آگئے اور مجھے دودھ ان میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا اور میں نے انھیں پلا دیا تو مجھے اس دودھ میں سے کچھ بھی نہ مل سکے گا۔ مگر اللہ اور اس کے رسول کے امتثالِ امر کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ پس میں اصحابِ صفّہ کے پاس آیا اور انھیں آنحضرتؐ کی طرف سے دعوت دی۔ چنانچہ

وہ حاضرِ خدمت ہو گئے اور داخلہ کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے انھیں اجازت دی۔ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ آپؐ نے مجھے آواز دی اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا۔ حاضر یا رسول اللہ! فرمایا یہ دُودھ لے کر ان حضرات کو پلاؤ۔ میں نے پیالہ لے کر ایک ایک کو پلانا شروع کیا۔ حال یہ ہُوا کہ ایک شخص پیتا اور سیراب ہو جاتا اور پیالہ مجھے واپس کر دیتا۔ پھر میں دُوسرے کو دیتا۔ وہ بھی شکم سیر ہو کر پیتا اور پیالہ مجھے واپس کر دیتا۔ حتیٰ کہ جب وہ سب حضرات شکم سیر ہو چکے تو میں نے پیالہ خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپؐ نے پیالہ لے کر اپنے دستِ مبارک پر رکھا اور میری طرف دیکھ کر تبسّم فرمایا پھر مجھے مخاطب فرمایا۔ اے ابُوہریرہ! میں نے عرض کیا۔ حاضر یا رسول اللہ! فرمایا۔ اب میں اور تم ہی باقی رہ گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا، درست فرمایا یا رسول اللہ۔ فرمایا۔ بیٹھ جاؤ اور پیو۔ پس میں نے بیٹھ کر دُودھ پیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اور پیو۔ میں نے اور پیا۔ اسی طرح بار بار آپ پینے کو فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے عرض کیا۔ نہیں۔ خدا کی قسم! جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اب مجھ میں بالکل گنجائش نہیں رہی۔ فرمایا پیالہ مجھے دکھاؤ۔ میں نے پیالہ آپ کو دے دیا۔ آپؐ نے خدا کی تعریف اور اس کی عظمت بیان فرمائی اور باقی ماندہ دوُدھ نوش فرما لیا۔ یہ روایت بخاری نے "کتاب الاستئذان" میں بیان کی ہے۔ حق تعالیٰ نے اہل صفہ کے ذکر میں فرمایا ہے :۔

لِلْفُقَرَاۤءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۤءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○	اور صدقات ان لوگوں کا حق ہیں جو اللہ کی راہ میں پابند و مقید ہو کر رہ گئے ہیں (اصحاب صُفّہ) اور وہ کہیں چل پھر نہیں سکتے ناواقف لوگ ان کے سوال نہ کرنے کی بنا پر انھیں تونگر سمجھتے ہیں لیکن تم انھیں ان کے فاقہ زدہ چہروں کی کیفیت سے پہچان سکتے ہو۔ یہ حضرات لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے تم ایسے لوگوں پر جو مال صرف کرتے ہو۔ حق تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ اصحاب صفہ کے پاس کھڑے ہوئے اور ان کے فقر و فاقہ اور تنگی و مشقت کو ملاحظہ فرمایا تو ان کی تالیف قلوب فرمائی اور فرمایا۔ اے اصحاب صُفّہ! تمھیں بشارت ہو۔ میری اُمت میں سے جو شخص اس حال پر ملے گا جس پر تم ہو اور وہ اپنے

اس حال پر راضی برضا ہوگا تو وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

بیشتر مہاجرین اپنی املاک و اموال مکہ ہی میں چھوڑ آئے تھے بجز حضرت عثمانؓ کے کہ وہ اپنا تمام اثاثہ اپنے ساتھ لا سکے تھے۔ کیونکہ وہ دولت مند تھے۔ یہاں آکر مہاجرین کھیتی میں مشغول ہو گئے۔ اہلِ مدینہ نے انھیں زمینات دے دی تھیں تاکہ وہ ان سے پیداوار کر سکیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد ہمارا یہ طرزِ عمل تھا کہ جب کوئی مریض قریب المرگ ہوتا تو ہم خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ کو اس کے حال کی خبر دیتے۔ پس آپ تشریف لاتے اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے جب اس کی رُوح قبض ہو جاتی تو اپنے ساتھیوں سمیت واپس ہو جاتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ آپ اس کی تدفین تک ٹھہرے رہتے اور کبھی آپ کو دیر تک رُکنا پڑتا۔ جب ہمیں آپ کی تکلیف وگرانی کا احساس ہوا تو ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ آئندہ سے ہم کسی کے انتقال سے پہلے آنحضرتؐ کو اطلاع نہ دیا کریں گے جب وہ فوت ہو جائے تب آپ کو اطلاع دیا کریں گے۔ اس طرح آپ کو زیادہ دیر نہ رُکنا پڑے گا۔ نہ آپ کا وقت مشغول ہوگا۔ چنانچہ ہم نے تب سے یہی طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ میت کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کو اطلاع کرتے۔ آپ تشریف لاتے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے اور دعائے مغفرت فرماتے۔ پھر کبھی فوراً واپس تشریف لے جاتے اور کبھی میت کی تدفین تک ٹھہرتے کچھ عرصہ تک ہمارا یہی طریقہ رہا۔ پھر لوگوں نے باہم کہا۔ واللہ! اگر ہم آنحضرتؐ کو زحمت نہ دیا کریں بلکہ میت کو آپ کے مکان کے قریب تک لے جا کر آپ کی خدمت میں کسی کو بھیج کر مطلع کر دیا کریں تاکہ آپ اپنے گھر کے قریب ہی اس کی نماز پڑھا دیا کریں تو اس سے آپ کو زیادہ راحت اور سہولت ہوگی۔ پس ہم نے ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔

حضرت محمد بن عمر کہتے ہیں کہ اس وقت سے اس جگہ کا نام موضع الجنائز (جنازوں کی جگہ) رکھ دیا گیا۔ جہاں جنازے لائے جاتے۔ پھر اس وقت سے آج تک اسی جگہ جنازے لانے اور ان پر نماز پڑھنے کا سلسلہ جاری ہے۔

○

اذنِ جہاد

ہجرت کے دوسرے سال بارہ صفر کو آنحضرتؐ کو جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس سے قبل آنحضرتؐ تیرہ سال تک قریش کو بتوں کو پھینک دینے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ اس عرصہ میں ان سے کوئی جنگ نہیں کی بلکہ ان کی شدید ایذا رسانیوں پر صبر فرماتے رہے لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور ظلم و تشدّد بڑھتا ہی چلا گیا اور انھوں نے آپ پر اور آپ کے صحابہ پر بے پناہ مظالم ڈھائے حتیٰ کہ انھیں اپنے وطن اور اثاثے چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔

حال یہ ہو گیا تھا کہ صحابہؓ آپ کی خدمت میں دشمنانِ اسلام کی طرف سے چوٹیں اور زخم کھائے ہوئے حاضر ہوتے تو آپ انھیں فرماتے کہ صبر کرو کیونکہ مجھے ابھی ان سے جہاد کا حکم نہیں ملا ہے۔ پھر صحابہ کی ایک جماعت نے جن میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ، حضرت قدامہ بن مظعونؓ (برادر حضرت عثمان بن مظعونؓ)، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ شامل تھے، خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو اس وقت باعزّت تھے لیکن جب ہم ایمان لے آئے تو ذلیل ہو گئے۔ اس لئے آپ ہمیں ان سے جنگ کرنے کی اجازت دے دیں۔ فرمایا۔ ابھی ان سے جنگ کرنے سے رُکے رہو۔ کیونکہ ابھی مجھے ان سے جہاد کا حکم نہیں ملا ہے۔

اس کے بعد اپنے وجود کے بقاء و تحفّظ اور بُت پرستوں پر غلبہ پانے کے لئے مسلمانوں کے پاس ہتھیار اُٹھانے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تھا۔ کیونکہ یہ موت و حیات کا مسئلہ بن گیا تھا۔ پھر جنگ کے بعد یا تو فتح و کامرانی ہوتی جو دین کی نشر و اشاعت کا باعث ہوتی یا پھر شکست ہو جاتی جس کے بعد مسلمان کسی شمار ہی میں نہ رہتے۔

اور اگر قریش مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں پر فتح حاصل کر سکتے تو اس سے اسلام بالکل ہی ختم ہو جاتا۔

اسی زمانہ میں روم کی شہنشاہیت کے مسیحی اہلِ فارس سے جنگ کر کے فتحیاب ہو گئے تھے۔

جب آنحضرتؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آپ کے متبعین کی کثرت ہو گئی اور انصار آپ کی مدد پر کمربستہ ہو گئے اور مشرکین کفر اور نبوّت کی تکذیب پر جمے رہے تو آنحضرتؐ کو جنگ کی اجازت مل گئی۔ جس کے بعد آنحضرتؐ نے اسلامی مجاہدین کے جھتے کفّار سے جہاد کو روانہ فرمائے اور خود بھی بنفسِ نفیس

جہاد کیجیے۔

حق تعالیٰ نے سب سے پہلے جہاد کے حکم میں سورۂ حج کی یہ آیات نازل فرمائیں:۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

ان لوگوں کو جہاد کی اجازت دے دی گئی ہے۔ جن سے کفار کی طرف سے جنگ کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ حق تعالیٰ ان کو غلبہ عطا فرمانے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اگر حق تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہونے سے نہ بچاتا تو نصاریٰ کے عبادت خانے اور گرجا گھر اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے سب کے سب منہدم اور ویران کر دیئے جاتے۔ بیشک حق تعالیٰ ہر اس شخص کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا۔ بلاشبہ حق تعالیٰ قوت اور غلبہ والا ہے۔ یہ مسلمان وہ ہیں کہ اگر ہم انھیں دُنیا میں حکومت عطا کر دیں تو وہ نماز کو جاری رکھنے کا اہتمام کریں گے اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کیا کریں گے اور لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے منع کریں گے۔ بالآخر سب کاموں کا انجام خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ابتداءً جہاد کی ممانعت کے بعد ستر سے کچھ اوپر ان آیتوں میں سب سے پہلے جہاد کی اجازت نازل ہوئی۔

حضرت حمزہؓ کی لشکر کشی

آنحضرتؐ کا سب سے پہلا اسلامی لشکر وہ تھا جس میں آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کو ہجرت کے سات ماہ بعد (۶۲۳ء میں) ماہِ رمضان میں صرف تیس مہاجر سواروں پر سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ آنحضرتؐ

نے انصار کا کوئی لشکر نہیں بھیجا۔ حتیٰ کہ انصار کا لشکر لے کر آپ غزوہ بدر میں تشریف لے گئے تھے اور اس کی وجہ یہ بھی کہ انصار نے آپ پر یہ شرط پیش کی تھی کہ وہ اپنے وطن میں ہی آپ کی مدافعت کریں گے۔

حضرت حمزہؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر قریش کے قافلہ سے ٹکر لینے کو نکلے جو شام سے آرہا تھا اور مکہ کو جا رہا تھا۔ اس قافلہ میں تین سو سواروں سمیت ابو جہل بھی آرہا تھا۔ جب یہ قافلہ ضلع جہینہ کے شہر عیص کی سمت سے سمندر کے ساحل پر پہنچا تو دونوں لشکر بالمقابل اور جنگ کے لئے صف آرا ہو گئے۔ پھر مجدی بن عمرو جہنی دونوں لشکروں کے درمیان حائل ہو گیا کیونکہ وہ فریقین میں صلح کرانے والا تھا۔ اس لیئے یہ حضرات بغیر جنگ کئے ہی واپس آگئے۔ نبی کریمؐ ان مسلمانوں کے ہمراہ نہ تھے۔ ابو مرثد کناز بن حصین غنوی اسلامی جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ سب سے پہلا علم تھا جو آنحضرتؐ نے تیار فرمایا تھا۔ یہ سفید رنگ کا تھا۔

سریہ[1] عبیدہ بن حارث

آنحضرتؐ نے ۲ھ (م ۶۲۳ء) ماہ شوال میں حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف رضؓ کو بطن رابغ کی طرف بھیجا اور سفید جھنڈا عطا فرمایا۔ جسے حضرت مسطح بن اثاثہ بن عبد المطلب بن عبد مناف رضؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ اس سریہ میں ساٹھ مہاجر تھے، انصاری کوئی نہ تھا۔ اس لشکر کا ابو سفیان بن حرب[2] کے لشکر سے مقابلہ ہوا جو دو سو ساتھیوں کے ساتھ مقام جحفہ سے دس میل پرا جا "بطن رابغ" کے اطراف میں واقع کنوئیں پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اس کے فوجی راستہ چھوڑ کر بائیں جانب نیچے اترے ہوئے تھے تاکہ اپنی سواریوں کو گھاس چرا سکیں۔ اس مقابلہ میں فریقین میں صرف تیروں کا تبادلہ ہوا۔ تلواریں میان سے نہ نکلیں۔ نہ انھوں نے جنگ کے لئے صف بندی کی بلکہ فریقین میں صرف معمولی جھڑپیں ہوئیں صرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے اس دن دشمن پر ایک تیر پھینکا تھا۔ یہ پہلا تیر تھا جو اسلام کے دور میں پھینکا گیا۔ پھر فریقین اپنے اپنے کیمپ میں واپس چلے گئے۔

---

[1] سریہ اس جہاد کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرتؐ نے خود شرکت نہ فرمائی ہو بلکہ اپنے صحابہ رضؓ کو بھیج دیا ہو۔ م

[2] ابو سفیان بن حرب قرشی اموی حضرت معاویہ کے والد تھے۔ واقعہ فیل سے دس سال قبل پیدا ہوئے۔ یہ معززین قریش سے تھے تجارت کرتے تھے۔ اپنے اور قریش کے سامان ملک شام اور دوسرے عجمی ملکوں کو لے جاتے تھے۔ ان کے پاس سرداری کا جھنڈا رہتا تھا جس کا نام عقاب تھا جنگ احد میں انھوں نے ہی قریش کی کمان کی تھی۔ فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے تھے۔ م

سریہ سعد بن ابی وقاص رضؓ

پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کا لشکر مقام خرار کی طرف روانہ ہوا۔ یہ حجاز کی ایک وادی ہے جو جحفہ میں جا لگرتی ہے۔ یہ سریہ ہجرت کے نویں ماہ ذوالقعدہ میں روانہ ہوا تھا۔ اس جماعت کو بھی سفید علم دیا گیا تھا جسے حضرت مقداد بن عمرو بہروانی اُٹھائے ہوئے تھے۔ یہ سریہ بیس مہاجرین پر مشتمل تھا جو قریش کے اس قافلہ سے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا۔ جو اس مقام سے گزرنے والا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس لشکر سے عہد لیا تھا کہ یہ خرار سے آگے نہ بڑھے۔

حضرت سعد فرماتے ہیں کہ پس ہم سب پیدل روانہ ہو گئے۔ راہ میں دن بھر کہیں چھپے رہتے اور راتوں کو سفر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ہم مقابلہ ہونے والی صبح کو وہاں پہنچ گئے لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ قافلہ کل ہی یہاں سے جا چکا ہے۔ اس لئے ہم مدینہ کو واپس لوٹ آئے۔

غزوۂ[1] وِدّان یا غزوۂ ابوا

آنحضرتؐ کے غزوات میں سب سے پہلا غزوہ جس میں آپ بنفس نفیس شرکت فرما کر باہر نکلے۔ غزوۂ وِدّان تھا۔ حضرت زین العابدین بن حسین بن علی رضؓ نے فرمایا ہے کہ "ہم آنحضرتؐ کے غزوات کو ایسا ہی جانتے تھے جس طرح قرآنی سورتوں کو جانتے تھے۔"

حضرت اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص رضؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ہم سب کو مغازی اور سرایا[2] کی تعلیم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے فرزندو! یہ تمہارے آباؤ اجداد کے قابلِ فخر کارنامے ہیں پس ان کے تذکروں اور یادگاروں کو فراموش نہ کرنا۔

الحاصل پہلا غزوہ جس میں آنحضرتؐ بنفس نفیس تشریف لے گئے "غزوۂ ودّان" ہے۔ جو فرع کے اضلاع میں ایک بڑا گاؤں ہے۔ بعض راوی اسے "غزوۂ ابوا" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پس کچھ تو اس غزوہ کو ودّان کی طرف اور کچھ ابوا۔ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ وادی فرع میں یہ دونوں گاؤں قریب قریب واقع ہیں۔ جن کے درمیان صرف چھ میل کا فاصلہ ہے۔ آنحضرتؐ ہجرت کے بارھویں ماہ صفر کے

---

[1] غزوہ وہ جہاد ہے جس میں خود آنحضرتؐ نے شرکت فرمائی ہو۔ م

[2] مغازی، غزوہ کی اور سرایا، سریہ کی جمع ہے۔ م

مہینہ (م - جون ۶۲۳ء) میں اس غزوہ میں تشریف لے گئے تاکہ قریش اور بنو ضمرہ کے قافلہ کا تعاقب کریں۔ ایک روایت ہے کہ بنو ضمرہ کے قافلہ سے تعارض کرنا آپؐ کا مقصد نہ تھا بلکہ صرف قریش کے قافلہ سے تعارض کرنا تھا۔ اسی لئے جب آپ کو بنو ضمرہ کا قافلہ ملا تو اپنے اور اس کے درمیان صلحنامہ مرتب فرمایا۔ آپ کا یہ غزوہ ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا۔ جس میں انصاری کوئی نہ تھا۔ لیکن آپ کو وہ قافلہ نہ مل سکا جس کے تعاقب میں آپنے یہ سفر اختیار فرمایا تھا۔

اور آپکے اور بنو ضمرہ کے درمیان یہ معاہدہ صلح طے پایا تھا کہ بنو ضمرہ آپسے جنگ نہ کریں گے۔ نہ آپکے خلاف اپنی جمعیت میں اضافہ کریں گے۔ نہ آپکے مقابل آپکے دشمن کی مدد کریں گے اور اگر کوئی آپ پر حملہ آور ہونے کا قصد کرے گا تو وہ آپ کی مدد کریں گے اور اگر آپ انھیں کسی وقت بھی اپنی مدد کے لئے طلب کریں گے تو وہ آپ کی مدد کو پہنچیں گے۔ بنو ضمرہ کے ساتھ یہ معاہدہ ان کے سردار مخشی بن عمرو ضمری نے طے کیا اور باہم ایک تحریری دستاویز مرتب ہوئی جس کا متن درج ذیل ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے بنو ضمرہ کے لئے یہ دستاویز تحریر ہے جس میں عہد کیا گیا ہے کہ ہماری طرف سے بنو ضمرہ کے اموال و جانیں مامون و محفوظ رہیں گی اور مسلمانوں کے دشمنوں کے مقابلہ میں بنو ضمرہ کو ان کی مدد کرنی ہوگی۔ بشرطیکہ مسلمان دینی جہاد کر رہے ہوں۔ مدد کا یہ معاہدہ اس وقت تک رہے گا جب تک دریائے صوفہ کا پانی رواں ہے (یعنی دائمی معاہدہ رہے گا) نیز یہ کہ جب بھی آنحضرتؐ بنو ضمرہ کو مدد کے لئے طلب کریں گے تو وہ اسے منظور کر لیں گے۔ اس معاہدہ پر ہماری طرف سے اللہ اور اس کا رسول ذمہ دار و ضامن ہیں۔

آپ کا علم سفید رنگ کا تھا جسے آپکے عم محترم حضرت حمزہؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ آپنے اس موقع پر حضرت سعد بن عبادہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ آپ پندرہ دن تک مدینہ سے باہر رہے تھے۔

غزوۂ بواط

پھر ہجرت کے تیرھویں مہینے ماہ ربیع الاوّل (م - جولائی ۶۲۳ء) میں غزوۂ بواط پیش آیا۔ اس وقت علم مبارک حضرت سعد بن ابی وقاص اُٹھائے ہوئے تھے۔ علم سفید رنگ کا تھا۔ اس وقت آنحضرتؐ نے مدینہ پر حضرت سعد بن معاذؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ آنحضرتؐ اس غزوہ میں دو سو مہاجرین کے ہمراہ

نکلے تھے۔ جب آپ بواط کے مقام پر پہنچے تو قریشی قافلہ کا تجسس فرمایا۔ جس میں امیہ بن خلف جمحی اور قریش کے سو آدمی تھے اور اڑھائی ہزار تجارتی سامان سے لدے ہوئے اونٹ تھے لیکن یہ قافلہ نہ مل سکا اور آپ بغیر جنگ کئے واپس ہو گئے۔

بدر کا پہلا غزوہ یا غزوۂ سفوان

اسی ماہ ربیع الاول میں آنحضرتؐ نے کرز بن جابر فہری کی تلاش میں لشکر کشی کی۔ آپ کا علم مبارک سفید تھا جسے حضرت علی بن ابی طالبؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ اس موقع پر مدینہ میں اپنے غلام حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ کرز بن جابر نے مدینہ کے چرتے والے مویشیوں پر ڈاکہ ڈالا تھا جو بمقام جما چر رہے تھے اور انہیں ہانک کر لے گیا تھا۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس کا تعاقب فرمایا حتیٰ کہ آپ بدر کی طرف وادیٔ سفوان تک جا پہنچے لیکن کرز بن جابر نہ مل سکا۔ اس لئے آنحضرتؐ مدینہ واپس ہو گئے۔ یہ پہلا غزوۂ بدر تھا۔

اس کے بعد کرز اسلام لے آیا تھا اور اس کا اسلامی کردار بہت اچھا رہا اور آنحضرتؐ نے اسے اس لشکر کا سردار مقرر فرما دیا جسے ان عرنیوں کے تعاقب میں روانہ فرمایا تھا۔ جنھوں نے آپ کے چرواہے کو قتل کر دیا تھا۔ کرز ۸ھ میں فتح مکہ کے دن شہید کر دیئے گئے۔

مؤرخ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ یہ غزوہ غزوۂ عشیرہ کے بعد پیش آیا تھا۔

غزوۂ عشیرہ

غزوۂ عشیرہ ہجرت کے سولھویں ماہ (م اکتوبر ۶۲۳ء) ماہ جمادی الاول اور ایک قول میں جمادی الاخرہ میں پیش آیا۔ جس کا جھنڈا حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ اس کا رنگ سفید تھا۔ آنحضرتؐ نے اس موقع پر حضرت ابو سلمہ عبدالاسد مخزومیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین چھوڑا تھا اور آپ ڈیڑھ سو اور ایک قول کے مطابق دو سو مہاجرین کو لے کر باہر نکلے تھے۔ اس میں ان کو شریک کیا گیا تھا جو بخوشی شرکت کریں۔ کسی کو اس جہاد پر جانے کو مجبور نہیں کیا گیا تھا۔ یہ مجاہدین تیس اونٹوں پر نکلے تھے۔ اس کا مقصد قریش کے ایک قافلہ کو روکنا تھا جو شام کی طرف جا رہا تھا۔ کیونکہ آنحضرتؐ کو خبر ملی تھی کہ قریش کا ایک قافلہ مکہ سے روانہ ہوا ہے جس میں قریش کا تجارتی مال جا رہا ہے۔ چنانچہ

آپ مقام عشیرہ پر پہنچے جو ینبع کی سمت قبیلہ بنو مدلج کا مسکن تھا اور ینبع اور مدینہ کے درمیان نو ڈاکوں (ایک سو آٹھ میل) کا فاصلہ تھا۔ وہاں معلوم ہوا کہ آپ جس قافلہ کی تلاش میں نکلے تھے۔ وہ اب سے چند دن پہلے ہی جا چکا ہے۔ لیکن آپ اس کی شام سے واپسی کے انتظار میں رہے جو سمندر کے کنارے کنارے آرہا تھا۔ قریش کو اس قافلہ کی واپسی کی خبر ملی تو وہ اسے دور ہی روک دینے کی غرض سے روانہ ہوئے اور مقام بدر پر آنحضرتؐ سے ان کا آمنا سامنا ہوا۔ آپ نے ان پر حملہ کر کے چند کو قتل کر ڈالا۔ عشیرہ ہی کے مقام پر آنحضرتؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو ابوتراب کی کنیت سے پکارا۔ جبکہ آپ نے انھیں مٹی میں اٹا ہوا سوتا ہوا پایا تھا تو فرمایا۔ اے ابوتراب! اُٹھو۔ پس آپ اُٹھ بیٹھے۔ اسی غزوہ میں آپ نے بنو مدلج اور ان کے حلیف بنو ضمرہ سے صلح نامہ کیا اور مدینہ واپس ہو گئے۔ کوئی جنگ پیش نہیں آئی۔

قریش نے اس قافلہ میں بہت سی دولت جمع کی تھی۔ کہا گیا ہے کہ اس میں پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار اُونٹ (سامان سے لدے ہوئے) تھے۔ اس قافلہ کا رئیس ابوسفیان بن حرب تھا جس کے ساتھ ستائیس اور ایک قول کے مطابق اُنتالیس آدمی تھے۔ ان ہی میں مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن عاص بھی تھے۔

سریہ عبداللہ بن جحش اسدی

آنحضرتؐ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو غزوہ کی تیاری کا حکم دیا۔ انھوں نے تیاری کر لی جب روانگی کا وقت آیا تو وہ آنحضرتؐ سے عشق و تعلق قلبی کی بنا پر آپ سے جُدائی کے خیال سے رو پڑے۔ تب آپ نے ان کی جگہ حضرت عبداللہؓ بن جحش اسدی کو بارہ مہاجرین کے ساتھ ایک ایک اُونٹ پر دو دو کو سوار کرا کر نخلستان کی طرف روانہ فرمایا جو مکہ کے قریب ابن عامر کا باغ ہے۔ یہ سریہ ہجرت کے سترھویں مہینے ماہ رجب (ام نومبر ۶۲۳ء) کو روانہ کیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عبداللہ کو ایک پرچہ لکھ کر دیا اور حکم دیا کہ اسے دو دن کی مسافت سے پہلے نہ پڑھیں۔ اس کے بعد اسے پڑھیں اور اس کے اندر تحریر کردہ حکم پر عمل کریں اور اس کام کے لئے اپنے ساتھیوں کو مجبور نہ کریں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ پرچہ کو پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ جا کر مکہ اور طائف کے درمیان واقع باغ میں جا کر اُتریں اور قریش کی تاک میں رہیں اور ان کے حالات معلوم کرتے رہیں۔ انھوں نے اس حکم

کی اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی تو سب کے سب بخوشی آپ کے ساتھ آگے روانہ ہو گئے۔ جب یہ لوگ مقام فرع کے اُوپر ایک کان پر پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص کا ایک اُونٹ گم ہو گیا۔ ان کے ہم رکاب ساتھی عتبہ بن غزوان تھے یہ دونوں اپنے اُونٹ کی تلاش میں وہاں ٹھہرے رہے اور عبداللہ اور ان کے بقیہ ساتھی آگے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ اس باغ میں فروکش ہو گئے۔ اُدھر سے قریش کا ایک قافلہ اُونٹوں پر شراب، کھالیں اور کشمش لے کر طائف سے آتے ہوئے ان کے پاس سے گزرا جس میں عمرو بن حضرمی، عثمان بن مغیرہ، اس کا بھائی نوفل اور حکم بن کیسان وغیرہ تھے جب مسلمانوں نے ان کو دیکھا جو قریب ہی ٹھہرے تھے تو پہلے تو ان پر کچھ دہشت طاری ہوئی۔ پھر عکاشہ بن محصن اسدی جس کا سر مُنڈا ہُوا تھا کسی اُونچی جگہ پر کھڑا نظر آیا۔ جب مسلمانوں نے اسے دیکھا تو ان کا خوف و خطر جاتا رہا اور کہنے لگے کہ یہ تو عمار ہے۔ اس سے کوئی خوف نہیں۔ یہ ماہِ رجب کا آخری دن تھا۔ پھر ان مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا اور سب لڑنے پر متفق ہو گئے۔ پس واقد بن عبداللہ تیمی نے عمرو بن حضرمی پر تیر کا نشانہ لگا کر اسے قتل کر دیا۔ یہ پہلا مقتول تھا جسے مسلمانوں نے قتل کیا۔ پھر سب مسلمانوں نے اس قافلے پر دھاوا بول دیا اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا۔ نوفل فرار ہو گیا۔ مسلمانوں نے ان کا سامان لُوٹ لیا۔ روایت ہے کہ عبداللہ بن جحش جب باغ سے لوٹا تو اس نے مالِ غنیمت سے خمس[۱] نکال کر باقی مالِ غنیمت اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ پس اسلام میں یہ پہلا خمس تھا۔ یہ واقعہ خمس کے فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔ یہ پہلا مالِ غنیمت تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ عمرو بن حضرمی وہ پہلا شخص تھا جسے مسلمانوں نے قتل کیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان پہلے اسیر تھے جنہیں مسلمانوں نے گرفتار کیا تھا۔ حکم کو مقداد بن عمرو نے گرفتار کیا تھا۔ پھر آنحضرت نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ اسلام لے آئے اور غزوہ بئر معونہ کے موقع پر شہید کر دیئے گئے۔[۲]

رہے سعد بن ابی وقاص اور ان کے ساتھی عتبہ بن غزوان سو وہ اس جنگ میں شریک نہ ہو سکے اور سریہ کے مدینہ واپسی کے بھی چند روز بعد مدینہ واپس لوٹے۔

عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھی اس قافلہ اور قیدیوں کو مدینہ لے آئے جب وہ خدمت اقدس میں پیش ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ میں نے تمہیں حرام مہینے میں لڑائی کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ

۱۔ خمس مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ کہلاتا ہے جو آنحضرت کا حصہ ہوتا تھا۔ م

۲۔ حکم بن کیسان ابوجہل کے باپ ہشام بن مغیرہ کے غلام تھے۔ یہ ہجرت کے پہلے سال اسلام لائے تھے۔ م

فرما کر قافلہ اور دونوں قیدیوں کو ٹھہرالیا۔ سریہ والوں پر ندامت طاری ہوگئی اور مسلمانوں نے ان کے اس اقدام پر انھیں ملامت کی۔ ادھر قریش نے طعنہ دیا کہ محمد اور اس کے ساتھیوں نے حرام مہینے کو حلال قرار دے لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۗ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۗ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ	لوگ آپ سے حرام مہینوں میں جنگ کرنے کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ آپ ان سے فرما دیجئے کہ ان مہینوں میں جنگ و جدل کرنا بڑا گناہ ہے نیز لوگوں کو راہِ خدا سے اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنا اور مکہ والوں کو ان کے وطن سے جلا وطن کرنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بہت بڑا گناہ ہے

جب یہ آیات نازل ہوئیں اور خدا نے مسلمانوں سے اعتراض کو رفع فرمادیا تو آنحضرتؐ نے قافلہ پر قبضہ کرلیا اور ہر دو قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔

اس سریہ میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو امیر المومنین کا لقب دیا گیا تھا۔

دُوسرا غزوہ بدر یا غزوہ بدر کُبریٰ

واقع ١٧ رمضان ٢ھ م جنوری ٦٢٤ء

بدر حجاز میں جار کے جنوب مشرقی سمت ایک شہر ہے جار دریا کا ساحلی حصّہ ہے اس کے اور بدر کے درمیان تقریباً ایک مرحلہ (بیس میل) کا فاصلہ ہے۔ اس شہر کا نام بدر حُنین مشہور ہے۔ یہ شہر مسطح زمین پر واقع ہے اس کے متصل شمال سے مشرق کی طرف سخت و وحشت ناک پہاڑ ہیں۔ جنوب کی طرف پتھریلے ٹیلے ہیں۔ غرب کی جانب ریت کے تودے ہیں۔

غزوۂ بدر کبریٰ ہجرت کے انیسویں مہینے (م جنوری ٦٢٤ء) سترہ رمضان کو جمعہ کے دن پیش آیا۔ اس کا ایک سبب تو عمرو حضرمی کا قتل تھا جو سریۂ عبداللہ بن جحش میں قتل کر دیا گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ابوسفیان بن حرب شام سے قریش کا بڑا بھاری تجارتی قافلہ لے کر واپس آ رہا تھا۔ (اسے روکنا تھا) یہ قافلہ بہت مال لا رہا تھا جس کی قیمت بیس ہزار اشرفی تک پہونچتی تھی۔ اس قافلہ کے ساتھ قریش کے تیس چالیس آدمی تھے۔ جن میں مخرمہ بن نوفل زہری بن عاص بھی تھا۔

جب آنحضرتؐ کو اس قافلہ کی خبر ملی تو آپ نے مسلمانوں کو اس کی طرف روانہ کرنے کے لئے طلب کیا اور فرمایا قریش کے اس قافلہ میں ان کا بہت سا مال و متاع ہے اس لئے تم اس کی طرف روانہ ہو جاؤ شاید خدا انہیں اس قافلے سے مالِ غنیمت عطا فرمادے۔ آپ کی طلب پر لوگ روانہ ہو گئے۔ بعض ہلکے پھلکے (بغیر اسلحہ کے)، اور بعض بھاری بھرکم (مسلح ہو کر)، نکلے کیونکہ بعض کو یہ گمان ہُوا تھا کہ آنحضرت جنگ نہ کریں گے۔

ادھر ابُوسفیان نے سُنا کہ رسول اللہؐ اس کی طرف آ رہے ہیں اس خبر سے وُہ خائف ہُوا اور اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو بیس مثقال[1] اُجرت پر حاصل کیا اور اُسے مکّہ کو روانہ کیا تاکہ قریش کو جا کر اس صورتِ حال سے باخبر کر دے اور اُن کو جلدی اُس کی مدد کو پہونچنے پر آمادہ کرے۔ چنانچہ وُہ مکہ پہنچا اور اُس نے وہاں جا کر قوم میں اعلانِ عام کر دیا۔ وُہ لوگ جلدی جلدی روانہ ہُوئے

[1] ایک مثقال ڈیڑھ درہم یعنی آج کے حساب سے چھ آنہ کا ہوتا ہے۔

جو نہ جا سکا اُس نے اپنی جگہ دوسرے کو بھیج دیا۔ اس موقع پر مکہ کے رؤساء میں سے کوئی بھی بجز ابُولہب کے پیچھے نہیں رہا۔ اس نے اپنی جگہ عاصم بن ہشام[1] کو چار ہزار درہم اُجرت پر روانہ کیا۔ یہ سب کے سب اپنے تجارتی قافلہ کی حمایت اور اس کے بچاؤ کی غرض سے روانہ ہوئے تھے۔

قریش کی جنگی طاقت

مکہ سے قریش کے تقریباً ایک ہزار افراد روانہ ہوئے تھے جن میں چھ سو زرہ پوش تھے ان کے ساتھ سو گھوڑے تھے اُن پر بھی سو زرہ پوش سوار تھے۔ پیدل زرہ پوش اُن کے علاوہ تھے ان کے علم بردار سائب بن یزید تھے جو بعد کو اسلام لے آئے اور یہ امام شافعیؒ کے پانچویں پشت میں جدِ اعلیٰ تھے۔

اُن کے ساتھ سات سو اُونٹ بھی تھے۔ اُن کے ساتھ گانے والیاں بھی تھیں جو ڈھول بجا بجا کر مسلمانوں کی ہجو گا رہی تھیں۔ قریش اِس سفر میں بہت اکڑ اور تکبّر میں تھے۔ کیونکہ اُنہیں اپنی عددی برتری اور کثرتِ اسلحہ پر ناز تھا۔

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ○

تم لوگ ان کافروں کی طرح نہ ہونا جو جنگ بدر کے موقع پر اتراتے اکڑتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے اپنے شہر سے نکلے تھے اور لوگوں کو راہِ خدا سے روکتے اور بہکاتے تھے اور ان کے افعال و حرکات سب کی سب اللہ کے احاطہ علم میں ہیں۔

قریش کے اس لشکر کے کھانے کا انتظام بارہ شخص کر رہے تھے ان میں سے ہر شخص ایک ایک دن دس اُونٹ ذبح کرتا تھا۔ یہ بارہ شخص یہ تھے۔ ابُوجہل۔ ربیعہ کے دونوں فرزند عتبہ اور شیبہ۔ حکیم بن حزام۔ عباس بن عبد المطلب۔ ابوالبختری۔ زمعہ بن اسود۔ اُبَیّ بن خلف۔ امیہ بن خلف۔ نضر بن حارث۔ حجاج کے ہر دو فرزند نبیہ اور منبہ۔ انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ

کفار اپنی دولت لوگوں کو راہِ خدا سے روکنے کے لئے صرف کرتے ہیں۔ اب تو یہ لوگ اسے خرچ کر ڈالیں گے لیکن انجام

[1] حضرت عمر بن خطاب نے اسے اس جنگ میں قتل کر دیا تھا۔

فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ○ کار یہی دولت ان کی حسرت و ندامت کا باعث ہوگی بالآخر وہ مسلمانوں سے مغلوب ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کی طاقت

جو مسلمان آنحضرتؐ کے ساتھ نکلے تھے ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ ایک روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے ساتھیوں کو شمار فرمایا اور اُنہیں تین سو تیرہ پایا تو خوش ہوئے اور فرمایا یہ طالوت کے ساتھیوں کی گنتی ہے جو اُن کے ساتھ نہر عبور کر گئے تھے۔ اس غزوہ میں آپ کے ساتھ انصار بھی نکلے اس سے پہلے اُن میں سے کوئی بھی آپ کے کسی غزوہ میں شریک نہ ہُوا تھا۔ ان کی تعداد دو سو سات تھی۔ باقی مہاجرین میں سے تھے۔ اُونٹ ستّر اور گھوڑے پانچ تھے جب آنحضرتؐ نے روانگی کا قصد فرمایا تو اپنی ذات الفضول نامی زرہ زیب تن فرمائی اور عضب نامی تلوار حمائل فرمائی۔ آپ نے چھوٹے بچّوں کو واپس فرما دیا۔ ان میں اسامہ بن زید، رافع بن خدیج براء بن عازب۔ اُسید بن ظہیر۔ زید بن ارقم۔ زید بن ثابت اور عمیر بن ابی وقاص تھے۔ لیکن جب اُنہیں واپس فرمایا تو وُہ (محرومی جہاد کی بنا پر) رونے لگے اس لئے آپ نے اُنہیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔

آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ میں سے آٹھ صحابہ کو اپنا جانشین چھوڑا جن کا مالِ غنیمت میں حصّہ اور جہاد کا ثواب باقی رکھا۔ ان میں تین مہاجرین میں سے تھے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ انہیں آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادی اور اُن کی زوجہ حضرت رقیہؓ کی تیمار داری کی غرض سے رہنے دیا تھا کیونکہ وُہ بیمار تھیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ اُن کی خبر گیری کرتے رہے حتیٰ کہ وُہ اسی مرض میں انتقال فرما گئیں۔ دوسرے طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زیدؓ تھے ان دونوں کو آپ نے قریش کے قافلہ کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ وُہ شام کے راستے پر روانہ ہو گئے تھے اور ابو امامہ بن ثعلبہ انصاریؓ بدر کی طرف روانگی کے لئے تیار ہو کر آئے تھے لیکن ان کی والدہ بیمار تھیں اس لئے آنحضرتؐ نے اُنہیں اپنی والدہ کے پاس ٹھہرنے کا حکم دیا۔ پانچ انصاری تھے۔ ابولبابہ بن عبدالمنذر اوسیؓ انہیں آنحضرتؐ نے مدینہ میں اپنا جانشین بنایا تھا۔ عاصم بن عدی عجلانیؓ اُنہیں اہل عالیہ[1] پر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اور حارث بن حاطب عمریؓ اُنہیں اثناء سفر میں مقام روحاء

[1] عالیہ۔ مدینہ کے مضافاتی دیہات کو کہتے ہیں۔ م

سے بنو عمرو بن عوف کی طرف واپس فرما دیا کیونکہ آپ کو اُن کی طرف سے کچھ مشکوک خبر معلوم ہُوئی تھی۔ اور حارث بن صمہ اور خورت بن جبیرؓ تھے جو راہ میں کچھ مضمحل اور پست ہو گئے تھے۔ ان آٹھ ناموں میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ ستر اونٹ تھے جن پر مجاہدین آگے پیچھے سوار تھے گھوڑے دو تھے ایک مقداد بن عمروؓ اور ایک مرثد بن ابی مرثد غنویؓ کا تھا۔ علم حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھا آنحضرتؐ کے سامنے دو سیاہ جھنڈے تھے ایک حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ہاتھ میں تھا جس کا نام عقاب تھا۔ یہ حضرت عائشہؓ کے کپڑے سے بنایا گیا تھا۔ اس وقت حضرت علی کی عمر بیس سال تھی۔ دوسرا جھنڈا کسی انصاری کے ہاتھ میں تھا۔

لشکر کے پچھلے حصّہ پر حضرت قیس بن صعصعہ انصاریؓ کو افسر بنایا تھا۔ پس دشمنوں کے مقابلہ میں مُسلمانوں کی قوّت بُہت کم تھی۔

آپ نے حضرت ابولبابہؓ کو مدینہ کا حاکم بنا کر واپس فرما دیا اور حضرت ابن اُمِ مکتومؓ کو مدینہ میں لوگوں کو نماز پڑھانے پر مامور فرمایا۔

آنحضرتؐ کا اپنے صحابہؓ سے مشورہ فرمانا

آنحضرتؐ نے دو شخصوں کو اُبوسفیان کے قافلہ کا پتہ چلانے کے لئے بھیج دیا۔ یہ دونوں بُسَبس بن عمرو اور عدی بن ابی زغباءؓ تھے یہ روانہ ہو کر بدر کے مقام پر اُترے اور اپنے اُونٹوں کو پانی کے قریب ایک ٹیلے کے پاس بٹھا دیا اور خود پانی پینے گئے وہاں دو لڑکیوں کو باہم بات کرتے ہوئے سُنا کہ ایک دوسری سے کہہ رہی تھی کہ کل یا پرسوں کو قافلہ آنے والا ہے میں قافلہ والوں کی نوکری کر کے تمہارا قرضہ ادا کر دوں گی۔ یہ دونوں وہاں سے روانہ ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پُہنچے اور جو کچھ سنا تھا وُہ آپ کو سُنا دیا۔

پھر آنحضرتؐ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمایا کہ کیا قافلہ کو گھیرا جائے یا قریشِ مکّہ سے جنگ کی جائے۔ یعنی آپ نے صحابہ کو اختیار دے دیا کہ وُہ چاہیں تو قافلہ کی جستجو میں روانہ ہو جائیں یا چاہیں تو لشکر قریش سے جنگ کریں۔ آپ نے ساتھ ہی انہیں قریش کی مکّہ سے روانگی کی اطلاع دے دی اور ان سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تم سے کسی ایک پر غلبہ کا وعدہ فرما لیا ہے۔

قافلہ یا قریش قافلہ کی طرف ان کا زیادہ رجحان تھا تاکہ اس کا مال لوٹ کر اس سے گھوڑے

اور ہتھیار خرید سکیں۔ بعض نے آپ سے عرض کیا کہ آپ نے پہلے سے ہمیں جنگ کے لئے کیوں نہ فرمایا تاکہ ہم اس کے لئے تیار ہو کر آتے ہم تو صرف قافلہ کو روکنے کے لئے نکلے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ یارسول اللہ آپ قافلہ کی طرف توجہ فرمائیں۔ دشمن کو چھوڑ دیں۔ یہ سن کر آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

مہاجرین نے اس مسئلہ میں بہت عمدہ باتیں کیں۔ آنحضرتؐ نے جب مہاجرین سے مشورہ فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور آپ نے عمدہ تقریر کی۔ پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی پُرجوش تقریر کی۔

آنحضرتؐ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں انصار قریش کے مقابلہ میں آپ کی مدد کو ضروری نہ سمجھتے ہوں۔ بجز اس کے کہ کوئی دشمن اچانک مدینہ پر حملہ آور ہو نیز یہ کہ اُن پر لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے وطن سے دُور دشمن کے مقابلہ کے لئے جائیں[1]۔

پس جب آپ نے اُن سے فرمایا کہ آپ حضرات بھی مجھے مشورہ دیں تو حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا جو قبیلہ اوس کے سردار بلکہ پورے انصار کے سردار تھے اور اُن کا مرتبہ اُن میں ایسا ہی تھا جیسا مہاجرین میں حضرت صدیق اکبرؓ کا۔

واللہ یارسول اللہ شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

عرض کیا ہم آپ پر ایمان لے آئے۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ ہم نے گواہی دی کہ آپ جو دین لے کر تشریف لائے ہیں وہ سچا دین ہے۔ ہم نے حضرت کی اطاعت پر پختہ عہد و میثاق کئے ہیں۔ پس یارسول اللہ آپ کا جو ارادہ ہو کر گزریے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس ذات اقدس کی قسم ہے جس نے آپ کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں اس سمندر میں کودنے کا امر فرمائیں گے تو ہم بے تکلف آپ کے ساتھ سمندر میں کود پڑیں گے ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ اور نہ ہم اس پر ناراض ہوں گے کہ آپ کل کو دشمن سے ہمارا مقابلہ کرادیں۔ واللہ ہم جنگ کرنے میں بہادر۔ شدید اور میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ عجب نہیں کہ حق تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کارنامے دکھادے جن سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

---

[1] پہلے گزر چکا ہے کہ انصار سے اِسی قسم کا معاہدہ ہوا تھا۔ لہٰذا اس موقع پر آنحضرتؐ کو اسی کا خدشہ تھا۔ م

پس آپ ہمیں خدا کے نام پر لے چلئے ان کی اس تقریر سے آنحضرتؐ بہت مسرور ہوئے اور آپ میں کفار سے نبرد آزما ہونے کی اُمنگ بڑھ گئی۔

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اللہ کے نام پر کفار کی طرف چل پڑو اور خوش خبری سُن لو کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے ان دونوں یعنی تجارتی قافلہ یا لشکر قریش میں سے کسی ایک پر فتح عطا فرمانے کا وعدہ فرما لیا ہے۔

ابُوسفیان اور ابوجہل کے درمیان اختلاف

ابوسفیان ساحل سمندر کے برابر برابر چلا اور اُس نے بدر کو اپنے بائیں جانب چھوڑ دیا پھر تیزی سے اپنے قافلہ کو لے چلا اور خطرہ کی زد سے بچ نکلا جب اُس نے محسوس کیا کہ وُہ اپنے قافلہ کو بچا لانے میں کامیاب ہو چکا ہے تو اس نے قریش کے پاس جو اس وقت مقام جحفہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے ایک قاصد سے کہلا بھیجا کہ اللہ نے تمہارے قافلے اور اموال کو بچا لیا ہے اس لئے اب تم مکہ واپس ہو جاؤ۔ اس پر ابُوجہل نے کہا واللہ ہم ہرگز نہ لوٹیں گے جب تک بدر نہ ہو آئیں۔ (بدر کے مقام پر عرب کا ایک سالانہ جشن منایا جاتا تھا جہاں میلہ لگتا اور بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا)، وہاں ہم تین دن تک ٹھیریں گے۔ اُونٹ ذبح کریں گے خوب کھانا کھائیں گے شرابیں پیئیں گے عرب ہماری اس شان وشوکت کا حال سنیں گے تو ہم سے مرعوب ہونگے کہا گیا ہے کہ اس وقت ابُوجہل کی عمر ستر سال تھی مگر اس وقت تک اُس کے قویٰ جسمانی بہتر تھے۔

جب ابُوسفیان تک ابُوجہل کی بات پہنچی تو کہا یہ بڑا ظلم ہے اور ظلم کوتاہی اور بدفالی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ ہماری قوم صرف اپنے مال و دولت کو بچانے کی خاطر نکلی تھی۔ اور اُسے اللہ نے بچا لیا۔ ادھر ابوجہل کے اس ڈینگ مارنے پر بنوزہرہ کے لوگ جو سو اور ایک قول میں تین سو تھے۔ قریش سے علیحدہ ہو کر واپس ہو گئے اسی لئے غزوۂ بدر میں اُن میں سے کوئی بھی نہیں مارا گیا۔ بنوزہرہ کا لیڈر اخنس بن شریق ثقفی تھا جو قریش کا حلیف تھا۔ اُس نے اپنے قبیلہ سے کہا۔ اے بنی زہرہ اللہ نے تمہارے اموال بچا دیے اور تمہارے ساتھی مخرمہ بن نوفل کو جو قافلہ میں تھا ممکنہ خطرہ سے چھٹکارا دے دیا۔ تم صرف اسی لئے باہر نکلے تھے کہ اپنے ساتھی کی جان و مال کا تحفظ کر سکو اس لئے مناسب ہے کہ اب واپس چلے چلو۔ لاحاصل کام کے لئے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ ابُوجہل جو کہہ رہا ہے اُسے

نظر انداز کر دو۔

علیٰ ہذا قریش میں سے بنو عدی بن کعب بھی آگے نہیں گئے اسی لئے بدر میں ان دونوں قبیلوں کا کوئی شخص بھی قتل نہیں ہوا۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود آتش جنگ سرد نہ ہوئی۔

ہر دو لشکروں کا کوچ اور بارش کا نزولؐ

قریش آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ وادی کی انتہائی آخری جانب خیمہ زن ہوئے اور مسلمان ریت کے ٹیلے پر خیمہ زن ہوئے۔ جہاں انسانی پیر اور جانوروں کے سُم ریت میں دھنسے جاتے تھے۔ مشرکین مسلمانوں سے پہلے بدر کے پانی پر پہنچ گئے اور اُنہوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا اور اپنے لئے بڑا حوض تیار کر لیا تاکہ وہاں کے بہتے کنوؤں سے اس میں پانی جمع کر لیں اور خود پیئیں اور اپنے جانوروں کو پلائیں۔

اُدھر مسلمانوں کی آنکھ لگ گئی صبح کو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ پینے اور غسل و وضو کے لئے پانی تک نہیں پہنچ سکتے۔ پس خُدا نے اُن کے لئے آسمان سے پانی برسایا جس سے وادی بہ نکلی جسے مسلمانوں نے استعمال کیا اور وادی کی ایک سمت حوضیں بھی بنا لیں۔ خُوب غُسل و وضو کئے اور اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا اور اپنے مشکیزے بھی بھر لئے۔ ادھر بارش سے غبار دب گیا۔ زمین پر چھڑکاؤ ہو گیا جس سے انسانوں اور جانوروں کے قدم زمین پر جمنے لگے۔ اس بارش سے مشرکین کو نقصان پہنچا کیونکہ ان کی زمین پہلے ہی نم دار اور مرطوب تھی۔ مزید برآں بارش سے اُن کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا ہو گئی کہ وہ کُوچ کرنے کے قابل نہ رہے۔ حق تعالیٰ نے آیتِ ذیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ○	اے مسلمانو! اس وقت کو یاد کرو جبکہ خُدا نے اپنی طرف سے تمہیں راحت و آرام پہنچانے کی غرض سے تم پر اونگھ طاری کر دی تھی پھر اس نے تم پر آسمان سے مینہ برسایا تاکہ تمہیں اس کے ذریعہ پاک صاف کر دے اور تم سے شیطانی نجاست کو دور کر دے تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے قدم اچھی طرح جما دے۔

شب کو آنحضرتؐ شب بھر اپنے پروردگار سے دُعا مانگتے رہے۔ آپ ایک درخت کے نیچے

نماز پڑھتے اور سجدوں میں بکثرت "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ" پڑھتے رہے آپ صبح ہونے تک مسلسل اسی کا ورد فرماتے رہے۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ جب فجر کا وقت ہُوا تو آنحضرتؐ نے لوگوں کو نماز کے لئے یہ کہہ کر پکارا "اے اللہ کے بندو" یہ سُن کر لوگ درخت کے نیچے جمع ہو گئے۔ آپ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہم سے خطاب فرمایا جس میں ہمیں جہاد کی ترغیب دی۔

کنوئیں کے کنارے حوض کی تعمیر

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ روانہ ہوئے تاکہ کفار سے پہلے پانی پر قبضہ کر سکیں یہاں تک کہ آپ بدر کے پانی کے قریب آکر اترے اس پر حضرت حباب بن منذر بن جموحؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو اس جگہ اُترنے کا حق تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے جس سے آپ آگے پیچھے نہیں ہو سکتے یا یہ آپ کی ذاتی رائے۔ ایک جنگی چال اور ایک تدبیر ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ یہ ایک ذاتی رائے۔ ایک جنگی چال اور ایک تدبیر ہے۔ تب انہوں نے عرض کیا کہ یہ اُترنے کے لئے موزوں جگہ نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو یہاں سے لے چلئے تاکہ کفّار کے پانی کے قریب جا کر اتریں کیونکہ مجھے وہاں کے پانی کی گہرائی اور کثرت کی جگہ کا اچھی طرح علم ہے ہم وہاں اتریں گے۔ پھر اس کے قریب گہرا کنواں کھود کر اس کے قریب ایک حوض تعمیر کر کے اُسے پانی سے بھر لیں گے جس سے ہم پی سکیں گے اور دشمن محروم رہیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم نے بہتر مشورہ دیا ہے۔ چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں سمیت اس طرف روانہ ہو گئے اور قوم کفار سے قریبی پانی کے ذخیرہ پر جا کر اُترے پھر آپ نے کنواں کھودنے کا حکم دیا چنانچہ گہرا کنواں کھود کر اس کے پاس بڑی حوض تیار کر لی گئی جسے کنوئیں کے پانی سے بھر لیا گیا پھر اس میں برتن ڈال ڈال کر پانی لینے لگے۔ حضرت حبابؓ اس طرف کے کنوؤں کے بُہت واقف تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا۔ یہ ایک پختہ و عمدہ جنگی اہمیت کا مشورہ تھا۔ کیونکہ لشکر کو ہمیشہ مسلسل پانی ملتے رہنے کے مقام پر خیمہ زن ہونا چاہیے جس کے بغیر چارہ نہیں۔ اسی دن سے حضرت حباب کو صاحب الرائے کہا جانے لگا۔

جھونپڑی کی تیاری

اس کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے لیے ایک جھونپڑہ

تیار نہ کر دیں تاکہ آپ اُس میں آرام فرما ہوں اور آپ کی سواریاں آپ کے قریب تیار کھڑی رہیں پھر ہم دشمن سے نبرد آزما ہو جائیں اگر خدا نے ہمیں عزت دی اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا فہوالمراد اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئی تو آپ اپنی سواریوں پر سوار ہو کر ہمارے پیچھے رہ جانے والوں سے جاملیں گے کیونکہ ایسے لوگ پیچھے رہ گئے ہیں کہ ہم آپ کی محبت میں اُن سے زیادہ نہیں ہیں اگر انہیں احساس ہو جاتا کہ آپ جنگ کریں گے تو وُہ کبھی پیچھے نہ رہتے بلکہ آپ کے ساتھ اخلاص کا معاملہ کرتے اور آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کرتے انہوں نے تو یہ گمان کیا کہ معاملہ صرف قافلہ کو روکنے کا ہے اس میں اللہ آپ کے موجودہ ساتھیوں کے ذریعہ مدد اور حفاظت فرمائے گا۔

یہ سُن کر آنحضرتؐ نے اُن کی تعریف و قدردانی فرمائی اور ان کے حق میں دُعائے خیر فرمائی اور فرمایا اے سعد اللہ اسی میں بہتری کرے گا۔

پھر ایک بلند ٹیلہ پر جہاں سے معرکۂ کارزار نظر آسکے آپ کے لئے ایک جھونپڑہ بنا دیا گیا جس میں آپ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف فرما ہوئے اور حضرت سعد بن معاذؓ تلوار حمائل کئے ہوئے پہرہ پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے لوگوں سے کہا مجھے بتاؤ تم سب میں بہادر کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا آپ۔ فرمایا سب میں بہادر حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ کیونکہ بدر کے دن جب ہم نے آنحضرتؐ کے لئے جھونپڑہ بنایا تو کہا کہ آنحضرتؐ کے پاس کون رہے گا تاکہ کوئی مشرک آپ کی طرف رُخ نہ کر سکے۔ پس حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے ساتھ رہے واللہ جونہی کوئی کافر آنحضرتؐ کے قریب پہنچتا آپ برابر اپنی تلوار آنحضرتؐ کے سر پر تانے رکھتے اور جو شخص بھی آنحضرتؐ پر حملہ کا قصد کرتا آپ اس پر جھپٹ پڑتے۔ خبروں میں آیا ہے کہ جب جنگ خوب بھڑک اُٹھی تب بھی جھونپڑی کے دروازے پر حضرت سعد بن معاذؓ اور انصار کی ایک جماعت برابر کھڑی پہرہ دیتی رہی۔

جھونپڑہ خیمہ کے مشابہ ایک سایہ دار کمرہ تھا جو کھجور کی شاخوں سے بنایا گیا تھا۔ سید سمہودی نے بیان کیا ہے کہ اس جھونپڑہ کی جگہ مسجد بدر کے قریب تھی جو مشہور ہے کہ نخلستان کے قریب واقع ہے جس کے قریب ہی پانی کا چشمہ بھی ہے۔

عتبہ بن ربیعہ کا قریش کو واپس ہو جانے کی نصیحت کرنا

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ابوسفیان کی رائے تھی کہ قریش واپس ہو جائیں اس لئے کہ قریش کا قافلہ اور ان کا سامان سب بچ گیا تھا۔ لیکن ابوجہل جنگ کرنے پر تلا ہُوا تھا جب قریش کو اپنی جائے قیام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو انہوں نے عمیر بن وہب جمحیؓ[1] کو مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کو بھیجا وُہ اپنا گھوڑا دوڑا کر آنحضرت کے لشکر کے قریب پہنچا اس نے دیکھا کہ آپ کے ساتھ کم و بیش تین سو آدمی ہیں۔ واپس جا کر اُس نے قریش سے حسب ذیل کیفیت بیان کی۔

اے جماعتِ قریش میں نے دیکھا کہ بلائیں موت کو اٹھائے ہوئے پھر رہی ہیں یعنی یثرب کے لوگ ایک مسموم و قاتل موت کو دوش پر اُٹھائے ہُوئے ہیں۔ کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ وُہ گونگے بنے ہوئے ہیں کچھ بات نہیں کرتے جس طرح اژدہے ڈسنے کو اپنی زبان باہر نکالتے ہیں اس طرح وُہ جوشِ غضب سے اپنی زبانیں باہر نکالے ہُوئے ہیں۔ یہ لوگ عزم رکھتے ہیں کہ گھر لوٹ کر نہ جائیں گے وُہ کرنجی آنکھوں والے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ڈھالوں کے نیچے سخت پتھر ہیں (مراد انصار ہیں)

وُہ ایسی قوم ہیں جن کی دفاعی قوّت صرف اُن کی تلواریں ہیں۔ واللہ مجھے تو نظر آ رہا ہے کہ تم ان کا کوئی شخص اس وقت تک قتل نہ کر سکو گے جب تک پہلے تمہارا آدمی قتل نہ کر دیا جائے گا پس اگر اُنہوں نے ہمارے بہت سے آدمی ٹھکانے لگا دیئے تو اُن کے بعد زندگی کا کیا مزہ رہ جائے گا اب تم سوچ سمجھ کر رائے قائم کر لو۔ جب حکیم بن حزامؓ[2] نے یہ رپورٹ سُنی تو لوگوں میں گھومے پہلے عتبہ بن ربیعہ کے پاس آئے اور کہا اے ابوالولید تم قریش کے بڑے اور ان میں واجب الاطاعت ہو کیا تم یہ پسند کرو گے کہ لوگوں میں زمانۂ دراز تک تمہارا ذکرِ خیر جاری رہے۔ اس نے کہا اے حکیم کیا بات ہے؟ کہنے لگے سب لوگوں کو واپس لے چلو۔ پس عتبہ نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی۔ اے جماعت قریش واللہ محمد اور اس کے ساتھیوں سے لڑ کر تمہیں کچھ حاصل نہ ہو گا۔ واللہ اگر تم نے اس سے جنگ

---

[1] اس کے بعد عمیر اسلام لے آئے اور اُن کا اسلامی کردار بہت اچھا رہا۔ غزوہ اُحد میں آنحضرت کے ہمراہ شریک جہاد رہے۔ م

[2] یہ حضرت خدیجہ کے بھتیجے اور حضرت زبیر بن عوام کے چچا زاد بھائی تھے۔ کعبہ میں ان کی ولادت ہُوئی فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ زمانۂ جاہلیت و اسلام ہر دو زمانوں میں ان کا قریش کے معززین و سر برآوردہ لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ م

کی تو ہمیشہ ہمیشہ ہر شخص ایسے شخص کو دیکھتا رہے گا جس کی طرف وہ نظر اُٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کریگا کیونکہ کسی نے اپنے ہی چچازاد بھائی ماموں زاد بھائی یا اپنے ہی کُنبہ کے کسی اور شخص کو قتل کیا ہو گا۔ پس بہتر ہے کہ واپس چلے چلو اور محمدؐ اور تمام عرب کو اپنے حال پر چھوڑ دو اگر محمدؐ کو تمہارے سوا کسی اور نے گزند پہنچایا تو تمہاری حسبِ خواہش تمہاری مراد پوری ہو جائے گی اور اگر تم ایسا نہیں چاہتے تو وہ تم سے مانوس رہیں گے تم اُن سے جو مراعات چاہو گے حاصل کر سکو گے۔

اے قوم آج اس عار کو میری طرف منسوب کر دو اور کہہ دو کہ عتبہ نے بُزدلی دکھائی ہے حالانکہ تم بخوبی واقف ہو کہ میں تم سب میں معمولی بزدل بھی نہیں ہوں۔ جب ابو جہل کو عتبہ کی اس تقریر کی خبر پہنچی تو اُس نے اُسے بزُدلی کا طعنہ دیا اور کہا "واللہ ہم ہرگز واپس نہوں گے جب تک اللہ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان فیصلہ نہ کر دے گا"۔ پس ابُوجہل نے عتبہ کی رائے کو کالعدم کر دیا اور مسلمانوں سے لازمی جنگ کرنے پر اڑا رہا۔

مُسلمانوں کی صفوُف کی ترتیب اور آنحضرتؐ کی دُعا

جب صُبح ہوئی تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی صفوں کو ترتیب دیا ادھر سامنے قریش بھی صف بستہ ہو گئے اس وقت آنحضرتؐ نے یہ دُعا مانگی "اے خُدا یہ قریش تکبّر اور فخر کے ساتھ سامنے صف آرا ہوئے ہیں یہ تجھ سے عداوت رکھتے اور تیرے رسُول کو جُھٹلاتے ہیں۔ اے اللہ اب تجھ سے تیری اس مدد کا خواستگار ہوں جس کا تُو نے مجھُ سے وعدہ فرمایا ہے"۔

حوض میں گرنے کا واقعہ

اسود مخزومی بہت فتنہ پرور اور بدکردار شخص تھا وُہ صف سے باہر نکلا اور کہنے لگا میں خُدا سے عہد کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں کے حوض کا پانی پیوں گا یا اُسے منہدم کر دوں گا۔ یا اسی کوشش میں جان دے دوں گا۔ جب وُہ اس ارادے سے آگے بڑھا تو حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ نے اس کا مقابلہ کیا اور اس کے حوض پر پہنچنے سے پہلے ہی اس پر تلوار کا وار کیا۔ تلوار اس کی کمر پر پڑی اور ٹانگ سے خون بہ نکلا اسی حالت میں وُہ حوض میں آگرا اس خیال سے کہ اس طرح اپنی قسم پوری کر سکے گا پس حضرت حمزہؓ نے حوض ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ اسود، اسود بن عبد الاسد مخزومی، عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومیؓ کا بھائی اور حضرت اُمِّ سلمہؓ کا شوہر تھا مشرکین میں وہ پہلا مقتول تھا جو بدر میں قتل کیا گیا۔ یہی وہ پہلا شخص ہو گا جو قیامت کے دن اپنی کتاب بائیں ہاتھ میں لے گا۔ اور اسی کے بھائی عبد اللہ بن عبد الاسدؓ وہ پہلے شخص ہوں گے جو اپنی کتاب دائیں ہاتھ میں لیں گے جیسا کہ متعدد احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔

آغازِ جنگ

عتبہ بن ربیعہ نے اپنے لئے خود مانگا تاکہ اسے سر پر اوڑھ لے لیکن اس کا سر بہت بڑا تھا اس لئے لشکر میں سے کسی کا خود اس کے ٹھیک نہ آیا۔ تب اس نے سر پر اپنی چادر کا عمامہ باندھا اور اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے فرزند ولید بن عتبہ کو ساتھ لئے ہوئے آگے بڑھا اور صف سے نکل کر کسی مسلمان کو مقابلہ کے لئے للکارا۔ اس کے جواب میں انصار کے چند نوجوان اس کے مقابلہ کو نکلے۔ یہ حارث کے فرزندان حضرت عوف و معاذ انصاریؓ اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ انصاریؓ تھے۔ قریش نے کہا تم کون ہو؟ کہا ہم جماعت انصار سے ہیں۔ انہوں نے کہا ہمیں تم سے مقابلہ کی ضرورت نہیں ہم تو اپنی قوم کو مقابلہ پر بلانا چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی اُن کے منادی نے للکار کر کہا۔ اے محمد ہماری قوم کے ہم کفو کو ہمارے مقابلہ میں نکالو۔ پس آنحضرتؐ نے انصاری نوجوانوں سے فرمایا کہ تم اپنی صفوں میں واپس چلے جاؤ۔ اُن کے بنو اعمام اُن کے سامنے آئیں گے پھر آپ نے فرمایا اے عبیدہ بن حارث کھڑے ہو جاؤ اے حمزہ کھڑے ہو جاؤ اے علی کھڑے ہو جاؤ۔ پس حضرت عبیدہ نے جو مسلمانوں میں سب سے معمر تھے عتبہ کا مقابلہ کیا جو اپنے تینوں ساتھیوں میں معمر تھا۔ اور حضرت حمزہؓ نے شیبہ کا مقابلہ کیا۔

حضرت علیؓ نے ولید بن عتبہ کا مقابلہ کیا پس حضرت حمزہؓ نے اپنے مدمقابل شیبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید کو قتل کر ڈالا اور عبیدہؓ اور عتبہ کا مقابلہ برابر رہا۔ ہر ایک نے دوسرے پر دو دو وار کئے اور دونوں نے اپنے مدِمقابل پر کاری ضربیں لگائیں۔ پھر حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے اپنی تلواروں سے عتبہ پر کئی وار کر کے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو اٹھا کر ان کے ساتھیوں میں لے آئے۔ حضرت عبیدہ کے گھٹنے میں سخت زخم آئے تھے انہی کی تکلیف سے واپسی پر بمقام صفراء اُن کا انتقال ہو گیا۔ کہا گیا ہے کہ یہ پہلا مقابلہ تھا جو اسلام کے دور میں ہوا۔

مُسلمانوں کی صفوُف کی ازسرِنو ترتیب اور جہاد کی ترغیب

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب پہلے مقابلہ کرنے والے قتل کر دیے گئے تو آنحضرتؐ اپنے جھونپڑہ سے برآمد ہوئے تاکہ صفوف کی ترتیب فرمائیں پس آپ نے ایک بے نوک والے تیر سے جو آپ کے ہاتھ میں تھا صفوں کو درست فرمایا۔

آپ بنو نجار کے حلیف سواد بن غزیہ کے پاس سے گزرے تو انہیں صف سے باہر نکلا ہوا پایا آپ نے اس تیر سے ان کے پیٹ میں کچوکہ دیا اور فرمایا اے سواد صف میں آجاؤ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی حالانکہ اللہ نے آپ کو حق و انصاف کے لئے بھیجا ہے پس آپ اپنی ذات سے مجھے اس کا قصاص دیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے اپنا شکم مبارک کھول دیا۔ اور فرمایا اپنا بدلہ لے لو۔ پس وہ آنحضرتؐ سے چمٹ گئے اور آپ کے بطن مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ نے فرمایا اے سواد تمہیں کس بات نے اس پر آمادہ کیا ؛ عرض کیا یارسول اللہ آپ دیکھ رہے ہیں موت سامنے ہے پس میری خواہش ہوئی کہ میرا آخری وقت ایسا ہو کہ میرا جسم آپ کی جلد مبارک سے مس ہو جائے۔ پس آنحضرتؐ نے اس کے لئے دعائے خیر فرمائی پھر جب آپ صفیں درست فرما چکے تو مجاہدین سے فرمایا۔ جب فریق مقابل تمہارے قریب آجائے تو پہلے انہیں بھلائی کی نصیحت کرو اور اپنے تیروں کو استعمال کرنے اور تلوار سونتنے میں پہل نہ کرو جب تک وُہی تم پر نہ جھپٹیں۔

پھر آپ نے اُن کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اُنہیں جہاد اور ثابت قدمی کی ترغیب دی پھر اپنے جھونپڑہ میں واپس تشریف لے گئے جہاں آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ بھی تھے اور کوئی نہ تھا البتہ حضرت سعد بن معاذؓ چند انصار کے ہمراہ اپنی تلوار حمائل کئے دروازے پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے کیونکہ یہ اندیشہ تھا کہ مبادا دشمن آپ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔

مُسلمانوں اور مشرکوں کے جھنڈے

آنحضرتؐ کا سب سے بڑا جھنڈا لواءِ مہاجرین تھا جو حضرت مصعب بن عمیرؓ تھامے ہوئے تھے اور لواءِ خزرج حباب بن منذر تھامے ہوئے تھے۔ لواءِ اوس حضرت سعد بن معاذؓ کے پاس تھا۔

آنحضرتؐ نے مہاجرین کا علامتی کلمہ "یا بنی عبدالرحمان" خزرج کا علامتی کلمہ "یا بنی عبداللہ" اور اوس کا "یا بنی عبیداللہ" رکھا۔ ایک روایت ہے کہ الگ الگ شعار نہ تھے بلکہ اس دن تمام

مسلمانوں کا علامتی کلمہ" یا منصور اُمت" تھا۔

ادھر مُشرکوں کے تین جھنڈے تھے۔ ایک جھنڈا ابو عزیز بن عمیر کے پاس تھا ایک نضر بن حارث کے پاس اور ایک طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس یہ سب قبیلۂ بنو عبداللہ کے افراد تھے۔

فریقین کی مُڈبھیڑ اور جنگ کا بھڑکنا

جب آنحضرتؐ اندر تشریف لے گئے تو فریقین باہم بھڑ گئے ہر ایک دوسرے کے قریب آگیا قریش کی ایک جماعت آگے بڑھ کر آنحضرتؐ کی حوض تک پہنچ گئی آپ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو۔ پس ان میں سے جس نے بھی حوض سے پانی پیا وُہی قتل کر دیا گیا بجز حکیم بن حزام کے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جب تک آپ حکم نہ دیں مسلمان مشرکوں پر حملہ نہ کریں۔ آنحضرتؐ کو اس عرصہ میں کچھ اونگھ آ گئی تھی۔ پھر آپ بیدار ہو گئے اور حق تعالیٰ نے خواب میں آپ کے سامنے کفّار کو تھوڑا دکھایا آپ نے صحابہ کو اس کی اطلاع دی تو وُہ اور ثابت قدم اور دلیر ہو گئے۔

پھر آنحضرتؐ خیمہ سے باہر نکلے اور مُومنین کو جہاد پر اُبھارا اور مٹھی بھر کنکریاں ہاتھ میں لے کر قریش کی طرف پھینکیں اور فرمایا" اللہ ان کے چہرے مسخ کر دے"۔ پھر اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ اب حملہ کر دو پس جنگ کا خاتمہ کفار کی شکست پر ہُوا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ بدر کے دن اپنے خیمہ میں تھے کہ آپ نے خُدا سے عرض کیا۔" اے خُدا میں تجھے تیرا عہد و وعدہ یاد دلاتا ہوں اے اللہ اگر آج یہ مختصر جماعت فنا ہو گئی تو پھر کبھی اس زمین پر تیری عبادت نہ ہو سکے گی ایک روایت میں ہے اگر آج اہل ایمان کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر کبھی رُوئے زمین پر تیری عبادت نہ ہو گی۔ نسائی اور حاکم نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت نقل کی ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے بدر کے دن تھوڑی سی جنگ لڑی تھی کہ پھر آنحضرتؐ کا حال معلوم کرنے آپ کے خیمہ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ سجدہ میں پڑے ہُوئے" یا حیُّ یا قیوّم" فرما رہے تھے اس کلمہ سے زیادہ کچھ نہ کہتے تھے پس میں لوٹ گیا اور جنگ میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آپ کے پاس آیا تو آپ کو اسی حال میں پایا۔ اُنہوں نے چار مرتبہ یہی کیا۔ چوتھی مرتبہ میں کہا کہ اس کے بعد اللہ نے آپ کو فتح عطا فرمائی۔ یہ واقعہ خُدا کے اس نام کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔

جب آنحضرتؐ نے مشرکوں پر کنکریاں پھینکیں تو اُن میں سے کوئی بھی نہ بچا جس کی آنکھیں ناک منہ میں مٹی نہ بھر گئی ہو جس کے سبب ان میں سے ہر ایک متحیر و پریشان ہو گیا کہ کہاں جائے اور کیا تدبیر کرے جس سے اپنی آنکھوں سے یہ دھول نکال سکے۔ پس وُہ شکست خوردہ ہو کر بھاگے اور مسلمان ان کا تعاقب کر کے اُنہیں قتل کرتے اور گرفتار کرتے جاتے تھے۔ حق تعالیٰ نے آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ — جب آپ نے مشرکین پر کنکریاں پھینکیں تو آپ نے نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔

یہ آنحضرتؐ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔

آنحضرتؐ یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے "

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ — عنقریب کفار شکست کھا جائیں گے اور پشت دکھا کر فرار ہو جائیں گے

نیز آپؐ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ مسلمانوں میں جو شخص آج کفار سے جنگ کرے گا اور وُہ ثابت قدمی و استقامت کے ساتھ آگے بڑھ کر جہاد کرے گا پیچھے نہ ہٹے گا اور اسی حالت میں شہید ہو جائے گا تو حق تعالیٰ اُسے لازماً جنت میں داخل فرمادیگا یہ سن کر عمیر بن حمام انصاریؓ جو ہاتھ میں کھجوریں لئے کھا رہے تھے بولے:

" اوہو کیا اچھی بات ہے کہ میرے اور جنت میں داخلہ کے درمیان کچھ بھی فرق نہیں بجز اس کے کہ مجھے یہ کفار شہید کر ڈالیں " یہ کہہ کر کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور جا کر کفار سے لڑنے لگے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ کے غلام مہجعؓ کو ایک تیر آ کر لگا جس سے وُہ شہید ہو گئے پس وُہ اس جنگ کے سب سے پہلے شہید تھے پھر حارثہ بن سراقہ انصاریؓ کے تیر آ کر لگا جس سے وُہ بھی شہید ہو گئے۔ اور عوف بن عفراؓ بھی لڑ کر شہید ہو گئے۔ الحاصل اس دن فریقین کے درمیان گھمسان کا رن پڑا جس میں بالآخر کفار کو شکستِ فاش ہوئی۔ کچھ ان میں سے قتل کر دیے گئے اور کچھ گرفتار کر لئے گئے۔ یہ جنگ صبح کو شروع ہوئی تھی اور ظہر تک کفار کو شکست ہو گئی۔ مشرکوں کے مقتولین کی تعداد ستر اور گرفتار شدہ لوگوں کی چوہتر تک پہنچی۔ اِدھر مُسلمانوں کے شہداء کی تعداد صرف چودہ تھی۔ جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصاری تھے۔ بدر کے دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے

سب سے بڑے فرزند عبدالرحمان کو مقابلہ کے لئے للکارا تو آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا "آپ ہمیں اپنی ذات سے مستفید ہونے دیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ میرے لئے کان اور آنکھ کا درجہ رکھتے ہیں"۔ پھر عبدالرحمان صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام لے آئے۔ ان کا نام اسلام سے پہلے "عبدالکعبہ" اور ایک قول کے مطابق "عبدالعزیٰ" تھا۔ پھر آنحضرتؐ نے ان کا نام عبدالرحمان رکھ دیا۔ یہ قریش میں بڑے بہادر اور بہت تیر انداز مانے جاتے تھے۔ اس دن حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے اپنے والد کو قتل کر دیا جو مشرک تھے اور حضرت بلالؓ نے امیہ بن خلف جمحی کو قتل کر ڈالا جو زمانہ جاہلیت میں حضرت عبدالرحمان بن عوف کا دوست تھا کیونکہ یہ شخص مکہ میں حضرت بلال کو اس غرض سے کہ آپ اسلام کو چھوڑ دیں سخت ایذائیں دیتا تھا اور ابن عضراءؓ نے ابوجہل پر بھرپور وار کیا اور ابن جموحؓ نے اس کے پیر کاٹ ڈالے جنگ ختم ہونے پر جب آنحضرتؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ ابوجہل کو مقتولین میں تلاش کیا جائے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے ساتھ تلاش کو نکلے اور اسے اس حال میں پایا کہ اس کا آخری سانس باقی تھا پس انہوں نے اپنا پیر اُس کی گردن پر رکھا اور سر تلوار سے جُدا کر کے اُس کا سر آنحضرتؐ کی خدمت میں لے جا کر پیش کر دیا پھر جب اُس کا سر آنحضرتؐ کے سامنے لا کر ڈال دیا گیا تو آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ چلے۔ انہوں نے حضرت کو اُس کی لاش پر لا کھڑا کیا۔ جسے دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا "یہ شخص اِس اُمت کا فرعون اور عمارتِ کُفر کی چوٹی تھا" ابنِ مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مجھے اُس کی تلوار مالِ غنیمت میں عطا فرمائی۔ یہ تلوار چھوٹی مگر چوڑی تھی جس کے دستہ پر چاندی کا کام تھا اور جس کے کُنڈے بھی چاندی کے تھے

بدر کے دن فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کو آنا

آیات واحادیث میں وارد ہے کہ حق تعالیٰ نے بدر کے دن ملائکہ کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی پس وہ ان کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑے جب جنگِ بدر ختم ہو گئی تو حق تعالیٰ نے سورۃ انفال نازل فرمائی جس میں آیت ذیل میں خاص ملائکہ کے واقعہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ — اس دن کو یاد کرو جب تم اللہ سے فریاد کر رہے تھے پھر اس

لَكُمْ اِنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○

نے تمھاری فریاد سن لی اور کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا جو سلسلہ وار آتے رہیں گے۔ حق تعالیٰ نے تمھاری یہ امداد اس لئے کی تھی کہ تمھیں فتح و نصرت کی خوشخبری مل سکے۔ نیز اس سے تمھارے دلوں کو اطمینان و سکون میسر ہو اور درحقیقت فتح و نصرت تو صرف خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے. بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے.

پھر ارشاد ہوتا ہے :۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○

اے محمدؐ! اس وقت کو یاد کیجئے جب آپؐ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمھارا ساتھی ہوں پس تم مومنوں کی ڈھارس بندھاؤ میں ابھی کفار کے دلوں میں رعب بٹھائے دیتا ہوں پس تم جا کر ان کی گردنوں اور ان کے جوڑ جوڑ پر کاری ضرب لگاؤ۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِیْنَ ○ بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ

واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جنگ بدر میں تمھاری اس وقت مدد فرمائی تھی جب تم بے سروسامان تھے سو اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تمھیں شکر گزاری کی توفیق ہو۔ اے محمدؐ! اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ مومنوں سے فرما رہے تھے کہ کیا تمھارے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمھارا پروردگار تین ہزار فرشتے آسمان سے نازل کر کے ان سے تمھاری مدد فرمائے۔ ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و استقامت اور تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ ابھی ابھی تمھارے پاس آئیں گے۔ بلکہ تمھارا رب پانچ ہزار علامتی نشان والے فرشتے بھیج کر تمھاری مدد فرمائے گا۔ یہ محض اس لئے کہ تمھیں فتح و غلبہ کی خوشخبری ملے اور تمھارے دلوں کو سکون و قرار میسر ہو۔ درحقیقت حقیقی فتح و نصرت تو صرف خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو

اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ○ بہت غلبہ والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

صحیح بُخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ نے بدر کے دن فرمایا" یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کو پکڑے ہوئے ہیں" اور اِس پر جنگی ہتھیار لدے ہُوئے ہیں "۔ درحقیقت ملائکہ کے ذریعہ مسلمانوں کی امداد آنحضرتؐ کے معجزات میں سے تھی جس کا قرآنِ کریم میں صراحۃً ذکر کیا گیا ہے جس سے انکار ممکن ہی نہیں۔ حضرت سہل بن حنیفؓ نے اپنے والدؓ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے بدر کے دن بچشمِ خود یہ مشاہدہ کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص مُشرک کی طرف تلوار چلاتا تو تلوار کے اس کے جسم پر لگنے سے پہلے ہی اُس کا سرتن سے جُدا ہو کر نیچے گر پڑتا تھا۔

بدر کے دن ملائکہ کا حُلیہ

ملائکہ بدر کے دن سیاہ عمامے باندھے ہوئے تھے جن کے شملے ان کی کمر پر پڑے ہُوئے تھے البتہ صرف حضرت جبریل علیہ السلام کا عمامہ زرد رنگ کا اور ایک قول کے مطابق سُرخ رنگ کا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ کچھ فرشتوں کے عمامے زرد رنگ کے کچھ کے سفید رنگ کے کچھ کے سیاہ رنگ کے اور کچُھ کے سُرخ رنگ کے تھے اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کا حُلیہ یہ تھا کہ وُہ عمامے باندھے ہوئے تھے جو سبز زرد اور سرخ رنگ کے تھے اور اُن کے شملے ان کے اپنے اپنے مونڈھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے۔ اور حضرت زبیر بن عوامؓ بدر کے دن زرد رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے اور ملائکہ کے گھوڑے ابلق اور نشان زدہ تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وُہ بادل جو وادیٔ تیہ میں بنی اسرائیل پر سایہ کئے ہوئے تھے انہی بادلوں کے سایہ میں بدر کے دن ملائکہ آئے تھے۔

مقتولینِ کُفّار کو گڑھے میں ڈالنے کا ذکر

آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ مشرکین کے مقتولین کو میدان جنگ سے ہٹا کر ایک گڑھے میں ڈال دیا جائے چنانچہ سب کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ بجز امیہ بن خلف کے کیونکہ وُہ اپنی زرہ میں پھول گیا تھا جس سے وُہ اسی میں پھنس گیا۔ اُسے جب نکالنا چاہا تو اس کے اعضا

ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اس پر وہیں مٹی پتھر ڈال کر اس کی نعش کو دبا دیا گیا۔

مشرکوں کو گڑھے میں ڈال دینے کی وجہ یہ تھی کہ اُن کی وجہ سے میدان میں بُہت بدبو پھیل گئی تھی اور ان سب کو دفن کرنے کی بہ نسبت ایک ہی گڑھے میں ڈال دینا زیادہ آسان تھا۔

ان کے گڑھے میں ڈالے جانے کے تین دن بعد رات کے وقت آنحضرتؐ اپنے صحابؓ سمیت وہاں تشریف لائے اور گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہو کر فرمایا:

اے گڑھے والو تم نبی کے قبیلہ کے بدترین شخص تھے۔ میں نے تمہیں ایمان کی دعوت دی مگر تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔

پھر (گڑھے کی موجودہ نعشوں کو نام بنام خطاب کر کے) فرمایا اے عتبہ۔ اے شیبہ۔ اے امیہ بن خلف۔ اے ابوجہل بن ہشام وغیرہ، تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے بھی اس وعدہ کو صحیح پالیا کیونکہ مجھ سے تو میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا میں نے اُسے صحیح پایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ آپ ان اجسام سے کیسے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں روح ہی باقی نہیں رہی۔ فرمایا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اسے اُن کے مقابلہ میں اُن سے زیادہ نہیں سُن سکتے لیکن فرق یہ ہے کہ وُہ میری بات کا جواب نہیں دے سکتے۔

قیدی اور ان کا فدیہ

ایک قیدی کا فدیہ زیادہ سے زیادہ چار ہزار تھا بعض کا حسب مراتب کم بھی تھا۔ پس ہر قیدی نے اپنی دولت کے مطابق اپنا زرِ فدیہ ادا کر دیا۔ مکّہ والے پڑھے لکھے تھے۔ مدینہ والے ان پڑھ تھے پس جس کے پاس فدیہ کی رقم نہ ہوتی وُہ مدینہ کے لڑکوں میں سے دس جاہل لڑکے اس کے سپرد کر دیتا جنہیں قیدی تعلیم دیتا جب وُہ لڑکے تعلیم میں ماہر ہو جاتے تو اس کا فدیہ پُورا ہو جاتا۔

پس حضرت زید بن ثابت بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے لڑکوں کو تعلیم دی تھی ان ہی قیدیوں میں آنحضرتؐ کے چچا اور آپ کے والد کے برادر حقیقی حضرت عباسؓ بھی تھے جن کی کنیت اپنے فرزند فضل کی نسبت سے ابوالفضل تھی۔ یہ آنحضرتؐ سے صرف دو سال بڑے

تھے ایک قول کے مطابق تین سال بڑے تھے۔ یہ زمانۂ جاہلیت میں قریش کے سردار تھے اور مسجد حرام کی عمارت کی تولیت اور سقایہ (پانی پلانے) کی خدمت ان ہی کے سپرد تھی۔ یہ بدر کے دن مشرکوں کے ساتھ تھے یہ بھی گرفتار ہوئے اور ان کو رسی سے کس کر باندھ دیا گیا۔ پس اس رات آنحضرتؐ جاگتے رہے آپ کو مطلق نیند نہ آئی۔ کسی صحابی نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ آپ کیوں جاگ رہے ہیں؟ فرمایا مجھے عباس کے کراہنے کی وجہ سے نیند نہیں آتی یہ سن کر قوم کا ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عباس کی بندش ڈھیلی کر دی۔ کچھ دیر بعد آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ مجھے عباس کی کراہ نہیں سنائی دیتی۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے اُن کی بندش ڈھیلی کر دی ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ دُوسرے تمام قیدیوں کی بندشیں بھی اسی طرح ڈھیلی کر دی جائیں۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا اے عباسؓ اپنی اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کر دو۔ عتبہ کا سو اوقیہ اور باقی ہر ایک کا چالیس چالیس اوقیہ فی کس۔ انہوں نے کہا جب تک آپ ہم میں رہے اور جب جُدا ہُوئے میں قریش کا سب سے زیادہ مفلس شخص رہا یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا وُہ مال کہاں ہے جو آپ نے اُمّ فضل کو دیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو یہ میرے بیٹوں فضل. عبداللہ اور قثم کا ہے؟ اس پر حضرت عباس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں یہ وُہ راز تھا جس کا میرے اور امّ فضل کے سوا کسی اور کو علم نہ تھا۔ پھر کلمہ پڑھا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جب حضرت عباس نے آنحضرتؐ سے کہا کہ جب تک آپ رہے اور جب ہم سے جُدا ہوئے میں قریش میں سب سے زیادہ مُفلس رہا۔ آپ نے فرمایا تم قریش کے مفلس کیسے ہو سکتے ہو جبکہ تم نے سونے کی بندوقیں یہ کہہ کر اپنی زوجہ امّ فضل کے سپُرد کی ہیں کہ اگر میں قتل ہو گیا تو میں نے تمہیں عمر بھر کے لئے دولت مند بنا دیا۔ حضرت عباسؓ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے جو فرمایا واقعہ وُہی تھا اور خُدا کے سوا اس کا اور کسی کو بھی علم نہیں تھا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عباسؓ درپردہ اسلام لے آئے تھے لیکن اپنے اسلام کو اس وجہ سے چھپاتے تھے کہ ان کی رقمیں قریش پر بطور قرض پھیلی ہوئی تھیں جس کے سبب انہیں اندیشہ تھا کہ اگر انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا تو یہ رقمیں ڈوب جائیں گی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ ہم سے فدیہ کیوں لیا جاتا ہے جب کہ ہم مسلمان تھے ؟ ایک روایت میں یہ جملے ہیں کہ "میں تو مسلمان تھا لیکن میری قوم نے مجھے مجبور کر رکھا تھا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ آپ جو کہتے ہیں اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے اگر یہ بات صحیح ہوئی تو اللہ آپ کو اس کی جزائے خیر دے گا۔ لیکن بظاہر آپ ہمارے خلاف ہی تھے پھر حق تعالیٰ نے حضرت عباسؓ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم	اے نبی! اپنے مقبوضہ قیدیوں سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے
مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ	قلوب میں نیکی و پاکیزگی معلوم کرے گا تو تم سے جو فدیہ لیا گیا ہے
خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَ	تمہیں اس سے بہتر مرحمت فرما دے گا اور تمہاری مغفرت بھی
يَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝	فرما دے گا۔ اللہ بہت بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ اس آیت کے بعد میری یہ تمنا ہے کہ آپ نے مجھ سے جو فدیہ لیا ہے کاش آپ اس سے زیادہ لے لیتے پھر حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اس طرح کہ حضرت عباسؓ کو بہت دولت عطا فرمائی یہاں تک کہ آپ کے پاس سو غلام تھے اور ہر غلام کے پاس کافی مال تھا جو آپ کی طرف سے اس سے تجارت کرتا تھا۔ قریش نے اپنے قیدیوں کا جو فدیہ ادا کیا تھا اس کی رقم بیس ہزار درہم سے زیادہ تک پہنچ گئی تھی ان قیدیوں میں نضر بن حارث عبدری بھی تھا جو آنحضرتؐ کی عداوت میں سب سے شدید تھا اور قرآن کریم کے بارے میں بکواس کیا کرتا تھا کہ نعوذ باللہ یہ پہلوں کی جھوٹی قصہ کہانیاں ہیں وہ یہ بھی دعویٰ کیا کرتا تھا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا ہی کلام کہہ کر دکھا دیں اور اسی قسم کی خرافات بکتا تھا پس آنحضرتؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا چنانچہ اُنہوں نے تعمیل کی جب اس کی بہن قتیلہ کو یہ خبر پہنچی بعض کا قول ہے کہ یہ اس کی بیٹی تھی تو اُس نے اس کے مرتبہ میں اشعار ذیل کہے پھر اسلام لے آئی۔ اور

کتاب اسد الغابہ میں ہے کہ قتیلہ نضر کی بیٹی تھی۔

اور واقدی نے کہا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اس کے باپ نضر بن حارث کو بدر کے دن قتل کرادیا تو اس نے درج ذیل اشعار کہے تھے۔

یَا رَاکِباً اِنَّ الاُثَیْلَ مظنَّةٌ	اے شہسوار! پانچویں دن کی صبح ہی کو تیری موروثی عظمت وشرافت کا پتہ
من صبح خامسة وانت مُوَفَّقٌ	چل گیا تھا جب کہ توفیق ایزدی تیرے شامل حال ہوگئی تھی۔
اَبلِغ بِهَا مَيتاً بِاَنَّ تَحِيَّةً	اس میت کو میرا سلام پہنچا دو، جس کی شرافت ونجابت کے پھریرے
ما اَن تَزَالُ بِهَا النَّجَائِبُ تُخْفَقُ	ہمیشہ لہراتے رہیں گے۔
مِنّی اِلَيْكَ وَعَبْرَةً مَسْفُوحَةً	میری طرف سے تیری خدمت میں مسلسل خون کے آنسو بہانے والی آنکھوں کا
جادت بِوَاكِفِهَا واُخْرَى تَخْنُقُ	ہدیہ پیش ہے اور کبھی روتے روتے حلق میں پھندا بھی لگ جاتا ہے۔
ظَلَّت سيوف بني ابيه تَنُوشُهُ	حسرت ہے کہ اس کے باپ ہی کے فرزندوں کی تلواریں اس پر حملہ آور ہوئیں
لِلّٰهِ اَرحامٌ هُنَاكَ تَشَقَّقُ	اور اس میدان (بدر) میں خدا کے نام پر قرابت کے رشتے کاٹ کر رکھ دیئے گئے۔
قسراً يُقَادُ الى المَنِيَّةِ مُتْعَباً	شدید غصہ وغضب کے ساتھ اسے بے بس ومجبور کر دیا گیا اور اس کے بیر قیدیوں
رَسفَ المُقَيَّدِ وهو عانٍ موثَقٌ	کی طرح رسیوں سے مضبوطی سے جکڑ کر اسے ذلیل وخوار کیا گیا۔
اَمُحَمَّدٌ اَوَلَستَ صِنوَ نَجِيبَةٍ	اے محمدؐ! کیا آپ محمد (قابل تعریف شخصیت) نہیں؟ کیا آپ شاعرہ ہی کی
مِن قومِهَا والفحلُ فحلٌ مُعْرِقُ	قوم کی انتہائی معزز اور شریف ترین شخصیت نہیں؟ کیا آپ بہادر اولوالعزم
	اور موروثی شریف نہیں؟
ما كان ضَرَّكَ لو مَنَنتَ ورُبَّمَا	اگر آپ نضر بن حارث پر احسان فرماتے تو آپ کا کیا بگڑ جاتا۔ کبھی ایک حوصلہ
مَنَّ الفتى وهو المَغِيظُ المُحنَقُ	جوانمرد انتہائی غیظ وغضب کی حالت میں بھی دوسرے پر احسان کرتا ہے۔
فالنَّضرُ اَقرَبُ مَن اَسَرتَ قرابةً	پس نضر تو ان دوسروں کے مقابلہ میں جنھیں آپ نے قیدی بنالیا۔ آپ کے زیادہ
وَاَحَقُّهُم اِن كان عِتقٌ يُعتَقُ	قریبی رشتہ دار تھے اور اگر دوسروں کو آزادی دی گئی تھی تو وہ تو اس آزادی کے
	ان سب سے زیادہ مستحق تھے۔

جب آنحضرتؐ نے یہ اشعار سُنے تو رو پڑے اور فرمایا اگر نضر کے قتل سے پہلے یہ شعر مجھ تک پہنچ جاتے تو میں ضرور اس پر احسان کرتا۔

ان ہی قیدیوں میں عقبہ بن ابی معیط بن ذکوان بھی تھا جس کی کُنیت ابُوعمرو بن اُمیّہ بن عبد شمس تھی یہ بھی آنحضرتؐ کی عداوت میں بُہت شدید اور آپ کا مذاق اُڑانے والوں میں سے تھا۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب عقبہ کو قتل کرنے کو لایا گیا تو اس نے پکار کر کہا۔ اے جماعتِ قریش یہ کیا بات ہے کہ مجُھے تمہارے سامنے جبرًا قتل کیا جا رہا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا تیرے کفُر اور اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں بے ہودہ جسارت کی بنا پر تجھے قتل کیا جا رہا ہے۔ یہ عقبہ وُہی ہے جس نے مکّہ میں آنحضرتؐ کی کمر مبارک پر جبکہ آپ سجدہ میں تھے اُونٹ کا اوجھ گوجھ لاکر رکھ دیا تھا۔ پس نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط یہی دو قیدی تھے جن کے قتل کرنے کا آنحضرتؐ نے حکم فرمایا تھا باقی دوسرے قیدیوں کے متعلق آنحضرتؐ نے مشورہ فرمایا تھا۔ پس آپ نے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ فرمایا کہ دو باتوں میں کون سی بہتر رہے گی قتل کر ڈالنا یا فدیہ لے لینا۔

قیدیوں کے متعلق حضرت ابوبکر کی رائے

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ آپ کے اہل قرابت اور آپ ہی کی قوم کے افراد ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آپ ہی کے ہم جد آپ ہی کا کنبہ اور آپ ہی کے بھائی ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح عطا فرمائی اور ان کے مقابلہ میں آپ کی مدد فرمائی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں اس طرح ہمیں ان سے جو دولت ملے گی وُہ کفار کے مقابلہ میں ہماری طاقت بڑھانے کا سبب بنے گی ممکن ہے حق تعالیٰ انہیں آئندہ ہدایت عطا فرمائے تو یہی آپ کی قوت بازو بن جائیں گے دوسرے صحابہ نے بھی فدیہ لینے پر حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔

حضرت عمر بن خطابؓ کی رائے قیدیوں کے قتل کی موافقت میں

لیکن حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی آپ کو وطن سے بے وطن کر دیا اور آپ سے جنگ کی۔ مجھے حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق نہیں

ہے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپ مجھے میرے فلاں عزیز کو سپرد کر دیں تاکہ میں خود اُس کی گردن اڑا دوں۔ حضرت علیؓ کو ان کے بھائی عقیل کو دیا جائے کہ وُہ اُن کی گردن اُڑا دیں حضرت حمزہؓ کو ان کے بھائی عباس کو دیا جائے کہ وُہ اس کی گردن اُڑا دیں تاکہ دُنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کی بالکل محبّت نہیں رہی ہے اور حضرت کے جو قریبی عزیز قیدی ہوں اُن کی گردنیں حضرت خود اڑا دیں یہ لوگ قریش کے فوجی۔ اُن کے سردار اور اُن کے لیڈر ہیں یہ سُن کر آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔ پھر حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا " میرے نزدیک اُن لوگوں کو زندہ چھوڑنے کے مقابلہ میں ان کا سختی سے قتل کر دینا زیادہ بہتر ہے "۔

رہے حضرت علیؓ سو اُن کا جواب روایات میں مذکور نہیں باوجودیکہ وُہ بھی تین اہل شوریٰ میں سے ایک تھے۔

علّامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ شیخین[1] کے اختلاف پر آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا تو وُہ خاموش رہے یا اُن پر کوئی مناسب و مفید رائے ظاہر نہیں ہوئی جسے وُہ بیان کرتے۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ نے یہ رائے دی کہ انہیں کسی وادی میں لے جا کر جہاں بُہت لکڑیاں ہوں جلا دیا جائے لیکن آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق فرمایا اور فرمایا کہ قیدیوں میں سے کسی کو نہ چھوڑا جائے بجز اس کے کہ اس کا فدیہ لے لیا جائے یا پھر اس کی گردن مار دی جائے۔

اس پر حق تعالیٰ نے آیتِ ذیل نازل فرمائی :

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى	نبی کے لئے یہ امر مناسب نہیں ہے کہ وہ قیدیوں کو فدیہ لے کر
حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ	چھوڑ دیں کہ وہ بعد کو زمین میں خونریزی کرتے پھریں۔ اے مسلمانو! تم
عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ	تو صرف دنیوی مال و متاع چاہتے ہو مگر حق تعالیٰ آخرت کی بھلائی
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ	چاہتا ہے اور اللہ غالب آنے والا اور حکمت والا ہے۔ اگر خدا کی طرف سے

[1] صحابہ میں شیخین سے مراد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ ہیں م

مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ
اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ فَكُلُوْا
مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ○

پہلے سے طے شدہ امر نہ ہوتا (کہ مسلمانوں پر عذاب نہ ہوگا) تو تم نے
جو فدیہ لیا ہے اس پر تم پر سخت عذاب نازل ہو جاتا۔ لیکن اب تمھیں
اجازت ہے کہ تم اپنے حاصل کردہ مالِ غنیمت میں سے کھاؤ پیو۔
کہ وہ تمھارے لئے حلال و پاکیزہ کر دیا گیا ہے اور اپنے خدا سے
ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس پر آنحضرتؐ اور حضرت ابو بکرؓ رو پڑے اور آنحضرتؐ نے فرمایا قریب تھا کہ ابنِ خطاب کی رائے سے اختلاف کی بنا پر ہم پر بہت بڑا عذاب نازل ہو جاتا اور اگر واقعۃً عذاب نازل ہوتا تو بجز ابن خطاب کے اس سے کوئی بھی بچا نہ رہتا۔ آپ نے حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت ابن رواحہ کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اُنہوں نے آگ میں جلانے کا مشورہ دیا تھا جو غیر شرعی تھا۔ یہ آیت حضرت عمرؓ کی رائے کی موافقت میں نازل ہوئی۔

جن مواقع پر قرآن حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہُوا یہ اُن ہی مواقع میں سے ایک ہے اور ایسے مواقع اور بُہت ہیں جو تقریباً تیس سے زائد ہیں جن کو میں نے اپنی ایک علیحدہ تالیف میں جمع کیا ہے۔ جب فدیہ کی رائے طے پا گئی تو آنحضرتؐ نے قیدیوں کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرما دیا سب سے پہلا قیدی جس کا فدیہ ادا کیا گیا وُہ ابو وداعہ حارث تھا جس کی طرف سے اس کے بیٹے مطلب نے چار ہزار درہم فدیہ ادا کیا (جو بُہت بڑے تاجر تھے) پھر وُہ اسلام لے آئے بعض صحابہ نے انہیں اکابر صحابہ میں شمار کیا ہے۔ پھر قریش نے اپنے اپنے قیدیوں کے فدیے بھیجنے شروع کئے۔ زرِ فدیہ اُن کی دولت کے مطابق تھا جو حسبِ حیثیت چار ہزار درہم. تین ہزار درہم۔ دو ہزار درہم سے ایک ہزار درہم تک تھا۔

جس کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی اور وُہ اچھا لکھنا پڑھنا جانتا تھا اسے مدینہ کے لڑکوں میں سے دس لڑکے سپرد کر دیے گئے تاکہ وُہ انہیں نوشت وخواند سکھائے۔ جب ان لڑکوں نے سیکھ لیا تو یہ ان کا فدیہ شمار کیا گیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

انہی قیدیوں میں ابو العاص بن ربیع بھی تھے جو بعد کو مشرف باسلام ہو گئے اور وُہ آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے شوہر تھے اور اُن کی خالہ ہالہ بنت خویلدؓ کے لڑکے تھے جو ،

ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی بہن تھیں اس وقت تک کسی کافر کا مُسلم خاتون سے عقد حرام نہ ہُوا تھا بلکہ اس کے بعد حرام ہُوا تھا کیونکہ احکام بالتدریج نازل ہوئے تھے۔

حضرت زینبؓ واقعۂ بدر کے ایک ماہ بعد مدینہ منورّہ تشریف لائیں انہیں آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت زید بن حارثہؓ لے کر آئے تھے۔ پھر اُن کے شوہر بھی اسلام لے آئے اور اُنھوں نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی پس آنحضرتؐ نے بغیر تجدید نکاح کے پہلے ہی نکاح پر حضرت زینبؓ کو اُن کے شوہر کو واپس فرما دیا۔ ایک روایت ہے کہ آپ نے اُن کا دوسری مرتبہ عقد فرمایا تھا۔ ابوالعاص سے اُن کے امامہ تولّد ہوئیں یہی وُہ صاحبزادی تھیں جن کو آنحضرتؐ نماز میں اپنے دوشِ مبارک پر اُٹھائے رکھتے تھے۔ جب یہ جوان ہوئیں تو اُن کی خالہ حضرت فاطمہؓ کے وصال کے بعد حضرت علیؓ نے اُن سے عقد فرمالیا کیونکہ وصال سے قبل حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کو اس کی وصیت فرمائی تھی۔

ان قیدیوں میں وہب بن عمیر بھی تھے جو بعد کو مشرّف باسلام ہو گئے تھے اُنہیں رفاعہ بن رافعؓ نے گرفتار کیا تھا۔ یہ ابو عمیر قریش کے شیاطین میں سے تھے اور مکّہ میں آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کو ایذا پہنچانے والوں میں سے تھے۔

یہ واقعۂ بدر کے بعد ایک روز صفوان بن اُمیّہ کے ساتھ مقامِ حجر میں بیٹھے ہوئے تھے دونوں میں گڑھے میں ڈالے جانے والوں اور اُن کے مصائب کا ذکر چل پڑا۔ صفوان نے کہا ان مرنے والوں کے بعد زندگی میں مزا نہیں رہا۔ عمیر نے کہا واللہ تم سچ کہتے ہو واللہ اگر مجھ پر لوگوں کا قرض نہ ہوتا جس کی ادا کو میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میرے متعلقین نہ ہوتے جن کی اپنے بعد بربادی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں محمد کے پاس پہنچ کر اُنہیں قتل کر ڈالتا۔ میرے پاس اس کی ایک معقول وجہ جواز بھی تھی اور وُہ یہ کہ میرا بیٹا اُن کے ہاتھ میں قید ہے صفوان نے اس بات کو غنیمت جانا اور اس سے کہا تیرے قرض میرے ذمّے میں تیرے سب قرضے ادا کر دوں گا۔ رہے تیرے اہل وعیال سو وُہ میرے ہی اہل و عیال ہیں جب تک وُہ ہیں میں برابر اُن کی خدمت وخبر گیری کرتا رہوں گا۔ اس پر عمیر نے کہا پس یہ بات راز میں رکھنا اس کی مجھے خبر ہو یا تم کو۔ اُس نے کہا ضرور ایسا ہی ہو گا۔ پھر عمیر نے اپنی تلوار لی اُسے تیز کیا

اور زہر میں بجھایا اور روانہ ہو کر مدینہ پہنچ گیا وہاں حضرت عمرؓ کچھ لوگوں میں بیٹھے باہم بدر کے واقعات کا ذکر کر رہے تھے کہ جونہی عمیر نے مسجد کے دروازہ پر اپنا اُونٹ بٹھایا اور وُہ تلوار حمائل کئے ہوئے تھا۔ آپ کی نظر عمیر پر پڑی۔ آپ نے اُسے دیکھتے ہی کہا یہ کُتا عمیر اللہ کا دشمن ہے ضرور کسی بُرے ارادے سے آیا ہے پس حضرت عمرؓ فوراً آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ اللہ کا دشمن عمیر بن وہب تلوار لٹکائے ہوئے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے اندر میرے پاس لے آؤ۔ حضرت عمرؓ اُس کے پاس پہنچے اور اس کی گردن میں اس کی تلوار کا جو پٹکا تھا اُسے پکڑ کر اسی سے عمیر کو قابو میں کر لیا اور اپنے ساتھی انصار سے کہا کہ آپ حضرات آنحضرتؐ کے پاس پہنچ کر آپ کے پاس بیٹھیں کیونکہ اس خبیث کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

پھر آپ اسے لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ اس کی گردن کا تلوار کا پٹکا پکڑے ہوئے ہیں تو فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اور فرمایا اے عمیر میرے قریب آؤ۔ پھر عمیر نے کہا ؛ انعموا صباحا " (تم خدا کی نعمتوں میں صبح کرو) یہ زمانہ جاہلیت کا سلام تھا اِس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے اس سلام سے بہتر سلام بتلایا ہے۔ اے عمیر ہمیں السلام علیکم بتایا گیا ہے جو باہم اہلِ جنّت کا سلام ہے۔ اے عمیر کِس غرض سے آئے ہو ؟ کہا میں اس قیدی کی وجہ سے آیا ہوں جو آپ کے قبضہ میں ہے (یعنی اس کا بیٹا وہب) میری عرض ہے کہ اس کے معاملہ میں حُسنِ سلوک کیجیے آپ نے فرمایا اس تلوار کا کیا مقصد ہے ؟ کہا اللہ ان تلواروں کا بُرا کرے۔ کیا اُنہوں نے ہمیں بچا لیا ؟ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا جس کام کو آئے ہو وُہ سچ سچ بتا دو ؟ کہا میں تو صرف اسی غرض کے لئے آیا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ایسا نہیں بلکہ تُو نے اور صفوان بن اُمیّہ نے مقامِ حجر میں بیٹھ کر قریش کے گڑھے والے مقتولین کا تذکرہ کیا۔ پھر تُو نے کہا واللہ اگر مجھ پر قرض کا بار اور اہل وعیال کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں پہنچ کر محمد کو قتل کر ڈالتا اس پر صفوان نے میرے قتل کی شرط پر تیرے قرضہ جات کی ادائی اور اہل وعیال کے مصارف کی ذمہ داری سنبھال لی۔ لیکن خدا میرے اور تیرے درمیان حائل ہو گیا۔ اس پر عمیر بول اُٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ

واقعی اللہ کے رسول ہیں یا رسول اللہ آپ پر جو وحی نازل ہوتی تھی اور جو آسمانی خبریں آپ بیان فرماتے تھے ہم ان سب کو جھٹلایا کرتے تھے۔ لیکن یہ تو وُہ معاملہ ہے جس میں میرے اور صفوان کے سوا دوسرا کوئی موجود ہی نہ تھا۔ پس واللہ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ تک یہ خبر خُدا نے ہی پہنچائی ہے۔ پس خُدا ہی کے لئے سب محامد ہیں جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی اور مجھے اس راہ پر چلایا پھر اس نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ پھر آنحضرتؐ نے حاضرین سے فرمایا اپنے بھائی کو دینی مسائل سکھاؤ اور قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو چھوڑ دو۔ چنانچہ حاضرین نے اس پر عمل کیا۔

اور آنحضرتؐ نے اپنے کرم سے کچھ قیدیوں کو فدیہ لئے بغیر چھوڑ دیا ان ہی میں ابوعزہ عمرو جمحی شاعر بھی تھا یہ اپنے اشعار سے آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں صاحبِ عیال اور مفلس ہوں پس آپ مجھ پر احسان فرمائیں چنانچہ ازرہ کرم آپ نے اُسے رہا فرما دیا اور اس سے عہد لیا کہ آئندہ آپ کے مقابلہ پر کسی کو آمادہ نہ کرے گا۔ جب وُہ مکہ پہنچا تو ساتھیوں سے کہا کہ میں نے محمدؐ پر جادو کر دیا اور حسبِ سابق اپنے اشعار سے آپ کو قلبی اذیت پہنچانے لگا۔ جب اُحد کا معرکہ پیش آیا تو یہ مشرکوں کے ساتھ ہو کر میدان میں آیا اور اپنے اشعار سے کُفّار کو مُسلمانوں کے قتل پر بھڑکانے لگا۔ اس جنگ میں وُہ گرفتار ہو کر پیشِ خدمت ہُوا تو آنحضرتؐ نے اُس کی گردن اُڑا دینے کا حکم فرمایا۔ اُس نے کہا مجھے آزاد کر دیجے اور چھوڑ دیجے میں اب کے پھر توبہ کرتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔"

پس اُس کی گردن اُڑا دی گئی اور اُس کا کٹا ہُوا سر مدینہ لایا گیا۔

حق تعالیٰ نے اُس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْکَنَ مِنْھُمْ

اگر انھوں نے آپ سے بدعہدی کی ہے تو یہ اس سے پہلے اللہ سے بھی بدعہدی کر چکے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر غلبہ عطا فرما دیا

مدینہ میں آنحضرتؐ کی فتح کا اثر

آنحضرتؐ کی فتح و کامیابی کی خبر سے لوگوں کے دلوں پر بہت اثر پڑا۔ پس مدینہ اور نواح

مدینہ کا ہر دشمن آنحضرتؐ سے خائف ہو گیا اور بہت سے یہودی اسلام لے آئے ان ہی میں عبداللہ بن اُبی بھی تھا لیکن وُہ پکا مسلمان نہ تھا بلکہ زندگی بھر منافق رہا اور مسلمانوں کی بدر میں کامیابی کے باوجود یہود کی مخالفت اور اُن کی ریشہ دوانیاں بالکل ختم نہ ہوئیں اس لئے اُن کی تباہی اور اُن کی عداوت کا خاتمہ کرنا ضروری ہو گیا تھا ۔ منافقین میں تین سو مرد اور ستّر عورتیں تھیں ۔ یہ لوگ آنحضرتؐ کے غیاب میں آپ کو قلبی ایذا اور دُکھ پہنچاتے تھے اور آپ کے سامنے آپ کی چاپلوسی کرتے تھے ۔

پھر آنحضرتؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اہل عالیہ کی طرف اور حضرت زید بن حارثہؓ کو اہل سافلہ[1] کی طرف آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری سنانے کے لئے روانہ فرمایا ۔

آنحضرتؐ کی مدینہ منوّرہ واپسی اور اموالِ غنیمت کی تقسیم

جب آنحضرتؐ مدینہ کے قریب پہنچے تو اللہ نے آپ کو جو کامیابی عطا فرمائی تھی اس کی مسرت میں سب اہلِ مدینہ آپ کے استقبال کے لئے نکلے اور آپ سے مقام روحاء پر جا کر ملے اور جب آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو بچیوں نے دف بجا بجا کر اشعارِ ذیل پڑھ پڑھ کر آپ کا استقبال کیا ۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ — آج ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہوا ہے ۔

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ — جبتک خدائی پیامبر خدائی دعوت دیتا رہے اس وقت تک ہم پر شکرگزاری واجب ہے ۔

پھر آنحضرتؐ نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا ۔ اس میں ڈیڑھ سو اُونٹ تھے ۔ دس گھوڑے تھے ان کے علاوہ بہت سا استعمالی سامان ۔ ہتھیار ۔ چمڑے کے بستر ۔ کپڑے ۔ دباغت شدہ کھالیں ہاتھ آئیں یہ سامان مشرکین نے تجارت کی غرض سے ساتھ لیا تھا ۔ آنحضرتؐ کے منادی نے پکار کر کہا ۔ جس نے کسی کافر کو قتل کیا اس کا سامان اسی مجاہد کا ہے ۔ جس نے کسی کو گرفتار کیا ہو وُہ قیدی اسی کا ہے ۔

اور آنحضرتؐ نے مالِ غنیمت میں سے ذوالفقار تلوار اور ابوجہل کا اونٹ اپنے حصہ سے

---

[1] عالیہ و سافلہ مدینہ کے قریبی دو دیہات کے نام ہیں ۔ م

زیادہ حاصل فرمایا۔

قریش پر آنحضرتؐ کی فتح کا اثر

بدر کے میدانِ جنگ سے مکہ کو واپس ہونے والوں سے قریش کو آنحضرتؐ کی فتح و نصرت کی خبر معلوم ہوئی اور ابوسفیان بن حارث نے وہاں کا آنکھوں دیکھا حال ابُولہب کے سامنے بیان کیا تو یہ سُنتے ہی اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور اس نے ابورافع کو سخت مار ماری اس کے بعد ابُولہب صرف سات دن تک زندہ رہا پھر چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ مرنے کے بعد تین دن تک اُس کی نعش بے گور و کفن پڑی رہی کوئی شخص اس مرض متعدی میں مبتلا ہو جانے کے اندیشہ سے اس کی نعش کے قریب تک نہ پھٹکا۔ یہاں تک کہ نعش سڑ گل گئی جب قریش کو اپنی شکست اور اپنے مقتولین و قیدیوں کے حالات کی تحقیق ہو گئی تو انہوں نے اپنے مقتولین کا ایک ماہ تک سوگ منایا عورتوں نے اپنے سروں کے بال کاٹ ڈالے پھر سب اس پر متفق الرائے ہوئے کہ نوحہ و بکا اور جزع فزع نہ کیا جائے تاکہ مسلمانوں کو ان پر ہنسنے اور خوش ہونے کا موقع نہ ملے۔ بلکہ انہوں نے اس کا انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔

جنگِ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب

مسلمانوں کی لڑائیوں میں انہیں سب سے پہلی فتح جنگ بدر میں نصیب ہوئی۔ فریقین جنگ کے لشکروں کی تعداد اور ان کی جنگی طاقت کے اعتبار سے اس جنگ کا بڑی جنگوں میں شمار نہیں ہوتا کیونکہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ اور ان کے مقابل اہل مکہّ کی تعداد ایک ہزار تھی لیکن معنوی اعتبار سے یہ جنگ بہت اہم تھی کیونکہ وُہ آنحضرتؐ کو پیش آنے والے آئندہ معرکوں کے لئے سنگِ بنیاد کی حیثیّت رکھتی تھی اور یہ عالمی اور اسلامی تاریخ کے عظیم الشّان موڑ کی ابتدا تھی۔

اس معرکہ میں اہل مکہّ شکست کھا گئے اور ان کی عددی برتری اور گھوڑ سوار فوج کے باوجود جنگ میں ان کی کمزوری ظاہر ہو گئی۔ بعض مؤرخین نے اس پر اپنے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی ان کے پاس سو گھوڑے اور سات سو اُونٹ تھے لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے نہایت بُزدلی اور ضعف کا مظاہرہ کیا اور اپنے اُونٹ سوار

اور گھوڑے سواروں کی برتری حاصل ہونے پر بھی وُہ مسلمانوں کے سامنے نہ جم سکے بلکہ اُلٹے پیچھے کو بھاگے۔ اس کا ظاہری سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تنظیم بہتر تھی آنحضرتؐ نے خود ان کی صفوف کو منظم فرمایا تھا اور اُن کی ہمتیں بلند رکھنے کے لئے ان میں مؤثر تقریر فرمائی تھی۔ آپ اپنے بلند خیمہ سے میدان کارزار پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور وہیں سے احکامات صادر فرما رہے تھے۔ پس آپ ہی اپنی فوج کے سپہ سالار اعلیٰ تھے۔ آپ کے صحابہ کی طرف سے آپ کے احکامات کی ادنیٰ مخالفت بھی صادر نہ ہوتی تھی اِدھر ابُوسفیان ماہر سپہ سالار نہ تھا۔ ادھر حوض کی تعمیر اور پانی کی کثرت نے بھی مسلمانوں کی مدد کی تھی۔

پھر قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اس کی صراحت آئی ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی خفیہ امداد بھی فرمائی۔ چنانچہ فرشتے مسلمانوں کی طرف سے لڑے اور انہوں نے انہیں اپنے دشمنوں پر فتح دلائی۔ بعض صحابہ اور بعض اہل مکّہ نے بھی فرشتوں کو میدانِ جنگ میں دیکھا اور اُن کے حلیے بیان کئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ بدر کے دن فرشتے سبز۔ زرد اور سُرخ رنگ کے عمامے باندھے ہوئے تھے جن کے شملے انہوں نے دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا رکھے تھے اور حضرت زبیر بن عوامؓ بھی زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کچھ فرشتے ابوعبداللہ یعنی زبیر کے حلیہ پر آسمان سے اُترے ہیں۔ فرشتوں کے گھوڑے ابلق اور نشان زدہ تھے اور سجے سجائے تھے۔

حضرت علیؓ نے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن بہت سخت آندھی چلی کہ میں نے پہلے کبھی ایسی آندھی نہ دیکھی تھی پھر دوسری مرتبہ پھر تیسری مرتبہ ایسی ہی آندھی چلی پہلی آندھی میں حضرت جبریل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کو لے کر آنحضرتؐ کے سامنے آکر اترے۔ دوسری آندھی پر حضرت میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر آنحضرتؐ کے دائیں جانب آکر اُترے۔ تیسری میں حضرت اسرافیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کو لے کر آنحضرتؐ کے بائیں جانب آکر اُترے۔

اس کے علاوہ بدر کے دن عباس کو اسیر کر کے لایا گیا۔ انہیں ابوالیسر نے گرفتار کیا تھا حالانکہ وُہ دُبلے پتلے اور عباس جسیم وقد آور تھے۔ ابوالیسر سے پوچھا گیا کہ آپ نے انہیں کیسے

گرفتار کر لیا؟ کہا ایک اجنبی شخص نے جسے میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور جس کا حلیہ ایسا ایسا تھا اس کام میں میری مدد کی تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا دراصل اس کام میں مقدس فرشتہ نے تمہاری مدد کی تھی۔

آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ میں نے حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا کہ ان کے کپڑے گرد آلود تھے۔

پھر بنو غفار کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں اور میرا چچازاد بھائی ایک پہاڑ پر چڑھ گئے تاکہ بلندی سے بدر کے معرکہ کو دیکھ سکیں اس وقت ہم مشرک تھے۔ دیکھنا چاہتے تھے کہ کس کا پلہ بھاری رہتا ہے تاکہ ختم جنگ پر ہم بھی مالِ غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو جائیں کہ ایک بادل کا ٹکڑا ہمارے قریب سے گزرا پس ہم نے اس میں سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سُنی اور ایک کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔

اس واقعہ سے میرا چچیرا بھائی تو جبھی دہشت زدہ ہو کر اسی وقت مر گیا اور قریب تھا کہ میں بھی ہلاک ہو جاؤں مگر میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

اور ابوداؤد زمانی کا بیان ہے کہ میں کسی مُشرک کا پیچھا کرتا کہ اسے قتل کروں کہ اچانک میری تلوار اس تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا سر تن سے جُدا ہو کر زمین پر آ پڑتا پس میں پہچان لیتا کہ اُسے میرے سوا کسی غیبی ہاتھ نے قتل کیا ہے۔

سہل بن حنیف کا بیان ہے کہ حال یہ تھا کہ ہم میں کا کوئی شخص جو نہی اپنی تلوار سے کسی مشرک کی طرف ذرا سا اشارہ بھی کرتا کہ تلوار اس تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا سر تن سے جدا ہو کر گر پڑتا تھا۔ پس ان متعدد شہادتوں کے بعد ہم اس واقعہ کو کیسے جھٹلا سکتے ہیں کہ اللہ نے بدر کے موقع پر ملائکہ کے ذریعہ اپنے رسول کی مدد فرمائی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی کو معجزات سے ممتاز فرمایا تھا اور یہ بھی اُن ہی معجزات میں سے ایک تھا۔ جس سے انکار ممکن ہی نہیں اگرچہ ان مستشرقین نے جنھوں نے سیرت نبویؐ پر کتابیں لکھی ہیں اس واقعہ کا انکار کیا ہے لیکن یہ خبر قرآنِ کریم اور صحیح احادیث میں صراحتہً مذکور ہوئی ہے۔ جو صحابہ جنگ بدر میں شریک تھے ان کا بیان ہے کہ انہوں نے ملائکہ کو ان کے

خاص حلیہ کے ساتھ لڑتے ہوئے دیکھا ہے ۔

حویطب بن عبدالعزیٰ کا بیان ہے کہ میں جنگِ بدر میں مُشرکین کے ہمراہ شریک ہُوا تھا وہاں میں نے بڑے عبرت انگیز واقعات دیکھے ۔ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وُہ زمین و آسمان کے درمیان میں مشرکین کو قتل اور گرفتار کر رہے تھے مگر میں نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔

مسلمانوں کی فتح کے اسباب میں قوتِ عقیدہ کو بھی بڑا دخل تھا ۔ کیوں کہ جنگوں میں اس کا بڑا اثر ہوتا ہے ۔ پس ایک وُہ شخص ہے جو اس پختہ عقیدہ کے ساتھ جنگ کرتا ہے کہ وُہ (اپنے عمل سے) اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کر رہا ہے ۔ پس اگر وُہ شہید ہو گیا ۔ تو شہادت کی نعمت سے سرفراز ہو گا اور دارالخُلد کی نعمتوں سے متمتع ہو گا ۔ دوسری طرف وُہ شخص ہے جو جنگ کرتا ہے مگر عقیدہ کی اس طاقت سے بے خبر ہوتا ہے جو اسے جان کی پرواہ کئے بغیر شوق کے ساتھ میدان جنگ کی طرف لے جاتا ہے ۔ پس مسلمان تو خدا کی راہ میں جان دینے کا عشق رکھتے تھے ۔ اسی بنا پر بدر کے دن آنحضرتؐ اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا :

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۔ عنقریب دشمن شکست خوردہ ہو کر پیچھے بھاگے گا ۔

اور مسلمانوں کو جنگ پر آمادہ فرماتے ہوئے فرمایا :

اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے آج تم میں کا جو شخص دشمنوں سے جنگ کرے گا اور ثابت قدمی اور نیک نیتی اور پُشت موڑے بغیر شہید ہو جائے گا اللہ اُسے ضرور جنّت میں داخل فرمائے گا ۔

یہی ارشاد سُن کر عمیر بن حمام انصاریؓ نے جو کھجوریں کھا رہے تھے کہا " اوہو کیا عجیب بات ہے کہ میرے اور جنّت میں داخلہ کے درمیان صرف یہ ذریعہ ہے کہ کفّار مجھے شہید کر دیں پس فوراً کھجوریں ہاتھ سے پھینک کر دشمن سے جنگ کی اور شہید ہو گئے ۔ مورخ سر ولیم میور نے اس کی توثیق کی ہے کہ اہل مکّہ پر تو اپنے اعزّہ کے خون بہنے کا خوف غالب تھا اس کے مقابلہ میں مسلمانوں میں جہاد کی تڑپ موجزن تھی پس جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا یہ بھی اہم سبب تھا ۔

اہلِ بدر کی فضیلت

ایک صحابی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے چچا کا بیٹا منافق

ہو گیا ہے کیا آپ کی اجازت ہے کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں؟ فرمایا وُہ جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں اُمید ہے کہ خدا اس کے جہاد کو اُن کے گناہ کا کفارہ کر دے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ تمہیں کیا معلوم ہے کہ حق تعالیٰ نے اہل بدر کے انجام پر مطلع ہونے پر ہی یہ فرمایا ہے:

اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ ‏ اے اہل بدر تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے

یا یہ فرمایا ہے:

فَقَدْ وَجَبَتْ لَکُمُ الْجَنَّۃُ ‏ تمہارے لئے جنت واجب ہو گئی

امام احمدؒ نے حضرت حفصہؓ سے روایت کی ہے فرماتی ہیں میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے۔

"مجھے اُمید ہے کہ جو شخص بدر یا حدیبیہ میں شریک ہُوا وُہ اِن شَاءَ اللّٰہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا"

آنحضرتؐ اہل بدر کا احترام کیا کرتے تھے اور انہیں دوسروں پر مقدم رکھا کرتے تھے۔ کتاب خصائص صغریٰ میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے دُوسرے صحابہ میں صرف اہلِ بدر کو یہ امتیاز و اعزاز بخشا تھا کہ ان کی افضلیت کی خصوصیت کے طور پر اُن کی نماز جنازہ میں چار سے زائد تکبیریں کہی تھیں۔

آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی وفات

حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ حضرت عثمانؓ سے مکہ میں بیاہی گئی تھیں اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں ان کے بطن سے ایک صاحبزادے تولد ہوئے جن کا نام عبداللہ رکھا گیا حضرت عثمانؓ کی کنیت انہی کی نسبت سے (ابو عبداللہ) رکھی گئی۔ جب یہ چھ سال کے ہوئے تو مرغ نے اُن کی آنکھ پر ٹھونگ مار دی جس سے اُن کے چہرہ پر ورم آ گئی وُہ بیمار پڑ گئے اور اسی مرض میں وفات پا گئے۔ ان کی موت ماہ جمادی الاولیٰ ۴ھ کو واقع ہوئی۔

جب آنحضرتؐ بدر کی طرف روانہ ہوئے تو اس وقت حضرت رقیہؓ بیمار تھیں اس لئے حضرت عثمانؓ آنحضرتؐ کے حکم سے وہیں ٹھیر گئے جس دن حضرت زید بن حارثہؓ آنحضرتؐ کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے اسی دن حضرت رقیہؓ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے جسم پر خسرہ کی پھنسیاں نکل آئی تھیں جن سے موت واقع ہُوئی۔

حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کی شادی (واقع سنہ ۲ھ)

حضرت فاطمہ رضؓ بنت رسول اللہ ؐ حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کے سوا ہر دو جہان کی عورتوں کی سردار ہیں۔ آپ کی والدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضؓ ہیں۔ حضرت فاطمہ کی کنیت اپنی دادی کی نسبت پر رکھی گئی تھی۔ یہ آنحضرت ؐ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب شخصیت تھیں۔

آنحضرت ؐ نے حضرت عائشہ رضؓ کی شب عروسی کے ساڑھے چار ماہ بعد حضرت علی رضؓ سے حضرت فاطمہ رضؓ کا عقد فرما دیا جن کی شب عروسی عقد کے ساڑھے سات ماہ بعد ہوئی۔ عقد کے وقت حضرت فاطمہ رضؓ کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ تھی۔ آنحضرت ؐ کی نسل صرف انہی سے چلی کیونکہ آپ کی نرینہ اولاد بچپن میں ہی فوت ہو گئی۔

اوّل حضرت ابو بکر رضؓ پھر حضرت عمر رضؓ نے آنحضرت ؐ سے حضرت فاطمہ رضؓ کا رشتہ مانگا تھا مگر آپ نے دونوں حضرات کو انکار فرما دیا۔ تب حضرت عمر رضؓ نے حضرت علی رضؓ کو مشورہ دیا کہ آپ ان سے اپنا پیغام بھیجیں آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس بجز اس زرہ کے کچھ بھی نہیں جسے میں ادائی مہر کے لئے رہن رکھ سکوں گا پھر آنحضرت ؐ نے آپ سے حضرت فاطمہ رضؓ کا عقد کر دیا جب یہ خبر حضرت فاطمہ رضؓ کو پہنچی تو وہ رو پڑیں آنحضرت ؐ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے فاطمہ رضؓ کس لئے روتی ہو؟ واللہ میں نے تمہارا ایسے شخص سے عقد کیا ہے جو صحابہ میں سب سے زیادہ عالم ہیں اور سب سے زیادہ سنجیدہ و بردبار ہیں اور سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔

حضرت علی رضؓ سے روایت ہے آپ نے بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت ؐ سے حضرت فاطمہ رضؓ کا رشتہ مانگا گیا میری کنیز نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ لوگوں کی طرف سے آنحضرت ؐ سے حضرت فاطمہ کا رشتہ مانگا گیا ہے؟ میں نے کہا نہیں اس نے کہا کہ ان کا رشتہ مانگا گیا ہے آپ کے لئے کیا امر مانع ہے کہ آپ بھی آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا رشتہ پیش کریں تاکہ آنحضرت ؐ آپ سے ان کا عقد فرما دیں۔ میں نے کہا بھلا میرے پاس شادی کے مصارف کے لئے کیا رکھا ہے۔ اس نے کہا اگر آپ آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو اُمید ہے کہ وُہ آپ سے عقد کر دیں گے واللہ وُہ برابر مجھے اُمید دلاتی رہیں حتیٰ کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہُوا۔ آنحضرت ؐ کی خاص جلالت

شان اور ہیبت تھی اس لئے جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو ساکت رہ گیا اور کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی تب آنحضرتؐ نے فرمایا کس لئے آئے ہو؟ میں خاموش رہا۔ آپ نے فرمایا شاید تم فاطمہؓ سے اپنا رشتہ لے کر آئے ہو میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے جس سے تم ان کا مہر ادا کر سکو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ فرمایا تمہاری وُہ زرہ کیا ہوئی جس سے میں نے تمہیں مسلح کیا تھا؟ میں نے عرض کیا اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وُہ میرے پاس ہے لیکن وُہ حطمی زرہ[1] ہے جس کی قیمت چار سو درہم نہیں ہوتی۔ فرمایا میں نے تمہارا عقد کر دیا تم وُہی زرہ بھیج دو پس حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ کا یہی مہر تھا۔ آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ کی شب عروسی کو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ پہلے مجھ سے مل لینا پھر اپنی بیوی سے کوئی بات کرنا۔ پس آنحضرتؐ نے پانی منگا کر وضو فرمایا پھر وُہ پانی حضرت علیؓ پر ڈال دیا اور یہ دعا فرمائی۔

اے خُدا ان دونوں میں ان دونوں کے اُوپر اور ان دونوں کی نسل میں برکت عطا فرما۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے معتبر راوی نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ اپنی بیٹیوں کے معاملہ میں بہت غیرت مند تھے اور اپنی بیٹیوں کو سوت پر بیاہ دینے پر راضی نہ تھے۔ حضرت مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنو ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وُہ اپنی لڑکی کا حضرت علیؓ سے عقد کرنا چاہتے ہیں لیکن میں اس کی اجازت نہ دوں گا۔ پھر مکرر کہتا ہوں کہ اس کی اجازت نہیں دُوں گا اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ بجز اس صُورت کے کہ علی بن ابی طالب پہلے میری بیٹی کو طلاق دے دیں پھر وُہ ان کی لڑکی سے عقد کر سکتے ہیں۔ کیونکہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جو بات اس کے لئے رنج وقلق کا باعث ہو گی وُہ میرے لئے بھی باعث رنج ہو گی۔ اور جس بات سے اُسے تکلیف پہنچے گی اس سے مجھے بھی تکلیف پہنچے گی۔

آنحضرتؐ نے حکم فرمایا کہ فاطمہؓ کا جہیز تیار کیا جائے پس اُن کے لئے کھجور کے پتوں سے بُنا ہُوا پلنگ اور کھجور کی چھال بھرا ہُوا چمڑہ کا تکیہ تیار کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت اسماء بنت عمیسؓ

---

[1] حطمہ اک قبیلہ تھا جو زرہ سازی کا کام کرتا تھا اس کی بنائی ہوئی زرہ کو حطمیہ کہا جاتا تھا۔ م

کو بھیجا جنھوں نے مکان درست کیا۔ پس نمازِ عشا کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ کو اس مکان میں بھیج دیا۔ آپ آنحضرتؐ کی کنیز حضرت اُمّ ایمن برکہ حبشیہ کے ہمراہ وہاں پہنچیں اور مکان میں ایک طرف بیٹھ گئیں۔ اس کے دوسری طرف حضرت علیؓ بیٹھ گئے۔ پھر آنحضرتؐ عشا کی نماز سے فارغ ہو کر تشریف لائے اور دریافت فرمایا۔ کیا میرا بھائی یہاں ہے؟ اُمِّ ایمن نے عرض کیا۔ کیا آپ انھیں اپنا بھائی فرما رہے ہیں۔ جبکہ آپ اپنی بیٹی سے ان کا عقد فرما چکے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں وہ مرتبہ اور اسلامی اخوت کے تعلق سے میرے بھائی کی مانند ہیں۔ اس لئے میرا ان سے اپنی بیٹی کا عقد کر دینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

پھر آپ نے اندر تشریف لا کر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا۔ میرے پاس پانی لے کر آؤ۔ پس وہ حیا سے کپڑے میں لپٹی ہوئی گھر میں پانی کے برتن کے پاس پہنچیں اور پیالہ میں پانی لے کر حاضرِ خدمت ہوئیں۔ آپ نے پیالہ کو لے کر اس میں اس پانی سے کلی فرما دی۔ پھر فرمایا۔ آگے آؤ۔ وہ آگے بڑھیں پس آپ نے وہ پانی ان کے سینے اور سر پر چھڑک دیا اور فرمایا "اے اللہ! میں فاطمہ اور اس کی اولاد کے لئے شیطان لعین سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" پھر فرمایا۔ پیچھے مڑو۔ وہ مڑ گئیں۔ پس آپ نے وہ پانی ان کے دونوں شانوں کے درمیان چھڑکا۔ پھر آپ نے یہی عمل حضرت علیؓ کے ساتھ فرمایا پھر فرمایا اب تم اللہ کے نام اور اس کی برکت کے ساتھ اپنی اہلیہ کے پاس چلے جاؤ۔

پھر فاطمہؓ کا مہر چار سو نقرئی درہم تھا۔ اس عقد پر حضرت علیؓ ادائے شکر کے لئے سجدہ میں گر پڑے حضرت علیؓ کے ولیمہ کا کھانا جَو کا دلیہ، کھجور اور حیس[1] تھا۔

ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے ولیمہ میں حضرت سعدؓ کی طرف سے دُنبہ ذبح کیا گیا تھا اور انصار کی ایک جماعت کی طرف سے مکئی کا دلیہ تیار کیا گیا تھا۔ شبِ عروسی میں ان دونوں کا بستر دنبہ کی کھال کا تھا۔ شادی کے وقت حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی۔

اور دُنیا سے قطع تعلق کی بنا پر حضرت فاطمہؓ بتول[2] کے لقب سے ملقب ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت علیؓ کے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام اور حضرت زینبؓ اور حضرت اُمِّ کلثومؓ تولد ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق حضرت فاطمہؓ کی چال آنحضرتؐ

---

[1] حیس کھجور، ستو اور گھی سے بنے ہوئے حلوہ کا نام ہے۔ م

[2] بتل کے معنی ہیں قطع تعلق کے۔ بتول کے معنی دُنیا سے قطع تعلق کرنے والی۔ م

کی چال کے مانند تھی۔

صحیح قول کے مطابق حضرت فاطمہؓ آنحضرتؐ کے وصال کے چھ ماہ بعد وفات پا گئیں۔ آپ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھی گئیں۔ حتیٰ کہ آپ اپنے خدا سے جا ملیں۔ وہ آنحضرتؐ کی اولاد میں سب سے پہلے آپ سے جا ملیں۔ وہ اسلام میں پہلی خاتون تھیں جن کی نعش پر پردہ ڈال دیا گیا اور وہ اپنی وصیت کے مطابق رات میں دفن کی گئیں۔

کہا گیا ہے کہ ان کی وفات ۳ رمضان سنہ ۱۱ھ کو ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر انتیس اور ایک قول کے مطابق تیس سال تھی۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔

غزوۂ بنی سلیم

آنحضرتؐ بدر سے واپس تشریف لانے کے بعد مدینہ منورہ میں صرف سات دن قیام فرمانے کے بعد بنو سلیم کے مقابلہ کے لئے بنفس نفیس لشکر مجاہدین لے کر تشریف لے گئے اور اپنے غیاب میں مدینہ پر حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو جو مشاہیر صحابہ میں سے تھے حاکم مقرر فرمایا اور نماز کے اہتمام پر حضرت ابن اُمِّ مکتومؓ[1] کو مامور فرمایا۔ آپ کا علم سفید تھا جسے حضرت علیؓ اُٹھائے ہوئے تھے۔ پس آنحضرتؐ بنو سلیم کے ایک کنوئیں پر پہنچے۔ جس کا نام "کُدر" تھا۔ یہاں آنحضرتؐ تین دن تک مقیم رہے پھر مدینہ واپس ہو گئے۔ یہاں جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس لئے کہ مدِ مقابل میدان چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اس کے جانور وہیں رہ گئے۔ جن پر آنحضرتؐ نے قبضہ کر لیا اور انھیں مدینہ کی طرف ہانک دیا اور انھیں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام "صرار" میں مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔ یہ پانچ سو اونٹ تھے۔ اس مرتبہ آنحضرتؐ کی مدینہ سے باہر رہنے کی مُدّت پندرہ دن تھی۔

○

---

[1] ابن امِ مکتوم کا نام عمرو بن قیس بن زائدہ تھا۔ یہ آنحضرتؐ کے مؤذن تھے۔ ان کی والدہ امِ مکتوم کا نام عاتکہ بنت عبداللہ تھا۔ یہ حضرت خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ انھیں آنحضرتؐ نے غزوات کے مواقع پر تیرہ مرتبہ صرف نمازوں کے اہتمام کے لئے مدینہ میں اپنا جانشین چھوڑا۔ اس لئے کہ وہ نابینا تھے اور نابینا کا قاضی بننا صحیح نہیں فتح قادسیہ میں موجود تھے۔ جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا ایک قول کے مطابق قادسیہ میں شہید ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ مدینہ واپس آکر انتقال فرمایا۔ یہ وہی نابینا ہیں جن کا قرآن میں (عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَن جاءہ الاعمٰی) ذکر آیا ہے۔ مفسرین کا اتفاق ہے کہ منقبض ہونے اور منہ پھیرنے والے آنحضرتؐ اور نابینا یہ تھے۔ آنحضرتؐ کے پاس معززین قریش حاضر تھے جنھیں آپ دعوتِ اسلام دے رہے تھے کہ انھوں نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ مجھے پڑھائیے اور خدا نے جو علم آپ کو دیا ہے وہ سکھائیے۔ بار بار کہتے رہے۔ آنحضرتؐ کو ناگوار گزرا اور ان سے منہ پھیر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر جب یہ آتے تو آپ فرماتے خوش آمدید۔ وہ ہی جس کے لئے خدا نے مجھ پر عتاب فرمایا اور فرماتے کیا تمھیں کسی چیز کی ضرورت ہے۔ انھیں مدینہ میں جانشین بنانے میں ان کا احترام ملحوظ تھا۔

غزوۂ بنی قینقاع

۲ھ م ۶۲۴ء

مدینہ میں بسنے والے یہود کے ایک قبیلہ کا نام قینقاع تھا جس کی طرف ایک بازار بھی منسوب ہے۔ اسے بازار بنی قینقاع کہا جاتا تھا۔ اس قبیلہ کے لوگ قبیلہ خزرج کے دوست اور عبادہ بن صامت اور عبداللہ بن ابی سلول کے حلیف تھے۔ ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ ان کا پیشہ زرگری (سُناری) تھا۔ یہ مدینہ کا دولتمند طبقہ تھا۔ ان کے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ کے درمیان زمانہ جاہلیت سے پرانی دشمنی چلی آرہی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ اس قبیلے والے جنگ بعاث میں مذکورہ دو قبیلوں کے خلاف خزرج کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ یہ غزوہ ماہ شوال ۲ھ (م فروری ۶۲۴ء) کو پیش آیا تھا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنی قینقاع کا واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرتؐ نے انھیں بازار بنی قینقاع میں جمع فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا "اے گروہ یہود! اللہ عزوجل سے ڈرو۔ جس طرح قریش پر خدا کا قہر نازل ہوا۔ پھر وہ اسلام لے آئے۔ کیونکہ تم تحقیق سے جان چکے ہو کہ میں خدا کا فرستادہ نبی ہوں۔ تمھارے پاس جو خدا کا وثیقہ (توریت) ہے۔ اس میں بھی اس کا ذکر پاتے ہو۔ انھوں نے عرض کیا اے محمدؐ! کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ہم آپ کی قوم کی طرح (کمزور) ہیں۔ آپ مغالطہ میں نہ رہیں کہ آپ کو ایسی قوم سے واسطہ پڑا تھا۔ جنھیں فنون حرب کا کوئی تجربہ ہی نہ تھا۔ اس لئے آپ کو ان پر غلبہ کا موقع مل گیا۔ لیکن خدا کی قسم۔ اگر کہیں آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں۔ اس طرح گویا انھوں نے آنحضرتؐ کو جنگ کا چیلنج کر دیا۔

آنحضرتؐ نے بنو قینقاع کو اسلام لانے اور اپنی نبوت کے تسلیم کر لینے کا پیغام دیا تھا۔ اس لئے کہ وہ یہ سب معلومات اپنی کتاب میں پاتے تھے لیکن ان کی اپنی کتابی معلومات اپنی عددی کثرت اور مدینہ ہی میں مسلمانوں کے ساتھ بودوباش کے باوجود انھوں نے آنحضرتؐ کو سخت جواب دیا اور ادب کی حدود سے تجاوز کر گئے اور اپنی بہادری کی بڑائی مارنے لگے۔

ڈاکٹر ولفنسون نے اپنی کتاب "تاریخ یہود" میں بنو قینقاع کے آنحضرتؐ کو جواب دینے کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے پوری دلیری اور تفاخر و ڈھٹائی کے ساتھ حضرت محمدؐ کو جواب دیا تھا ص ۱۲۹ "پھر لکھا ہے کہ" اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنو قینقاع سب سے پہلے آنحضرتؐ سے جنگ کی صورت میں اپنے حلیف خزرج سے اپنی مدد کی پوری توقع رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ بات تصور میں نہیں آسکتی کہ بنو قینقاع جیسا چھوٹا سا قبیلہ یثرب کے بہت سے قبیلوں کے مقابلہ میں اعلان جنگ کی جسارت کرتا۔ لیکن بنو خزرج نے انھیں ذلیل کرا دیا اور ان سے دوستی کے معاہدے کے باوجود ان کی مدد کو نہ آئے۔ ص ۱۲۹۔۱۳۰" بنو قینقاع پہلا یہودی قبیلہ تھا جس نے یہود و آنحضرتؐ کے درمیان طے شدہ معاہدہ امن و صلح کو توڑا اور بدر و اُحد کے درمیانی میدان میں جنگ کی۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ "حضرت عبداللہ بن مسور بن مخرمہؓ نے حضرت ابو عونؓ سے روایت کی ہے۔ آپ نے کہا کہ:

جنگ بنو قینقاع کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک عرب عورت نے اپنی پازیب لاکر بازار بنی قینقاع میں فروخت کی۔ بمعاملہ کے وقت وہ ایک سنار کے پاس بیٹھی تھی۔ ان لوگوں نے اس سے منہ کا پردہ ہٹانے کی فرمائش کی جس سے اس نے انکار کر دیا۔ اس پر ایک سنار نے چپکے سے اس کے دامن کو اٹھا کر اس کی کمر سے باندھ دیا۔ جب وہ اٹھی تو اس کی شرم گاہ کھل گئی۔ جس پر ان سب نے اس کی خوب ہنسی اڑائی۔ اس پر اس نے چیخ پکار کی جسے سن کر ایک مسلمان نے جھپٹ کر اس سنار پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ وہ یہودی تھا۔ اس لئے دوسرے یہودی اس مسلمان پر پل پڑے اور اسے جان سے مار ڈالا۔ اس پر مسلمانوں نے دوسرے مسلمانوں کو یہود کے مقابلہ کے لئے پکارا جس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہو گیا اور ان میں اور بنو قینقاع میں لڑائی چھڑ گئی۔

مگر ابن اسحاق اور طبری نے اپنی تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ نہ ہی ابن سعد نے اپنی طبقات میں ذکر کیا ہے۔ نہ اس قصہ میں اس عورت، اس سنار اور اس مسلمان کے نام ہی مذکور ہیں جس نے اس یہودی کو قتل کیا تھا۔ اسی لئے ہمیں اس قصہ کی صحت میں شبہ ہے۔ محض اس لئے نہیں کہ ابن اسحاق نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس طرح مجمل روایت ہمیں شک میں ڈالتی ہے۔ کیونکہ اس میں واقعہ کی تحقیق و بحث کے لئے کوئی مواد نہیں پایا جاتا۔ اسی لئے ہم اس روایت پر بھروسہ نہیں کرتے

آنحضرتؐ نے بنو قینقاع کا پندرہ دن تک ایسا محاصرہ کئے رکھا کہ ان میں سے کوئی بھی محاصرہ سے

باہر نہ نکل سکا۔ آخر مجبور ہو کر انھوں نے آپ کی اطاعت قبول کر لی۔ پس ان کے ہاتھ ان کی پُشت کے پیچھے باندھ دیئے گئے۔ آپ کا ارادہ انھیں قتل کر دینے کا تھا۔ ان کی تعداد چار سو تھی جب اللہ نے آنحضرتؐ کو ان پر غلبہ و قدرت عطا فرما دی تو عبداللہ بن ابی سلول کھڑا ہُوا اس لئے کہ بنو قینقاع اس کے اور عبادۃ بن صامت کے حلیف تھے) اور عرض کیا۔ اے محمدؐ! میرے دوستوں سے بہتر سلوک فرمایئے۔ اس پر آنحضرتؐ نے تردد فرمایا۔ اس نے پھر عرض کیا۔ اے محمدؐ! میرے دوستوں سے بہتر سلوک فرمایئے۔ تب آنحضرتؐ نے اس کی طرف سے اپنا مُنہ پھیر لیا۔ مگر اس نے آپ کی زرہ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر آپ کو گرفت میں لے لیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ مجھے چھوڑ دو۔ اور آپ کو غصہ آگیا۔ یہاں تک کہ آپ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ پھر فرمایا۔ تجھ پر افسوس ہے۔ مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا۔ نہیں خدا کی قسم! میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے دوستوں سے مہربانی کا سلوک نہ کریں گے۔

کالے اور گورے رنگ والے چار سو بے زرہ اور تین سو زرہ پوشوں کی یہ جمعیت اس بات پر میرے آڑے آتی ہے کہ آپ ان سب کو ایک ہی دن میں کاٹ کر رکھ دیں۔ ایسا ہُوا تو واللہ مجھے نقضِ امن کا اندیشہ ہے اور دُوسری جماعتوں کے اُٹھ کھڑے ہونے کا خطرہ ہے۔ تب تنگ آکر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ وہ تمھارے حوالہ کرتا ہوں۔ اللہ تمھیں ان میں برکت نہ دے۔

حضرت عمر بن قتادہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے یہ فرمایا۔ انھیں چھوڑ دو۔ خدا ان پر اور ان کے ساتھ اس شخص (عبداللہ بن ابی) پر بھی لعنت کرے۔ پس مسلمانوں نے انھیں چھوڑ دیا۔ پھر آنحضرتؐ نے انھیں شہر بدر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال مسلمانوں کو بطور مالِ غنیمت عطا فرما دیئے۔ ان لوگوں کے پاس زمینات نہ تھیں۔ وہ صرف سُنار کا کام کرتے تھے۔ پس آنحضرتؐ نے ان کے بہت سے ہتھیار اور زرگری کے اوزار پر قبضہ کر لیا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ مدینہ سے ان کے اور ان کے بال بچوں کی جلا وطنی کے نگران مقرر ہوئے۔ پس آپ ان سب کو لے کر "وبابؔ[1]" تک پُہنچے اور فرماتے جاتے تھے کہ پہاڑ کی انتہائی بلندی اور آخری چوٹی تک چلو۔ اس جنگ کے موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت ابو لبابہ بن عبدالمنذرؓ کو مدینہ پر حاکم مقرر فرمایا تھا۔

---

[1] مدینہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ م

ان شہر بدر لوگوں کے نکلنے میں تین دن صرف ہوئے۔ یہ لوگ مدینہ سے روانہ ہوکر "اذرعات"[1] پہنچے یہاں کا موسم ان کے موافق نہ آیا۔ حتیٰ کہ وہ سب آنحضرتؐ کے ان جملوں کی بدولت جو آپ نے عبداللہ بن ابی سے گفتگو میں فرمائے تھے (یعنی خدا تمھارے لئے ان میں برکت نہ دے) ہلاک ہو گئے۔ یہ چار سو بے زرہ اور تین سو زرہ پوش تھے۔ انھوں نے آنحضرتؐ سے درخواست کی تھی کہ انھیں آزاد کر کے شہر بدر کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کے بچّے اور بیویاں بھی ہیں۔ انھوں نے اپنا چھوڑا ہوا مال و سامان آنحضرتؐ کو پیش کر دیا۔ اس سامان میں ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ بھی تھا۔ ان کی ملکیت میں زمینات و نخلستان نہ تھے۔ پس آنحضرتؐ نے ان سے اس بات پر صلح کر لی اور وہ لوگ چلے گئے۔ ان کا جو مال ہاتھ آیا۔ آپ نے اس کے پانچ حصّے کئے۔ چار حصّے مجاہدین اسلام میں تقسیم فرمائے اور ایک حصہ اپنے لئے رکھا۔ اسلام میں یہ پہلا مالِ غنیمت تھا جس میں آنحضرتؐ نے اپنا خمس (پانچواں حصہ) لیا۔ آنحضرتؐ نے ان کے مکانوں کی تلاشی لی تو ان میں بہت سے ہتھیار پائے۔ پس آپ نے ان ہتھیاروں میں سے تین کمانیں لیں۔ ایک کا نام کتوم تھا جس کا وصف یہ تھا کہ جب اس سے تیر پھینکا جاتا تو اس کی آواز نہ ہوتی تھی۔ یہ کمان احد کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی۔ دوسری کمان کا نام "الروحا" تھا تیسری کا نام "البیضا" تھا۔ نیز آپ نے اپنے لئے دو زرہیں لیں۔ ایک زرہ کا نام "سغدیہ" تھا۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ تھی جسے آپ نے جالوت کے قتل کے وقت پہن رکھا تھا۔ دوسری کا نام فضہ تھا۔ نیز تین بڑے نیزے، تین تلواریں آپ کے حصہ میں آئی تھیں۔ آپ نے ایک زرہ حضرت محمد بن مسلمہ کو اور ایک حضرت سعد بن معاذؓ کو عنایت کی۔

جنگ بنی قینقاع کے دن آپ کا علم سفید تھا جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا۔

○

---

[1] شام میں ایک شہر کا نام ہے۔ م

غزوۂ سویق

ابوسفیان بن حرب نے ماہ ذی الحجہ ۲ھ (م اپریل ۶۲۴ء) میں غزوہ سویق کی جنگ لڑی۔ اسی سال سے مشرکین زمانہ حج کے اہتمام کے متولی ہوئے۔

جب ابوسفیان مکہ سے واپس ہُوا تو اس نے نذر مانی کہ اپنے سر پر غسل جنابت کا پانی نہ ڈالے گا۔ یعنی عورتوں کے پاس نہ جائے گا جب تک محمدؐ سے جنگ نہ کرلے گا۔ پس یہ اپنی قسم پُوری کرنے کے لئے دو سوار لے کر نکلا اور نجدیہ کی طرف چلا۔ یہاں تک کہ نیب نامی پہاڑ کے دامن میں ایک نہر کے کنارے پر اُترا جو مدینہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پھر رات کو نکل کر رات ہی کو قبیلہ بنی نضیر کے پاس پُہنچا۔ وہاں حیی بن اخطب کے پاس آیا جو بنو نضیر کے سرداروں میں سے تھا اور جو حضرت صفیہ ام المومنین کا باپ تھا۔ پس اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ لیکن اس نے اس کے خوف سے دروازہ کھولنے سے انکار کردیا۔ پھر یہاں سے وہ سلام بن مشکین کے پاس پُہنچا جو اپنے زمانہ میں بنو نضیر کا سردار اور ان کا خزانچی تھا۔ اس سے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس نے اجازت دے دی۔ پھر اس کی مہمانداری کی اور اسے شراب پلائی اور ادھر اُدھر کی خبروں سے اس کا پیٹ بھر دیا۔ پھر اُبوسفیان پچھلی رات وہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور قریش کے چند آدمیوں کو مدینہ کی طرف بھیجا جو وہاں کے ایک مضافاتی مقام پر جسے عریض کہا جاتا تھا آئے اور وہاں کے نخلستان میں آگ لگا دی۔ وہاں انھوں نے حضرت معبد بن عمرو انصاریؓ اور آپ کے ایک اور ساتھی کو پایا۔ جو اپنے کھیت میں سو رہے تھے۔ پس انھیں ان لوگوں نے قتل کر ڈالا اور واپس لوٹ گئے۔ اس پر مسلمانوں نے ان سے بدلہ لینے کی تیاری کی اور آنحضرتؐ ان کی تلاش میں دو سو مہاجرین و انصار کو لے کر نکلے اور اپنی جگہ مدینہ پر حضرت ابو لبابہ بشیر بن عبدالمنذرؓ کو حاکم مقرر فرمایا۔ آپ مقام "قرقرۃ الکدر" تک پہنچ کر واپس لوٹ آئے۔ اس لئے کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی دُور جا چکے تھے۔ البتہ مسلمانوں نے ان کا غذائی ذخیرہ پایا جو وہ اپنا بوجھ ہلکا کر کے اس سے نجات حاصل کرنے کو کھیت ہی چھوڑ گئے تھے۔ جب مسلمانوں کو آنحضرتؐ واپس لوٹا لائے تو انھوں نے عرض کیا۔

یارسول اللہ! کیا آپ ہمیں یہ اطمینان دلاتے ہیں کہ ہمارا یہ سفر غزوہ میں شمار ہوگا۔ فرمایا۔ ہاں۔

یہ غزوہ، غزوہ سویق کے نام سے اس لئے مشہور ہوا کہ کفار نے جو غذائی ذخیرہ چھوڑا تھا۔ اس میں

بیشتر حصہ ستو تھا۔ اس لئے مسلمان بہت سا ستو لے کر لوٹے۔ اس مناسبت سے اس کا نام غزوۂ سویق[1] پڑ گیا۔

بظاہر اس جنگ سے ابو سفیان کا مقصد صرف اپنی قسم پوری کرنا تھا۔ کیونکہ اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اتنی تھوڑی افرادی طاقت (دو سو سواروں) سے اس جنگ میں مسلمانوں پر فتح پانے کا خیال رکھتا ہوگا۔ جبکہ ابھی وہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی قوت کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ اس لئے یہ صرف ایک جنگی جھڑپ تھی۔ جس کی کوئی قیمت و اہمیت نہیں۔

غزوۂ ذی امر یعنی غزوۂ غطفان

آنحضرت ؐ نے غزوہ سویق سے واپس ہو کر مدینہ میں تقریباً ذی الحجہ کے باقی دن قیام فرمایا۔ پھر نجد کی جنگ کا قصد فرمایا۔ جس میں غطفان سے مقابلہ کا ارادہ تھا۔ اس کا نام غزوۂ ذی امر بھی ہے۔ کیونکہ بنو ثعلبہ اور محارب کی ایک جماعت مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مقام ذی امر میں جمع ہوئی۔ انھیں دعثور بن حارث محاربی نے اس غرض کے لئے جمع کیا تھا۔ یہ خبر سن کر آنحضرت ؐ ساڑھے چار سو صحابہ کو لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ پر اپنے قائم مقام حضرت عثمان بن عفان ؓ کو حاکم مقرر فرما گئے۔ جب ان حملہ آوروں نے آپ کے آنے کی خبر سنی تو پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے اس لئے آنحضرت ؐ واپس آ گئے اور آپ کو کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔ آپ مقام نجد میں تقریباً پورے صفر کے مہینے مقیم رہے۔

مسلمانوں کو مخالفین کا ایک شخص جبار ثعلبی مل گیا۔ جسے آنحضرت ؐ نے اسلام کی دعوت دی چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ آپ نے انھیں حضرت بلال ؓ کے سپرد فرما دیا تاکہ وہ انھیں اسلامی شریعت کی تعلیم دیں۔ جیسا کہ آپ کا قاعدہ تھا کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

اسی غزوہ میں خود دعثور آنحضرت ؐ کا ایک معجزہ دیکھ کر اسلام لے آئے۔ باوجودیکہ انھوں نے آپ سے جنگ کرنے کے لئے اپنی قوم کو جمع کیا تھا۔ یہ اپنی قوم کے معزز اور بہادر شخص تھے۔ یہ اسلام لانے کے بعد اپنی قوم کے پاس گیا اور انھیں بھی اسلام کی دعوت دی۔ اس طرح اس کے ذریعہ بہت مخلوق نے ہدایت پائی۔

○

---

[1] عربی میں سویق کے معنی ستو کے ہیں۔ م

اُمِّ کُلثومؓ بنتِ رسول اللہؐ کی شادی

حضرت اُمِ کلثومؓ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آنحضرتؐ کی صاحبزادی اور حضرت رقیہؓ سے چھوٹی تھیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے حضرت رقیہ کا حضرت عثمانؓ سے عقد فرمایا تھا جب ان کا انتقال ہوگیا تو آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُمِ کلثومؓ کا بھی حضرت عثمانؓ سے ہی عقد فرما دیا اور نہیں ہوسکتا تھا کہ بڑی صاحبزادی صاحبہ کو چھوڑ کر چھوٹی صاحبزادی کی شادی فرما دیتے۔

آنحضرتؐ نے پہلے حضرت رقیہ اور اُم کلثومؓ کا ابو لہب کے دونوں لڑکوں عتبہ اور عتیبہ سے عقد کیا تھا۔ لیکن جب حق تعالیٰ نے سورۃ "تبّت یدا ابی لہب" (ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں) نازل فرمائی تو ابو لہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا۔ اگر تم نے محمد کی دونوں بیٹیوں کو طلاق نہ دی تو تم دونوں کو مجھے باپ سمجھنا حرام ہوگا۔ نیز ان دونوں کی ماں اُمِ جمیل بنت حرب بن امیہ نے جس کا ذکر قرآن میں "حمالۃ الحطب" (یعنی چغلخور) کے نام سے آیا ہے۔ اپنے بیٹوں سے کہا کہ رقیہ اور اُم کلثوم بے دین (یعنی مسلمان) ہوگئی ہیں۔ اس لئے تم دونوں انھیں طلاق دے دو چنانچہ انھوں نے اس کی تعمیل کی اور یہ طلاق ہر دو کی شبِ عروسی کے انعقاد سے قبل ہی واقع ہوگئی تھی پس آنحضرتؐ نے حضرت رقیہؓ کو حضرت عثمانؓ سے بیاہ دیا۔ جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوگیا تو آپ نے حضرت اُمِ کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ سے بیاہ دیا۔ آپ نے ان کا نکاح ماہ ربیع الاوّل ۳ھ میں ہوا اور اسی سال ماہ جمادی الآخرہ میں رخصتی عمل میں آئی۔ ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ۹ھ میں ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ آنحضرتؐ نے خود ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

○

حضرت حفصہؓ کی شادی

اسی سال ماہ شعبان میں آنحضرتؐ نے حضرت حفصہؓ بنت عمر بن الخطابؓ کے پہلے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ کے انتقال کے بعد عدت پوری ہونے پر ان سے اپنا عقد فرمایا۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ جب آنحضرتؐ کی بعثت سے پانچ سال قبل قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ اسی دوران حضرت حفصہؓ کی ولادت ہوئی تھی۔

حضرت عمرؓ نے اوّلاً حضرت ابوبکرؓ سے اپنی صاحبزادی حفصہؓ سے عقد کرنے کو کہا۔ مگر سن کر انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ سے بھی ذکر کیا۔ انھوں نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیٹی حفصہ کو حضرت عثمان پر پیش کیا تھا مگر انھوں نے مجھ سے رُخ پھیر لیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ حق تعالیٰ نے حضرت عثمان کو تمھاری بیٹی سے بہتر بیوی عطا فرمادی اور تمھاری بیٹی کو حضرت عثمانؓ سے بہتر شوہر عطا فرمادیا۔ اس طرح کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت اُم کلثومؓ سے شادی کر لی اور آنحضرتؐ نے حضرت حفصہؓ سے شادی فرمالی اور شادی کے وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔

آنحضرتؐ نے سنہ ۳ھ میں حضرت عائشہؓ سے عقد کے بعد حضرت حفصہؓ سے عقد فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد انھیں ایک طلاق دے دی۔ جب یہ خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی تو انھوں نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور کہا کہ اللہ کو عمر اور اس کی بیٹی کی کچھ بھی پرواہ نہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے ان سے رجوع فرمالیا۔ حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں سنہ ۴۱ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔

سریۂ زید بن حارثہ

حضرت زید بن حارثہ رضؓ کی مقام قرد کی طرف لشکر کشی کا جو نجد کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے یہ سبب ہوا کہ قریش جس قدیم راستے سے تجارتی قافلے ملک شام کو لے جایا کرتے تھے بدر کے واقعات کی وجہ سے انھیں اس راہ میں اندیشے پیدا ہو گئے تھے اس لئے اس مرتبہ وہ عراق کے راستے سے روانہ ہوئے پس ان کے تجار کا قافلہ جن میں ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ شامل تھے اور یہ سب بعد کو فتح مکہ کے سال اسلام لائے تھے۔ ان کے ساتھ نگینہ جڑی ہوئی بہت سی انگوٹھیاں تھیں۔ پس آنحضرتؐ نے حضرت زید بن حارثہ رضؓ کو سو سوار دے کر ان کی طرف روانہ فرمایا جو چشمہ کے پڑاؤ پر ان سے جا ملے۔ انھیں دیکھتے ہی قافلہ والے فرار ہو گئے۔ اس طرح مال سے لدے ہوئے بہت سے اونٹ حضرت زید بن حارثہ رضؓ کے ہاتھ آئے۔ جنھوں نے یہ اونٹ لے جا کر آنحضرتؐ کے سامنے پیش کر دیئے۔ اس میں سے آپ نے اپنا پانچواں حصہ نکالا تو اس پانچویں حصہ کی قیمت بیس ہزار درہم تک پہنچی۔

یہ سریہ ماہ جمادی الآخرہ ۳ھ (م ستمبر ۶۲۴ء) میں پیش آیا تھا۔

○

کعبؓ بن اشرف کا قتل

کعب بن اشرف یہودی تھا جس کا باپ قبیلہ بنی نبہان کا عرب تھا۔ اس عربی نے زمانہ جاہلیت میں ایک خون کر دیا تھا۔ اس لئے یہ فرار ہو کر مدینہ آ گیا اور یہود کے قبیلہ بنو نضیر سے دوستی کر لی اور ان میں معزز سمجھا جانے لگا۔ یہاں اس نے عقیلہ بنت ابی حقیق سے شادی کر لی جس سے کعب پیدا ہوا۔ کعب دراز قد، فربہ اندام، بڑے پیٹ اور بڑے سر والا اور بہت عمدہ شاعر تھا اور اپنی کثیر دولت کی بنا پر حجاز کے یہودیوں کا سردار بن گیا تھا۔ یہ یہودی علماء کی مال سے خدمت کرتا اور ان سے ہمدردانہ روابط رکھتا تھا اور اپنے اشعار میں آنحضرتؐ کی ہجو کرتا اور کفار قریش کو آپؐ سے جنگ پر برانگیختہ کرتا تھا اس کی عداوت کا یہ عالم تھا کہ جب اہل بدر کو شکست ہوئی تو حضرت زید بن حارثہؓ اہل سافلہ کی طرف اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اہل عالیہ[1] کی طرف خوشخبری سنانے کے لئے روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان ہر دو حضرات کو مدینہ کے مسلمانوں کی طرف بھیجا تھا کہ یہ جا کر انہیں اللہ کی طرف سے آنحضرتؐ کو فتح حاصل ہونے اور مشرکین کے قتل ہونے اور قیدی بننے کی خبر سنا دیں۔ یہ خبر کعب پر بہت شاق گزری اور اس نے کہا۔ کیا یہ بات سچ ہو سکتی ہے۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ محمدؐ نے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہو گا۔ جن کے نام یہ دونوں صاحبان بتا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ عرب کے معززین اور ان لوگوں کے بادشاہ ہیں۔ خدا کی قسم ہے اگر واقعی محمدؐ نے انھیں قتل کر ڈالا ہے تو پھر زمین کا پیٹ اس کی پشت سے[2] بہتر ہے۔ لیکن جب اسے اس خبر کی صحت کا یقین ہو گیا اور اس نے بچشم خود قیدیوں کو دیکھ لیا تو قریش کے پاس آیا اور ان کے مقتولین پر رویا اور انھیں اپنے اشعار کے ذریعہ آنحضرتؐ سے جنگ پر اکسانے لگا۔ وہ ایک قوم سے دوسری قوم کے پاس جا جا کر یہی پروپیگنڈہ کرنے لگا۔ اس کے ان کرتوتوں کی خبریں آنحضرتؐ تک پہنچتی رہیں اور آنحضرتؐ حضرت حسانؓ سے بیان فرماتے رہے جس پر وہ کعب کی ہجو میں اشعار کہتے رہے۔ نیز آنحضرتؐ نے یہ دعا فرمائی۔ "اے اللہ! مجھے جس طرح ہو کعب بن اشرف کے فتنہ سے بچا۔" اس پر بنو عبدالاشہل کے بھائی حضرت محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں یہ کام آپ کے لئے انجام دے لوں گا۔ وہ میرا ماموں ہے میں اسے قتل کر ڈالوں گا۔

---

[1] سافلہ و عالیہ مدینہ کی دو آبادیوں کے نام ہیں م [2] یعنی مر کر زمین میں دفن ہو جانا زندہ رہنے سے بہتر ہے۔ م

فرمایا۔ اگر تم کر سکتے ہو تو ضرور ایسا کر گزرو۔ محمد بن مسلمہؓ آپ کے پاس سے لوٹ گئے اور تین دن تک کھانا پینا چھوڑ دیا۔ بجز قلیل مقدار کے جس سے زندہ رہیں۔ اس کی خبر آنحضرتؐ تک پہنچی تو آپ نے انھیں بُلا بھیجا اور دریافت فرمایا کہ تم نے کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا؟ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے آپ سے ایسا وعدہ کر لیا ہے کہ مجھے معلوم نہیں میں اسے پُورا بھی کر سکوں گا کہ نہیں؟ فرمایا تم پر صرف جدّ و جہد کرنا ہے پھر محمد حضرت ابو نائلہ کے پاس آئے جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی اور شاعر تھے۔ پھر حضرت عباد بن بشر اور حارث بن اوسؓ کے پاس آئے اور سب کو ابن اشرف کے قتل سے متعلق وہ آنحضرتؐ سے جو وعدہ کر آئے ہیں اس کا ذکر کیا۔ سب نے جواب دیا کہ ہم سب مل کر اسے قتل کر ڈالیں گے پھر یہ سب مل کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ ضروری ہے کہ ہم اس سے کچھ بات بنائیں۔ آپ نے فرمایا۔ تمھیں جو مناسب ہو کہنا تمھیں اس کی پُوری اجازت ہے۔ اور ان کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے آنحضرتؐ سے اس بات کی اجازت چاہی تھی کہ وہ کعب سے غلط بیانی کر کے ایسی بات کہیں گے۔ جس سے وہ خوش ہو جائے۔ تاکہ اس طرح اسے قتل کرنے کی راہ ہموار کر سکیں۔ اس سخت کام کے لئے کچھ مکر و حیلہ کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ وہ مدینہ سے باہر ایک مستحکم قلعہ میں رہتا تھا۔ پس آنحضرتؐ نے ان کے لئے جھُوٹ جائز کر دیا۔ کہ یہ ایک جنگی چال تھی۔

پس محمد بن مسلمہؓ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور کہا۔ یہ شخص یعنی نبی کریمؐ ہم سے صدقہ طلب کرتا ہے۔ حالانکہ ہمارے پاس کھانے کو بھی نہیں۔ اس نے ہمیں تنگ اور پریشان کر دیا ہے۔ میں آپ کے پاس کچھ قرض لینے آیا ہوں۔ کعب نے کہا۔ واللہ تم کو ابھی اور بھی رنج و مصیبت برداشت کرنا ہو نگے محمد نے کہا۔ ہم نے اس کا اتباع کر لیا ہے اب ہم اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتے۔ تاکہ دیکھیں کہ آخر اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ہم تمھارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تم ہمیں ایک وسق یا دو وسق[1] غلہ اُدھار دے دو۔ اس نے کہا۔ کیا ابھی تک تمھیں محسوس نہیں ہُوا کہ تم باطل پر ہو؟ پھر کہا کہ وہ انھیں قرض دے دیگا مگر یہ کہ تم میرے پاس کچھ رہن رکھ دو۔ انھوں نے کہا۔ تم کیا چیز رہن رکھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہم اپنی عورتوں کو کیسے رہن رکھ سکتے ہیں

م[1] ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کا۔ اس طرح ایک وسق دو سو دس سیر یعنی سوا پانچ من ہُوا بعض نے کہا ہے کہ وسق ایک اونٹ کے بار پر بولا جاتا ہے۔ م

جبکہ تم عرب کے حسین ترین شخص ہو؟ اس نے کہا تو پھر اپنے بیٹوں کو رہن کر دو۔ انھوں نے کہا بھلا ہم اپنے بیٹوں کو کیسے رہن رکھ سکتے ہیں؟ وہ ہم پر لعن طعن کریں گے کہ ایک یا دو وسق کے بدلے اپنی اولاد کو رہن رکھ دیا۔ یہ ہمارے لئے بے غیرتی کی بات ہوگی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے ہتھیار رہن رکھ دیں۔ حالانکہ تمھیں بھی معلوم ہے کہ ہمیں ان کی کتنی شدید ضرورت رہتی ہے۔ اس نے کہا بہتر ہے اور انھوں نے یہ پیشکش اس لئے کی تھی کہ اسے ان لوگوں کے ہتھیار لے کر اس کے پاس آنے سے کچھ شک نہ ہو۔ پھر کعب نے محمد سے یہ قرض دینے کا وعدہ کر لیا۔ پھر اس کے پاس ابونائلہ بھی آئے اور اس سے کہا۔ اے ابن اشرف! مہربانی کرو۔ میں تمھارے پاس ایک خاص ضرورت بیان کرنے آیا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ تم اسے راز میں رکھو۔ اس نے کہا کہو۔ ابونائلہ نے کہا۔ اس شخص (حضرت محمدؐ) کا آنا ہمارے لئے مصیبت و عذاب کا باعث ہوا۔ عرب ہم پر ٹوٹ پڑے اور ہم سب کو ایک ہی تیر سے نشانہ بنایا۔ انھوں نے ہمارے راستے کاٹ دیئے۔ یہاں تک کہ ہمارے بچے بھوک کے مرنے لگے اور ہم اور ہمارے متعلقین انتہائی مشقت و تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ کعب نے کہا۔ میں اشرف کا بیٹا ہوں۔ اے ابن سلامہ! میں تو تمھیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ اس تحریک کا انجام وہی ہوگا جو میں کہہ رہا ہوں ابونائلہ نے کہا۔ میری درخواست ہے کہ تم ہمارے ہاتھ کچھ غذا فروخت کر دو۔ اس کے بدلے ہم تمھارے پاس اپنی کوئی چیز رہن رکھ دیں گے اور تمھیں اطمینان دلا دیں گے۔ تم ہم سے بہتر سلوک کرو اور میرے ساتھ میرے اور بھی ساتھی ہیں۔ جو میری ہی طرح ضرورت مند ہیں۔ میں انھیں بھی تمھارے سامنے اسی غرض سے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ تم ان کے ہاتھ بھی جنس فروخت کرو۔ ہم تمھارے پاس اپنی زرہیں رہن رکھ دیں گے جس سے تمھارا کامل اطمینان ہو جائے گا۔ اس نے کہا۔ زرہ کافی ضمانت ہے۔ یہ ابونائلہ کعب کے دودھ شریک بھائی اور محمد بن مسلمہ اس کے دودھ شریک بھتیجے تھے۔ پس اس کے پاس محمد بن مسلمہ اور ابونائلہ آئے۔ ان کے ساتھ عباد بن بشر اور حارث بن اوس بن معاذ اور ابوعبس بن جبر بھی تھے یہ سب اوس قبیلہ کے افراد تھے۔

جب یہ سب حضرات آنحضرتؐ سے رخصت ہو رہے تھے تو آپ نے بقیع غرقد تک ان کی مشایعت فرمائی انھیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا۔ "اللہ کے نام پر روانہ ہو جاؤ۔ اے خدا ان کی مدد فرمانا۔" پھر آپ گھر واپس تشریف لے آئے۔ یہ رات کا وقت تھا اور چاندنی رات تھی جس کی

روشنی میں چل کر یہ لوگ کعب کے قلعہ تک پہنچے۔ اس وقت کعب کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ پہلے ابو نائلہ نے پھر دوسرے ساتھیوں نے اُسے آواز دی۔ اس نے ان سب کو پہچان لیا اور اپنے لحاف میں دبک گیا۔ لیکن اس کی بیوی نے لحاف کا کونا پکڑ کر ہٹا دیا اور کہا تم ایک جنگجو شخص ہو لڑنے والے ایسے وقت نہیں آیا کرتے۔ اس نے کہا۔ اگر ابو نائلہ مجھے لیٹا ہُوا دیکھے گا تو وہ مجھے بیدار نہ کرے گا۔

اس کی بیوی نے کہا۔ واللہ! مجھے اس کی آواز میں شر و فساد معلوم ہوتا ہے۔ اس پر کعب نے کہا۔ اگر کسی نوجوان کو جنگ کے لئے پکارا جائے تو وہ اس چیلنج کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ نیچے اُترا اور کچھ دیر ان سے اور وہ اس سے باتیں کرتے رہے۔ پھر انھوں نے کہا۔ اے ابن اشرف آؤ ذرا مقام شعب عجوز[1] تک ٹہلتے ہوئے چلیں تاکہ بقیہ شب ہم بات چیت میں گزاریں۔ اس نے کہا۔ جیسی تمھاری مرضی ہو۔ پس یہ سب لوگ ٹہلتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ابو نائلہ نے اپنا ہاتھ کعب کے سر کے بالوں میں پھرایا اور اپنا ہاتھ سُونگھ کر کہا۔ آج رات سے زیادہ میں نے کبھی ایسی خوشبو نہیں سونگھی۔ پھر کچھ دیر چلتے رہنے کے بعد اس نے پھر یہی حرکت کی۔ حتیٰ کہ اسے کعب کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد اس نے یہی عمل کیا۔ ساتھ ہی اس کے بال پکڑ کر ساتھیوں سے کہا۔ اس اللہ کے دشمن کو مار ڈالو۔ پس سب نے اپنی تلواروں سے اس کا کام تمام کر دیا۔ وہ زمین پر گر پڑا تو اس کا سر کاٹ کر گھوڑے کے توبرے میں رکھ لیا جو ان کے ساتھ تھا اور اسے لے جا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ واقعہ ماہ ربیع الاول ۳ھ م جولائی ۶۲۴ء میں پیش آیا۔

اس حادثہ نے تمام یہودیوں کے دلوں میں رُعب و دہشت پھیلا دی اور آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ تم جہاں کہیں جس یہودی کو بھی پاؤ اُسے قتل کر ڈالو۔ نتیجہ یہ کہ یہود کے بڑے بڑے لوگ جان کے خوف سے گھروں سے نہ نکلتے تھے۔

○

---

[1] وہاں سے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ م

ابن سُنینہ کا قتل

جب مُحیّصہ بن مسعودؓ نے آنحضرتؐ کا یہ حکم سُنا تو وہ ابن سُنینہ یہودی تاجر پر جھپٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔ اس پر اس کے بھائی حُویّصہ نے جو مشرک تھا۔ اس سے کہا۔ اے خدا کے دشمن تو نے اسے قتل کر دیا۔ حالانکہ خدا کی قسم تیرے پیٹ کی تمام چربی اسی کے مال اور رزق سے بنی ہے۔

مُحیّصہ نے جواب دیا۔ مجھے ایک ایسی شخصیت نے اس کے قتل کا حکم دیا تھا کہ اگر وہ مجھے تیرے قتل کا بھی حکم دیتی تو میں تجھے بھی قتل کر ڈالتا۔ آپ کہتے ہیں کہ یہی گفتگو حویصہ کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ اس نے کہا کہ وہ دین بہت ہی عجیب ہے جس نے تجھے اس جذبہ تک پہنچا دیا۔ جو میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مشرف باسلام ہو گیا۔

یہ کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ ہے۔ جسے ہم نے قابلِ اعتماد تاریخی مصادر سے مختصراً بیان کیا ہے اور کچھ یورپین مُصنفین سیرت الرسولؐ نے آنحضرتؐ کے حکم کی بنا پر کعب کے قتل کا انکار کیا ہے بلکہ لکھا ہے کہ کعب نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ اس لئے کہ وہ غرور کی وجہ سے آنحضرتؐ کی دشمنی کی بنا پر آپ پر انتہائی ناروا اور شدید حملوں کا مرتکب ہُوا اور اسے اپنی دولت منصب و جاہ اور شعر گوئی پر بھروسہ تھا کیونکہ اس نے پہلے تو دوسرے یہود کے ساتھ مل کر آنحضرتؐ سے معاہدہ امن کیا پھر اس کو توڑ ڈالا اور اپنے اشعار کے ذریعہ آپ کی ہجو کرنے لگا۔ پھر مکہ جا کر کفار کو آپؐ کے خلاف لڑنے پر آمادہ کیا۔ اور مدینہ لوٹ کر مسلمانوں کی عورتوں کے خلاف نازیبا غزلیں کہیں بلاشبہ یہ تمام باتیں لوگوں کے سینوں میں غصہ کی آگ بھڑکانے والی تھیں اور عرب اس شخص کو کبھی معاف نہیں کر سکتے جو ان کی عورتوں کی عزت پر حملہ کرے اس سے ہم یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ درحقیقت ان حالات کی بنا پر ہر وہ مسلمان جسے اپنے دین اور اپنی عورتوں کی غیرت کا پاس تھا وہ موقع پاتے ہی اسے قتل کر ڈالنے کے درپے ہو گیا تھا۔

ہم نے جنگ اُحد سے پہلے کعب بن اشرف کا قتل ہونا بیان کیا ہے۔ کیونکہ محمد بن مسلمہ کی فوج کشی ماہ ربیع الاوّل ۳ھ میں ہوئی تھی اور جنگ احد اسی سال ماہ شوّال میں برپا ہوئی تھی۔

جب دو خوشخبری سُنانے والے قاصد مدینہ واپس ہوتے جنہیں آنحضرتؐ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کی

فتح اور کفار کے ان مقتولین و محبوسین کی خبر سنانے مسلمانوں کے پاس بھیجا تھا جن کا تعلق معززین قریش سے تھا تو کعب نے ان کے بیان کی تصدیق نہ کی۔ مگر جب دوسرے لوگوں سے پوچھا اور یہ خبر صحیح ثابت ہوئی تو وہ مکہ روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر گھر گھر جا کر لوگوں کے دروازے کھٹکھٹاتے اور اپنے اشعار سنا سنا کر قریش کو مسلمانوں سے جنگ کرنے پر بھڑکایا۔ پھر یہ مدینہ واپس لوٹا اور مسلمان خواتین کے حسن و رعنائی اور چھیڑ چھاڑ سے متعلق اشعار کہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا۔ چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ اور یہ واقعہ جنگ کے بعد اور جنگ احد سے پہلے پیش آیا کیونکہ بدر کا واقعہ ہی کعب کے مکہ روانگی اور مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی شکست پر اپنے غیظ و غضب اور آنحضرتؐ سے شدید عداوت کے اظہار کا سبب بنا تھا۔ اور ابن ہشام، ابن اثیر اور ابن سعد نے طبقات ابن سعد میں اور امام ابو عباس نے کتاب التبیر میں کعب کے جنگ احد سے پہلے قتل کئے جانے کا ذکر کیا ہے۔ علیٰ ہذا طبری نے بھی ۳ھ کے حوادث کے بیان میں جنگ احد سے قبل اس کے قتل کا ذکر کیا ہے۔

تاریخ واقدی میں ہے کہ آنحضرتؐ نے اسی سال ۳ھ ماہ ربیع الاول میں بعض اصحاب کو کعب کے قتل کے لئے بھیجا تھا۔ اور مسٹر مویر نے بھی اس حادثہ کا جولائی ۶۲۴ء (م ۳ھ) میں واقع ہونا بیان کیا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ مسٹر ولفنسون نے ان اہم تاریخی مصادر سے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنی کتاب "تاریخ یہود" میں صرف یعقوبی کی رائے کو اختیار کیا ہے اور اسی کو صحیح تسلیم کیا ہے کیونکہ یعقوبی اس کے قائل ہیں کہ آنحضرتؐ نے جنگ احد کے بعد یعنی ربیع الاول ۴ھ میں کعب بن اشرف کے قتل کا حکم دیا تھا مگر مسٹر ولفنسون کو اس رائے کو اختیار کرنے کی کیا وجہ پیش آئی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ کعب بن اشرف پر قریش کو مسلمانوں سے جنگ پر بھڑکانے اور مسلمانوں کی خواتین کی شان میں بیہودہ اشعار لکھنے کی جو تہمت ہے اسے رفع کرنا چاہتے ہیں۔ اس بنا پر انھیں ابن ہشام اور دوسرے بڑے مورخین کی روایت کو غلط بتانے پر مجبور ہونا پڑا۔

اگر ان کی رائے درست مان لی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کعب کے قتل کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟ اس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ آنحضرتؐ کے قبیلہ بنو نضیر کا محاصرہ کرنے سے کچھ ہی قبل ۴ھ میں کعب قتل کیا گیا تھا اور اس کا قتل گویا یہود کی طرف سے اعلان جنگ کا سبب بنا۔ اس لئے کہ کعب کا شمار ان کے لیڈروں میں ہوتا تھا۔

اس طرح مسٹر ولفنسون نے کعب پر لگائی گئی مذکورہ تہمت کی اپنی طرف سے تردید کی ہے اور آنحضرتؐ پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ آپ نے کسی اعلان جنگ کے بغیر بنو نضیر کے ایک لیڈر کو قتل کرا دیا۔

غزوۂ اُحد

واقع بروز شنبہ بتاریخ ۱۵ شوال ۳ھ ۱۱ جنوری ۶۲۵ء

اُحد مدینہ کی شمال مغربی سمت ایک مشہور پہاڑ ہے اور اس کے اور مدینہ کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔ اس کا یہ نام اس کی انفرادیت اور ان اطراف کے دُوسرے پہاڑوں سے ممتاز و یکتا ہونے کی وجہ سے رکھا گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام دفن ہیں۔ اس جنگ کا سبب یہ ہُوا کہ جب قریش پر جنگ بدر میں مصائب کا پہاڑ ٹوٹا تو عبداللہ بن ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور دُوسرے معززین قریش جن کے باپ، بیٹے اور بھائی بدر میں کام آئے تھے۔ سب مل کر ابُوسفیان کے پاس آئے اور اس سے اور ان لوگوں سے جن کا اس قافلہ میں تجارتی سامان تھا جو جنگ بدر کا سبب بنا تھا، گفتگو کی۔ یہ قافلہ دارالندوہ میں ٹھہرا ہُوا تھا۔ ابھی اس کا مال اس کے مالکوں کو نہیں دیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے اہل قافلہ سے کہا کہ محمد نے تم پر ظلم کیا اور تمھارے بہترین و منتخب لوگوں کو قتل کر دیا۔ پس تم محمد سے جنگ کرنے کے لئے اس مال سے ہماری مدد کرو۔ تاکہ ہم ان سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔ ہم تب خوش ہوں گے جب تم اس مالِ تجارت کے نفع کی رقم سے محمد سے جنگ کے لئے ہمارے لشکر کو مسلّح کر دو۔ ابُوسفیان نے کہا۔ سب سے پہلے میں اس کو قبول کرتا ہوں اور بنو عبد مناف بھی اس میں میرے ساتھ ہیں۔ پس سب نے اس مال کا فائدہ اس مقصد کے لئے دینا منظور کر لیا۔ تب قافلہ والوں کو ان کا راس المال جو پچاس ہزار دینار تھا سپرد کر دیا گیا۔ انھوں نے اس کا نفع نکالا تو فی دینار ایک دینار ہی نفع تھا۔ پس ان سے قریش اور ان کے حلفاء بنو کنانہ اور تہامہ نے جنگی ساز و سامان تیار کیا اور صفوان بن اُمیّہ نے ابوعزّہ جمحی سے کہا کہ تم شاعر ہو۔ اس لئے اپنی زبان سے ہماری مدد کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم زندہ واپس آئے تو تمھیں دولتمند بنا دوں گا اور اگر تم قتل ہو گئے تو تمھاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ رکھوں گا۔ اچھے بُرے فراخی و تنگی ہر حال میں وہ ہمارے شریک حال رہیں گی۔ اس نے جواب دیا کہ محمد نے مجھ پر احسان کیا اور مجھے چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ مجھے بدر کے قیدیوں کے ساتھ قیدی بنا کر لے جایا گیا تھا۔ اس لئے میں ان

کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اس نے پھر کہا۔ یہ سب صحیح مگر تمہیں اپنی زبان سے ضرور ہماری مدد کرنی ہوگی۔

پس ابوعزہ اور مسافع لشکر کفار کے ساتھ روانہ ہوئے جو اپنے اشعار سے لوگوں کو جوش دلاتے تھے اور صفوان نے اپنے حبشی غلام جبیر بن مطعم کو بلایا جو نیزہ کا وار کرنے میں ماہر تھا۔ اس کا نشانہ بہت کم خطا ہوتا تھا۔ اس سے کہا۔ تو بھی لشکر کے ساتھ چل۔ اگر تو نے حمزہ بن عبدالمطلب کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے میں قتل کر دیا تو تو آزاد ہے۔ یہ اس لئے کہا کہ جنگ بدر کے دن حضرت حمزہؓ نے ہی طعیمہ کو قتل کیا تھا۔

یہ بھی روایت ہے کہ طعیمہ کی بیٹی نے اس سے کہا تھا کہ اگر تو نے محمد یا حمزہ یا علی کو میرے باپ کے بدلے میں قتل کر دیا تو تو آزاد ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کی پوری قوم میں میرے باپ کا ہم پلہ ان تینوں کے سوا دوسرا نہیں۔

ابوسفیان بن حرب اپنی قوم کا سپہ سالار بنا۔ اس کی فوج کی تعداد تین ہزار تھی جس میں سات سو زرہ پوش دو سو گھوڑ اسوار اور سترہ عورتیں بھی تھیں۔ جن کے ساتھ ڈھول، گانے کے آلات شراب اور فاحشہ عورتیں بھی تھیں۔ ان میں ہند بنت عتبہ زوجۂ ابی سفیان بھی تھی۔ جس کا باپ غزوہ بدر میں مارا گیا تھا۔ یہ اپنے باپ کا بدلہ لینے نکلی تھی۔ اس نے یہ مسجع عبارت کہی تھی:-

نحنُ بناتُ الطارق نمشِی علی النّمارِقِ
اِنْ تقبلُوا نعانِق اوتدبرُوا نفارِقِ
فراقٌ غیرُ وَامِق

اور ام حکیم بنت طارق اپنے شوہر عکرمہ کے ساتھ۔ ریطہ بنت سمیہ اپنے شوہر عمرو بن عاص کے ساتھ روانہ ہوئی۔ ان کے علاوہ دوسری عورتیں بھی مل کر بدر کے مقتولین پر روتیں، نوحہ وماتم کرتیں اور مردوں کو مردانہ وار جنگ کرنے اور شکست خوردگی اور راہِ فرار اختیار نہ کرنے پر ابھارتی تھیں۔

یہ لشکر مکہ سے پانچ شوال کو روانہ ہوا۔ حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ کو خط لکھا جس میں آپ کو اس لشکر کی جمعیت اور اس کی روانگی کی کیفیت ومقصد کی اطلاع دے دی۔ قریش نے ان سے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا۔ لیکن انھوں نے بدر کے پیش آمدہ واقعات کی بنا پر انکار کر دیا اور اپنے مال سے

بھی ان کی کچھ مدد نہ کی۔ آنحضرتؐ مقامِ قبا میں تشریف فرما تھے کہ آپ کو یہ خط ملا حضرت عباسؓ نے یہ خط قبیلۂ بنوغفار کے ایک شخص کے ہاتھ روانہ کیا تھا جسے اُجرت پر مقرر کیا تھا اور اس سے یہ شرط کی تھی کہ دن رات مسلسل سفر کرکے تین دن میں یہ خط آپ تک پہنچا دے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب آپ کو خط ملا تو آپ نے اس کی مہر کھول کر حضرت ابی بن کعب کو دیا۔ انھوں نے آپ کو پڑھ کر سُنایا۔ اس بات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ اُمّی تھے یعنی آپ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے ورنہ یہ خط خود ہی پڑھتے اور اپنا راز راز رکھتے۔ بجائے اس کے کہ ابی بن کعب سے پڑھوائیں پھر انھیں صیغۂ راز میں رکھنے کی ہدایت فرمائیں۔

پھر آپ حضرت سعد بن ربیعؓ کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں حضرت عباسؓ کے خط کے مضمون پر مطلع فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا۔ واللہ! مجھے امید ہے کہ اس میں بہتری ہی ہوگی۔ آپ نے انھیں اسے راز رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ جب آنحضرتؐ ان کے پاس سے تشریف لے گئے تو ان کی بیوی نے پوچھا کہ آنحضرتؐ نے آپ سے کیا فرمایا تھا۔ انھوں نے کہا۔ اے امِ محمد! بھلا تمھیں اس بات سے کیا واسطہ۔ اس نے کہا۔ آنحضرتؐ نے جو کچھ فرمایا ہے میں نے سُن لیا ہے اور وہ سب باتیں شوہر سے بیان کر دیں۔ یہ سُن کر انھوں نے اِنّا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور بیوی کا ہاتھ پکڑ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اپنی بیوی کا واقعہ کہہ سُنایا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ خبر فاش ہو جائے اور آپ یہ خیال فرمائیں کہ میں نے ہی یہ راز فاش کیا ہے حالانکہ آپ نے اسے مخفی رکھنے کو فرمایا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس عورت کو چھوڑ دو۔

ادھر قریش کا لشکر روانہ ہوا جو تین ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا۔ ان کے ساتھ حبشی بھی تھے، جو قریش کے حلیف تھے۔ یہ بنوالمصطلق اور بنوہون بن خزیمہ قبیلے کے تھے۔ نیز ان کے ہمراہ ابوعامر راہب ستر گھوڑے سواروں کے ساتھ روانہ ہوا جس کا نام آنحضرتؐ نے راہب کی جگہ فاسق رکھ دیا تھا اور اس کے فرزند حضرت حنظلہؓ اکابر صحابہ میں تھے جو اُحد کے شہداء میں سے تھے۔ یہ احابیش حبیش کے پاس جمع ہوئے جو مکّہ کے نچلے حصّہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے اور وہاں انھوں نے پختہ عہد کیا کہ جب تک راتوں میں اندھیرا اور دن میں روشنی باقی ہے اور جب تک حبیش پہاڑ اپنی جگہ قائم ہے ہم قریش کے ساتھ ان کے دست و بازو بن کر رہیں گے۔ قریش روانہ ہو کر مدینہ کے مقابل مقام

ذی الحلیفہ میں احد پہاڑ کی سمت وادی میں اُترتے ہے۔ یہ لشکر بارہ ماہ شوال کو یہاں پہنچا اور چہار شنبہ پنجشنبہ اور جمعہ تین دن یہاں ٹھہرا۔ ادھر مسلمانوں نے مدینہ کے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنے کے بارے میں باہم مشورہ کیا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کی رائے وہی تھی جو آنحضرتؐ کی تھی۔ کیونکہ آپؐ کی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نہ نکلا جائے لیکن کچھ صحابہ نے آپؐ سے باہر نکلنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ آپؐ مدینہ سے روانہ ہو کر بروز ہفتہ نصف شوال کو صبح ہی اُحد کی ایک گھاٹی میں پہنچے۔ آنحضرتؐ نے مدینہ سے روانگی کے قبل شب جمعہ کو ایک خواب دیکھا۔ صبح کو فرمایا۔ واللہ! میں نے ایک بہتر خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے اور میری تلوار کی نوک ٹوٹ گئی ہے۔ نیز یہ کہ میں نے اپنا ہاتھ حصینہ کی زرہ میں داخل کر دیا ہے اور گویا میں کسی مینڈھے کو گھسیٹ رہا ہوں۔ اور گائے کو میرے ساتھی ذبح کر رہے ہیں۔ پس اپنی تلوار کے ٹوٹنے کی تعبیر یہ ہے کہ میرے اہل بیت کا کوئی شخص شہید کر دیا جائے گا۔ حصینہ کی زرہ سے مدینہ مراد ہے۔ مینڈھے سے میں نے یہ مراد لی کہ میں سرلشکر کو قتل کر دوں گا۔ آنحضرتؐ کا یہ خواب خدا نے سچا کر دکھایا۔ آپ کے اہل بیت کا شخص حضرت حمزہؓ سید الشہداء تھے اور حضرت علیؓ نے طلحہ بن عثمان عبدری کو قتل کر دیا جو مشرکین کا علم بردار تھا۔ وہی سرلشکر تھا اور قوم کا مینڈھا ان کا سردار ہوا۔ اسی کی تلوار سے اس غزوہ میں آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک پر زخم آیا تھا۔ جس کا بیان قریب میں آئے گا۔

آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ مدینہ ہی میں ٹھہرے رہو۔ اگر کفار مدینہ کے اندر داخل ہو گئے تب ہم ان سے جنگ کریں گے اور گھروں کے اوپر سے ان پر تیر برسائیں گے اور مسلمانوں نے مدینہ کے ہر طرف اینٹوں کی دیواریں کھڑی کر کے اسے قلعہ بنا دیا تھا۔ اکابر مہاجرین وانصار کی یہی رائے تھی نیز آپ نے عبداللہ بن ابی سلول کی تالیف قلب کی خاطر اس کے پاس قاصد بھیج کر اس سے مشورہ چاہا تو اس کی رائے بھی آنحضرتؐ کی رائے کے موافق تھی لیکن کچھ مسلمانوں نے جنھیں جنگ بدر میں شرکت کا موقع نہ ملا تھا اور اس کی وجہ سے وہ رنجیدہ و متاسف تھے۔ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم آج کے دن کی تمنا رکھتے تھے۔ پس آپ ہمیں ہمارے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے باہر نکلنے کا حکم دیجئے۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم بوجہ بزدلی ان سے چھپ گئے ہیں۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے بھی اس کی تائید فرمائی۔ اس پر ابن اُبی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مدینہ میں ہی ٹھہرے رہیئے۔ باہر نہ نکلیئے۔ خدا

کی قسم! ہم جب کبھی اپنے دشمن کے مقابلہ کے لئے باہر نکلے ہیں۔ اس نے ہمیں شکست دی ہے۔ اور جب کبھی وہ مدینہ میں آکر ہم پر حملہ آور ہُوا ہے ہم نے اُسے شکست دی ہے۔ پس یا رسول اللہ! کفار کو ان کے حال پر رہنے دیجئے۔ اگر وہ باہر ہی ٹھہرے رہے تو سمجھیے وہ بُری جگہ ٹھہرے۔ اور اگر وہ اندر آئے تو سامنے سے مرد ان سے دوبدو جنگ کریں گے اور عورتیں اور بچے ان پر اُوپر سے تیر برسائیں گے اگر وہ واپس لوٹ گئے تو جیسے آئے تھے ویسے ہی ناکام و نامراد واپس ہو جائیں گے۔

ادھر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضؓ، حضرت سعد بن عبادہ رضؓ، حضرت نعمان بن مالک رضؓ اور انصار کی ایک جماعت نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمیں اندیشہ ہے کہیں ہمارا دشمن یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ ہم نے مقابلہ سے جان چرانے کی وجہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی اس سے ان کی ہم پر جسارت بڑھ جائیگی حضرت حمزہ رضؓ نے مزید یہ بھی کہا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ میں آج اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گا جب تک مدینہ سے باہر ان پر اپنی تلوار سے حملہ نہ کروں گا۔

حضرت نعمان رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ہمیں جنت سے محروم نہ فرمایئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں آج ضرور جنت میں داخل ہو کر رہوں گا۔ یہ سُن کر آنحضرت ؐ کی رائے ان کی موافقت میں ہوگئی۔ تاکہ خدا وہ امر پُورا فرمادے جو ہونے والا تھا۔ اگرچہ ابتداءً آپ کی یہ رائے نہ تھی۔ خدا نے مدینہ کے اندر رہنے یا باہر نکلنے کے متعلق آپ کی طرف وحی نہ بھیجی تھی۔ اس لیئے آپ نے صحابہ کے مشورے پر عمل فرمایا۔

آنحضرت ؐ نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔ پھر وعظ فرمایا اور انھیں جنگ میں جدوجہد کی ہدایت فرمائی اور انھیں مطمئن فرمایا کہ جب تک وہ صبر و استقامت پر ثابت قدم رہیں گے۔ فتح ان ہی کی ہوگی۔ اس کے بعد انھیں دشمن کے مقابلہ کی تیاری کا حکم دیا۔ پھر لوگوں کو عصر پڑھائی۔ پھر آپ اپنے مکان میں داخل ہوئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دونوں رفقاء خاص (حضرت ابوبکر و عمر رضؓ) بھی تھے۔ انھوں نے آپ کے سر پر عمامہ باندھا اور جنگی لباس پہنایا۔ آنحضرت ؐ نے تلوار لٹکائی اور باہر تشریف لائے۔ آپ نے اپنی اُمت کی خاطر (زرہ پہنی۔ ہتھیار لگائے) ڈھال کمر میں لٹکائی اور نیزہ ہاتھ میں لیا۔

تمام مجاہدین صف بستہ ہو کر آنحضرت ؐ کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت سعد بن معاذ رضؓ اور اسید بن حضیر رضؓ نے ان سے کہا کہ آپ حضرات نے آنحضرت ؐ کو مدینہ سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بہتر

یہی ہے کہ یہ معاملہ آپ ہی کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت سعد بن معاذؓ قبیلہ اوس کے سردار تھے اور انصار میں ان کا مرتبہ مہاجرین میں حضرت صدیق اکبرؓ کے مساوی تھا۔

جب آنحضرتؐ تلوار حمائل کیئے ہوئے باہر تشریف لائے تو آپ سے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کا مطالبہ کرنے والے اپنے کئے پر پشیمان و نادم ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ ہمارے لیئے حضرت کی رائے کے خلاف کرنا مناسب نہ تھا۔ اب ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں۔ آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔ ایک روایت میں یہ کلمہ آیا ہے: "اگر آپ چاہیں تو یہیں تشریف رکھیں۔" آپ نے فرمایا کسی نبی کے لیئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب وہ اپنی زرہ پہن لے تو اُسے اُتار دے۔ جب تک کہ حق تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے۔ پس آپ جمعہ کے دن مدینہ سے روانہ ہوئے اور نصف شوال ہفتہ کے دن صبح کے وقت جبلِ اُحد کی گھاٹی میں پہنچے۔ یہ سفر آپ نے پاپیادہ طے کیا۔

جب آنحضرتؐ نے جنگ کے لیئے مدینہ سے باہر نکلنے کے فیصلہ میں اُبی کی رائے کے خلاف عمل فرمایا تو اس پر یہ بہت شاق گزرا اور کہنے لگا کہ آنحضرتؐ نے بچّوں کی بات مان لی اور میری رائے سے اختلاف کیا۔

اس موقع پر آپ نے مدینہ پر حضرت ابنِ اُمّ مکتومؓ کو حاکم مقرر فرمایا اور جنگ کے لیئے تین علم تیار فرمائے۔ ایک علم اوس کا تھا جو حضرت اُسید بن حضیر کے ہاتھ میں دیا۔ دُوسرا خزرج کا تھا اور اسے حضرت حباب بن منذرؓ کے ہاتھ میں دیا۔ تیسرا مہاجرین کا تھا جسے حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ہاتھ میں دیا۔ مسلمانوں میں سو مجاہد زرہ پوش تھے۔ آنحضرتؐ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ پیدل چلے اور حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہؓ جو زرہ پوش تھے، آپ کے سامنے دوڑتے ہوئے چل رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے سترہ رضاکار مجاہدین کو ان کی کم سنی کی وجہ سے میدانِ جنگ سے واپس فرما دیا تھا۔ ان میں یہ حضرات شامل تھے۔ اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، ابُوسعید خدری، نعمان بن بشیر، رافع بن خدیج، سمرہ بن جندب رضوان اللہ عنہم۔ پھر آپ نے حضرت رافع بن خدیج کو شرکت جہاد کی اجازت دے دی۔ کیونکہ آپ کو اطّلاع دی گئی تھی کہ وہ واپسی کے فیصلہ پر دلگیر ہو کر رو رہے ہیں۔ پس رافع میدانِ جہاد میں نکلے۔ جہاں ان کے حلق میں تیر آ کر لگا جسے کھینچ کر نکال لیا گیا۔ لیکن اس کی نوک ٹوٹ کر اندر ہی رہ گئی اور اسی تکلیف سے ان کا انتقال ہو گیا۔

آنحضرتؐ نے دیکھا کہ یہود کی ایک جماعت عبداللہ بن ابی کے ساتھ مل کر جنگ کے لئے جا نا چاہ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا یہ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں؟ عرض کیا گیا۔ نہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا۔ ان سے کہہ دو کہ یہ واپس چلے جائیں۔ کیونکہ ہم مشرکوں کے خلاف مشرکوں سے مدد لینا نہیں چاہتے۔

آنحضرتؐ کے ہمراہی مجاہدین کی تعداد ایک ہزار تھی۔ پھر عبداللہ بن ابی آنحضرت کا ساتھ چھوڑ کر اپنے منافق ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ جن کی تعداد تین سو تھی۔ اس طرح صرف سات سو مسلمان باقی رہ گئے۔ ان کے مقابلہ میں مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔ اس دن مسلمانوں کے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک آنحضرتؐ کے پاس تھا۔ ایک ابُو بردہؓ کے پاس۔

جب ابن اُبی نے واپسی کا ارادہ کیا تو کہا کہ آنحضرتؐ نے میری رائے کے خلاف کیا اور بچوں کی اور غیر صائب الرائے لوگوں کی بات مان لی۔ پس ہم اپنی جانوں کو کیوں ہلاک کریں؟ اے لوگو واپس لوٹ چلو۔

جب ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ تو مسلمانوں کی دو جماعتوں میں بھی شرکت جہاد پر ندامت اور احساس خطا کا غلبہ ہوا اور انھوں نے بھی جنگ سے جی چُرانے اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ دو جماعتیں خزرج کے بنو حارثہ اور اوس کے بنو سلمہ کی تھیں۔

پھر آنحضرتؐ اور آگے چلے اور احد پہاڑ کی گھاٹی میں خیمہ زن ہوئے اور آپ نے اپنی اور اپنے لشکر کی پُشت احد کی طرف کر لی۔ صبح کی نماز کے بعد صفیں درُست فرمائیں۔ پھر مسلمان شور و دلدلی زمین پر صف آرا ہوئے۔ ادھر مشرکین کی سوار فوج کے دائیں بازو پر خالد بن ولید اور بائیں بازو پر عکرمہ بن ابی جہل اور پیدل فوج پر صفوان بن امیہ اور ایک قول کے مطابق عمرو بن عاص کمان کی قیادت کر رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے زبیر بن عوامؓ کو حکم دیا کہ تم خالد کے سامنے آ کر اس کا مقابلہ کرو اور باقی فوج کو مشرکین کی دُوسری سوار فوج کے مقابل رہنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے پاس صرف ایک یا دو گھوڑے تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن جبیر بن نعمان اوسیؓ کو جو خوات بن جبیر کے بھائی تھے۔ تیر اندازوں کا کماندار مقرر فرمایا جن کی تعداد پچاس تھی اور اس جمعیت کو ایک چھوٹی بلند پہاڑی پر متعیّن فرما کر حکم دیا۔ "تم لوگ ہماری پُشت کی حفاظت کرتے رہو تاکہ دشمن ہمارے عقب سے ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ اگر وہ حملہ کریں تو تم ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دینا۔ کیونکہ سوار تیروں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ جب تک تم اپنی

جگہ ثابت قدمی سے جمے رہو گے ہم غالب رہیں گے : اے اللہ! میں ان پر تجھے گواہ بناتا ہوں"

ایک دوسری روایت میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے ان سے یہ فرمایا۔

اگر تم یہاں تک دیکھو کہ ہمیں پرندے اُچک کرلے جارہے ہیں۔ تب بھی تم ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہٹنا جب تک میں حکم نہ بھیجوں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمنوں کو بالکل شکست دے دی یا ہم ان پر غالب آگئے اور وہ مغلوب و مقتول ہو چکے ہیں۔ تب بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا جب تک میں حکم نہ بھیجوں۔ پھر آپ نے ایک تلوار پیش کی اور فرمایا۔ کون ہے جو اس تلوار کو اس کا حق ادا کرنے کی غرض سے لے لے؟ اس پر بہت سے حضرات نے کھڑے ہو کر اپنے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ ہر ایک یہی کہہ رہا تھا کہ یا رسول اللہ! اسے میں لوں گا۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر و علی و زبیرؓ بھی تھے لیکن آپ نے ان میں سے کسی کو بھی وہ تلوار عطا نہ فرمائی۔ یہاں تک کہ حضرت ابودجانہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ اس کا کیا حق ہے؟ فرمایا یہ کہ تم اس سے دشمن پر حملہ کرتے رہو یہاں تک کہ یہ مڑ جائے۔ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اسے قبول کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر میں اسے تم کو دے دوں تو شاید تم اسے آخری صفوف میں استعمال کرو گے۔ عرض کیا۔ نہیں یا رسول اللہ! بس آپ نے وہ انھیں عطا فرما دی۔ یہ ایک بہادر شخص تھے اور جنگ کے موقع پر متکبرانہ انداز میں اکڑ کر چلا کرتے تھے جب آنحضرتؐ نے ان کی اس متکبرانہ چال کو دیکھا تو فرمایا۔ یہ وہ چال ہے جسے حق تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے لیکن ایسے خاص موقع پر (کہ اس وقت یہ چال جائز و پسندیدہ ہے)۔

پھر ابودجانہؓ نے اس زور سے حملہ شروع کیا کہ جس مشرک سے ان کا مقابلہ ہوا اُسے ہی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ جب ان کی تلوار کند ہو جاتی تو پتھر پر اسے تیز کر لیتے اور پھر دشمن کی کاٹ میں مشغول ہو جاتے۔

جب فریقین صف آرا ہو گئے تو ابوسفیان نے پکار کر کہا۔ اے جمعیت اوس و خزرج! تم ہمارے اور ہمارے ہم جد برادران کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ ہمارا ان کا راستہ چھوڑ دو۔ ہم ان سے نمٹ لیں گے اور تم سے درگزر کریں گے۔ اس پر اوس و خزرج والوں نے انھیں بہت برا بھلا کہا اور سخت لعن طعن کیا۔

پھر طلحہ بن ابی طلحہ باہر نکلا جس کے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا تھا۔ اس نے چند مرتبہ مقابلہ کے لیئے اپنے مدِمقابل کو بلایا۔ مگر ادھر سے کوئی مقابلہ کو نہ نکلا۔ آخر حضرت علی بن ابی طالبؓ نے باہر نکل کر اس کا

مقابلہ کیا اور تلوار کے وار سے اس کے پیر کاٹ ڈالے۔ جس سے وہ زمین پر گر پڑا اور اس کا ستر کھل گیا۔ اس لئے حضرت علی اس کا کام تمام کئے بغیر اسی حال میں چھوڑ کر ہٹ گئے۔ اس کے بعد طلحہ کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے مشرکوں کا جھنڈا اٹھایا۔ اس پر حضرت حمزہؓ نے حملہ کر کے اس کا ہاتھ اور شانہ کاٹ ڈالا۔ اس کے بعد ان کا علم عثمان و طلحہ مذکور کے بھائی ابو سعید بن ابی طلحہ نے تھام لیا۔ اس پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے تیر مارا جو اس کے حلق میں پیوست ہو گیا جس سے وہ مر گیا۔ پھر یہ جھنڈا مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اُٹھا لیا۔ یہ طلحہ وہی تھا جسے حضرت علیؓ نے قتل کر دیا تھا۔ اسے حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح نے تیر کے حملہ سے ٹھنڈا کر دیا۔ پھر اسے مسافع کے بھائی حارث بن طلحہ نے اٹھا لیا۔ مگر اسے بھی حضرت عاصم ہی نے قتل کر دیا۔ پھر کلاب بن طلحہ نے جھنڈا اُٹھایا۔ اسے حضرت زبیرؓ نے قتل کر دیا۔ تب یہ جھنڈا جلاس بن طلحہ نے سنبھالا۔ اسے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے قتل کر دیا۔ پھر اسے ارطاۃ بن شرجیل نے سنبھالا اُسے حضرت علیؓ نے قتل کر دیا، پھر اسے ابو زید بن عمرو نے تھاما تو اسے قزمانؓ نے قتل کر دیا پھر اسے شرجیل بن ہاشم کے فرزند نے تھاما۔ اُسے بھی قزمانؓ نے قتل کر دیا۔ پھر اسے ان کے حبشی غلام صواب نے سنبھالا اُسے حضرت علیؓ نے قتل کر دیا۔

پھر یہ جھنڈا دیر تک بغیر کسی علم بردار کے زمین پر پڑا رہا۔ بالآخر اسے عمرہ بنت حارثیہ نے اُٹھایا اور قریش کے لئے اُسے بلند کیا۔ چنانچہ وہ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ درحقیقت مشرکین کا علم ان کے لئے بدفالی و بدبختی ثابت ہُوا کیونکہ جس نے بھی اُسے اُٹھایا وہی قتل ہو گیا۔ اس طرح متواتر گیارہ علم بردار مشرک قتل کر ڈالے گئے اور مسلمانوں کی توجہ بطور خاص مخالفین کے علم بردار پر مرکوز رہی۔ کیونکہ وہی سوارہ فوج کا کمانڈر ہوتا تھا اور مسافع، حارث، کلاب اور جلاس یہ چاروں طلحہ بن ابی طلحہ کی اولاد تھے اور علم برداری کی وجہ سے مصیبت میں مُبتلا ہو گئے تھے۔ کیونکہ یہ سب کے سب اپنے باپ اور چچا عثمان اور ابو سعید کی طرح قتل کر دیئے گئے۔

جب تمام علم برداران قتل ہو چکے تو ان کی سوار جمعیت منتشر و متفرق ہو گئی۔ تب مسلمانوں نے جوش و خروش سے ان پر تابڑ توڑ حملے کئے۔ یہاں تک کہ ان کے قدم اپنی جگہ سے اکھاڑ دیئے اور انھیں دُور تک بھگا دیا۔

اس دن مسلمانوں کا علامتی کلمہ (اَمِت۔ اَمِت) تھا اور کفار کا (یا للعُزّٰی) اور (یا لَہُبَل) تھا۔

کفار کا پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونا

مشرکین کو شکست ہوگئی اور مسلمان ان کے لشکر کو لوٹنے اور ان کے اموالِ غنیمت کو سمیٹنے میں مشغول اور لڑائی سے یکسر غافل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھیوں نے للکار کر کہا۔ اے قوم! مالِ غنیمت لوٹو کہ تمھارے ساتھی غالب آ چکے ہیں۔ اب یہاں کا ہے کا انتظار کر رہے ہو۔ یہ وہی تیر انداز جمعیت تھی جسے آنحضرتؐ نے ہر حال میں اپنی جگہ جمے رہنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تیر انداز مالِ غنیمت کے لالچ میں مبتلا ہو گئے اور انھوں نے اپنے سپہ سالارِ اعلیٰ یعنی آنحضرتؐ کے حکم کو نظر انداز کر دیا۔ کیونکہ آپ نے انھیں اپنی اپنی جگہ جمے رہنے کی تاکید فرماتے ہوئے ہدایت فرمائی تھی کہ جب تک تم اپنی جگہ جمے رہو گے ہم غالب رہیں گے۔

تیر اندازوں کے قائد حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ان سے کہا کیا تم آنحضرتؐ کا فرمان بھول گئے ہو جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ تم ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہٹنا لیکن انھوں نے ان کی بات سننے سے انکار کر دیا اور کہا۔ واللہ! ہم بھی اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر مالِ غنیمت لوٹنے میں شریک ہوں گے کیونکہ مشرک شکست کھا چکے۔ اب یہاں ہمارے ٹھہرنے سے کیا حاصل ہے؟ یہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اور قریش ہار چکے ہیں۔ صرف حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے ساتھ دس سے بھی کم افراد اپنی اپنی جگہ جمے رہے۔

جونہی تیر اندازوں نے اموالِ غنیمت کی جگہ کا رُخ کیا مشرکوں نے پلٹ کر از سرِ نو مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ہوا یہ کہ خالد بن ولید کی نظر پہاڑ کے اس خلا پر پڑی جہاں تیر انداز متعین تھے جب اس نے دیکھا کہ اب بہت تھوڑے افراد رہ گئے ہیں تو اس نے اپنے سواروں سمیت ان پر کر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر عکرمہ بن ابی جہل نے بھی حملہ کر دیا اور باقی ماندہ تیر اندازوں کو قتل کر دیا اور ان کے امیر عبداللہ بن جبیرؓ کو قتل کر کے ان کا حلیہ مسخ کر دیا۔ اس طرح تھوڑے سے وقفہ کے بعد ہی مسلمانوں کو شکست ہوگئی۔ کیونکہ انھوں نے آنحضرتؐ کے احکام کی مخالفت کی تھی۔ اس بنا پر انھیں سزا ملی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس افراتفری میں خود مسلمانوں کے لشکر میں باہم ایسی گڑبڑ ہوگئی کہ بدحواسی میں وہ خود ہی ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔

آنحضرتؐ کی ثابت قدمی

آنحضرتؐ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے اور مشرکین کی شکست کے وقت جس جگہ تک پہنچ چکے

تھے وہاں سے نہ ہٹے۔ آپ کا قدم اپنے مقام سے بالشت بھر بھی پیچھے نہ ہٹا۔ باوجودیکہ گڑبڑ بیحد تھی۔ یہاں تک کہ مسلمان اپنوں اور دشمنوں میں امتیاز کھو بیٹھے تھے اور بدحواسی میں اپنا علامتی جملہ امت امت کہنا بھی ترک کر چکے تھے۔ انجام کار خود مسلمان ہی شناخت نہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ ان کے برخلاف مشرکین نے اپنا علامتی جملہ یاد رکھا تھا۔

مسلمانوں میں گڑبڑ میں اس واقعہ سے اور اضافہ ہوا جبکہ ایک شخص ابن قمیئہ لیثی نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر دیا اور وہ جب زرہ پہن کر نکلتے تو آنحضرتؐ کے بہت مشابہ معلوم ہوتے تھے۔ اس پر حملہ آور نے یہ خیال کر لیا کہ انھوں نے خدانخواستہ آنحضرتؐ کو شہید کر دیا ہے۔ پس یہ غلط خبر لشکر میں مشہور ہو گئی۔ ادھر حضرت مصعبؓ آنحضرتؐ کی مدافعت کر رہے تھے۔

مسلمانوں کے شہدا کی تعداد ستر تک پہنچی اور مشرکین کی تعداد ۲۳ تک رہی۔ ان مقتولین میں حنظلہ بن ابی سفیان بھی تھا۔

شدہ شدہ دشمن آنحضرتؐ تک پہنچ گیا اور ان کا پتھر آنحضرتؐ کے آ کر لگا جس سے آپ گر پڑے اور بیہوش ہو گئے۔ آپ کے گھٹنے چھل گئے۔ حضرت علیؓ نے آپ کو اپنے ہاتھوں پر تھاما اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے آپ کو سہارا دے کر اٹھایا۔ تب آپ سیدھے کھڑے ہوئے۔ آپ کے نیچے کے چار دندان مبارک شہید ہو گئے۔ چہرہ زخمی ہو گیا۔ نچلا ہونٹ کچلا گیا۔ خود آپ کے سر پر ٹوٹ گیا۔ حضرت مالک بن سنان خوریؓ نے آپ کا بہتا ہوا خون چوسا اور نگل لیا۔ پھر آنحضرتؐ نے گھاٹی کے اوپر ٹیلے پر چڑھنا چاہا۔ جب آپ چڑھنے لگے تو چڑھ نہ سکے۔ کیونکہ دو زرہیں پہننے کے باوجود سر و روئے مبارک سے بہت خون نکل چکا تھا جس سے آپ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ پس حضرت طلحہ بن عبیداللہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے۔ آپ ان پر سوار ہو کر ٹیلے پر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت آپ کو بہت پیاس تھی۔ محمد بن مسلمہؓ پانی کی تلاش میں نکلے مگر پانی نہ مل سکا۔ پھر پانی کے ذخیرہ تک گئے اور وہاں سے میٹھا پانی لے آئے۔ جسے آنحضرتؐ نے نوش فرما کر انھیں دعائے خیر دی۔

کچھ روایات میں مذکور ہے کہ مدینہ کی خواتین جن میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ بھی تھیں۔ یہ سُن کر باہر نکلیں جب حضرت فاطمہؓ آنحضرتؐ سے ملیں تو آپ سے لپٹ گئیں اور آپ کے زخم دھونے لگیں حضرت علیؓ پانی ڈالتے جاتے تھے لیکن اخراج خون زیادہ ہی ہوتا رہا۔ جب حضرت فاطمہؓ نے

یہ دیکھا تو کھجور کے بورے کا ٹکڑا لیا اور اسے آگ میں جلا کر راکھ کر لیا اور اس راکھ کو زخموں میں بھر دیا جو زخموں سے چپک گئی اور خون بند ہو گیا۔

مسلمانوں کے شکست خوردہ حضرات

مسلمانوں کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک وہ گروہ جو مدینہ کے قریب تک شکست کھاتا چلا گیا اور پھر میدان جنگ میں نہ لوٹا حتیٰ کہ جنگ ختم ہو گئی۔ اس گروہ کے لوگ ہی وہ تھے جن کے بارے میں آیتِ ذیل نازل ہوئی:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّہُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ وَ لَقَدۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡہُمۡ ؕ

جس دن جنگ آزما فریقین مدِ مقابل ہو گئے تو بلاشبہ اس دن تم میں سے جو لوگ جہاد سے پیچھے ہٹ گئے تھے واقعہ یہ تھا کہ انھیں ان کے بعض اعمال کی شامت کی وجہ سے شیطان نے لغزش دے دی تھی لیکن حق تعالیٰ نے ان کی اس غلطی کو معاف فرما دیا۔

ایک گروہ وہ تھا جو یہ سن کر کہ آنحضرتؐ شہید ہو چکے ہیں۔ حیران و سراسیمہ ہو گیا تھا اور ان کا انتہائی مقصد یہ رہ گیا تھا کہ ہر ایک اپنی اپنی جان کا بچاؤ کرے اور برابر جنگ جاری رکھے یہاں تک کہ شہید ہو جائے۔ صحابہ کی زیادہ تعداد ایسی ہی تھی۔ ایک گروہ وہ تھا جو آخر تک آنحضرتؐ کے ساتھ ثابت قدمی سے جما رہا۔ پھر جب دوسرے فریقوں کو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ زندہ ہیں تو وہ بھی ٹکڑیوں میں آ آ کر آپؐ کے پاس جمع ہوتے چلے گئے۔ شکست خوردہ صحابہ میں حضرت عثمان بن عفان، ولید بن عقبہ۔ خارجہ بن زید اور رفاعہ بن معلی رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔ یہ سب تین دن تک کہیں ٹھیرے رہے۔ پھر آنحضرتؐ سے آملے۔ موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرتؐ کچھ مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے اور سب باہم گڈمڈ ہو گئے تو انھوں نے سنا کہ ایک منافق چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ اگر ہمیں ذرا بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ بعض نے یہ کہا کہ اگر حضرت محمدؐ نبی ہوتے تو شہید نہ کئے جاتے۔ پس بہتر یہ ہے کہ تم اپنے پہلے دین پر ہی واپس ہو جاؤ۔ حق تعالیٰ نے اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل فرمائی:۔

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۠ئِنۡ مَّاتَ

اور محمدؐ صرف رسول ہی ہیں۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں

اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تو کیا تم پچھلے پیروں لوٹ جاؤ گے۔ (یعنی مرتد ہو جاؤ گے)

ایک ان میں سے بولا۔ کاش کوئی شخص ہمارا قاصد بن کر عبداللہ بن اُبی کے پاس جاتا اور اس سے کہتا کہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے امن طلب کرے۔ اے لوگو! محمدؐ قتل ہو چکے۔ پس بہتر ہے کہ تم اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ۔ تاکہ وہ تمھیں پناہ دے سکیں۔ اس سے قبل کہ کفار یہاں پہنچ کر تمھیں قتل کر ڈالیں۔ کیونکہ وہ تو ہمارے گھروں کے اندر تک داخل ہو جائیں گے۔

یہ سُن کر حضرت انس بن نضرؓ نے جو حضرت انس بن مالکؓ کے چچا تھے۔ کہا۔ اے قوم! اگر حضرت محمدؐ شہید کر ڈالے گئے تو محمدؐ کا رب تو قتل نہیں ہوا۔ پس تم اس کے نام پر جنگ جاری رکھو۔ ان کے اس قول پر آنحضرتؐ کے سامنے حضرت سعد بن معاذؓ نے گواہی دی تھی اور انس بن نضر کے اس قول سے بہت سے صحابہ نے اتفاق کیا اور یہ اہلِ ایمان اہل صدق و یقین تھے۔ جن کے قلوب میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت انس بن نضرؓ حضرت عمر بن خطابؓ حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور مہاجرین و انصارؓ کی ایک جمعیت کے پاس پہنچے اور کہا۔ اگر آنحضرتؐ واقعی شہید کر دیئے گئے تو پھر تم آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور اس دین کے لئے جان دے دو جس پر آنحضرتؐ نے جان دی ہے۔ یہ کہہ کر وہ دشمن پر جھپٹے اور ان سے نبرد آزما ہوئے حتّٰی کہ شہید کر دیئے گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اس دن ہم نے حضرت انس بن نضرؓ کے جسم پر ستر زخم دیکھے۔ صرف ان کی بہن ہی انھیں پہچان سکیں۔ جنھوں نے ان کی انگلیوں سے انھیں پہچانا۔

بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر جنگ بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔ پس انھوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں پہلے معرکہ جہاد سے غیر حاضر رہا تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ دیکھتا کہ میں کیا کر کے دکھاتا ہوں۔ جب اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو آنحضرتؐ نے کہا۔ اے خدا! میں صحابہ کی کارگزاریوں کی وجہ سے ان کی طرف سے تجھ سے معذرت خواہ ہوں اور مشرکوں کے اعمال سے تیری بارگاہ میں اپنی برأت پیش کرتا ہوں پھر آنحضرتؐ آگے بڑھے تو حضرت سعد بن معاذؓ نے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے سعد جنت ہے اور نضر کا پروردگار ہے۔ میں اس جنت کی مہک اُحد کے پرے سے محسوس کر رہا ہوں۔ سعد کہتے ہیں کہ میں بیان نہیں کر سکتا کہ انس بن نضرؓ نے کیا اعلیٰ کارگزاری دکھائی۔

مشرکوں نے ان کی نعش کو مسخ کر ڈالا۔ یہ فعل کتنا مذموم فعل ہے۔ لیکن مشرکین کو انتقام کے جوش نے اندھا کر دیا تھا۔

حضرت انس بن نضرؓ کے قول کے قریب قریب حضرت ثابت بن دحداحؓ نے بھی کہا تھا۔ انھوں نے کہا تھا۔ اے جماعت انصار! اگر حضرت محمدؐ شہید ہو گئے تو بلاشبہ حق تعالیٰ تو زندہ ہے مرنے والا نہیں تم لوگ اپنے دین کی حمایت میں جنگ کرو۔ اللہ تمھیں فتح و ظفر عطا فرمائے گا۔ اس پر انصار کی ایک جماعت جنگ پر آمادہ ہو گئی جسے لے کر انھوں نے مشرکین کی اس سوار فوج پر حملہ کر دیا جس میں خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب شامل تھے۔ اس کے جواب میں خالد بن ولید نے حضرت ثابتؓ پر نیزہ سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا اور ان کے ساتھی انصار کو بھی شہید کر دیا۔

آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے صحابہ

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ جس وقت مسلمان شکست کھا گئے اور آپس میں گتھم گتھا ہو گئے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے اور کچھ ان میں سے فرار بھی ہو گئے تو اس حال میں بھی آنحضرتؐ ثابت قدم رہے اور اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ برابر اپنی کمان سے تیر اندازی فرماتے رہے یہاں تک کہ کمان دو ٹکڑے ہو گئی۔ پھر آپ دشمن پر پتھروں کی بوچھاڑ کرتے رہے۔ آپ دوسرے مجاہدین کی بہ نسبت کفار کے بہت نزدیک پہنچ گئے تھے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ سب سے زیادہ بہادر اور ثابت قدم رہنے والے تھے اور حضرت علیؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ جب جنگ کی آگ زیادہ شدت سے بھڑک اٹھتی تو ہم آنحضرتؐ کی پناہ لیتے یعنی آپ کو کفار کے سامنے کر کے خود آپ کے پیچھے ہو جاتے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ جب احد کے دن مسلمان آنحضرتؐ سے علیحدہ ہو کر منتشر ہو گئے تو میں نے دل میں کہا کہ میں اپنا دفاع کروں گا۔ بس یا تو شہید ہو جاؤں گا یا لڑتے بھڑتے آنحضرتؐ سے جا ملوں گا۔ ابھی اسی خیال میں تھا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ خون سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا میں نہ پہچان سکا کہ یہ کون ہیں؟ اتنے میں مشرک وہاں تک آ گئے۔ میں نے دل میں کہا کہ اب یہ اس پر غالب ہوا چاہتے ہیں۔ بس اس شخص نے کنکریاں اٹھائیں اور ان کے چہروں پر پھینک دیں۔ جس سے وہ پچھلے پیر پیچھے کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے دامن تک پہنچ کر دم لیا۔ اس شخص نے کئی مرتبہ یہی عمل

کیا۔ مگر میں نے نہیں پہچانا کہ یہ کون ہیں اور میرے اور ان کے درمیان میں حضرت مقدادؓ حائل تھے۔ میں حضرت مقدادؓ سے پوچھنے ہی والا تھا کہ یہ کون ہیں کہ مقدادؓ نے خود ہی کہا۔ اے سعد یہ آنحضرتؐ تمھیں بُلا رہے ہیں۔ میں نے پُوچھا۔ آپ کہاں ہیں؟ انھوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا۔ پس میں آپ کی طرف چلا اور مجھے ایسا محسوس ہُوا کہ گویا مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں پہنچی۔ آپ نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا۔ میں دُعا کرنے لگا "اے خدا! تو اپنے تیر سے اپنے دشمن کو تباہ کر دے۔ اس پر آنحضرتؐ فرماتے جاتے۔ اے خدا! سعد کی دُعا قبول فرما۔ اے خدا! اس کے تیروں کو ٹھیک نشانہ پر لگا اور اس کی دُعا قبول فرما۔ (پس سعد مستجاب الدعوات ہوئے) حتیٰ کہ جب میرے تھیلے کے تیر ختم ہو گئے تو آنحضرتؐ نے اپنے تھیلے کے بقیہ تیر میرے لئے زمین پر بکھیر دیئے۔ پس کفار حملہ کی تاب نہ لا کر آپ سے دُور بھاگ گئے۔

حضرت سعد ہی نے بیان کیا ہے کہ میں نے خود کو دیکھا کہ آنحضرتؐ مجھے تیر دیتے جاتے اور فرماتے جاتے۔ تیر اندازی کرتے رہو تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ حتیٰ کہ آپ نے مجھے بغیر پھل کے تیر عطا فرمائے اور فرمایا۔ یہ بھی دشمن کی طرف پھینکو۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت سعدؓ نے اُحد کے دن ایک ہزار تیر پھینکے تھے اور ہر تیر پر آنحضرتؐ یہی فرماتے جاتے تھے کہ تیر پھینکے جاؤ۔ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اس طرح آپ نے اس دن حضرت سعدؓ پر ہزار مرتبہ اپنے ماں باپ کو فدا کیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی آنحضرتؐ کو بجز حضرت سعدؓ کے اور کسی کے لئے "تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں" کہتے ہوئے نہیں سُنا۔ (یعنی اُحد کے دن۔ پس اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ آپ نے یہی جملہ غزوہ خندق کے دن حضرت زبیرؓ کے لیے بھی استعمال فرمایا تھا)۔

اس دن آنحضرتؐ کے ساتھ چودہ صحابہ ثابت قدم رہے جن میں سات مہاجر تھے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔ (۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ (۲) حضرت عمر بن خطابؓ (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۴) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵) حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ (۶) حضرت زبیر بن عوامؓ (۷) حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ

حضرت علی بن ابی طالبؓ کے متعلق صحیح احادیث سے یہی ثابت ہے کہ وہ بھی ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے۔ لیکن بعض راویوں نے ان کا ذکر اس فہرست میں نہیں کیا۔ کیونکہ وہ حضرت مصعبؓ کے بعد اسلامی جھنڈا سنبھالے ہوئے تھے۔

سات انصاری تھے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت ابودجانہؓ ۲۔ حضرت حباب بن منذرؓ ۳۔ حضرت عاصم بن ثابتؓ

۴۔ حضرت حارث بن صمہؓ ۵۔ حضرت سہل بن حنیفؓ ۶۔ حضرت سعد بن معاذؓ ۷۔ حضرت اُسید بن حضیرؓ

آنحضرت برابر اپنی کمان سے تیر پھینکتے رہے۔ یہاں تک کہ کمان کے دونوں سرے ٹوٹ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ سرے ٹوٹ گئے اور آپ کے ہاتھ میں کمان کا صرف بالشت بھر ٹکڑا رہ گیا۔

ایک خاتون کی بہادری اور آنحضرت کے ساتھ ثابت قدمی

جب مسلمان شکست کھا گئے اور ان کا معاملہ گڑبڑ ہو گیا تو اس حالت میں حضرت نسیبہ، اُمِ عمارہ مازنیہ زوجہ زید بن عاصمؓ ثابت قدم رہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں اُحد کے دن باہر نکلی کہ دیکھوں لوگ کیا کر رہے ہیں میں اپنے ساتھ مشکیزہ لئے ہوئے زخمیوں کو پانی پلا رہی تھی۔ میں آنحضرتؐ تک پہنچی تو آپ اپنے صحابہ کے ہجوم میں تھے۔ اس وقت تک مسلمانوں کو غلبہ حاصل تھا۔ لیکن جب مسلمان شکست کھا گئے تو میں آنحضرتؐ کے قریب پہنچ کر آپ کے اطراف جنگ کرنے لگی اور اپنی تلوار سے آپ کا دفاع کرنے لگی۔ نیز کمان سے تیر پھینکنے لگی۔ حتیٰ کہ مجھے ایک زخم لگا۔ روایت میں ہے کہ ان کے مونڈھے پر گہرا زخم آیا تھا جب ان سے پوچھا گیا کہ تمھیں کس نے زخمی کیا۔ جواب دیا کہ ابن قمیئہ نے۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب لوگ آنحضرتؐ سے پیچھے رہ گئے تو ابن قمیئہ آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ مجھے بتاؤ۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ اگر وہ بچ کر نکل گئے تو میری خیر نہیں۔ پس میں نے اور حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اس کا مقابلہ کیا تو اس نے مجھے یہ مار ماری جواباً میں نے بھی اس پر متعدد حملے کئے۔ لیکن اس خدا کے دشمن کے جسم پر دو زرہیں تھیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ احد کے دن نسیبہؓ ان کے شوہر زید بن عاصم اور بیٹے حبیب اور عبداللہ میدانِ جنگ میں نکلے تو آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا۔ اے اہلِ بیت رسول! اللہ تمھیں برکت عطا فرمائے۔

حضرت نسیبہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ خدا سے دُعا کیجئے کہ ہمیں جنت میں آپ کا ساتھ نصیب ہو آپ نے فرمایا۔ اے خدا! ان سب کو جنت میں میرا ساتھی بنانا۔ یہ سُن کر حضرت نسیبہؓ نے کہا اب مجھے دُنیا کی کسی مصیبت کی بھی پرواہ نہیں رہی۔

آنحضرتؐ نے ان خاتون کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ میں نے انھیں دیکھا کہ یہ دائیں بائیں کسی طرف

متوجہ ہوئے بغیر صرف میرے بچاؤ کے لئے لڑتی رہیں اور نیزوں کے کچوکوں اور تلوار کے وار سے ان خاتون کے جسم پر بارہ زخم آئے تھے۔ حقیقت میں یہ ایک عورت کی غیر معمولی بہادری تھی جس نے جہاد کی راہ میں زخموں کو برداشت کیا۔ جبکہ عورتیں تو کیا مرد بھی ان کی برداشت نہیں کر سکتے اور جبکہ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ بہت سے مجاہد کفار کے پلٹ کر حملہ کی گھبراہٹ، افراتفری اور باہم گڈمڈ ہو جانے کی وجہ سے میدان چھوڑ کر بھاگ چکے ہیں۔

یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ مسلمان مشرکوں سے جہاد کی صورت میں شہادت کی آرزو کیا کرتے تھے تاکہ جنت الخلد میں پہنچ جائیں۔ اس عقیدہ کی بنا پر وہ اس دُنیوی زندگی کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے۔ کیونکہ وہ بالآخر فنا ہونے والی ہے اور اس میں غموم و آلام کے سوا کچھ نہیں ہے اور جنت دائمی و ابدی جگہ ہے۔ جس میں شہداء و صالحین خدائی نعمتوں سے متمتع ہوتے رہیں گے۔ اور اسی جذبہ کے تحت عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش جہاد کرتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔

تاریخ اسدُ الغابہ میں مذکور ہے کہ حضرت امِ عمارہؓ بیعت عقبہ میں شریک ہوئیں اور یہ غزوۂ احد میں اپنے شوہر اور دو بیٹوں کے ساتھ شریک ہوئیں۔ نیز بیعتِ رضوان اور جنگ یمامہ میں شریک ہوئیں۔ وہ برابر لڑتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ ضائع ہو گیا اور اس دن انھیں بارہ زخم آئے۔ ان سے عکرمہ مولیٰ ابنِ عباسؓ نے روایت کی ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا میں دیکھتی ہوں کہ ہر چیز مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

"اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ"

درحقیقت مسلمان اپنی تمام جنگوں میں اس جیسی رُوح کی وجہ سے فاتح و کامران ہوئے اور اسلام تمام عالم میں پھیل گیا۔

رسُول اللہؐ کا ایک معجزہ

آنحضرتؐ کے بہت معجزات ہیں جن کا آئندہ ہماری اس کتاب میں ذکر آئے گا۔ ان ہی معجزات میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ قبیلۂ بنو ظفر کے قتادہ بن نعمانؓ کی آنکھ دشمن کے تیر سے ایسی زخمی ہوئی کہ پپوٹے سے نکل کر ان کے چہرہ پر لٹک گئی۔ آنحضرتؐ نے اپنے دستِ مُبارک سے اپنی جگہ پر بٹھا دیا اور وہ بالکل اچھی ہو گئی۔ بلکہ دونوں آنکھوں میں وہ پہلے سے بہت بہتر ہو گئی۔ (روایت طبری)

اور ابنِ اسحاق نے کہا کہ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ اپنی کمان سے تیر اندازی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کے دونوں کنارے پچک گئے۔ تب اسے حضرت قتادہ بن نعمان نے لے لیا اور وہ ان کے پاس رہی۔ اسی جنگ میں ان کی آنکھ پر سخت ضرب آئی۔ یہاں تک کہ آنکھ باہر نکل کر چہرہ پر آرہی۔

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے دستِ مُبارک سے اس آنکھ کو اس کی اصلی جگہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد سے وہ دوسری آنکھ سے بہت اچھی ہوگئی اور اس کی بصارت بھی زیادہ تیز ہوگئی اور دُوسری آنکھ کبھی آشوب کر آتی۔ مگر یہ ہمیشہ آشوب سے محفوظ رہی۔

اُبی بن خلف کا قتل

جنگ اُحد کے دن اُبی بن خلف آنحضرتؐ کی طرف بڑھا اور کہنے لگا۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ اگر آج وہ بچ کر نکل گئے تو میری بھی نجات نہیں۔ اس پر حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اس کا مقابلہ کیا مگر اُس نے حضرت مصعب کو شہید کر دیا۔ پھر بہت سے مسلمان اس کے مقابلہ پر آئے۔ لیکن آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اس کا راستہ چھوڑ دو اور آگے آنے دو۔ پس وہ یہ کہتا ہُوا آگے آیا۔ اے کذّاب! کہاں بھاگتا ہے؟ پس آنحضرتؐ نے حضرت حارث بن صمۃ یا حضرت زبیر بن عوام کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس کے پھینک کر مارا جو اس کی گردن پر جا کر لگا اور اس سے اس کے معمولی زخم آیا۔ اس زخم سے خُون ٹپکنے لگا۔ وہ یہ کہتا ہوا اُلٹا بھاگا کہ واللہ! محمدؐ نے مجھے مار ڈالا۔ یہ سُن کر اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا۔ واللہ ہم تو اپنی پسلیوں سے تیر باہر نکال نکال کر پھینک دیتے ہیں لیکن تجھے تو ایسا کوئی گہرا زخم بھی نہیں لگا پھر یہ گھبراہٹ کیوں ہے؟ یہ تو ایک معمولی خراش ہے۔ اگر تیری جیسی خراش ہم میں سے کسی کی آنکھ میں بھی لگ جاتی تو کوئی نقصان نہ ہوتا۔ اس نے جواب دیا۔ لات وعزّیٰ (دو بُتوں کے نام) کی قسم! اس خراش سے جو شدید تکلیف مجھے ہو رہی ہے۔ اگر یہی تکلیف تمام ذوالمجاز[1] والوں کو مجموعی طور پر پہنچتی تو وہ اس تکلیف سے سب کے سب مر جاتے۔ حضرت محمدؐ نے مکّہ میں مجھ سے کہا تھا کہ میں تجھے قتل کردوں گا۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو مجھے ہلاک کر دیتے۔

---

[1] جاہلیت کے زمانہ میں عرفہ کے میدان میں اس نام کا بازار لگا کرتا تھا۔ م

یہ اُبی مکہ میں آنحضرتؐ سے کہا کرتا تھا کہ اے محمدؐ! میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسے ہر روز ایک ناپ مکئی کھلا کھلا کر تیار کر رہا ہوں۔ میں اسی پر سوار ہو کر تمہیں قتل کروں گا۔ اس پر آنحضرتؐ فرماتے انشاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔

آنحضرتؐ نے اپنے دستِ مبارک سے اُبی بن خلف کے سوا کسی کو قتل نہیں کیا۔ نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔ پھر جب کفار کی جمعیت مکہ کی طرف واپس ہوئی تو راستہ میں مقام "سرف" اور ایک روایت میں "بطن رابغ" میں یہی ابی بن خلف فوت ہو گیا۔

آنحضرتؐ کا زخمی ہونا

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ دشمن آنحضرتؐ تک پہنچ گیا اور اس کا پتھر آنحضرتؐ کے آ کر لگا۔ جس سے آپ گر پڑے اور آپکے نچلے چار دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کا چہرہ اور آپ کا نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔

آنحضرتؐ کو سعد بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے زخمی کیا تھا۔ خون آپکے چہرہ سے بہ رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے۔

"وہ قوم کس طرح فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کے چہرہ کو خون سے رنگین کر دیا ہو۔ حالانکہ وہ انھیں خدا کی طرف بلاتا ہے۔" اسی موقع کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○	آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل واختیار نہیں ہے۔ خدا ہی کو اختیار ہے کہ وہ یا ان کی توبہ قبول فرمالے۔ یا انھیں مبتلائے عذاب فرما دے کہ وہ لوگ یقیناً ظالم ہیں۔

آنحضرتؐ کے خود کے نیچے والی باریک زرہ کی دو کڑیاں آپکے رخسارہ میں چُبھ گئیں اور خود آپکے سر پر ٹوٹ گیا۔ خون چہرۂ مبارک پر بہہ نکلا۔ کفار نے آپ پر پتھراؤ کیا تھا جس کی زد سے آپ ایک گڑھے میں جا پڑے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے آپ کو سہارا دے کر کھڑا کیا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے آپکے رخسارِ مبارک میں دھنسی ہوئی کڑیوں کو نکالا۔ انھوں نے اپنے دانتوں سے انھیں کھینچا تو ان کے دو دانت ٹوٹ گئے جس کے بعد ان کے وہ ہر دو دانت ٹوٹے ہی رہے۔ اور حضرت ابوسعید

خدریؓ کے والد حضرت مالک بن سنانؓ نے آنحضرتؐ کے رخسارہ کا خون چوسا۔ پھر اسے نگل گئے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا "جس کے خون میں میرا خون جا ملا اسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی حضرت مالکؓ اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔

آنحضرتؐ کے زخمی ہونے کا یہ سبب ہوا تھا کہ ابن قمئہ نے آنحضرتؐ پر اپنی تلوار آپ کے سرِ مبارک پر گھما کر حملہ کیا۔ مگر تلوار کے وار نے آپ پر کچھ اثر نہ کیا۔ بلکہ تلوار کے بھاری ہونے سے اُلٹا حملہ آور کے شانہ پر اس کی زد پڑی جس سے وہ مہینہ بھر تک تکلیف میں مبتلا رہا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ پر پتھر پھینکے گئے جو آپ کے چہرۂ مبارک پر لگے۔

جب آنحضرتؐ زخمی ہوئے تو صحابہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ اس وقت کفار پر بد دعا فرماتے تو بہتر ہوتا۔ آپ نے فرمایا "میں کسی پر لعنت بھیجنے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ مبلغ خیر اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں اے خدا! میری قوم والوں کو ہدایت عطا کر۔ کیونکہ یہ لوگ ناواقف ہیں"

پس آپ نے کفار کی طرف سے معذرت بیان فرمائی اور خدا سے عاجزی کے ساتھ دعا کی کہ وہ انھیں اور مہلت عطا فرمائے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آیندہ خود انہی میں سے یا ان کی آنے والی نسلوں میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں۔ یہ آپ کی انتہائی بُردباری اور تحمل تھا۔

مسلمانوں اور حضرت حمزہؓ کو مثلہ بنانا

مشرک مرد و زن شہید مسلمانوں کو ان کے کان، ناک، شرمگاہیں کاٹ کاٹ کر اور پیٹ چاک کر کر کے مسخ کرنے لگے اور وہ بزعمِ خود گویا آنحضرتؐ اور معزز صحابہ کو بھی شہید کر چکے تھے۔

ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے مسلمان شہدا کے کانوں اور ناکوں کی پازیبیں اور گلے کے ہار اور بُندے بنا کر جبیر کے غلام وحشی کے سپرد کر دیے اور حضرت حمزہؓ کا جگر چاک کر کے اُسے چبا ڈالا لیکن وہ اسے نگل نہ سکی۔ اس لئے تھوک دیا۔ یہ عمل اس لئے کیا کہ اس نے منت مانی تھی کہ اگر حضرت حمزہؓ پر اس کا قابو چلا تو وہ ان کا جگر کھالے گی۔

یہ ہند ابو سفیان کی بیوی اور حضرت معاویہؓ کی ماں تھی جس نے اپنے شوہر کے اسلام لانے کے بعد فتح مکہ کے دن خود بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ جس کا ذکر آگے آئے گا اور حضرت عبداللہ بن جحش کو بھی مثلہ کیا

گیا تھا۔ پھر وہ اور ان کے ماموں حضرت حمزہؓ ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے اور اسلام نے کسی کو مثلہ[1] کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ عمل بربریت ہے اور انسانیت کے منافی ہے۔

اس روز حضرت حمزہؓ نے سخت جنگ کی۔ آپ بیک وقت دو تلواروں سے وار کرتے رہے۔ سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی آپ کے ہاتھوں قتل ہونے والا سب سے آخری شخص تھا جب آپ اس کے جسم سے زرہ اُتارنے کے لئے اس پر جھکے تو جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے آپ کو شہید کر دیا۔ یہ بھی بعد میں اسلام لے آئے۔ انھیں ہند نے حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے کے لئے معاوضہ پر مقرر کیا تھا۔

آنحضرتؐ نے حضرت حمزہؓ کو تلاش کیا تو انھیں شکم چاک اور ناک کان کٹا ہُوا پایا۔ آپ کو ان کی مسخ ہیئت دیکھ کر بہت رنج ہُوا اور فرمایا۔ اگر خُدا نے مجھے قریش پر کسی جگہ بھی غلبہ عطا فرمایا تو میں ان کے تیس آدمیوں کو مثلہ کروں گا۔

جب مُسلمانوں نے آنحضرتؐ کے رنج و غم اور آپ کے چچا کو مثلہ کرنے والوں پر آپ کا غصہ دیکھا تو انھوں نے کہا۔ واللہ! اگر خدا نے ہمیں کبھی بھی ان پر فتح عطا فرمائی تو ہم ان کا ایسا مثلہ کریں گے کہ عرب میں کسی نے ایسا مثلہ نہ کیا ہو گا۔

جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب ان کا دشمن سے غیظ و غضب حد سے بڑھ جاتا تو وہ انتقام لینے کے لئے جو دشمن قبضہ میں آتا اُسے مثلہ کر دیا کرتے تھے لیکن اسلام نے اس فعل کو قبیح قرار دے کر اسے ناجائز قرار دے دیا۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ اور صحابہ کے مثلہ سے متعلق مذکورہ قول پر حق تعالیٰ نے آیت ذیل نازل فرمائی:۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○	اگر تم کو بدلہ ہی لینا ہے تو اسی حد تک بدلہ لو جس حد تک تم سے بدلہ لیا گیا ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ عمل صابرین کے حق میں بہتر ہے۔ اے محمدؐ! آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا صرف اللہ ہی کے لئے ہونا چاہیئے۔ آپ ان کے عمل سے رنجگین ہوں اور نہ ان کی مکارانہ حرکتوں سے دل تنگ ہوں۔

[1] انسان کے اعضا کاٹ کر اس کی ہیئت مسخ کرنے کو مثلہ کہا جاتا ہے۔ م

اس آیت کے بعد آنحضرتؐ نے کافروں کو معاف فرمادیا اور مسلمانوں کو ان کے مثلہ کرنے سے منع فرما دیا اور فرمایا۔ "صبر کرو اور بس کرو" یہ وہ فعل ہے جس سے دین اسلام نے منع کیا ہے۔ چنانچہ اسلامی سپہ سالاروں نے اپنے اپنے لشکروں کو بھی ہمیشہ اس مذموم فعل سے منع کیا ہے۔ لیکن ہم اس بیسویں صدی میں متمدن ملکوں کے لشکروں کو اپنے دشمنوں کو مثلہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اس کے باوجود وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب اسلام سفاہت و بربریت والا مذہب ہے۔ حالانکہ یورپ کی طرف سے آج کے تمدنی دور میں اس بربریت کا ارتکاب ہو رہا ہے۔

جس وقت آنحضرتؐ اپنے صحابہ کے ساتھ پہاڑ کی گھاٹی میں تھے تو قریش کی ایک جماعت جس میں خالد بن ولید بھی شامل تھے، پہاڑ پر چڑھی۔ آپ نے انھیں دیکھ کر دعا فرمائی: "اے خدا! یہ ہم پر غالب نہ آنے پائیں۔ اے خدا! تیرے سوا ہماری کوئی طاقت نہیں ہے۔" پس حضرت عمر بن خطابؓ اور مہاجرین کی ایک جماعت نے ان سے جنگ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے نیچے اترنے پر مجبور ہو گئے۔

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب

ابوسفیان بن حرب جنگ احد کے دن پورے قریشی لشکر کا سپہ سالار تھا اور وہ لشکر کی سپہ سالاری اور اس کی تنظیم کا آنحضرتؐ سے زیادہ ماہر و واقف نہ تھا۔ بلکہ محض ایک تاجر تھا۔ لیکن وہ قریش کا ایک معقول لشکر تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں سات سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے۔ اس کے برخلاف آنحضرتؐ کا لشکر سات سو افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں صرف سو زرہ پوش تھے اور صرف دو سوار تھے۔ کیونکہ عبداللہ بن ابی تہائی لشکر آنحضرتؐ سے جدا کر کے مدینہ لوٹا لایا تھا۔

پھر آنحضرتؐ نے احد کی حربیں مسلمانوں کی صف بندی کے بعد ایک پہاڑی ٹیلہ پر تیر اندازوں کو مامور فرما کر حکم دیا تھا کہ اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہٹنا۔ نیز انھیں ہدایت فرمائی تھی کہ تم ہماری پشت کی حفاظت کرتے رہنا تاکہ دشمن عقب سے ہم پر حملہ آور نہ ہو سکے۔" لیکن وہ مالِ غنیمت کے لالچ میں ٹیلہ سے نیچے اتر آئے اور اپنے مرکز کو چھوڑ دیا۔ محض اسی وجہ سے خالد بن ولید نے اپنی سوارہ فوج سے مسلمانوں پر پلیٹ کر عقب سے نیا حملہ کر دیا۔ اس لئے مسلمان شکست کھا گئے اور باہم گڈمڈ ہو گئے۔ لشکر میں یہ خبر اڑ گئی کہ خدانخواستہ حضرت محمدؐ بھی شہید ہو گئے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں اور بھگدڑ مچ گئی۔ اور وہ شکست خوردہ ہو کر بھاگنے لگے۔ حتیٰ کہ ان میں سے

کچھ تو مدینہ تک بھاگے چلے گئے۔

البتہ صرف آنحضرتؐ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ آپ کو بعض صحابہؓ نے دیکھ لیا اور وہ آپ کے گرد جمع ہو کر آپ کے ساتھ ڈٹ گئے اور دشمن سے سخت جنگ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ اس دن صرف اکیلے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ہزار تیر پھینکے اور آنحضرتؐ اپنی کمان سے مسلسل تیر اندازی فرماتے رہے یہاں تک کہ اُس کے سرے ٹوٹ گئے۔ اور حضرت عمر بن خطابؓ قریش کی جماعت کو جو پہاڑ پر چڑھ گئی تھی۔ نیچے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن یہ سب کچھ جب ہوا جب مسلمان آنحضرتؐ کی عدول حکمی کی بنا پر شکست کھا چکے تھے۔ حالانکہ ابتدا معرکہ میں وہ فاتح و غالب تھے۔ اس معرکہ میں چوہتر مسلمان شہید ہوئے اور بیس مشرک کام آئے۔

ابو سفیان کی پکار

اس معرکہ کے اختتام پر ابو سفیان نے ایک بلند مقام سے مسلمانوں کو دو مرتبہ پکار کر کہا۔ کیا اس قوم میں محمدؐ ہیں؟ آنحضرتؐ نے صحابہ کو فرمایا کہ کچھ جواب نہ دو۔ پھر اس نے تین مرتبہ پکار کر کہا۔ کیا قوم میں ابن ابی قحافہ[۱] ہیں۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کو پھر جواب دینے سے منع فرما دیا۔ اس نے پھر پکار کر تین مرتبہ کہا۔ کیا قوم میں ابنِ خطاب ہیں۔ اس مرتبہ بھی آنحضرتؐ نے صحابہ کو جواب دینے سے منع فرما دیا۔ پھر ابو سفیان نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ یہ سب کے سب قتل ہو چکے ہیں اگر یہ زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ اس پر حضرت عمر بن خطابؓ سے صبر نہ ہو سکا اور وہ بول اُٹھے۔ اے خدا کے دشمن! تو جھوٹا ہے۔ اللہ نے تیری رُسوائی کا سامان باقی رہنے دیا ہے۔ اس پر اس نے جواب میں کہا "اے ہبل (بت) سر بلند ہو۔ اے ہبل سر بلند ہو۔"

ایک روایت ہے کہ اس نے چیخ کر بلند آواز سے کہا "آج جنگی کارگزاری کرنے والے نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔ جنگ دو سر رکھتی ہے۔ کبھی فتح کبھی شکست۔ جنگ اُحد میں جنگ بدر کا بدلہ ہو گیا۔ اے ہبل سر بلند ہو۔"

اس کا سبب یہ ہوا کہ جب ابو سفیان نے جنگ کے لئے کوچ کا قصد کیا تو ایک تیر پر "ہاں" دوسرے پر نہیں لکھا اور انھیں ہبل کی طرف اُچھال دیا۔ پس ہاں والا تیر نکل آیا۔ پھر وہ اُحد کی طرف روانہ ہوا۔ اس لئے اس نے کہا۔ "اے ہبل! سر بلند ہو۔" تب آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اب اس کا جواب دو صحابہؓ نے عرض

---

[۱] حضرت ابو بکرؓ صدیق کی کنیت ہے۔ م

کیا۔ ہم کیا کہیں۔ فرمایا۔ کہو" اللہ ہمارا دوست و مددگار ہے۔ تمہارا کوئی دوست نہیں۔"

جب حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو جواب دیا تو ابوسفیان نے کہا۔ اے عمر ادھر آؤ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اس کے پاس جاؤ اور دیکھو۔ کیا کہتا ہے۔ پس حضرت عمر اس کے پاس پہنچے تو ابوسفیان نے پوچھا۔ اے عمر! میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے واقعی حضرت محمدؐ کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ آنحضرتؐ ابھی تمہاری سب باتیں سن رہے ہیں۔ اس نے کہا۔ تم میرے نزدیک ابن قمئہ سے زیادہ سچے ہو اور اس کے اس دعوے کے مقابلہ ہیں کہ "میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے۔ تمہارا دعویٰ زیادہ صحیح ہے۔

پھر ابوسفیان نے پکار کر کہا۔ تمہارے مقتولین میں چند مثلہ بھی پائے گئے ہیں لیکن خدا کی قسم! نہ میں اس فعل پر راضی ہوا نہ ناراض نہ میں نے اس کام سے روکا تھا نہ اس کا حکم دیا تھا۔

اور بنو حارث بن عبدمنات کا بھائی حلیس بن زبان جو اس جنگ میں حبوش کا سردار تھا۔ ابوسفیان بن حرب کے سامنے سے گزرا تو دیکھا کہ ابوسفیان حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلبؓ کے جبڑے کو اپنے نیزے کی نوک سے کچو کتا ہوا کہتا جاتا تھا" تلخیوں کی کڑواہٹ چکھ۔ اس پر حلیس نے کہا اے بنی کنانہ! تم دیکھ رہے ہو۔ یہ قریش کا سردار (ابوسفیان) اپنے چچازاد بھائی سے کیا توہین آمیز برتاؤ کر رہا ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ تجھ پر افسوس ہے۔ میری اس حرکت کو راز میں رہنے دے۔ کیونکہ یہ واقعی میری لغزش تھی۔ اس کا یہ جملہ اس کی طرف سے اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ واقعی زیادتی کا مرتکب ہوا اور اس سے ایک قبیح فعل سرزد ہوا تھا۔

ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے واپس جاتے ہوئے پکار کر کہا۔ آئندہ سال پھر بدر میں تم سے جنگ ہو گی۔ آنحضرتؐ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ کہہ دو۔ ہاں ہمارے تمہارے درمیان پھر وہیں جنگ ہو گی۔

پھر آنحضرتؐ نے حضرت علی ابن طالبؓ کو بھیجا اور فرمایا کہ جا کر کفار کا حال دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور اب ان کا کیا ارادہ ہے؟ اگر وہ گھوڑوں کو کوتل چھوڑ کر اونٹوں پر سوار ہو رہے ہیں تو سمجھو کہ وہ مکہ کا قصد رکھتے ہیں اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اونٹوں کو پیدل ہانک رہے ہیں تو وہ مدینہ کا قصد کر رہے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر انھوں نے مدینہ کا رخ کیا

تو میں وہیں پہنچ کر اُن سے جنگ کروں گا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نکلا کہ دیکھوں وہ کیا کرتے ہیں۔ دیکھا تو انھوں نے گھوڑوں کو کوتل رکھا ہے اور اونٹوں پر سوار ہوکر مکہ کی طرف جارہے ہیں۔ روانگی سے قبل انھوں نے باہم مدینہ کو لوٹ لینے کا مشورہ کیا تھا مگر صفوان بن امیہ نے انھیں اس حرکت سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔

مذکورہ واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ابوسفیان حضرت حمزہؓ کے جبڑے کو کوچنے کے عمل کے انجام سے خائف ہوگیا تھا۔ اسی لئے اس نے حلیس سے کہا تھا کہ اسے کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ کیونکہ یہ واقعی میری غلطی تھی۔ اور اپنی پکار میں اپنی صفائی یہ کہہ کر بیان کردی کہ واللہ میں نے نہ مثلہ کرنے کو پسند کیا تھا۔ نہ ناپسند۔ نہ میں نے اس حرکت سے روکا تھا۔ نہ حکم دیا تھا۔

رہا اس کا یہ اعلان کہ آیندہ سال مقام بدر پر ہمارا تم سے جنگ کا وعدہ ہے۔" اس کی غلطی تھی۔ کیونکہ یہ نوٹس مسلمانوں کو ان سے مقابلہ کے لئے جنگی تیاری تیز کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور باوجودیکہ مکہ کا لشکر اس معرکہ میں مسلمانوں پر غالب آگیا تھا۔ لیکن انھوں نے اسی پر اکتفا کیا اور اپنی فتح کا پھل نہ چکھا۔ کیونکہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کا قصد نہیں کیا۔ بلکہ یہیں سے مکہ کو واپس لوٹ گئے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان مسلمانوں کے تعاقب میں مدینہ تک جانے سے خوف زدہ ہوگیا تھا۔

حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ کی شہادت

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کوئی ہے جو دیکھے سعد بن ربیعؓ کا کیا حال ہوا۔ آیا وہ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے؟ کیونکہ آپ نے ان پر نیزوں سے حملہ ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

اس پر حضرت اُبی بن کعب انصاریؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں ابھی جاکر پتہ چلاتا ہوں کہ سعد کا کیا ہوا؟ چنانچہ انھوں نے تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ سخت زخمی حالت میں مقتولین میں پڑے ہوئے سسک رہے ہیں۔ ان پر بارہ کاری زخم آئے تھے۔ انھوں نے ان سے کہا کہ مجھے آنحضرتؐ نے یہ معلوم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے کہ میں دیکھوں۔ آپ زندوں میں ہیں یا مُردوں میں؟ انھوں نے کہا۔ میں مُردوں میں ہوں۔ آپ آنحضرتؐ کو میرا سلام عرض کردیں۔ نیز یہ کہہ دیں کہ سعد بن ربیعؓ نے عرض کیا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے۔ جیسی کہ کسی نبی کو اس کی اُمت کی

طرف سے جزائے خیر دی جاتی ہے۔

اور اپنی قوم کو بھی میرا سلام پہنچا دیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ سعد بن ربیع نے تم سے کہا ہے کہ اگر تمھارے نبی کو ذرا بھی کوئی تکلیف پہنچی تو اللہ کے یہاں تمھارا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ جبکہ تم میں آپ کی نگرانی کرنے والی آنکھیں موجود ہیں۔

حضرت ابی کہتے ہیں کہ اس پیغام کے بعد ہی وہ جاں بحق ہو گئے۔ میں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سب ماجرا کہہ سنایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ خدا ان پر رحم فرمائے۔ انھوں نے زندگی میں بھی اللہ اور رسولؐ کے لئے نصیحت کی اور مرتے وقت بھی۔

حضرت سعدؓ نے دو صاحبزادیاں چھوڑی تھیں۔ جنھیں آنحضرتؐ نے ان کی وراثت سے دو تہائی مال عطا فرمایا۔

حضرت سعد بن ربیعؓ زمانہ جاہلیت میں نوشت و خواند سے واقف تھے۔ بیعت عقبہ کے دن اپنی قوم کے نقیب تھے۔ آپ غزوۂ بدر میں شریک رہے اور غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے۔

ایسی گھمسان کی جنگ اور ایسے شدید حالات میں آنحضرتؐ کا حضرت سعد بن ربیع کا حال دریافت فرمانا آپ کی اپنے صحابہ سے شدید محبّت و غایت مہربانی کی بنا پر تھا اور یہ آپ کا عظیم الشان اخلاق تھا کہ آپ جنگ و امن ہر صورت میں اپنے صحابہ کے حالات دریافت فرماتے اور ان کی خبر گیری کا غایت درجہ اہتمام فرماتے تھے۔ ادھر صحابہ بھی آپ سے بے پناہ اور فوق العادت محبّت رکھتے تھے اور اپنی زندگی کی آخری رمق تک بھی آپ کی حفاظت کرتے تھے اور وہ ہر اس خطرہ کا لحاظ رکھتے تھے جس سے آپ کو کوئی ادنیٰ گزند بھی پہنچ سکتا ہو۔

حضرت سعد بن ربیعؓ کی زبان سے جامِ شہادت نوش کرتے وقت جو آخری جملہ نکلا وہ یہ تھا کہ انھوں نے مرتے دم اپنی قوم کو آنحضرتؐ کی حفاظت کی نصیحت فرمائی۔ یہ واقعہ اس پر واضح روشنی ڈالتا ہے کہ صحابہ کے دلوں میں آنحضرتؐ کی عظمت و علوِ مرتبت کی بنا پر غایت درجہ محبت تھی۔

حضرت قتادہ بن نعمانؓ کا یہ عالم تھا کہ آنحضرتؐ کے سامنے کھڑے ہو کر دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ کو اپنے چہرہ پر روک رہے تھے تاکہ کہیں کوئی تیر آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک پر نہ لگ جائے۔ چنانچہ دشمن کے ایک آخری تیر سے ان کی ایک آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل پڑا جسے ہاتھ سے تھامے ہوئے آپ

جلدی سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کی آنکھ کو اپنے دستِ مبارک سے اپنی جگہ پر بٹھا دیا جس سے وہ آنکھ اچھی ہو گئی اور دوسری آنکھ سے بھی بہتر ہو گئی۔ ملاحظہ ہو کہ اپنے رسولؐ سے صحابہ کی محبت کس حد تک پہنچ چکی تھی۔

مُخَیریق کے قتل کا واقعہ

ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ غزوۂ اُحد کے مقتولین میں مُخَیریق بھی تھا۔ یہ قبیلہ بنو ثعلبہ بن فیطون کا ایک شخص تھا جب جنگ اُحد پیش آئی تو اس نے اپنی قوم سے کہا۔ اے جماعت یہود! واللہ تمہیں اس کا بخوبی علم ہے کہ تم پر محمدؐ کی مدد کرنا واجب ہے۔" اس پر انھوں نے جواب دیا کہ آج تو ہفتہ[1] کا دن ہے۔ اس نے کہا "تم پر ہفتہ کا دن نہ آئے۔" یہ کہا اور اپنی تلوار و دوسرے ہتھیار سنبھالے اور کہا۔ اگر مجھے کچھ ہو جائے تو میرا تمام مال محمدؐ کا ہے وہ اسے جس طرح چاہیں صرف فرمائیں۔ پھر وہ آنحضرتؐ کے پاس آیا اور آپ کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑا اور قتل ہو گیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ جیسا کہ ہم تک روایت پہنچی ہے کہ مخیریق تمام یہود میں بہتر شخص تھا۔

یہ مُخَیریق بنو نضیر کا ایک فرد اور بہت عالم اور دولت مند تھا۔ جس کے کھجوروں کے بہت باغات تھے۔ یہ آنحضرتؐ کو آپ کی علامات نبوت اور اپنے سابق کتابی علم کی بنا پر خوب پہچانتا تھا۔ یہ اپنی یہودی قوم کا خلاف کر کے تنہا معرکۂ اُحد میں شریک ہوا تھا۔ اس کے سوا کوئی ایک یہودی بھی اس جنگ میں شریک نہ ہوا تھا۔

جب یہ قتل ہو چکا تو اس کی وصیت کے مطابق آنحضرتؐ نے اس کے اموال پر قبضہ کر کے سب کو مستحقین میں خیرات فرما دیا۔

ایک روایت میں یوں مذکور ہے کہ جب وہ مرنے لگا۔ تب اُس نے یہ وصیت کی تھی کہ میری تمام دولت میرے بعد حضرت محمدؐ کی ہے۔ وہ اسے جہاں چاہیں خرچ فرمائیں۔ یہ بہت دولتمند شخص تھا۔ پس آنحضرتؐ نے اس کی تمام دولت تقسیم فرما دی۔

قزمان کی خودکشی

ابنِ اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہؓ نے بیان کیا ہے کہ ہم میں ایک اجنبی

---

[1] یہود کے نزدیک ہفتہ کا دن افضل ہے جیسے مسلمانوں میں جمعہ اور عیسائیوں میں اتوار۔ اس لئے اس دن جنگ ان کی نظر میں معیوب ہے۔ م

اجنبی شخص تھا۔ پتہ نہیں۔ کہاں کا تھا۔ وہ اپنا نام قزمان بتاتا تھا۔ جب آنحضرتؐ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو آپ نے[1] فرمایا۔ وہ دوزخی ہوگا

جب معرکۂ احد پیش ہوا تو اس نے سخت جنگ لڑی اور سات آٹھ مشرکین کو تہ تیغ کر ڈالا۔ یہ بہت طاقتور تھا۔ آخر میں ایک زخم نے اُسے نڈھال کر دیا۔ اُسے اُٹھا کر بنوظفر کے گھر لے جایا گیا۔ کچھ مسلمان اس سے کہنے لگے۔ اے قزمان! واللہ! آج تم نے اپنی بہادری کا ثبوت دے دیا۔ پس تمھیں بشارت ہو۔ کہنے لگا۔ بشارت کا ہے کی؟ میں تو صرف اپنے قومی نسبی اعزاز و تفاخر کے جذبہ کے تحت لڑا ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں جنگ نہ کرتا۔

جب اس کے زخم میں ناقابل برداشت شدت پیدا ہوگئی تو اس نے اپنے تھیلے سے تیر نکال کر اس سے اپنے بازو کی رگوں کو کاٹ ڈالا جس سے اس کے جسم کا خون بہہ نکلا اور وہ مر گیا۔

آنحضرتؐ کو جب اس واقعہ کی خبر دی گئی تو فرمایا۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ میں سچا رسول ہوں۔" یہ اس لئے فرمایا کہ وہ شخص خودکشی سے مرا تھا۔

شہدائے احد کی تدفین

غزوۂ احد میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے تھے۔ اس لئے انھیں خون میں لت پت ایک ہی کفن میں دو دو تین تین کو لپیٹ کر ایک ایک قبر میں ایک ساتھ دفن کر دیا گیا۔ آنحضرتؐ نے احد کے شہدأ کو دفن کر دینے کا حکم فرمایا۔ نہ ان پر نماز پڑھی نہ غسل دیا۔[2]

بعض حضرات اپنے اپنے مُردوں کو لاد کر مدینہ لے گئے تاکہ انھیں مدینہ میں دفن کریں۔ ان کے پاس آنحضرتؐ کا قاصد پہنچا کہ اپنے اپنے مُردوں کو احد کے مدفن کو واپس لے آئیں۔ اس قاصد نے ایک صاحب شماس بن عثمان مخزومی کو پایا جو قتل کر دیئے گئے تھے اور انھیں اٹھا کر مدینہ لے آیا گیا تھا۔ ان میں کچھ جان باقی تھی۔ پس آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ انھیں امِ سلمہ کے گھر لے جاؤ۔ چنانچہ تعمیل کی گئی۔ اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ پس آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اس کی میت کو احد واپس لے جا کر وہیں دفن کیا جائے۔ اس وقت تک وہ مدینہ میں دفن نہیں کئے گئے تھے لیکن جو مدینہ میں دفن ہو چکے تھے انھیں

---

[1] یہ اس لئے فرمایا کہ آپ نے اس کے دوزخی ہونے کی پیش گوئی فرمادی تھی۔ م

[2] ائمہ نے اسی حکم سے استدلال کیا ہے کہ شہید کو غسل نہ دیا جائے۔ اگرچہ وہ ناپاک ہی ہو۔ م

وہیں رہنے دیا گیا۔ نیز آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو بن حرام کو دیکھو۔ وہ دونوں دنیا میں اپنی صفوف میں برابر اور ہمقدم تھے۔ اس لئے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنا۔

آنحضرتؐ کی مدینہ طیبہ کو واپسی

جب آنحضرتؐ نے مدینہ کو واپسی کا قصد فرمایا تو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور تمام مسلمان آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے جن میں اکثر زخمی تھے۔ آپ کے ہمراہ چودہ خواتین بھی تھیں۔ جب یہ قافلہ اُحد پہاڑ کی تلی میں پہنچا تو آپ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ یہاں صف بستہ ہو جاؤ۔ تاکہ میں اپنے خدا کی حمد و ثنا کرلوں (صف بندی اس لئے کہ آنحضرتؐ نظام کو پسند فرماتے تھے) پس سب آپ کے پیچھے صف بستہ ہو گئے اور ان کے پیچھے عورتوں کی صف تھی۔ پھر آنحضرتؐ نے یہ عرض کیا۔ "اے میرے خدا! تمام تعریفیں خاص تیرے ہی لئے ہیں جس پر تو نے کشادگی فرمائی اس پر کوئی تنگی کرنے والا نہیں اور جس پر تو نے تنگی فرمائی اس پر کوئی کشادگی کرنے والا نہیں۔ جسے تو نے گمراہ کر دیا اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے تو نے ہدایت بخشی اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ جسے تو نے نعمتوں سے محروم رکھا۔ اُسے کوئی کچھ دینے والا نہیں اور جسے تو نے کوئی دولت عطا فرمائی اسے کوئی اس سے روکنے والا نہیں۔ جسے تو نے اپنے سے دُور کر دیا۔ اُسے کوئی تیرا مقرّب بنانے والا نہیں اور جسے تو نے اپنا مقرب بنا لیا اُسے کوئی تجھ سے دُور کرنے والا نہیں۔"

پھر آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور شُہدا کے گھر گھر پہنچ کر ان کی خواتین کو تسلی دے دے کر ان کا رنج و غم رفع فرمایا اور ان کے حق میں صبر و استقامت کی دُعا فرمائی۔ انھیں منہ پر تھپڑ مارنے، سروں کے مونڈنے، چہروں کو گھروچنے اور گریبانوں کو چاک کرنے سے (جیسا کہ جاہلیت میں ہوتا تھا) منع فرمایا۔

جو لوگ شکست کھا کر پہلے ہی مدینہ کو لوٹ آئے تھے۔ آنحضرتؐ ان سے کسی قسم کی سختی اور بدزبانی سے پیش نہ آئے۔ بلکہ ان سے نرم گفتگو فرمائی اور ان کی غلطی کو معاف فرما دیا۔ اس سے آپ کے کرم اور حُسنِ سلوک میں اور اضافہ ہو گیا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ   اللہ ہی کی مہربانی سے آپ ان لوگوں سے نرمی سے پیش

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ

آئے تھے۔ اگر آپ ان سے سخت کلامی اور تشدد سے پیش آتے تو وہ یقیناً آپ سے علیحدگی اختیار کر لیتے اور آپ سے کٹ جاتے

اور یہی نرمی اور درگزر آنحضرتؐ کے حُسنِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اس رات اوس و خزرج کے معززین مسجد نبوی میں آپؐ کے دروازے پر رات بھر پہرہ دیتے رہے اس اندیشہ کی بنا پر کہ کہیں قریش پلٹ کر مدینہ کا رُخ نہ کر لیں مگر وہ واپس نہ لوٹے۔

مُسلمانوں کو یہود و مُنافقین کا لعن طعن

جب آنحضرتؐ مدینہ طیبہ پہنچے تو منافقین و یہود نے شکست پر ایک طرف طعن و تشنیع دُوسری طرف مسرّت کا اظہار کیا اور بُری بُری باتیں کرنے لگے۔ ان میں سے ان کا ایک قول یہ تھا کہ محمدؐ تو ملک بادشاہت چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے کسی نبی کو کبھی بھی ایسی ہلاکت و تباہی سے دوچار ہونا نہیں پڑا کہ حضرت محمدؐ کے خود اپنے جسم میں بھی زخم آئے اور صحابہ کے جسموں میں بھی۔

اور یہ بکواس بھی کی کہ اگر تمہارے مقتُولین یہاں ہمارے پاس ہی رہتے تو ہلاک نہ ہوتے۔

ادھر ابن اُبی اپنے بیٹے عبداللہ کو جو جنگ اُحد میں شریک ہوا تھا۔ ملامت کرنے لگا۔ اس پر اس کے بیٹے نے جواب دیا کہ اللہ نے جو کچھ اپنے نبی سے معاملہ فرمایا۔ اسی میں بہتری تھی۔ علیٰ ہذا یہود مُسلمانوں کی تذلیل اور ہمت شکنی کے لئے ایسے موقعوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔

غزوۂ اُحد میں ملائکہ کا نزُول

حضرت عبید بن عمیرؓ کا بیان ہے کہ ملائکہ نے غزوۂ اُحد میں خود جنگ نہیں کی۔ مُؤرّخ واقدی نے کہا ہے کہ مجھ سے ابن ابی سرہ نے عبدالمجید بن سہیل سے انھوں نے عمرو بن حکم سے روایت کی ہے کہ رسُول اللہ پر اُحد کے دن کسی فرشتہ کا گزر نہیں ہُوا۔ وہ صرف بدر کے دن ہُوا تھا۔ واقدی کہتے ہیں کہ عکرمہ سے بھی یہی منقول ہے۔ لیکن مجاہد سے مروی ہے کہ جنگ اُحد میں فرشتے حاضر تو ہوئے تھے لیکن انھوں نے جنگ میں حصّہ نہیں لیا تھا۔ البتہ بدر کی جنگ میں انھوں نے خود بھی جنگ کی تھی۔ واقدی نے حضرت ابُوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی

ثابت قدمی کی صورت میں ان کی مدد فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن جب انھوں نے شکست کھائی تو فرشتوں نے ان کی طرف سے جنگ نہیں کی۔ دراصل قرآنی صراحت اور صحابہ کی روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے صرف غزوۂ بدر ہی میں اترے تھے اور انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کی تھی۔

قرآن کریم میں غزوۂ اُحد کا ذکر

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں غزوۂ اُحد کے متعلق سورۃ آل عمران میں ساٹھ آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری ہوتا ہے :-

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اور جب آپ صبح کے وقت گھر سے چلے اور مسلمانوں کے لئے لڑنے کی جگہوں کا انتظام کر رہے تھے اور حق تعالیٰ یہ سب کچھ سُن رہا اور جان رہا تھا۔ اس وقت کو یاد کرو جب تم میں سے دو جماعتوں نے دل میں خیال کیا کہ ہمت ہار دیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ تو ان دونوں کا مددگار تھا۔ اور مومنین کو صرف اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

اکثر علماءِ مؤرخین نے جو غزواتِ اسلامی کے واقف و ماہر ہیں یہ کہا ہے کہ مذکورہ آیت غزوہ اُحد کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس دن مسلمان تعداد میں زیادہ تھے (بمقابلہ بدر کے) لیکن جب وہ منتشر ہو گئے اور انھوں نے آنحضرتؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی تو شکست کھا گئے۔ دُوسری جگہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

حق تعالیٰ نے تمھیں غزوۂ بدر میں فتح و نصرت عطا فرمائی جبکہ تم کمزور تھے بس اللہ سے ڈرتے رہو۔ شاید کہ تمھیں شکر کی توفیق عطا ہو جائے۔

حق تعالیٰ نے جب اُحد کے واقعہ کا ذکر فرمایا تو اسے بدر کے واقعہ کے بعد بیان فرمایا ہے۔ اس لئے کہ اس دن مسلمان بہت ضعیف تھے اور کفار بہت قوی تھے۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ مسلمانوں کا مددگار تھا۔ اس لئے وہ اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے تھے۔ پھر ارشاد فرمایا ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ	اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ مومنوں سے فرما رہے تھے
يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ	کہ کیا یہ خوشخبری تمھارے لئے کافی نہیں ہے کہ تمھارا پروردگار
الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝	آسمان سے تین ہزار فرشتے بھیج کران کے ذریعہ سے تمھاری مدد فرمائے

خُدا کا یہ وعدہ صرف بدر کے دن کے لئے تھا۔ اکثر مفسّرین کا یہی قول ہے اوران کا یہ بھی قول ہے کہ ملائکہ نے بدر میں خود جنگ میں حصّہ لیا تھا اوراس کے سوا باقی جنگوں میں اُنھوں نے خود جنگ نہیں کی تھی۔ اور ملائکہ کی یہ مدد آنحضرتؐ کے معجزات میں سے تھی۔ ارشادِ خداوندی ہے:۔

بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ	ہاں اگر تم ثابت قدم رہے اور خُدا سے ڈرتے رہے اور کفار
مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ	یکایک تم پر ٹوٹ پڑے تو خُدا پانچ ہزار فوجی نشان والے فرشتوں
بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝	کے ذریعہ تمھاری مدد فرمائے گا۔

پس خُدا نے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کے لئے آمد کو تین شرطوں کے ساتھ مشروط فرمایا ہے صبر، تقویٰ اور کُفّار کا یکایک حملہ آور ہونا۔ مگر چونکہ یہ شرطیں نہیں پائی گئیں۔ اس لئے لازماً مشروط بھی نہیں پایا گیا۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ	حق تعالیٰ نے (جنگ بدر میں فرشتوں کی) یہ امداد اسلئے بھیجی تھی کہ تمہیں
وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ	فتح کی بشارت ملجائے اور تمھارے دلوں کو قرار آجائے اور فتح و نصرت تو
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝	اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غلبہ اور حکمت والا ہے۔
لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا	نیز اس لئے یہ امداد بھیجی گئی تھی کہ حق تعالیٰ کفار کا ایک حصّہ
اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝	کاٹ کر رکھ دے یا انھیں ایسا ذلیل وخوار کردے کہ وہ ناکام
	ونامراد واپس لوٹ جائیں۔

کبت سے رُسوائی، ہلاکت، شکست، غیظ وغضب، تذلیل مراد ہیں۔ مفسّرین نے کبت کی تشریح میں یہ سب معانی بیان کئے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

"لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝"

مذکورہ آیت احد کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی اس لئے کہ جب عقبہ بن ابی وقاص نے آنحضرتؐ کے سر مبارک کو زخمی کر دیا اور آپ کے چار دندانِ مبارک شہید کر دیئے تو آپ چہرۂ مبارک سے خون پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے۔ وہ قوم کیا فلاح پا سکے گی جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگین کر دیا ہو۔ درانحالیکہ وہ انھیں ان کے رب کی طرف بُلا رہا ہو۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ آپ نے کفار پر لعنت بھیجی تھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہاں تک کہ اسی سلسلہ میں حق تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○	حضرت محمدؐ صرف ایک پیغمبر خدا ہی ہیں۔ آپ سے پہلے بھی اور بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ اگر وہ وفات پا گئے یا شہید کر دیئے گئے تو کیا تم پچھلے پیروں لوٹ جاؤ گے (یعنی مرتد ہو جاؤ گے) اور اگر کوئی پیچھے لوٹ جاتا ہے تو وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور حق تعالیٰ شکر گزاروں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

جب یہ افواہ اڑ گئی کہ حضرت محمدؐ شہید ہو چکے ہیں جیسا کہ غزوۂ اُحد کے بیان میں اس کا ذکر آ چکا ہے تو بعض نو مسلموں نے کہا کہ اگر آپ نبی ہوتے تو قتل نہ کیے جا سکتے۔ لہٰذا اب اپنے بھائیوں اور اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جاؤ۔ اس پر حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انس بن نضرؓ نے کہا۔ اے لوگو! اگر حضرت محمدؐ شہید بھی کر دیئے گئے تو محمدؐ کا پروردگار تو یقیناً زندہ ہے اسے تو موت آ ہی نہیں سکتی۔ اب تم آنحضرتؐ کی شہادت کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ اُٹھو اور جس مقصد کے لئے آنحضرتؐ نے یہ جنگ کی تھی۔ تم اسی کے لئے لڑتے رہو اور جس نصب العین کے لئے آپ نے اپنی جان دی۔ تم بھی اسی کے لئے اپنی جانیں دے دو۔ پھر انھوں نے عرض کیا "اے میرے خدا! یہ لوگ جو کہہ رہے ہیں میں ان سے بری الذمہ ہوں اور تیری بارگاہ میں اس سے معذرت پیش کرتا ہوں"۔ پھر انھوں نے اپنی تلوار کھینچی اور دشمن پر جا پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

جب آنحضرتؐ کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا اور آپ کے چار دندانِ مبارک شہید ہو گئے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے آپ کو سہارا دے کر اُٹھایا اور حضرت ابوبکرؓ و علیؓ اور دوسرے کچھ لوگوں نے مل کر آپ کا بچاؤ کیا۔ پھر آنحضرتؐ لوگوں کو آواز دے کر فرمانے لگے۔ "اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ"۔ حتیٰ کہ صحابہ کی

ایک جماعت آپ کے پاس جمع ہوگئی۔ پس آپ نے ان کی شکست خوردگی پر انھیں ملامت کی۔ انھوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں۔ ہمیں آپ کی شہادت کی خبر ملی تھی اس لئے ہمارے دلوں پر دشمن کا رُعب چھا گیا تھا اور اس لئے ہم پیچھے کی طرف بھاگنے لگے تھے۔

اور مومنوں پر آنحضرتؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے جو مُصیبت نازل ہوئی۔ حق تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی اور انھیں ان کے اس جُرم کے بُرے انجام اور حکم رسُول کی خلاف ورزی کے ارتکاب کی بدنصیبی کو بتایا۔ جو تیر اندازوں کے اپنے اس مرکز کو جس پر آنحضرتؐ نے انھیں جمے رہنے کا حکم دیا تھا، چھوڑ دینے کی وجہ سے ظاہر ہوئی۔ خُدا تعالیٰ نے آیت ذیل میں فرمایا ہے :-

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ○	بلاشُبہ حق تعالیٰ نے تم سے اپنا کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا جبکہ تم خدا کے حکم سے کُفّار کو قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ تم بددل اور کمزور ہو کر اپنے معاملہ میں باہم جھگڑنے لگے۔ اس کے بعد کہ خدا نے تمھیں تمھاری دل چاہتی چیز دکھا دی تھی۔ تم میں سے بعض تو دُنیا کے طالب ہوئے اور بعض آخرت کے طلبگار ہو گئے (غزوہ احد میں جبکہ پہاڑی محافظ دستہ کے بعض لوگ مالِ غنیمت لُوٹنے میں لگ گئے تھے) پھر خدا نے کفّار کو تم سے ہٹا دیا۔ تاکہ وہ تمھاری آزمائش کرے اور اس نے تمھاری اس فاش غلطی کو معاف فرما دیا۔ بلاشُبہ حق تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل و کرم فرمانے والا ہے۔

صحابۂ رسُول اللہؐ کے غزوۂ اُحد میں زخمی و شہید ہونے پر حق تعالیٰ نے آیت ذیل میں ان کی تعزیت فرمائی ہے :-

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○	اے مسلمانو! تم سستی و کمزوری محسوس کرو، نہ رنج و غم کرو۔ اگر تم ایمان پر ثابت قدم رہے تو آخر کار تم ہی سربلند رہو گے۔

یعنی غزوۂ اُحد میں دشمن کی طرف سے قتل و زخم کی جو مصیبت تمھیں پیش آئی ہے اس سے تم آئندہ اپنے دشمن سے جہاد کرنے میں کمزوری و کہتری کا اظہار نہ کرو اور نہ غمگین و متأسف ہو۔ کیونکہ تمھیں آج جو مصیبت پیش آئی ہے آئندہ تمھیں اس کا نعم البدل عطا کیا جائے گا۔ پس بالآخر تم ہی سربلند رہو گے اور اگر تم پکے مومن رہے تو آخری فتح و نصرت تمھاری ہی ہو گی۔

غزوۂ حمراءُ الاسد

حمراءُ الاسد مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ایک مقام کا نام ہے۔ یہ غزوہ اتوار کی صبح کو پیش آیا۔ جب کہ غزوۂ اُحد ہفتہ کے دن برپا ہوا تھا۔ مذکورہ غزوہ بروز یکشنبہ بتاریخ سولہ شوال ہجرت کے تیسویں مہینے کل والے دشمنوں کی جستجو میں پیش آیا تھا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ انصار کے معززین رات بھر آنحضرتؐ کے دروازے پر پہرہ دیتے رہے۔ جب صبح ہوئی اور حضرت بلال نے اذان دی تو حضرت عبداللہ بن عمرو مزنیؓ نے حاضر خدمت ہو کر آپ کو اطلاع دی کہ وہ اپنے متعلقین کے پاس مقام مُلَل میں آئے جو مدینہ کے قریب ایک گاؤں ہے تو دیکھا کہ وہاں قریش نے آکر پڑاؤ ڈالا ہے۔ انھوں نے انھیں آپس میں باتیں کرتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ تم نے کچھ نہ کیا۔ تم نے اس قوم کی عظمت و شوکت کو تنہا پایا (یعنی آنحضرتؐ کو اور چند صحابہ کو) اور انھیں چھوڑ دیا۔ انھیں ہلاک نہ کر ڈالا۔ ان میں چند چوٹی کے لوگ رہ گئے ہیں جو پھر تمھارے خلاف جمع ہو کر صف آرا ہو جائیں گے۔ پس بہتر ہے کہ لوٹ چلو تاکہ ہم بقیہ کا بھی صفایا کر دیں لیکن صفوان بن اُمیہ نے اس کا خلاف کیا اور کہا ایسا مت کرو۔ کیونکہ وہ قوم اب جوش اور غصہ سے لبریز ہے اور مجھے ڈر ہے۔ کہیں اس مرتبہ خزرج کے لوگ بھی جو پہلے شریک نہ ہوئے تھے ان کے ساتھ نہ مل جائیں۔ پس بہتر یہی ہے کہ لوٹ چلو۔ اب تو کامیابی تمھارے حصّہ میں آگئی ہے۔ لیکن اگر تم نے پلٹ کر پھر حملہ کیا تو مجھے اطمینان نہیں کہ پھر کامیابی تمھارے حصّہ میں آسکے۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ صفوان کچھ عقلمند تو نہ تھا لیکن اس نے اپنے ساتھیوں کو عقل کی بات بتلائی ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں نے ان کے لئے نشان زدہ پتھر مہیا کر لئے تھے۔ اگر اس مرتبہ وہ پلٹتے تو گزرے ہوئے کل[1] کی طرح ہو جاتے۔

صُبح نماز کے بعد آنحضرتؐ نے لوگوں کو بُلایا اور آنحضرتؐ کے مؤذن نے روانگی کا اعلان کیا یعنی آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ رسُول اللہ تمھیں دشمن کی تلاش کا حکم دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ روانہ ہوں جو کل ہمارے ساتھ تھے یعنی جو غزوۂ اُحد میں شریک تھے۔ اس تخصیص سے آپ کا مقصد دشمن کے مقابلہ میں شدت اور اُحد میں شریک ہونے والوں کی مزید تعظیم و

ما[1] یعنی فنا ہو جاتے جیسے گزشتہ کل فنا ہو جاتا ہے۔ م

توقیر کا اظہار فرمانا تھا۔ نیز آپ نے اس حکم سے منافقوں کی شرکت کو روک دیا۔ چنانچہ اس غزوہ میں صرف وہی حضرات شریک ہوئے جو اُحد میں شریک تھے: بجز ایک جابر بن عبداللہؓ کے جنھوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا تھا کہ احد کے دن میرے باپ نے مجھے میری سات بہنوں کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا تھا اس لئے میں میدان جنگ میں حاضر نہ ہو سکا تھا۔ اس لئے اب مجھے ہمرکابی کی اجازت فرما دیجئے۔ پس آنحضرتؐ نے آپ کو اجازت دے دی۔ اس طرح آپ کے ہمراہ ان کے سوا کوئی دُوسرا شخص جو غزوہ احد میں شریک نہ ہوا ہو روانہ نہیں ہُوا۔ آنحضرتؐ نے تین مسلمانوں کو دشمن کے آثار معلوم کرنے کی غرض سے آگے روانہ فرمایا۔ جن میں سے دو شخص ان سے مقام حمراء الاسد میں جا ملے جب انھوں نے ان دونوں کو دیکھا تو انھیں قتل کر دیا۔ جب آنحضرتؐ اور آپ کو راستہ بتانے والے ثابت بن ضحاک بن ثعلبہ بن خزرج بمقام حمراء الاسد دشمن کے پڑاؤ تک پہنچے اور وہاں ان دو مسلمانوں کو مقتول پایا تو انھیں وہیں دفن کر دیا۔ آنحضرتؐ ابھی زخمی تھے اور آپ کے روئے مبارک پر خود کی کڑیوں کے نشانات تھے۔ پس آنحضرتؐ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا۔ اے طلحہ! یہ لوگ ہم سے اس جیسی شکست نہ کھائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ مکّہ کو ہمارے ہاتھوں فتح نہ کرا دے گا۔

اور حضرت عمر بن خطابؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے ابن خطاب! قریش ہم سے گزشتہ شکست جیسی شکست نہیں کھائیں گے جب تک ہم رکنِ یمانی کو جا کر نہ چھو لیں گے۔

آنحضرتؐ مقام حمراء الاسد میں دوشنبہ، سہ شنبہ اور چہار شنبہ تین دن ٹھہرے۔ مسلمان ان راتوں میں پانچ سو مشعلیں روشن کرتے رہے تاکہ دُور سے یہ روشنی نظر آتی رہے اور ان کے لشکر کی آواز اور آگ کی روشنی ہر سمت پھیل گئی۔ پس اللہ نے مسلمانوں کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر دیا۔

اس غزوہ میں اسلامی علم حضرت علی بن ابی طالبؓ کے ہاتھ میں تھا اور آنحضرتؐ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتومؓ کو اپنا قائم مقام حاکم مقرر فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ابُوسفیان سے جنگ احد میں جو غلطی سرزد ہوئی تھی۔ اس کی بنا پر اس کے دل پر حق تعالیٰ نے مصیبت طاری کر دی تھی۔ اس لئے وہ خاموشی سے مکّہ واپس ہو گیا۔

آنحضرتؐ کو غزوۂ حمراء الاسد میں ابو عزہ شاعر پر کامیابی نصیب ہوئی۔ یہ وہ شخص تھا جو بدر کے قیدیوں میں گرفتار ہو کر آیا تھا تو آنحضرتؐ نے اس کی بیٹیوں کی وجہ سے اس پر رحم فرما کر اسے بغیر فدیہ

لیئے چھوڑ دیا تھا اور اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ پھر آپ سے جنگ نہ کرے گا۔ نہ وہ آپ کے مقابلہ میں لشکر لائے گا۔ نہ وہ آپ کے مقابلہ کے لئے دُوسروں کو آمادہ کرے گا۔ مگر اس نے یہ عہد توڑ دیا تھا اور قریش کے ساتھ اُحد کی جنگ میں شریک ہُوا تھا۔ جہاں وہ لوگوں کو اپنے اشعار کے ذریعہ جنگ پر اُبھارتا اور انہیں آنحضرتؐ کے قتل پر اُکساتا تھا۔ پس آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اُسے جانے نہ دیا جائے۔ چنانچہ اسے گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں لایا گیا۔ اس نے عرض کیا۔ اے محمدؐ! مجھے چھوڑ دیجئے۔ مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے میری بیٹیوں پر رحم کھا کر چھوڑ دیجئے۔ میں آپ سے پھر وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ پھر ایسا نہ کروں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ نہیں خدا کی قسم اب تو اپنے رخسارے مکہ سے نہ چھو سکے گا کہ پھر حجر اسود کے پاس بیٹھ کر کہنے لگے کہ میں نے محمدؐ کو دھوکا دے دیا۔ اے زید! اس کی گردن اڑا دو کہ "مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا"۔ پس حضرت زیدؓ نے فوراً اس کی گردن اُڑا دی اور اس کا سر مدینہ کو لے گئے۔ یہ ضرب المثل آنحضرتؐ ہی کی اختراع ہے۔ آپ کے سوا پہلے کسی اور سے نہیں سُنی گئی۔

پھر آنحضرتؐ اپنے صحابہ سمیت مدینہ کی طرف واپس ہوئے جہاں آپ جُمعہ کے دن پُہنچے۔ آپ مدینہ سے پانچ دن باہر رہے۔ مدینہ کی طرف لوٹتے ہوئے آپ کو معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس ہاتھ آگیا۔ یہ شخص عبدالملک بن مروان کا دادا تھا۔ پس آپ نے اس کے بھی قتل کا حکم فرمایا۔

طبری نے لکھا ہے کہ ۳ھ میں حضرت فاطمہؓ، حضرت امام حسین علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں ایک روایت ہے کہ امام حسنؓ کی ولادت اور امام حسینؓ کے استقرار حمل کے درمیان صرف پچاس راتوں کا فاصلہ تھا اور اسی شب ماہ شوال میں جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبی کے بطن میں عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر کا حمل قرار پایا۔

○

رجیع کا طلایہ گرد دستہ

واقع صفر سنہ ۴ھ م مئی سنہ ۶۲۵ء

"رجیع" ہذیل کے کنوئیں کا نام ہے اور ابنِ اسحاق و واقدی نے کہا ہے کہ رجیع مکہ اور طائف کے درمیان "ہداۃ" کے قریب قبیلہ ہذیل کا کنواں تھا۔

"دستہ رجیع" عاصم بن ثابت انصاریؓ کا طلایہ گرد دستہ تھا جسے آنحضرتؐ نے ماہ صفر سنہ ۴ھ (م مئی سنہ ۶۲۵ء) کو روانہ کیا تھا۔

اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ قبیلہ ہذیل کے بنو لحیان قبائل عضل و قارہ کے پاس آئے جو بنو ہون بن خزیمہ بن مدرکہ کے دو قبیلے تھے اور انھیں اس شرط پر اونٹ دینے کی پیش کش کی کہ وہ آنحضرتؐ سے اس بات پر گفتگو کریں کہ آپ اپنے کچھ صحابہ کو ان کی طرف روانہ فرمائیں۔ چنانچہ انھوں نے سات آدمیوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا جنھوں نے آپ پر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے قبائل میں اسلام پھیل رہا ہے۔ اس لئے آپ ہمارے ساتھ چند صحابہ کو بھیج دیں جو ہمیں دینی مسائل بتائیں۔ ہمیں قرآن پڑھائیں اور ہمیں شریعت اسلامیہ کی تعلیم دیں۔ روایت ہے کہ آنحضرتؐ کا پہلے سے قصد تھا کہ چند صحابہ کو جاسوس بنا کر مکہ کی طرف روانہ فرمائیں تاکہ وہ آپ کو قریش کے ارادوں اور تیاریوں کی خبر لا کر دیں۔ جب یہ لوگ اہل علم و فقہاء کی مانگ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے ان کے ہمراہ چھ صحابہ کو دونوں خدمات سپرد کر کے روانہ فرما دیا۔ یہ دستہ صحابہ ذیل پر مشتمل تھا۔

عاصم بن ثابت، مرثد بن ابی مرثد غنوی۔ خبیب بن عدی اوسی بدری، زید بن دثنہ، عبداللہ بن طارق، خالد بن بکیرؓ، یہ لوگ روانہ ہو کر مقام رجیع پر پہنچے تو انھوں نے صحابہؓ سے بدعہدی کی اور قبیلہ ہذیل کے لوگوں کو پکارا کہ وہ آکر صحابہ کے قتل کرنے میں ان کی مدد کریں۔ یہ قافلہ والے ابھی اپنے کجاووں ہی میں تھے کہ ان کی آواز سنتے ہی چند مرد ہاتھوں میں تلوار لئے ہوئے فوراً آموجود ہوئے۔ یہ دیکھ کر عاصم اور ان کے ساتھی صحابہ نے بھی اپنی تلواریں کھینچ لیں تاکہ ان کا مقابلہ کر سکیں۔ اس پر وہ بولے کہ واللہ ہم تم لوگوں کو قتل کرنا نہیں چاہتے اور تمھیں خدا کا واسطہ دے کر عہد و پیمان کرتے ہیں کہ ہم تمھیں قتل نہ کریں گے۔ انھوں نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ وہ انھیں زندہ قریش کے کفار کے حوالہ کرنا چاہتے تھے

تاکہ اس کے بدلے ان سے معقول معاوضہ حاصل کر سکیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قریش کے نزدیک اس سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا کہ وہ آنحضرتؐ کے کسی صحابی کو ان کے پاس لے آئیں تاکہ وہ ایک مثلہ کر سکیں۔ پھر اپنے بدر و اُحد کے مقتولوں کے بدلے اسے قتل کر ڈالیں لیکن صحابہ ان کے اس عہد و پیمان کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ ان میں سے مرثد، خالد بن بکیر اور عاصم بن ثابت نے کہا۔ واللہ ہم کسی مشرک کا کوئی عہد قبول نہیں کرتے۔ یہ کہہ کر انھوں نے ان سے جنگ کی اور شہید ہو گئے۔

رہے زیدؓ، خبیبؓ اور عبداللہ بن طارقؓ، سو انھوں نے نرمی اختیار کی اور ان کے سامنے جھک گئے۔ انھیں اپنی زندگی کا لالچ رہا۔ انھوں نے خود کو ان کے سپرد کر دیا۔ وہ انھیں قیدی بنا کر مکّہ لے گئے۔ تاکہ کفّار کے ہاتھوں فروخت کر دیں۔ جب یہ لوگ مقام "ظہران" پر پہنچے تو عبداللہ بن طارقؓ نے اپنا ہاتھ رسّی کے پھندے سے چھڑا کر اپنی تلوار کھینچ لی۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے اور انھوں نے ان پر پتھر برسا کر ہلاک کر ڈالا۔ ان کی قبر ظہران میں موجود ہے۔

اور خبیب بن عدی اور زید بن وثنہؓ کو یہ لوگ مکّہ لے آئے اور انھیں فروخت کر دیا۔ چنانچہ حضرت خبیب کو حجیر بن ابی اہاب تمیمی نے خرید لیا۔ یہ شخص بنو نوفل کے عقبہ بن حارث بن عامر بن نوفل کا حلیف تھا اور حجیر حارث بن عامر کا ماں جایا بھائی تھا۔ اس نے حضرت خبیبؓ کو اس غرض سے خریدا تھا کہ انھیں اپنے مقتول باپ کے بدلے قتل کر دے۔

اور حضرت زید بن وثنہؓ کو صفوان بن امیّہ نے خرید لیا تاکہ انھیں اپنے مقتول باپ اُمیّہ بن خلف کے بدلے قتل کر دے۔ ان دونوں کی خریداری ماہِ ذی قعدہ میں ہوئی تھی۔ اس لئے ان دونوں کو محترم مہینوں کے گزرنے تک قید میں رکھا گیا۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ کو قتل کر دیا گیا اور حضرت خبیب بھی محترم مہینوں کے گزرنے تک قید میں رہے۔ پھر کفّار ان کے قتل پر بھی متفق ہو گئے اور اس سے قبل قید میں بھی ان سے بُرا سلوک کیا جاتا رہا۔ اس پر خبیب نے ان سے کہا کہ کوئی معزز قوم کبھی اپنے قیدی سے ایسا بُرا سلوک روا نہیں رکھتی۔ اس کے بعد وہ ان سے بہتر برتاؤ کرنے لگے اور انھیں ایک عورت کی نگرانی میں دے دیا۔ جس کا نام ماویہ مولاۃ حجیر تھا۔ ماویہ کا بیان ہے کہ خبیب شب کو جب نماز تہجّد میں قرآن تلاوت کرتے تھے تو عورتیں سن سن کر زار و قطار روتیں اور آپ پر ترس کھاتی تھیں۔ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ فرمایا۔ نہیں۔ بس اتنی خواہش ہے۔

کہ مجھے میٹھا پانی پلا دو اور بتوں کے نام کا ذبیحہ مجھے نہ کھلاؤ اور جب یہ لوگ مجھے قتل کرنا چاہیں تو تم مجھے پہلے سے اس کی اطلاع دے دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے جب آپ کو قتل کرنا چاہا تو میں نے آپ کو اس کی اطلاع دے دی لیکن واللہ! آپ اس خبر سے ذرا بھی غمگین و پریشان نہ ہوئے۔ جب یہ لوگ حضرت خبیب رضؓ کو قتل کرنے کے لئے حرم سے باہر لے جانے لگے تو آپ نے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز ادا کر لوں۔ انھوں نے اجازت دے دی تو آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد سے یہ طریقہ رائج ہو گیا کہ جسے زبردستی قتل کیا جاتا۔ وہ پہلے دو رکعت نماز ادا کر لیتا۔ پھر حضرت خبیب رضؓ نے فرمایا۔ اگر یہ نہ کہا جاتا کہ میں گھبرا گیا (اس لیے لمبی نماز شروع کر دی)، تو میں اور زیادہ رکعتیں پڑھتا اور مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ اللہ کی راہ میں مجھے کس پہلو پر قتل کیا جا رہا ہے۔ پھر کہا:

وذٰلك فی ذات الالٰه وان یشاء   یبارك علیٰ اوصال شلوٍ ممزّعٖ

یہ قربانی خدا کی راہ میں دی جا رہی ہے اور اگر وہ چاہے تو میرے جسم کے الگ الگ اعضاء کے جوڑوں میں برکت (زندگی) عطا فرما دے

اے میرے خدا! ان کفار کی تعداد گن لے اور ان کے ٹکڑے کر ڈال۔"

پھر ابو سروعہ بن حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف آپ کو لے کر مقتل میں نکلا۔ پہلے آپ کو مارا۔ پھر قتل کر دیا۔ اللہ آپ پر رحمت فرمائے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضؓ سے روایت ہے کہ جب کفار نے حضرت خبیب رضؓ کو قتل کرنا چاہا اور انھیں سُولی پر لٹکا کر ان پر ہتھیار نیزہ اور جنگی آلات سے حملے شروع کر دیئے تو آپ کو آواز دے کر کہا۔ کیا تم اس پر راضی ہو کہ محمدؐ تمھاری جگہ پر ہوں؟ فرمایا۔ نہیں۔ خدا کی قسم! میں تو اپنی جان بچانے کے عوض آپ کے پائے مبارک میں ایک کانٹا چبھنا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

ایک روایت ہے کہ جب زید بن دثنہ رضؓ کو قتل کیا گیا تو پہلے ان کے سامنے بھی یہی بات پیش کی گئی تھی اور انھوں نے بھی اسی قسم کا جواب دیا تھا۔

حضرت ابوسفیان رضؓ نے کہا ہے کہ میں نے کبھی کسی شخص کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی حضرت محمدؐ کے صحابہ آپ سے کرتے تھے۔

اور حضرت زید بن دثنہ کو نسطاس نے قتل کیا تھا۔

جب حضرت عاصم بن ثابت رضؓ شہید کر دیئے گئے تو ہذیل کے لوگوں نے ان کا سر لینا چاہا تاکہ اسے

سلافہ بنت سعد بن شہید کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ کیونکہ جب اس عورت کا بیٹا غزوہ احد میں قتل ہو گیا تھا تو اس نے نذر کی تھی کہ اگر مجھے کبھی عاصم کا سر مل گیا تو اس کی کھوپڑی میں شراب ڈال کر پیوں گی۔

لیکن بھڑوں نے آپ کی نعش کو گھیر لیا اور ان کے شر سے بچا لیا۔ جب وہ ان لوگوں اور آپ کے درمیان حائل ہو گئیں تو انھوں نے کہا کہ شام تک اسے رہنے دو۔ جب یہ بھڑیں ہٹ جائیں گی تو پھر ہم اسے لے جائیں گے لیکن اس سے قبل وہاں سیلاب آگیا جو حضرت عاصم کی نعش کو بہا لے گیا اور حضرت عاصمؓ نے اپنی حیات میں اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ کبھی کوئی مشرک ان کے جسم کو نہ چھوئے گا اور نہ وہ خود کسی مشرک کو اس کی ناپاکی کی وجہ سے چھوئیں گے۔

حضرت عمر بن خطابؓ کو جب یہ خبر ملی کہ بھڑوں نے آپ کو مشرکوں سے محفوظ رکھا تو آپ نے فرمایا "کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کی کس طرح حفاظت فرماتا ہے۔ حضرت عاصمؓ نے نذر کی تھی کہ ان کی زندگی میں نہ ہی کبھی کوئی مشرک ان کے جسم کو چھو سکے گا اور نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے۔ لیکن حق تعالیٰ نے مرنے کے بعد بھی انھیں مشرکوں کے نجس ہاتھوں سے بچا لیا۔ جس طرح وہ زندگی بھر خود ان سے بچے رہے۔"

آنحضرتؐ نے جس وفد کو رجیع کے باشندوں عضل و قارہ کی طرف بھیجا تھا جب آپ کو اس کے قتل کی خبر ملی تو آپ نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کو ایک اور انصاری صحابی کے ہمراہ مکہ روانہ فرمایا اور انھیں ابوسفیان بن حرب کو قتل کر ڈالنے کا حکم دیا۔ یہ عمرو بن الضمری مکہ کے مقامات سے اچھی طرح واقف اور دلیر شخص تھے۔ یہ دونوں مکہ پہنچ کر ایک ہفتہ تک بیت اللہ کا طواف کرتے رہے کہ اتفاق سے کفار کے ایک شخص نے حضرت عمرو کو پہچان لیا اور بلند آواز سے چیخ کر کہا۔ یہ عمرو بن امیہ ہے۔ یہ سنتے ہی وہ اور ان کے ساتھی وہاں سے بھاگ نکلے اور صحیح سالم مدینہ پہنچ گئے۔

○

سریۂ بئرِ معونہ
واقع صفر سنہ ۴ھ م مئی سنہ ۶۲۵ء

یہ سریہ سریۂ منذر بن عمرو خزرجی، نیز سریۂ قُرّاء کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ سریہ ماہ صفر سنہ ۴ھ (م مئی سنہ ۶۲۵ء) میں غزوۂ احد کے چار ماہ بعد پیش آیا۔ جیسا کہ ابن اسحاق نے اپنے اساتذہ سے نقل کیا ہے۔ اس سریہ کا واقعہ یہ ہُوا تھا کہ ابُو براء عامر بن مالک بن جعفر عامری جو نیزہ بازی کا کھلاڑی مشہور تھا۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو آپ نے اس پر اسلام پیش فرمایا لیکن اس نے نہ اسلام قبول کیا نہ انکار کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ اے محمدؐ! میں آپ کی اس تحریک کو اچھا اور شریفانہ سمجھتا ہوں میری قوم میری تابع ہے۔ اس لئے اگر آپ اپنے کچھ صحابہ کو میرے ہمراہ روانہ فرمادیں تو مجھے توقع ہے کہ میری قوم والے آپ کے متبع ہو جائیں گے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر آپ کی یہ تحریک بہت غالب آجائے گی اور آپ کی عزت بڑھ جائے گی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اہل نجد سے ان صحابہ کی جان کا خطرہ ہے۔ اس نے عرض کیا کہ وہ میری پناہ میں رہیں گے۔ اس پر آپ نے حضرت منذر بن عمروؓ اور ان کے ساتھ ستّر قاریوں کو اس کے ہمراہ روانہ فرمادیا۔ جب یہ حضرات "بئر معونہ" پر پہنچے تو انھوں نے حضرت حرام بن ملحان کو جو ام سلیم کے بھائی اور حضرت انس بن مالکؓ کے ماموں تھے آنحضرتؐ کا مکتوب گرامی دے کر عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر کلابی عامری کے پاس بھیجا جو ابو براء کا بھتیجا تھا۔ اس شخص نے خط کھول کر نہ دیکھا بلکہ حضرت حرام پر جھپٹ کر انھیں قتل کر ڈالا اور اپنی قوم بنو عامر کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بُلایا لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ابو براء کے پناہ دینے کے عہد کو توڑا نہیں جا سکتا۔

اس کے بعد اس نے مسلمانوں کے خلاف سلیم کے قبائل عُصیّہ، رعل اور ذکوان کو للکارا چنانچہ وہ اس کے ساتھ ہو لئے اور اسے ہی اپنا سردار بنالیا۔

اُدھر جب مسلمانوں نے حرام کی واپسی میں تاخیر کا احساس کیا تو وہ اس کے پیچھے چل پڑے۔ راہ میں ان لوگوں سے مُڈبھیڑ ہو گئی۔ انھوں نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور اپنی کثرت تعداد کی بنا پر ان پر چھا گئے اور فریقین میں باہم جنگ چھڑ گئی۔ نتیجہ میں آنحضرتؐ کے صحابہ شہید کر دیئے گئے۔ جب آنحضرتؐ

کو بئر معونہ کے حادثہ کی خبر معلوم ہوئی تو فرمایا۔ اس کا سبب ابُو براء کا وہ فعل ہے کہ وہ انھیں اپنی پناہ میں لے کر گیا تھا۔ میں تو پہلے ہی اس پر تیار نہ تھا اور مجھے ان کی جان کا اندیشہ تھا۔ اس حادثہ کی اطلاع ابُو براء کو پہنچی تو اسے اپنے بھتیجے عامر بن طفیل کی اس حرکت پر اتنا رنج پہنچا کہ وہ اس واقعہ کے بعد اسی صدمہ سے مر گیا۔ پھر عامر بن طفیل بھی مر گیا۔

حضرت حسّان بن ثابت رضؓ نے معونہ کے شہداء کے مرثیہ میں یہ اشعار کہے :۔

عَلٰی قَتْلٰی مَعُوْنَۃَ فَاسْتَہِلِّیْ بِدَمْعِ الْعَیْنِ سَحًّا غَیْرَنَذْرٍ — معونہ کے مقتولین پر بے خوف و خطر مسلسل اور پے بہ پے آنسو بہا۔

عَلٰی خَیْلِ الرَّسُوْلِ غَدَاۃَ لَاقُوْا وَلَاقَتْھُمْ مُنَایَاھُمْ بِقَدْرٍ — حضرت رسول اللہ کے ان سوار دستوں پر آنسو بہا جو صبح کے وقت دشمن کے مدمقابل ہوئے اور انجام کار انھیں خدا کی قضا و قدر کے مطابق موت نے آگھیرا۔

آنحضرتؐ کو دُوسرے شہداء کا اتنا صدمہ نہ ہُوا تھا جس قدر بئر معونہ کے شہداء کا ہوا۔ کیونکہ آپ نے انھیں لڑنے کے لئے نہیں بھیجا تھا بلکہ وہ آپ کی رسالت کے مُبلّغ بن کر گئے تھے اور عرب میں قدیم سے یہ رواج چلا آرہا تھا کہ قاصد و سُفراء کو قتل نہ کیا جاتا تھا لیکن انھوں نے اس کے باوجود مسلمانوں سے غدّاری و بدعہدی کی۔

علّامہ زرقانی کہتے ہیں کہ اس موقع پر قراء اور اہل رجیع کے بھیجنے پر پیش آئندہ خطرات سے متعلق پہلے سے حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مطلع نہیں فرمایا۔ جیسا کہ اس سے قبل اس قسم کے مواقع پر آپ کو پہلے سے وحی کے ذریعہ آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اس وجہ سے کہ یہ بات پہلے سے اللہ کے علم میں طے شدہ ہو گی کہ ان کو شہادت کی فضیلت نصیب ہو گی اور اس کے حصُول کا ذریعہ ابُو براء اور اہل رجیع کے صحابہ کو مانگنے کی غرض سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضری کو بنا دیا گیا۔

اس لشکر کے ساتھ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضؓ بھی تھے لیکن ان کے سوا کفار نے اور سب کو شہید کر دیا تھا۔ یہ ان کے پاس قیدی رہے۔ ان سے عامر بن طفیل نے کہا کہ میری ماں کے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا تھا۔ اس لئے میں ان کی طرف سے تمھیں آزاد کرتا ہوں۔ پھر ان کی پیشانی کے کچھ بال کاٹ کر انھیں اپنی ماں کی نذر کے عوض آزاد کر دیا۔

جب یہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے تو فرمایا کہ ان سب لوگوں میں سے صرف تم چھوٹ کر

آگئے۔ جب یہ عمرو مدینہ کی طرف جا رہے تھے تو اثناء راہ میں قرقرہ نامی مقام پر بنو کلاب کی شاخ بنو عامر کے دو شخصوں سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ یہ دونوں ان کے پاس سایہ میں آکر اتر گئے۔ ان دونوں قبیلوں کا آنحضرتؐ کے ساتھ معاہدہ امن تھا جس کا عمرو کو علم نہ تھا۔ پس ان سے عمرو نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا۔ ہم بنو عامر قبیلہ کے ہیں۔ انھوں نے انھیں رہنے دیا۔ جب یہ سو گئے تو ان دونوں کو قتل کر ڈالا اور دل میں خیال کیا کہ میں نے اسطرح بئر معونہ کے اپنے بعض ساتھیوں کے قتل کا بدلہ لے لیا۔ پھر مدینہ حاضر ہو کر آنحضرتؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ تم نے بہت برا کیا۔ کیونکہ ان دونوں کو میری امان و پناہ حاصل تھی۔ اس لئے میں ان کا خونبہا ادا کروں گا۔ چنانچہ آپؐ نے ان کے خونبہا کی رقم ان کی قوم کے پاس بھجوا دی۔

بئر معونہ میں شہید ہونے والے قاریوں میں حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہؓ بھی تھے۔ یہ وہی تھے جنھیں اللہ کی راہ میں کفار کی طرف سے سخت عذاب دیئے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے انھیں ان سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ وہ اس موقع پر شہید کر دیئے گئے۔ اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔

○

غزوۂ بنی نضیر

واقعہ ماہ ربیع الاوّل سنہ ۴ھ م جون سنہ ۶۲۵ء

نضیر یہود کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو مدینہ میں مقیم تھے اور وہ اور بنو قریظہ مدینہ کے بیرونی حصہ میں اپنے باغوں اور قلعوں میں آباد تھے۔ متعدد سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب یہود مدینہ آئے تھے تو پہلے نشیبی حصہ میں آباد ہوئے تھے۔ مگر یہاں کی آب و ہوا انھیں راس نہ آئی تو بلند حصے پر جاکر آباد ہو گئے۔ پس بنو نضیر بطحان میں اور بنو قریظہ مہزور میں جاکر آباد ہو گئے۔ یہ دونوں وادیاں تھیں جو وہاں کی پتھریلی زمینوں سے نکلتی تھیں اور ان سے میٹھے پانی کے چشمے جاری رہتے تھے۔ چنانچہ بنو نضیر نے یہاں باغات اور قلعے بنا لئے اور ان میں رہنے لگے۔ ان کی آبادی اور مدینہ کے درمیان دو یا تین میل کا فاصلہ تھا۔ اور یہ مدینہ کے قریب کھجوروں کے باغات کے مالک بھی تھے۔

یہ غزوہ ماہ ربیع الاوّل سنہ ۴ھ میں ہجرت کے سینتیسویں مہینے م جون سنہ ۶۲۵ء میں پیش آیا تھا۔ آنحضرتؐ ہفتہ کے دن مدینہ روانہ ہوئے اور مسجد قبا میں نماز ادا فرمائی۔ آپ کے ہمراہ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت تھی۔ نماز کے بعد آپ بنو نضیر کے پاس آئے اور ان سے گفتگو فرمائی کہ وہ ان دو کلبیوں کی دیت ادا کرنے میں آپ کی مدد کریں جنھیں عمرو بن اُمیہ ضمری نے قتل کر دیا تھا۔ انھوں نے جواب دیا۔ اے ابوالقاسم! آپ جو چاہیں گے۔ ہم وہی کریں گے۔ اس مجلس میں آنحضرتؐ ان کے گھروں کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ پس وہ باہم تخلیہ میں باتیں کرنے لگے اور انھوں نے آپ سے غداری و بدعہدی کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ عمرو بن جحاش بن کعب بن بسیل نضری نے کہا کہ میں گھر کی چھت پر چڑھ کر آپ پر ایک بڑا پتھر پھینک دیتا ہوں لیکن سلام بن مشکم نے کہا۔ ایسا مت کرو۔ کیونکہ اللہ تمہارے اس ارادہ کی حضرت محمدؐ کو اطلاع دے دیگا۔ دوسرے یہ کہ ہمارے اور ان کے درمیان طے شدہ عہد کی خلاف ورزی بھی ہو گی۔ ادھر آنحضرتؐ کو وحی سے ان کے ناپاک ارادوں کی اطلاع مل گئی۔ اس لئے آپ فوراً وہاں سے اس طرح اُٹھ گئے گویا کسی ضرورت سے جا رہے ہیں۔ مگر آپ سیدھے مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ پھر آپ کے صحابہ بھی آپ سے جا ملے۔

پھر آنحضرتؐ نے مدینہ سے ان کے پاس محمدؓ بن مسلمہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میرے شہر مدینہ سے نکل جاؤ۔ اب تم یہاں میرے ساتھ آباد نہیں رہ سکتے کیونکہ تم مجھ سے غداری و نقض عہد کا پختہ تہیہ کر چکے تھے۔ میں تمھیں دس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس کے بعد تم میں سے جو یہاں نظر آئے گا میں اس کو اڑا دوں گا۔ چنانچہ وہ چند دن تک سفر کی تیاری کرتے رہے اور مقام "ذی الجدر" میں اپنے بار برداری کے اونٹوں کو لینے کے لیے آدمی بھیجے۔ نیز لوگوں سے تیز رفتار اونٹ کرائے پر حاصل کیے۔ اسی اثنا میں ابن ابی نے ان کے پاس قاصد سے کہلا بھیجا کہ تم اپنے گھروں سے نہ نکلو اور اپنے قلعوں میں حسب سابق ٹھہرے رہو۔ میرے پاس میری قوم والے اور دوسرے عرب دو ہزار کی تعداد میں موجود ہیں۔ وہ تمھارے ساتھ تمھارے قلعوں میں آجائیں گے اور ان کا آخری آدمی تک تمھاری حفاظت میں کام آئے گا۔ اس کے علاوہ بنو قریظہ اور ان کے حلیف قبیلۂ غطفان والے بھی تمھاری مدد کو آجائیں گے۔ پس ابن ابیؔ کے کہنے پر حیی بھی لالچ میں آگیا اور آنحضرتؐ سے کہلا بھیجا کہ ہم اپنے قصبات سے نہ نکلیں گے۔ آپ سے جو ہو سکے کر لیں۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے بلند آواز سے اللہ اکبر فرمایا اور آپ کے ساتھ ہی مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ نیز فرمایا۔ میں یہودیوں سے جنگ کروں گا۔

پھر نبی کریمؐ اپنے صحابہؓ کو لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے اور بنو نضیر کے میدان میں عصر کی نماز ادا فرمائی۔ حضرت علیؓ آپ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے اور مدینہ پر آپ نے اپنی جگہ حضرت ابن ام مکتومؓ کو حاکم مقرر فرما دیا تھا۔ جب یہود نے آنحضرتؐ کو آتا ہوا دیکھا تو قلعہ پر چڑھ گئے اور وہاں سے مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ ادھر بنو قریظہ یہود سے الگ رہے اور انھوں نے ان کی کوئی مدد نہ کی اور ابن ابی اور اس کے غطفانی حلیفوں نے بھی انھیں عین وقت پر دھوکہ دے دیا۔ پس یہود ان سب کی مدد سے مایوس ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے کھجور کے باغات کو کٹوا دیا۔ اس پر انھوں نے کہا۔ اے ابو القاسم! آپ تو فساد سے منع کرتے تھے اور ایسا کرنے والے کو برا کہتے تھے۔ پس اب کھجور کے باغات کو اجاڑنے اور جلانے کا کیا مطلب ہے؟ کیا آپ کو اپنی اس کتاب میں جو آپ کے خیال میں آپ پر نازل ہوئی ہے زمین میں فساد پھیلانے کا حکم ملا ہے؟ پھر کہا۔ ہم تمھارے شہر کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ آج میں اس بات کو منظور نہیں کرتا۔

تم ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔ تمھیں اپنی جانوں اور اُونٹوں پر جتنا سامان لاد سکتے ہو، بجز اسلحہ کے، وہ بچا کر لے جانے کی اجازت ہے۔ چنانچہ وہ اس پر راضی ہو گئے اور قلعہ سے اُتر آئے۔ ان کا یہ محاصرہ پندرہ دن تک رہا۔

پھر بنو نضیر نے اپنے اپنے سامان اُونٹوں پر لاد لیے۔ ان میں سے ہر شخص نے اپنے اپنے گھر منہدم کر کے ان کی اچھی لکڑیاں جیسے دروازے، چوکھٹیں اپنے اُونٹوں کی کمر پر لاد لئے۔ اور یہ سب سامان لے کر خیبر روانہ ہو گئے۔ اور بعض شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے معززین میں جو لوگ خیبر کی طرف روانہ ہوئے ان میں سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق اور حُیی بن اخطب وغیرہ تھے۔ جب یہ لوگ وہاں جا کر اُترے تو وہاں کے لوگ ان سے حُسن سلوک سے پیش آئے۔

جب بنو نضیر کو اپنی جلاوطنی کا یقین ہو گیا تو انھیں مسلمانوں پر حسد ہُوا کہ مبادا وہ ان کے بعد ان کے گھروں میں قیام کریں گے اس لئے وہ اپنے گھروں کے اندرونی حصّوں کو برباد کرنے لگے اور اپنے گھر میں جو اچھی لکڑیاں یا دروازے تھے۔ گھروں کو منہدم کر کر کے وہ لکڑیاں ان سے کھینچ لیتے اور اونٹوں پر لاد لیتے۔ لیکن ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون اپنی کتاب "ملک عرب میں یہود کی تاریخ" میں لکھتے ہیں کہ یہود کا اپنے گھروں کو منہدم کرنے سے انھیں برباد و ناقابلِ رہائش بنانا اور ان کی لکڑیوں کو لے جانا مقصود نہ تھا بلکہ گھروں کی چوکھٹوں کا گرانا ان کے مشہور تلمودی عقیدہ سے متعلق تھا اور وہ یہ تھا کہ ہر یہودی اپنے گھر کی چوکھٹ کے چھجّے میں وہ صحیفہ چھپا دیتا تھا جو حضرت موسٰی علیہ السلام کی بنی اسرائیل کو نصیحت پر مشتمل ہوتا تھا اور وہ نصیحت یہ تھی کہ ایک خدا پر اپنا ایمان پُختہ رکھیں اور ان پر کتنی ہی سختیاں کی جائیں اور قتل بھی کیا جائے مگر وہ اس عقیدہ کو ہرگز نہ بدلیں۔ پس یہود اپنے گھروں سے نکلتے وقت یہ صحیفہ اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور ان کی یہ رسم آج تک برابر چلی آ رہی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے یہودی اس صحیفہ کو ہوا اور دوسرے ہاتھوں سے بچانے کے لیئے دروازہ کے چھجّے میں چھپا دیا کرتے تھے جب وہ وہاں سے جانے لگے تو انھوں نے گھروں کے چھجّوں کو گرا کر اسے نکال لیا۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ یہود کی عادت ہو گی اور ہمیں اس سے بھی بحث نہیں کہ یہود نے یہ مقدس صحیفے اور دروازے وغیرہ کیوں ساتھ لئے۔ لیکن صرف صحیفوں کو لینے کے لیئے گھروں کو گرا کر تباہ کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ جب بھی کوئی ایک گھر سے دُوسرے گھر میں منتقل ہو

تو اسے صحیفہ کو نکالنے کے لیئے پہلے گھر کو گرا دینا چاہیئے اور یہ امر ناممکن ہے۔

اور ابنِ اسحاق کی عبارت اس کی صراحت کرتی ہے کہ ان میں کا ہر شخص اپنے گھر کو گرا کر اپنے دروازے کا چھجہ نکال کر اُسے اونٹ کی کمر پہ لاد کر روانہ ہو گیا۔ چھجہ جسے دوّارہ (گھومنے والا) کہا جاتا ہے وہ ہے جو چوکھٹ کے اُوپر دروازے کے سامنے آگے کو نکلا ہوا ہوتا ہے۔

اور سیرتِ حلبیہ میں مذکور ہے کہ یہود نے بُغض و حسد کی بنا پر اپنے گھروں کے ستونوں اور چھتوں کو توڑ کر ان سے لکڑیاں اور کیلیں تک کھینچ کر نکال لیں اور دیواروں کو منہدم کر دیا تاکہ مسلمان ان میں نہ رہ سکیں۔

ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ مجھے عبداللہ بن ابی بکر نے بیان کیا ہے کہ یہودی اپنی عورتوں، بچوں، مال و دولت اور ساز و سامان لے کر وہاں سے کُوچ کر گئے۔ ان کے ساتھ ڈھول باجے، گانے والی عورتیں بھی تھیں جو قافلہ کے پیچھے پیچھے گاتی بجاتی چل رہی تھیں۔ انہی میں عروہ بن ورد عبسی والی امِ عمرو بھی تھی جسے یہود نے اس سے خرید لیا تھا۔ یہ بنو غفار کی عورتوں میں سے ایک تھی اور حسن و جمال ٹھاٹ اور ٹھسے میں اس زمانہ کے کسی قبیلہ کی عورت اس کے مقابلہ کی نہ تھی۔

یہود نے چھ سو اونٹوں پر اپنے سامان لادے اور چل دیئے۔ منافقوں کو ان کی جُدائی کا بے حد رنج ہوا کیونکہ وہ ان کے بھائی بند تھے۔ ان کے چھوڑے ہوئے سامان زرہوں اور اسلحہ پر آنحضرتؐ نے قبضہ کر لیا۔ اس میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں آپ کے ہاتھ لگیں۔ بنو نضیر کی تمام دولت آنحضرتؐ کی صوابدید پر رکھ دی گئی تھی جسے آپ نے اپنے متعلقین پر صرف فرمایا اور اپنی ازواجِ مطہرات اور آلِ عبدالمطلب کے لیئے ایک سال کے لیئے غذا جو اور کھجور وغیرہ ذخیرہ فرمالی۔ اس سے جو فاضل رہا اسے اسلحہ اور گھوڑوں کی خریداری میں صرف فرمایا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ آپ نے بنو نضیر کی سب دولت کو مہاجرین میں تقسیم فرما دیا تھا تاکہ اس کے ذریعہ انصار پر سے ان کی کفالت کا بار ختم کر دیں۔ یہ قول ابنِ اسحاق کی روایت کے بھی مطابق ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ صحابہ نے یہ دولت خاص آنحضرتؐ کی صوابدید پر چھوڑ دی تھی کہ آپ اس میں جس طرح چاہیں تصرّف فرمائیں۔ پس آپ نے اسے سابق مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔ انصار کو کچھ نہیں دیا۔ صرف سہل بن حنیف اور ابودجانہ، سماک بن خرشہؓ دو انصاری ایسے تھے جنھوں نے آنحضرتؐ سے اپنی فقر و مفلسی بیان کی تو آپ نے اس میں سے انھیں بھی عطا فرما دیا۔ نیز آنحضرتؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو ابن ابی حقیق کی تلوار

عطا فرمائی۔ یہ شخص بنو نضیر کے سرداروں میں سے تھا اور یہ اس کی ایک خاص اور مشہور تلوار تھی جس کی خوبی کا یہود میں عام چرچا تھا۔

بنو نضیر میں سے صرف دو شخص اسلام لائے۔ یامین بن عمیر بن کعب بن عمرو بن جحاش اور ابو سعد بن وہبؓ۔ چنانچہ یہ بدستور اپنے اموال پر قابض رہے اور انھوں نے اپنا مال و سامان محفوظ کر لیا۔

اس غزوہ میں عزوک قتل کر دیا گیا جو بنی نضیر کا بہادر تیر انداز تھا اسے حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ پھر آنحضرتؐ نے ابو دجانہ اور سہل بن حنیف کو دس مجاہدین کی جماعت کے ساتھ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے بچ کر نکل جانے والوں کی تلاش میں روانہ فرمایا۔ چنانچہ انھوں نے انھیں جا پکڑا اور قتل کر کے ان کے سر کسی مقامی کنوئیں میں پھینک دیئے۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ سورۂ حشر پوری کی پوری بنو نضیر کے واقعات میں نازل ہوئی ہے جس میں ان مصائب کا مفصل بیان کیا گیا ہے جو خدا کی طرف سے یہود پر نازل ہوئے اور جو آنحضرتؐ نے ان پر اللہ کی طرف سے مسلط فرمائے اور ان سے آپ کی طرف سے جو طرزِ عمل اختیار فرمایا گیا ان سب کی تفصیل ہے)۔

بخاری شریف میں حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے۔ آپ نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سورۂ حشر کا ذکر کیا تو فرمایا اسے سورۂ نضیر کہو۔

(نوٹ): میرے مطالعہ میں جو تاریخی ماخذ آئے ان سے مجھے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ بنو نضیر جنھیں آنحضرتؐ نے جلاوطن کر دیا تھا ان کی صحیح تعداد کیا تھی۔

بنو نضیر میں سے کچھ لوگ تو مدینہ سے سو میل کے فاصلہ پر واقع خیبر نامی مقام کی طرف چلے گئے۔ اور کچھ ملک شام کے جنوبی علاقہ "جرش" کی طرف چلے گئے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس سورۂ حشر کو سورۂ بنی نضیر کہا کرتے تھے جیسا کہ بخاری میں مذکور ہے۔

شراب کی حرمت

عظیمُ الشّان اجتماعی اِصلاح

صحابہ کی ایک جماعت نے آنحضرتؐ سے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمیں شراب کے متعلق فتویٰ دیجئے کیونکہ اس سے عقل زائل اور دولت ضائع ہوتی ہے۔ پس اس کی نسبت حق تعالیٰ کا یہ قول نازل ہُوا

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؕ

اے محمدؐ! صحابہ آپ سے شراب اور جُوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور بعض لوگوں کے لئے کچھ فوائد بھی ہیں۔

پس کچھ لوگوں نے تو فوائد کے لحاظ سے اس کا پینا جاری رکھا اور کچھ نے گناہ کی بنا پر اسے چھوڑ دیا۔ پھر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کچھ لوگوں کو اپنے یہاں بُلایا تھا وہاں انھوں نے شراب پی اور مدہوش ہوگئے۔ اسی میں ایک شخص جو مغرب کی نماز پڑھنے کھڑا ہُوا تھا اس نے نشہ کی حالت میں یُوں پڑھ دیا۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ اَعْبُدُ[1] مَا تَعْبُدُوْنَ ۝

پس اس نے قراءت میں گڑبڑ کردی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

اے ایمان والو! تم شراب کے نشہ سے مخمور ہو کر نماز کے قریب بھی مت جاؤ۔ جب تک تم یہ نہ سمجھ سکو کہ کیا تلاوت کررہے ہو۔

اس کے بعد سے پینے والوں کی تعداد اور کم ہوگئی۔

پھر کچھ انصاری ایک جگہ جمع ہوئے۔ ان میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے۔ یہ لوگ شراب کے نشہ میں مست و مخمور ہو کر باہم نسلی فخر و مباہات کرنے اور اشعار پڑھنے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت سعدؓ نے ایک شعر انصار کی مذمت میں پڑھ دیا۔ اس پر ایک دُوسرے انصاری نے اُونٹ کا جبڑا اٹھا کر ان کے دے مارا۔

---

[1] صحیح لَا اَعْبُدُ ہے یعنی میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا۔ لا چھوڑنے سے مفہوم بالکل بدل گیا اور یہ ہوگیا کہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور یہ کُفر ہے۔ م

جس سے وہ شدید مجروح ہوگئے۔ اس پر انھوں نے جاکر آنحضرتؐ سے شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے خدا سے دعا کی۔ اے خدا! تو شراب کے متعلق ایک واضح و مکمل تصریح فرمادے کیونکہ اس سے عقل گم ہو جاتی ہے اور مال کا نقصان علیحدہ ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ..... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ تک نازل ہوئی (سورۂ مائدہ) اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔ اے پروردگار! ہم شراب پینے سے باز آگئے۔

اور دوسرے لوگ بھی شراب نوشی سے رک گئے۔ شراب مدینہ طیبہ میں حرام کی گئی۔

شراب کے ترتیب وار تدریجی طور پر حرام ہونے میں یہ حکمت تھی کہ قوم اس کے پینے کی دیر سے عادی تھی اور اس کاروبار سے انھیں فائدہ بھی بہت تھا۔ خدا کو معلوم تھا کہ اگر انھیں اس سے ایک دم روک دیا گیا تو یہ امر ان پر بہت گراں گزرے گا۔

ابو داؤد نے اپنی حدیث سنن ابی داؤد میں شعبی سے انھوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی تو وہ ان پانچ چیزوں سے تیار کی جاتی تھی۔ انگور۔ کھجور۔ گندم۔ جو اور مکئی۔

خطابی نے لکھا ہے کہ شراب کی ان پانچ اجناس سے تخصیص کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شراب صرف ان ہی پانچ چیزوں سے بنتی ہے بلکہ ان ناموں کا ذکر صرف اس لئے آگیا ہے کہ اس زمانہ میں شراب ان ہی چیزوں سے بنا کرتی تھی۔

شراب جسے شرع نے حرام کیا ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ عقل کو بالکل ہی زائل یا کم کردے۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو نبی کریمؐ کے منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے لوگو! شراب کی حرمت نازل ہوچکی ہے جو ان پانچ چیزوں سے بنتی ہے۔ انگور، کھجور، شہد، گندم اور جو۔ اور شراب وہ ہے جو پینے والے کی عقل گم کردے۔ (بخاری)

ابو داود نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے "وہ شراب جس کا زیادہ حصہ انسان کو مخمور و مدہوش کردیتا ہو اس کا تھوڑا پینا بھی حرام ہے۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس شراب کے سولہ رطل پینے والے کو مدہوش کردیں۔ اس کا چلو بھر پینا بھی حرام ہے۔"

نیز آنحضرتؐ نے ہر نشہ آور اور ہر عقل میں فتور اور اعضا میں کسل و ڈھیلا پن پیدا کرنے والی چیز کے پینے سے منع فرمایا ہے۔

دیلم حمیریؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ ٹھنڈے ملک کے رہنے والے ہیں اور وہاں کی سردی کو زائل کرنے کے لیئے ہمیں سخت تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم گندم سے شراب بنا کر بھی پیتے ہیں جس سے ہمارے جسم میں کاروبار کرنے کی چستی و طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز اپنے ملک کی شدید سردی پر بھی قابو پا لیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جو تم پیتے ہو، کیا وہ نشہ پیدا کرتی ہے۔ کہا ہاں۔ فرمایا۔ تو اسے چھوڑ دو۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ تو اسے چھوڑنے والے نہیں۔ فرمایا۔ اگر نہیں چھوڑتے تو تم ان سے جنگ کرو۔

پس اسلامی شریعت وہ پہلی شریعت ہے جس نے شراب کو بالکلیہ حرام قرار دے دیا۔ کیونکہ اس کے پینے میں فتنے فساد، برائیاں، گناہ اور جسماتی، اخلاقی اور مالی نقصانات مضمر ہیں۔ آنحضرتؐ اور آپؐ کے بعد خلفاء نے اس کے پینے والے پر حد جاری کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہمارے اسلامی ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے اور ہماری حکومتیں دوسری تجارتوں کی طرح شراب کی تجارت پر بھی ٹیکس وصول کرتی ہیں۔

شراب کی شرعی حد

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے شراب پینے والے کو کھجور کی چھڑی اور جوتوں سے پٹوایا ہے اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایسے شخص کو چالیس کوڑے لگوائے ہیں۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے ایک شخص کو پکڑ کر لایا گیا جس نے شراب پی تھی۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں اسے کھجور کی چھڑی سے چالیس ماریں لگوائیں۔

شراب ۴ھ میں غزوۂ بنی نضیر کے اثنا میں حرام کی گئی۔

بعض لوگوں نے اسے زمانۂ جاہلیت ہی میں حرام قرار دے دیا تھا۔ کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے اسے حرام کرنے والا ولید بن مغیرہ تھا۔ ایک قول کے مطابق قیس بن عاصم سعدی تھا۔ ان حرام کرنے والوں میں مقیس بن صبابہ سہمی، عبدالمطلب، ابوطالب، قصی بن کلاب، ورقہ بن نوفل، شیبہ بن ربیعہ اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔

آج مسلم ممالک میں نشہ آور چیزیں عام طور سے پھیلی ہوئی ہیں اور کھلم کھلا ان کی تجارت جاری ہے۔ حتیٰ کہ یہ بیماری دیہات تک پھیل چکی ہے۔ اپنی کمزوری کی وجہ سے دینی پیشوا اس کے روکنے سے مجبور و معذور ہو گئے ہیں۔ وہ صرف وعظ و نصیحت پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان کی طرف سے کوئی ایسی قومی اجتماعی تحریک نہیں چلائی جاتی جو اپنی حکومتوں کو شراب کے ممنوع قرار دینے کا قانون بنانے پر مجبور کر سکے۔ یہاں تک کہ اہلِ مغرب کو بھی اس پر تعجب ہوتا ہے کہ اسلامی ملکوں میں شراب عام طور سے جائز و رائج ہے جو عقیدۃً شراب کو شیطانی اور ناپاک عمل قرار دیتے ہیں۔

پس اے خدا! ہم میں دلیری، طاقت اور اس بلا کو روکنے کے لئے اقدام کی ہمت عطا فرما اور اسلامی حکومتوں کو اپنے بہترین مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما۔

غزوۂ ذات الرّقاعؓ

اس غزوہ کا نام ذات الرُّقاع رکھنے کے سبب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جہاں یہ غزوہ واقع ہُوا، وہاں ایک درخت تھا جس کا یہ نام تھا۔ اسی کے نام پر اس غزوہ کا نام رکھا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مجاہدین کے پیر پیدل چلتے چلتے پھٹ گئے تھے۔ اس لئے انھوں نے ان پر چیتھڑے باندھ لئے تھے۔ اس لیئے اس کا نام یہ رکھا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں کے جھنڈوں میں کپڑوں کے ٹکڑے تھے اس لیے اس کا یہ نام پڑا۔ ایک قول یہ ہے کہ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جس کے پتھر سیاہ، سفید اور سُرخ رنگ کے ہیں۔ گویا اس پہاڑ کے مختلف پیوند ہیں۔ اس لئے اس پہاڑ کے نام پر اس غزوہ کا نام رکھا گیا۔ مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ ایک جگہ کا نام ہی۔ دعثور شاعر کا قول ہے

حتّی اذا کنا بذاتِ الرقاع یہاں تک کہ جب ہم مقام ذات الرقاع پر پُہنچے

اس غزوہ کے نام غزوۂ محارب، غزوہ بنی ثعلبہ، غزوہ بنی انمار، غزوہ صلوٰۃ الخوف بھی ہیں۔ آخری نام اس لیئے کہ اس غزوہ میں صلوٰۃ خوف پڑھی گئی تھی۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ غزوہ بنی نضیر کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ میں ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ کے کچھ دن تک قیام فرمایا۔ پھر نجد کی طرف لشکر کشی کی جہاں بنو محارب اور غطفان نخل قبیلہ کی شاخ بنو ثعلبہ سے بمقام ذات الرقاع نبرد آزمائی مقصود تھی۔ وہاں پہنچ کر آپؐ کا غطفان کی ایک جمعیت سے سامنا ہُوا تو لوگ ایک دُوسرے کے قریب آگئے اور ان میں باہم جنگ نہیں ہوئی۔ یہاں صرف بعض لوگ دوسروں سے خوف زدہ ہوگئے تھے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے اس مقام پر صلوٰۃ خوف ادا فرمائی۔ اس کے بعد مسلمان واپس ہوگئے۔ یہ پہلی صلوٰۃ خوف تھی جو آنحضرتؐ نے یہاں ادا فرمائی تھی۔

صلوٰۃ خوف

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کے ہمراہ نجد کی طرف کوچ کیا۔ جہاں دشمن سے آمنا سامنا ہُوا۔ پس ہم نے ان کے مقابل صف بندی کر لی۔ زاں بعد آنحضرتؐ

ملہ چیتھڑوں والا غزوہ م

ہمیں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔ اس طرح کہ فوج کا ایک حصّہ آپ کے ساتھ شریک نماز ہُوا۔ دُوسرا حصّہ دشمن کے مقابلہ میں صف آرا رہا۔ آنحضرتؐ نے اپنے ساتھی مقتدیوں کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے ادا کئے (یعنی ایک رکعت ادا فرمائی) پھر یہ مقتدی دُوسرے حصّہ کی جگہ لینے کو میدان میں واپس چلے گئے۔ پھر وہ آکر آنحضرتؐ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ آنحضرتؐ نے ایک رکوع اور دو سجدے ادا فرمائے (یعنی دُوسری رکعت ادا فرمائی) پھر سلام پھیر دیا۔ اس کے بعد مقتدیوں نے کھڑے ہو کر اپنی اپنی باقی ماندہ ایک ایک رکعت پوری کر لی۔

آنحضرتؐ کا اس غزوہ پر روانہ ہونے کا سبب یہ ہُوا کہ آپ کو خبر ملی تھی کہ کفّار آنحضرتؐ سے جنگ کرنے کو جمع ہوئے ہیں۔ آپ نے صحابہؓ کو یہ خبر سُنا کر انھیں جنگی تیاری کا حکم دیا۔ اور چار سو یا کچھ زیادہ صحابہ کو لے کر روانہ ہُوئے اور مدینہ پر اپنی جگہ حضرت ابُوذر غفاری کو حاکم مقرر فرمایا ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان بن عفان کو حاکم مقرر فرمایا۔ لشکر کو لیکر آپ ایک مقام وادی شقرہ پر پہنچے اور وہاں سے طلایہ گرد دستوں کو مختلف سمت روانہ فرمایا۔ ان دستوں نے رات کو واپس آکر آپ کو اطلاع دی کہ اُنھوں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ پس آپ آگے روانہ ہو کر مقام نخل پر آئے جو قبیلہ غطفان کی زمین میں نجد کا ایک گاؤں ہے۔ وہاں کی نشست گاہوں میں صرف عورتوں کو پایا جنھیں گرفتار کر لیا۔ یہ خبر ان کی قوم کو پہنچی تو وہ دہشت زدہ ہو کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ پھر ان کی ایک جمعیت جمع ہو کر آنحضرتؐ کے لشکر سے لڑنے کے لئے آئی۔ لیکن طرفین سے ایک دوسرے کو ڈرانے دھمکانے کے سوا کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

○

آخری غزوۂ بدر

اس کا نام غزوۂ بدر صغریٰ اور بدر موعدؔ بھی ہے۔ کیونکہ جنگ اُحد کے موقع پر آنحضرتؐ کا ابُوسفیان سے آئندہ سال اسی مقام پر مقابلہ کا وعدہ ہوا تھا۔ ایک نام بدر ثالثہ (تیسرا بدر) اور ایک نام غزوہ سویق (ستّو والا غزوہ) بھی ہے۔

آنحضرتؐ نے ماہِ شعبان سنہ ۴ھ میں ابُوسفیان سے وعدہ کے مطابق ڈیڑھ ہزار صحابہ اور دس گھوڑوں کے ساتھ بدر کی طرف کوچ فرمایا۔ اور مدینہ منوّرہ پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو حاکم مقرّر فرمایا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے علمِ مبارک اُٹھایا۔ ادھر ابُوسفیان دو ہزار قریشی فوج اور پچاس گھوڑوں کو لے کر نکلا اور مرّالظہران کے قریب ایک مقام پر خیمہ زن ہوا لیکن پھر اس کی رائے واپس لوٹ جانے کی ہوئی۔ چنانچہ اس نے قوم سے کہا اے جماعت قریش جنگ کے لئے شادابی و پیداوار کا سال تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے جس میں تم اپنے جانوروں کو چرا سکو اور دودھ پی سکو۔ کیونکہ موجودہ سال خشکی و قحط کا سال ہے۔ اس لئے میں تو واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلے چلو۔ اس بنا پر مکّہ والوں نے اپنی فوج کو "جیش سویق" (ستّو والی فوج) کے نام سے پکارا اور کہنے لگے کہ تم صرف ستّو پینے کے لئے گئے تھے۔ دراصل ابُوسفیان نے جنگ ملتوی کرنے کے لئے یہ حیلہ تراشا تھا۔ کیونکہ وہ شروع ہی سے جنگ نہ چاہتا تھا۔ بلکہ صرف اس لئے لشکر لے کر نکلا تھا کہ اُسے یہ طعنہ نہ دیا جائے کہ اس نے اپنا گزشتہ سال کا وعدہ پُورا نہ کیا۔ علاوہ ازیں اس کی واپسی کی رائے میں کسی قریشی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا جس سے معلوم ہُوا کہ خود فوج بھی لڑنا نہ چاہتی تھی۔ ابُوسفیان نے ابتدا میں ایک شخص نعیم نامی کو اس غرض سے مدینہ بھیجا تھا کہ وہ صحابۂ رسُول اللہ کو دشمن کی کثرت سے خوف زدہ کر کے انہیں مدینہ سے کوچ نہ کرنے پر آمادہ کرے تاکہ ابُوسفیان کو مکّہ کو لوٹ جانے کے لیئے عذر ہاتھ آجائے۔ لیکن آنحضرتؐ نے دشمن کے لشکر کی کثرت اور مُسلمانوں کی ہمّت شکنی کرنے والی باتوں کو سُن کر اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر کوئی بھی میرے ساتھ نہ نکلتا تو میں

۱؎ بمعنی وعدہ کی جگہ۔ م

اکیلا ہی مقابلہ کے لئے روانہ ہو جاتا۔

آپ بدر کے مقام پر ابوسفیان کی آمد کے انتظار میں آٹھ دن تک ٹھہرے رہے۔ اس عرصہ میں مسلمانوں نے وہاں اپنا تجارتی مال فروخت کر کے بہت نفع کما لیا۔ اسی سال ۴ھ میں آنحضرتؐ نے حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہؓ سے عقد فرمایا۔ اسی سال آپؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ یہود کی کتاب پڑھ لیں۔ چنانچہ انھوں نے پڑھ لی۔

اسی سال جمادی الاولیٰ میں عبداللہ بن عثمان بن عفان چھ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ جو آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کے بیٹے تھے۔ اسی سال حضرت حسین علیہ السلام تولد ہوئے۔

○

غزوہ دَومَۃُ الجندل

یہ مُلک شام کا پہلا غزوہ تھا

دومتہ الجندل ایک شہر کا نام ہے اور اس کے اور دمشق کے درمیان پانچ دن کی مسافت ہے، اور مدینہ سے پندرہ دن کی مسافت کی دُوری پر واقع ہے۔ یہ مدینہ کی سمت شام کا مدینہ سے سب سے قریبی شہر ہے جو تبوک کے قریب واقع ہے۔

یہ غزوہ ماہ ربیع الاول ۵ھ (جولائی ۶۲۶ء) میں پیش آیا۔ اس موقع پر آنحضرتؐ نے مدینہ پر حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو حاکم مقرر فرمایا۔ اس غزوہ کا سبب یہ ہُوا کہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ اس مقام پر ایک بڑی جمعیت ہے۔ جو ادھر سے گزرنے والوں پر ظلم ڈھاتی رہتی ہے اور اب یہ جماعت مدینہ کے قریب آنا چاہتی ہے۔ پس آنحضرتؐ ایک ہزار صحابہ کو لے کر اس طرف روانہ ہوئے اور آپ نے بنو عذرہ کا ایک شخص مذکور نامی جو راستہ بتانے والا تھا اپنے ساتھ لیا۔ آپؐ کے پُہنچنے پر دومتہ الجندل والوں پر آپ کی ہیبت چھا گئی اور وہ منتشر ہو گئے۔ پس آنحضرتؐ مدینہ واپس ہو گئے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے ان کے چھوڑے ہُوئے اُونٹ پکڑ لیئے۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ آنحضرتؐ ان تک پہنچنے سے پہلے ہی واپس ہو گئے تھے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ بقیہ سال آپ مدینہ ہی میں تشریف فرما رہے۔

○

آنحضرت کا حضرت زینب بنت جحش رض سے عقد

آنحضرت نے حضرت زینب بنت جحش بن رئاب اسدیہ رض سے ماہ صفر ۵ھ م جون ۶۲۶ء میں عقد فرمایا۔ یہ خاتون عبداللہ بن جحش رض کی ہمشیرہ تھیں اور ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب آنحضرت کی پھوپھی تھیں حضرت زینب پہلے اسلام لانے والوں میں تھیں۔ حضرت زید بن حارثہ رض کے انھیں طلاق دینے کے بعد آپ نے ان سے عقد فرما لیا۔

حضرت زید بن حارثہ رض حضرت خدیجہ رض کے غلام تھے۔ جنھیں انھوں نے آپ کی نبوت سے قبل آپ کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ آنحضرت نے انھیں آزاد کر کے اپنا متبنّٰی[1] بنا لیا۔ اسی لئے لوگ انھیں زید بن محمد کہہ کر پکارتے تھے۔ آنحضرت نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رض کا ان سے عقد فرما دیا تھا۔ جب آنحضرت نے ان سے ان کا رشتہ حضرت زید سے مانگا تو انھوں نے زید سے عقد کرنے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت نے ان پر زور دیا کہ آپ ان سے عقد کر لیں۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں اپنے دل سے مشورہ کروں گی۔

ابھی یہ دونوں یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا	جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ فرما دیں
قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ	تو پھر کسی مومن مرد یا کسی مومنہ عورت کو اپنے معاملہ کا کوئی
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ	اختیار باقی نہیں رہتا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝	نافرمانی کی۔ وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

تب حضرت زینب رض نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا آپ نے حضرت زید کو مجھ سے نکاح پر راضی کر لیا ہے۔ فرمایا ہاں۔ عرض کیا۔ تب میں رسول اللہ کی حکم عدولی نہیں کرتی۔ میں نے خود کو ان کے عقد میں دے دیا۔

ابتدا میں ان کے اس عقد سے اعراض کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتی تھیں کہ زید غیر کفو ہیں اور وہ حسب نسب میں ان سے کہیں بہتر و افضل ہیں اور ان کے مزاج میں تیزی و غصہ تھا لیکن جب اس کے متعلق آیت

[1] منہ بولے بیٹے کو متبنّٰی کہا جاتا ہے۔ م

نازل ہوئی تو وہ راضی ہوگئیں۔ پھر حضرت زید آنحضرتؐ سے ان کی شکایت کرتے رہتے تھے کیونکہ وہ انھیں تکلیف پہنچاتی تھیں اور اپنے اعلیٰ نسب اور حضرت زید کے غیر کفو ہونے کی وجہ سے ان پر اپنی بڑائی جتاتی رہتی تھیں۔ اس پر آنحضرتؐ انھیں سمجھاتے تھے کہ اپنی بیوی سے وابستگی باقی رکھو یعنی انھیں طلاق نہ دو لیکن وہ ان کے ساتھ نباہ نہ کرسکے۔ بالآخر طلاق دے دی اور یہ امر طبعی ہے کیوں کہ کوئی شخص ایسی خاتون سے نباہ نہیں کرسکتا جو شوہر پر اپنی بڑائی جتاتی ہو اور خود کو اس سے برتر سمجھتی ہو۔

جب حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہوگئی تو آنحضرتؐ نے اپنے عمل سے تبنیت کے تعلق کو کالعدم ثابت کرنے کے لئے ان سے خود عقد فرمایا کہ شریعت کے احکام آپ کے قول کی طرح آپ کے فعل سے بھی مستنبط ہوتے ہیں۔ اس طرح حق تعالیٰ نے متبنّیٰ کی مطلقہ بیوی کی اس پر حرام ہونے کو منسوخ و باطل قرار دینے کا اظہار فرمایا۔ پس ارشاد ہوا:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ	محمدؐ تم میں سے کسی کے بھی باپ نہیں ہیں۔

نیز فرمایا:۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ	تم انھیں ان کے حقیقی باپوں کے ناموں سے پکارا کرو
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ	کہ اللہ کے نزدیک یہی قرین انصاف ہے۔

اس کے بعد حضرت زید کو زید بن حارثہ کہہ کر پکارا جانے لگا۔

نیز حق تعالیٰ نے فرمایا:۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا	جب حضرت زید حضرت زینب سے اپنی حاجت پوری کر
لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ	چکے تو ہم نے ان کا عقد آپ سے کر دیا تاکہ دوسرے مومنوں کو
فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ	اپنے متبناؤں کی مطلقہ بیویوں سے عقد کرنے میں کوئی رکاوٹ
وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ○	نہ ہو اور اللہ کا حکم پورا ہی ہونے والا تھا۔

حق تعالیٰ نے اس سے قبل ہی آنحضرتؐ پر وحی نازل فرمادی تھی کہ زید عنقریب اپنی بیوی کو طلاق دے دیں گے۔ ان کے بعد آپ ان سے عقد کرلیں لیکن آنحضرتؐ نے اسے پوشیدہ رکھنے کا اہتمام فرمایا اور حضرت زید سے بھی فرمایا کہ اپنی بیوی سے تعلق باقی رکھو۔ لیکن اس پر حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ پر

عتاب فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ

اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے بنا انعام کیا اور آپ نے بھی ان پر احسان کیا تھا فرما رہے تھے کہ ابھی اپنی بیوی کو روکے رکھو طلاق نہ دو۔ اللہ سے ڈرو کہ آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے رکھنا چاہتے ہیں جسے خدا ظاہر کر دینا چاہتا ہے۔ آپ لوگوں کے طعن سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ صرف حق تعالیٰ ہی کی وہ مستی ہے جس سے آپ کو ڈرنا چاہیئے۔

اور یہ عتاب افضل بات ترک کر دینے پر ہُوا تھا۔ کیونکہ ایسے موقع پر آنحضرتؐ کے لیئے خاموشی اختیار کرنا یا حضرت زید کا معاملہ انہی کی مرضی پر چھوڑ دینا بہتر تھا۔

آنحضرتؐ نے حق تعالیٰ کی زید کے حضرتؓ زینب کو طلاق دینے پھر آپکے ان سے عقد کر لینے کے حکم سے متعلق وحی کو لوگوں سے اس اندیشہ کی بنا پر چھپائے رکھا کہ دشمنانِ اسلام و منافقین آپ کو طعنہ دیں گے۔ پس اس پر آپ پر عتاب ہُوا۔ آپنے اس لئے بھی کسی وحی کی اطلاع نہ دی تھی کہ آپ کو اس کا حکم نہ دیا گیا تھا بلکہ یہ صرف آپ کو اطلاع دی گئی تھی۔

اس قصّہ کے متعلق قصاص کی کچھ اور ہی رائے ہے جو قابل قبول نہیں اور ایسی بات کی نسبت سے آنحضرتؐ کی ذات گرامی کو بری رکھنا چاہیئے۔

حضرت زینب بنت جحش رضؓ دوسری ازواج مطہرات پر اپنا فخر بیان کیا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ حق تعالیٰ نے آسمان سے میرا عقد فرما دیا تھا۔

آنحضرتؐ نے اس عقد کا ولیمہ گوشت روٹی سے کیا تھا۔ یہ نہایت صالح، صائم الدہر قائم اللیل اور بہت خیرات کرنے والی خاتون تھیں۔ یہ ذاتی کسب سے کما کر خیرات کرتی تھیں۔ ان کا اصلی نام "برہ" تھا۔ پھر آنحضرتؐ نے زینب رکھ دیا تھا۔ آپ سے عقد کے وقت ان کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ انہی زینب کی وجہ سے پردہ کی آیت نازل ہوئی تھی۔

سنہ ۲۰ھ میں بعمر ۵۳ سال ان کا وصال ہو گیا۔ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد وفات پانے والی یہ

سب سے پہلی زوجۂ مطہرہ تھیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے ان کی خدمت میں بارہ ہزار درہم کی رقم بھیجی جیسا کہ انھوں نے تمام ازواج مطہرات کے لئے بطور وظیفہ سالانہ رقم مقرر کر دی تھی۔ انھوں نے اُسے لے کر تمام کی تمام اپنے غریب اعزہ اور یتیموں میں تقسیم فرما دی۔ پھر خدا سے دعا کی۔ "اے خدا! اس کے بعد مجھے عمر بن خطاب کی بخشش نصیب نہ ہو"۔ پس اس کے بعد ان کا وصال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے نماز پڑھائی اور حضرت اسامہ بن زیدؓ محمد بن عبداللہ بن جحشؓ اور عبداللہ بن ابی احمد بن جحشؓ آپ کی قبر میں اُترے۔ کہا گیا ہے کہ یہ پہلی خاتون تھیں۔ جن کی میت لے جانے کے لئے حضرت اسماء بنت عمیسؓ کے بتانے پر ڈولا تیار کیا گیا تھا۔ جس کا رواج انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ انھیں عقیل اور ابن حنفیہ کے مکانوں کے درمیان جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ زینب بنت جحشؓ پر رحم فرمائے۔ انھوں نے دنیا میں وہ شرف پایا۔ جس کے برابر اور کوئی شرف نہیں وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ سے دنیا میں ان کا عقد خود فرمایا اور قرآن پاک میں اس کا ذکر فرمایا۔ پھر ہم سب آنحضرتؐ کے پاس جمع تھیں کہ آپ نے فرمایا۔ "تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ آکر ملے گی جو زیادہ کریم النفس و باعزت ہو گی۔"

اس طرح آنحضرتؐ نے انھیں جلد آپ سے جاملنے کی خوشخبری سنائی اور وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ رہیں گی۔

○

غزوۂ مُریسیع یا غزوۂ بنی المُصطلِق

"مُریسیع" بنو خزاعہ کے کنوئیں کا نام ہے۔ اس غزوہ کا نام غزوہ بنی المصطلق بھی ہے جو بنو خزاعہ کی ایک شاخ کا نام ہے۔ یہ شعبان ۵ھ (م۔ دسمبر ۶۲۶ء) میں واقع ہوا جس کا سبب یہ ہوا کہ حارث بن ابی ضرار خزاعی نے آنحضرتؐ سے جنگ کی غرض سے ایک لشکر جمع کر لیا۔ اس اطلاع پر آنحضرتؐ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ بہت سے منافق بھی روانہ ہوئے جو اس سے پہلے کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ کے ہمراہ تیس گھوڑے تھے۔ دس مہاجرین کے تھے بیس انصار کے۔ اس موقع پر آپ نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہؓ کو اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابوذر غفاریؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمّ سلمہؓ بھی آپ کی ہمسفر تھیں۔ آنحضرتؐ نے مشرکوں کے ایک جاسوس کو قتل کرا دیا۔ آپ قدید کی طرف سے ساحل کو جانے والی راہ پر واقع مقام مریسیع پر پہنچے اور وہاں جہاد کے لئے اپنے صحابہ کی صف بندی کی مہاجرین کا علم حضرت ابوبکرؓ کو اور انصار کا علم حضرت سعد بن عبادہؓ کو عطا فرمایا۔ پھر مسلمانوں نے مشرکین پر حملہ کر کے دس کو قتل کر ڈالا۔ باقی کو گرفتار کر لیا۔ جن کی تعداد سات سو سے زیادہ تھی۔ مسلمانوں نے ان کے مردوں عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا اور ان کے اُونٹ و بکریوں کو ہانک کر لے گئے۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص ہشام بن صبابہؓ نامی قتل ہوئے وہ بھی مسلمان ہی کے ہاتھوں غلطی سے مارے گئے۔ جنھیں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی جماعت کے ایک انصاری نے غلطی سے دشمن کا آدمی سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔

ان قیدیوں میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جُوَیریہ بھی تھیں جو مسافع بن صفوان کی بیوی تھیں۔ مسافع اس جنگ میں قتل ہو گیا تھا۔ جویریہ کا نام "بَرّہ" تھا جسے بدل کر آنحضرتؐ نے جویریہ رکھ دیا تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ نے بنو مُصطلق کے قیدیوں کو تقسیم فرمایا تو جویریہ بنت حارث، حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ جویریہ نے ان سے اپنی آزادی کے لئے مکاتبت کا معاملہ طے کر لیا۔ یہ بہت حسین وجمیل اور صبیح وملیح

خاتون تھیں جو انھیں دیکھتا دل تھام کر رہ جاتا۔ یہ اپنی کتابت کی رقم کی ادائی میں مدد لینے کی غرض سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جونہی میں نے انھیں دیکھا۔ مجھے ان کا آنا ناگوار گزرا اور میں نے دل میں کہا کہ ان کا جو حسن و جمال میں نے دیکھا ہے اب وہ آنحضرتؐ بھی دیکھیں گے جب یہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔ مجھ پر جو مصیبت آپڑی ہے۔ وہ آپ سے مخفی نہیں ہیں نے اپنے آقا سے اپنی آزادی کے لئے کتابت کا معاملہ طے کر لیا ہے۔ پس میری عرض ہے کہ آپ کتابت کی رقم ادا کرنے میں میری مالی مدد فرمائیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اس سے بھی ایک بہتر شکل ہے اگر منظور ہو۔ وہ یہ کہ میں تمھاری طرف سے کتابت کی پوری رقم ادا کر دوں اور تم سے خود نکاح کر لوں۔ اس نے کہا بہت مناسب۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس پر عمل فرمایا۔ لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ آپ نے جویریہ سے عقد فرمالیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ بنو مصطلق والے اب آنحضرتؐ کے سسرال ہو گئے۔ اس لئے انھوں نے اپنی اپنی خوشی سے بنو مصطلق کے قیدیوں کو جو ان کے حصہ میں آئے تھے آزاد کر دیا۔ چنانچہ ان خاتون کی وجہ سے ان کے قبیلہ کے سو آدمی آزاد ہو گئے۔ مجھے کسی اور ایسی خاتون کا علم نہیں ہے جس سے اس کی قوم کو اتنا بڑا فائدہ پہنچا ہو۔

آنحضرتؐ نے ان سے عقد کے بعد انھیں پردہ کرا دیا اور ان کی باری مقرر فرما دی۔ آنحضرتؐ سے عقد کے وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ ۵۰ھ میں پینسٹھ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے آنحضرتؐ سے عقد کی وجہ سے خدا نے بنو مصطلق کے بیشتر افراد کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پھر ان کے والد حارث بھی اسلام لے آئے۔ ان ہی واقعات سے آنحضرتؐ کے ان سے عقد فرمانے کی حکمت کا اظہار ہوتا ہے۔

ہشام بن صبابہؓ کا قتل

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ ہشام بن صبابہؓ ایک انصاری کے ہاتھوں غلطی سے مارے گئے تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ مسلمان مریسیع کنوئیں پر جمع تھے کہ دوسرے لوگوں کا ایک مجمع بھی وہاں آپہنچا اور حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ قبیلۂ بنو غفار کا ایک مزدور جہجاہ بن سعید نامی تھا جو ان کے گھوڑے کو پکڑ کر لے چل رہا تھا۔ کنوئیں پر بنو عوف بن خزرج کے حلیف سنان جہنی اور جہجاہ کی مڈبھیڑ ہو گئی اور دونوں میں جھگڑا

پیدا ہو گیا۔ پس جہنی نے اپنے ساتھیوں کو پکارا اور کہا اے جماعت انصار! اور جہجاہ نے اپنے ساتھیوں کو پکارا اور کہا۔ اے جماعت مہاجرین۔ اس پر عبداللہ بن اُبی بن سلول بھڑک اُٹھا۔ اس وقت اس کے پاس اس کی قوم کے کچھ آدمی جمع تھے۔ جن میں ایک کم عمر لڑکا زید بن ارقم بھی تھا۔ عبداللہ نے کہا۔ کیا یہ لوگ ایسا کرنے لگے۔ یہ ہمارے ہی شہروں میں آکر ہم سے ہی حقارت سے پیش آنے اور ہم پر ہی اپنی برتری جتانے لگے۔ واللہ! یہ قریش کے فسادی لوگ ہم سے ایسی ہی دشمنی رکھنے لگے جیسا ایک قائل کا قول ہے "اپنے کُتّے کو کھلا پلا کر موٹا کر۔ پھر وہ تجھے ہی کاٹ کھائے گا"

خُدا کی قسم! جب ہم مدینہ کو واپس ہوں گے تو وہاں پہنچ کر وہاں کا معزز طبقہ وہاں کے ذلیل طبقہ کو نکال باہر کرے گا"

اس کے بعد اپنی قوم کے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ یہ تم نے خود ہی اپنے پیر پر کلہاڑی ماری ہے۔ اس لئے کہ تم نے انھیں اپنے شہروں میں پناہ دی اور اپنی دولت ان میں تقسیم کی۔ واللہ! اگر تم ان لوگوں سے ہاتھ روک لیتے اور اپنے اموال انھیں نہ دیتے تو یہ تنگ آکر کسی اور طرف چلے جاتے۔

زید بن ارقم نے جو ایک کمسن لڑکا تھا یہ بات سُنی اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو یہ سب قصّہ کہہ سنایا۔ یہ آنحضرتؐ کی دشمن سے فراغت کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس وقت آنحضرتؐ کے پاس عمر بن خطابؓ حاضر تھے۔ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! عباد بن بشر بن وقشؓ کو حکم دیجئے کہ وہ اس کی گردن اڑا دیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے عمر! اس وقت کیا ہوگا۔ جب یہ لوگ باہم یہ چہ میگوئیاں کرنے لگیں گے کہ محمدؐ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے لگے۔ نہیں۔ یہ مناسب نہیں۔ پس بہتر یہی ہے کہ اب یہاں سے کوچ کر دیا جائے"

یہ وہ وقت تھا جس میں آنحضرتؐ عام طور سے سفر فرمانے کے عادی نہ تھے مگر آپ کے حکم پر سب لشکر چل پڑا۔

جب عبداللہ بن اُبی بن سلول کو یہ خبر پہنچی کہ زید بن ارقم نے اس کی بات سُن کر سب کی سب جا کر آنحضرتؐ کو سُنا دی ہے تو وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حلفیہ بیان کیا کہ زید نے آپ سے جو کچھ بیان کیا ہے میں نے وہ بات نہیں کی نہ ہی میں اس بارے میں کچھ بولا ہوں۔ عبداللہ اپنی

قوم کا بہت معزز شخص تھا۔ اس لئے اس وقت آنحضرتؐ کی خدمت میں جو انصار موجود تھے انھوں نے عبداللہ کا دفاع اور اس کی طرفداری کرتے ہوئے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! ممکن ہے اس لڑکے کو عبداللہ کی بات میں کچھ وہم ہوگیا ہو اور ان کی صحیح بات اُسے یاد نہ رہی ہو۔ جب آنحضرتؐ واپسی کے لئے روانہ ہونے لگے تو اسید بن حضیرؓ نے حاضر خدمت ہو کر پہلے سلام عرض کیا اور آدابِ نبوت پیش کیا۔ پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ بہت سویرے چل پڑے۔ حالانکہ آپ ایسے وقت کبھی سفر نہ فرماتے تھے۔ آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا۔ کیا تمھیں کچھ علم ہے۔ تمھارے ساتھی نے کیا بات کہی ہے۔ انھوں نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! کون سا ساتھی؟ فرمایا۔ عبداللہ بن اُبی۔ انھوں نے دریافت کیا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ وہ کہتا ہے کہ جب وہ مدینہ واپس ہوگا۔ تو وہاں کا معزز طبقہ پست طبقہ کو نکال باہر کرے گا۔

حضرت اُسید نے عرض کیا۔ واللہ! یا رسول اللہؐ! اگر آپ چاہیں تو آپ ہی اسے وہاں سے نکال باہر کریں۔ واللہ وہ خود ہی ذلیل ہے آپ معزز ہیں۔ پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس سے نرمی کا برتاؤ کیجئے۔ اس لئے کہ عین اس وقت جب اس کی قوم اس کے لئے موتی جواہرات کا تاج تیار کر رہی تھی تاکہ اس کی تاج پوشی کرے تو خدا نے آپ کو بھیج دیا۔ تب سے اس کا یہ خیال ہے کہ آپ نے اگر اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔

پھر آنحضرتؐ نے اس روز شام تک لشکر کو سفر میں رکھا۔ پھر رات بھر سفر جاری رہا حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ پھر دُوسرے دن بھی تمام دن لشکر کا سفر جاری رہا اور لوگ دُھوپ میں سفر کی وجہ سے شدید گرمی سے پریشان ہو گئے۔ پھر شام کو اپنے لشکر کو ٹھہرا دیا۔ لوگوں کے بدن جونہی زمین پر ٹکے اُنھیں فوراً ہی نیند آگئی۔

آپ نے یہ اس لئے کیا تاکہ لوگ کل کی عبداللہ بن اُبی والی بات کو بھول جائیں۔ پھر تیسرے دن آپ اس لشکر کو حجاز کی طرف لے کر روانہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ سرزمین حجاز میں داخل ہو کر وہاں کے ایک کنوئیں پر پڑاؤ ڈالا جس کا نام "فویق النقیع" تھا۔ اُسے نقعا بھی کہا جاتا تھا۔

جب آنحضرتؐ روانہ ہوئے تو سخت قسم کی آندھی چلی جس سے لوگ پریشان ہو گئے اور اس کی شدت سے دہشت زدہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ یہ ہوا کسی بڑی

کافر شخصیت کی موت کی وجہ سے چلی ہے۔ جب یہ لوگ مدینہ واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ رفاعہ بن ثابت بن ثابوت اسی دن مر گیا تھا جس دن آندھی چلی تھی۔ یہ قبیلہ بنو قینقاع کا ایک فرد اور یہود کا بہت بڑا آدمی اور منافقوں کے لئے ایک محفوظ قلعہ اور ان کی پناہ گاہ تھا۔

جس سورت میں حق تعالیٰ نے منافقین کا ذکر کیا ہے۔ وہ عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس جیسے منافقوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ — جب تمہارے پاس منافق کوئی خبر لے کر آئیں۔

پس آنحضرتؐ نے حضرت زید بن ارقم کو بلا بھیجا اور انھیں یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ پھر فرمایا۔ خدا نے تمہاری بات کی تصدیق فرمادی۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کو اپنے باپ کے اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ کو عبداللہ بن اُبی کی نامناسب گفتگو کی جو اطلاع ملی ہے آپ اس کی پاداش میں انھیں قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ اگر آپ واقعی ایسا کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے۔ میں ان کا سر کاٹ کر خدمت اقدس میں پیش کر دوں گا۔ کیونکہ خدا کی قسم اہل خزرج اس سے بخوبی واقف ہیں کہ ان میں ایک فرد بھی مجھ سے زیادہ اپنے باپ سے حسن سلوک کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ میرے سوا کسی دوسرے کو اس کا حکم دیں اور وہ میرے باپ کو قتل کر دے تو میرا نفس اُسے برداشت نہ کر سکے گا کہ میں عبداللہ بن اُبی کے قاتل کو لوگوں میں چلتا پھرتا دیکھوں۔ ممکن ہے کہ میں اس جذبہ کے تحت اُسے قتل کر دوں اور اس طرح ایک مومن کو ایک کافر کے بدلے قتل کر ڈالنے کا مرتکب ہو کر جہنم میں داخل ہو جاؤں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ نہیں ہم اسے قتل نہ کریں گے بلکہ نرمی کا برتاؤ کریں گے اور جب تک وہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ ہم اس سے اچھی طرح پیش آتے رہیں گے۔

ادھر مقیس بن صبابہ مکہ سے آیا اور خود کو مسلمان ظاہر کیا اور آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں آپ کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوا ہوں اور آپ سے اپنے مقتول بھائی کا خون بہا لینے آیا ہوں جو غلطی سے مارے گئے تھے۔ اس پر آنحضرتؐ نے اس کے بھائی ہشام بن صبابہؓ کا خون بہا ادا کر دینے کا حکم فرمایا۔ پس مقیس آنحضرتؐ کی خدمت میں تھوڑی دیر ٹھہرا۔ پھر جا کر اپنے بھائی کے قاتل

انصاری پر حملہ کر کے انھیں قتل کر ڈالا۔ پھر مرتد ہو کر (ترک اسلام کر کے) مکہ واپس چلا گیا۔

تیمّم کی آیت

تیمّم کی آیت اسی غزوہ میں نازل ہوئی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ اثنائے راہ میں حضرت عائشہؓ کا گلے کا ہار کہیں گر گیا جسے تلاش کرتے کرتے آنحضرتؐ اور دوسرے صحابہ پانی سے بہت دور نکل گئے۔ ادھر آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ کی ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے اور جب صبح ہوئی تو وہاں پانی کا نشان تک نہ تھا۔ اسوقت حق تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی پس ہار کی گمشدگی اس آیت کے نزول کا سبب بن گئی۔

حضرت ابوبکرؓ پہلے تو حضرت عائشہؓ پر خفا ہورہے تھے[1] لیکن نزولِ آیت کے بعد فرمایا "واللہ اے میری بیٹی! جیسا تجھے معلوم ہے تو صاحب خیر و برکت[2] ہے۔"

تیمّم کی آیات سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ میں مذکور ہیں۔

○

ؔ۱ خفگی ہار کی وجہ سے آنحضرتؐ کی پریشانی اور پانی کی نایابی کی بناء پر ہوگی۔ م

ؔ۲ برکت اس لئے کہ ان کے طفیل مسلمانوں کو تیمّم کی سہولت حاصل ہوگئی۔ م

حضرت عائشہؓ اور افک کا واقعہ

افک کا واقعہ غزوہ بنی المصطلق میں پیش آیا۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ البتہ علمائے سیرت میں اس پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا تیمم کی آیت کا واقعہ پہلے پیش آیا تھا یا افک کا واقعہ۔

واقعہ افک کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے غزوہ سے فراغت کے بعد جب قافلہ کوچ کر گیا تو حضرت عائشہؓ جو اس کی روانگی سے قبل رفعِ حاجت کے لئے اسلامی لشکر سے دُور نکل گئی تھیں اور لشکر سے منقطع ہو گئی تھیں۔ جب وہ قافلہ کی طرف واپس آرہی تھیں تو انھیں معلوم ہوا کہ ان کا ہار گم ہو گیا ہے اس لئے وہ واپس جا کر اسے تلاش کرنے لگیں۔ وہ ہار تو مل گیا لیکن جب پڑاؤ پر واپس آئیں تو دیکھا کہ لشکر روانہ ہو چکا ہے۔ پس وہ وہیں بیٹھ گئیں اور ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا تو وہیں سو رہیں۔ صفوان بن مُعطّل سُلمی جو اسلامی لشکر کے پیچھے (لشکر کے سامان کی دیکھ بھال کو) چلا کرتے تھے۔ ان کی نظر آپؓ پر پڑی تو ان کے مُنہ سے بے ساختہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن نکل گیا۔ یہ سُن کر اک دم حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی۔ پس انھوں نے اپنے اُونٹ کو بٹھا کر انھیں اس پر سوار کر دیا اور خود مہار پکڑ کر پیدل روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ مقام "نحر الظہیرہ" میں لشکر سے جا ملے۔ اس واقعہ کو بہانہ بنا کر عبداللہ بن اُبی نے لشکر میں افک[1] کا واقعہ پھیلا دیا۔ پھر لشکر کے مدینہ پہنچنے کے بعد یہی بات وہاں بھی پھیل گئی۔ کیونکہ عبداللہ بن اُبی کو آنحضرتؐ سے شدید عداوت تھی۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ بیمار پڑ گئیں اور مہینہ بھر بیمار رہیں۔ ادھر اس شہرت پر آنحضرتؐ کو بھی بہت بدگمانی اور بے چینی رہی۔ پھر حضرت عائشہؓ آپ کی اجازت سے اپنے والد کے گھر چلی گئیں۔ انھیں لوگوں کی چہ میگوئیوں اور چرچوں کا علم ہو چکا تھا۔ پس انھوں نے اپنی والدہ سے پُوچھا لوگ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں؟ انھوں نے کہا۔ اے پیاری بیٹی! تم اپنے اوپر رحم کرو۔ ان باتوں کی پروا نہ کرو۔ خدا کی قسم! جب کبھی کوئی حسین و جمیل عورت کسی شخص کی زوجیت میں ہو جو اس سے محبّت رکھتا ہو اور اس کی دُوسری بیویاں بھی ہوں تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس کے متعلق غلط افواہیں اڑاتی رہتی ہیں پس لوگوں کی تہمت پر حضرت عائشہؓ پھُوٹ پھُوٹ کر روئیں۔ حال یہ تھا کہ شدّتِ رنج و گریہ سے

---

[1] ابن عمر کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن اُبی نے کہا۔ ربِ کعبہ کی قسم! صفوان نے نعوذ باللہ حضرت عائشہؓ سے فحش کام کیا ہے۔ م

انھیں رات رات بھر نیند نہ آتی تھی۔

ادھر آنحضرتؐ اس واقعہ پر بے حد رنجیدہ تھے اور دیر سے وحی بھی نازل نہ ہوئی تھی اس لئے آپ نے اس معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کے سوا کوئی چارۂ کار نہ دیکھا۔ پس آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بُلا کر ان سے اپنی زوجہ کو طلاق دینے سے متعلق مشورہ فرمایا۔ حضرت اسامہؓ آپ کی زوجہ مطہرہ کی پاک بازی اور تہمت سے بری ہونے کے متعلق جو جانتے تھے وہ انھوں نے بیان کر دیا لیکن حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ نے آپ پر تنگی نہیں کی۔ آپ کے لئے حضرت عائشہؓ کے سوا اور بہت سی عورتیں موجود ہیں۔ ان کی یہ بات حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوئی۔ تو وہ زندگی بھر اس کو نہ بھول سکیں۔ پھر حضرت علیؓ نے یہ بھی عرض کیا کہ آپ اس لونڈی سے دریافت فرمالیں جو حضرت عائشہؓ کی خادمہ تھی۔ وہ صحیح کیفیت بتادے گی۔ چنانچہ آپ نے "بریرہ" کو بُلا کر پُوچھا تو انھوں نے قسم کھا کر عرض کیا کہ اس نے حضرت عائشہؓ میں کبھی کوئی ایسی معیوب بات نہیں دیکھی

ادھر حضرت عائشہ کو توقع تھی کہ آنحضرتؐ نیند میں کوئی خواب دیکھیں گے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ ان کی برات واضح فرمادے گا۔ یہ خیال بھی نہ تھا کہ حق تعالیٰ ان کی شان میں وحی نازل فرمادے گا۔ آنحضرتؐ ابھی اپنے معاملہ میں حیرت و تردّد میں مبتلا تھے کہ آپ پر حضرت عائشہؓ کی اس تہمت سے بری ہونے کے متعلق وحی نازل ہوئی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْہُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْھُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○	جنھوں نے (حضرت عائشہؓ پر) جھوٹی تہمت رکھی تھی بلاشبہ وہ تم ہی میں ایک چھوٹی سی جماعت تھی۔ تم اس بات کو بُرا نہ سمجھو بلکہ انجام کار اس میں تمھارے لئے بہتر ہی ہے۔ ان لوگوں میں سے جس نے یہ گناہ کیا تھا اسے اس کی سزا ملے گی اور جو اس کام میں ان کا سرغنہ (عبداللہ بن ابی منافق) تھا۔ اسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

تہمت لگانے والوں میں حضرت حسان بن ثابتؓ، مسطح بن اثاثہ، حمنہ بنت جحشؓ اور عبداللہ بن ابی منافق شامل تھے۔

---

[۱] حمنہ بنت جحش آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد بہن اور ام المؤمنین زینب بنت جحش کی حقیقی بہن تھیں۔ م

جب وحی سے حضرت عائشہؓ کی براءت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے ان سب کو اسّی اسّی کوڑے (بطور حدِ تہمت) لگوائے۔ مگر عبداللہ بن ابی کو نہیں لگائے بلکہ اسے چھوڑ دیا۔ عبداللہ بن رواحہ نے اسی واقعہ پر یہ اشعار کہے ہیں:۔

لَقَدْ ذَاقَ حَسَّانُ الَّذِیْ ھُوَ اَھْلُہٗ
وَحِمْنَۃُ اِذْ قَالُوْا ھَجِیْرًا وَمِسْطَحُ
تَعَاطَوْا بِرَجْمِ الْغَیْبِ زَوْجَ نَبِیِّھِمْ
وَسُخْطَۃَ ذِی الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ فَاَبْرَحُوْا

حسان، حمنہ اور مسطح نے اپنی تہمت کا مزا چکھ لیا جس کے وہ مستحق تھے۔ انھوں نے اپنے نبی کی زوجۂ مطہرہ کو محض اپنے خیال و وہم کی بنا پر تہمت لگائی اور انھوں نے صاحبِ عرش کریم کی ناراضی مول لی۔ مگر پھر وہ اس جرم سے بری ہو گئے۔

سہیلی کہتے ہیں کہ جس نے حضرت عائشہؓ کی طرف نعوذ باللہ زنا کی نسبت کی وہ کافر ہو گیا کیونکہ یہ تہمت نصوصِ قرآنی کی تکذیب ہے، جن کا جھٹلانے والا کافر ہے۔

حضرت عُروہ نے کہا ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو فقہ، طب اور شعر کا عالم نہیں دیکھا۔ اگر حضرت عائشہؓ کے اور فضائل نہ ہوتے تو صرف قصۂ افک ہی ان کی علوِ شان اور عظمت و فضیلت کے لئے بہت کافی ہے۔ کیونکہ ان کی شان میں قرآن نازل ہوا جس کی قیامت تک تلاوت کی جاتی رہے گی۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ آپ نے بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت جب کسی سفر کا قصد فرماتے تو ازواجِ مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے تھے۔ پس جس کسی کا نام نکلتا اُسے آپ سفر میں ساتھ لے جاتے تھے۔ جب آپ نے غزوہ بنی المصطلق میں قُرعہ اندازی کی تو میرا نام نکلا۔ اس لئے میں آپ کے ہمراہ روانہ ہوئی۔ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ پس طریقہ یہ تھا کہ میں ہودج میں بیٹھ جاتی جسے اُٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا۔ اسی طرح منزل پر ہودج اُتار دیا جاتا۔ پس ہم روانہ ہو گئے۔ جب آنحضرتؐ اپنے اس معرکہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے اور ہم شہر کے قریب پہنچے تو آپ نے رات کے وقت کوچ کا حکم فرما دیا۔ اس وقت میں رفعِ حاجت کے لئے لشکر سے دُور جنگل میں گئی ہوئی تھی۔ جب فراغت کے بعد میں قافلہ کی طرف جا رہی تھی تو میرا ہاتھ سینہ پر پڑا۔ تب مجھے معلوم ہُوا کہ میرا ظفار[1] کا بنا ہوا نگینوں کا ہار کہیں گر گیا ہے۔ اس لئے میں اس

---

[1] ظفار یمن کے ایک شہر کا نام ہے۔ م

کی تلاش میں واپس لوٹی۔ اس میں مجھے کچھ دیر ہو گئی ادھر جو ساربان مجھے سوار کرانے پر مامور تھے، انھوں نے وہ ہودج جس میں میں بیٹھتی تھی اُٹھا کر اُونٹ پر رکھ دیا اور وہ اس خیال میں رہے کہ میں اس کے اندر موجود ہوں۔ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں۔ بھاری بدن کی نہ تھیں نہ ان پر گوشت چڑھتا تھا۔ کیونکہ وہ بہت تھوڑا کھانا کھاتی تھیں۔ اس لئے ہودج اُٹھاتے وقت ساربانوں کو اس کا کوئی بار محسوس نہ ہوا۔ پھر میں تھی بھی کم عمر۔ پس انھوں نے اونٹ کو ہانک دیا اور قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ جب لشکر جا چکا تو مجھے میرا ہار مل گیا مگر جب میں منزل پر پہنچی تو وہاں کوئی باقی نہ رہا تھا۔ لہٰذا میں اسی جگہ ٹھہر گئی اور یہ خیال کیا کہ جب وہ مجھے نہ پائیں گے، تو مجھے لینے کو واپس آئیں گے۔ وہاں بیٹھے بیٹھے میری آنکھ جھپک گئی اور میں سو گئی۔ صفوان بن معطل سلمی ثمّ ذکوانی لشکر کے بعد روانہ ہوئے تھے۔ وہ صبح کے وقت میرے ٹھکانہ سے گزرے تو انھوں نے ایک سوئے ہوئے انسان کو دیکھا اور قریب آئے۔ وہ پردہ کے حکم سے پیشتر مجھے دیکھ چکے تھے۔ پس مجھے دیکھ کر ان کی زبان سے کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن جاری ہوا جس سے میں بیدار ہو گئی۔ انھوں نے اپنا اُونٹ بٹھایا اور اس کے گھٹنوں کو جھکا دیا۔ پس میں اس پر سوار ہو گئی اور وہ پا پیادہ اُونٹ کو چلاتے ہوئے لے چلے۔ جب ہمارے لشکر نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا تو ہم وہاں اس سے جا ملے۔ اہلِ لشکر دوپہر کی شدید گرمی میں بھُن رہے تھے جس سے بعض ہلاک بھی ہو گئے تھے۔ مجھ پر تہمت کا بانی عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا۔ ہم جب مدینہ واپس آ گئے تو میں وہاں ایک ماہ تک بیمار رہی اور لوگ تہمت لگانے والوں کی بات پر کانا پھُوسی کرتے رہے اور مرض کی حالت میں اس امر پر مجھے کچھ شبہ سا ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ حالتِ مرض سے پہلے مجھ سے جس مہربانی سے پیش آیا کرتے تھے۔ اب میں وہ بات نہ دیکھتی تھی۔ بس اتنا ہوتا کہ آپ تشریف لا کر سلام کرتے اور دوسروں سے پُوچھتے۔ یہ اب کیسی ہیں۔ مجھے اس وقت تک کسی بات کا علم نہ تھا۔ میں بیماری سے کمزور ہو گئی تھی۔ ایک شب میں ام مسطح کو ساتھ لے کر مناصع کی طرف گئی جو ہماری قضائے حاجت کی جگہ تھی۔ اس غرض سے ہم راتوں رات ہی جایا کرتے تھے۔ یہ اس سے پہلے کا ذکر ہے جب ہم نے ابھی اپنے گھروں کے نزدیک بیت الخلا نہیں بنائے تھے اور ہمارا طریقہ وہی عربوں کا پرانا طریقہ تھا کہ ہم شہر سے باہر جنگل یا باغ وغیرہ میں جایا کرتے تھے۔ پس میں اور ام مسطح بنت ابی رہم دونوں ساتھ

چل رہے تھے کہ ام مسطح اپنی چادر میں الجھ کر گر پڑیں۔ اس پر وہ بولیں۔ مسطح غارت ہو جائے۔ میں نے ان سے کہا۔ تم نے یہ بُری بات کہی ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو کوستی ہو جو بدر میں شریک تھے؟ انھوں نے کہا اے بی بی! کیا آپ نے نہیں سُنا۔ ان لوگوں نے کیا کیا کہا ہے؟ اس کے بعد انھوں نے مجھے تہمت لگانے والوں کی بات بتادی۔ یہ سُن کر میرے مرض میں ایک اور مرض کا اضافہ ہو گیا۔ جب میں گھر واپس آئی، تو آنحضرتؐ اندر تشریف لائے اور سلام کے بعد فرمایا۔ یہ کیسی ہیں؟ میں نے عرض کیا۔ آپ مجھے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت دے دیں۔ میرا قصد یہ تھا کہ والدین کے پاس جا کر ان سے اس افواہ کی تصدیق کروں گی۔ آنحضرتؐ نے مجھے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے گھر آگئی اور والدہ سے عرض کیا کہ لوگ میرے متعلق کیا باتیں کر رہے ہیں؟ انھوں نے تسلّی دی اور فرمایا۔ اے میری بچّی! تم خود پر رحم کھاؤ۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی حسین و جمیل عورت کسی شخص کے عقد میں ہو اور وہ اس سے محبّت رکھتا ہو اور اس بیوی کی سوت بھی ہوں تو وہ اس پر عیب نہ لگاتی ہوں۔ میں نے کہا۔ سُبحان اللہ! یہ تہمت تو لوگوں نے لگائی ہے۔ فرماتی ہیں۔ اس شب روتے روتے صبح تک نہ میرے آنسو تھمے نہ نیند آئی۔ صبح کو آنحضرتؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت اسامہؓ بن زید کو بُلوایا تاکہ ان سے مجھے علیحدہ کر دینے کے بارے میں مشورہ لیں۔ کیونکہ وحی دیر سے نازل نہ ہوئی تھی حضرت اُسامہؓ نے تو وہی کہا جو وہ اہل بیت سے قلبی تعلق کی بنا پر ان کے بارے میں جانتے تھے۔ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں آپ کی زوجۂ مطہرہ میں بجُز خوبی اور بھلائی کے اور کچھ نہیں جانتا۔ مگر حضرت علیؓ نے یہ مشورہ دیا کہ "اللہ نے آپ پر تنگی نہیں فرمائی ہے۔ آپ کے لئے ان کے سوا اور بہت عورتیں موجود ہیں۔" البتہ آپ ان کی خادمہ سے معلوم کر لیں۔ وہ صحیح بات بتائیں گی۔ پس آپ نے "بریرہ" کو بُلایا اور فرمایا۔ "اے بریرہ! کیا کبھی تم نے عائشہ میں کوئی قابلِ شک و شبہ بات دیکھی ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ نہیں۔ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے ان میں کبھی بھی کوئی قابلِ اعتراض عیب نہیں پایا۔ بجُز اس کے کہ وہ ایک کمسن لڑکی ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور مُرغیاں آکر اسے کھا جاتی ہیں۔ پس اس دن آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی سلول سے اس تہمت تراشی کی عُذر خواہی کو فرمایا اور فرمایا کون ہے جو میرے سامنے اس شخص کا عذر پیش کر سکے۔ جس نے مجھے میری اہلیہ کے بارے میں اذیت پہنچائی ہے۔

حالانکہ مجھے اپنی اہلیہ میں بجز بھلائی کے اور کچھ نظر نہیں آیا اور تہمت لگانے والوں نے اس واقعہ میں جنھیں ملوث کیا ہے۔ میں انھیں بھی نیک ہی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ وہ میرے گھر میں جب آتے تھے تو میرے ساتھ ہی آتے تھے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! واللہ میں اس کی طرف سے آپ کی خدمت میں عذر پیش کروں گا۔ اگر وہ میرے قبیلہ اوس کا ہوگا تو ہم اس کی گردن اُڑا دیں گے اور اگر ہمارے برادرانِ خزرج سے ہوگا تو آپ جو حکم کریں گے ہم اسے پورا کریں گے۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ جو خزرج کے سردار تھے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے ایک صالح و دیندار شخص تھے لیکن اس وقت ان پر قبائلی عزت کا غلبہ ہو گیا اور کہا۔ واللہ! تم نے جھوٹ کہا۔ نہ تم اسے قتل کرو گے نہ کر سکو گے۔ جواباً اسید بن حضیرؓ کھڑے ہو گئے اور کہا۔ اللہ کی قسم! تم جھوٹے ہو۔ واللہ ہم اُسے ضرور قتل کر ڈالیں گے۔ تم منافق ہو اور منافقین کی حمایت میں جھگڑ رہے ہو۔ پس اوس و خزرج دونوں قبیلے بھڑک اُٹھے اور آمادۂ پیکار ہو گئے۔ آنحضرتؐ منبر پر تشریف فرما تھے آپ نے انھیں خاموش کیا۔ حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے اور آنحضرتؐ بھی چپ رہے۔ میں اس دن رات بھر روتی رہی کہ میرے آنسو نہ تھمے اور نہ میری آنکھ لگی۔ صبح کو میرے والدین میرے پاس آئے جبکہ میں دو رات ایک دن مسلسل روتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ روتے روتے میرا جگر پھٹ جائے گا۔ میرے والدین میرے پاس بیٹھے تھے اور میں برابر روئے جا رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اجازت دے دی۔ وہ بیٹھ گئی اور وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی۔ ہم رونے میں مشغول تھے کہ آنحضرتؐ تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ حالانکہ اس سے قبل جس دن سے میرے متعلق یہ بات کہی گئی تھی۔ آپ کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ آپ ایک ماہ تک وحی کا انتظار فرماتے رہے مگر کوئی چیز میری شان میں نازل نہ ہوئی۔ پھر آپ نے کلمۂ شہادت پڑھا اور فرمایا۔ اے عائشہ! تمھارے متعلق ایسا ایسا سننے میں آیا ہے۔ پس اگر تم بری ہو گی تو عنقریب حق تعالیٰ تمھاری برأت ظاہر فرما دے گا۔ اور اگر تم گناہ میں ملوث ہو گئی ہو تو اللہ سے توبہ و استغفار کرو۔ کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کر لیتا ہے تو خدا اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ جب آنحضرتؐ اپنی بات پوری فرما چکے تو میرے آنسو تھم گئے۔ یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ میں نے اپنے والد صاحب سے عرض کیا کہ آپ میری طرف سے آنحضرتؐ کو جواب دیں۔ انھوں نے کہا۔ واللہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا

کہ میں رسول اللہؐ سے کیا عرض کروں۔ پھر میں نے اپنی والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ آپ ہی میری طرف سے آنحضرتؐ کی بات کا جواب دیں۔ انھوں نے بھی یہی کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آنحضرتؐ کو کیا جواب دوں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں کم عمر لڑکی تھی۔ بہت قرآن بھی پڑھی ہوئی نہ تھی۔ لیکن آخر میں خود بولی اور کہا۔ واللہ! مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ حضرات نے لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں سُنی ہیں اور وہ دلوں میں گھر کر چکی ہیں اور آپ حضرات نے انھیں سچ سمجھ لیا ہے۔ اب اگر میں آپ لوگوں سے کہوں بھی کہ میں اس سے پاک و بری ہوں تو آپ لوگ اسے سچ نہ سمجھیں گے۔ حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں۔

اور اگر میں نے کسی بات کا آپ سے اقرار کر لیا تو آپ اسے صحیح سمجھ لیں گے حالانکہ اللہ کو اس کا پُورا علم ہے کہ میں اس تہمت سے بالکل بری ہوں۔

میں اپنے اور آپ کے لئے صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے والد (حضرت یعقوب علیہ السلام) کا مقولہ نقل کر دینا ہی کافی سمجھتی ہوں جیسا کہ انھوں نے فرمایا تھا۔

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ط وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝ — پس صبر کے سوا چارہ نہیں اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس پر خدا ہی سے مدد چاہی جا سکتی ہے۔

یہ کہہ کر میں اپنے بستر پر لیٹ گئی اور مجھے یہ توقع تھی کہ اللہ میری براءت کا اظہار فرما دے گا۔ لیکن واللہ اس کا مجھے گمان تک نہ تھا کہ خدا میری شان میں وحی نازل فرمائے گا جس کی ہمیشہ تلاوت کی جاتی رہے گی۔ کیونکہ میں خود کو اس سے کمتر سمجھتی تھی کہ قرآن کریم میں میرے متعلق ذکر کیا جائے گا۔ لیکن واللہ مجھے یہ اُمید ضرور تھی کہ آنحضرتؐ نیند میں کوئی خواب دیکھیں گے جس میں خدا مجھے اس تہمت سے بری قرار دے دے گا۔ پس خدا کی قسم! ابھی آپ مجلس سے اُٹھے بھی نہ تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی باہر نکلا تھا کہ حق تعالیٰ نے آپ پر وہیں وحی نازل فرمائی اور نزول وحی کے وقت جو شدت و تکلیف آپ کو ہوتی تھی وہی کیفیت شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ سردی کے موسم میں آپ کے چہرۂ مبارک سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ جب وہ کیفیت رفع ہوئی تو آپ ہنس رہے تھے اور اس کے بعد پہلا جُملہ جو آپ نے ادا فرمایا یہ تھا۔ اے عائشہ! خدا کا شکر کرو کہ خُدا نے تمھیں بری قرار دے

دیا ہے۔ اس پر میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ کھڑے ہو کر آنحضرتؐ کی تعظیم بجالاؤ۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ واللہ نہ میں آپ کی تعظیم کو کھڑی ہوں گی اور نہ خدا کے سوا کسی اور کی تعریف کروں گی۔ آپ کی صفائی میں حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ"

جب اللہ عزوجل نے میری برأت میں یہ آیت نازل فرمائی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا۔ واللہ! میں مسطح کے عائشہؓ پر تہمت لگانے کے بعد اس کا خرچ بند کر دوں گا۔ یہ اس لئے کہ حضرت ابوبکرؓ مسطح بن اثاثہ کو وظیفہ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ آپکے عزیز و ضرورتمند تھے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

وَلَا يَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡكُمۡ وَالسَّعَةِ اَنۡ يُّؤۡتُوۡۤا اُولِى الۡقُرۡبٰى ..... وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ تم میں سے بزرگی اور مالی وسعت رکھنے والوں کو اپنے قرابتداروں کی مالی امداد جاری نہ رکھنے کی قسم نہ کھانی چاہیئے .....

تک۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ ہاں خدا کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے۔ پھر آپ نے حضرت مسطح کا وہ وظیفہ جاری رکھا جو پہلے سے انھیں دیا کرتے تھے۔

اور آنحضرتؐ نے حضرت زینب بنت جحش سے بھی میرے متعلق دریافت فرمایا تھا۔ چنانچہ ان سے فرمایا تھا۔ اے زینب! تم نے عائشہ کے متعلق کیا سمجھا اور کیا دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں اپنی سماعت و بصارت کی حفاظت و احتیاط کرتی ہوں خدا کی قسم! مجھے کبھی حضرت عائشہؓ میں بجز بھلائی کے اور کچھ نظر نہیں آیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک وہی ہمیشہ میری ہمدردی کیا کرتی تھیں۔ پس اللہ نے ان کے تقویٰ کی وجہ سے انھیں ہمیشہ پارسا رکھا۔

یہ ہے افک کا قصہ۔ اور قرآن سے واضح ہو گیا کہ منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی جن کا سرغنہ عبداللہ بن اُبی تھا۔ کیونکہ یہ لوگ آنحضرتؐ سے شدید بُغض رکھتے تھے۔ اس لئے انھوں نے اس موقع پر حضرت عائشہؓ کو متہم کر دیا۔ حالانکہ وہ معزز ترین گھرانے کی فرد تھیں۔

حضرت عائشہؓ نہ صرف اس تہمت سے بری قرار پاگئیں جس کے ذریعہ منافقین نے آپ کی پاک و صاف شہرت کو ملوث کرنا چاہا تھا بلکہ حق تعالیٰ نے آپ کو ہر بُرائی سے بری قرار دے دیا اور آپ کی شان بلند فرما دی۔ جس سے آپکے شوہر حضرت رسول اللہؐ آپکے ماں باپ اور تمام مسلمان مطمئن ہو گئے۔

حاسدوں کا یہ طریقہ ہر زمانہ میں رہا ہے پس حق عزو شانہ لازماً اپنے صالح بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ ان کی نگہداشت فرماتا ہے اور انھیں ظالم قوموں پر فتح و نصرت عطا فرماتا ہے۔

غزوۂ خندق یعنی غزوۂ احزاب

غزوۂ خندق ماہِ شوال ۵ھ (مارچ فروری ۶۲۷ء) میں پیش آیا جس پر مورخین کا اتفاق ہے۔ لیکن ابنِ خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ وہ ۴ھ میں پیش آیا اور حضرت ابنِ عمرؓ کا قول اس کی تائید کرتا ہے۔ آپ نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے اُحد کے دن میدان سے واپس فرما دیا تھا۔ جبکہ میری عمر چودہ سال تھی۔ پھر آپ نے مجھے غزوۂ خندق میں شرکت کی اجازت عطا فرما دی تھی جبکہ میں پندرہ سال کا ہو گیا تھا۔ پس ان ہر دو غزوات میں صرف ایک سال کا فرق ہے اور وہی صحیح ہے کہ یہ غزوہ بغیر کسی شک کے غزوۂ دومۃ الجندل سے قبل پیش آیا تھا۔

مختلف جماعتوں کی گروہ بندی

جب بنو نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ پیش آیا تو ان کے زعماء کی ایک جماعت جس میں سلام بن مشکم، سردار قبیلہ کنانہ بن ابی حقیق نضری، حیی بن اخطب، ہودہ بن قیس وائلی اور ابو عامر فاسق وغیرہ شامل تھے، قریش کے پاس مکہ پہنچے اور انھیں آنحضرتؐ سے جنگ کرنے کی دعوت دی۔

مسٹر ولفنسون نے لکھا ہے کہ جب بنو نضیر کے معززین خیبر میں جا کر اُترے تو وہ انصار سے اپنا بدلہ لینے کی تدبیریں سوچنے لگے اور وہ ان وسائل پر غور و خوض کرنے لگے جنھیں اختیار کر کے وہ دوبارہ یثرب کے علاقہ میں اپنے قلعوں اور اپنے باغات و کھیتوں میں واپس جا سکیں۔ اس سلسلہ میں یہود کی ایک جماعت نے جس میں سلام بن ابی حقیق۔ حُیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع شامل تھے۔ یہ طے کیا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مختلف جمعیتوں کو تیار کریں۔

ہر دو مذاہب میں کون سا مذہب بہتر ہے

جب یہود نے قریش کو آنحضرتؐ سے جنگ کرنے کی دعوت دی اور انھیں اطمینان دلایا کہ ہم آنحضرتؐ کے استیصال تک تمہارا ساتھ دیں گے تو قریش کو ان کے متعلق شک گزرا۔ کیونکہ جوہری و بنیادی طور پر یہود کا دین اسلام کے قریب تھا اور بتوں کی پرستش سے بہت دور تھا اور قریش بتوں کی پرستش کرنے والے تھے۔ اس بنا پر قریش نے یہود سے کہا:-

اے جماعت یہود! تم بھی پہلی آسمانی کتاب کے ماننے والے ہو اور محمدؐ بھی) اور ہم میں اور محمدؐ میں بُنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ پس پہلے فیصلہ یہ کرنا ہے کہ آیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمدؐ کا؟ انھوں نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ تمھارا دین محمدؐ کے دین سے بہتر ہے اور تم ان کے مقابلہ میں زیادہ حق پر ہو جب انھوں نے یہ بات کہی تو قریش خوش ہو گئے اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے۔

پھر یہود کی یہ جماعت یہاں سے فارغ ہو کر قبیلۂ غطفان کے پاس پہنچی اور انھیں اپنے ساتھ شرکتِ جنگ کی دعوت دی اور ان سے قریش کی آمادگی کا بھی ذکر کیا۔ پس انھوں نے بھی ان کی دعوت قبول کر لی۔

یہود نے قریش کو یہ جواب دیا تھا کہ قریش کا دینِ بُت پرستی محمدؐ کے دین سے بہتر ہے۔ اس طرح انھوں نے خود اپنے دین کی مخالفت کر دی تھی جو صرف ایک خدا کی عبادت کا داعی ہے۔ محض اس لئے کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کر کے انھیں مدینہ سے نکال باہر کر کے اپنے بھائیوں کو دوبارہ وہاں آباد کر دیں حالانکہ ان کے لئے بہتر یہی تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک وفاق کی صورت میں زندگی بسر کریں اور دسیسہ کاریوں، فتنہ پردازیوں اور دشمنانِ اسلام سے میل جول سے باز رہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان ہی کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی :-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ — کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنھیں آسمانی کتاب عطا فرمائی گئی ہے کہ وہ بُتوں اور شیطانوں پر ایمان لے آتے ہیں

مسٹر ولفنسون نے بھی یہ بات محسوس کی ہے کہ یہود نے قریش کے دین کو اسلام پر فضیلت دے کر غلطی کی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب تاریخ یہود کے صفحہ ۱۴۲ پر لکھا ہے :-

ہر اس شخص کے لئے جو صرف ایک خدا پر ایمان رکھتا ہو خواہ وہ یہودی ہو کہ مسلمان (کہ اس عقیدہ میں دونوں برابر ہیں) وہ مکالمہ جو یہود کے ایک گروہ اور بُت پرست قریش کے درمیان ہوا تھا جس میں یہود نے قریش کے دین کو اسلامی رسالت والے حضرت محمدؐ کے دین پر ترجیح دی تھی انتہائی رُوحانی تکلیف اور رنج کا باعث ہے۔"

مخفی مباد کہ جن لوگوں نے یہ بات کہی تھی وہ یہودی عوام میں سے نہ تھے جن کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے اُسے خود نہ سمجھتے تھے یا یہ کہ وہ یہود کے نمائندہ نہ تھے بلکہ وہ ان

کے سردار اور ان کی صاحبِ اثر و نفوذ شخصیتیں تھیں۔ پس کیا یہ لوگ تادیب و تنبیہ کے مستحق نہیں تھے

مختلف جماعتوں اور ان کے قائدین کی جنگ آزمائی

اس تحریک کے بعد آنحضرتؐ سے مقابلہ کے لئے قریش اپنے قائد ابوسفیان بن حرب کی سرکردگی میں، قبیلہ غطفان شاخ بنی فزارہ کے عیینہ بن حصن بن حذیفہ کی قیادت میں، حارث بن عوف بن ابی حارثہ مری قبیلہ بنو مرہ کی قیادت کرتے ہوئے اور مسعود بن رخیلہ بن نویرہ بن طریف قبیلہ اشجع کی اپنی متبع قوم کی قیادت کرتے ہوئے معرکۂ جنگ کے لئے نکلے۔

خندق کی کھدائی

جب رسول اللہؐ نے کفار کی گروہ بندی اور ان کے آنحضرتؐ سے جنگ کے ارادہ سے روانگی کی اطلاع سُنی تو آپ نے مدینہ کے ان اطراف میں جس طرف وہ محفوظ نہ تھا خندق کھودنے کا حکم دیا تاکہ حملہ آور دشمن کو روکا جا سکے۔ آنحضرتؐ کو اس خندق کے کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔ کیونکہ اہلِ فارس جنگی مدافعت کے لئے اپنے یہاں خندقیں کھودا کرتے تھے۔ پس حضرت سلمانؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! جب ہم اہلِ فارس کا محاصرہ کر لیا جاتا تھا۔ تو ہم اپنے اطراف خندق کھود لیا کرتے تھے۔ بہرحال خندق فارسی کلمہ ہے۔

آنحضرتؐ خود بنفسِ نفیس خندق کھودنے میں مشغول ہو گئے تاکہ دُوسرے مسلمان بھی آپ کا اتباع کریں اور آپ انھیں ہمت سے یہ کام انجام دینے کی ترغیب دیں۔ پس سب مسلمان آپ کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مشغول ہو گئے۔ باقی منافقین کام میں سُستی اور ٹال مٹول سے کام لیتے اور آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر پہلے ہی کام چھوڑ کر واپس ہو جاتے ان پر یہ کام گراں گزرتا تھا اور وہ تعویق و تاخیر سے کام لیتے تھے۔ بہت سے منافقین کام میں بہت سُستی دکھاتے اور ان میں کا ہر شخص جب دل چاہا۔ آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر ہی کام چھوڑ کر واپس چلا جاتا۔

سلمانؓ ہمارے اہلِ بیت میں داخل ہیں

آنحضرتؐ نے خندق کا نشان ڈالا۔ پھر ہر دس دس آدمیوں میں چالیس چالیس گز کے ٹکڑے تقسیم

فرما دیئے۔ اس موقع پر مہاجرین و انصار میں حضرت سلمان رضؓ کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا۔ جو قوی اور مضبوط شخص تھے۔ انصار نے کہا کہ سلمان رضؓ ہم میں سے ہیں۔ مہاجرین نے کہا۔ ہم میں سے ہیں۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "سلمان رضؓ ہمارے اہل بیت میں داخل ہیں۔"

سخت سفید چٹان کی برآمدگی اور آنحضرتؐ کا معجزہ

مسلمانوں کی ایک جماعت اپنے معین کردہ رقبہ میں خندق کھود رہی تھی۔ سلمان فارسی بھی اس کے ساتھ تھے کہ یکایک زمین سے ایک سفید پتھر کی سخت چٹان برآمد ہوئی جس نے وہاں کام کرنے والوں کی کدالیں توڑ ڈالیں۔ مگر پتھر نہ ٹوٹا۔ اس سے کھودنے والے بہت مشقت میں مبتلا ہو گئے۔ ساتھیوں نے حضرت سلمان رضؓ سے کہا کہ آپ جا کر آنحضرتؐ کو اس چٹان کے نکلنے کی خبر دے دیجئے۔ پھر یا تو ہم اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری قریبی جگہ کھدائی شروع کر دیں یا پھر آنحضرتؐ اس بارے میں ہمیں کوئی ہدایت دیں۔ کیونکہ ہم از خود آپ کے بتائے ہوئے نشان سے متجاوز نہیں ہونا چاہتے۔ چنانچہ حضرت سلمان رضؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ اس وقت ترکی جبہ پہنے ہوئے تھے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ خندق کی کھدائی میں ایک سخت سفید چٹان نکل آئی ہے جس نے ہمارے لوہے کے اوزار بھی توڑ ڈالے اور ہمیں بڑی مشقت میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ پوری کوشش کے باوجود ہم اس جگہ کم یا زیادہ کچھ بھی کھدائی نہیں کر سکے۔ پس آپ حکم فرمائیں کہ ہم کیا کریں۔ کیونکہ ہم از خود آپ کے نشان زدہ خط سے تجاوز کرنا نہیں چاہتے۔ اس پر آنحضرتؐ حضرت سلمان رضؓ کے ساتھ جا کر خود خندق میں اترے اور حضرت سلمان رضؓ سے کدال لے کر بسم اللہ کہہ کر ایک مار ماری تو اس چٹان کے تہائی پتھر ٹوٹ کر ادھر ادھر بکھر گئے اور اس میں سے ایک تیز روشنی چمکی جس نے مدینہ کے دونوں اطراف کو روشن کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دے دی گئیں۔ واللہ! میں ابھی ابھی یہیں کھڑے ہوئے شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے دوسری مار ماری تو دو تہائی پتھر توڑ دیا اور اس مرتبہ بھی فارس کی سمت ایک روشنی چمکی جس نے مدینہ کے منطقوں کو روشن کر دیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اللہ اکبر! مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں۔ واللہ! میں ابھی یہیں سے مدائن کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں۔ پس اے مسلمانو! فتح و نصرت کی خوشخبری سن لو۔ مسلمان یہ مژدہ سن کر بہت خوش

ہوئے۔

پھر آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر تیسری مار ماری تو باقی چٹان کو بھی کاٹ کر رکھ دیا۔ اس مرتبہ پتھر سے یمن کی سمت روشنی چمکی جس نے مدینہ کے اطراف کو منور کر دیا اور یوں معلوم ہوا گویا اندھیری شب میں چراغ روشن ہو گیا ہے۔ پس آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا۔ مجھے یمن کی کنجیاں بھی عطا فرما دی گئی ہیں۔ واللہ! میں ابھی اسی جگہ سے شہر صنعاء (دارالسلطنت یمن) کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔

صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم خندق کے دن زمین کی کھدائی کر رہے تھے کہ زمین میں ایک جگہ سخت چٹان نکل آئی۔ اس پر صحابہؓ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خندق میں ایک چٹان نکل آئی ہے۔ فرمایا۔ میں خود چلتا ہوں۔ چنانچہ آپ چلنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور اس وقت شدت بھوک سے آپؐ کے شکم مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے اور ہم لوگوں نے بھی تین دن سے کھانے کا لقمہ تک نہ چکھا تھا۔ پس آنحضرتؐ نے کدال اپنے دستِ مبارک میں لی اور اس چٹان پر ماری تو وہ ریت کے تودہ کی طرح ریزہ ریزہ ہو گئی۔

ہر دو لشکروں کی تعداد

خندق والے مسلمان تین ہزار تھے۔ جب آنحضرتؐ خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے تو قریش آ گئے جنھوں نے نہری کٹاؤ اور جنگل کے درمیان دریا میں سیلابوں کے پانی مجتمع ہونے کے مقام پر دس ہزار لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالا۔ ان میں حبوش اور قریش کے ساتھی کنانہ و تہامہ قبائل شامل تھے۔ ادھر غطفان اور ان کے نجدی ساتھی بھی ان سے آملے اور وہ احد پہاڑ کی سمت نقمی کی پٹی پر خیمہ زن ہوئے۔

عہد شکنی

کعب بن اسد قرظی سردار بنو قریظہ آنحضرتؐ سے اپنی قوم کے لئے باہم امن و آشتی سے رہنے کا معاہدہ کر چکا تھا۔ اس موقع پر حیی بن اخطب نضری جو ان مختلف گروہوں کو جمع کرنے والوں میں شامل تھا کعب کے پاس پہنچا۔ جب کعب نے حیی کی آمد کو سنا تو اس پر اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ حیی نے اس سے ملنے کی اجازت چاہی تو اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حیی نے اس کی بہت منت سماجت کی تو اس نے کھول دیا۔ یہ اس سے مل کر اسے برابر اپنے ساتھ شرکت پر مائل کرتا اور اسے بہکاتا رہا۔ یہاں تک کعب نے اس عہد کو توڑ دیا اور اپنے اور آنحضرتؐ کے درمیان طے شدہ معاہدہ سے دست بردار ہو گیا۔ اور اپنی قوم

سمیت آنحضرتؐ کے خلاف مخالف جماعتوں میں شامل ہو گیا جس کا علم آنحضرتؐ کو بھی علم ہو گیا۔ اس واقعہ سے مسلمانوں پر ایک نئی مشکل آ پڑی اور ان میں کسی قدر سراسیمگی پھیل گئی۔

محاصرہ کی سختی

مختلف گروہوں کے اجتماع سے خاص کر بنو قریظہ کی عہد شکنی اور دشمنوں سے جا ملنے کے بعد مسلمانوں میں قدرے خوف و ہراس پھیل گیا اور مسلمانوں میں فتح سے ایک قسم کی ناامیدی پیدا ہو گئی۔ ادھر منافقوں نے مسلمانوں کی ہمت شکنی کے لئے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بنو حارثہ اور بنو سلمہ نے یہ عذر کر کے کہ ان کے گھر بیرون مدینہ غیر محفوظ اور کھلے ہوئے پڑے ہیں، میدان سے فرار کے لئے بزدلی کا اظہار کیا لیکن پھر خدا نے مسلمانوں کو استقامت عطا فرمائی۔ اور وہ تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ میں رہے اور فریقین کے درمیان تیر اندازی کے سوا کوئی اور جنگی کارروائی نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کے پاس ایک سال سے زیادہ مدت کے لئے غذائی ذخائر موجود تھے۔

قریشی لشکر کے سوار اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نکلے تو آ کر خندق کے باہر ٹھہر گئے جب انھوں نے خندق دیکھی تو کہنے لگے واللہ! یہ تو ایک نئی چال ہے۔ اس سے پہلے تو عرب اس چال سے واقف نہ تھے۔ پھر انھوں نے ایک جگہ خندق کے تنگ دہانہ کا پتہ چلا کر اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور بے سوچے سمجھے بدقت تمام اس طرف سے خندق میں داخل ہو گئے۔ جہاں وہ خندق اور پہاڑی دراڑ کی درمیانی دلدلی زمین میں پھنس گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی بن ابی طالبؓ مسلمانوں کی ایک جماعت کو لے کر ان پر حملہ آور ہوئے اور خندق عبور کر کے جس کنارے پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا۔ اسے لڑ کر ان سے واپس لے لیا۔

ادھر عمرو بن عبدود باہر نکلا اور اس نے مقابلہ کا مطالبہ کیا۔ اس کی عمر اس وقت نوے سال تھی۔ حضرت علیؓ نے اس کا مقابلہ کر کے اُسے قتل کر ڈالا۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے آنحضرتؐ کے پاس اپنا قاصد بھیج کر دس ہزار کی پیش کش کر کے عمرو کی نعش طلب کی۔

آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ وہ تمھاری ہے لے جا سکتے ہو ہم مُردے کی قیمت نہیں کھاتے۔

ان کے سوار شکست خوردہ ہو کر نکلے اور خندق عبور کر کے فرار ہو گئے۔ عمرو کے ساتھ دو شخص اور قتل ہو گئے۔ ایک منبہ بن عثمان بن عبید بن سباق ابن عبدالدار۔ اُسے تیر آکر لگا جس کے زخم کے اثر سے وہ مکہ جا کر فوت ہو گیا۔ دوسرا قبیلہ بنی مخزوم کا نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ تھا۔ اس نے خندق پار کرنی چاہی تھی لیکن اس کے اندر ہی گر گیا۔ مسلمانوں نے اس پر پتھر مارے۔ اس نے پکار کر کہا۔ اے جماعت عرب! اس نیم جانی سے قتل کر ڈالنا بہتر ہے۔ پس حضرت علیؓ نے نیچے اُتر کر اس کا کام تمام کر دیا۔ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے والوں میں خالد بن ولید اور عمرو بن عاص بھی تھے۔ یہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

اس روز حضرت سعد بن معاذؓ کو دشمن کا ایک تیر آکر لگا۔ جسے ابن عرقہ عامری نامی شخص نے مارا تھا۔ اس نے ساتھ ہی کہا۔ یہ تحفہ لو اور میں ابن عرقہ ہوں۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا۔ خدا تیرے مُنہ کو دوزخ میں جُھلس دے۔ پس اکحل نے اُسے قتل کر ڈالا۔

حضرت سعد نے دُعا فرمائی۔ اے خُدا مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنو قریظہ کے بارے میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ کر دے اور یہ قبیلہ زمانۂ جاہلیت میں آپ کا حلیف اور دوست تھا۔

حضرت سعدؓ زخمی حالت میں حضرت رفیدہ کے خیمہ میں لے جائے گئے۔ یہ خاتون خیمہ مسجد میں زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔

حضرت حسّان بن ثابتؓ کا جنگ سے خائف ہونا

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، حضرت حسّان بن ثابتؓ کے قلعہ فارع نامی میں تھیں۔ وہ فرماتی ہیں حسّان اس قلعہ میں ہم عورتوں اور بچّوں کے ساتھ تھے۔ فرماتی ہیں کہ ایک یہودی ہمارے قریب آیا اور قلعہ کے اطراف گھومنے لگا۔ بنو قریظہ جنگ کر رہے تھے اور انھوں نے ہمارے اور آنحضرتؐ کے درمیان راستہ کاٹ دیا تھا اور ہمارے اور ان کے درمیان کوئی ہمارا دفاع کرنے والا نہ تھا۔ آنحضرتؐ اور مسلمان دشمنوں کے مقابلہ میں مصروفِ جنگ تھے۔ اس لئے اگر کوئی شخص ہماری طرف آتا تو وہ فریقِ مقابل کو چھوڑ کر ہماری حفاظت کے لئے نہ آسکتے تھے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے کہا۔ اے حسّان! جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ یہودی قلعہ کے اطراف گھوم رہا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہماری پُشت پر موجود یہودیوں کو یہاں ہمارے چھپنے کی اطلاع نہ دے دے اور آنحضرتؐ اور صحابہ جنگی مشغولیت کی

وجہ سے ہماری خبرگیری نہیں فرماسکتے۔ پس آپ اُتر کر اسے قتل کر ڈالیں۔ انھوں نے جواب دیا۔ اے دُختر عبدالمطلب! خدا آپ کی مغفرت فرمائے۔ واللہ! آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں جنگی آدمی نہیں ہوں۔ فرماتی ہیں جب انھوں نے مجھے یہ جواب دیا اور میں نے ان کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں دیکھا تو اپنی کمر پٹکے سے باندھی اور لوہے کی سلاخ لے کر قلعہ سے اتری اور اس پر سلاخ سے حملہ کرکے اُسے قتل کر ڈالا۔

اس سے فارغ ہو کر قلعہ میں آئی تو حسان سے کہا کہ اب نیچے جا کر اس کے جسم سے اس کے ہتھیار وغیرہ تو اُتار لاؤ۔ کیونکہ وہ مرد ہے اس لئے میں نے خود اس کے ہتھیار نہیں اُتارے (یعنی اجنبی و غیر محرم ہونے کی وجہ سے) انھوں نے جواب دیا۔ اے بنت عبدالمطلب! مجھے اس کے ہتھیاروں کی ضرورت ہی نہیں۔ پس حضرت صفیہ حضرت حسان سے زیادہ بہادر نکلیں۔

جنگ کا تسلسل اور نمازوں کا قضا ہونا

جنگ خندق کے ایک دن خندق کے اطراف دن رات مسلسل لڑائی ہوتی رہی جس کی وجہ سے آنحضرتؐ اور دوسرا کوئی مسلمان بھی ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں نہ پڑھ سکا۔ مسلمان کہنے لگے کہ ہم نے آج نمازیں نہیں پڑھیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میں نے بھی نہیں پڑھیں جب لڑائی بند ہوئی اور آنحضرت اپنے حجرہ میں تشریف لائے تو حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ پھر ظہر کی تکبیر کہہ کر نماز ادا فرمائی۔ پھر ہر نماز کے لئے الگ الگ تکبیر کہہ کر اپنے صحابہ بمعیت سب نمازیں ادا فرمائیں۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے ہر ہر نماز کے لئے الگ الگ اذان واقامت دونوں کہیں۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں دو الگ الگ واقعے ہیں جو جنگ خندق کے دوران پیش آئے تھے۔ کیونکہ یہ پندرہ دن تک جاری رہی تھی۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ قضا ہونے والی صرف عصر کی نماز تھی۔ اسے اس پر محمول کیا جاتا ہے کہ ان ایام میں کسی دن یہ واقعہ بھی پیش آگیا تھا۔

ایک روایت میں یہ جملے آئے ہیں یہ کفار نے جنگی مشغولیت کی بنا پر ہمیں عصر کی نماز سے

محروم کر دیا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ خدا ان کی اولاد اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔"

جنگ ایک دھوکا ہوتی ہے

نعیم بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اسلام لے آیا ہوں لیکن ابھی تک میری قوم کو میرے اسلام کا علم نہیں ہوا۔ پس آپ مجھے جو چاہیں حکم دے سکتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ تم ہم میں ایسے ایک ہی شخص ہو پس اگر کر سکو تو مخالفین میں تفرقہ پیدا کر کے ہمارے مقابلہ سے ہٹا دو۔ کیونکہ جنگ ایک دھوکہ ہوتی ہے۔

پس نعیم بن مسعود وہاں سے نکل کر بنو قریظہ کے پاس آئے۔ یہ زمانہ جاہلیت میں ان کے مصاحب و ہمنشین تھے اور ان سے کہا کہ اے بنی قریظہ! تم میری اپنے سے محبت خاص کر میرے اپنے درمیان معاملاتِ اخلاص سے بخوبی واقف ہو۔ وہ بولے۔ تم نے سچ کہا۔ تم ہمارے نزدیک متہم نہیں ہو۔ پھر انھوں نے ان سے کہا کہ قبائل قریش و غطفان محمدؐ سے لڑنے آئے ہیں اور تم نے انھیں محمدؐ پر (اپنی شرکت سے) غالب بنا دیا ہے۔ لیکن قریش و غطفان تمھاری طرح نہیں ہیں۔ یہ شہر تمھارا شہر ہے جس میں تمھارے اموال، اولاد اور عورتیں موجود ہیں تم انھیں یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کر سکتے۔ برخلاف اس کے قریش و غطفان کے اموال، اولاد اور عورتیں اور ان کے شہر دوسری جگہ ہیں۔ اس لئے وہ تمھاری طرح نہیں ہیں۔ اگر انھیں کوئی فائدہ ملا اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو وہ اسے حاصل کر لینگے۔ اور اگر معاملہ برعکس ہوا تو وہ اپنے شہروں کو لوٹ جائیں گے۔ پھر تمھارے اور اس شخص (محمدؐ) کے درمیان جھگڑا چھوڑ جائیں گے۔ اور اکیلے تمھارے اور اس کے درمیان مقابلہ ہوا تو تم تنہا اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس تم اس قوم کے ساتھ ہو کر جنگ نہ کرنا جب تک ان کے بعض معززین کو اپنے پاس رہن نہ رکھ لو۔ تاکہ وہ اس اعتماد کے لئے تمھارے قبضہ میں رہیں کہ جب تم محمدؐ سے جنگ کرو تو وہ آخر تک تمھارے ساتھ رہ کر ان سے جنگ کرتے رہیں۔ اس پر وہ بولے۔ واقعی تم نے ایک بہتر مشورہ دیا اور عمدہ نصیحت کی ہے۔

ء۱ امام نووی نے کہا ہے کہ علماء جنگ میں کفار کو دھوکا دینے کے جواز پر متفق ہیں، جس طرح بھی ممکن ہو لیکن ان سے عہد شکنی یا معاہدۂ امن کو توڑنا جائز نہیں۔ م

پھر یہ وہاں سے نکل کر قریش کے پاس پہنچے اور ابوسفیان بن حرب اور اس کے قریشی ساتھیوں سے کہا:-

اے جماعت قریش! تمھیں معلوم ہے کہ میں تم سے کتنی محبت رکھتا ہوں اور محمدؐ سے بے تعلق ہوں۔ مجھے ایک خبر معلوم ہوئی ہے جسے میں نے آپ کی ہمدردی میں آپ تک پہنچانا ضروری سمجھا۔ آپ اسے راز میں رکھیں۔ انھوں نے کہا۔ ہم راز ہی میں رکھیں گے۔

کہا۔ آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہود نے اپنے اور محمدؐ کے درمیان جو عہد شکنی کی ہے وہ اب اس پر نادم ہیں اور پچھتا رہے ہیں اور انھوں نے محمدؐ کے پاس قاصد کے ذریعہ پیغام بھجوایا ہے کہ ہم اپنے کیے پر شرمسار ہیں۔ پس کیا آپ ہم سے اس بات پر خوش ہو جائیں گے کہ ہم قریش و غطفان دونوں قبیلوں سے ان کے کچھ معززین حاصل کر کے آپ کو دے دیں اور آپ ان کی گردنیں اڑا دیں۔ پھر ان میں کے باقی ماندہ لشکر کے مقابلہ کے لئے ہم آپ کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ اس پر حضرت محمدؐ نے کہلا بھیجا ہے کہ ہم اس پر راضی ہیں۔ پس اگر یہود کسی کو بھیج کر تم سے تمھارے آدمی رہن رکھنے کا مطالبہ کریں تو تم انھیں اپنا ایک آدمی بھی نہ دینا۔

پھر وہ وہاں سے چل کر غطفان کے پاس پہنچے اور ان سے کہا۔ اے جماعت غطفان! تم لوگ میری ذات اور میرا کنبہ ہو اور میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو۔ میں یہ بھی نہیں سمجھتا کہ تم مجھے کسی بات سے متہم کرتے ہوگے۔ انھوں نے کہا۔ تم نے یہ سچ کہا ہے۔ اس نے کہا۔ میں ایک راز تمھیں بتانا چاہتا ہوں تم اسے راز میں رکھنے کا وعدہ کرو۔ کہا ہمیں منظور ہے۔ پھر ان سے وہی بات دُہرائی جو قریش سے کہہ آئے تھے اور جس بات سے اُنھیں ڈرایا تھا انھیں بھی ڈرایا۔

جب ماہ شوّال ۵ھ ہفتہ کی رات ہوئی۔ ابوسفیان اور غطفان کے معززین نے عکرمہ بن ابی جہل کو قریش و غطفان کی ایک جماعت کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس روانہ کیا۔ انھوں نے ان سے کہا کہ ہم یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں اور ہمارے اونٹ و دوسرے جانور ہلاک ہو چکے ہیں۔ پس تم کل کو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تاکہ ہم محمدؐ سے مقابلہ کر کے اپنے اور ان کے درمیان جو جھگڑا ہے اس سے فراغت حاصل کر لیں۔ انھوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ لڑائی کا دن جو تم نے مقرر کیا ہے وہ ہفتہ کا دن ہے اور اس دن ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمھیں معلوم ہے کہ ہم میں سے ایک شخص نے اس

دن کوئی غلط کام کر لیا تھا سو وہ ہلاک ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی ہم تمھارے ساتھ مل کر جنگ کو تیار نہیں۔ جب تک تم اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس رہن نہ رکھ دو۔ تاکہ وہ ہمارے اعتماد و اطمینان کے لئے ہمارے قبضہ میں رہیں۔ اس کے بعد ہم محمدؐ سے جنگ کریں گے۔ کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر اس جنگ نے تمھیں پیس دیا اور لڑائی تمھارے خلاف شدید ہو گئی تو تم سمٹ کر اپنے شہروں کو لوٹ جاؤ گے اور ہمیں اس شخص کے بالمقابل ہمارے شہر میں تنہا چھوڑ جاؤ گے۔ اس وقت ہم میں اکیلے محمدؐ سے لڑنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ جب قاصدوں نے واپس پہنچ کر قریش کو بنو قریظہ کا پیغام سنایا تو قریش و غطفان بولے۔ بخدا اب تم جان چکے کہ نعیم بن مسعود نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ جواباً انھوں نے بنو قریظہ کو کہلا بھیجا کہ بخدا ہم اپنا ایک آدمی بھی نہ دیں گے۔ اس کے بغیر اگر تم لڑنا چاہتے ہو تو میدانِ جنگ میں نکل آؤ۔ جب قاصد نے بنو قریظہ کو یہ پیغام سنایا تو انھوں نے آپس میں کہا کہ نعیم بن مسعود نے تم سے جو کہا تھا وہ بالکل درست نکلا۔ یہ لوگ (ہماری بات منظور کئے بغیر) صرف ہم سے جنگ کرانا چاہتے ہیں۔ پس اگر انھیں موقع مل گیا تو اس سے (مالِ غنیمت کا) فائدہ اُٹھائیں گے۔ اور اگر اس کے برعکس ہوا تو وہ اپنے شہروں کو لوٹ جائیں گے اور تمھیں اور اس شخص (محمد) کو تمھارے شہر میں مقابلہ کے لئے چھوڑ جائیں گے۔ پس انھوں نے قریش و غطفان کو کہلا بھیجا کہ واللہ ہم تمھارے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ نہ کریں گے جب تک تم ہمارے پاس اپنے کچھ آدمیوں کو بطور یرغمال نہ رکھ دو۔ انھوں نے اسے منظور کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس طرح حق تعالیٰ نے ان میں تفریق پیدا کر دی اور اس طریقہ سے یہ دھوکا کامیاب ہو گیا۔

اور طبقات ابنِ سعد میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ اور صحابہ دس سے زیادہ دنوں تک محصور رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں میں ہر شخص مشکلات میں مُبتلا ہو گیا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ارادہ فرمایا کہ غطفان کے سامنے تجویز رکھیں کہ وہ ان گروہوں میں باہم علیحدگی کرا دیں اور جنگ سے باز آ جائیں تو آپ انھیں اس کے صلہ میں مدینہ کے باغات کا تہائی پھل دے دیں گے لیکن انصار نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

اُوپر کے بیان سے واضح ہو گیا کہ نعیم بن مسعود نے یہ خدمت بہترین طریقہ پر انجام دے دی۔

قدرتی جنگ

نعیم بن مسعود اپنے دھوکا میں کامیاب ہو گئے اور انھوں نے بنو قریظہ اور قریش میں بزدلی اور انتشار پھیلا دیا۔ پھر سخت سردی کی راتوں میں ان پر سخت آندھی چلی جس نے ان کی دیگچیوں کو اوندھا کر دیا۔ ان کے خیموں کو اکھاڑ پھینکا۔ وہ سردی میں ٹھٹھر گئے۔ ان کے جانور ہلاک ہو گئے جب آنحضرتؐ کو ان میں باہمی اختلاف اور ان کی جماعتی تفریق کا علم ہوا تو آپ نے حضرت حذیفہؓ کو بلایا اور انھیں معلومات کرنے کو بھیجا کہ رات کو ان پر کیا گزری؟ حضرت حذیفہؓ آنحضرتؐ کی طرف سے منافقین میں جاسوسی پر مامور تھے۔ حضرت حذیفہؓ کے سوا منافقین کا کسی کو بھی علم نہ تھا۔ خود آنحضرتؐ نے حضرت حذیفہؓ کو ان منافقوں سے باخبر کر دیا تھا۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ میں جا کر ان لوگوں میں گھس گیا اور شدید ہوا اور خدائی فوج نے ان کا جو حال کر دیا تھا وہ بچشم خود دیکھا کہ نہ ان کی دیگچی چولھے پر ٹکتی ہے نہ آگ روشن رہتی ہے نہ ہی کوئی خیمہ صحیح و سالم رہا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ	اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کے اس فیضان
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ	کو یاد کرو جبکہ مخالفین کے لشکر تمہارے سامنے آئے تو ہم نے
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ	ان پر ہواؤں کو اور نظر نہ آنے والے خدائی لشکروں کو مسلط کر
تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝	دیا۔ اور جو کچھ تم کر رہے تھے۔ حق تعالیٰ اسے دیکھ رہا تھا۔

ابوسفیان کی تقریر

ابوسفیان بن حرب کھڑا ہوا اور کہا۔ اے گروہ قریش ہر شخص اپنے برابر والے پر نگاہ رکھے۔" حذیفہ نے کہا کہ میں نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر جو میرے برابر بیٹھا تھا۔ پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا۔ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ پھر ابوسفیان نے کہا۔ اے گروہ قریش! واللہ تم صحیح مقام پر نہیں ٹھہرے ہمارے اونٹ اور دوسرے جانور ہلاک ہو گئے۔ بنو قریظہ نے ہمیں چھوڑ دیا۔ ان کے طرز عمل سے ہمیں بڑی مایوسی اور کوفت ہوئی۔ ادھر اس تیز و تند ہوا سے جو تباہی آئی ہے وہ بھی تم دیکھ رہے ہو۔ واللہ! نہ چولھے پر ہماری دیگچیاں ٹھہرتی ہیں نہ آگ ٹھہرتی ہے نہ خیمے ہی رکتے ہیں۔ پس بہتر ہے کہ یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ میں تو کوچ کا عزم کر چکا ہوں۔ وہ یہ کہہ کر اپنے بندھے ہوئے اونٹ کے پاس پہنچا۔ اس پر بیٹھا اور اس پر ضرب لگائی۔ وہ تین مرتبہ اچکا مگر اس کی رسی نہیں کھولی تھی اس لئے وہ وہیں کھڑا رہا۔

یہ وہ تقریر ہے جو ابوسفیان نے اپنے لشکر کے سامنے کی اور وہ ان کا سپہ سالار تھا جب وہی چل دیا اور اس نے سب کو واپس چلنے کی ہدایت کی تو پھر لشکر کہاں ٹھہر سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے لشکری بھی طویل قیام سے اُکتا چکے تھے اور جتنی مُدّت انتظار کر چکے تھے اس سے زیادہ انتظار میں انھیں کوئی فائدہ نظر نہ آتا تھا۔ سردی کی شدّت، تیز آندھیوں کے چلنے اور بنو قریظہ کے جنگ میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ان کا حال بُرا ہو چکا تھا۔ وہ مدینۂ منوّرہ میں داخل ہونے کی توقع رکھتے تھے لیکن ان کی راہ میں خندق حائل ہو گئی۔ باوجودیکہ ان کی تعداد کثیر تھی۔ جب غطفان کو قریش کی واپسی کی خبر پہنچی تو وہ بھی اپنے بھاری ساز و سامان کو وہیں چھوڑ کر اپنے شہر کی طرف چل دیئے۔ ان کا سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ان کے جانے کے بعد مسلمان بھی خندق سے مدینہ شہر میں واپس آ گئے اور مشرکین کے پندرہ روزہ محاصرہ کے بعد انھوں نے اپنے ہتھیار اُتار دیئے۔ آنحضرتؐ بروز چہارشنبہ بتاریخ سات ذی قعدہ غزوۂ خندق سے واپس ہوئے۔

آنحضرتؐ نے مشرکوں کی جمعیتوں کی واپسی کے بعد فرمایا کہ اس سال کے بعد قریش کبھی تم سے جنگ نہ کریں گے اور واقعۃً جیسا آنحضرتؐ نے فرمایا ویسا ہی ہُوا۔

اور رؤسائے مکّہ کی طرف سے جدید دین یعنی اسلام کو ختم کر دینے کے لئے یہ آخری کوشش تھی۔

مُسلمانوں کے نقصانات

ابنِ اسحاق نے بیان کیا ہے کہ غزوۂ خندق میں مسلمانوں کے چھ مجاہد شہید ہوئے تھے۔ تین قبیلۂ اوس سے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ۔ انس بن انس اور عبداللہ بن سہیلؓ اور تین قبیلۂ خزرج کے تھے۔ طفیل بن نعمان، ثعلبہ بن غنمہ اور کعب بن زیدؓ۔

مُشرکین کے نقصانات

مشرکوں کے مقتولین کی تعداد صرف تین تھی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ منبہ بن عبد العبدری۔ اس کے تیر لگا تھا۔ اس کے زخم سے مکّہ پہنچ کر فوت ہوا۔ نوفل بن عبداللہ مخزومی اور عمرو بن عبدوُد۔

غزوۂ بنی قریظہ

واقع ذوالقعدہ ۵ھ م اپریل ۶۲۷ء

بنو قریظہ مدینہ کے یہودیوں کی قوم تھی جو قبیلہ اوس کی حلیف تھی اور اس وقت اوس کے سردار سعد بن معاذؓ تھے۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ بنو قریظہ نے مسلمانوں سے عہد شکنی کی اور کفار کی جماعتوں کے ساتھ مل کر آنحضرت سے آمادۂ پیکار ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں پر مصائب کی شدت ہو گئی۔ پھر جب نعیم نے بنو قریظہ اور قریش کے درمیان تفریق کرا دی تب وہ جنگ کے ارادہ سے باز آئے۔ پس ان کو تنبیہ کرنا ضروری ہو گیا۔ کیونکہ مدینہ میں ان کا وجود ایک فتنہ تھا جو ہمیشہ مسلمانوں کے وجود کے لئے دھمکی اور خطرہ کا باعث رہتا۔ نیز اس لئے کہ وہی تھے جنھوں نے ان جماعتوں کو جنگ پر آمادہ کیا تھا اور خود بھی غزوۂ خندق میں مسلمانوں کے دشمنوں سے جا ملے تھے۔

آنحضرتؐ خندق سے واپس ہو کر سات ذیقعدہ ۵ھ کو اپنے صحابہ سمیت مدینہ میں داخل ہوئے اور ہتھیار کھول دیئے۔ آپ صبح کی نماز ادا فرما کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوئے۔ دوپہر کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام سر پر استبرق کا عمامہ باندھے ہوئے ایک خچر پر سوار چمڑے کی زین پر بیٹھے ہوئے جس پر ریشمی چادر پڑی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہتھیار کھول دیئے ہیں۔ آپؐ نے کہا۔ ہاں حضرت جبریل نے عرض کیا۔ مگر ملائکہ نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں کھولے اور میں اس وقت اپنی قوم کے مطالبہ کی بنا پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اے محمدؐ! حق تعالیٰ نے آپ کو بنو قریظہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ میں انہی کی طرف جا رہا ہوں اور ان پر زلزلہ لانے والا ہوں۔

امام بخاری نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرتؐ خندق کے دن واپس تشریف لائے اور ہتھیار کھول کر رکھ دیئے اور غسل فرمایا تو حضرت جبریل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کا سر غبار سے اٹا ہوا تھا۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا۔ کیا آپ نے ہتھیار اُتار دیئے ہیں۔ واللہ! میں نے

ابھی تک نہیں اُتارے۔ آنحضرتؐ نے دریافت کیا پھر اب کہاں کا قصد ہے؟ کہا ادھر بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ سُن کر آنحضرتؐ باہر نکلے اور مؤذن کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں میں اعلان کر دیں کہ جو شخص اس اعلان کو سُنے اور وہ فرمانبردار ہو وہ عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھے۔ اس وقت بقول ابنِ ہشام مدینہ پر حضرت ابن اُمِ مکتومؓ کو حاکم مقرر فرمایا۔

حضرت علیؓ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر بنو قریظہ کے قلعہ کے پاس پہنچے اور قلعہ کے نیچے اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ وہاں انھوں نے سُنا کہ بنو قریظہ آنحضرتؐ اور آپ کی ازواج مطہرات کی شان میں گستاخانہ بکواس کر رہے ہیں۔ یہ وہاں سے لوٹے تو راستہ میں آنحضرتؐ سے مُلاقات ہوگئی۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ! مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ آپ ان خبیثوں کے نزدیک جائیں۔ فرمایا کیوں؟ شاید تم نے ان کی زبانی میری شان میں کوئی تکلیف دہ بات سُنی ہے۔ عرض کیا۔ ہاں یارسول اللہ! فرمایا۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیں گے تو پھر کوئی ایسی گستاخانہ بات نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ ان کے قلعہ کے قریب پہنچے تو فرمایا۔ اے بندروں کی برادری! کیا تمھیں خُدا نے ذلیل و رُسوا نہیں کر دیا اور تم پر اپنا عذاب نازل نہیں فرمایا۔ وہ بولے اے ابوالقاسم! آپ اس سے ناواقف نہیں۔

اور آپ بنو قریظہ تک پہنچنے سے پہلے اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ مقام صورین[1] سے گزرے تھے اور ان سے دریافت فرمایا تھا کہ کیا تمھارے پاس سے کوئی شخص گزرا ہے؟ عرض کیا۔ یارسول اللہ دحیہ بن خلیفہ کلبی ایک سفید خچر پر زین پر سوار جس پر ریشمی چادر پڑی ہوئی تھی۔ ہمارے پاس سے گزرے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ جبریل علیہ السلام تھے جو بنو قریظہ کی طرف اس غرض سے بھیجے گئے ہیں کہ ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کر دیں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت ڈال دیں۔

بقول ابن اسحاق آنحضرتؐ نے ان کا پچیس دن تک اور بقول واقدی اکیس دن تک محاصرہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ وہ اس سے تنگ آ گئے اور حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب بٹھا دیا۔ مسلمانوں کا کھانا صرف کھجوریں تھیں جو حضرت سعد بن عبادہ لشکرِ اسلام کے لئے بھیجا کرتے تھے۔

جب بنو قریظہ کو اکیلا چھوڑ کر قریش غطفان واپس جا چکے تو حیی بن اخطب نے کعب بن اسد سے جو معاہدہ کیا تھا اُسے نبھانے کے لئے وہ بنو قریظہ کے ہمراہ ان کے قلعہ میں آ گیا۔ جب بنو قریظہ کو یہ یقین ہو

---

[1] صورین مدینہ منورہ میں بقیع کے قریب واقع ایک دیہات کا نام ہے۔ م

گیا کہ حضرت رسول اللہؐ ان سے جنگ کئے بغیر ہرگز واپس نہ ہوں گے تو کعب بن اسد نے ان سے کہا اے جماعت یہود! تم پر جو مصیبت نازل ہو چکی ہے۔ وہ تم دیکھ رہے ہو۔ میں تمھارے سامنے تین باتیں رکھتا ہوں۔ ان میں سے تم کسی ایک بات کو جسے مناسب سمجھو اختیار کر لو۔ انھوں نے پوچھا۔ وہ کیا امور ہیں کہا۔ اول یہ کہ ہم اس شخص کا اتباع قبول کر لیں اور اسے سچا نبی مان لیں۔ کیونکہ خدا کی قسم! تم پر یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ وہ خدا کے فرستادہ نبی ہیں اور وہ وہی شخصیت ہیں جن کا ذکر تم اپنی کتاب میں پاتے ہو۔ اس طرح تم اپنی جانوں اپنے اموال، اپنے بچوں اور عورتوں کو محفوظ کر سکو گے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تورات کے حکم کو ہرگز ترک نہ کریں گے اور اس سے کسی دوسری کتاب کا تبادلہ نہیں کریں گے

اس نے کہا۔ اگر تم اس کا انکار کرتے ہو تو پھر آؤ چل کر پہلے اپنے بچوں اور عورتوں کو خود اپنے ہاتھوں قتل کر ڈالیں۔ پھر اپنی اپنی تلواریں کھینچ کر حضرت محمد اور ان کے ساتھیوں پر حملہ آور ہو جائیں۔ اس طرح ہم اپنے پیچھے کوئی بار و ذمہ داری نہ چھوڑ جائیں جس کی ہمیں فکر لگی رہے۔ پھر خدا ہمارے اور محمدؐ کے درمیان جنگ کا کوئی ایک فیصلہ فرمادے گا۔ اگر ہم سب مارے گئے تو اس حال میں مارے جائیں گے کہ ہمارے بعد ہماری نسل باقی نہ رہے گی اور اس کے متعلق ہمیں کسی ظلم و بدسلوکی کا خطرہ باقی نہ رہے گا۔ اور اگر ہم کامیاب رہے تو میری عمر کی قسم ہے۔ ہمیں از سرِنو دوسری عورتیں اور بچے حاصل ہو جائیں گے۔

قوم نے جواب دیا۔ کیا ہم انھیں اپنے سامنے خود ہی مار ڈالیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر ان کے بعد ہماری زندگی ہی بیکار ہے۔

اس نے کہا۔ اگر تمھیں یہ بھی منظور نہیں تو آج ہفتہ کی شب ہے اور ممکن ہے کہ محمدؐ اور ان کے ساتھی ہفتہ کی وجہ سے ہماری طرف سے مطمئن ہوں۔ پس تم ان پر یکایک حملہ کر دو۔ شاید ہم انھیں اور ان کے ساتھیوں کو غافل پائیں۔

اس پر انھوں نے جواب دیا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ہفتہ کے دن کو خراب کریں اور ہفتہ[1] کے دن ایسی بات ایجاد کریں جو ہم سے پہلے کسی نے بھی نہیں کی تھی۔ بجز اس ایک کے جس کا تمھیں بھی علم ہے اور تم پر یہ بھی مخفی نہیں کہ اسی وجہ سے اس کی صورت مسخ ہو گئی تھی۔ اس پر اس نے کہا جس دن

---

[1] یہود کے ہاں ہفتہ کا دن محترم سمجھا جاتا ہے اس میں جنگ و جدل ان کے یہاں حرام ہے۔ م

سے تمھیں تمھاری ماؤں نے جنا تھا۔ اس دن سے تم نے ایک دن بھی عقل و ہوش کا نہیں گزارا۔

پھر ان لوگوں نے آنحضرتؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس ابُو لبابہ کو بھیج دیجئے تاکہ ہم ان سے اپنے معاملہ میں مشورہ کر لیں ان کا نام رفاعہ بن عبدالمنذر ہے۔ یہ بنو عمرو بن عوف کے بھائی اور قبیلہ اوس کے حلیفوں میں تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے انھیں ان کے پاس بھیج دیا۔ جونہی وہ ان کے پاس پہنچے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور بچے اور عورتیں جلدی سے ان کی طرف لپکے اور محاصرہ کی سختی کے اثر سے بلک بلک کر رونے لگے۔ اس حالت پر ابو لبابہ کو بھی رحم آگیا۔ یہود نے ان سے کہا اے ابو لبابہ! تمھاری کیا رائے ہے۔ کیا ہم خود کو محمدؐ کے سپرد کر دیں۔ کہا۔ ہاں۔ پھر ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا (کہ ان کا قصد تمھیں قتل کرنے کا ہے) ابو لبابہ کہتے ہیں۔ ابھی میں وہیں کھڑا تھا کہ مجھے شدت سے احساس ہوا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسُول کی خیانت کی ہے۔ (آپ کا راز افشا کر کے)

یہیں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ابو لبابہ کو حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ سے قبل ہی اس بات کا علم تھا کہ یہ لوگ قتل کر دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد ابُو لبابہ کچھ کہے بغیر چپکے سے واپس ہو گئے۔ مگر آنحضرتؐ کی خدمت میں نہ پہنچے بلکہ جا کر خود کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا اور عہد کیا کہ میں مرتے دم تک اس جگہ سے نہ ہٹوں گا یا جب تک حق تعالیٰ میرے جرم کو معاف نہ فرمادے اور خدا سے عہد کیا کہ اب کبھی بنو قریظہ کی زمین پر قدم نہ رکھونگا خدا مجھے اب کبھی اس سرزمین پر نہ دیکھے گا جس میں میں نے اللہ اور اس کے رسُول کا راز افشا کر کے ان کی خیانت کی ہے۔

جب یہ دیر تک آنحضرتؐ کی خدمت میں نہ پہنچے۔ ان کی دانستہ تاخیر اور اس عمل کی اطلاع آپ کو ہی تو فرمایا کہ اگر وہ سیدھے میرے پاس آجاتے تو میں ان کے قصور کی معافی کی خدا سے دُعا کرتا لیکن جب انھوں نے خود ہی اپنے لئے یہ راستہ اختیار کر لیا ہے تو اب میں از خود ان کی بندش نہیں کھول سکتا۔ جب تک حق تعالیٰ ہی انھیں معاف نہ فرمادے۔

پھر آنحضرتؐ حضرت اُم سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ آپ پر ابو لبابہ کی معافی کی آیت نازل ہوئی پس حضرت ام سلمہ نے حضرت ابو لبابہ کو یہ خوشخبری سُنائی۔ پھر آنحضرتؐ نے ان کی بندش کھول دی۔ صُبح کے وقت بنو قریظہ نے خود کو آنحضرتؐ کے سپرد کر دیا۔ تب اوس آگے بڑھے اور انھوں نے عرض کیا

یا رسول اللہ! یہ ہمارے دوست و حلیف تھے خزرج کے نہیں۔ آپ نے کل خزرج کے حلفاء سے جو معاملہ فرمایا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔

اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ آنحضرتؐ نے بنو قریظہ سے پہلے بنو قینقاع کا محاصرہ کیا تھا جو خزرج کے حلیف تھے۔ انھوں نے آپ کی اطاعت کر لی تھی۔ سو ان کے متعلق عبداللہ بن اُبی بن سلول نے آنحضرتؐ سے ان کی جان بخشی کی درخواست کی تھی جسے آپ نے قبول فرما لیا تھا۔

جب اوس نے آپ سے یہی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔ کیا تم اس پر راضی نہ ہو گے کہ تمھیں کا ایک شخص تمھاری اس درخواست کا فیصلہ کرے۔ انھوں نے کہا۔ ہمیں منظور ہے۔ فرمایا۔ اس معاملہ کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذؓ کے سپرد ہے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کو آنحضرتؐ نے ایک مسلمان خاتون رفیدہؓ کے خیمہ میں جو مسجد نبوی میں نصب تھا بھیج دیا تھا۔ حضرت رفیدہؓ مریضوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے زخمی مسلمانوں کی خدمت کے لئے خود کو وقف کر دیا تھا۔ جب حضرت سعدؓ دشمن کے تیر سے زخمی ہو گئے تو آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا تھا کہ انھیں رفیدہؓ کے خیمہ میں داخل کر دو تاکہ نزدیک رہنے سے میں آسانی سے ان کی عیادت کرتا رہوں۔

حضرت سعد بن معاذؓ کا فیصلہ

ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کو بنو قریظہ کے متعلق آنحضرتؐ کے فیصلہ کا علم ہو چکا تھا۔ کیونکہ جب وہ ان کے پاس پہنچے تھے تو اپنے ہاتھ سے اپنے گلے پر اشارہ کر کے انھیں بتا دیا تھا کہ تمھارے متعلق قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر وہ خود ہی اس اشارہ کرنے پر شرمسار ہوئے تھے اور اپنے اس فعل کو اللہ اور رسول کی خیانت تصور کیا تھا جس کے بعد وہ صورتِ حال پیش آئی جس کا اُوپر ذکر آ چکا ہے۔ ادھر حضرت سعد بن معاذؓ کا ان کے حق میں فیصلہ بھی مشہور تھا کیونکہ جب انھیں غزوۂ خندق میں تیر آ کر لگا تھا تو انھوں نے دعا کی تھی۔ "اے میرے خدا! مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک تو بنو قریظہ کے انجام سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ کر دے۔"

یہ ابھی تک زخمی حالت میں تھے کہ آنحضرتؐ نے انھیں بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے بلا بھیجا۔ پس ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس آئے اور چونکہ یہ بھاری جسم کے تھے انھیں گدھے پر سوار

کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گئے اور خود بھی ساتھ ہو لئے اور ان سے استدعا کرتے رہے کہ اے ابو عمرو! آپ اپنے دوستوں سے اچھا سلوک کرنا۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے ان کا معاملہ آپ کے سپرد فرمادیا ہے۔ یہ ان سے آپ کے حسن سلوک کا اچھا موقع ہے۔ جب ان کا اصرار حد سے بڑھا تو انھوں نے کہا۔ "اب سعد کے لئے وہ وقت آگیا ہے کہ اس پر اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اثر نہ ہو۔"

ان کی قوم کا ایک شخص جوان کے ساتھ تھا، الگ ہو کر بنو عبد الاشہل کے گھر پہنچا اور حضرت سعد بن معاذ کے ان تک پہنچنے سے پہلے ہی ان سے جا کر حضرت سعد کے وہ جملے بیان کر دیئے جو اس نے ان سے سنے تھے۔

ادھر جب حضرت سعد حضرت رسول اللہؐ اور مسلمانوں کے اجتماع میں پہنچے تو آنحضرتؐ نے فرمایا اپنے معزز شخص کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور انھیں عزت سے بٹھاؤ۔ پھر آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کیجئے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان میں کے ہر جنگ کے قابل شخص کو قتل کرا دیا جائے۔ ان کے متعلقین کو قیدی بنالیا جائے اور ان کا ساز و سامان مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔

یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ آپ نے ان کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کے منشا کے مطابق اپنا فیصلہ دیا ہے۔

پھر آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو لے جا کر قبیلہ بنو نجار کی خاتون بنت حارث کے گھر میں رکھا جائے اور مرد قیدیوں کے متعلق فرمایا کہ وہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے مکان میں رکھے جائیں۔ پھر آپ مدینہ کے بازار میں تشریف لے گئے اور وہاں کچھ گڑھے کھدوائے۔ پھر بنو قریظہ کے ہر بالغ مرد کو قتل کر ڈالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انھیں وہاں لانے کے لئے آدمی بھیجے گئے اور وہ مختلف ٹکڑیوں میں آنحضرتؐ کے سامنے پیش کئے جاتے رہے اور ان کی گردنیں اڑا اڑا کر انھیں ان گڑھوں میں ڈالا جاتا رہا۔ ان ہی میں اللہ کا دشمن حیی بن اخطب اور سردار قوم کعب بن اسد بھی تھا۔ ان کی تعداد چھ سو یا سات سو تھی اور ایک روایت کے مطابق آٹھ سو سے نو سو تک تھی۔

جب انھیں ٹکڑیوں میں آنحضرتؐ کی خدمت میں لے جایا جا رہا تھا تو انھوں نے اپنے سردار کعب سے

کہا۔ اے کعب! تمھیں کچھ معلوم ہے ہم سے کیا معاملہ کیا جائے گا۔ کعب نے جواب دیا۔ ہر جگہ تمھاری دیت قبول نہ کی جائے گی۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ تمھیں بُلانے والا بلانے سے باز نہیں آ رہا اور جو تم میں سے لے جایا جا رہا ہے۔ وہ واپس نہیں آ رہا ہے۔ بس سمجھ لو کہ وہ قتل کیئے جا رہے ہیں۔

یہ سلسلہ یونہی جاری رہا۔ جب آنحضرتؐ ان کے قتل سے فارغ ہوئے تو ان پر مٹی ڈلوا دی گئی۔ جب حیی بن اخطب کو لایا گیا تو اس کے جسم پر گلابی رنگ کا جُبہ تھا۔ جسے اس نے جگہ جگہ سے پھاڑ کر انگلی کے برابر چندیاں کر دی تھیں تاکہ آنحضرتؐ اسے (غیر کارآمد ہونے کی وجہ سے) مالِ غنیمت میں نہ لے سکیں اور اس کے ہاتھ رسّی سے اس کی گردن میں بندھے ہوئے تھے۔ جب اس نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو بولا خدا کی قسم! آپ کی دشمنی میں میں نے خود کو کبھی ملامت نہیں کی لیکن جسے خدا نے ذلیل کر دیا ہو آخر وہ رسوا ہو کر ہی رہتا ہے۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ اے لوگو! اللہ کے حکم میں چارہ نہیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے، اس کی تقدیر ہے اور قتل ہے جو بنی اسرائیل کے لئے مُقدّر ہو چکا ہے۔ پھر وہ بیٹھ گیا اور اس کی اور کعب بن اسد کی گردنیں اُڑا دی گئیں اور بنو قریظہ کے قتل کا کام حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ کے سُپرد تھا۔

ان لوگوں کے قتل کے وقت ان کی عورتیں دہاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ انھوں نے اپنے گریبان چاک کر ڈالے۔ اپنی چوٹیوں کو کھول کر بالوں کو بکھیر لیا۔ اپنے منہ پیٹ لئے اور مدینہ شہر میں ہر طرف ان کی آہ و بُکا اور چیخ پکار سے حشر برپا ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بنو قریظہ کی کوئی عورت بجز ایک عورت کے قتل نہیں کی گئی۔ واللہ! وہ عورت میرے پاس ہنستی ہنساتی باتیں کر رہی تھی اور آنحضرتؐ بازار میں ان کے مردوں کو قتل کرا رہے تھے کہ کسی شخص نے اس عورت کا نام لے کر پکارا کہ فلاں عورت کہاں ہے؟ اس نے کہا۔ میں حاضر ہوں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے کہا۔ تجھ پر تعجب ہے۔ یہ تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے کہا۔ مجھے قتل کیا جائے گا۔ میں نے کہا۔ کیوں؟ کہا میں نے ایک جُرم کیا تھا۔ (اس کی پاداش میں قتل کی جاؤں گی) فرماتی ہیں۔ پس اسے میرے پاس سے لے جا کر اس کی گردن اڑا دی گئی۔ حضرت عائشہ اس پر فرماتی ہیں کہ میں یہ حیرت انگیز منظر کبھی نہ بھلا سکوں گی کہ اسے اپنا قتل ہونا معلوم تھا۔ پھر بھی وہ خوش مزاجی سے ہنسی خوشی سے باتیں کر رہی تھی۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ زندگی کے آخری لمحہ تک اس کی خوش مزاجی اور انتہائی ہنسی خوشی وقت گزارنے کی وجہ سے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ عنقریب قتل کر دی جائیگی اس طرح خوش تھی اس پر مہربان ہو گئی تھیں۔

اس کے قتل کا سبب یہ ہوا کہ اس نے خلاد بن سوید نامی ایک مسلمان پر چکّی گرا کر انھیں شہید کر دیا تھا کیونکہ وہ اپنے شوہر کے قتل کے بعد زندہ نہ رہ سکتی تھی۔ اس لئے اس نے یہ حرکت کی اور اپنے کئے کی سزا بھگت لی۔ بنو قریظہ کی عورتوں میں سے اس کے سوا کوئی دوسری قتل نہیں کی گئی۔

اس عورت کا نام بنانہ تھا۔ یہ حکم قرظی کی بیوی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کے اشارے پر حضرت خلاد بن سویدؓ پر چکّی کا بھاری پتھر گرا کر انھیں شہید کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ یہ بات پسند نہ کرتا تھا کہ وہ اس کے بعد زندہ رہے اور اس سے کوئی دوسرا آدمی عقد کر لے۔

اس غزوہ میں حضرت خلادؓ کے سوا اور کوئی مسلمان شہید نہیں ہوا۔ حضرت خلادؓ بیعت عقبہ، غزوہ بدر و غزوہ اُحد میں شریک ہو چکے تھے۔

مسلمانوں کو ملنے والے اموالِ غنیمت

آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ بنو قریظہ کے قلعوں میں جو کچھ اسلحہ و دوسرا سازو سامان ہے وہ سب جمع کیا جائے۔ چنانچہ جمع کیا گیا تو اس میں پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار تیر، پانچ سو مختلف قسم کی ڈھالیں، بہت سا دوسرا سازو سامان، کثیر برتن، کھیتوں کو سیراب کرنے والے اونٹ، بہت سے مویشی اور بکریاں ہاتھ آئیں۔ پس اس تمام سامان اور کھجور کے باغات اور قیدی عورتوں اور بچوں کا پانچواں حصہ آنحضرتؐ کے لئے نکال کر باقی کو مجاہدین پر تقسیم کیا گیا۔ اس تقسیم کے تین ہزار بہتر حصے کئے گئے۔ کیونکہ مسلمان مجاہدین تین ہزار تھے اور گھوڑے چھتیس تھے۔ ہر گھوڑے کے دو حصے تھے اور اس کے سوار کا ایک حصہ تھا۔

پھر آنحضرتؐ نے بنو عبد الاشہل کے بھائی حضرت سعد بن زید انصاریؓ کو بنو قریظہ کے قیدیوں کے ساتھ نجد کی طرف روانہ کیا جنھیں فروخت کر کے ان کی قیمت میں گھوڑے اور اسلحہ خریدے گئے اور آنحضرتؐ نے یہود کی عورتوں میں سے ریحانہ بنت عمرو بن جنافہ کو اپنے لئے پسند فرمایا جو اپنی وفات تک آنحضرتؐ کی ملکیت میں رہیں۔ آپ نے ان کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ آپ ان سے عقد کر لیں اور انھیں پردہ میں رکھیں۔ لیکن اُنہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! عقد سے بہتر ہے کہ آپ مجھے اپنی ملک ہی میں رکھیں کہ یہ

بات میرے آپ کے ہر دو کے لئے خفیف و سہل ہے۔ پس آپ نے انھیں ان کے حال پر رہنے دیا۔ پھر وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات

جب بنو قریظہ کا قصہ تمام ہو چکا تو حضرت سعد بن معاذؓ کا زخم پھٹ گیا۔ جس کے نتیجہ میں آپ شہید ہو گئے۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھ سے معاذ بن رفاعہ زرقی نے روایت کی ہے کہ میری قوم کے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کی روح قبض کر لی گئی تو حضرت جبریل علیہ السلام وسط شب میں مخملی عمامہ باندھے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا اے محمدؐ! یہ کس کی میت ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور عرش ہل گیا ہے؟ یہ سن کر آنحضرتؐ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے جلدی جلدی حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے تو انھیں مردہ پایا۔

حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ حضرت سعدؓ جسیم شخص تھے لیکن جب لوگوں نے ان کی میت اٹھائی تو انھیں ہلکا پایا۔ اس پر لوگ کہنے لگے۔ واللہ وہ اگرچہ جسیم تھے لیکن ہم نے اس سے قبل ان سے ہلکا جنازہ نہیں اٹھایا۔ یہ بات آنحضرتؐ تک پہنچی تو فرمایا کہ ان کے جنازہ کو تمہارے سوا دوسرے (ملائکہ) اٹھانے والے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ملائکہ حضرت سعد کی آمد سے مسرور ہوئے اور عرش ہل گیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے کہا ہے کہ جب حضرت سعدؓ دفن کئے گئے اور ہم آنحضرتؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعتہً آنحضرتؐ نے سبحان اللہ کہا اور باقی حضرات نے بھی آپ کے ساتھ سبحان اللہ کہا پھر آپ نے اللہ اکبر کہا تو حاضرین نے بھی اللہ اکبر کہا۔ پھر صحابہ نے دریافت کیا کہ حضرت نے سبحان اللہ کس بات پر کہا۔ فرمایا کہ اس نیک بندے کی قبر تنگ ہو گئی تھی مگر خدا نے اس میں وسعت پیدا فرما دی۔ حضرت سعد بقیع غرقد میں دفن کئے گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر نوحہ و ماتم کرنے والی جھوٹی ہوتی ہے بجز سعد بن معاذ کا نوحہ کرنے والی کے۔

حضرت سعدؓ کی والدہ کا نام کبیشہ بنت رافع بن معاویہ بن عبید بن ثعلبہ بن عبد بن ابجر تھا۔ انصاری خواتین میں انھوں نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔

غزوۂ بنو قریظہ میں مسلمانوں کے نقصانات

حضرت خلاد بن سویدؓ کے سر پر چکی کا پتھر پھینکا گیا جب آنحضرتؐ بنو قریظہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو اسی اثنا میں حضرت ابوسنان بن محصنؓ وفات پا گئے اور بنو قریظہ ہی کے قبرستان میں دفن کئے گئے جس میں آج تک مسلمان دفن کیے جاتے ہیں اور پہلے بھی اس میں دفن کئے جاتے رہے ہیں۔

بعض غیر مسلم مؤرخین نے بنو قریظہ کے اس طرح قتل کئے جانے کی بہت مذمت کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بنو قریظہ نے آنحضرتؐ سے عہد شکنی کی۔ باوجودیکہ آپ نے ان سے حلیفانہ معاہدہ فرمایا۔ انھیں امن دیا اور دینی مراسم و عبادت ادا کرنے کی آزادی عطا فرمائی تھی۔ لیکن ان مراعات کے باوجود وہ مسلمانوں پر نازک وقت میں دشمن سے جا ملے اور مسلمانوں سے لڑے۔ پس ایسے لوگوں کی سزا یہی تھی کہ انھیں تہ تیغ کر دیا جائے۔ ہم نئے دور کے واقعات میں بھی اس کی مثالیں پاتے ہیں۔ چنانچہ بڑے محمد علی پاشا نے قلعہ بند مملوکین کا استیصال کرا دیا تھا۔ کیونکہ وہ ان کے خلاف بغاوت و سرکشی کرتے رہتے تھے۔ اس طرح انھوں نے ان کی حد سے بڑھی ہوئی مخالفانہ سرگرمیوں سے نجات پائی اور ان کے شر سے محفوظ ہو گئے۔

غزوۂ خندق و بنو قریظہ کے متعلق آیاتِ قرآنی کا نزول

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے خندق اور بنو قریظہ کے امور سے متعلق واقعات کے بیان میں سورۂ احزاب نازل فرمائی جس میں مسلمانوں کے ابتلا پھر اس کی ان پر اپنی نعمتوں کے فیضان اور خود اس کا ان کی مہم کو سر کرانے کی تفصیل مذکور ہے۔ جبکہ منافقین کے مذکورہ معاندانہ چیلنج کے بعد حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی مشکل حل فرما دی۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ	اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جبکہ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ	لشکر اعداء تمہارے مقابلہ میں صف آرا ہوئے تو ہم نے ان پر تیز
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ	آندھی اور ایسا لشکر مسلط کر دیا۔ جسے وہ دیکھ نہ سکتے تھے۔
تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝	اور حق تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا۔

یہ لشکر اعداء قریش، غطفان اور بنو قریظہ تھے اور وہ لشکر جنھیں حق تعالیٰ نے آندھی کے ساتھ بھیجا تھا،

فرشتوں کا لشکر تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○	اس وقت کو یاد کرو جبکہ کفار نے تم پر اوپر سے اور نیچے سے چڑھائی کر دی تھی اور جب تمہاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔

پس اوپر سے آنے والے بنو قریظہ تھے اور نیچے سے حملہ کرنے والے قریش اور غطفان تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ○	اس وقت مسلمانوں کا امتحان لیا گیا تھا اور وہ سخت زلزلے میں ڈال دیئے گئے تھے۔ اس موقع پر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بدی کا روگ لگا ہوا تھا یہ کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ اور اس کے رسول نے صرف دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

جیسا کہ معتنب بن قشیر نے کہا تھا جسے حق تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ○	اس وقت کو یاد کرو جب تم سے (منافقوں کی) ایک جماعت نے کہا تھا کہ اے یثرب والو! تمہارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ پس تم لوٹ چلو۔ اور ان میں کا ایک فریق نبی کریمؐ سے واپسی کی اجازت چاہنے لگا یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر کھلے اور غیر محفوظ پڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط تھا وہ تو صرف اسے بہانہ بنا کر میدانِ جنگ سے فرار ہونا چاہتے تھے۔

اور اوس بن قیظی اور اس کی قوم کے ہمنوا لوگوں نے کہا تھا:۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا	اگر ان پر اطراف مدینہ سے کوئی لشکر گھس آئے اور وہ لوگ ان سے فتنہ فساد برپا کرنے (مرتد ہو جانے) کا مطالبہ کر بیٹھیں

تَلْبَثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا ۝

تو یہ لوگ اسے فوراً منظور کر لیں اور اس میں ذرا بھی دیر نہ کریں۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ جنگ میں پیچھے نہ ہٹیں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جائے اس کی بازپرس ہوگی۔

یہ لوگ بنو حارثہ تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے بنو سلمہ کے ساتھ مل کر بزدلی مظاہرہ کیا تھا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۝ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَئُوهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

اور جن اہل کتاب نے کفار مکہ کی مدد کی تھی۔ ہم نے انھیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمھارا ایسا رعب بٹھا دیا کہ تم ان کے ایک فریق کو قتل اور دوسرے کو قید کرنے لگے تھے۔ نیز خدا نے تمھیں ان کی زمین ان کے گھروں، ان کے اموال اور اس زمین کا بھی مالک بنا دیا تھا جس پر ابھی تم نے قدم بھی نہ رکھا تھا اور حق تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

مدینہ کے یہودی اور ان کا انجام

قبائل اوس و خزرج کے درمیان باہم قدیم جنگیں چلی آ رہی تھیں جب آنحضرتؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو انھیں انصار کا لقب عطا فرمایا۔ کیونکہ انھوں نے ہی آپ کی مدد کی تھی۔ اس کے بعد دونوں قبیلے بھائی بن گئے اور ان کی باہمی عداوت ختم ہوگئی اور وہ اسلام کی نعمت سے باہم بھائی بن گئے۔ نیز آنحضرتؐ نے مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ کا رشتہ قائم فرما دیا۔

رہے یہود مدینہ۔ سو بنو قریظہ اور بنو نضیر قبیلہ اوس کے حلیف تھے اور بنو قینقاع قبیلہ خزرج کے حلیف تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سب سے معاہدہ امن و صلح طے فرما لیا تھا اور انھیں ان کے مذہب اور مال و دولت پر قائم رکھا تھا۔ لیکن انھوں نے غداری کی، عہد شکنی کی۔ آپ کی مخالفت میں تشدد اختیار کیا۔ آپ کی کامیابیوں پر حسد کرنے لگے۔ آپ سے دھوکہ و فریب کیا۔ آپ کی نبوت کا انکار کرتے رہے۔ جب آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے غداری اور شدید عناد اور مسلمانوں کے خلاف سازش

و دسیسہ کاری دیکھی تو آپ ان کے شر سے چھٹکارا پانے کے لئے موقع کی تلاش میں رہے چنانچہ آپ نے پہلے غزوۂ بدر کے بعد بنو قینقاع کو جو مدینہ میں مقیم تھے اسلام کی دعوت دی۔ جب انھوں نے اس کی قبولیت سے صاف انکار کر دیا اور آپ کو انتہائی بے باکی و گستاخی سے جواب دیا تو آپ نے ان سے جہاد کیا اور انہیں سنہ ۲ھ میں ملک شام کے علاقوں کی طرف جلاوطن کر دیا۔

پھر آپ نے ایک صحابی کو بھیج کر کعب بن اشرف شاعر کو قتل کرا دیا جو اپنے اشعار میں آنحضرتؐ کی ہجو کیا کرتا تھا اور کفار قریش کو آپ سے جنگ کرنے پر اکسایا کرتا تھا۔ یہ سنہ ۳ھ کا واقعہ ہے۔

سنہ ۴ھ میں آپ نے بنو نضیر سے جہاد کیا۔ جس کا سبب اوپر بیان ہو چکا ہے پھر آپ نے انھیں بھی مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا۔ ان میں سے کچھ تو ملک شام چلے گئے اور کچھ خیبر میں جا بسے۔ پھر آپ نے سنہ ۵ھ میں بنو قریظہ سے جہاد کیا۔ کیونکہ یہ وہی تھے جنھوں نے غزوۂ خندق میں آنحضرتؐ کے مقابلہ کے لئے دوسری جماعتوں کو آمادہ کیا تھا اور انتہائی دشوار و نازک وقت میں آنحضرتؐ کے دشمنوں سے جا ملے تھے۔ جہادِ قریظہ کے بعد مدینہ میں یہود کا کوئی مرکز باقی نہ رہا۔ ادھر منافقین جو تعداد میں بہت کم تھے انتہائی ذلیل و پست ہو کر رہ گئے۔

الحاصل مدینہ منورہ ظلم و جور کرنے والوں کا مسکن باقی نہیں رہا تھا۔ بلکہ عظیم الشان دینی اقتدار و برتری کا مرکز بن گیا تھا اور وہ چند ہی سالوں کے بعد پورے جزیرۃ العرب کو اپنے سامنے جھکا لینے کے قابل ہو گیا تھا۔

○

سریۂ قرطاؓ

اور ثمامہ بن اُثال حنفی کا قبولِ اسلام

یہ سریہ بیس محرم سنہ ۶ھ میں پیش آیا تھا۔

آنحضرتؐ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو تیس اُونٹ و گھوڑے سوار صحابہ کے ساتھ روانہ کیا۔ اور انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ شب میں سفر کریں اور دن کو چھپے رہیں اور وہاں کے کُفّار کو گھیر کر چاروں طرف سے اکدم حملہ کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا۔ جب انھوں نے ان پر حملہ کیا تو کچھ قتل کر دیئے گئے۔ باقی فرار ہو گئے ان میں سے دس قتل ہوئے، بعض کے نزدیک بیس قتل ہوئے پھر مسلمان ان کے ڈیڑھ سو اُونٹ اور تین ہزار بکریاں مدینہ کی طرف ہانک کر لے گئے اور انھوں نے ایک اُونٹ کو دس بکریوں کے مساوی قرار دیا۔

محمد بن مسلمہ انیس دن مدینہ سے باہر رہ کر محرم کے آخری دن مدینہ کو واپس ہوئے اور ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر کے لائے۔

ابن اسحاق نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کے گھوڑے سوار مجاہدین نے ایک شخص کو گرفتار کیا مگر وہ جانتے نہیں تھے کہ یہ کون ہے۔ انھوں نے اسے لا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا تمھیں کچھ معلوم ہے تم نے کسے گرفتار کیا ہے؟ یہ ثمامہ بن اثال حنفی ہے۔ پس آپ کے حکم سے انھیں مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا تاکہ وہ مسلمانوں کے بہترین طریقۂ عبادت اور ان کی اجتماعی شان کو دیکھیں تو ممکن ہے ان کا دل پگھل جائے۔ پھر کچھ وقفہ کے بعد آنحضرت ان کے پاس آئے اور پُوچھا۔ اے ثمامہ! تمھارا کیا خیال ہے؟ عرض کیا۔ اے محمد! میرے نزدیک سب کچھ بہتر ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کر دیں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون بہانا روا ہے۔ اور اگر آپ مہربانی فرمائیں گے تو ایک شکر گزار پر مہربانی فرمائیں گے۔ اگر آپ کو مال چاہیئے تو فرمایئے۔ جتنا آپ چاہیں گے، پیش کیا جائے گا۔ آپ نے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ جب دُوسرا دن ہوا تو پھر ان سے سوال فرمایا۔ اے ثمامہ! اب تمھارا کیا خیال ہے؟ جواب

ف ۱ بصرہ و مکّہ کے درمیان۔ مکّہ کے قریب بنو کلاب کے ایک گاؤں کا نام ہے م

دیا۔ وہی جو آپ سے پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اگر آپ مہربانی فرمائیں گے تو ایک شکر گزار پر مہربانی فرمائیں گے آپ نے پھر انھیں ان کے حال پر رہنے دیا۔ پھر تیسرے دن ان سے پوچھا۔ اے ثمامہ! اب تمھارا کیا خیال ہے؟ عرض کیا۔ میرا وہی خیال ہے جو پہلے ظاہر کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ثمامہ کو کھول دو۔ پس وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس پہنچے۔ غسل کیا۔ پھر مسجد میں آئے اور کلمہ پڑھا:۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

پھر عرض کیا۔ واللہ! اے محمدؐ! پہلے میرے نزدیک روئے زمین پر آپ سے زیادہ کوئی شخص مبغوض نہ تھا لیکن آج آپ کا روئے مبارک میرے نزدیک تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ واللہ! پہلے میرے نزدیک کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ ناپسندیدہ نہ تھا۔ لیکن آج آپ کا مذہب میرے نزدیک تمام ادیانِ عالم سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ واللہ! پہلے آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر میرے نزدیک مبغوض نہ تھا لیکن آج آپ کا شہر میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو گیا۔ میں عمرہ کے ارادہ سے سفر کر رہا تھا کہ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ اب آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ پس آنحضرتؐ نے انھیں دُنیا و آخرت کی بھلائی کے حصول کا مژدہ سُنایا اور عمرہ ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

جب وہ مکہ میں تلبیہ[1] کہتے اور اللہ کے شرک کی نفی کرتے ہوئے داخل ہوئے تو کسی نے ان سے کہا کہ کیا تم بے دین ہو گئے ہو؟ جواب دیا۔ نہیں بلکہ میں آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر خدا پر ایمان لے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! اب تمھارے پاس آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہ پہنچ سکے گا۔ روایت ہے کہ واقعۃً یمامہ سے آنے والی اجناس مکہ آنے سے روک دی گئی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قحط سالی کی وجہ سے قریش نے گوبر اور دُوسری غلاظتیں تک کھا لیں۔

پھر حضرت ثمامہؓ کا جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوا اور ان کے ذریعہ خدا نے ان کی قوم کے بہت لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ پھر اہل یمامہ کے مرتد ہو جانے پر انھوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ نہ کبھی آنحضرتؐ کی اطاعت سے دستبردار ہوئے اور آنحضرتؐ کے وصال کے بعد جب یمامہ والے مرتد ہو کر مسیلمہ کذاب کے ساتھ

---

[1] حج و عمرہ کے وقت یہ کہا جاتا ہے۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔ اسے تلبیہ کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا! میں تیرے دربار میں حاضر ہوں۔ بے شک تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں تیرے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ م

ہو گئے۔ تو حضرت ثمامہؓ بدستور اپنے بلند مقام پر فائز رہے۔ چنانچہ انھوں نے قوم سے خطاب کر کے یہ آیت پڑھی :۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝	میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان
حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ	اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتاری
الْعَلِيْمِ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ	ہوئی کتاب ہے جو غالب اور بہت علم والا ہے وہ گناہوں
قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ	کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا اور سخت عذاب
	بھی کرنے والا ہے۔

پھر کہا۔ اے لوگو! یہ دعوی نبوت مسیلمہ کی نری بکواس ہے۔

یہ سُن کر تین ہزار مرتدوں نے ان کی اطاعت قبول کر لی اور دوبارہ مسلمانوں میں جا ملے۔

○

غزوۂ بنی لحیان

یہ غزوہ ابتداء ماہ ربیع الاوّل ۶ھ (م۔ جون۔ جولائی ۶۲۷ء) کو واقع ہوا جس کا سبب یہ ہوا تھا کہ آنحضرتؐ حضرت عاصم بن ثابت اور ان کے ساتھی قراء کے قتل کی وجہ سے بہت رنجیدہ تھے جو ماہ صفر ۴ھ میں بئر معونہ کے مقام پر دھوکہ سے قتل کر دیئے گئے تھے۔ پس آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ آپ شام جا کر ان مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے ان پر غفلت میں حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ مدینہ سے روانہ ہوئے اور شام کو جانے والے راستے پر مدینہ کے قریبی غراب نامی پہاڑ کے ساتھ ساتھ چلے۔ پھر بمقام مخیض، پھر بمقام تبراء پہنچے۔ پھر دائیں طرف مڑ گئے اور مقام بین پر یمام کی پہاڑیوں پر جا نکلے۔ پھر سیدھا راستہ اختیار فرما کر مقام محجہ پر پہنچے جو مکّہ کے راستہ میں تھا۔ پھر وہاں سے تیزی کے ساتھ روانہ ہو کر مقام غران پر پہنچے جہاں قبیلۂ بنی لحیان کی آبادیاں تھیں۔ وہاں سے سایہ نامی شہر پہنچے۔ آپ کے ہمراہ دو سو آدمی تھے۔ جن میں بیس گھوڑے تھے۔ آپ نے اس موقع پر حضرت ابن اُمّ مکتومؓ کو مدینہ کا حاکم مقرّر فرمایا تھا۔ وہاں پہنچ کر آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ وہ کفار آپ کی آمد سے خائف ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چھپے ہیں۔ آپ نے وہاں ایک دو دن قیام فرمایا اور ان کی تلاش میں پہاڑوں کے ہر طرف طلایہ گرد دستے روانہ فرمائے۔ پس حضرت ابوبکرؓ کو دس سواروں کا دستہ دے کر روانہ فرمایا۔ تا کہ قریش کو ان کی آمد کا علم ہو تو وہ دہشت زدہ ہو جائیں۔ پھر آنحضرتؐ بغیر جنگ کیئے واپس ہو گئے۔

اس مرتبہ مدینہ منورہ سے آپ کی غیر حاضری کی مدّت چودہ دن تھی۔

○

عُیینہ بن حصن کا چھاپہ مارنا

آنحضرتؐ کو مدینہ تشریف لائے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ عُیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری نے قبیلہ غطفان کے گھوڑے سوار دستہ کے ساتھ جنگل میں آنحضرتؐ کے اونٹوں پہ جن کی تعداد بیس تھی چھاپہ مارا۔ جنگل میں اونٹوں کا محافظ قبیلہ بنو غفار کا ایک شخص اور اس کی بیوی تھی۔ پس انھوں نے اس شخص کو قتل کر دیا اور عورت کو اونٹ پر سوار کر کے ساتھ لے گئے۔ اس مقتول کا نام ذرابن ابی ذر تھا جو آنحضرتؐ کے اُونٹ چرایا کرتا تھا۔ اس کی بیوی کا نام جسے گرفتار کر لیا گیا تھا لیلیٰ تھا مگر وہ ان کے چنگل سے بچ کر نکل آئی۔ کیونکہ وہ اس عورت پر اعتماد کرتے تھے اور اپنے اونٹوں کو اپنے گھروں کے سامنے باندھتے تھے۔ ایک رات انھیں غافل پاکر یہ عورت چُپکے سے آنحضرتؐ کی عضباء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر وہاں سے فرار ہو گئی۔ جب انھیں اس کی خبر ہوئی تو اس کی تلاش میں نکلے۔ لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ آئی اور اس نے یہ نذر کر لی تھی کہ اگر وہ ان کے ہاتھ سے بچ نکلی تو اسی اونٹنی کو ذبح کر دے گی۔ جب وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچی تو آپ کو تمام واقعہ کی اطلاع دی۔ نیز عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اللہ کی نذر مانی تھی کہ اگر اللہ کے حکم سے میں اس کی سواری پر بچ کر نکل گئی تو میں اسے ذبح کر دوں گی۔

آپ نے فرمایا تم نے اسے بہت بُرا بدلہ دیا کہ اگر خدا تمھیں اس پر سوار کرا کر ان غاصبوں سے نجات دے دے تو تم اسے ہی ذبح کر ڈالو گی۔ یاد رکھو نہ کسی گناہ میں کسی کی نذر صحیح ہے نہ کسی دوسرے کی ملکیت میں نذر ماننی جائز ہے۔ کیونکہ وہ تو میری اُونٹنی ہے۔ تم پر اللہ کا بڑا فضل ہُوا۔ اب اپنے کُنبہ میں واپس چلی جاؤ۔

○

غزوۂ ذی قرد

اسی کا نام غزوۂ غابہ بھی ہے

ذو قرد غطفان کے علاقہ کے قریب مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک کنواں ہے۔ یہ غزوہ ماہ ربیع الاول سنہ ۶ھ (م جولائی سنہ ۶۲۷ء) میں پیش آیا تھا۔

بخاری میں ہے کہ یہ غزوہ خیبر سے تین دن قبل اور غزوۂ حدیبیہ کے بیس دن بعد پیش آیا تھا اس کا سبب یہ ہُوا تھا کہ عیینہ بن حصن فزاری نے آنحضرتؐ کے اونٹوں پر چھاپہ مارا تھا جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا۔

جب غابیوں نے اونٹوں پر چھاپہ مارا تو اسی دن ایک پکار سنائی دی کہ کوئی کہہ رہا ہے فریاد ہے فریاد ہے۔ نیز یہ آواز آئی کہ اے سوارو، سوار ہو جاؤ۔ سب سے پہلے سلمہ بن عمرو بن اکوع اسلمی نے انھیں اس پکار سے ڈرایا۔ آنحضرتؐ نے حسب عادت اپنے بعد حضرت ابن ام مکتومؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا اور پانچ سو مجاہدین کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو اپنے بعد تین سو مجاہدین کے دستے کے ساتھ مدینہ کی حفاظت کے لئے مامور فرما گئے۔ حضرت مقداد نے نیزے پر اپنا جھنڈا لہرا دیا اور فرمایا۔ روانہ ہو جاؤ پھر سوار دستہ تم سے آملے گا اور میں بھی تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔

اس غزوہ کا انجام یہ ہُوا کہ مسلمانوں نے دشمن کو جالیا اور انھیں شکست دے دی۔ ان کے سرغنوں کو قتل کر ڈالا اور ان سے سب مغصوبہ اونٹ چھڑا لیے ایک روایت ہے کہ کچھ چھڑا لیے مسلمانوں کے صرف ایک مجاہد محرز بن نضلہؓ شہید ہوئے۔ پھر آنحضرتؐ آگے بڑھ کر خیبر کے سامنے مقام ذاکرتک پہنچ گئے تو دشمن پناہ کے لئے بنی غطفان کے پاس جا چھپے۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ بڑے قادر انداز تھے۔ انھوں نے اپنی حربی مہارت کا مظاہرہ کر کے اپنی تیر اندازی سے دشمن کو بہت سراسیمہ کر دیا۔ اس موقع پر حضرت ابو قتادہؓ نے سعدہ بن حکمہ فزاری کو قتل کر دیا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے مقتول کا گھوڑا اور ہتھیار انھیں عطا فرما دیئے۔

ادھر راستہ میں حضرت عکاشہ بن محصنؓ کو ابان بن عمرو اور اس کا بیٹا عمر ایک اونٹ پر سوار مل گئے تو آپ نے انھیں اپنے نیزے میں پرو کر دونوں کو قتل کر دیا۔

آنحضرتؐ اس موقع پر مدینہ سے پانچ دن غیر حاضر رہے۔ آپ نے مقام ذی قرد میں نماز خوف ادا فرمائی۔

سریۂ غمر
یا
سریۂ عکاشہ بن محصن اسدی

غمر مکہ کے راستہ میں فید نامی قلعہ سے دو دن کے فاصلہ پر واقع قبیلہ بنی اسد کا کنواں ہے۔ یہ سریہ ماہ ربیع الاول سنہ ۶ ھ میں پیش آیا۔

حضرت عکاشہ رضؓ چالیس آدمیوں کا دستہ لے کر روانہ ہوئے۔ دشمن ان کی آمد کی خبر سے خوف زدہ ہو کر فرار ہو گئے جب مسلمان ان کے مقام پر پہنچے تو ان کے فرار ہو جانے کی وجہ سے ان کا شہر خالی پایا پس مسلمانوں نے ان کی تلاش میں ایک دستہ روانہ کیا۔ جنھوں نے قریب ہی ان کے اونٹوں کے پیروں کے نشانات دیکھ کر ادھر کا رُخ کیا اور ان کے ایک آدمی کو پا لیا اور اسے امان دے دی جس کے بدلے اس نے اپنے قبیلہ کے اُونٹوں کا پتہ بتا دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے ان کے دو سو اُونٹ ہانک لئے اور اس پتہ بتانے والے کو آزاد کر دیا اور اُونٹوں کو لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

○

محمدؐ بن مُسلمہؓ انصاری کا مقام ذُوالقصہ[1] کی طرف مارچ

یہ سریہ ماہ ربیع الثانی (م اگست ۶۲۷ء) میں پیش آیا۔

محمد بن مسلمہ دس آدمیوں کا دستہ لے کر بنو ثعلبہ کی طرف روانہ ہوئے اور رات کو ان کے مقام پر پہنچے۔ ادھر مشرکین ان کی گھات میں چھپے ہوئے تھے کیونکہ انھیں کھٹکا لگا ہوا تھا کہ مسلمان ان کی طرف آئیں گے۔ انھوں نے محمد بن مسلمہ کو چھوڑے رکھا (یعنی ان پر حملہ نہیں کیا) یہاں تک کہ وہ اور ان کے ساتھی سو گئے۔ تب انھوں نے مُسلمانوں کو گھیر کر ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ مسلمان تیر لگنے سے بیدار ہوئے اور محمد بن مسلمہ چونک کر اُٹھے اور کمان ہاتھ میں لئے ہوئے اپنے ساتھیوں کو للکارا کہ ہتھیار اُٹھا لو۔ اس آواز پر وہ بھی مسلح کھڑے ہو گئے اور ایک بجے رات تک طرفین سے تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ پھر محمد کے ساتھی ان کے پاس جمع ہو گئے۔ انھوں نے دشمن کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ پھر ان لوگوں نے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر کے چند کو شہید کر ڈالا مگر محمد بن مسلمہ بچ گئے تھے جو زخمی ہو کر گر پڑے۔ انھیں ایک مسلمان اُٹھا کر زخمی حالت میں مدینہ لے آئے۔

تب آنحضرتؐ نے ماہ ربیع الآخر میں حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراحؓ کو چالیس آدمیوں کا دستہ دے کر دشمن کے گھروں کی طرف روانہ فرمایا۔ انھوں نے جا کر ان پر چھاپہ مارا لیکن وہاں کسی کو موجود نہ پایا۔ صرف اُونٹ و بکریاں ملیں جنھیں ہانک لائے۔ ان میں کا ایک شخص ملا تھا جس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے اُسے چھوڑ دیا اور ان کے اُونٹ اور کچھ سامان لے کر مدینہ حاضر ہو گئے۔ محمد بن مسلمہ کو دس آدمی دے کر روانہ فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کو خبر ملی تھی کہ قبائل بنو ثعلبہ اور انمار اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ مدینہ کی چراگاہ ہیفاء[2] پر حملہ کر دیں کیونکہ مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے جانور بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ جب محمد بن مسلمہ شہید ہو گئے تو آنحضرتؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے روانہ فرمایا۔

○

(۱) یہ ایک مقام ہے کہ اس کے اور مدینہ کے درمیان ربذہ کے راستہ پر چوبیس میل کا فاصلہ ہے۔ م

(۲) یہ مدینہ سے سات میل کے فاصلہ پر ایک چراگاہ تھی۔ م

سریہ زید بن حارثہ رض

ماہ ربیع الآخر ہی میں حضرت زید بن حارثہ رض نے مقام جموم پر بنو سلیم پر لشکر کشی کی۔ وہاں انھیں بہت سے اونٹ و بکریاں ملیں اور کفار کی ایک جماعت ملی جسے گرفتار کر لیا۔ پھر جمادی الاولی سنہ ۶ھ (م ستمبر ۶۲۷ء) میں حضرت زید اپنا لشکر لے کر مقام عیص[1] کی طرف روانہ ہوئے جس کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت کو اطلاع ملی تھی کہ شام سے کفار کا ایک تجارتی قافلہ آ رہا ہے۔ اس لئے آپ نے حضرت زید بن حارثہ رض کو ستر سواروں کا دستہ دے کر اس قافلہ کو روکنے کے لئے روانہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت زید رض نے قافلہ کو جا دبوچا اور اسے تمام مال سمیت پکڑ لیا۔

اس دن صفوان بن امیہ بن خلف کی بہت سی چاندی ہاتھ آئی۔ قافلہ کے متعدد آدمی گرفتار ہو گئے۔ ان میں ابو عاص بن ربیع اور ام ہالہ بنت خویلد ہمشیرہ حضرت خدیجہ رض بھی تھیں۔ ابو العاص تجارت دولت اور امانت کے اعتبار سے مکہ کے معدودے چند مشاہیر میں تھے۔ یہ آنحضرت کی صاحبزادی حضرت زینب رض کے شوہر تھے۔ چنانچہ حضرت زینب رض نے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ان کے شوہر سے جو مال لے لیا گیا ہے وہ انھیں واپس فرما دیا جائے۔ آپ نے اسے قبول فرما لیا اور ان سے فرمایا کہ تم ان کا اکرام و اعزاز کرو لیکن وہ تم سے تخلیہ نہ کرنے پائیں۔ اس لئے کہ تم اب (مسلمان ہونے کی وجہ سے) ان کے لئے حلال نہیں رہی ہو۔ پھر ابو العاص رہا ہو کر مکہ واپس چلے گئے اور جس جس کا جو جو مال ان کے پاس تھا وہ ان سب کو ادا کر دیا۔ پھر مشرف باسلام ہو کر مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ واپس آ گئے۔

حضرت زینب رض ان سے پہلے مدینہ ہجرت کر کے آ چکی تھیں اور انھیں شرک کی حالت میں چھوڑ آئی تھیں۔ جب وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے آ گئے تو آنحضرت نے حضرت زینب رض کو انھیں واپس فرما دیا۔

اور انہی ابو العاص سے حضرت زینب کی صاحبزادی امامہ کو آنحضرت نماز کی حالت میں اپنے دوش پر اٹھائے رکھتے تھے۔

---

[1] مدینہ سے چار میل پر ایک مقام ہے۔ م

زید بن حارثہ کا دُوسرا سریہ

یہ لشکر ملک شام کی سمت وادی قریٰ کے بعد کے علاقے حسمیٰ کی طرف ماہ جمادی الاخریٰ ۶ھ اکتوبر ۶۲۷ء کو روانہ ہوا تھا جہاں جذامی قبیلہ آباد ہے اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ آنحضرتؐ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کو ایک نامۂ مبارک دے کر قیصر کے پاس بھیجا تھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی تھی۔ قیصر نے انھیں گراں قدر انعام اور خلعت عنایت کی۔ واپسی پر راستہ میں انھیں ہنید بن عارض ملا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے آپ پر حسمیٰ کے مقام پر ڈاکہ ڈالا اور جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ چھین لیا۔ یہ خبر بنو ضبیب کی ایک جماعت نے سنی جو رفاعہ بن زید جذامی کے گروہ سے متعلق تھی اور مسلمان ہو چکی تھی۔ ان لوگوں نے ان ڈاکوؤں سے وہ تمام لُوٹا ہوا سامان چھین کر حضرت دحیہؓ کو واپس کر دیا۔

حضرت دحیہؓ نے واپس ہو کر آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع دی جس پر آپ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو پانچ سو مجاہدین کا لشکر دے کر روانہ فرمایا۔ حضرت زیدؓ راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے۔ ان کے ساتھ قبیلہ بنی عذرہ کا ایک راستہ بتانے والا شخص تھا۔ وہ اس لشکر کو ان ڈاکوؤں کے سر پر لے کر پہنچا جہاں انھوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کا مال اسباب لُوٹ لیا۔ ان میں سے بہتوں کو قتل کر ڈالا اور ہنید اور اس کے بیٹے کو بھی تہ تیغ کر دیا ان کے جانوروں اور عورتوں کو پکڑ لیا۔ چنانچہ اونٹ ایک ہزار، بکریاں پانچ ہزار، عورتیں بچے ایک سو ان کے ہاتھ آئے۔ یہ تخمینی تعداد ہے۔ پھر رفاعہ بن زید جذامیؓ اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لانے کے وقت آنحضرتؐ نے ان کے اور ان کی قوم کے حق میں جو تحریر لکھوا کر انھیں دی تھی وہ آپ کی خدمت میں پیش کی جب وہ تحریر آپ کے سامنے پڑھی گئی تو آپ نے دریافت فرمایا۔ اب مقتولین کے متعلق کیا کروں۔ رفاعہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے نہ حلال کو آپ پر حرام کرتے ہیں نہ حرام کو حلال۔

پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو حضرت زیدؓ کے پاس روانہ فرمایا تاکہ جو کچھ اموالِ غنیمت ان سے چھین لیے تھے وہ انھیں واپس کر دیے جائیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔

م؎ حضرت دحیہ بہت حسین و جمیل شخص تھے۔ حضرت جبریل آنحضرتؐ کی خدمت میں ان ہی شکل میں آتے تھے۔ یہ پہلے اسلام لانے والوں میں تھے۔ آنحضرتؐ کے ساتھ بدر کے بعد کے سب جہادوں میں شریک رہے۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت تک زندہ رہے۔ جنگ یرموک میں بھی شریک رہے۔ م

دومۃ الجندل کی طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے لشکر کی روانگی اور اصبغ بن عمرو کلبی کا اسلام لانا

آنحضرتؐ نے دومۃ الجندل پر ربیع الاول ۵ھ م جولائی ۶۲۶ء) میں لشکرکشی فرمائی تھی جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔

یہ سریہ شعبان ۶ھ (م نومبر ۶۲۷ء) کو واقع ہوا۔

آنحضرتؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اس سریہ کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ اس کی صبح کو وہ ایک سیاہ موٹے کپڑے کا عمامہ باندھے ہوئے تھے کہ آنحضرتؐ نے انھیں اپنے قریب بلاکر اپنے سامنے بٹھایا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کے عمامہ باندھا۔ پھر حضرت بلالؓ کو حکم فرمایا کہ انھیں جھنڈا دے دیں پھر اللہ کی تعریف بیان کی خود پر درود بھیجا۔ پھر فرمایا۔

اے ابنِ عوف! اس جھنڈے کو لے کر تم سب اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جنھوں نے اللہ سے کفر کیا ہے ان سے جنگ کرو لیکن اس میں غلو اور حد سے تجاوز کرنا نہ عہد شکنی و خیانت کرنا، نہ کسی کو مثلہ کرنا، نہ کسی کمسن لڑکے کو قتل کرنا۔ خدا کی طرف سے تمھیں یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ نیز یہ تمھارے لئے خدا کے نبی کی سیرتِ طیبہ کا نمونہ ہے۔

پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جھنڈا سنبھالا۔ آنحضرتؐ نے انھیں بمقام دومۃ الجندل قبیلہ کلب کی طرف روانہ فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ اگر انھوں نے تمھاری دعوت قبول کرلی اور اسلام لے آئے تو تم ان کے بادشاہ کی بیٹی سے عقد کرلینا۔ ان ہدایات کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ اپنے لشکر کو لے کر جو سات سو مجاہدین پر مشتمل تھا۔ وہاں سے روانہ ہوکر دومۃ الجندل کے مقام پر پہنچے اور وہاں ٹھہر کر تین دن تک برابر وہاں والوں پر اسلام کی دعوت پیش کرتے رہے۔ اوّل اوّل انھوں نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کردیا اور آمادہ پیکار رہے لیکن تیسرے دن ان کا بادشاہ اور سردار اصبغ بن عمرو کلبی جو نصرانی تھا، مشرف باسلام ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی قوم کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان کے باقی لوگوں پر (جو ابھی غیر مسلم رہ گئے تھے) خراج لگادیا اور اصبغ کی بیٹی تماضر سے اپنا عقد

کرلیا اور انھیں اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لے آئے۔

یہ آنحضرتؐ کے فیضِ صحبت سے مستفید رہیں۔ ان ہی کی کنیت ام بنت ابی سلمہ ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ کے لشکر کی بنی سعد بن بکر کی طرف روانگی

حضرت علیؓ سو مجاہدین کو ہمراہ لے کر شعبان ۶ھ میں بنو سعد بن بکر کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ آنحضرتؐ تک یہ خبر پہنچی تھی کہ یہ لوگ خیبر کے یہود کی مدد کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان کے سب اونٹوں اور بکریوں پر چھاپہ مارا تو ان کے چرواہے ڈر کر فرار ہو گئے۔

مسلمان ان جانوروں کو اپنے ساتھ ہانک کر لے گئے جو پانچ سو اونٹوں اور دو سو بکریوں پر مشتمل تھے اور حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔

حضرت زید بن حارثہ کی ام قرفہ کی طرف لشکر کشی

یہ لشکر کشی ماہ رمضان ۶ھ میں ہوئی جس کا یہ سبب ہوا کہ حضرت زید بن حارثہ صحابہ کرام کا سامان تجارت لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ (یہ پہلا موقع تھا کہ کسی صحابی نے تجارتی غرض سے شام کا سفر کیا) جب وہ وادی قریٰ تک پہنچے تو قبیلہ بنو بدر کی شاخ فزارہ کے کچھ لوگ ان سے ملے اور انھیں اور ان کے ساتھیوں کو زدوکوب کر کے ان کا تمام سامان چھین لیا۔ حضرت زید نے واپس ہو کر آنحضرتؐ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے انھیں ایک لشکر دے کر ان مخالفین کی طرف روانہ فرمایا انھوں نے بنو فزارہ کا جو آدمی ملا اُسے گھیر کر قتل کر دیا۔ اور ام قرفہ کو گرفتار کر لیا۔ یہ ربیعہ بن بدر فزاری کی بیٹی اور قبیلہ کی ملکہ و سردار تھی اور اپنی قوم میں معزز مانی جاتی تھی۔ یہ بہت بوڑھی تھی۔ اسے قیس بن محسر صحابی اور ایک قول کے مطابق ابن سحل نے گرفتار کر کے بہت ذلت کے ساتھ مارا۔ اس کے دونوں پیروں کو دو رسیوں سے باندھا۔ ان رسیوں کو دو اونٹوں سے باندھ کر ٹانگوں کو چیر دیا۔ اسے اس طرح اس لئے مارا کہ یہ آنحضرتؐ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں اور پوتوں میں سے تیس جنگجو سوار آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے لئے تیار کر کے بھیجے تھے اور ان سے کہا تھا کہ مدینہ پر چڑھائی کر کے محمدؐ کو قتل کر آؤ۔

حضرت زید بن حارثہ رضؓ نے فراغت کے بعد اسی طرح حاضر دربار اقدس ہو کر حجرۂ نبوی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پس آنحضرت ؐ ردائے مبارک گھسیٹتے ہوئے فوراً اُن کی طرف بڑھے اور انہیں گلے سے لگالیا اور انھیں بوسہ دیا اور حالات دریافت فرمائے۔ انھوں نے اپنی کامیابی کی تفصیل بیان کردی۔

واقدی نے اپنی تاریخ میں اور سید دحلان نے اپنی کتاب سیرت نبوی کے دُوسرے حصّہ میں اس جنگ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مجھے اس قصّہ کی اس تفصیل میں شک ہے۔ مجھے اس قیس کے نام میں شک ہے جس نے ام قرفہ کو گرفتار کیا تھا۔ ان کا نام بعض نے ابن محسر، بعض نے ابن محل اور بعض نے ابن محسن بیان کیا ہے۔

مگر مجھے اس میں شبہ ہے کہ کوئی صحابی رسول ؐ کسی عورت کو مثلہ کریں اور اسے اس بُری طرح ماریں۔ یہ جانتے ہوئے کہ آنحضرت ؐ نے کسی کو مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جبکہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کو دومۃ الجندل پر لشکر کشی کے لئے روانہ فرماتے ہوئے بطور خاص یہ ہدایات دی تھیں کہ تم راہِ خدا میں ان سب سے جہاد کرنا اور جس نے کفر کیا اس سے جنگ کرنا۔ مگر نہ جنگ میں غلو کرنا، نہ عہد شکنی کرنا، نہ کسی کو مثلہ بنانا، نہ کسی بچے کو قتل کرنا۔ یہ تم پر اللہ کی طرف سے عہد اور تمہارے لئے تمہارے نبی کی سیرت طیبہ کا نمونہ ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ اور حضرت زید بن حارثہ رضؓ کی لشکر کشی کے درمیان صرف ایک مہینہ ہی کا فرق ہے اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضؓ کی لشکر کشی کے بیان میں عنقریب بیان ہوگا کہ آنحضرت ؐ نے انھیں کسی لڑکے یا عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا۔

بہر حال یہ ممکن نہیں کہ آنحضرت ؐ تک ام قرفہ کے اس بُری طرح قتل کرنے کی خبر پہنچے اور آپ اس کی مذمت کئے بغیر رہ سکیں۔

اس لئے میرے نزدیک ام قرفہ کو مثلہ کرنے کی روایت ناقابل قبول ہے۔

○

سلام بن ابی حقیق کو قتل کرنے کے لیئے
عبداللہ بن عتیکؓ کی لشکر کشی

واقع رمضان سنہ ۶ھ م دسمبر سنہ ۶۲۷ء

یہ لشکر کشی ابو رافع عبداللہ یا سلام بن ابی حقیق یہودی کے قتل کے لئے کی گئی تھی۔ یہ شخص آنحضرتؐ کے ان دشمنوں میں تھا جنھوں نے غزوۂ خندق کے موقع پر مختلف قبائل کو آنحضرتؐ کے خلاف جنگ کے لئے جمع کیا تھا اور مشرکوں کی زرِکثیر سے مدد کی تھی۔

مؤرخین کا اس جنگ کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ذی الحجہ سنہ ۵ھ میں غزوۂ خندق کے بعد برپا ہوئی۔ بُخاری میں ہے کہ زہری کا قول ہے کہ یہ سنہ ۳ھ میں کعب بن اشرف کے قتل کے بعد برپا ہوئی اور ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے وسط جمادی الاخریٰ سنہ ۳ھ میں اس جنگ کا ہونا بیان کیا ہے۔

واقدی کی یہ رائے ہے کہ یہ لشکر آنحضرتؐ نے ابو رافع یا سلام بن ابی حقیق کی طرف ماہ ذی الحجہ سنہ ۴ھ میں روانہ کیا تھا۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سلام بن ابی حقیق ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے جنگ خندق کے موقعہ پر مختلف گروہوں کو آنحضرتؐ کے خلاف جمع کیا تھا۔ جنگ خندق سنہ ۵ھ میں واقع ہوئی تھی۔

بنو نضیر کے خیبر کی طرف جلاوطن ہو کر خیبر پہنچنے والوں میں یہ سلام بھی داخل تھا۔ پھر اس نے غزوۂ خندق کے بعد بنو فزارہ اور دُوسرے قبائل کو آنحضرتؐ کے خلاف مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ اسی بنا پر ہم اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ جنگ سنہ ۶ھ میں ہوئی تھی جیسا کہ سید دحلان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ یہ جنگ رمضان سنہ ۶ھ (م دسمبر سنہ ۶۲۷ء) میں برپا ہوئی تھی۔ اس جنگ کا واقعہ یہ ہوا کہ قبیلہ خزرج کے درج ذیل پانچ صحابہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔ عبداللہ بن عتیک، عبداللہ بن انیس۔ ابو قتادہ۔ اسود بن خزاعی۔ مسعود بن سنان اسلمیؓ۔ انھوں نے آپ سے سلام بن ابی حقیق کے قتل کی اجازت چاہی جو اس وقت خیبر میں مقیم تھا۔ کیونکہ اس سے قبل قبیلہ اوس والوں نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا تھا۔ اس لئے خزرج والوں نے چاہا کہ آنحضرتؐ

کے نزدیک اوس کے اس کارنامہ کی وجہ سے انھیں خزرج پر فضیلت حاصل نہ رہے۔

پس آنحضرتؐ نے انھیں اس کے قتل کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی کسی بچّے یا عورت کو قتل کرنے سے منع فرمادیا اور عبداللہ بن عتیکؓ کو ان کا امیر مقرّر فرمایا۔ چنانچہ یہ لوگ خیبر روانہ ہوگئے اور وہاں جاکر ایک جگہ چھپ گئے۔ جب لوگ سو گئے ان کا چلنا پھرنا بند ہوگیا تو یہ حضرات اس کے گھر کی طرف چلے جو ایک بلند قلعہ پر واقع تھا۔ غروب آفتاب کے بعد جب لوگ اپنی اپنی آرام گاہوں میں جاچکے تھے تو یہ لوگ اس کے گھر کے قریب آئے اور حضرت عبداللہ بن عتیکؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں اور دربان سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہوں۔ شاید اس طرح مجھے قلعہ میں داخل ہونے کا موقع مل سکے۔ چنانچہ یہ روانہ ہوکر قلعہ کے دروازے کے قریب پہنچے اور اپنے اُوپر کپڑا اوڑھ لیا تاکہ صورت پوشیدہ رہے اور ایسا حال کرلیا گویا وہ کسی ضرورت سے آئے ہیں اور ان کی شناخت نہ ہوسکے۔ اس طرح وہ دروازے کے قریب آکر چھپ گئے۔ پھر چپکے چپکے اوپر چڑھے اور یہ یہودی زبان جانتے تھے۔ اس لئے ان کے ساتھیوں نے انھیں ہی آگے کیا تاکہ ابورافع کی زبان میں بول سکیں۔ پس انھوں نے ابورافع کے کمرہ کا دروازہ کھلوانا چاہا تو اس کی بیوی نے انھیں دیکھ کر کہا تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: میں ابورافع کے لئے ہدیہ لے کر آیا ہوں۔ یہ سُنتے ہی اس نے دروازہ کھول دیا اور کہا کہ تمھارا دوست ابورافع یہ ہے۔ جب اس نے ہتھیار دیکھا تو شور مچانا چاہا لیکن انھوں نے اس کی طرف تلوار کا اشارہ کیا تو وہ خاموش ہورہی۔

ابن عتیکؓ کہتے ہیں۔ میں نے اندھیرے میں اس کی جگہ معلوم کرنے کو اسے آواز دی کہ اے ابورافع! اس نے کہا۔ کون؟ پس میں آواز کی سمت لپکا اور اسے ایک مار ماری لیکن میں اپنے عمل کے نتیجے کے بارے میں خود متردّد تھا۔ چنانچہ وہ مار بیکار گئی اور میں اُسے قتل نہ کرسکا۔ اس پر ابورافع نے شور کیا تو میں کمرہ سے نکل کر دُور جا چُھپا۔ تب اس کی بیوی نے کہا۔ اے ابورافع! یہ تو عبداللہ بن عتیکؓ کی آواز ہے۔ اس نے کہا۔ تیری ماں تجھے گم کردے۔ عبداللہ بن عتیک یہاں کہاں؟ کہتے ہیں۔ میں پھر ایک فریادی بن کر دوبارہ اس کے قریب آیا اور آواز بدل کر کہا۔ اے ابورافع! یہ کیسا شور ہے؟ کہا۔ تیری ماں مرے۔ ابھی کسی آدمی نے تلوار سے حملہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس مرتبہ اس پر پھر سخت وار کیا لیکن پھر بھی اسے قتل نہ کرسکا۔ وہ پھر چیخا اور اس کے گھر والے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کی عورت نے بھی شور مچادیا۔ پھر میں نے ہمّت

کر کے تلوار کی نوک ابو رافع کے پیٹ میں گھونپ دی جو ابو رافع کی کمر تک چلی گئی اور مجھے اس کی ہڈی کے چٹخنے کی آواز سنائی دی۔ جب میں نے سمجھا کہ میں نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔

طبری میں ہے کہ "جب ابو رافع کی عورت نے شور مچایا تو ہم میں کا ایک آدمی اس پر تلوار اٹھاتا۔ مگر پھر آنحضرتؐ کی عورتوں کے قتل کی ممانعت یاد کر کے اپنا ہاتھ روک لیتا۔"

ابن عتیکؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ایک ایک کر کے سب دروازے کھولتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں ایک مقام پر پہنچا اور اپنا پیر اس پر رکھا تو معلوم ہوا کہ میں اب زمین پر اتر آیا ہوں۔ میں وہاں چاندنی رات میں گر پڑا تھا تو میں نے اپنی پنڈلی اپنے عمامہ سے باندھ لی تھی۔

ان عبداللہ بن عتیکؓ کی بینائی کمزور تھی۔ جب انھیں یقین ہو گیا کہ وہ واقعی ابو رافع کو قتل کر چکے ہیں تو انھوں نے آنحضرتؐ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ابو رافع کو حضرت عبداللہ بن انیسؓ نے قتل کیا تھا۔ لیکن صحیح وہی ہے جو بخاری میں مذکور ہے کہ ابو رافع کو عبداللہ بن عتیکؓ ہی نے قتل کیا تھا۔ تاریخ اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن عتیکؓ ہی نے ابو رافع بن ابی حقیق کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا اور یہ کہ ان کی بینائی کمزور تھی۔

عبداللہ بن رواحہؓ کی اُسیر بن رِزام کی طرف لشکر کشی

عبداللہ بن رواحہ انصاری خزرجیؓ کی اُسیر بن رِزام یہودی مقیم خیبر کی طرف لشکر کشی ماہ شوال سنہ ۶ھ (م جنوری سنہ ۶۲۸ء) میں عمل میں آئی تھی۔ جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ جب ابو رافع سلام بن ابی حقیق کا قتل ہو گیا تو یہودیوں نے اس کا بدلہ لینے کے لیے اُسیر کو امیر لشکر مقرر کیا۔ اس نے ان کے سامنے آنحضرتؐ سے بدلہ لینے کے لیے ایک طریقہ تجویز کیا تھا۔ جسے انھوں نے منظور کر کے اُسے ہی پورا کرنے کے لیے متعین کر دیا۔ اس تجویز کا ماحصل یہ تھا کہ وہ قبیلۂ غطفان کے پاس جا کر انھیں جمع کرے اور انھیں لے کر یکایک رسول اللہ کے گھر کے بیچوں بیچ جا اترے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ غطفان کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو ہوئی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو تین اور آدمیوں کے ہمراہ ماہ رمضان میں پوشیدہ طور پر روانہ کیا۔ تاکہ وہ جا کر اس خبر کی حقیقت معلوم کریں۔ چنانچہ وہ خیبر پہنچے اور واپس آ کر آنحضرتؐ کو جو کچھ وہاں دیکھا اور سنا تھا سب سنا دیا۔ ادھر حضرت خارجہ بن حسیلؓ نے بھی

حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اسیر بن رزام کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ یہود کا ایک فوجی دستہ لے کر آپ کی طرف ہونے والا تھا۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے لوگوں کو اس کے مقابلہ کے لیئے طلب فرمایا جس پر تیس صحابہ نے اس پر آمادگی ظاہر کی۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو ان پر امیر مقرر فرما کر اس کی طرف روانہ فرمایا یہ لوگ اُسیر کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ آنحضرتؐ نے ہمیں تمھارے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ تم ان کی خدمت میں حاضر ہو۔ وہ تمھیں خیبر کا حاکم مقرر فرمانا چاہتے ہیں اور تم سے اچھا سلوک فرمائینگے اُسے اس کا لالچ آگیا اور یہود سے مشورہ کیا۔ انھوں نے ایسا کرنے کی مخالفت کی اور کہا کہ محمدؐ کبھی بھی بنی اسرائیل کے کسی شخص کو حاکم بنانے والے نہیں ہیں۔ اس پر اُسیر نے کہا نہیں وہ مجھے حاکم بنادینگے ہم لوگ مسلسل جنگ سے تنگ آچکے ہیں۔ چنانچہ اُسیر مع تیس یہودی ساتھیوں کے آنحضرتؐ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس طرح کہ ہر اونٹ پر ایک یہودی کے پیچھے ایک ایک مسلمان بیٹھا جب یہ قافلہ قرقرہ کے مقام پر پہنچا تو اُسیر کو اپنے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے میں ندامت محسوس ہوئی اور اس نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو چھپکے سے قتل کر دینا چاہا لیکن وہ اس کا یہ ارادہ بھانپ گئے کہ وہ آپ پر تلوار اٹھانا چاہتا ہے۔ پس حضرت عبداللہؓ نے پہل کر کے اس پر تلوار کا وار کیا اور اس کا پیر کاٹ دیا۔ اُسیر کے ہاتھ میں ایک موٹھ دار ڈنڈا تھا۔ اس نے اس سے حضرت عبداللہؓ پر وار کر کے آپ کے سر کو زخمی کر دیا۔

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے منقول ہے کہ اُسیر نے اپنا ہاتھ میری تلوار پر ڈالنا چاہا۔ جس سے میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسیر نہتا تھا) پس میں نے اپنے اونٹ کو وہیں ٹھہرالیا اور دو مرتبہ للکار کر کہا۔ اے اللہ کے دشمن تو غداری کرنا چاہتا ہے پھر میں اونٹ سے نیچے اترا اور باقی لوگوں کو آگے جانے دیا جب اُسیر تنہا رہ گیا تو میں نے اس پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کی ران اور پنڈلی کٹ گئی اور وہ اپنے اونٹ سے گر پڑا۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام پلٹ کر اُسیر کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور انھیں قتل کر ڈالا۔ ان میں سے ایک آدمی کے سوا اور کوئی باقی نہ بچا اور مسلمانوں میں سے ایک جان کا بھی نقصان نہیں ہوا۔ پھر یہ حضرات واپس آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے سن کر فرمایا۔ سچ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ حضرات کو ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی۔

کرز بن جابر فہری رض کی لشکر کشی

کرز بن جابر فہری رض قریش کے سرداروں میں سے تھے جو ہجرت کے بعد اسلام لے آئے اور فتح مکہ کے سال شہید ہو گئے۔ یہ وہی قریشی ہیں جن کی تلاش میں آنحضرت پہلی جنگ بدر میں نکلے تھے اس کا پہلے بیان آچکا ہے۔ یہ لشکر کشی جمادی الاولیٰ ۶ھ میں ہوئی تھی جس کا سبب یہ ہوا تھا کہ قبائل عکل[1] اور عرینہ کے کچھ لوگ جو تعداد میں آٹھ تھے۔ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک پر اسلامی بیعت کی اور زبان سے کلمہ توحید پڑھا جب یہ مدینہ آئے تو بیمار تھے۔ ان کے چہرے زرد اور پیٹ بڑھے ہوئے تھے (مسٹر میور کا بیان ہے کہ انھیں تلی و خرابی جگر کا مرض لاحق ہو گیا تھا) انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم نے ہمیشہ دودھ والے جانور رکھے ہیں۔ ہم خشک سالی اور تنگی والے نہیں۔ اس لئے ہمیں مدینہ کا قیام ناپسند ہے۔ اگر آپ ہمیں اجازت عطا فرما دیں تو ہم اپنے اونٹوں میں جا کر رہیں۔ آنحضرت نے انھیں چند اونٹ (تین سے دس تک) دینے کا حکم دے دیا اور ان کے ساتھ ایک چرواہے کو بھی کر دیا اور ان سب کو حکم دیا کہ ان اونٹوں کے دودھ اور پیشاب پئیں۔ (بطور علاج) یہ لوگ اونٹوں کو لے کر روانہ ہوئے جب یہ مقام حرہ پر پہنچے اور آنحضرت کی مذکورہ ہدایت پر عمل کرنے کی وجہ سے تندرست ہو گئے تو اسلام لے آنے کے باوجود یہ اسلام سے پھر گئے اور آنحضرت کے عطا فرمودہ چرواہے کو جو یسار نامی آپ کا غلام تھا قتل کر ڈالا۔ پھر قتل کرتے وقت اسے مثلہ کیا اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے اور اس کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے۔ اونٹوں کو ہانک لے گئے۔ یسار کو اٹھا کر قبا لے گئے۔ جہاں اسے دفن کر دیا۔ یہ وہ سنگین دل اور سخت متشدد بدو تھے جنھوں نے آنحضرت کے احسان کا بدلہ برائی سے دیا۔ آنحضرت ان سے مہربانی سے پیش آتے ہیں اور ان پر رحم فرما کر انھیں اپنے پاس سے اونٹ عطا فرماتے ہیں۔ ان کے ساتھ اپنے خادم چرواہے کو روانہ فرماتے ہیں اور ان کے مرض کی شافی دوا بتاتے ہیں۔ پس وہ اونٹوں کو لے جاتے ہیں۔ ان کا دودھ پی کر تندرست ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ کفرانِ نعمت کرتے ہیں اور مسلمان ہو کر مرتد ہو جاتے ہیں اور اس مسکین دیانتدار چرواہے کو بغیر کسی جرم کے مار ڈالتے ہیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اسے بری طرح مسخ کر دیتے اور اونٹوں

---

[1] عکل قضاعہ کی اور عرینہ بجیلہ کی شاخ ہے۔ م

کو چرا کر لے جاتے ہیں۔ غرض وہ ایک نہیں کئی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیا ایسے لوگ معافی و حسنِ سلوک اور خوش معاملگی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسوں کی نسل ہی منقطع کر دی جائے اور اس فتنہ کو جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکا جائے۔ تاکہ یہ دوسروں کے لئے عبرت ہو اور آئندہ اس قسم کے قاتل، خائن اور چوروں کو اسلام اور مسلمانوں سے کھیلنے کی جرأت ہی نہ ہو چنانچہ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ جب آنحضرتؐ کو ان کے اس فتنہ کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت کرز بن جابر فہریؓ کی سرکردگی میں بیس مسلمانوں کا دستہ ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ جو ان پر اچانک جا پڑے اور انھیں گرفتار کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں لے آئے۔ آنحضرتؐ نے ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالنے اور آنکھوں میں کانٹے چبھانے کا حکم دیا۔ ان میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکا۔ پھر ان سب کو مقام حرہ کے ایک سمت دھوپ میں تڑپتا چھوڑ دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ وہیں مر گئے۔ حق تعالیٰ نے ان ہی کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی :-

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ	یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے
وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ	ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے
فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا	کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا سُولی دے دی جائے

ان لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ قتل کیا۔ مثلہ کیا۔ ڈکیتی اور سرقہ کیا۔

○

حُدیبیہ کا واقعہ

واقع ماہ ذیقعدہ سنہ ۶ ھ (م فروری سنہ ۶۲۸ ء)

حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے۔ اسی کے نام سے وہ مقام موسوم ہوگیا۔ جہاں وہ کنواں واقع ہے۔ یہ جگہ ایک متوسط درجہ کا گاؤں ہے بڑا گاؤں نہیں۔ اس کے اور مکہ کے درمیان ایک مرحلہ کا فاصلہ ہے اور اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان نو مرحلوں کا فاصلہ ہے۔ حدیبیہ کا کچھ حصہ حل میں اور کچھ حرم میں شمار ہوتا ہے۔ سفر حدیبیہ کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرتؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ بحالتِ امن اپنے سروں کو منڈواتے اور کترواتے ہوئے بیت اللہ شریف میں داخل ہو رہے ہیں اس بنا پر آپ ماہ ذیقعدہ سنہ ۶ ھ (م فروری سنہ ۶۲۸ء) میں عمرہ کے قصد سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آپ کا ارادہ جنگ کا نہیں تھا۔ بلکہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپ کے قیام کو چھ سال ہو چکے تھے۔ اس عرصہ میں آپ نے نہ مکہ کی زیارت کی تھی نہ عمرہ ادا فرمایا تھا نہ حج ادا فرمایا تھا۔ اس لئے آپ کو حرم کی حاضری کا شوق ہوا۔ پس آپ اس سال عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے اور آپ نے دیہات کے علاقوں اور مدینہ کے آس پاس کے عرب مسلمانوں میں اعلان کرا دیا کہ وہ آپ کے ہمراہ عمرہ کو چلیں۔ آپ کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ کہیں قریش آپ سے جنگ نہ چھیڑ دیں۔ یا بیت اللہ کی زیارت سے نہ روک دیں۔

اگرچہ بہت سے عرب قریش کے آپ پر حملہ کر دینے کے ممکنہ اندیشہ کی بنا پر آپ کے ہمراہ جانے سے رُکے رہے مگر آپ اپنے ساتھ آمادۂ سفر مہاجرین و انصار اور دُوسرے عربوں کو ساتھ لے کر جو آپ سے آملے تھے مکہ شریف روانہ ہو گئے اور اپنی ہدی (قربانی کا جانور) اپنے ہمراہ لیا اور مقام ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعتیں ادا فرمانے کے بعد عمرہ کا احرام باندھا۔ تاکہ لوگ آپ کی جنگ کی نیت کی طرف سے مطمئن ہو جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ آپ صرف بیتُ اللہ کی زیارت اور اس کی تعظیم کے لئے مدینہ سے نکلے ہیں۔ اس سفر میں آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت اُمِ سلمہؓ آپ کی ہمسفر ہوئیں۔ آپ نے حضرت ابنِ اُمِ مکتومؓ کو نمازوں کے اہتمام کا حاکم اور حضرت ابو رہمؓ کو مدینہ کا انتظامی حاکم مقرر

فرمایا۔ آپ کے ہمسفر صحابہ کی جملہ تعداد چودہ سو سے سولہ سو تک تھی۔ آنحضرتؐ اپنی اونٹنی قصواء نامی پر سوار ہو کر نکلے۔

ابن اسحاق کی روایت میں جو آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے ساتھ قربانی کے ستر جانور (گائیں اور اونٹ) لیئے تھے اور ہمسفر صحابہ سات سو تھے۔ پس ایک جانور دس کی طرف سے تھا۔ سو یہ تعداد ابتداءً آنحضرتؐ کے ہمسفر صحابہ کی تھی۔ بعد میں دوسرے دیہات کے بہت سے لوگ آپ سے آملے تھے۔ آنحضرتؐ صرف مسافرانہ حفاظتی ہتھیار لے کر روانہ ہوئے۔ اس طرح کہ مسلمان تلواریں نیام میں کئے ہوئے نکلے۔ جب آپ مقام عسفان[1] پر پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی آپ سے آکر ملے اور عرض کیا یا رسول اللہ! قریش آپ کی آمد کی خبر سن کر دودھ اور بچہ والی اونٹنیوں[2] کو ساتھ لے کر آپ کی طرف چلے ہیں۔ وہ چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے ذی طویٰ وادی میں خیمہ زن ہوئے ہیں اور انھوں نے حلف اُٹھایا ہے کہ آپ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اور خالد بن ولید[3] اپنے سوار دستہ کو لیئے ہوئے مقام کراع الغمیم[4] تک آپہنچے ہیں۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ قریش پر افسوس ہے۔ جنگی بھوت نے ان کی عقلوں کو چر لیا ہے۔ ان کا کیا حرج ہے۔ اگر وہ مجھے اور دوسرے عربوں کو آزاد چھوڑ دیں۔ اگر وہ مجھے ہلاک کر سکے تو ان کی دلی منشا پوری ہو گئی اور اگر خدا نے مجھے ان پر غلبہ عطا فرما دیا تو پھر وہ اسلام میں بکثرت داخل ہو جائیں گے۔ اگر وہ کسی بات کو منظور نہیں کرتے تو پھر وہ جنگ کر لیں کہ ان کے پاس کافی طاقت ہے پس معلوم ہونا چاہیئے کہ قریش کا کیا ارادہ ہے۔ خدا کی قسم! میں تو ہمیشہ اس دینِ الٰہی کے لیئے جہاد کرتا رہوں گا۔ جسے دے کر خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس دین کو غالب فرما دے۔ یا پھر قدیم دین ہی باقی رہے۔ پھر فرمایا کوئی ہے جو ہمیں اس راستے کے علاوہ جس پر کفار ہیں دوسری راہ سے لے چلے؟ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں لے چلتا ہوں۔ پس وہ آپ کو ایک ویران راستے سے لے کر چلا۔ (اس کا نام حمزہ بن عمرو اسلمی تھا۔ چنانچہ مسلمان درمیانی دشوار گزار راستے کو ختم کر کے وادی کے اختتام پر ہموار راستے پر

---

[1] عسفان تہامہ کی سرحد پر مکہ سے دو مرحلہ پر جحفہ اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ م [2] اس سے مراد حالتِ سفر میں عزم واطمینان اور طویل قیام کا قصد ہے۔ م [3] اس وقت تک خالد بن ولید اسلام نہ لائے تھے۔ مسلمانوں کو روکنے کے لئے ان کے ساتھ دو سو سوار تھے۔ م [4] یہ مکہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ م

پہنچ گئے۔ آنحضرتؐ نے صحابہ سے فرمایا۔ پڑھو: نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَنَتُوْبُ اِلَيْهِ (ہم خدا سے مغفرت کے طالب ہیں اور اس سے توبہ کرتے ہیں) چنانچہ سب نے یہ کلمہ پڑھا۔ آپ نے فرمایا۔ واللہ! یہ وہی کلماتِ حِطّہ ہیں جو بنی اسرائیل پر پیش کئے گئے تھے مگر انھوں نے یہ کلمات ادا نہیں کئے تھے۔[1]

پھر آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ مکہ کے نچلے حصہ میں حدیبیہ کے ڈھلوان پر وادی ثنیۃ المرار کو جانے والے راستہ پر مقام حمص کے سامنے کی طرف دائیں جانب چلو۔ چنانچہ اسلامی لشکر اسی راستہ پر چل پڑا۔

ادھر قریش کے سوار دستہ نے جب اپنے لشکر کی سست رفتاری دیکھی تو راستہ بدل دیا اور یہ لوگ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے قریشی لشکر کے پاس جا پہنچے۔ (بیان کیا گیا ہے کہ قریش کا گھوڑ سوار دستہ دو سو پر مشتمل تھا جن میں عکرمہ بن ابی جہل بھی تھا اور خالد بن ولید اس کے افسر تھے)۔

آنحضرتؐ چلتے چلتے جب مقام ثنیۃ المرار پر پہنچے تو آپ کی اونٹنی "قصواء" وہاں بیٹھ گئی۔ اس پر لوگوں نے عرض کیا کہ آپ یہاں بے سبب ٹھہر گئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں از خود نہیں ٹھہرا اور نہ ہی میری اونٹنی اپنی طبیعت سے ٹھہری ہے بلکہ اس ذاتِ اقدس نے اسے یہاں روکا ہے۔ جس نے مکہ سے اصحاب فیل کو روک دیا تھا۔ آج قریش اس قطعۂ زمین پر مجھ سے صلہ رحمی کی خواہش کریں گے تو میں ضرور ان کی استدعا قبول کر لوں گا۔

پھر لوگوں سے فرمایا۔ یہاں پڑاؤ ڈال لو۔ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس وادی میں پانی نہیں ہے جس پر ہم پڑاؤ ڈالیں۔ اس پر آپ نے اپنے تھیلہ سے ایک تیر نکالا اور اسے اپنے ایک صحابی کو دیا۔ جس نے اسے وہاں کے گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں لے جا کر اس کے وسط میں گاڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہاں سے پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ یہاں تک کہ اہل لشکر اور ان کے اونٹ سب سیراب ہو

---

[1] حق تعالیٰ نے ایک موقع پر جبکہ بنی اسرائیل نے آسمانی من وسلویٰ سے گھبرا کر دال وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا تو انھیں حکم دیا تھا کہ تم شہر اریحا میں داخل ہو کر اپنی حسب مرضی جو چیز جہاں سے چاہو لے کر کھاؤ۔ مگر سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہو اور کلمۂ حطہ (یعنی اے خدا معاف فرما) کہتے جاؤ تو ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے اور نیکو کاروں کو مزید نعمتیں بھی عطا کریں گے۔ مگر انھوں نے حکم عدولی کرتے ہوئے یہ کلمہ ادا نہ کیا۔ بلکہ اس کی جگہ اور کوئی کلمہ ادا کیا۔ جس کی بنا بر ان پر عذاب نازل ہوا بربناء مماثلت حکم یہاں اسی کلمہ حطہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ م

گئے۔ رسول اللہؐ کا تیر لے کر گڑھے میں اُترنے والے کے نام میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ وہ آپ کی قربانی کے جانور کو لانے والا "ناجیہ بن جندب" نامی تھا۔ ایک قول ہے کہ وہ "حضرت براء بن عازب" تھے۔ ایک قول ہے کہ وہ "حضرت عبادہ بن خالدؓ" تھے۔

بخاری شریف میں حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ ایک خشک کنوئیں پر بیٹھے اور پانی کا برتن منگوایا۔ دُعا کی اور اس پانی سے کلی کر کے وہ پانی کنوئیں میں پھینک دیا اور فرمایا۔ گھڑی بھر رہنے دو۔ اس کے بعد اس میں اتنا پانی بھر آیا کہ اہلِ لشکر خود بھی سیراب ہوئے اور اپنی سواریوں کو بھی سیراب کیا۔ اس کے بعد وہاں سے کوچ کر دیا۔

اور بخاری و مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہو گئے اور آنحضرتؐ کے سامنے ایک چھاگل تھی۔ جس سے آپ وضو کیا کرتے تھے۔ لوگ اس کی طرف لپکے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا بات ہے؟ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمارے پاس وضو کرنے اور پینے کے لئے اس کے سوا جو آپ کی چھاگل میں پانی ہے اور کچھ پانی نہیں ہے۔ آپ نے چھاگل کے منہ پر دستِ مبارک رکھ دیا۔ چنانچہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اس طرح اُبل اُبل کر آنے لگا جس طرح چشمہ اُبلتا ہے۔ پس ہم سب نے پانی پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ یہ آنحضرتؐ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔

ابنِ حبان نے مذکورہ ہر دو روایتوں میں اس طرح توافق پیدا کیا ہے کہ ایک ہی قسم کا واقعہ دو الگ الگ وقتوں میں پیش آیا ہے۔ چھاگل والا واقعہ کنوئیں والے واقعہ سے قبل کا ہے۔

جب آنحضرتؐ وہاں اطمینان سے ٹھہر گئے تو بدیل بن ورقاء خزاعی قبیلہ خزاعہ کے چند لوگوں کو ہمراہ لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ ان لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں جنگ کے ارادہ سے نہیں آیا۔ بلکہ صرف بیت اللہ شریف کی زیارت کے ارادہ سے آیا ہوں۔ پھر ان سے وہی بات فرمائی۔ جو اس سے قبل بشر بن سفیان سے فرمائی تھی۔ یہ لوگ قریش کی طرف واپس ہو گئے اور ان سے کہا۔ اے گروہ قریش! تم محمدؐ کے متعلق جلد بازی سے کام لیتے ہو۔ حضرت محمدؐ جنگ کے لئے نہیں آئے۔ بلکہ صرف زیارت بیت اللہ کے لئے آئے ہیں۔ یہ سُن کر قریش نے ان لوگوں کو متہم کیا اور ان سے بُرائی سے پیش آئے اور کہنے لگے۔ اگرچہ وہ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے۔ پھر بھی خدا کی قسم ہمارے شہر میں بلا اجازت زبردستی کبھی داخل نہ ہو سکیں گے اور ایسا نہ ہو گا کہ

عرب ہم پر ان کے زبردستی داخلہ کا قصہ بیان کرتے پھریں اور قبیلۂ خزاعہ کے مسلمان و مشرک سب آنحضرتؐ کے مخلص رازدار تھے اور جو بات مکہ میں پیش آتی تھی وہ آپ سے نہ چھپاتے تھے۔

پھر قریش نے بنو عامر کے بھائی مکرز بن حفص کو آپ کی خدمت میں بھیجا جسے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ شخص غدار ہے۔ جب وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ سے گفتگو کی تو آنحضرتؐ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو اس سے قبل بدیل اور اس کے رفقاء سے کہی تھی چنانچہ اس شخص نے بھی واپس جاکر آنحضرتؐ کا فرمودہ نقل کر دیا۔

پھر انھوں نے حلیس بن علقمہ کو جو اس وقت حبوش کا سردار تھا آپ کی خدمت میں بھیجا اسے دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ یہ شخص اس قوم میں سے ہے جو خدا کی عبادت و عظمت کرتے ہیں۔ میری قربانی کا جانور اس کے سامنے لاؤ تاکہ وہ اسے بچشمِ خود دیکھ لے۔ اس نے دیکھا کہ وادی سے قربانی کے جانوروں کا ایک سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے جن کی گردنوں میں پٹکے بندھے ہوئے تھے۔ اپنی جگہ سے علیحدہ ہو کر نئی جگہ کافی مدت تک رُکے رہنے کی وجہ سے ان کے بال اُڑ گئے تھے۔ تو یہ قریش کی طرف لوٹ گیا اور اس نے جو منظر دیکھا تھا۔ اس کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ بلکہ واپس جاکر جو کچھ دیکھا تھا قریش سے بیان کر دیا۔ قریش نے کہا۔ بیٹھ جاؤ۔ تم ایک دیہقانی آدمی ہو۔ تمھیں کچھ معلوم نہیں[1]۔ اس پر حلیس کو غصہ آگیا اور کہنے لگا۔ اے گروہ قریش! واللہ ہم نے تم سے اس بات پر معاہدہ کیا تھا نہ حلف اُٹھایا تھا۔ کیا جو شخص بیت اللہ کی عظمت و احترام کی وجہ سے اس کی زیارت کو آیا ہو اسے اس سے روکا جا سکتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں حلیس کی جان ہے تمھیں محمد اور اس کے ارادہ کے درمیان آزادی دینی ہوگی۔ ورنہ میں حبوش کے سب لشکر کو ایک قبیلہ کے آدمیوں کی طرح تم سے علیحدہ کر لوں گا۔ اس پر قریش نے اس سے کہا اے حلیس! ذرا ہمیں مہلت دو تاکہ ہم اپنے لئے جو صورت بہتر سمجھیں وہ اختیار کر لیں۔

پھر انھوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجنا چاہا۔ تو اس نے کہا۔ اے قوم قریش۔ مجھ سے قبل محمد کے پاس بھیجے جانے والوں پر جو تمھاری طرف سے لعن طعن اور بدکلامی ہو چکی ہے وہ سب میرے علم میں ہے۔ یہ تمھیں معلوم ہے کہ تم میرے باپ اور میں اولاد کی جگہ ہوں[2]۔ عروہ

---

[1] یعنی محمد نے تمھیں ایک دھوکا دے دیا مگر تم اسے نہ سمجھ سکے۔ م

سبیعہ بنت عبد شمس کے فرزند تھے) اور جس نے تمہاری نیابت کی اس کا جو حشر ہوا وہ بھی سب سن چکا ہوں۔ پس میں اپنی قوم کے ان لوگوں کو لے کر آیا ہوں جو میرے مطیع ہیں تاکہ تمھیں اپنی طرف سے اطمینان دلا دوں۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ تم نے سچ کہا۔ ہمارے نزدیک تم پر کسی قسم کی تہمت نہیں ہے۔ پس عروہ وہاں سے روانہ ہو کر آنحضرت کی خدمت میں پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھا اور کہنا شروع کیا۔

اے محمدؐ! آپ مختلف قبائل کے لوگوں کو جمع کر کے اپنے قبیلہ والوں کے مقابلہ میں لائے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ اپنے کُنبے قبیلے کو منتشر کر دیں۔ قریش اس شان سے نکلے ہیں کہ ان کے ساتھ نوزائیدہ بچہ والی اونٹنیاں ہیں اور انھوں نے چیتوں کی کھالیں اوڑھ رکھی ہیں اور خُدا کی قسم کھائی ہے کہ آپ کو ہرگز اپنے شہر میں زبردستی داخل نہ ہونے دیں گے (وہ بشر بن سفیان کا کہا ہوا یہ جملہ بار بار دہراتا) خدا کی قسم! مجھے یوں نظر آتا ہے کہ آپ کے یہ سب ساتھی کل کو آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرتؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے اس جملہ پر مشتعل ہو کر اسے گالی دے کر کہا۔ لات کے غلیظ چیتھڑے کو چوسنے والے۔ کیا ہم آنحضرتؐ کو چھوڑ کر چل دیں گے؟ حضرت ابوبکرؓ کا یہ جُملہ عروہ کو بہت بڑی گالی تھی کیونکہ انہوں نے عروہ کے معبود یعنی لات بت کو عورت قرار دے کر اس کے معبود کی تحقیر کر دی۔ عرب میں اس قسم کی گالی کا رواج تھا۔ دراصل حضرت ابوبکرؓ کو عروہ کا یہ کہنا بڑا ناگوار گزرا تھا کہ آنحضرتؐ کے صحابہ کل کو آپ کو تنہا چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے یہ جملہ کہا اور جواباً اس کی اور اس کے معبُود کی تحقیر کر دی۔

عروہ نے یہ اہانت آمیز جملہ سُن کر کہا۔ اے محمدؐ! یہ کون ہیں؟ فرمایا۔ یہ ابن ابی قحافہ ہیں۔ اس پر وہ بولا۔ واللہ! اگر تمھارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو میں اس کا جواب دیتا۔ لیکن اس احسان کے بدلے میں یہ بات سُن رہا ہوں۔

زہری نے لکھا ہے کہ وہ احسان یہ تھا کہ عروہ پر ایک خوں بہا تھا۔ جس میں حضرت ابوبکرؓ نے اس کی مالی مدد کی تھی۔

پھر آنحضرتؐ سے بات کرتا جاتا اور آپ کی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا۔ مغیرہ بن شعبہؓ تلوار لئے ہوئے آنحضرتؐ کے سرہانے کھڑے ہوئے تھے۔ جب عروہ آپ کی ریش مُبارک کو چھوتا تو وہ

ہاتھ سے تلوار کا دستہ کھڑکھڑا دیتے۔ اور اس سے کہتے کہ آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک سے اپنا ہاتھ اٹھا لے اس سے قبل کہ تلوار تجھ پر ٹوٹ پڑے۔

عروہ نے کہا۔ تم پر افسوس ہے۔ تم ایسے شدید و سخت کیسے ہو گئے۔ اس پر آنحضرتؐ نے تبسم فرمایا۔ عروہ نے دریافت کیا۔ اے محمد! یہ کون ہیں۔ فرمایا۔ یہ تمہارے بھتیجے مغیرہ بن شعبہ ہیں۔ عروہ نے کہا۔ یہ کیا بے وفائی ہے۔ کیا میں نے کل ہی تمہاری برائی کو نہیں دھویا تھا۔

اس موقع کی تشریح یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ عروہ کے بھائی کے فرزند تھے جو عروہ کی آنحضرتؐ سے گفتگو کے دوران آنحضرتؐ کے سرہانے آپ کی حفاظت کے خیال سے تلوار لئے اور خود پہنے کھڑے رہے۔ جب عروہ آنحضرتؐ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو مغیرہ تلوار کے دستہ پر ہاتھ مار کر کھڑکھڑاتے اور کہتے۔ آنحضرتؐ کی ریش مبارک سے اپنا ہاتھ روکو۔ عرب کی عادت تھی کہ وہ اثناء گفتگو میں اپنے مخاطب کی داڑھی پر ہاتھ پھراتے جاتے تھے۔ خاص کر میل جول و زم گفتاری کے موقع پر ایسا کرتے تھے جس کا مقصد خیر سگالی اور تقرب ہوتا تھا۔

اغلباً یہ حرکت ہم رتبہ لوگوں میں کی جاتی ہے۔ شاید عروہ اپنی قوم میں اپنی عزت و بلند مرتبہ کی وجہ سے یہ سمجھتا تھا کہ وہ نبی کریمؐ کا ہم رتبہ ہے۔ اسے اس وقت یہ احساس نہ ہوا کہ آنحضرتؐ کا کوئی بھی ہم رتبہ نہیں ہے۔ اس لئے اسے اس فعل سے روکنا مناسب سمجھا گیا۔ لیکن آنحضرتؐ نے اس کی دلجوئی کی خاطر خود اسے اس فعل سے نہیں روکا۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ عروہ کے اس جملہ کا (کیا بیوفائی ہے۔ کیا میں نے کل ہی تمہاری برائی کو نہیں دھویا تھا) مقصد یہ تھا کہ مغیرہ بن شعبہ نے اسلام لانے سے پہلے قبیلہ ثقیف کی شاخ بنو مالک کے تیرہ آدمی قتل کر دیئے تھے جس پر ثقیف کے دونوں قبیلے مشتعل ہو کر آمادۂ پیکار ہو گئے تھے بنو مالک مقتولین کے قبیلہ سے تھے اور حلیف مغیرہ کے قبیلے کے تھے۔ پس عروہ نے بیچ بچاؤ کر کے ان مقتولین کے تیرہ خوں بہا کی رقم ادا کر دی تھی اور حالات ٹھیک کرا دیئے تھے۔

عروہ کی گفتگو ختم ہونے پر آنحضرتؐ نے اس سے بھی وہی فرمایا جو اس سے قبل اس کے دوسرے ساتھیوں سے فرما چکے تھے کہ آپ جنگ کی نیت سے نہیں آئے ہیں۔

عروہ آنحضرتؐ کے پاس سے اٹھ کر مکہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ اس نے یہاں صحابہؓ کو

آنحضرتؐ کا جو غیر معمولی احترام کرتے ہوئے دیکھا تھا اُس نے اسے حیران کر دیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آنحضرتؐ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ وضو کے پانی کو لینے کو دوڑ پڑتے اور باہم مسابقت کرتے ہیں آپ تھوکتے ہیں تو آپ کا تھوک اُٹھانے میں ایک دُوسرے پر مسابقت کرتے ہیں اور جسے یہ ہاتھ لگ جائے وہ اسے اپنے ہاتھ چہرہ اور جسم پر ملتا ہے۔ آپ کا بال گرنے نہیں پاتا کہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو وہ سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ آپ کی عظمت کا پاس کر کے آپ کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔

پس اس نے جا کر قریش سے بیان کیا:۔

اے قوم! واللہ میں بادشاہوں کے دربار میں وفد لے کر گیا ہوں۔ میں قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں پیش ہُوا ہوں۔ خُدا کی قسم! میں نے آج تک کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے مقربین اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمدؐ کے ساتھی ان کی کرتے ہیں۔ واللہ! آپ بلغم تھوکتے ہیں تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا بلکہ صحابہ اسے اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے منہ اور جسم پر مل لیتے ہیں۔ جب آپ کوئی ارشاد فرماتے ہیں تو تعمیل امر کے لئے صحابہ ایک دُوسرے پر سبقت لے جانے کو دوڑتے ہیں۔ جب آپ وضو فرماتے ہیں تو وضو کے مستعمل پانی کو حاصل کرنے کے لئے ایسے جھپٹتے ہیں گویا باہم جھگڑ پڑیں گے۔ جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو سب آپ کے رعب و عظمت کی وجہ سے سراسر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ آپ کی انتہائی تعظیم کی بنا پر آپ کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔ محمدؐ نے تمہارے سامنے ایک بہتر بات رکھی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اسے منظور کر لو۔ میں نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے۔ کہ وہ کبھی بھی کسی چیز کے بدلے اپنے نبی کو تمہارے سپرد نہ کرے گی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے ارادہ سے باز آجاؤ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم ان پر غلبہ نہ پاسکو گے۔

مگر قوم نے عروہ بن مسعود کی بات بھی نہ مانی اور اس کی صلح جوئی کو ٹھکرا دیا۔ وہ دل برداشتہ ہو کر اپنے ساتھیوں سمیت طائف واپس چلا گیا۔ بعد ازاں جب آنحضرتؐ ثقیف سے واپس ہو رہے تھے تو عروہ نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنی قوم کو اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے ان کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے خراش بن امیہ خزاعیؓ کو طلب فرمایا اور انھیں اپنے خاص اونٹ ثعلب نامی پر سوار کرا کر قریش کے پاس مکہ روانہ

فرمایا۔ تاکہ وہ جاکر معززین قریش کو آپ کی تشریف آوری کی غرض پر مطلع کر دیں لیکن قریش نے آنحضرتؐ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور خراش کو بھی قتل کرنا چاہا۔ مگر حبوش نے انھیں اس عمل سے روک دیا۔ اس لئے انھیں چھوڑ دیا اور وہ خدمت اقدس میں واپس پہنچ گئے۔

قریش نے ایک حرکت یہ کی کہ چالیس یا پچاس آدمی روانہ کئے تاکہ وہ کسی صحابی کو قتل کر آئیں مگر یہاں آتے ہی انھیں گرفتار کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ مگر آپ نے انھیں معاف کر کے چھوڑ دیا۔ حالانکہ ان لوگوں نے آنحضرتؐ کے لشکر میں پتھر اور تیر پھینکے تھے۔ پھر آپ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو طلب فرمایا تاکہ ان معززینِ قریش سے اپنے آنے کی غرض و غایت بیان کرنے کے لئے روانہ فرمائیں لیکن انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے قریش سے اپنی جان کا اندیشہ ہے اور مکہ میں بنو عدی بن کعب کا بھی کوئی شخص موجود نہیں ہے جو میرا دفاع کر سکے۔ قریش کو میری ان سے عداوت اور تشدد کا حال معلوم ہی ہے لیکن میں ایسی ہستی کو پیش کرتا ہوں جو قریش کے یہاں مجھ سے زیادہ معزز ہیں اور وہ حضرت عثمان بن عفانؓ ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر ابوسفیان اور معززینِ قریش کے پاس روانہ فرمایا تاکہ وہ انھیں مطلع کر دیں کہ آنحضرتؐ ان سے جنگ کرنے نہیں بلکہ بیت اللہ کی تعظیم اور زیارت کی نیت سے آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ اس پر آمادہ ہو گئے۔ کیونکہ وہ عرصہ سے مکہ سے غائب تھے، اس لئے ان کے وہاں دشمن نہ تھے۔ پھر وہ قبیلہ بنوامیہ کے ایک فرد تھے۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ میں داخل ہوتے وقت یا اس سے پہلے ابان بن سعید بن عاصؓ[1] سے ان کی ملاقات ہوئی جس نے آپ کو اپنے پاس ٹھہرایا اور اپنی پناہ دی۔ یہاں تک کہ آپ نے رسول اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔

یہاں سے حضرت عثمان چل کر ابوسفیان اور رؤسائے قریش کے پاس پہنچے اور انھیں آنحضرتؐ کا پیغام پہنچایا۔ جواباً انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر سکتے ہیں۔ آپ نے کہا۔ جب تک آنحضرتؐ طواف نہ کریں۔ میں تنہا طواف نہیں کر سکتا۔ پس قریش نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ مگر آنحضرتؐ تک یہ افواہ پہنچی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

---

[1] یہ حضرت عثمان کے چچازاد برادر تھے۔ اس کے بعد وہ اسلام لے آئے تھے۔

روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ہمراہ آنحضرتؐ کی اجازت سے دس اور صحابہ بھی مکہ گئے تھے تاکہ وہ وہاں اپنے اعزہ سے مل سکیں۔ لیکن ان کے نام روایت میں بیان نہیں کئے گئے۔

ایک روایت ہے کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو تین دن تک اپنے پاس روکے رکھا جس سے لوگوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ انھوں نے آپ کو اور آپ کے دسوں ساتھیوں کو شہید کر دیا ہے۔

بہرحال حضرت عثمانؓ کی واپسی میں تاخیر ہوگئی تھی جس سے مسلمان رنجیدہ تھے۔ جب آنحضرتؐ تک یہ افواہ پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ ہم اس قوم سے اس کا بدلہ لیئے بغیر نہیں رہ سکتے یعنی ان سے جنگ کریں گے۔

بیعتِ رضوان

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو بیعت کے لئے بلایا اور یہ بیعت بیعتِ رضوان کے نام سے وہاں موجود ایک درخت کے نیچے لی گئی۔ آپ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیعت کیلئے بلائیں۔

حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے بیان کیا ہے کہ ہم نے اور دوسرے تمام صحابہ نے اس بات پر آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی کہ ہم کبھی میدانِ جنگ سے فرار نہ ہوں گے۔ نیز یہ کہ یا فتح پائیں گے ورنہ شہید ہو جائیں گے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہم نے آپ سے موت پر بیعت کی تھی اور وہاں موجود مسلمانوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہا تھا جو اس بیعت سے پیچھے رہ گیا ہو۔ بجز بنو سلمہ کے بھائی جد بن قیس کے۔ ان کے متعلق حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں۔ واللہ گویا میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی اونٹنی کے پہلو سے لگا ہوا اس سے چمٹ کر لوگوں سے چھپا چھپا پھر رہا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ منافق سمجھا جاتا تھا۔ جن صحابی نے سب سے پہلے آنحضرتؐ کی بیعت کی وہ ابوسنان اسدیؓ تھے جو عکاشہ بن محصنؓ کے بھائی تھے۔

چونکہ حضرت عثمانؓ موجود نہ تھے۔ اس لئے ان کی زندگی کے مفروضہ پر خود آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے بیعت کی۔ اس طرح کہ اپنا دایاں دستِ مبارک اپنے بائیں دستِ مبارک پر رکھ کر فرمایا۔ اے میرے خدا! یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے کیونکہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے کام میں مشغول ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت عثمانؓ ابھی تک شہید نہیں ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے متعلق ظاہری افواہ پھیل جانے کی بنا پر مسلمانوں نے آپ کا بدلہ لینے اور خود کو اس جنگ میں ثابت قدم اور قوی

رکھنے پر بیعت کی تھی حضرت عثمانؓ جب مکہ سے صحیح سالم واپس ہوئے تو پھر آپ نے بعد میں بیعت کی۔ ان بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ حق تعالیٰ نے سورۂ فتح میں اس بیعت کا یوں ذکر فرمایا ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ — حق تعالیٰ ان تمام مومنین سے راضی ہو گیا جو آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

قریش پر اس بیعت کا اثر

جب قریش کو اس بیعت کا علم ہوا تو وہ خوف زدہ ہو گئے اور ان کے صاحب رائے لوگوں نے انھیں اس معاہدہ پر صلح کر لینے کا مشورہ دیا کہ امسال آپ واپس لوٹ جائیں اور آئندہ سال پھر تشریف لا کر تین دن مکہ میں قیام فرمائیں۔ آپ کے ساتھ صرف مسافرانہ ہتھیار ہوں یعنی تلواریں اور کمانیں نیام میں ہوں۔

معاہدۂ صلح

قریش نے بنو عامر بن لوی کے برادر سہیل بن عمرو کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجتے ہوئے یہ ہدایت کی کہ تم محمدؐ کے پاس جا کر ان سے صلح کی گفتگو کرو۔ صلح اسی بات پر ہو کہ آپ اس سال یونہی عمرہ کے بغیر واپس چلے جائیں۔ کیونکہ خدا کی قسم! ہم کبھی یہ گوارا نہ کریں گے کہ عرب میں یہ چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ آپ ہمارے شہر میں زبردستی داخل ہو گئے تھے۔ جب سہیل آپ کی طرف آ رہا تھا تو آنحضرتؐ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے قریش نے اس شخص کو صلح کے ارادہ سے بھیجا ہے۔

پھر سہیل اور آنحضرتؐ کے درمیان دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر جب فریقین میں جنگ کا خیال ترک کر دینے پر صلح مکمل ہو گئی اور صرف معاہدہ کی تحریر باقی رہ گئی تو یکایک حضرت عمر بن خطابؓ وہاں سے اُٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔ اے ابوبکر! کیا آنحضرتؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ انھوں نے کہا۔ کیوں نہیں۔ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کہا۔ ہاں ہیں۔ کہا کیا یہ قریش مشرک نہیں ہیں؟ کہا ہاں ہیں۔ کہا تو پھر ہم کس بنا پر اپنے دین میں کسی پستی کو دخل دے رہے ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ لازم ہے تم آنحضرتؐ کی رکاب تھامے رہو (یعنی آپ کا اتباع کرتے رہو) میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس

پر حضرت عمرؓ نے بھی کہا اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ وہاں سے اُٹھ کر حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ فرمایا۔ ضرور ہوں۔ عرض کیا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ فرمایا۔ ضرور ہیں۔ عرض کیا۔ کیا قریش مشرک نہیں ہیں؟ فرمایا۔ ضرور ہیں۔ عرض کیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے دین میں کسی پستی کو دخل دیں؟ فرمایا میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں خدا کے حکم کی مخالفت ہرگز نہ کروں گا اور وہ ہرگز مجھے برباد نہ کرے گا۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں اس دن کی اپنی جسارت کی تلافی کے طور پر آنحضرتؐ سے اپنی بیباکانہ گفتگو کے خوف سے ہمیشہ روزے رکھتا رہا، نمازیں پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھے انجام بخیر کی توقع ہو گئی پھر آنحضرتؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو بلا کر فرمایا کہ لکھو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس پر سہیل بولا۔ میں رحمٰن ورحیم کو نہیں جانتا۔ اس کی بجائے لکھئے باسمک اللّٰھُمَّ۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے یہی لکھ دیا۔ اہل جاہلیت باسمک اللّٰھُمَّ ہی لکھا کرتے تھے۔

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا لکھو

ھذا ما صالح علیہ محمدؐ رسولُ اللہ سُھَیلَ بنَ عمرٍو۔	یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ نے سہیل بن عمرو سے معاہدہ کیا ہے۔

اس پر سہیل نے کہا۔ اگر میں یہ گواہی دیتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپ سے کوئی جھگڑا کرتا نہ آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکتا۔ اس لئے اس کی بجائے آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ لکھو:۔

"یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمدؐ بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے معاہدہ کیا ہے"۔

فریقین نے اس بات پر صلح کی ہے کہ وہ دس سال تک باہم جنگ نہ کریں گے۔ اس مدت میں فریقین کے سب لوگ باہم امن سے رہیں گے اور ہر ایک دوسرے کا بچاؤ کرے گا۔ شرط یہ ہو گی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس چلا جائے گا تو آپ اسے انھیں واپس کر دیں گے اور اگر محمدؐ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس پہنچ جائے گا تو وہ اسے حضرت محمدؐ کو واپس نہ کریں گے۔ ہمارے سینوں میں کچھ راز مخفی رہیں گے۔ نیز فریقین میں کسی قسم کی خیانت

دو دھوکا دہی اور سرقہ نہ ہوگا۔ جو شخص محمدؐ اور ان کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے وہ اس میں داخل ہو سکے گا اور جو قریش کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے اسے اس کا حق ہوگا۔

(ادھر حضرت علیؓ اور بعض مسلمان حاضرین جن میں حضرت اُسید بن حضیر اور سعد بن عبادہؓ بھی شامل تھے، کلمۂ رسُول اللہؐ کے مٹانے پر تکرار کر رہے تھے)۔

اس تحریر کے بعد ہی بنو خزاعہ اُٹھے اور کہنے لگے کہ ہم حضرت محمدؐ کے معاہدہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک شرط یہ تھی کہ آپ امسال واپس لوٹ جائیں گے اور مکہ میں داخل نہ ہوں گے۔ البتہ آئندہ سال ہم مکہ کو آپؐ کے لئے خالی کر کے باہر نکل جائیں گے۔ تب آپ اپنے صحابہ سمیت مکہ میں داخل ہو کر تین دن تک وہاں قیام کر سکیں گے۔ اس وقت آپؐ کے ساتھ صرف مسافرانہ ہتھیار رہوں گے۔ "تلواریں نیام میں رہیں گی۔ اس کے بغیر آپ داخل مکہ نہ ہو سکیں گے۔"

اس معاہدہ کا دُوسرا نسخہ بھی لکھا گیا تاکہ وہ مسلمانوں کے پاس رہے۔ کیونکہ سہیل کہتا تھا کہ یہ معاہدہ میرے پاس رہے گا۔

کہا گیا ہے کہ دُوسرا نسخہ محمدّ بن مسلمہؓ نے لکھا تھا اور حضرت ابُو بکرؓ کے سوا تمام مسلمانوں میں ایک شخص بھی مُعاہدہ کی ان تمام دفعات پر راضی نہ تھا جن پر آنحضرتؐ نے آمادگی ظاہر فرما دی تھی۔

تحریر معاہدۂ صلح میں جو یہ جُملہ مرقوم ہے (وان بیننا عیبۃ مکفوفۃ) اس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین کے سنجیدہ لوگوں کے سینوں میں کچھ راز مخفی رہیں گے۔ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ فریقین کے درمیان سابق میں جنگ و نزاع وغیرہ کے جو اسباب پیش آئے اب کوئی فریق ایک دُوسرے سے اس کا مواخذہ و بازپرس نہ کرے گا اور اس جُملہ (لا اِسلال ولا اِغلال) سے یہ مُراد ہے کہ نہ کوئی کسی کا مال سرقہ کرے گا نہ کسی کے حق میں خیانت کرے گا۔

اس مُعاہدہ صُلح کے فوائد

امام نوویؒ نے علماء سے نقل کیا ہے کہ اس صلح پر جو بہتر فوائد مترتب ہوئے وہ اس کے مابعد بہتر نتائج اور کُھلے ہوئے فوائد سے ظاہر ہو گئے۔ یہ وہی فوائد تھے جن سے آنحضرتؐ پہلے سے واقف تھے۔ لیکن کُفارِ قریش کی نظروں سے مخفی تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ ان کی شرائط سے متفق ہو گئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ کفار صلح سے پہلے مسلمانوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ نہ ہی ان پر آنحضرتؐ کے معاملات کما حقہ،

واضح ہوتے تھے اور نہ یہ لوگ کسی مسلم شخصیت کے پاس جمع ہوتے تھے۔ جو انھیں تفصیل سے یہ باتیں بتاتے۔ صلح کے بعد وہ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے۔ وہ مدینہ گئے اور مسلمان مکہ آئے اور اپنے اعزہ و احباب اور دوسرے لوگوں سے ملے جلے جو ان سے اچھی باتیں سیکھنے لگے اور انھوں نے ان کی زبانی آنحضرتؐ کے حالاتِ زندگی، آپ کے واضح معجزات اور آپ کی نبوت کی ظاہری علامات، آپ کے حسنِ اخلاق اور اوصافِ حسنہ سنے اور خود بھی انھیں اس قسم کی بہت سی عمدہ باتیں دیکھنے کے مواقع ملے۔ نتیجہ یہ کہ ان کے دل ایمان کی طرف کھنچنے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں کے بہت سے لوگ فتح مکہ سے قبل ہی اسلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے وقفہ کے درمیان بہت سے اکابر اسلام لے آئے۔ جیسے خالد بن ولید اور عمرو بن عاصؓ وغیرہ اور جو اسلام نہ لا سکے ان کا بھی اسلام کی طرف رجحان بڑھنے لگا بالآخر جب فتح مکہ کا دن آیا تو بقیہ سب کے سب اسلام لے آئے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں پہلے سے اسلام کی رغبت جاگزیں ہو چکی تھی۔

اس پر ہم یہ اور اضافہ کرتے ہیں کہ اس صلح کے وہ فوائد جو صحابہ کی نظروں سے اوجھل رہے۔ مگر آنحضرتؐ کی نظر سے پوشیدہ نہ تھے وہ نہایت عظیم الشان تھے۔ کیونکہ اس معاہدہ میں قریش کی طرف سے یہ اعتراف کر لیا گیا تھا کہ آپ قریش ہی کی طرح ایک مستقل طاقت ہیں۔ نیز جنگ بندی کی وجہ سے مسلمانوں کو بغیر کسی رکاوٹ کے جزیرۂ عرب میں اپنے مذہب کی تبلیغ کا موقع حاصل ہو گیا تھا۔ پھر دوسری طرف آنحضرتؐ کو اپنے صحابہ کے اخلاص، ان کی آپ سے والہانہ محبت اور اسلامی عقیدہ پر مضبوطی سے جمے رہنے پر اعتماد کامل تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حضرات قریش میں ضم نہ ہو سکتے تھے۔ نیز بعض قبائل کے اسلام لانے کی بھی توقع تھی۔

مزید برآں آنحضرتؐ کو آئندہ سال مسلمانوں کے ہمراہ دینی فریضۂ حج کی ادائی کے لئے مکہ معظمہ کی زیارت اور وہاں قریش کی طرف سے کسی رکاوٹ و بدمعاملگی کے بغیر آزادانہ تین دن تک قیام کی اجازت دی گئی تھی۔ اس معاہدہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ حدیبیہ کے لشکر کی تعداد جو اولاً صرف چودہ سو تھی فتح مکہ کے وقت صرف دو سال کے عرصہ میں بڑھ کر دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

کتاب دائرہ معارفِ اسلامیہ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا) میں درج ہے کہ "حضرت محمدؐ کو صلح حدیبیہ میں

قریش پر عظیم الشان سیاسی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

جب آنحضرتؐ صلح نامہ سے فارغ ہوئے اور آپ نے اس پر چند مسلمانوں حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و عبدالرحمان بن عوف وسعد بن ابی وقاص و ابوعبیدہ بن جراح و محمد بن مسلمہؓ اور قریش سے حویطب اور مکرز کی گواہی ثبت کرالی تو آپ اپنے قربانی کے جانور کی طرف گئے اور اسے ذبح فرما دیا۔ پھر بیٹھ کر سر مبارک منڈوایا۔ روایت ہے کہ اس دن خراش بن امیہ بن فضل خزاعی نے جو حجام تھے، آپ کا سر مونڈا تھا۔ جونہی لوگوں نے آنحضرتؐ کو ذبح کرتے اور سر منڈاتے دیکھا، سب اپنی قربانی کرنے اور سر مونڈنے میں مشغول ہو گئے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن بعض صحابہؓ نے سر منڈوائے اور بعض نے بال ترشوائے تھے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ حق تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اور بال کٹانے والوں پر؟ فرمایا اور بال کٹانے والوں پر بھی رحم فرمائے۔ اس پر لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے بال کٹانے والوں کے مقابلہ میں سر منڈانے والوں پر دعائے رحمت کو کیوں ترجیح دی؟ فرمایا۔ اس لئے کہ انھوں نے سر منڈانے میں ذرا بھی تردُد نہیں کیا۔

آنحضرتؐ نے حدیبیہ کے سال اپنے اونٹوں میں سے ایک اونٹ جس کے سر پر چاندی کی بالی لٹکی ہوئی تھی مشرکوں کو غصہ دلانے کی غرض سے ابوجہل کے پاس ہدیہ کے طور پر بھیج دیا۔ حدیبیہ میں آنحضرتؐ نے جو قربانیاں کیں، ان کی تعداد ستر تھی۔ جن کا گوشت آپ نے مقامی غربا میں تقسیم فرما دیا۔ حدیبیہ میں آپ کا قیام تقریباً بیس دن تک رہا تھا۔

امام زہریؒ نے اپنی حدیث میں بیان کیا ہے کہ اس کے بعد آنحضرتؐ اپنے قافلہ سمیت واپس چلے تو مکہ و مدینہ کے درمیان آپ پر سورۂ فتح نازل ہوئی:۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ	ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا فرما دی ہے تاکہ آپ کے اگلے اور
لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ	پچھلے ممکنہ گناہ معاف کر دیں اور آپ پر اپنی تمام نعمتیں مکمل
وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ	کر دیں اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ	دیں۔

پھر حدیبیہ کا مفصل واقعہ اور صحابہ کے حالات کا ذکر فرماتے ہوئے آخر میں بیعت کا یوں ذکر فرمایا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ	بلاشبہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ درحقیقت
اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ فَمَنۡ	وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ ہی کا
نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ ۚ وَ	ہاتھ ہوتا ہے۔ پھر جس نے عہد شکنی کی اس نے اپنی جان پر
مَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ	ظلم کیا اور جس نے وہ قول پورا کیا جس پر اس نے خدا سے
اَجۡرًا عَظِیۡمًا ۝	عہد کیا تھا تو عنقریب حق تعالیٰ اسے اجر عظیم سے نوازے گا۔

مذکورہ آیات میں فتح کی مراد کی تعیین میں راویوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کی رائے میں یہاں فتح سے مراد فتح حدیبیہ ہے بعض کا یہ قول ہے کہ اس سے فتح مکہ مراد ہے۔ کیونکہ یہ سورت آپ کی حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی تھی۔ مقصد یہ بتانا تھا کہ یہ فتح مکہ کی تیاری تھی اور فعل ماضی سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس آنے والی فتح کا وقوع ایک یقینی امر تھا۔

ہم اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس فتح سے فتح حدیبیہ مراد ہے۔ کیونکہ یہ آیت آنحضرتؐ کی حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی اور یہ فتح، فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ امام احمدؒ، ابو داؤدؒ اور حاکمؒ نے مجمع بن انصاری اوسیؓ کی حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ حدیبیہؓ میں شریک تھے جب وہاں سے لوٹے تو ہم نے آنحضرتؐ کو مقام "کراع غمیم"[1] پر لوگوں کو جمع کر کے آیت اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا" تلاوت فرماتے ہوئے پایا۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ کیا یہ فتح تھی؟ فرمایا۔ ہاں۔ اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یقیناً یہ فتح تھی اور موسیٰ بن عقبہ، زہری اور بیہقیؒ نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی حدیبیہ سے واپسی پر ایک صحابی نے کہا۔ یہ فتح نہیں تھی۔ اس لئے کہ ہمیں بیت اللہ کی حاضری سے روک دیا گیا اور ہماری قربانی کے جانور روک دیئے گئے اور آنحضرتؐ نے ان دو مومنوں کو جو مکہ سے نکل کر آپ کے پاس آ گئے تھے قریش کو واپس کر دیا۔ ان کی یہ بات آنحضرتؐ تک پہنچی تو فرمایا انھوں نے یہ بری بات کہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑی فتح ہے کیونکہ مشرکین اس پر راضی ہو گئے کہ تمھیں اپنے علاقوں سے آرام سے واپس جانے دیں اور وہ تم سے سفر کے مقصد پر بات

[1] حجاز کی سمت مکہ و مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔

پچیت پر آمادہ ہو گئے اور جب تمہاری طرف سے انھیں ان کی مرضی کے خلاف باتیں معلوم ہوئیں (یعنی بیعت جنگ) تو وہ تم سے معاہدہ امن وصلح کے خواہاں ہوئے۔ حق تعالیٰ نے تمہیں ان پر فاتح وکامران بنایا اور تمھیں امن وسلامتی اور اجر وثواب کے ساتھ واپس فرمایا۔ پس یہ عظیم فتوحات تھیں۔ کیا تم جنگ اُحد کا قصہ بھول گئے جب تم شدید مصیبت میں مبتلا ہو کر ایسے فرار ہوئے تھے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے جبکہ میں تمھیں پیچھے سے واپس لوٹنے کے لئے آوازیں دے رہا تھا۔

کیا تم جنگِ احزاب کا واقعہ بھول گئے جب دشمن تمھارے اوپر اور نیچے ہر طرف سے تم پر حملہ آور ہو گئے تھے۔ جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے مُنہ کو آ رہے تھے اور تم اللہ کے متعلق بدگمانیاں کرنے لگے تھے؟

یہ سُن کر مسلمانوں نے کہا۔ اللہ اور اس کے رسُولؐ نے صحیح فرمایا ہے۔ واقعی وہ عظیم فتح تھی واللہ اے اللہ کے نبیؐ! آپ کی فکرِ رسا جہاں تک پہنچی وہاں تک ہمارا ذہن نہیں پہنچ سکا۔ درحقیقت آپ خدا کے مُعاملات واحکام کو ہم سے کہیں بہتر جانتے ہیں۔

جس درخت کے نیچے بیعت لی گئی تھی اس کا نام شجرۃ الرضوان (اللہ کی خوشنودی والا درخت) پڑ گیا۔ جب حضرت عمر بن خطابؓ کو اپنے دورِ خلافت میں اطلاع ملی کہ لوگ جا کر اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھنے تو آپ نے انھیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور اس اندیشہ کی بنا پر کہ کہیں اس درخت کی تعظیم کی بدعت رواج نہ پا جائے اسے کٹوا دیا۔

معاہدۂ صُلح کا نفاذ

آنحضرتؐ نے اس معاہدہ کے نفاذ میں انتہائی دقتِ نظر اور احتیاط سے کام لیا۔ چنانچہ آپ صلح کے زمانہ میں ان مردوں کو جو مکہ چھوڑ کر آتے تھے۔ واپس فرما دیتے تھے۔ لیکن خواتین کا امتحان لے کر انھیں واپس نہ فرماتے تھے۔ ان کا امتحان یہ ہوتا تھا کہ مہاجرہ خاتون آپ کے سامنے حلفیہ بیان دیتی تھی کہ وہ شوہر کی نافرمانی کر کے نہیں آئی ہے بلکہ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسُول کے لیئے ہے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ — اے ایمان والو! اگر مومن عورتیں تمہاری طرف ہجرت کر کے

الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ — آئیں تو ان کی جانچ پڑتال کر لیا کرو۔

جب اُمِ کلثوم بنت عقبہ بن معیط رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ پہلے مکہ میں ایمان لا چکی تھیں اور آنحضرتؐ کی ہجرت سے قبل دستِ مبارک پر بیعت کر چکی تھیں ۔ تو انھوں نے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کو ساتھ لیا اور مکہ سے پا پیادہ چل کر مدینہ پہنچیں ۔ یہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی بہن تھیں ۔ انھیں آنحضرتؐ نے واپس نہیں فرمایا۔ کیونکہ معاہدہ صلح میں صرف مردوں کی واپسی کی شرط تھی ، عورتوں کی نہیں ۔ چنانچہ جب ان کے بھائی عمارہ اور ولید انھیں معاہدہ کے تحت واپس لینے آئے تو آنحضرتؐ نے انھیں مطلع فرمایا کہ مومن خواتین واپس نہ کی جائیں گی ۔ کیونکہ واپسی کی دفعہ صرف مردوں کے لئے ہے ۔ عورتوں کا صرف امتحان لیا جائے گا۔

یہ سن کر دونوں واپس ہو گئے اور قریش کو صورتِ حال کی اطلاع دی تو وہ اس پر راضی ہو گئے ۔ اسی اثنا میں آنحضرتؐ نے ابو بصیرؓ [1] کو واپس فرما دیا تھا ۔ انھوں نے راستہ میں خنیس کو قتل کر ڈالا جوان کی تلاش میں آیا تھا اور مکہ واپس ہونے کی بجائے ملکِ شام کے اس راستہ پر پہنچ گئے جہاں سے کفار کے اجناس لانے والے قافلے گزرا کرتے تھے ۔ دوسرے بہت سے مسلمان جو مکہ میں روک لئے گئے تھے ان کے پاس آ آ کر جمع ہونے لگے ۔ ادھر ابو جندل بن سہیل بن عمرو جنھیں آنحضرتؐ نے معاہدہ حدیبیہ کے دن ہی مکہ واپس فرما دیا تھا ۔ وہاں سے فرار ہو کر ستر اسلام لانے والے سواروں کو ہمراہ لے کر مکہ سے نکلے اور ابو بصیر سے جا ملے ۔ اور اس خوف سے کہ کہیں آنحضرتؐ معاہدہ کے تحت ان کو واپس نہ کر دیں ۔ جنگ بندی کی مدت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کو مناسب نہ سمجھا ۔ ان کے علاوہ قبائل غفار ، اسلم ، جہینہ اور عرب کے دوسرے نومسلم بھی ان سے آملے ۔ اس طرح ان کی تعداد تین سو جنگجو نوجوانوں تک پہنچ گئی ۔ انھوں نے قریش کے مسافروں کا راستہ بند کر دیا ۔ یہ جسے پاتے اُسے قتل کر ڈالتے اور جو تجارتی قافلہ ادھر سے گزرتا اسے پکڑ لیتے ۔ حتیٰ کہ تنگ آ کر قریش نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عریضہ بھیج کر رحم کی درخواست کی اور عرض کیا کہ آپ انھیں اپنے ہی پاس ٹھکانہ دے دیں ۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے ۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ابو جندل اور ابو بصیر کی طرف نامہ مبارک بھیجا کہ یہ دونوں آپ کے پاس آ جائیں اور ان کے دوسرے ساتھی مسلمان اپنے اپنے شہروں اور متعلقین میں واپس چلے جائیں اور اس راہ سے سفر کرنے والے کسی قریشی سے اور ان کے قافلوں سے کوئی تعرض نہ کریں ۔ جب یہ نامہ مبارک پہنچا تو اس وقت ابو بصیر مرض الموت میں گرفتار اور حالت نزع

[1] ان کا نام عتبہ بن اسید بن حارثہ ثقفی ہے ۔ یہ قبیلہ بنی زہرہ کے حلیف تھے ۔ م

میں تھے۔ ان کا اس حالت میں انتقال ہُوا کہ آنحضرتؐ کا نامۂ مبارک جسے وہ پڑھتے ہوئے مرے ان کے ہاتھ میں تھا۔ ابُوجندل نے انھیں اسی جگہ دفن کر دیا۔ ان کی قبر کے پاس مسجد تعمیر کر دی اور خود اپنے چند خاص ساتھیوں کے ہمراہ خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اور باقی مسلمان اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے اس طرح قریش اپنے قافلوں کی طرف سے مطمئن و مامون ہو گئے۔ اس واقعہ سے حدیبیہ کے دن آنحضرتؐ کا یہ ارشاد فرمانا صحیح ثابت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ عنقریب ابُوجندل اور ان کے ساتھیوں کے لئے کوئی کشادگی اور نجات کی راہ نکال دے گا۔

جب کفار جنگ کی طرف سے مُطمئن ہو گئے تو مسلمانوں سے گھُل مل گئے۔ اس طرح ان میں اسلامی صداقت نے اثر کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ان میں سے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام میں حدیبیہ کی فتح سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں ہوئی لیکن آنحضرتؐ اور حق تعالیٰ کے درمیان جو راز تھا اس تک لوگوں کا ذہن نہ جا سکا تھا۔ بندے عجلت پسند ہوتے ہیں لیکن حق تعالیٰ بندوں کی عجلت پسندی کی وجہ سے عجلت نہیں فرماتا۔ جب تک معاملات اس کی منشا کے مطابق (اپنے وقت مُعیّن پر) تکمیل کو نہ پہنچ جائیں۔

○

آنحضرتؐ کی طرف سے سلاطین و اُمراءِ عالم کی طرف
تبلیغی دعوت نامے

اس سے قبل کہ ہم آنحضرتؐ کے ملوک و اُمرا کی طرف بھیجے جانے والے نامہائے مبارک کا ذکر کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس وقت کی روم و فارس کی مطلق العنان شہنشاہیتوں کے حالات پر ایک نظر ڈالیں۔ اس زمانہ میں رُوم و فارس کی شہنشاہیتوں کے درمیان لڑائیاں جاری تھیں۔ چنانچہ ۶۲۱ء میں فارس کی فوجیں غالب آ کر ملک شام مصر اور ایشیائے کوچک پر قابض ہو گئی تھیں۔ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل کا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اہلِ فارس قسطنطنیہ کو فتح کی دھمکی دے رہے تھے۔

آخر میں ہرقل شہنشاہِ رُوم اٹھا اور اس نے اپنی حکومت کی عظمت واپس لانے کا ارادہ کر لیا۔ بزمانہ ہجرت نبوی (۶۲۲ء) روم کا شہنشاہ جنگ جو لٹیروں کو ایشیائے کوچک سے بھگا رہا تھا۔ چنانچہ ان جنگوں کے سلسلہ کی دُوسری جنگ میں اس کی فوجیں ملک فارس کے شہروں کے قلب تک جا پہنچیں

ان تین سالوں کے درمیان جن میں ہرقل اپنی شہنشاہیت کی عظمت واپس لانے میں مصروف تھا۔ آنحضرتؐ قریش سے جھگڑوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد غزوۂ احزاب میں مدینہ منورہ کے محاصرہ سے نصف سال قبل جولائی ۶۲۶ء میں اہلِ فارس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ تیسری جنگ میں ہرقل نے اپنی پہلی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھ کر ابتداء دسمبر ۶۲۶ء میں جنگ نینوی میں کامل فتح حاصل کر لی اور فارس کی فوجیں شکست کھا کر منتشر و تتر بتر ہو گئیں۔ اسی ماہ کی انتیس تاریخ کو کسریٰ اپنے ملک کے دارالسلطنت کی طرف فرار ہو گیا۔ اور فروری ۶۲۸ء کو اسے اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا اور رُوم کے شہنشاہ سے معاہدہ صلح کر لیا۔ اس شرط پر کہ دونوں ملکوں میں وہی حدود باقی رہیں جو جنگ سے پہلے تھیں۔ تقریباً اسی زمانہ میں آنحضرتؐ سردارانِ قریش سے صلح حدیبیہ کا معاہدہ کر رہے تھے۔ اسی سال کے موسم بہار میں ہرقل بیت المقدس کی زیارت کو روانہ ہوا

جب آنحضرتؐ صلح حدیبیہ سے واپس ہوئے اور آپ نے افراد و قبائل کو جلد جلد اسلام میں داخل ہوتے دیکھا تو محسوس فرمایا کہ اب جزیرۂ عرب سے باہر دعوتِ اسلام کو عام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ

آپ نے اس غرض کے لئے ان تاجر مسلمانوں کو منتخب فرمایا جو بسلسلۂ تجارت ان ملکوں میں جا چکے تھے جہاں کے بادشاہوں کو آپ اسلامی دعوت دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ یہ تجار ان کے رسم ورواج اور عادات سے واقف ہوتے تھے۔

آنحضرتؐ کی انگشتری مُبارکؐ

جب آنحضرتؐ نے بادشاہوں کو اسلامی دعوت نامے بھیجنے کا قصد فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ سلاطین اس وقت تک کسی خط کو نہیں پڑھتے۔ جب تک اس پر کاتب کی مُہر نہ ہو۔ پس آپ نے اپنی چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ جس پر تین سطروں میں اپنا اسم گرامی کندہ کرایا۔ محمدؐ ایک سطر میں رسُول ایک سطر میں، اللہ ایک سطر میں نقش کرایا۔ یہ تینوں سطریں نیچے سے اوپر کو پڑھی جاتی تھیں محمدؐ آخری سطر میں، رسُول درمیان میں اور اللہ سب سے اُوپر کندہ تھا۔ نقش کی تحریر اُلٹی تھی جس کے حروف مُہر لگانے پر سیدھے آتے تھے۔ یہ انگوٹھی آنحضرتؐ کے دستِ مُبارک میں رہی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رہی۔ حتیٰ کہ جس سال حضرت عثمانؓ شہید کر ڈالے گئے اس سال یہ انگشتری اریس کنوئیں میں گر گئی جسے صحابہ تین دن تک تلاش کرتے رہے مگر وہ نہ مل سکی۔

آنحضرتؐ کے نامہائے مُبارکؐ

آنحضرتؐ اپنی اکثر تحریروں کو ان کلمات سے شروع فرمایا کرتے تھے :۔

من مُحَمَّد رسول الله الى فلان رسُول اللہ کی طرف سے فلاں شخص کے نام

بعض مرتبہ لفظ 'اما بعد' سے مضمون کی ابتدا فرماتے، کبھی لفظ 'ہذا کتاب' یہ خط ہے۔ اور کبھی سلِم انتَ (تم اسلام لے آؤ)، کے جُملہ سے ابتدا فرماتے تھے۔ اکثر خطوط کی ابتدا میں مکتوب الیہ کا نام تحریر کراتے تھے اور گاہ گاہ اس کی شُہرت پر اکتفا فرماتے تھے۔ اگر مکتُوب الیہ بادشاہ ہوتا تو اس کے نام لکھوانے کے بعد عظیم القوم الفلانیین (فلاں قوم کی عظیم شخصیت) اور کبھی صاحب مملکت کذا۔ (فلاں حکومت کے والی) کے جملے تحریر کراتے تھے۔ اثناء تحریر میں اپنی ذات کو مفرد لفظ سے تعبیر فرماتے۔ مثلاً انا (میں) لی (میرے لئے) جاءنی (میرے پاس آیا) وفد علیّ (میرے پاس وفد آیا)، اور اسی قسم کی مفرد ضمیریں استعمال فرماتے اور کبھی جمع کا لفظ استعمال فرماتے جیسے بلغنا (ہمیں

اطلاع ملی ہے) اور جاءنا (وہ ہمارے پاس آیا) وعلیٰ ہٰذا۔
جب آپ مکتوب الیہ کو مفرد مخاطب فرماتے تو خطاب کا کاف استعمال فرماتے جیسے لکَ وعلیکَ تیرے لئے اور تجھ پر) یا تا خطاب استعمال فرماتے جیسے انت قلت کذا و فعلت کذا (تو نے ایسا کہا، تو نے ایسا کیا۔ دو کو خطاب کرتے وقت یہ لفظ استعمال فرماتے۔ انتما۔ لکما۔ علیکما (تم دونوں۔ تم دونوں کے لئے۔ تم دونوں پر) تخاطب میں جمع کے لئے یوں فرماتے۔ انتم۔ لکم۔ علیکم (تم۔ تمھارے لئے۔ تم پر)
تحریر کے آغاز میں سلام لکھواتے۔ پس مسلمان کو مخاطب کرتے تو لکھواتے سلامٌ علیکَ (تم پر سلام ہو) اور کبھی تحریر فرماتے اَلسَّلَامُ عَلیٰ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (اس پر سلام ہو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا)۔
کافر کو مخاطب کرتے وقت لکھواتے سَلَامٌ علیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (اس پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے) اور کبھی آغاز تحریر سے سلام حذف فرما دیتے۔ ابتداء تحریر میں سلام کے بعد خدا کی یہ حمد و ثنا لکھواتے:۔
فانی احمد الیک اللّٰہ الَّذِی لا الٰہ اِلَّا ھو (میں تم سے اس خدا کی تعریف بیان کرتا ہوں جس کے سوا عالم میں کوئی دوسرا معبود نہیں۔)
کبھی اسے حذف فرما دیتے۔ کبھی حمد و ثنا کے بعد کلمۂ شہادت تحریر فرماتے اور کبھی نہیں۔ حمد و ثنا کے بعد اصل مضمون بیان کرتے وقت اما بعد تحریر فرماتے اور کبھی اس کے بغیر ہی مضمون شروع فرما دیتے۔
علیٰ ہٰذا تحریر کو کبھی سلام پر ختم فرماتے۔ چنانچہ مُسلم کے نام خط میں یُوں تحریر فرماتے وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ ورحمۃُ اللّٰہ وبَرَکَاتُہٗ (تم پر اللہ کا سلام اور اس کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں) اور کبھی صرف سلام پر (بغیر زائد دُعا کے) اکتفا فرماتے۔
اور کافر سے خطاب میں وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی لکھواتے اور کبھی آخر میں سلام نہ لکھواتے تھے۔

آنحضرتؐ کا نامۂ نامی

ہرقل کے نام

آنحضرتؐ نے ۶ھ میں حدیبیہ سے واپسی پر ہرقل کے نام خط ارسال فرمایا۔ جو بماہ محرم ۷ھ میں اُسے ملا تھا۔ آنحضرتؐ نے وہ خط دے کر حضرت دحیہ کلبیؓ کو بھیجا تھا اور ہدایت فرمائی تھی کہ اُسے جا کر بُصریٰ کے حاکم کو دے دیں تاکہ وہ اسے ہرقل تک پُہنچا دیں۔ یہ حاکم حارث نامی غسان کا بادشاہ تھا ہرقل نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر وہ اہلِ فارس پر غالب آ گیا اور انھیں اپنے ملک سے نکال باہر کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اداء شکر کے لئے پا پیادہ چل کر بیت المقدس کے حج کو جائے گا۔ چنانچہ وہ فصل خریف ۶۲۸ء (م ۷ھ) میں اپنی نذر پُوری کرنے روانہ ہوا۔ اس کے دوران سفر ہی بصریٰ کے حاکم نے آنحضرتؐ کا مکتوب ہرقل کے سپُرد کر دیا جب حضرت دحیہ حارث کے پاس پُہنچے تھے تو اس نے عدی بن حاتم کو آپ کے ساتھ کر دیا تھا تاکہ وہ آپ کو ہرقل تک پُہنچا دے۔ اس مکتوب گرامی کا متن درج ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم
مِن مُحمّدٍ رسول اللہ الیٰ ہرقل عَظِیم الرُّوم۔ والسّلام علیٰ مَنِ اتّبَعَ الھُدیٰ۔ امّا بعد۔ اَسلِم تَسلَم۔ یُؤتِکَ اللہُ اجرکَ مرّتَین۔ وان تَتوَلّ فَاِنّ اثمَ الاکّارِین علیکَ۔	محمد رسول اللہؐ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام جس نے ہدایت کا اتباع کیا اس پر سلام ہو۔ امّا بعد۔ اسلام قبول کر لو۔ نجات پا جاؤ گے۔ حق تعالیٰ تمھیں دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر اسلام سے روگردانی کرو گے تو تمھاری رعایا کا گناہ بھی تمھاری گردن پر ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجھ سے ابوسفیان بن حرب نے بیان کیا کہ ہم تاجر قوم تھے اور ہمارے اور آنحضرتؐ کے درمیان جنگوں نے ہمیں کاروبار سے معطل کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ ہمارے سرمائے ختم ہو گئے تھے۔ جب ہمارے اور رسول اللہؐ کے درمیان جنگ بندی ہوئی تو ہمیں یہ اندیشہ نہ رہا کہ اب ہمیں امن نہ ملے گا۔ اس لئے میں مطمئن ہو کر قریشی تاجروں کی ایک جماعت کو لے کر شام کی طرف روانہ ہوا۔ ہمارا رُخ وہاں کی تجارتی منڈی غزہ کی طرف تھا۔ ہم وہاں اس زمانہ میں پُہنچے تھے جس زمانہ میں ہرقل نے اس علاقہ پر کر قبضہ کر لیا تھا۔ جس پر پہلے اہلِ فارس قابض ہو چُکے تھے چنانچہ انھیں

وہاں سے نکال باہر کیا اور ان سے اپنی عظیم صلیب واپس لے لی۔ جسے انھوں نے اس سے چھین لیا تھا۔ جب ہرقل کو ان فتوحات کی خبر پہنچی اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ اس کی صلیب بھی اہلِ فارس سے واگزاشت کرالی گئی ہے اور اس وقت وہ مقام حمص میں مقیم تھا تو وہ حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کہ اس نے اُسے اس کا علاقہ اور صلیب واپس دلا دیے، پا پیادہ بیت المقدس کے لئے روانہ ہُوا تاکہ وہاں جاکر نماز شکرانہ ادا کرے اور وہاں فرش بچھائے اور پھول چڑھائے۔

جب وہ بیتُ المقدس پہنچ کر نماز سے فارغ ہو چکا اور اس کے ہمراہ اس کے پادری اور رُوم کے معزز امرا بھی تھے تو ایک روز صبح سویرے وہ مغموم و رنجیدہ اُٹھا اور آسمان کی طرف نظریں اُٹھا اُٹھا کر دیکھتا جا رہا تھا۔ اس پر اس کے پادریوں نے کہا۔ واللہ اے سلطان! آج آپ صبح سویرے سے مغموم نظر آ رہے ہیں۔ کہا۔ ہاں۔ بات یہ ہے کہ مجھے گزشتہ شب کو دکھایا گیا کہ ختنہ والا ظاہر ہونے والا ہے پادری نے عرض کیا۔ ہم کسی ایسی قوم کو نہیں جانتے جو ختنہ کراتی ہو بجُز یہود کے۔ اور یہ قوم آپ کی رعایا اور آپ کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے تدبیر یہ ہے کہ آپ اپنے علاقہ کے چودھریوں کو حکم بھیج دیں کہ جتنے یہود ان کے علاقہ میں ہوں وہ ان سب کی گردن اُڑا دیں۔ اس طرح اس رنج سے نجات حاصل کر لیں۔ یہ لوگ ہرقل کے سامنے اسی قسم کی رائیں پیش کر رہے تھے کہ والی بصریٰ کا ایک قاصد ایک عرب کو ساتھ لئے ہوئے ہرقل کے پاس پہنچا۔ رواج تھا کہ سلاطین باہم نئی خبروں کے ہدایا کا تبادلہ کیا کرتے تھے۔ پس قاصد نے عرض کیا اے شاہ! یہ شخص عرب کے بکری اونٹ والوں میں سے ہے اور اپنے ملک میں ایک عجیب وغریب نئے واقعہ کے ظہور کی اطلاع دے رہا ہے۔ آپ اس سے اس کے متعلق معلومات فرمالیں۔ جب والی بصریٰ کے قاصد نے اس شخص کو ہرقل کے سامنے پیش کیا تو ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا۔ اس سے دریافت کرو۔ کہ اس کے ملک میں کیا نیا واقعہ رُونما ہُوا ہے؟ ترجمان نے اس سے دریافت کیا۔ اس نے جواباً کہا کہ ہم میں سے ایک شخص ظاہر ہُوا ہے جو اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور وہ اس کے مُتبع ہو گئے ہیں اور کچھ نے اس کا خلاف کیا ہے اور ہر دو فریق کے درمیان متعدد مقامات پر جنگیں ہوتی رہی ہیں۔ میں انھیں اسی حال پر چھوڑ کر آیا ہوں۔ جب اس نے یہ خبر سنائی تو شاہ نے کہا۔ اسے ننگا کر دو۔ جب اسے ننگا کیا گیا تو وہ مختون نکلا۔ تب ہرقل نے کہا۔ واللہ یہ وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے نہ کہ وہ جس کے متعلق تم کہہ رہے ہو (یعنی یہود) اسے اس کے کپڑے واپس کر دو۔ پھر

اپنے کوتوال کو بُلا کر کہا کہ پُورے شام کو اُلٹ پلٹ اور چھان بین کر کے اس شخص یعنی نبیؐ کی قوم کے کسی آدمی کو پیدا کر کے میرے پاس لاؤ۔

ابُوسفیان کا بیان ہے کہ واللہ ہم غزہ میں تھے کہ کوتوال نے ہمیں آگھیرا اور کہا۔ تم اسی شخص کی قوم سے ہو جس کا حجاز میں ظہور ہُوا ہے؟ ہم نے کہا۔ ہاں۔ کہا۔ ہمارے ساتھ ہمارے بادشاہ کے پاس چلو۔ پس ہم چلے اور جب اس کے پاس پہنچے تو اس نے پُوچھا۔ کیا تم اس شخص کی قوم سے ہو؟ ہم نے عرض کیا۔ ہاں۔ کہا تم میں سے کون اس کا قریبی قرابتدار ہے؟ میں نے کہا۔ میں۔

ابُوسفیان کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! میں نے کبھی اس غیر مختون شخص یعنی ہرقل سے زیادہ کسی کو شاطر و ذہین نہیں پایا۔

پس مجھ سے اس نے کہا۔ میرے قریب آؤ اور مجھے اپنے سامنے اور میرے رفقاء کو میرے پیچھے بٹھایا۔ پھر میرے ساتھیوں سے کہا۔ میں اس سے سوالات کروں گا۔ اگر یہ جھُوٹ بولے تو تم فوراً اس کی تردید کر دینا۔ بخدا اگر میں جھُوٹ بولتا تو میرے ساتھی اس کی تردید نہ کرتے لیکن چونکہ میں سردار قوم تھا اس لئے جھُوٹ سے پرہیز کرتا تھا۔ اور میں سمجھ گیا کہ سہل ترین بات یہ ہوگی کہ اگر یہاں میں نے جھُوٹ بولا تو میرے ساتھی اسے یاد رکھ لیں گے اور جا کر میرے جھُوٹ کا قصہ بیان کریں گے۔ اس خیال سے میں نے جھُوٹ نہیں بولا۔ پھر ہرقل نے سوال کیا۔ مجھے اس شخص کے حالات بتاؤ۔ جو تم میں نمودار ہو کر ایک نیا دعویٰ کر رہا ہے۔

ابُوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کی شان کو ہرقل کے سامنے حقیر اور اس کے دعوای کو معمولی بنا کر پیش کرنا شروع کیا اور اس سے کہا۔ اے بادشاہ! بھلا آپ کو ان کے معاملہ سے کیا سروکار؟ ان کی شان آپ کے بلند مرتبہ سے کمتر ہے لیکن ہرقل تھا کہ ان باتوں پر دھیان ہی نہ دیتا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے سوال کیا کہ میں تم سے اس شخص کے حالات سے متعلق جو سوال کروں۔ تم صرف اس کا جواب دو میں نے عرض کیا جو چاہے سوال کیجئے۔ پھر باہم یہ سوال و جواب ہُوئے:۔

ہرقل۔ تم میں اس کا حسب نسب کیسا ہے؟

ابُوسفیان۔ وہ نسب کے اعتبار سے ہم میں خالص اور معزز ترین ہے۔

ہرقل۔ کیا اس سے قبل بھی اس کے خاندان میں سے کسی نے ایسی باتیں کہی ہیں جیسی وہ کہتے ہیں جس کی

یہ نقل اُتارتے ہوں؟

ابُوسفیان۔ نہیں۔

ہرقل۔ کیا اس شخص کی کوئی جاگیر تھی جسے تم نے اس سے غصب کر لیا ہو۔ اس لئے اس نے یہ دعوے کرنے شروع کر دیئے تاکہ تم اس کی جاگیرات واپس کر دو؟

ابُوسفیان۔ نہیں۔

ہرقل۔ تم میں اس کے مُتبع کون اور کس طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔

ابُوسفیان۔ ضعفاء۔ مساکین۔ نوجوان۔ لڑکے اور عورتیں اس کا اتباع کرتے ہیں۔ مگر ان کی قوم کے معززین اور معمر لوگوں میں سے کسی نے بھی ان کا اتباع نہیں کیا ہے؟

ہرقل۔ ان کا جو شخص اتباع اختیار کر لیتا ہے کیا وہ ان سے محبت رکھتا اور ان سے پابندی سے وابستہ رہتا ہے۔ یا انھیں چھوڑ کر علیحدگی اختیار کر لیتا ہے؟

ابُوسفیان۔ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے ان کا اتباع کر کے علیحدگی اختیار کی ہو۔

ہرقل۔ تمھارے اور ان کے درمیان جنگ کا کیا انجام رہتا ہے؟

ابُوسفیان۔ جنگ میں ہم برابر رہتے ہیں۔ کبھی وہ ہم پر غالب آجاتے ہیں کبھی ہم ان پر۔

ہرقل۔ کیا وہ معاہدہ شکنی و بدعہدی کرتے ہیں؟

ابُوسفیان کہتے ہیں۔ کسی سوال کے جواب میں مجھے ان کے خلاف کچھ اشارہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا بجز اس سوال کے۔ سو میں نے کہا۔ اب تک انھوں نے عہد شکنی نہیں کی لیکن آج کل ان سے ہمارا جنگ بندی کا معاہدہ ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ آئندہ ان کا طرزِ عمل کیا ہوگا۔

کہتے ہیں، خدا کی قسم! ہرقل نے میری اس بات پر ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ پھر سوالات کے ختم پر مجھ سے یوں سلسلۂ کلام جاری کیا:۔

ہرقل۔ میں نے تم سے سوال کیا کہ ان کا حسب نسب کیسا ہے۔ تم نے کہا۔ وہ خالص، معزز اور شریف النسب ہیں۔ حق تعالیٰ جب کسی کو نبی بناتا ہے تو ایسے ہی لوگوں میں سے بناتا ہے جو اپنی قوم میں اعلیٰ نسب رکھتے ہیں۔ پھر میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا پہلے کبھی ان کے گھرانے میں سے کسی نے ایسا دعویٰ کیا تھا جس کی وہ نقل اُتارنے لگے ہوں۔ تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر میں نے سوال کیا۔ تمھارے علاقہ

میں ان کی کوئی جائداد تھی؟ جسے تم نے ان سے غصب کر لیا ہو۔ اس لیے انھوں نے ایسی نئی باتیں کہنی شروع کر دیں تاکہ ان کے رعب سے تم سے اپنی جائداد واپس لے سکیں۔ تم نے کہا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر میں نے تم سے ان کے پیروؤں کے متعلق سوال کیا تو تم نے بتایا کہ ان کے پیرو کمزور، فقراء، خواتین اور نوجوان ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انبیاء کے پیرو ہمیشہ ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا ان کے پیروان سے محبت رکھتے اور ان سے وابستہ رہتے ہیں یا انھیں چھوڑ کر جدا ہو جاتے ہیں۔ تم نے جواب دیا کہ ان کے پیروان کو چھوڑ کر علیحدہ نہیں ہوتے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان کی شیرینی ایسی ہی ہوتی ہے کہ جب کسی دل میں اتر جاتی ہے تو پھر اس سے نکلتی نہیں۔

میں نے تم سے سوال کیا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں۔ تم نے کہا۔ نہیں۔ پس سن لو کہ اگر وہ تمام باتیں صحیح ہیں جو تم نے مجھ سے بیان کی ہیں تو وہ ایک دن یقیناً میرے پیروں تلے کی اس زمین پر غالب آ کر رہیں گے۔ میری دلی آرزو تھی کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے پیر دھوتا۔ بس اب تم اپنے کام پر جا سکتے ہو۔

ابوسفیان کہتے ہیں۔ میں وہاں سے اٹھ کر چلا اور اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارتا جاتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ اے اللہ کے بندو! ابن ابی کبشہ[1] کا معاملہ اتنا عظمت اختیار کر چکا ہے کہ بنو اصفر کے سلاطین تک اپنی شامی حکومت پر اس کے غلبہ کے خیال سے اس سے خائف رہنے لگے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نامۂ گرامی ہرقل کو پیش کیا گیا تو اس نے اسے تعظیماً اپنی رانوں اور پہلو کے درمیان رکھا۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ قیصر جب حمص پہنچا تو معززین روم کو اپنے محل میں بلایا۔ پھر اس کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مجمع سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے قوم روم! اگر تمھیں اپنی ترقی و خوشحالی اور ہدایت میں دلچسپی ہے نیز یہ کہ تم اپنے ملک کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس پیغمبر کی پیروی

---

[1] ابوسفیان سے ایک روایت میں ہے کہ میں اس وقت سے حضرت محمد سے مرعوب رہنے لگا۔ حتیٰ کہ اسلام لے آیا۔ کہا گیا ہے کہ ابن ابی کبشہ آمنہ بنت وہب والدۂ ماجدۂ آنحضرت ﷺ کے دادا تھے۔ ان کی کنیت ابوکبشہ تھی۔ وہ بتوں کی پرستش میں قریش کے مخالف تھے۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ کو ان سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ م

اختیار کرو۔

یہ سُن کر وہ لوگ وحشی درندوں کی طرح غضبناک ہوکر دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ پھر انھوں نے دروازے بند پائے تو کہنے لگے کیا آپ ہمیں عیسائیت کو ترک کر دینے اور ایک دہقانی کی غلامی کا مشورہ دیتے ہیں۔ جب ہرقل نے ان کی نفرت کا یہ عالم دیکھا اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہا ان سب کو میرے پاس واپس لاؤ۔ پھر انھیں تسلی دی کہ میں نے تو یہ بات محض اس غرض سے کہی تھی کہ اس سے تمھاری اپنے دین پر پابندی کی شدت کو آزمانا چاہتا تھا۔ سو میں نے تمھاری مذہبی پختگی دیکھ لی۔ یہ سُن کر حاضرین نے اس کے سامنے سجدۂ تعظیمی ادا کیا اور اس سے راضی ہو گئے۔ اس کے بعد ہرقل نے بھی اسلام قبول نہیں کیا۔

تمام اجنبی تالیفات اس مکالمہ کا انکار کرتی ہیں جو ہرقل اور ابُوسفیان کے درمیان ہُوا تھا جس سے اس کے اسلام کی طرف رغبت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی رائے ہے کہ چونکہ وہ بہت پکا مسیحی اور پابند مذہب تھا اس لئے اس کی نسبت اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے ابُوسفیان سے یہ بات کہی ہو گی کہ تم نے ان کے متعلق جو بیان کیا ہے۔ اگر وہ صحیح ہے تو وہ غالب ہو کر میرے پاؤں تلے کی زمین تک آپہنچیں گے۔ میری آرزُو ہے کہ کاش میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے پیر دھوتا۔ اور یہ بھی بعید معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو عیسائیت ترک کر کے آنحضرتؐ کے اتباع کی دعوت دی ہو جب کہ وہ اس وقت عیسائیت کے سردار تھے اور اہل فارس سے اپنی عظیم الشان صلیب کو واپس لینے کے لئے ساتھیوں سے مشوروں میں مشغول تھے۔

○

آنحضرتؐ کا نامۂ مبارک

حارث بن ابی شمر غسّانی کے نام

حارث بن ابی شمر غسانی قیصر روم کی طرف سے دمشق کا حاکم تھا۔ آنحضرتؐ نے شجاع بن وہب اسدیؓ کو اس کے پاس اپنا نامۂ مبارک دے کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمد رسول اللہ الی الحارث بن ابی شمر۔ سلام علی من اتبع الھدی و اٰمن باللہ فانی ادعوک الی ان تؤمن باللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ۔ یبقٰی ملکک	محمد رسول اللہؐ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی اور اللہ پر ایمان لایا۔ پس میں تمہیں خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ایسا کرو گے تو تمہارا ملک باقی رہے گا۔

حضرت شجاعؓ فرماتے ہیں کہ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے اسے قیصر کی دعوت کی تیاری میں مشغول پایا جو لشکر فارس پر غلبہ کے بعد خدا کا شکرادا کرنے کے لئے حمص سے بیت المقدس پہنچا تھا۔ میں غسانی کے دروازے پر دو تین دن ٹھہرا رہا۔ پھر میں نے اس کے دربان سے کہا کہ میں حضرت رسول اللہؐ کا قاصد ہوں۔ دربان نے کہا۔ تمہاری ان تک رسائی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ فلاں فلاں دن جو ان کے برآمد ہونے کے دن ہیں خود ہی برآمد نہ ہوں۔ پھر دربان مجھ سے آنحضرتؐ کے حالات اور آپ کی دعوت کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ میں اس سے بیان کرتا جاتا تھا اور اس پر رقت طاری ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اس پر گریہ کا غلبہ ہو گیا اور اس نے کہا۔ میں نے انجیل میں جو کچھ پڑھا ہے اس کے مطابق میں ان نبی میں بعینہٖ وہی اوصاف پاتا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ ان کا ظہور ملک شام میں ہوگا لیکن معلوم ہوتا ہے ان کا ظہور سرزمینِ عرب میں ہوا ہے۔ پس میں ان پر ایمان لاتا اور ان کی تصدیق کرتا ہوں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ حارث بن ابی شمر مجھے اس بات پر قتل کر ڈالے گا۔ یہ دربان رومی تھا جس کا نام مری تھا۔ وہ میرا بہت احترام اور خوب مہمانداری کرنے لگا۔ اس نے مجھے

حارث کی طرف سے مایوس کر دیا اور کہا کہ وہ قیصر سے ڈرتا ہے۔

ایک دن حارث اپنے سر پر تاج رکھے ہوئے باہر نکلا تو مجھے اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ میں نے اسے وہ نامۂ مبارک دے دیا۔ اس نے اسے پڑھ کر پھینک دیا اور کہنے لگا مجھ سے کون میرا ملک چھین سکتا ہے۔ میں خود اس کے مقابلہ کے لئے جاؤں گا۔ اگر وہ یمن میں ہو گا تو وہاں بھی پہنچونگا اس نے حکم دیا کہ لشکر کو تیار کیا جائے اور وہ خود رات بھر بیٹھا انتظام کرتا رہا۔ گھوڑوں کی نعلبندی کا حکم دیا۔ پھر شجاع سے کہا تم جو کچھ تیاری دیکھ رہے ہو جا کر اپنے صاحب کو اس کی اطلاع کر دو۔ ادھر اس نے قیصر کو لکھ کر میرے معاملہ کی اطلاع دے دی جو اسے بیت المقدس میں ملی۔ اس وقت حضرت دحیہؓ اس کے پاس تھے جنھیں آنحضرتؐ نے قیصر کے پاس بھیجا تھا۔ جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا تو اسے لکھا کہ ان پیغمبر کی طرف کوچ مت کرو۔ ان کا خیال چھوڑ دو اور مجھ سے آکر بیت المقدس میں ملو۔ جب آنحضرتؐ کو حارث کی گستاخی کی اطلاع ملی تو فرمایا۔ "اس کا ملک تباہ ہو گیا" اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اسلام نہیں لایا تھا۔

○

آنحضرتؐ کا نامہ گرامی

کسریٰ شاہِ فارس کے نام

آنحضرتؐ نے کسریٰ پرویز بن ہرمز کے نام بھی خط لکھا اور حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو نامۂ مبارک دے کر اس کی طرف روانہ فرمایا۔ کیونکہ ان کی کسریٰ کے پاس بہت آمدورفت تھی خط کا مضمون یہ تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم
من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم	محمد رسول اللہؐ کی طرف سے کسریٰ شاہ فارس
فارس۔ سلام علی من اتبع الھدیٰ	کے نام اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی
وامن باللہ ورسولہ وشھد ان	اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ اللہ کے
لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الی	سوا دوسرا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں تمام لوگوں کی
الناس کافۃ لینذر من کان	طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں تاکہ وہ ہر زندہ انسان
حیا۔ اسلم تسلم فان ابیت	کو اپنے عذاب سے ڈرائے۔ اسلام قبول کرلو، امن میں ہوگے
فعلیک اثم المجوس۔	اگر انکار کروگے تو تم پر تمھاری تمام مجوسی رعایا کا گناہ ہوگا۔

کسریٰ نے آنحضرتؐ کے نامۂ مبارک کو پھاڑ ڈالا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "اللہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔"

اس خط میں قابلِ لحاظ بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اس میں تحریر فرمایا ہے کہ "میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا فرستادہ رسول ہوں"۔ اس سے مستشرقین وغیرہ کے اس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے کہ حضرت محمدؐ صرف عرب کی طرف بھیجے گئے تھے۔

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ	ہم نے آپ کو بنی نوع بشر کی طرف خوشخبری سنانے والا
بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ	اور خدا سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن بہت سے لوگ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اس کو نہیں سمجھتے۔

کسریٰ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ یمن میں اپنے گورنر باذان نامی کو لکھ بھیجا کہ اپنے پاس سے دو دلیر آدمیوں کو حجاز میں اس شخص کے پاس بھیجو تاکہ وہ اسے پکڑ کر میرے پاس لے آئیں۔ چنانچہ باذان نے بابویہ نامی اپنے مالیات کے سیکرٹری کو جو اس کا میر منشی تھا اور حکومت فارس کا حساب کتاب لکھا کرتا تھا اور اس کے ساتھ ایک اور خرخسرہ نامی فارسی شخص کو آپ کے نام ایک خط دے کر بھیجا جس میں آپ کو حکم دیا تھا کہ ان دونوں کے ساتھ فوراً کسریٰ کی خدمت میں پہنچیں۔

اور بابویہ کو ہدایت کی کہ اس شخص کے شہر جا کر پہلے اس سے گفتگو کرو اور مجھ سے اس کا حال بیان کرو۔ یہ دونوں روانہ ہو کر طائف پہنچے۔ وہاں انھوں نے طائف کی عمدہ زمین میں قریش کے چند آدمیوں کو پایا اور ان سے آنحضرتؐ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ مدینہ میں ہیں۔

اور یہ لوگ ان دونوں کی آمد سے خوش ہوئے اور ایک دوسرے کو مژدہ سنایا اور باہم کہنے لگے خوش ہو جاؤ کہ شہنشاہ کسریٰ ان کا دشمن ہو گیا ہے۔ بس اب وہ تمہاری طرف سے اس شخص کے لئے کافی ہے یہ دونوں قاصد وہاں سے روانہ ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بابویہ نے یہ گفتگو کی بابویہ۔ شہنشاہ کسریٰ نے شاہ باذان کو حکم دیا ہے کہ کسی ایسے شخص کو آپ کے پاس بھیج دو کہ وہ آپ کو اس کی خدمت میں حاضر کر دے۔ انھوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ میرے ہمراہ ان کی خدمت میں چلیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو باذان شہنشاہ کے پاس آپ کے حق میں ایسی سفارش کریں گے جس سے آپ کو فائدہ ہوگا اور اس کی بنا پر آپ شہنشاہ کی کسی ضرر رسانی سے محفوظ رہیں گے۔ اگر آپ نے جانے سے انکار کیا تو پھر آپ جان ہی چکے کہ وہ کون ہے۔ وہ آپ کو اور آپ کی پوری قوم کو ہلاک کر ڈالے گا اور آپ کے ملک کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔

یہ آنحضرتؐ کی خدمت میں اس حلیہ میں حاضر ہوئے تھے کہ ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ آنحضرتؐ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا گوارا نہ فرمایا اور فرمایا تم پر افسوس ہے۔ تمھیں کس نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ ہمارے مالک نے (یعنی کسریٰ نے) آنحضرتؐ نے فرمایا لیکن میرے مالک نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں ترشوانے کا حکم فرمایا ہے پھر فرمایا۔ اب واپس چلے جاؤ۔ کل میرے پاس آنا۔ اس اثنا میں آنحضرتؐ کے پاس آسمان سے خبر

آئی کہ حق تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے فرزند (شیرویہ) کو مسلط کر دیا اور اس نے باپ کو فلاں مہینے میں فلاں شب کو فلاں وقت قتل کر دیا ہے۔

واقدی کا بیان ہے کہ شیرویہ نے اپنے باپ کسریٰ کو دس جمادی الاولیٰ ۷ھ سہ شنبہ کی شب میں نصف شب بعد قتل کر دیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان دونوں قاصدوں کو بلا کر اس واقعہ کی اطلاع دی تو انھوں نے کہا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم اس بری خبر پر آپ سے مواخذہ کریں گے۔ کیا ہم آپ کے حوالہ سے لکھ کر یہ خبر شاہ تک پہنچا دیں؟ آپ نے فرمایا۔ ضرور میری طرف سے اپنے شاہ کو یہ خبر بھیج دو اور اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچ کر رہیں گے جہاں تک اب کسریٰ کی حکومت پہنچ چکی ہے اور میری حکومت وہاں تک پہنچ جائیگی جہاں تک انسانوں کے پیروں اور جانوروں کے سموں کے نشانات پہنچیں گے اور اپنے شاہ باذان سے کہہ دینا کہ اگر تم اسلام لے آئے تو جو حکومت اس وقت تمہارے پاس ہے میں اسے تمہارے پاس ہی رہنے دوں گا اور آئندہ کے لئے بھی تمہیں تمہاری قوم کی بادشاہت پر باقی رکھوں گا۔ پھر آپ نے خرخسرہ کو ایک ہمیانی عطا فرمائی جس میں سونا چاندی تھا جو کسی بادشاہ نے آپ کو ہدیہ بھیجی تھی۔

یہ دونوں قاصد آپ سے واپس ہو کر باذان کی خدمت میں پہنچے۔ ان کی روداد سن کر اس نے کہا واللہ یہ کسی بادشاہ کی گفتگو نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے دعوے کے مطابق یقیناً پیغمبر ہیں۔ اب تم آپ کی خبر کا انتظار کرو۔ اگر قتل کسریٰ کا واقعہ صحیح ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ واقعی نبی مرسل ہیں اور اگر یہ واقعہ صحیح نہ ہوا تو پھر ہم آپ کے متعلق کوئی رائے قائم کریں گے۔

باذان کا قبولِ اسلام

باذان کی یہ گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ شیرویہ کا درج ذیل فرمان اس کے پاس پہنچا:۔

اما بعد۔ چونکہ کسریٰ نے فارس کے معززین کا قتل عام کرا دیا اور ان کے ٹھکانوں کو آگ لگوا دی تھی اس لئے اہل فارس کو اس پر بہت غصہ تھا جس کے پیش نظر میں نے اسے قتل کر ڈالا ہے۔ بس تم اپنے یہاں کے لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لو۔ اور کسریٰ نے جس شخص (یعنی رسول اللہؐ) کے متعلق تمہارے پاس حکم بھیجا تھا اس پر نظر رکھو اور جب تک اس کے متعلق میرا حکم تمہیں نہ ملے اس سے کسی قسم کی برائی نہ کرو۔

جب شیرویہ کا فرمان باذان کو ملا تو کہنے لگا یقیناً یہ شخص رسول ہیں بس اس نے اسلام قبول کر لیا اور یمن میں اس کے ساتھ جتنے اہل فارس تھے۔ وہ بھی اسلام لے آئے۔ اس بنا پر قبیلہ حمیر والے اس ہمیانی (منطقہ) کی

وجہ سے جو آنحضرتؐ نے خرخسرو کو عطا فرمائی تھی کہا کرتے تھے کہ "خرخسرو معجزہ والا ہے۔" اور حمیر کی زبان میں منطقہ معجزہ کو کہا جاتا ہے پس آج تک اس کی اولاد اسی منطقہ کی نسبت سے خرخسرو صاحب معجزہ کی اولاد کہی جاتی ہے۔

بابویہ نے اثنائے کلام میں شاہ باذان سے یہ بھی کہا تھا کہ میں نے آج تک اپنی زندگی میں کبھی اس شخص (یعنی رسول اللہؐ) سے زیادہ رعب و ہیبت رکھنے والی ہستی سے گفتگو نہیں کی۔

باذان نے سوال کیا۔ کیا اس نبی کے ساتھ پولیس رہتی ہے؟ اس نے کہا۔ نہیں۔

جب باذان اسلام لے آیا تو نبی کریمؐ نے اسے یمن کے علاقوں کا حاکم مقرر فرما دیا۔ اس کا مستقر صنعاء رکھا گیا جو پہلے سے تبابعہ کا دارالحکومت چلا آ رہا تھا۔ یہ اپنی حکومت پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے بعد انتقال کر گئے۔ تب آنحضرتؐ نے ان کے فرزند شہر بن باذان کو صنعاء کے علاقہ کا بادشاہ مقرر فرما دیا اور نیز ہر ہر علاقہ پر ایک ایک صحابی کو حاکم مقرر فرمایا۔

پھر حق تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں کسریٰ کی تمام حکومت وہاں کے خزانوں اور تمام مال و دولت پر مسلمانوں کا اقتدار قائم فرما دیا۔ اس طرح حق تعالیٰ نے انھیں منتشر و پراگندہ کر کے آنحضرتؐ کی دعوت اسلامی کو مکمل اور ثابت فرما دیا۔

مسٹر نورتش نے اپنی کتاب "مختصر اسلامی تاریخ" مطبوعہ ۱۹۲۴ء ص ۴۴ میں اس واقعہ کا سرے سے انکار کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے شہنشاہ روم اور شہنشاہ فارس کے پاس کوئی خطوط بھیجے تھے۔ اس کی رائے میں اس واقعہ کی کوئی تاریخی بنیاد نہیں ہے۔ اور مؤرخین یورپ اسی طرح ہر اسلامی خبر حتیٰ کہ تاریخ سے ثابت شدہ صحیح حقائق کا بھی صاف صاف انکار کر دیتے ہیں۔

○

۴۔ آنحضرتؐ کا نامۂ مُبارک

سُلطان مقوقس فرمانروائے قبط کے نام

در ھ م سنہ ۶۲۸ء

حضرت رسُول اللہؐ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ کو مقوقس کی طرف روانہ فرمایا۔ اس کا واقعہ یُوں ہُوا کہ حدیبیہ سے واپسی پر آپؐ نے فرمایا۔ اے لوگو! تم میں سے کون ہے جو میرا یہ خط شاہِ مصر کے پاس لے جائے جس کا ثواب حق تعالیٰ سے ملے گا۔ یہ سُن کر حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا۔ یا رسُول اللہؐ! میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ فرمایا اے حاطب! خدا تمھیں برکت عطا فرمائے۔

خط کا مضمون یہ تھا:۔

بسم الله الرحمن الرحيم

من عبد الله ورسوله الى المقوقس عظيم القبط۔ سَلامٌ على مَنِ اتَّبعَ الهُدٰى۔ اما بعد فاني ادعوك بدعاية الاسلام۔ اَسلِم تَسلَم۔ يُؤتِكَ الله اجركَ مرّتين۔ فاِن تولّيت فعليك اِثم كلّ القبط۔ يَا اَهلَ الكِتَابِ تَعَالَوا اِلىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَينَنَا وَبَينَكُم اَن لَّا نَعبُدَ اِلَّا اللهَ وَلَا نُشرِكَ بِهٖ شَيئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعضُنَا بَعضًا اَربَابًا مِّن دُونِ اللهِ فَاِن تَوَلَّوا فَقُولُوا اشهَدُوا بِاَنَّا مُسلِمُونَ ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے قبط کے بادشاہ مقوقس کے نام جس نے ہدایت کا اتباع کیا، اس پر سلامتی ہو۔ اما بعد۔ میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ۔ نجات پا جاؤ گے اور حق تعالیٰ تمھیں دوہرا ثواب عطا فرمائے گا اور اگر تم نے اس سے رُوگردانی کی تو پوری قبطی قوم کا گناہ تم پر ہو گا۔ اے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مُشترک ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کریں گے نہ اس کا کسی کو شریک ٹھہرائیں گے۔ اور نہ ہم میں سے کوئی خدا کے سوا ہم میں ایک دوسرے کو اپنا پروردگار بنائے گا اگر دُوسرے لوگ اس سے انحراف کریں تو تم صاف صاف اعلان کر دو کہ ہم تو خدا پر ایمان لانے والے ہیں۔

لہ یعنی ایک اجر خدائی مذہب مسیحیت قبول کرنے پر دوسرا خدائی دین اسلام قبول کرنے پر ملے گا۔م

آپؐ نے اس نامۂ مبارک پر اپنی مُہر لگا کر حضرت حاطبؓ کے حوالہ فرمایا۔

یہ نامۂ مُبارک اب آستانہ (ترکی) کے محکمہ آثارِ قدیمہ میں محفوظ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے یہ نامۂ مُبارک ایک فرانسیسی عالم کو بزمانہ سعید پاشا اخمیم کے قریب مصر کے ایک گرجا گھر سے دستیاب ہُوا تھا۔

حاطب اس نامۂ گرامی کو لے کر مدینہ سے روانہ ہو کر مصر مقوقس کے محل پر پہنچے۔ وہاں انھیں نہ پاکر اسکندریہ پہنچے اور انھیں رسُول اللہؐ کا نامۂ مبارک دیا۔ انھوں نے اسے پڑھ کر سینے سے لگایا اور ہاتھی دانت کی ایک ڈبیہ میں رکھا اور کاتب کو بُلا کر عربی میں جواب لکھوایا۔

الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی کریمؐ کے نام
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لمحمد بن	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قبط کے فرمانروا
عبداللہ من المقوقس عظیم القبط۔	مقوقس کی جانب سے حضرت محمد بن عبداللہ کی خدمت
سلامٌ علیک۔ اما بعد۔ فقد قرأت	میں سلام عرض ہے۔ اما بعد۔ میں نے آپ کا نامہ
کتابَکَ وفَهِمتُ ما ذکرتَ فیہ و	مُبارک پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں فرمایا ہے
ما تدعُو الیہ۔ وقد عَلِمتُ اَنَّ نَبِیًّا	اور جس دین کی دعوت دی ہے اسے خوب سمجھا مجھے
قد بَقِیَ۔ وقد کنتُ اَظُنُّ انہ یخرُجُ	یہ پہلے سے معلوم ہے کہ ایک نبی کا آنا باقی ہے۔ مگر میں
بالشَّام۔	خیال کرتا تھا کہ اس کا ظہور ملک شام سے ہوگا۔

حضرت حاطبؓ سے وہ جس احترام سے پیش آیا اس کا آنحضرتؐ سے ذکر کیا گیا۔ روایت ہے کہ مقوقس نے انھیں سو دینار اور پانچ جوڑے کپڑے دیئے۔ پھر ایک ہوشیار آدمی کو بُلا کر عورتیں لانے کا حکم دیا۔ جس نے تلاش کے بعد پورے مصر میں ماریہ (مریم) اور اس کی بہن سیرین سے زیادہ کوئی حسین وجمیل عورت نہیں پائی۔ یہ دونوں سرزمین مصر کے انصنا نامی گاؤں کی رہنے والی قبیلہ حفن سے متعلق تھیں۔ قبطی نے انھیں آنحضرتؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ روانہ کیا۔ نیز ایک خچر اور بنہا مقام کا شہد بطور ہدیہ بھیجا۔

ایک روایت ہے کہ ان چیزوں کے علاوہ مصر کے کتان ریشم کے بُنے ہوئے بیس کپڑے۔ عطر، عود اور مُشک بھی ہدیہ بھیجے لیکن اسلام قبول نہیں کیا۔

آنحضرتؐ نے ان ہدایا کو قبول فرما لیا اور ماریہ کو اپنے لئے رکھا اور سیرین کو حضرت حسان بن ثابتؓ کو ہدیہ کر دیا۔ یہی سیرین عبدالرحمن بن حسان کی والدہ تھیں۔ خچر کا نام دلدل تھا۔ یہ سفید براق تھا عرب میں

اس زمانہ میں اس کے سوا کوئی دُوسرا خچر نہ تھا اور آنحضرتؐ نے بنہا کے شہد میں برکت کی دُعا فرمائی اور مقوقس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں جو ہدایا بھیجے تھے۔ حنفی ناصف بیگ مرحوم نے ان کی مندرج ذیل فہرست دی ہے :۔

۱۔ ماریہ بنت شمعون جس کی ماں رومی نژاد تھی۔

۲۔ دُوسری لونڈی جس کا نام سیرین تھا لیکن وہ حُسن میں ماریہ سے کم تھی۔

۳۔ تیسری لونڈی جس کا نام قیسر تھا۔

۴۔ ایک سیاہ فام لونڈی جس کا نام بریرہ تھا۔

۵۔ ایک سیاہ غلام جس کا نام ہابو تھا۔

۶۔ سفید رنگ کا ایک خچر جس کا نام دلدل تھا۔

۷۔ ایک گھوڑا زین ولگام سمیت جس کا نام میمون تھا۔

۸۔ سفید رنگ کا گدھا جس کا نام یعفور تھا۔

۹۔ ایک چوکور صندوقچہ جس میں سرمہ دانی۔ کنگھا۔ تیل کی بوتل۔ قینچی اور مسواک رکھے ہُوئے تھے۔

۱۰۔ بنہا کا کچھ شہد۔

۱۱۔ ہزار مثقال[1] سونا۔

۱۲۔ مصر کے ریشمی بیس کپڑے۔

۱۳۔ کچھ عود۔ عطر اور مشک۔

۱۴۔ کانچ کا پیالہ۔

کہا گیا ہے کہ انہی ہدایا میں ایک طبیب بھی تھا۔ لیکن آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا کہ تم اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ کیونکہ ہم لوگ بھوک لگنے سے پہلے کبھی نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے (اس لئے نہ بیمار پڑتے ہیں، نہ طبیب کی ضرورت ہوتی ہے)۔

مدینہ کے راستہ ہی میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کی تبلیغ کی بنا پر ماریہ اور سیرین ہر دو نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

---

[1] ایک مثقال ڈیڑھ درہم یعنی چھ آنہ برابر وزن کو کہا جاتا ہے۔ م

ماریہ قبطیہ

ماریہ مدینہ میں ۸ھ کو پہنچی تھیں۔

آنحضرتؐ کو ماریہ قبطیہ بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ یہ سفید رنگ اور سفید بالوں والی نہایت خوبصورت خاتون تھیں۔ آنحضرتؐ نے انھیں اور ان کی بہن سیرین کو حضرت اُم سلیم بنت ملحان کے مکان میں ٹھہرا دیا۔ یہ دونوں اسلام لے آئیں۔ آپ نے ماریہ سے مملوکہ کی حیثیت سے ہم بستری فرمائی۔

آنحضرتؐ کو بنو نضیر کے جو اموالِ غنیمت حاصل ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت ماریہؓ کو عارضی طور پر ان زمینوں پر منتقل فرما دیا۔ وہ موسم گرما میں اور کھجوروں کی موسم بہار میں وہیں مقیم رہتی تھیں اور آنحضرتؐ ان کے پاس وہیں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہ بہت دیندار خاتون تھیں۔ آپ نے ان کی بہن سیرین کو حضرت حسان بن ثابتؓ شاعرِ خاص کو ہبہ فرما دیا تھا۔ ان کے بطن سے حضرت حسان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن تولد ہوئے اور حضرت ماریہؓ کے بطن سے آنحضرتؐ کے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے۔ حضرت ماریہؓ نے بزمانہ خلافت حضرت عمرؓ ۱۶ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع کے قبرستان میں دفن ہوئیں۔ حضرت عمرؓ بنفس نفیس لوگوں کو ان کے جنازے میں شرکت کے لئے جمع فرماتے پھرتے تھے اور خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

ابراہیم بن رسول اللہؐ

جب صاحبزادہ ابراہیم تولد ہوئے تو آنحضرتؐ نے ولادت کے ساتویں دن ایک بکری ذبح فرما کر ان کا عقیقہ فرمایا۔ ان کا سر منڈوایا اور بالوں کے ہم وزن چاندی فقرا میں تقسیم فرمائی اور ان کے بالوں کو زمین میں دفن کرا دیا۔ حضرت ماریہؓ کی دائی آنحضرتؐ کی کنیز سلمٰی تھیں۔ انھوں نے جا کر اپنے شوہر اور آنحضرتؐ کے غلام ابورافع کو اطلاع دی کہ حضرت ماریہؓ کے لڑکا تولد ہوا ہے۔ یہ سُن کر ابورافع خدمتِ اقدس میں پہنچے اور آپ کو یہ خوشخبری سنائی۔ آپ نے اس خوشی میں انہیں ایک غلام بخشش میں عطا فرمایا۔ اس خبر پر آنحضرتؐ کی ازواجِ مطہرات کو بہت غیرت آئی اور ایک باندی سے آپ کی اولاد پیدا ہونا انہیں بہت شاق گذرا۔

حضرت ابراہیم کی ولادت ماہ ذی الحجہ ۸ھ م اپریل ۶۳۰ء میں مقام عالیہ (مدینہ کے مضافاتی حصہ میں) ہوئی تھی۔ انصاری خواتین باہم رشک کرنے لگیں کہ کسے ان کو دودھ پلانے کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ پس آنحضرتؐ نے انھیں حضرت ام بردہ بنت منذر بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار کے سپرد فرمایا۔ ان کے شوہر براء بن اوس بن خالدؓ تھے۔ پس ان خاتون نے حضرت ابراہیمؓ کو دودھ پلایا تھا۔

آنحضرتؐ کا نامۂ مبارک

اصحمہ نجاشی کے نام

مہاجرین اولین نے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف کی تھی جہاں نجاشی نے ان کا اکرام و احترام کیا۔ اور وہاں یہ حضرات قریش کے مظالم سے محفوظ رہے۔

جب آنحضرتؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے چالیس صحابہ مدینہ کی طرف روانہ ہو کر وہاں آنحضرتؐ سے جا ملے اور ان میں سے پچاس یا ساٹھ صحابہ حبشہ ہی میں نجاشی کی پناہ میں رہ گئے۔

عمرو بن ضمریؓ کو آنحضرتؐ نے اپنے دو نامۂ گرامی لے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔ ان میں سے ایک نامہ مبارک میں آپ نے نجاشی کو اسلام کی دعوت دی تھی۔

دوسری میں اسے ہدایت فرمائی تھی کہ وہ آنحضرتؐ کی طرف سے حضرت ام حبیبہؓ[1] سے رشتہ کر کے غائبانہ آنحضرتؐ کا عقد کر دے۔ جس خط میں آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی اس کا متن یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
من محمد رسول اللہ الی النجاشی الاصحم
ملک الحبشۃ. سلم انت فانی احمد الیک اللہ
الملک القدوس السلام المؤمن
المھیمن و اشھد ان عیسی ابن
مریم روح اللہ و کلمتہ القاھا
الی مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ
فحملت بعیسی من روحہ و نفخہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
محمد رسول اللہؐ کی طرف سے اصحم نجاشی شاہ حبشہ کے نام۔
تم سلامت رہو۔ میں تمہارے سامنے اس ہستی کے محامد
بیان کرتا ہوں جو کائنات عالم کا شہنشاہ۔ بہت پاک
ذات۔ امن و سلامتی والا۔ ایمان کی نعمت عطا فرمانے والا
اور رزق و موت و حیات کا کفیل ہے۔ میں اس کی تصدیق
کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کا
کلمہ تھے۔ جسے خدا نے حضرت مریم کے جسم میں منتقل فرمایا

[1] ام حبیبہؓ ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں۔ یہ اپنے شوہر عبید اللہ کے ہمراہ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ جہاں ان کے شوہر عیسائی مذہب پر انتقال کر گئے۔ پھر آنحضرتؐ نے ان سے بتوسط نجاشی عقد فرمایا۔ م

كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهٖ وَنَفْخِهٖ
وَاِنِّیْ اَدْعُوكَ اِلَى اللهِ وَحْدَهٗ لَا
شَرِيكَ لَهٗ وَالْمُوَالَاةِ عَلٰى طَاعَتِهٖ
وَاَنْ تَتَّبِعَنِیْ وَتُوْمِنَ بِالَّذِیْ
جَآءَنِیْ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ وَقَدْ
بَعَثْتُ اِلَيْكَ ابْنَ عَمِّیْ جَعْفَرًا وَ
نَفَرًا مَعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِذَا
جَآءُوْكَ فَاَقْرِهِمْ وَدَعِ التَّجَبُّرَ
فَاِنِّیْ اَدْعُوكَ وَجُنُوْدَكَ اِلَى اللهِ
فَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ فَاقْبَلُوْا
نُصْحِیْ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ
اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

جو غیر شادی شدہ یاکباز و پارسا تھیں پس جو اس خدائی
رُوح اور اس کی پھونک سے حضرت عیسیٰ سے حاملہ ہو
گئیں جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ اور
اپنی پھونک سے پیدا فرمایا تھا۔ میں تمھیں اس خدا کی طرف
بُلاتا ہوں جو ایک ہے اس کا کوئی دُوسرا شریک نہیں نیز
خدا کی اطاعت قبول کرنے میری اتباع کرنے اور ان پر
ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جو میرے پاس وحی لے کر
آتے ہیں۔ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں میں نے تمھارے
پاس اپنے چچازاد بھائی جعفر اور ان کے ساتھ کچھ اور صحابہ کو
بھیجا ہے جب وہ تمھارے پاس پہنچیں تو انھیں اپنا مہمان
رکھنا۔ سرکشی و نخوت کو ترک کر دو۔ میں تمھیں اور تمھاری قوم
کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں نے اپنا پیغام رسالت تم تک
پہنچا دیا اور تمھیں نصیحت کر دی۔ پس تم میری نصیحت مان لو
اور راہِ ہدایت کی اتباع کرنے والے پر سلامتی ہو۔

جب نجاشی کو یہ خط ملا تو اس نے اسے آنکھوں سے لگایا اور تعظیماً تخت سے اُتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور اسلام قبول کر لیا۔ پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں درج ذیل مکتوب لکھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الى محمد رسول الله من النجاشى الاصحم
بن ابجر۔ سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا نَبِیَّ اللهِ وَرَحْمَةُ
اللهِ وَبَرَكَاتُ اللهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
الَّذِیْ هَدَانِیْ اِلَى الْاِسْلَامِ۔
اما بعد۔ فَقَدْ بَلَغَنِیْ كِتَابُكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ
فِيْمَا ذَكَرْتَ مِنْ اَمْرِ عِيْسٰى فَوَرَبِّ السَّمَآءِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصحم بن ابجر نجاشی کی طرف سے حضرت محمد رسول اللہ
کی خدمت اقدس میں۔ اے اللہ کے نبی آپ پر اللہ کا سلام
اور اس کی رحمت اور اس کی برکات نازل ہوں۔ وہ خدا ہے
وحدہٗ لاشریک ہے جس نے مجھے اسلام کی راہ سجھائی ہے۔
اما بعد۔ یارسول اللہ آپؐ کا نامہ مبارک مجھے ملا جس میں
آپؐ نے حضرت عیسیٰ کا واقعہ بیان فرمایا۔ خدائے زمین و

والأرضِ إنَّ عیسیٰ ما یزیدُ علیٰ	آسمان کی قسم۔ بلاشبہ حضرت عیسیٰ کے متعلق جو کچھ آپ نے فرمایا
ما ذکرتَ وقد عرفنا ما بعثتَ بہٖ	ہے وہ اس سے زیادہ نہ تھے آپ نے جو دعوت اسلام ہمیں
إلینا وقد قرینا ابنَ عمِّکَ و	بھیجی ہے ہم نے اس کی حقیقت کو خوب جان لیا ہم نے آپکے
اصحابِہٖ فاشہدُ انّکَ رسولُ اللہِ	چچا زاد بھائی اور ان کے رفقاء کو اپنا مہمان بنالیا میں تصدیق کرتا
صادقًا مصدقًا وقد بایعتُکَ و	ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے سچے رسول اور اس کی تصدیق کرنے والے
وبایعتُ ابنَ عمِّکَ واسلمتُ علیٰ	ہیں۔ میں نے آپ کی اور آپکے چچیرے بھائی کی بیعت کرلی
یدیہِ للہِ ربِّ العالمین وارسلتُ	اور ان کے ہاتھ پر خدائے رب العالمین کے لئے اسلام قبول کرلیا
الیکَ بابنی ازھا بن الاصحم بن ابجر	میں نے آپ کی خدمت میں اپنے فرزند ارہا بن اصحم بن ابجر کو
فانّی لا املکُ الّا نفسی وان شئتَ	روانہ کردیا ہے۔ میں صرف اپنی اکیلی جان کا مالک ہوں۔ اگر
ان اٰتیکَ فعلتُ یا رسولَ اللہِ۔	آپ مجھے طلب فرمائیں تو یا رسول اللہ میں حاضر ہوجاؤں گا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ نجاشی نے ایک کشتی میں اپنے فرزند کو ساٹھ اہل حبشہ کے ہمراہ آپ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ لیکن جب یہ لوگ دریا کے بیچ میں پہنچے تو کشتی غرق ہوگئی۔ جس سے یہ سب ہلاک ہوگئے۔ نجاشی کے اس مکتوب سے جو اس نے آنحضرتؐ کی طرف بھیجا تھا اس کے اسلام لانے کی صریحاً تائید ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ اسلام حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو کچھ کہتا ہے، وہ بھی اسی کا قائل تھا۔

نجاشی کا قبولِ اسلام

ابن اسحاق کی روایت میں اس کی صراحت ہے کہ اصحمہ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا تھا اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے اس کے سامنے سورہ مریم تلاوت کی تھی۔ جس میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول بھی تھا۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ	حضرت عیسیٰ بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اسی نے
جَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَمَا	مجھے کتاب (انجیل) عطا فرمائی اور مجھے نبی بنایا اور میں جہاں
كُنْتُ۔	کہیں بھی ہوں مجھے خیر و برکت والا بنایا۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ نے خود اپنی عبودیت کے اثبات کی صراحت کردی اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ	یہ عیسیٰ بن مریم ہیں اور یہی قول حق ہے جس میں یہ لوگ

الَّذِیۡ فِیۡہِ یَمۡتَرُوۡنَ ○ مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنۡ یَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ ۙ سُبۡحٰنَہٗ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ○

جھگڑ رہے ہیں۔ یہ امر ہرگز خدا کے شایانِ شان نہیں کہ "وہ کسی کو بیٹا کہے۔ اس کی ذات اس سے پاک و مبرا ہے" جب کسی شے کا وجود مقدر فرما دیتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ وجود میں آجا پس وہ شے موجود ہو جاتی ہے

حق تعالیٰ کے ارشاد "عیسیٰ بن مریم" میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اس خاتون کے فرزند ہیں نہ کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

وَاِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ○

یقیناً خدا ہی میرا اور تمھارا رب ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

بعض لوگوں نے نجاشی کے اسلام میں شک کیا ہے؟ لیکن تمام اہم تاریخی کتب میں ان کے اسلام لانے کی صراحت پائی جاتی ہے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ کا قول ہے کہ نجاشی نے اسلام پر بیعت کی تھی جس کا بیان اپنی جگہ پر آئے گا لیکن وہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے کیونکہ ان کی قوم عیسائی تھی اور انھیں ڈر تھا کہ وہ ان پر حملہ نہ کر دیں۔

نجاشی کے اسلام پر اس بات سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ وہ نسطورا عیسائی تھے اور نسطوری مذہب کی بنیاد توحید پر ہے اور یہ مذہب حضرت مسیح کے خدا ہونے کا منکر ہے۔ اس کی دلیل میں نسطور کا یہ قول پیش کیا جا سکتا ہے۔

تم لوگ یہ نہ کہو کہ حضرت مریم خدا کی ماں ہیں کیونکہ وہ بشر تھیں اور یہ بات مستحیل ہے کہ خدا بشر سے پیدا ہو۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ بحیرا راہب جس نے آنحضرتؐ کے شام کے تجارتی سفر میں آپ کی شخصیت کو علامات دیکھ کر پہچان لیا تھا اور آپ کی عزت و احترام کیا تھا، وہ اسی مذہب کا پیرو تھا۔ اور یہ نسطور نامی شخص مسیحی مذہب کا متبحر عالم اور جلیل القدر شخصیت تھا اور یہ امر اس کے مرتبہ کی بلندی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ۴۲۸ء سے ۴۳۱ء تک برابر قسطنطنیہ کا بطریرک[1] رہا ہے بہت سے پادری اس کے پیرو تھے لیکن اس کے اس عقیدہ کی وجہ سے مسیحیوں کی طرف سے اس پر ظلم ڈھائے گئے اور

[1] مسیحی پادریوں کے بڑے پوپ کو بطریرک کہا جاتا ہے۔ م

اسے جلاوطن کر دیا گیا۔

پس جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ نجاشی عقیدہ بعینہٖ نسطوری عقیدہ تھا تو یہی قول قابلِ ترجیح قرار پاتا ہے کہ جب اس پر آنحضرتؐ نے نامۂ مبارک کے ذریعہ اسلام پیش فرمایا اور اس کے سامنے حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم تلاوت کی جو اس کے مذہب پر منطبق ہوتی تھی تو اس نے لازماً اسلام قبول کر لیا تھا۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ اسلام بتوں کی پرستش کا مقابلہ کرتا اور توحیدِ الٰہی کی دعوت دیتا ہے نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کا انکار کرتا ہے۔ البتہ آپ کی نبوت کا اعتراف کرتا ہے اور یہی نجاشی کا عقیدہ بھی تھا۔ پس اس کا اسلام لانا ہر طرح قرینِ قیاس ہے)

مسند امام شافعیؒ میں (کتاب جنازہ وحدود میں) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جس روز نجاشی نے وفات پائی اسی دن آنحضرتؐ نے صحابہ کو اس کی موت کی خبر سنادی اور سب کو عیدگاہ لے کر پہنچے۔ ان کی صفیں درست فرمائیں اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی جس میں چار تکبیریں کہیں۔ یہ واقعہ نجاشی کے اسلام کی واضح دلیل ہے۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ صرف مسلمان ہی کی نماز جنازہ پڑھا سکتے تھے۔ (غیر مسلم کی نہیں)

صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جس دن حبشہ میں نجاشی کی وفات ہوئی اسی دن مدینہ میں آنحضرتؐ نے فرمایا آج اک مردِ مومن کا انتقال ہو گیا۔ پس کھڑے ہو جاؤ اور اپنے اسلامی بھائی اصحمہ[1] کی نماز جنازہ پڑھو۔

○

[1] اصحمہ اس وقت کے نجاشی بادشاہ کا نام تھا۔ م

حضرت اُمِ حبیبہؓ دُختر ابوسفیان کا آنحضرتؐ سے نکاح

حضرت محمد بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے انھیں نجاشی کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ نجاشی اُمِ حبیبہ بنت اُبوسفیان سے آنحضرت کا وہیں عقد بالوکالت کرا دیں۔ پھر انھیں اور دوسرے مسلمانوں کو جو وہاں ہیں محمد کے ساتھ روانہ کر دیں۔ چنانچہ نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ نامی کو اُمِ حبیبہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ انھیں بتا دیں کہ آنحضرتؐ نے ان سے اپنا رشتہ طلب فرمایا ہے۔ حضرت اُمِ حبیبہ نے اس خوشخبری پر مسرور ہو کر اس باندی کو اپنی ایک پازیب اور پیر کی اُنگلیوں کے چاندی کے چھلے بخشش کے طور پر دیئے اور اس سے کہا کہ ان سے عقد کے لئے کسی کو آنحضرتؐ کی طرف سے وکیل مقرر کر دے۔
چنانچہ اس نے حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ کو وکیل مقرر کر دیا جنھوں نے آنحضرتؐ سے ان کا عقد کر دیا۔

پس اس عقد میں نجاشی نے آنحضرتؐ کی طرف سے رشتہ طلب کیا اور حضرت خالدؓ نے اپنی وکالت سے خطبہ نکاح کے ساتھ حضرت اُمِ حبیبہؓ کو آنحضرتؐ کے عقد میں دے دیا۔ پھر نجاشی نے ان کا زرِ مہر چار سو دینار منگا کر اپنی طرف سے حضرت خالد بن سعیدؓ کو پیش کر دیا ابرہہ باندی یہ رقم حضرت اُمِ حبیبہ کی خدمت میں لے کر گئی تو انھوں نے اسے پچاس مثقال بطور انعام دیئے اور فرمایا میرے پاس کچھ بھی نہ تھا لیکن خدا نے یہ رقم بھیج دی۔ اس لئے میں نے تجھے یہ انعام دے دیا۔ اس پر ابرہہ نے عرض کیا کہ مجھے بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے کچھ نہ لوں اور میں نے آپ سے جو کچھ لیا ہے اسے واپس کر دوں۔ یہ کہہ کر اس نے تمام انعامات جو حضرت اُمِ حبیبہؓ نے دیئے تھے انھیں واپس کر دیئے اور کہا کہ میرے ذمہ بادشاہ کے کپڑوں اور تیل وغیرہ کا اہتمام ہے میں نے حضرت محمدؐ کے خدا کا رسول ہونے کی تصدیق کر دی اور ان پر ایمان لے آئی ہوں۔ پس آپ سے میری ایک گزارش ہے کہ آپ ان کی خدمت اقدس میں میرا سلام عرض کر دیں آپ نے فرمایا اچھا۔

بادشاہ نے اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو عود و عنبر ہو وہ حضرت اُمِ حبیبہؓ کی خدمت میں بھیج دیں۔ پس جب وہ پہنچیں تو آنحضرتؐ نے یہ ان کے پاس اور ان کے کپڑوں پر لگا ہوا دیکھا مگر اس پر کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا

حضرت اُمِ حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ دو کشتیوں میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہوئے اور نجاشی

نے کشتی رانوں کو ہمارے ساتھ بھیجا تھا۔ یہاں تک کہ ہم خشک زمین پر اُترے۔ وہاں سے ظہر کے وقت سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ اپنے صحابہ سمیت خیبر تشریف لے گئے ہیں۔ پس میں مدینہ ہی میں ٹھہری رہی۔ حتیٰ کہ جب آنحضرتؐ واپس تشریف لائے تو میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور آپ نے مجھ سے نجاشی کے حالات دریافت فرمائے اور میں نے آپ کو ابرہہ کا سلام پہنچایا تو آپ نے بھی جواباً وعلیہا السلام (اس پر بھی سلام ہو) فرمایا۔

جب ابوسفیان کو آنحضرتؐ کے ام حبیبہؓ سے عقد کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے کہا "اس نر کی ناک میں نکیل نہیں ڈالی جاسکتی۔

آنحضرتؐ کے حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے عقد کا منشا یہ تھا کہ اس طرح ان کے باپ کو اسلام کی طرف مائل فرما سکیں۔

حبشہ کے مہاجرین موسم بہار میں بماہ جمادی الاولیٰ ۷ھ (م اگست ۶۲۸ء) مدینہ منورہ پہنچے تھے۔

سیرت ابنِ ہشام میں ان صحابہ کرام کے اسمارِ گرامی درج ہیں جو حبشہ سے واپس لوٹے تھے۔

حضرت ام حبیبہؓ کی کنیت ان کی صاحبزادی حبیبہ بنت عبداللہ بن جحش کی نسبت سے تھی حضرت ام حبیبہؓ کا نام رملہ تھا۔ انھوں نے اپنے شوہر عبیداللہ کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی جن سے وہاں حبیبہ تولد ہوئی تھیں۔ بعد میں عبیداللہ عیسائی بن گئے اور حبشہ میں عیسائی عقیدہ پر ہی فوت ہوئے لیکن ام حبیبہؓ بدستور بحالتِ اسلام حبشہ میں مقیم رہیں۔ پھر جب آنحضرتؐ کا ان سے عقد ہو گیا تو وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے جس کو اپنی طرف سے وکیل نکاح بنایا تھا وہ حضرت عثمان بن عفانؓ تھے۔ حضرت ام حبیبہؓ کا وصال ۴۴ھ میں ہوا۔

○

۶۔ آنحضرتؐ کا نامۂ مبارکؐ

بنام ہوذہ بن علی حنفی شاہ یمامہؐ

آنحضرتؐ نے سلیط بن عمرو عامری کے ہاتھ ہوذہ بن علی حنفی شاہ یمامہ کو درج ذیل نامہ مبارک روانہ فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمد رسول اللہ الیٰ ھوذۃ بن علی۔ سلامٌ علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ واعلوا انّ دینی سیظھرُ الیٰ منتھی الخُفِّ والحافِرِ فاَسلِم تَسلَم واجعل لک ما تحت یدیک۔	محمد رسول اللہؐ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام۔ اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کا اتباع کیا۔ تمہیں معلوم ہو کہ میرا دین عنقریب وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں تک کسی انسان کے پیر اور کسی جانور کے کھر پہنچیں گے پس تم اسلام قبول کرو تو نجات پا جاؤ گے اور تمہارے ماتحت جو ملک ہے اس پر تمہیں ہی حاکم رہنے دوں گا۔

جب ہوذہ کو یہ نامہ مبارک پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے سلیط کو ایک لطیف جواب دیا۔

واقدی نے لکھا ہے کہ روحی دمشق کا ایک بڑا زمیندار جو عیسائیوں میں بڑا مانا جاتا تھا اس وقت ہوذہ کے پاس تھا۔ ہوذہ نے اس سے کہا کہ میرے پاس نبی کا خط آیا ہے جس میں مجھے اسلام کی دعوت دی گئی ہے لیکن ابھی میں نے یہ دعوت قبول نہیں کی ہے۔ زمیندار نے کہا۔ کیوں قبول نہیں کی؟ ہوذہ نے کہا۔ مجھے اپنا دین چھوڑنا گوارا نہیں۔ کیونکہ میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں نے ان کا اتباع اختیار کر لیا تو میری بادشاہت باقی نہ رہے گی۔

اس نے کہا۔ ایسا نہیں بلکہ اگر آپ نے ان کی پیروی کی تو واللہ وہ آپ کو ہی بادشاہ رہنے دیں گے۔

ا۔ یمامہ ایک مشرقی شہر ہے۔ جس میں بکثرت کھجور کے باغات تھے۔ یہ مکہ سے سولہ مرحلہ (ہر مرحلہ بارہ میل ہوتا ہے) پر واقع ہے۔ ہوذہ یمامہ کے ایک مسیحی قبیلہ بنو حنیفہ کا سردار تھا۔ سلیط بن عمرو قاصد رسول اللہؐ پہلے اسلام لانے اور حبشہ کی ہجرت والوں میں تھے۔ م

آپ کے لئے ان کی اتباع ہی میں بہتری ہے۔ بلاشبہ یہ وہی عربی پیغمبر ہیں جن کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی ہے اور ہماری کتاب انجیل میں محمدؐ رسول اللہ لکھا ہوا موجود ہے۔ بعد میں خود یہ زمیندار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ پر شرف باسلام ہوئے۔

پھر ہوذہ نے آنحضرتؐ کو آپ کے نامۂ مبارک کا یہ جواب لکھا۔

آپ جس امر کی دعوت دے رہے ہیں وہ بہت اچھا اور بہت شاندار عمل ہے۔ میں قومی شاعر و خطیب ہوں اور تمام عرب پر میرے بلند مرتبہ کا رعب ہے۔ پس آپ اپنے کاموں میں مجھے حصہ دیں تو میں آپ کا اتباع قبول کرلوں گا۔"

غالباً اس سے ہوذہ کی یہ مُراد تھی کہ وہ آپ کی نبوت یا آپ کے بعد آپ کی خلافت میں حصہ دار بننا چاہتا تھا۔ اس نے سلیط کو معقول انعام دیا۔ اور ہجر کے بنے ہوئے کپڑوں کا لباس دیا۔ واپس آکر ان صحابی نے ہوذہ کا خط آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا اور وہاں کے تفصیلی حالات بیان کئے جب انھوں نے یہ خط آنحضرتؐ کو پڑھ کر سُنایا تو آپ نے فرمایا۔

ہوذہ اور اس کا ملک ہردو تباہ و برباد ہو گئے۔

جب آنحضرتؐ فتح مکہ سے واپس ہوئے تو آپ کو ہوذہ کی موت کی خبر ملی۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بعد یمامہ میں ایک کذاب ظاہر ہوگا جو نبوت کا دعوی کرے گا اور وہ قتل کر دیا جائے گا۔

ہوذہ کی عمر ڈیڑھ سو سال کی ہوئی۔

○

۷۔ آنحضرت ؐ کا نامہ مبارک

بنام منذر بن ساوی تمیمی

منذر بحرین کا باشندہ تھا۔ آنحضرت ؐ نے حضرت علاء بن حضرمی رضؓ کو نامہ گرامی دے کر اس کی طرف روانہ فرمایا۔ جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ اس کا متن یہ ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساوی۔ سلام علیک فانی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ھو و اشھد ان محمدًا عبدہ و رسولہ۔

اما بعد۔ فانی اذکرک اللہ عزوجل فانہ من ینصح فانما ینصح لنفسہ وانہ مَن یُطع رُسُلی ویتبع امرھم فقد اطاعنی ومن نصح لھم فقد نصح لی۔ وان رسلی قد اثنوا علیک خیرا وانی قد شفعتک فی قومک فاترک للمسلمین و اسلموا الیہ وعفوت عن اھل الذنوب فاقبل منھم۔

وانک مھما تصلح فلن نعزلک عن عملک ومن اقام علی یھودیتہ او مجوسیتہ فعلیہ الجزیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ ؐ کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام۔ تجھ پر سلام ہو۔ میں تجھ سے اس خدائے قدوس کی حمد بیان کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے۔ اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ بلاشبہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اما بعد۔ میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں کہ جو شخص نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے کرتا ہے۔ جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت کرتا اور ان کا حکم مانتا ہو وہ میری ہی اطاعت کرتا ہے اور جو ان سے اخلاص و خیر خواہی رکھتا ہے۔ وہ مجھ سے بھی رکھتا ہے۔ میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے۔ میں نے تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش قبول کر لی ہے۔

اور چونکہ تم میں اہلیت ہے اس لئے تمہیں تمہارے منصب سے معزول نہ کریں گے اور تمہاری قوم میں سے جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر باقی رہے گا اس پر جزیہ (خراج) واجب ہوگا۔

آنحضرتؐ نے اس سے قبل منذر کو ایک مکتوب روانہ فرمایا تھا۔ جس میں اسے دعوتِ اسلام دی تھی۔ اس کے جواب میں اس نے آپ کو جو عریضہ روانہ کیا تھا۔ یہ مکتوب اس کے جواب میں ارسال فرمایا تھا۔ چنانچہ منذر مُشرّف باسلام ہو گیا اور اس نے اپنے بہتر اسلام کا مظاہرہ کیا۔ لیکن پہلے نامۂ مبارک کا متن معلوم نہ ہوسکا۔ نہ اس کے قاصد کا نام۔ بظاہر وہ حضرت علاء ہی ہوں گے۔ آنحضرتؐ کا یہ دُوسرا نامۂ مُبارک ہر اس شخص کو جو اسلام میں داخل نہ ہونا چاہے آزادی دیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ جزیہ[1] ادا کرتا رہے۔

اہلِ بحرین مذہبًا یا تو آتش پرست تھے یا یہُودی جب منذر نے ان پر اسلام پیش کیا تو ان میں سے کچھ تو رغبت سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور کچھ اپنے آبائی دین پر قائم رہے۔

طبری نے بیان کیا ہے کہ منذر بن ساوی آنحضرتؐ کے وصال کے قریب فوت ہوئے حضرت عمرو بن عاص رضؓ ان کے پاس آئے تھے اور ان کی موت کے وقت وہیں موجُود تھے۔

کتاب اسد الغابہ میں نافع ابو سلیمان مولیٰ منذر کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ منذر بحرین سے چل کر حاضر خدمت اقدس ہوئے تھے اور طبری اور ابن قانع میں بھی یہی مذکور ہے۔

○

---

[1] جزیہ اس ٹیکس کو کہا جاتا ہے جو غیر مسلموں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کی ضمانت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ م

۸۔ آنحضرتؐ کا نامۂ مبارکؐ

عمّان کے دو بادشاہوں کے نام

عُمان۔ عین کے پیش اور میم کے زبر کے ساتھ ہے۔ یہ یمن کا ایک شہر ہے جو دریائے یمن اور ہند کے ساحل پر مقام ہَجَر کے مشرقی سمت واقع ہے۔

رہا عَمّان۔ عین کے زیر اور میم کی تشدید کے ساتھ سو وہ ملک شام کا ایک شہر ہے اور یہاں پہلا شہر (عُمان) مُراد ہے۔

آنحضرتؐ نے اپنا مکتوب گرامی حضرت عمرو بن عاصؓ کے ہاتھ جلندی کے ہر دو فرزندان جیفر و عبد کے پاس بھیجا جس کا متن یہ تھا:-

امّا بعد۔ فانی ادعوکما بدعایۃ الاسلام اسلما تسلما۔ فانی رسول اللہ الی الناس کافۃ لانذر من کان حیّا ویحق القول علی الکفرین۔ وانکما ان اقررتما بالاسلام ولیتکما۔ وان ابیتما ان تقرّا بالاسلام فان ملککما زائل عنکما۔ وخیلی تحلّ بساحتکما وتظهر نبوّتی علی ملککما۔

امّا بعد۔ میں تم دونوں کو اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ۔ نجات پا جاؤ گے۔ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسُول بن کر آیا ہوں۔ تاکہ ہر ذی حیات کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں۔ اور کافروں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ثابت و نافذ ہو جائے۔ اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کر لیا تو میں تمھیں بدستور حاکم رہنے دوں گا اور اگر تم نے قبولِ اسلام سے انکار کر دیا تو پھر تم دونوں کی حکومت تم سے چھن جائے گی اور میرے سوار دستے تمھارے میدانوں کو اپنی ٹاپوں سے روند ڈالیں گے اور میری نبوّت تمھارے ملک پر چھا جائے گی۔

یہ مکتوب حضرت اُبی بن کعبؓ نے تحریر کیا اور آنحضرتؐ نے اس پر اپنی مہر ثبت فرمائی۔ جیفر عبد سے عمر میں بڑے اور حکومت میں بھی ان سے مقدّم تھے لیکن عبد بہت با اخلاق، نرم خو اور شائستہ مزاج تھے۔

پس آنحضرتؐ کے قاصد عمرو جیفر سے ملے اور انھیں آنحضرتؐ کا نامۂ مبارک دیا جسے انھوں نے اور ان کے بھائی نے پڑھا اور حضرت عمرو سے اسلام کے متعلق معلومات کیں۔ پھر دونوں بھائی مشرف باسلام ہو گئے اور ان کے ساتھ اور بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور جو اسلام نہیں لائے۔ ان پر جزیہ مقرر کر دیا گیا۔

نامہائے مبارک کے سلاطین و اُمراء وقت کے نام بھیجنے کا نتیجہ

ہم نے اوپر ان نامہ ہائے گرامی کا بیان کیا ہے جو آنحضرتؐ نے صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے قبل سلاطین و اُمراء وقت کی طرف روانہ فرمائے تھے اور جن کے ذریعہ انھیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؐ کے اس کارنامے میں ایک عجیب قوت اور عظیم الشان بہادری کا اظہار تھا۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے اگرچہ مکہ والوں سے صلح کر لی تھی لیکن ابھی تک مکہ فتح نہ ہوا تھا اور اہلِ مکہ داخل اسلام نہ ہوئے تھے۔ ان حالات میں ان خطوط کا دنیا کی ممتاز شخصیتوں کی طرف بھیجنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ خاص کر ہرقل، کسریٰ اور مقوقس کی طرف اسلامی دعوت نامے بھیجنا اگر رسول اللہ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو اس کے انجام سے خائف ہوتا۔ کیونکہ یہ تمام بادشاہ اپنے اپنے ملکوں کے بہت طاقتور بادشاہ تھے اور آنحضرتؐ کا ان کی طرف اپنے قاصدوں کو بھیجنے کا واقعہ پہلا واقعہ تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ اپنے قاصدوں کے بھیجنے سے پہلے اپنے عزم صادق اور قلبِ ثابت سے اپنی رسالت کی قوت اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مدد پر اعتماد کامل رکھتے تھے۔ جس کے درج ذیل نتائج ظاہر ہوئے۔

۱۔ آنحضرتؐ کو ان ملوک و اُمرا کی آپ کے بارے میں سیاست اور اپنی طرف توجہ کا حال معلوم ہو سکا۔ اس طرح گویا ان خطوط مبارک نے ان سلاطین کی اندرونی کیفیت معلوم کرنے کے لئے انکی نبضوں پر ہاتھ رکھنے کا کام دیا۔

۲۔ یمن کے حاکم باذان نے اپنے ساتھیوں سمیت اسلام قبول کر لیا۔

۳۔ مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا لیکن اس نے آنحضرتؐ سے اپنے جوابی مکتوب میں نرم طرزِ عمل اختیار کر کے اور آپ کی خدمت میں تحائف بھیج کر آپ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔

۴۔ جیسا کہ تاریخی کتب میں مشہور ہے نجاشی نے اسلام قبول کر لیا۔ اگرچہ وہ اپنی قوم کو اسلام لانے پر آمادہ نہ کر سکا۔

۵۔ منذر بن ساوی والی بحرین کا مشرف باسلام ہونا۔

۶۔ عُمان کے ہر دو بادشاہوں اور ان کے ساتھ ان کی بہت سی پبلک کا اسلام قبول کر لینا۔

ہم کہتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ ان سلاطین و اُمرا کی طرف دعوت اسلامی کے نامہائے مبارک بھیجنے سے اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔ اس کی شان بلند ہو گئی اور عالمی حکومتوں میں اسلام کا دینی و سیاسی وقار بلند ہو گیا اور یہ سب کچھ فتح مکہ سے قبل ہوا۔

غزوۂ خیبر[1]

واقع محرم ۷ھ م اگست ۶۲۸ء

خیبر ایک بڑا وسیع ریگستانی شاداب علاقہ ہے جو مدینہ سے بجانب شام آٹھ پوسٹ پر واقع ہے اور پوسٹ بارہ عربی میل کا ہوتا ہے۔ اس طرح کل فاصلہ ۹۶ عربی میل ہُوا۔

خیبر کے باشندے یہودی تھے۔ یہ علاقہ کھجُور کے بکثرت باغات، زراعت اور قلعوں والا علاقہ ہے یہاں کے باشندے کسی ایک جگہ اجتماعی طور پر آباد نہ تھے بلکہ آس پاس کی مُتعدد وادیوں میں آباد تھے۔ یہ لوگ قلعہ بند گھروں میں رہتے تھے جو کھجور کے باغات اور گندم کے کھیتوں کے درمیان میں بنے ہوئے تھے۔ خیبر ان یہود کی سازشوں کا گڑھ تھا۔ جو وہاں ہجرت کر کے آباد ہو گئے تھے۔

خیبر کے قلعے

خیبر کے مرکزی قلعے تین تھے۔ جن میں سے ہر ایک کے تحت متعدد ذیلی قلعے تھے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔ قلعہ النطات جس کے ذیلی چار قلعوں کے نام یہ تھے۔ الناعم۔ الصعب۔ الکتیبہ۔ بقلہ۔

۲۔ قلعۂ الشق جس کے دو ذیلی قلعوں کے نام یہ تھے۔ قلعۂ اُبی۔ قلعہ بری۔

۳۔ قلعہ کتیبہ جس کے تین ذیلی قلعوں کے نام یہ تھے۔ قلعۂ قموص۔ قلعہ الوطیح، قلعہ سلالم۔

قزوینی نے لکھا ہے کہ خیبر کثرت بُخار میں مشہور تھا۔ وہاں کے باشندے دائمی بُخار میں مبتلا رہا کرتے تھے۔ وہاں کے باشندے یہُودی تھے جو مکرو فریب اور خباثت جیسے رذائل میں مُلوث تھے لیکن انہی میں سموال بن عادیا بھی تھا جو وفاداری میں مشہور تھا۔

خیبر کے یہُودی جنگجُو تھے۔ ان کے متعدد ناقابلِ تسخیر مضبُوط قلعے تھے۔ یہ سات قلعے تھے جن کا نام پہلے متعدد بار ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ بہت مکّار و دھوکا باز تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ان کے پڑوس سے چھُٹکارا حاصل کرنا چاہا جس طرح آپ نے اس سے قبل مدینہ کے یہُود سے چھٹکارا حاصل

[1] عبرانی زبان میں خیبر کے معنی قلعہ کے ہیں۔ م

کر لیا تھا۔ جن میں سے کچھ خیبر میں آ کر پناہ گزیں ہو گئے تھے۔

غزوۂ خیبر ۷ھ (م اگست ۶۲۸ء) میں واقع ہوا تھا جس کا واقعہ یُوں پیش آیا کہ جب آنحضرتؐ حُدیبیہ سے واپس ہوئے تو مدینہ منورّہ میں پُورے ماہِ ذی الحجہ اور کچھ حصّہ ماہ محرم ۷ھ قیام فرمایا امسال مُشرکین نے ہی حج ادا کیا۔ پھر آپ نے بقیّہ ماہِ محرم میں خیبر کی طرف کوچ فرمایا۔ آپ کے ساتھ سولہ سو بہترین مُسلح مجاہدین تھے جن میں دو سو سوار تھے۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ اس غزوہ میں گھوڑے سواروں کی تعداد زیادہ تھی۔ کیونکہ اس سے ماقبل غزوات میں سوار تیس سے مُتجاوز نہ ہو سکے تھے اور یہ اس لیے ممکن ہُوا تھا کہ آنحضرتؐ نے گھوڑوں کی پرورش پر خاص توجہ مبذول فرمائی تھی۔ اس غزوہ میں آپ کی ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت اُم سلمہؓ آپ کی ہمسفر تھیں اور غزوۂ حدیبیہ میں بھی وہی ہم سفر تھیں۔ اس مرتبہ آپ نے مدینہ منورہ پر حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو اپنا قائم مقام امیر مقرر فرمایا۔ اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو جو غزوۂ حدیبیہ میں شریک ہو چکے تھے، جہاد کے لئے طلب فرمایا تا کہ آپ کے ہمراہ غزوہ پر جا سکیں۔ جو لوگ غزوۂ حدیبیہ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ وہ بھی مالِ غنیمت کی توقع میں آپ کے ہمراہ روانہ ہونے کو آ گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اگر میرے ساتھ جانا ہے تو صرف جہاد کے شوق میں جا سکتے ہو مالِ غنیمت کی اُمید پر نہیں (کیونکہ بنیادی مقصد تو جہاد تھا نہ کہ مالِ غنیمت) اس سے قبل حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی حدیبیہ سے واپسی پر سورۂ فتح میں بہت سے اموالِ غنیمت کا وعدہ فرما لیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہُوا:۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا	اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سے اموالِ غنیمت کا وعدہ فرما لیا ہے جنھیں تم حاصل کر لو گے۔

بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ شب کے وقت خیبر کے علاقہ میں وارد ہوئے اور وہاں آپ اور آپ کے صحابہ خاص خیبر سے کچھ پہلے سو گئے۔ پھر سوار ہو کر صبح سویرے وہاں پہنچ کر جہاد شروع کر دیا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ نبی کریمؐ جب خیبر پُہنچے تو صحابہؓ سے فرمایا۔ ٹھہرو۔ پھر یہ دُعا فرمائی:۔

اے میرے خدا اور آسمانوں اور ان میں جو کچھ ہے ان سب کے پروردگار۔ زمینوں اور ان کی حقیر مخلوقات کے پروردگار شیطانوں اور ان کی گمراہ ٹولیوں کے پروردگار۔ ہواؤں اور جن چیزوں کو وہ اڑا

لے جاتی ہیں ان سب کے پروردگار۔ اس گاؤں کی اچھی چیزیں یہاں کے باشندوں کی اچھی باتیں اور اس گاؤں میں جو عمدہ چیزیں ہیں ہم تجھ سے ان سب کے طلبگار ہیں اور یہاں کی بُری چیزوں، یہاں کے باشندوں کی بُرائیوں اور فتنہ سامانیوں اور یہاں کی تمام برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں ۔ اے مجاہدو! اب اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔"

مجاہدین کا یہ لشکر چار دن تک چل کر خیبر پہنچا تھا۔

جب صبح ہوئی تو یہود اپنے کمبل اور ٹوکرے لئے ہوئے اپنے کھیتوں کی طرف روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ نے عقاب نامی ایک علم حضرت حباب بن منذرؓ اور دوسرا علم حضرت سعد بن عبادہؓ کو عطا فرمایا اور آپ نے وادی رجیع میں پڑاؤ ڈالا جو یہود و قبیلۂ غطفان کے درمیان واقع تھی تاکہ غطفان یہود کی مدد کو نہ آسکیں کیونکہ وہ ان کے حلیف اور آنحضرتؐ کے خلاف ان کے معاون تھے۔ چنانچہ قبیلۂ غطفان نے جنگی تیاری کی اور خیبر کی طرف چل پڑے۔ لیکن انھوں نے اپنے عقب میں مسلمانوں کی آہٹ محسوس کی اور خیال کیا کہ مسلمان عقب سے ان کے بال بچوں میں گھس گئے ہیں اس خیال کے آتے ہی وہ لوٹ گئے اور اپنے متعلقین میں ہی ٹھہرے رہے اور اہل خیبر کی مدد سے کنارہ کش ہو گئے۔ خیبر والوں کی فوج دس ہزار جنگ جو افراد پر مشتمل تھی۔

خیبر کے یہود نے اپنے اموال اور اہل و عیال کو قلعہ کتیبہ میں جمع کر دیا تھا اور جنگجو فوج قلعہ نطات میں جمع ہو گئی تھی۔ آنحضرتؐ نے پہلے نطات کے قریب پڑاؤ ڈالا تھا۔ مگر حضرت حباب بن منذرؓ نے آپ کو یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا مشورہ دیا اور عرض کیا کہ میں اہل نطات سے بخوبی واقف ہوں۔ کوئی قوم ان سے زیادہ دیر تک مقابلہ میں ڈٹنے والی اور ان سے زیادہ تیر انداز نہیں اور وہ ہم سے بلند جگہ جمع ہیں جس سے وہ جلد جلد ہمیں اپنے تیروں کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ پھر ہم ان کے شبخون مارنے سے بھی محفوظ نہیں۔ اس لئے کہ وہ شبخون مار کر کھجوروں کے گھنے باغات میں چھپ سکتے ہیں۔ اس مشورہ پر آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ اس مقام پر منتقل ہو گئے جو اہل خیبر اور غطفان[1] قبیلہ کے درمیان حائل تھا۔ یہاں آپ نے ایک مسجد تعمیر فرمائی جس میں اپنے قیام خیبر کی مدت میں نماز پڑھتے رہے اور نطات کے قلعہ والوں کے کھجوروں کے باغات کو کاٹ ڈالنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ مسلمان انھیں کاٹنے

[1] غطفانی چار ہزار تھے۔ ان کا سردار عیینہ بن حصن تھا لیکن پھر غطفانی اہل خیبر کو تنہا چھوڑ کر گھروں کو واپس ہو گئے تھے۔م

لگے یہاں تک کہ انھوں نے چار سو درخت کاٹ ڈالے۔ پھر آپ نے انھیں کاٹنے سے روک دیا۔ پس خیبر کے کھجور کے صرف یہی درخت کاٹے گئے تھے۔ آنحضرتؐ نے اس دن بہت سخت جنگ کی آپ دو زرہیں، ایک خود اور ٹوپی کے نیچے لوہے کی جال دار زرہ پہنے ہوئے تھے اور ظرب نامی گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ دستِ مبارک میں ایک نیزہ اور ایک ڈھال لئے ہوئے تھے۔ اسی دن حضرت محمد بن مسلمہؓ کے بھائی حضرت محمود بن مسلمہ پر قلعہ ناعم سے مرحب یہودی نے ایک بھاری چکّی کا پاٹ پھینک دیا تھا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ اس دن گرمی شدید تھی۔ آنحضرتؐ قلعہ نطات والوں سے مُسلسل سات دن جم کر لڑتے رہے۔ ہر دن حضرت محمّد بن مسلمہؓ کو مقابلہ کے لئے اپنے ہمراہ لے جاتے رہے اور لشکری پڑاؤ پر حضرت عثمان بن عفانؓ کو چھوڑ جاتے تھے۔ شام ہوتی تو اسی مقام پر واپس آجاتے اور مُسلمانوں میں جو زخمی ہوتا اسے بھی علاج کے لئے یہیں لایا جاتا تھا۔ یہود حسبِ عادت اپنے قلعوں کے آس پاس ہی لڑتے تھے۔ کیونکہ وہ کھُلے میدان میں نکل کر جنگ سے ڈرتے تھے۔ پس اگر انھیں شکست ہوتی تو فوراً قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے تھے۔ جب چھٹی رات ہوئی تو وسطِ شب میں خیبر کا ایک یہودی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اطلاع دی کہ وہ ابھی قلعہ نطات سے وہاں کے لوگوں کے پاس آرہا ہے۔ وہ اسی شب اس قلعہ کو خالی کر کے قلعہ شق کو جا رہے ہیں۔ جہاں اپنے متعلقین کو رکھیں گے اور وہاں ٹھہر کر جنگی تیاری کریں گے اور یہ بھی اطلاع دی کہ نطات کے قلعوں میں سے قلعہ صعب کے اندر ایک زمین دوز کمرہ ہے جس میں منجنیق، دبابوں، زرہوں اور تلواروں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ جب رسُول اللہؐ اس میں داخل ہوں گے تو وہ آپ کو وہاں خُفیہ اسرار بتا دے گا۔

انہی دنوں میں آنحضرتؐ کو دردِ شقیقہ کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ پس آپ اپنے صحابہؓ کو جنگ پر بھیجتے رہے مگر فتح نہ ہو سکی۔ ان بھیجے جانے والے حضرات میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے۔

پھر آپ نے حضرت محمّد بن مسلمہؓ سے فرمایا۔ میں کل اس شخص کے ہاتھ میں اسلامی علم دوں گا جو اللہ اور اسکے رسُولؐ کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور اسکا رسُول اسے محبوب رکھتے ہیں۔ وہ پیچھے نہ ہٹے گا حق تعالیٰ اسکے ہاتھ پر اس مہم کو سر فرمائیگا اور فتح عطا فرمائے گا۔ اور اسے تیرے بھائی کے قاتل سے بدلہ لینے کا موقع بھی عطا فرمائے گا۔

دُوسرے دن صُبح آپ نے حضرت علیؓ کو بلا بھیجا۔ وہ سخت آشوبِ چشم میں مُبتلا تھے۔ چنانچہ اُنھیں آنحضرتؐ کی خدمت میں اس حال میں پیش کیا گیا کہ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے انھیں

اپنا سفید علم دیا اور ان کی آنکھوں میں تھوک کر انھیں رگڑ دیا جس سے وہ فوراً ہی صحت یاب ہو گئے اور یوں معلوم ہوا کہ کبھی ان میں درد ہوا ہی نہ تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد پھر کبھی مجھے آشوبِ چشم کی شکایت ہی نہیں ہوئی۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کے حق میں یہ دُعا فرمائی:۔

"اے میرے خدا! علی کو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھنا"۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے بعد سے کبھی گرمی اور سردی کا احساس ہی نہیں ہوا۔ پس وہ شدید گرمی میں روئی کا موٹا جُبہ پہنتے تھے اور شدید سردی میں باریک کپڑا پہنتے تھے اور سردی کی پروا بھی نہ کرتے تھے۔

جب حضرت علیؓ نے علم سنبھالا تو فرمایا۔ میں ان یہودیوں سے جنگ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کر لیں)۔

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے علی۔ اپنا کام نہایت متانت و وقار سے شروع کرو اس طرح کہ دشمن کے میدان میں اُتر کر پہلے ان پر اسلام پیش کرو۔ اگر وہ تمھاری دعوتِ اسلام قبول نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرو۔ خُدا کی قسم اگر حق تعالیٰ تمھارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت فرما دے تو یہ تمھارے حق میں سُرخ اونٹوں[1] سے بھی کہیں بہتر ہو گا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ روانہ ہوئے اور قلعہ تک پہنچ کر قلعہ کے نیچے اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ پھر قلعہ والے آپ کے مقابلہ کو نکلے۔ ان میں سب سے پہلا باہر آنے والا مرحب کا بھائی حارث تھا جو بہادری میں مشہور تھا۔ مگر حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا اور بقیہ یہودی شکست کھا کر قلعہ ناعم کے اندر چلے گئے۔ پھر مقابلہ کے لئے خود مرحب نکلا جو دو زرہیں پہنے ہوئے، دو تلواریں حمائل کئے ہوئے اور دو عمامے باندھے ہوئے تھا اور عماموں پر ایک خود اور ایک پتھر باندھے ہوئے تھا جس میں انڈے برابر سوراخ تھا اور نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت علیؓ باہر نکلے تو مرحب نے آپ پر پہلے حملہ کیا اور ایک ضرب لگائی جس سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال نیچے گر گئی۔ حضرت علیؓ نے فوراً قلعہ کے پاس کے ایک دروازے کو اکھاڑ کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور اپنے بچاؤ کے لئے اسے ہی اپنی ڈھال بنا لیا۔ چنانچہ وہ اسے لئے ہوئے برابر دشمن کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے یہ قلعہ آپ کے ہاتھ پر فتح فرما دیا۔ پھر حضرت علیؓ نے مرحب پر

---

[1] عرب میں سُرخ اونٹ بہت اعلیٰ اور قیمتی مانے جاتے ہیں۔م

وار کیا جسے اس نے ڈھال پر روکا اور حضرت علیؓ کی تلوار کا بھرپور ہاتھ اس کی ڈھال پر پڑا جس سے اس کے پرخچے اڑ گئے۔ اس کے خود، اس کے نیچے والے پتھر اور سر دو عماموں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس کا مونڈھا کٹ گیا۔ جس کے بعد اس نے اپنی تلوار دانتوں سے پکڑ لی۔

کہا گیا ہے کہ مرحب یہودی کو محمد بن مسلمہ نے اپنے بھائی محمود کے قتل کے انتقام میں قتل کیا تھا۔ لیکن صحیح روایت یہی ہے جس پر اکثر سیرت نگاروں اور محدثین کا اتفاق ہے کہ یقیناً حضرت علی بن ابی طالبؓ نے ہی مرحب کو قتل کیا تھا۔

پھر مرحب کا بھائی یاسر نکلا اور مقابلہ کا طالب ہوا۔ یہ بھی یہود کے مشہور شہسواروں اور بہادروں میں سے تھا اس کے مقابلہ کے لیے حضرت زبیرؓ آگے بڑھے اور اسے قتل کر ڈالا۔ اس موقع پر آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا "تم پر میرے چچا اور ماموں قربان ہوں۔ ہر نبی کے کچھ معین و مددگار ہوتے ہیں اور میرے مددگار زبیر ہیں۔"

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر سب سے پہلا جو قلعہ فتح ہوا وہ نطات کے قلعوں میں سے ناعم تھا۔ پھر قلعہ قموص فتح ہوا۔ مسلمانوں اور یہود میں برابر جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے اور مسلمان پیہم قلعہ پر قلعہ فتح کرتے چلے گئے یہاں تک کہ انھوں نے یہود کے تمام قلعے فتح کر ڈالے۔

اس غزوہ میں ۹۳ یہودی قتل اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔ آنحضرتؐ نے آل ابی حقیق کا خزانہ لے لیا یہ بنو نضیر میں سے تھا جسے مدینہ سے جلاوطن ہوتے وقت حیی بن اخطب اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ نیز آپ نے کنانہ اور اس کے بھائی ربیع کے قتل کا حکم دیا۔ کیونکہ ان دونوں نے حیی کا مال چھپا لیا تھا۔ آنحضرتؐ کو اس مال کے چھپانے کی جگہ کا علم ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ مال آپ کی خدمت میں لایا گیا جس کا تخمینہ دس ہزار دینار کیا گیا۔ اس خزانہ میں سونے کے کنگن، پازیبیں، پہنچیاں، بالیاں، انگشتریاں، جواہرات و زمرد جڑے ہوئے ہار اور سونے کے جڑاؤ ہار دستیاب ہوئے۔

ان قلعوں کی فتح سے پہلے مسلمانوں پر فاقوں کی نوبت تھی لیکن جب قلعہ صعب فتح ہو گیا جس میں دوسرے قلعوں کے مقابلہ میں اغذیہ کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ اس میں جو، کھجور، گھی، زیتون کے تیل، چربی دوسری اجناس اور مویشیوں کا وافر ذخیرہ اور پانچ سو جنگجو موجود تھے تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو عام اجازت دے دی کہ وہ ان اجناس کو کھائیں اور اپنے جانوروں کا چارہ بھی حاصل کریں لیکن اس میں سے کچھ اپنے

شہروں کو لے کر نہ جائیں۔ اس مال غنیمت کو حاصل کرنے والے حضرت ابُو بسیر کعب بن زائد انصاریؓ تھے۔

قلعۂ وطیح اور قلعۂ سلالم کے علاوہ باقی تمام قلعے بزورِ طاقت فتح کر لئے گئے تھے۔ مسلمان مذکورہ دو قلعوں کا چودہ دن تک محاصرہ کئے ہوئے پڑے رہے لیکن ان میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلا۔ تب آنحضرتؐ نے ان پر حملہ کا ارادہ فرمایا اور ان کو توڑنے کے لئے منجنیق نصب فرمانے کا قصد فرمایا۔ جب یہود کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انھوں نے آنحضرتؐ سے صلح کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ ان شرائط پر صلح ہوئی کہ جنگ کرنے والوں کی جان کی امان ہوگی۔ بال بچوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ یہودی اپنے متعلقین سمیت خیبر شہر اور اس کے پورے علاقہ کو خالی کر کے کسی دوسری جگہ جا کر آباد ہو جائیں گے۔ ان میں سے کوئی شخص بجز بدن کے کپڑوں کے اور کوئی چیز اپنے ساتھ نہ لے جائے گا۔ آنحضرتؐ نے ان شرائط پر نیز اس پر کہ اگر وہ کوئی چیز آپؐ سے چھپا کر لے گئے تو پھر اللہ اور اس کے رسول پر سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

چنانچہ انھوں نے اپنی تمام ثروت، زمینات، مال و دولت، سونا چاندی، بہت سے جانور، ہتھیار اور کپڑے وہیں چھوڑ دیئے اور صرف جسم کا کپڑا پہنے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گئے۔ مذکورہ دو قلعوں میں سے حسب ذیل سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

زرہیں ایک سو، تلواریں چار سو، نیزے ایک ہزار، عربی کمانیں ترکش سمیت پانچ سو۔ مسلمانوں کو اسی مالِ غنیمت میں سے متعدد توراۃ کے نسخے بھی دستیاب ہوئے جنھیں واپس لینے کے لئے یہود حاضر خدمت ہوئے تو آنحضرتؐ نے یہ نسخے انھیں واپس کر دینے کا حکم دے دیا۔

ہم اس واقعہ کی مناسبت سے درج ذیل وہ عبارت یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو جناب ولفنسون نے اپنی تالیف "تاریخ یہود ملک عرب" صفحہ ۱۷۰ میں درج کی ہے۔

"مذکورہ واقعہ اس پر روشنی ڈالتا ہے کہ آنحضرتؐ کے قلب میں ان مقدس صحیفوں کا کس قدر عزت و احترام تھا جس کی وجہ سے یہودؔ آپؐ کے بہتر طرزِ عمل کی بنا پر آپ کی طرف اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے (یعنی یہی وہ شخص ہیں جنھوں نے ہماری دینی کتب کا احترام کیا) اور وہ آپؐ کے اس کرم کے احسانمند تھے کہ آپؐ نے ان کی مقدس کتابوں کی بے حرمتی نہیں کی اور اس کے مقابلہ میں وہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ جب رُومی بیت المقدس پر قابض ہو گئے تھے اور انھوں نے اُسے سنہ ۷۰ء میں فتح کر لیا تھا تو یہود کی مقدس کتابوں کو جلا ڈالا اور انھیں پیروں تلے روند ڈالا تھا اور ایسا ہی عیسائی متعصبین نے اندلس میں یہود پر

ظالمانہ لڑائیوں میں کیا تھا کہ انھوں نے بھی تورات کے نسخے جلا ڈالے تھے۔ پس مذکورہ فاتحین اور اسلام کے رسُول کے طرزِ عمل کے درمیان بیّن فرق ہے۔"

ہم اس بیان میں مزید یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ پہلا مرتبہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ نے یہود کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمایا ہو اور یہود کے مقدس صحیفوں کو ویسے ہی محفوظ رکھا ہو ان کی کسی قسم کی بے ادبی اور بے حُرمتی نہ کی ہو۔ دراں حالیکہ یہود آپ سے شدید عداوت رکھتے تھے بلکہ اس سے قبل بھی جب غزوۂ بنو نضیر کے موقع پر آپ نے انھیں مدینہ منورہ سے جلاوطن فرمایا تھا تو انھیں ان کے مقدس صحیفوں کو لے جانے کی اجازت عطا فرمادی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بنی اسرائیل کے حق میں نصائح و وصایا پر مشتمل تھے۔ جیسا کہ پہلے اس کا بیان ہو چکا ہے۔

پھر آنحضرتؐ نے قیدیوں کو جمع کیا جن میں حضرت صفیہ بنت حیی جو بہت حسین خاتون تھیں حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے حصّہ میں آئیں۔ ان کے حسن کی وجہ سے لوگ ان کے متعلق رشک کرنے لگے۔ چنانچہ ایک صحابی نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا نبی اللہ! آپ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سردارہ صفیہ بنت حیی کو حضرت دحیہؓ کو دے دیا حالانکہ وہ صرف آپ ہی کے لائق ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں صفیہ سمیت بلاؤ جب آپ کی نظر حضرت صفیہ پر پڑی تو حضرت دحیہ سے فرمایا۔ تم ان کے سوا اسیروں میں سے کوئی دُوسری باندی لے لو۔ چنانچہ انھوں نے حضرت صفیہ کے شوہر کنانہ بن ربیع بن ابی حقیق کی بہن کو لے لیا۔

اور صفیہ بنت حُیی حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کی اولاد سے تھیں پس آنحضرتؐ نے انھیں اپنے لئے پسند فرمالیا اور انھیں اپنے خادم خاص حضرت انس کی والدہ ام سلیم کے پاس ٹھہرا دیا حتیٰ کہ انھیں ہدایت ہوئی اور وہ مُشرف باسلام ہو گئیں اور وہ انتہائی حسین تھیں۔ پھر انھیں آزاد فرما کر ان سے عقد فرمالیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر قرار دیا۔ ان کا اصلی نام زینب تھا مگر آنحضرتؐ نے ان کا نام صفیہ رکھ دیا۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔

مواہب لدُنیہ میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت صفیہؓ کو اس لئے لیا تھا کہ وہ سلاطین یہود کے ایک سلطان کی دُختر تھیں۔

اسی غزوہ میں ایک یہودی عورت نے ایک بکری کا گوشت پکا کر اس میں زہر ملا کر آنحضرتؐ کی خدمت

میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ یہ زینب بنت حارث نامی عورت سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بہن تھی۔ اس نے اپنے باپ، شوہر اور بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کی غرض سے یہ مذموم حرکت کی تھی۔

امام بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب خیبر فتح ہوگیا اور آنحضرتؐ اس فتح کے بعد مطمئن ہوگئے تو آنحضرتؐ کی خدمت میں بکری کا زہر آمیز گوشت ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ آپ نے اس کے ایک ٹکڑے کو چبایا، پھر اسے تھوک دیا۔ کیونکہ اس کی ہڈی نے آپ کو خبر دے دی کہ وہ مسموم ہے۔ حضرت بشر بن براءؓ نے جلدی سے اس میں سے ایک لقمہ نگل لیا تھا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اس کے کھانے سے ہاتھ روک لو۔

پھر آپ نے اس یہودیہ کو بلا بھیجا اور اس سے سوال کیا کہ کیا تو نے بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا تھا؟ اس نے کہا۔ آپ کو کس نے اطلاع دی۔ فرمایا۔ میرے ہاتھ میں بکری کا جو بازو ہے اسی نے مجھے خبر دی ہے۔ اس نے عرض کیا۔ ہاں میں نے ایسا کیا ہے۔ فرمایا۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا اس لیے کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو حق تعالیٰ ضرور آپ کو اس پر مطلع فرمادے گا اور اگر آپ جھوٹے ہوں گے تو لوگ آپ سے نجات حاصل کرلیں گے۔

اب مجھ پر واضح ہوگیا کہ آپ سچے نبی ہیں اور میں آپ کو اور حاضرین کو گواہ کرکے اقرار کرتی ہوں کہ آج میں آپ کے دین پر قائم ہوگئی اور یہ کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پس آپ نے ان کا قصور معاف فرمادیا اور ان سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا۔ آپ کے ساتھ دوسرے گوشت کھانے والے صحابہ میں سے حضرت بشر بن براءؓ زہر کے اثر سے فوت ہوگئے۔

اور آنحضرتؐ نے اس بکری کا گوشت چبا لینے کی وجہ سے اپنی گردن کے قریب پشت پر پچھنے لگوائے تھے۔

خیبر کی فتح کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اپنے سولہ ساتھی مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ سے واپس آئے تو آنحضرتؐ ان سے ملے۔ ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ ان سے معانقہ فرمایا۔ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے اور فرمایا "میں نہیں کہہ سکتا کہ دو مسرتوں میں سے کس سے خوش ہوں۔ آیا خیبر کی فتح پر یا حضرت جعفر کی آمد پر۔"

نیز آپ نے حضرت جعفر سے فرمایا۔ "تم جسمانی اور اخلاقی ہر دو حیثیت میں میرے مشابہ ہو۔" اس خطاب پر حضرت جعفرؓ بے حد مسرور ہوئے اور فرطِ خوشی سے رقص کرنے لگے۔ آنحضرتؐ نے بھی

ان کے رقص پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔ اسی واقعہ کو صوفیہ کے رقص (حال) کے جواز کی اصل قرار دیا گیا ہے جبکہ وہ مجالس ذکر و سماع میں وجد کی لذت پر رقص کرنے لگتے ہیں۔

حبشہ سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، ان کے برادران ابورہم اور ابوبردہؓ اور ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی مدینہ منورہ آئے تو آپ نے ان سب کو بھی مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

ان کے سوا آپ نے کسی ایسے شخص کو حصہ نہیں دیا جو غزوہ خیبر میں شریک نہ ہوا ہو۔ صرف اس کے شرکا کو ہی حصہ دیا تھا۔

آنحضرتؐ نے خیبر کے اموال غنیمت کو پانچ حصوں پر تقسیم فرمایا۔ (پانچواں حصہ اپنا نکال کر) باقی کو اس طرح تقسیم فرمایا کہ پیدل کو ایک حصہ اور سوار کو تین حصے عطا فرمائے۔ پھر خیبر کے کاشتکاروں کو وہاں کی زمین کاشت کرنے کے لئے پیداوار کی تہائی پر دے دی خواہ پھل پیدا کریں یا اجناس اور ان سے یہ بھی فرما دیا کہ ہم جب چاہیں گے تمھیں بے دخل کر دیں گے۔ اس وقت سے دور خلافت عمرؓ تک یہ لوگ برابر کاشت کرتے رہے۔ پھر کسی مسلمان کے خلاف ان کی طرف سے خیانت اور غداری کا واقعہ پیش آنے پر حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کے بعد انھیں شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔

آنحضرتؐ خیبر سے واپس ہوتے ہوئے راستے ہی میں تھے کہ آپ نے آخری شب میں فرمایا کہ ہم میں سے کون ہے جو ہمیں فجر میں بیدار کر دے۔ شاید ہماری آنکھ لگ جائے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں بیدار کر دوں گا۔

پس آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ سواریوں سے اتر کر سو گئے اور حضرت بلالؓ نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور جب تک چاہا نوافل پڑھتے رہے۔ پھر اپنے اونٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور دیر تک ٹکٹکی لگائے فجر کا انتظار کرتے رہے۔ اسی حال میں ان کی آنکھ جھپک گئی اور وہ سو گئے۔ صبح کو جب آفتاب کی شعاعیں ان پر پڑیں تو وہ بیدار ہوئے۔ پھر صحابہ سے پہلے آنحضرتؐ بیدار ہوئے۔ آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا۔ اے بلال! یہ تم نے ہم سے کیا کیا؟ عرض کیا جس نیند کا آپ پر غلبہ ہو گیا اسی کا مجھ پر بھی ہو گیا۔ فرمایا تم نے سچ کہا۔ پھر آپ نے اپنے اونٹ کو ذرا فاصلہ پر لے جا کر بٹھا دیا۔ پھر آپ نے اور دوسرے حضرات نے وضو کیا پھر آپ کے حکم سے حضرت بلال نے تکبیر کہی اور آپ نے سب کو نماز پڑھائی۔ سلام کے بعد حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ جب کبھی تم نماز پڑھنا بھول جاؤ تو یاد آنے پر ادا کر لیا کرو۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ — میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔

خیبر کی فتح کا واقعہ صفر کے مہینے میں ہوا تھا۔

پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت کا بیان

آنحضرتؐ نے خیبر میں لوگوں کو پالتو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرما دیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ لوگ بھوکے تھے۔ انھوں نے کسی قلعہ سے تیس گدھوں کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو انھیں پکڑ کر ذبح کر ڈالا اور ان کے گوشت کھانے کی غرض سے ہانڈیوں میں ڈال کر پکانے لگے۔ آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ یہ ہانڈیوں میں کیا ہے۔ عرض کیا۔ یہ پالتو گدھوں کا گوشت ہے۔ آپ نے اسے کھانے سے منع فرما دیا۔ پس پکتی ہوئی ہانڈیوں کو چولھوں سے اتار کر زمین پر الٹ دیا گیا اور آپ نے ان کے دھو ڈالنے کا حکم دیا۔

امام بخاری نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔

خیبر میں صحابہؓ کا بخار میں مبتلا ہونا

آنحضرتؐ جب خیبر تشریف لائے تو اس وقت کھجوریں سبز تھیں (یعنی خام تھیں) اکثر صحابہؓ نے وہ کھائیں جس سے وہ بخار میں مبتلا ہو گئے اور انھوں نے آنحضرتؐ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ چھاگلوں میں پانی بھر کر ٹھنڈا کرو۔ پھر فجر کی ہر دو اذانوں[1] کے درمیان اس پانی پر اللہ کا نام دم کر کے اپنے اوپر ڈال لو۔ چنانچہ انھوں نے اس پر عمل کیا جس سے بخار جاتا رہا۔

صحابہ کے سبز کھجوریں کھانے کی وجہ سے انھیں بخار آنے لگا تھا۔

مصر میں خام و ناپختہ سبز رنگ کی کھجور فروخت کی جاتی ہے۔ اس کے کھانے والے بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خاص کر بچے۔ اس لئے حکومت کو قانوناً ایسی کھجوروں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنے کی قطعی ممانعت کر دینی چاہیئے کیونکہ یہ دیر ہضم و مضر ہوتی ہیں۔

---

[1] آنحضرتؐ کے زمانہ میں تہجد اور نماز فجر کی نمازوں کے لئے الگ الگ اوقات میں اذانیں دی جاتی تھیں۔ م

اہلِ فدک کی صُلح

فدک خیبر کے قریب ایک یہودی شہر تھا جب وہاں والوں کو خیبر کی شکست کی خبر ملی تو وہ خائف ہو گئے اور انھوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں نصف فدک آپ کو پیش کر کے صُلح کی خواہش کی اور اس غرض کے لئے ایک وفد بھیجا۔ آنحضرتؐ نے ان کی یہ پیشکش قبول فرمالی۔ چنانچہ فدک خاص آپ کی ذاتی ملکیت میں آگیا۔ کیونکہ اس پر کوئی فوج کشی نہ ہوئی تھی۔ پس آپ اس کی آمدنی مسافروں پر، بنوہاشم کے بچوں کی تربیت پر اور ان کی بیوہ خواتین کی شادیوں پر صرف فرماتے تھے جب آنحضرتؐ کا وصال ہوگیا اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت فاطمہؓ نے ان سے درخواست کی کہ فدک پُورا یا نصف انھیں دے دیا جائے۔ لیکن آپ نے انکار فرما دیا اور ان سے روایت کی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ:۔

"ہم انبیاء کی جماعت سے ہیں۔ ہمارے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ بلکہ ہم نے جو کچھ مال چھوڑا ہو وہ سب عامۃ المسلمین پر صدقہ کر دیا جاتا ہے۔"

○

غزوۂ وادی القُریٰ

وادی قُریٰ شام اور مدینہ کے مابین مقام تیماء و خیبر کے درمیان واقع ایک وادی ہے جس میں بہت سے دیہات آباد ہیں۔ اسی لئے اس کا نام وادیٔ قریٰ (متعدد دیہات والی وادی) رکھا گیا۔

یہودی وہاں جاکر بس گئے تھے اور کاشتکاری کرنے لگے تھے۔

آنحضرتؐ خیبر سے واپس ہوتے ہوئے راستے میں عصر و مغرب کے درمیان غروب کے قریب وادی قریٰ میں ٹھہرے جہاں کے باشندے یہودی تھے وہاں انھیں اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے چار دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا اور اپنے صحابہ کو ان سے مقابلہ کا حکم دیا۔ چنانچہ مخالف کے گیارہ آدمی قتل کر دیئے گئے اور آنحضرتؐ نے طاقت سے اس مقام کو فتح فرما لیا۔ حق تعالیٰ نے یہود کے اموال بطور غنیمت آپ کو عطا فرمائے۔ چنانچہ وہاں سے ضروریاتِ زندگی کا بہت سامان اور بہت سونا چاندی مسلمانوں کے ہاتھ آیا جسے آنحضرتؐ نے مجاہدین میں تقسیم فرما دیا اور کاشت کی زمین اور کھجور کے باغات یہود کے پاس ہی رہنے دیئے۔ حضرت عمرو بن سعید بن عاصؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔ جب تیماء والوں کو وادیٔ قریٰ کے فتح ہو جانے کی خبر پہنچی تو انھوں نے حضرت عمرو سے جزیہ کی ادائی پہ صلح کر لی۔ آنحضرتؐ نے حضرت یزید بن سفیان کو تیماء کا حاکم مقرر فرما دیا جو وادیٔ قریٰ کی فتح کے دن ہی اسلام لائے تھے۔

تیماء۔ مدینہ اور شام کے درمیان مدینہ سے سات مرحلہ کے فاصلہ پہ واقع ایک مشہور شہر ہے۔ پھر مدینہ کے شمالی علاقہ کے یہودی قبائل پر اپنا اقتدار و تسلط قائم فرمانے کے بعد آنحضرتؐ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

مسٹر مویر کا کہنا ہے کہ غزوۂ وادی قریٰ ماہ جمادی الثانیہ ۷ھ (م ستمبر ۶۲۸ء) کو واقع ہوا تھا۔ کیونکہ انھوں نے خیبر پر آپ کے حملہ کی تاریخ ماہ جمادی الاولیٰ (م اگست ۶۲۸ء) بتائی ہے۔

اور بعض مؤرخین غزوۂ خیبر اور غزوہ وادی قریٰ کو ایک ہی غزوہ قرار دیتے ہیں کیونکہ ابھی آپ کی خیبر سے مکمل واپسی نہ ہونے پائی تھی۔

۷ھ (۶۲۸ء) کی سردی و بارش کے موسم میں فوجی دستوں کی روانگی

آنحضرتؐ نے خیبر سے واپسی پر بقیہ موسم باراں و سرما مدینہ ہی میں گزار دیے۔ اس عرصہ میں آپؐ نے پانچ فوجی دستے مختلف سمت روانہ فرمائے جن میں تین ماہ شعبان میں روانہ فرمائے۔

۱۔ تیس افراد پر مشتمل ایک فوجی دستہ بسرکردگی حضرت عمر بن خطابؓ مکہ کے قریب مقام تربت کی سمت قبیلہ بنی ہوازن کی طرف روانہ فرمایا۔ جب ان لوگوں کو حضرت عمرؓ کی آمد کا علم ہوا تو وہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ اس لئے حضرت عمرؓ مدینہ منورہ واپس آگئے۔

۲۔ ایک فوجی دستہ بسرکردگی حضرت ابوبکر صدیقؓ بنو کلاب کی طرف بھیجا گیا جو نجد کا ایک قبیلہ تھا حضرت ابوبکرؓ نے ان میں سے کچھ کو اسیر کر لیا اور بقیہ کو قتل کر ڈالا۔

۳۔ تیس مجاہدین کا ایک فوجی دستہ بسرکردگی حضرت بشیر بن سعد انصاریؓ فدک کے قبیلہ بنو مرہ کی طرف روانہ فرمایا۔ جب یہ وہاں پہنچے تو چرواہوں کو پایا۔ پس حضرت بشیرؓ ان کے اونٹ و بکریاں ہانک کر مدینہ کی طرف لے چلے۔ پھر راہ میں شب کے وقت بنو مرہ کی ایک بڑی جماعت سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہ شب بھر ان سے تیروں سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے ساتھیوں کے تیر ختم ہو گئے اور یہ ایک سخت مشکل میں پھنس گئے جنھیں بھاگنے کا موقع مل سکا وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ خود حضرت بشیر بمشکل تمام مدینہ تک پہنچ سکے۔

۴۔ رمضان میں حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کی سرکردگی میں ایک سو تیس مجاہدین کا پیدل دستہ نجد کی سمت مدینہ سے آٹھ منزل (۹۶ میل) پر واقع منیعہ والوں کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ مجاہدین ان لوگوں کے اجتماعات کے عین وسط میں حملہ آور ہوئے اور ان میں سے بہتوں کو قتل کر ڈالا۔ ان کے اونٹ و بکریاں مدینہ ہانک لے گئے۔ اسی جنگ میں حضرت اسامہ بن زید نے نہیک بن مرداس اسلمی اور ایک روایت کے مطابق مرداس بن نہیک نامی ایک شخص کو کلمہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کہنے کے بعد قتل کر ڈالا جس پر آنحضرتؐ نے حضرت اسامہ سے مواخذہ فرمایا کہ اے اسامہ اس کے لاالٰہ الااللہ کہنے کے بعد تمھیں کس نے اس کے قتل کی اجازت دی تھی؟ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! اس نے صرف قتل سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھ لیا تھا۔

فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ تمھیں اس کا جھوٹ سچ معلوم ہو سکے؟"

حضرت اُسامہؓ نے معذرت کی کہ آئندہ کبھی کلمۂ لاالٰہ الّا اللہ پڑھنے والے کو قتل نہ کروں گا۔"

۵۔ ماہِ شوال میں حضرت بشیر بن سعدؓ ہی کو تین سو مجاہدین کا دستہ دے کر مقام یمن وجناب کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ قبیلہ غطفان کی آبادی کا نام ہے۔ اس فوج کشی کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ لوگ غطفان کی آبادی میں جمع ہوئے تھے جنھیں عیینہ بن حصین نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا جب انھیں حضرت بشیر کی آمد کا علم ہوا تو یہ خائف ہو کر فرار ہو گئے۔ حضرت بشیر کو ان کے بہت سے جانور ہاتھ لگے جسے وہ بطور مال غنیمت لے گئے۔

واقدی نے کہا ہے کہ اسی سال ماہ محرم (۷ھ) میں آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو ابُوالعاص بن ربیع کو واپس فرما دیا تھا۔ ابُوالعاص بدر کی جنگ میں اسیر ہو کر آئے تھے مگر آنحضرتؐ نے ان کی اہلیہ اور اپنی صاحبزادی زینب کی وجہ سے انھیں بغیر زرِ فدیہ لئے ہوئے آزاد فرما دیا تھا اور چونکہ ابوالعاص فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لے آئے تھے اس لئے آپ نے حضرت زینب کو بتجدید عقد فرما کر اور ایک روایت کے مطابق پہلے ہی نکاح پر ان کے مذکورہ شوہر کے حوالہ فرما دیا تھا۔

واقدی نے لکھا ہے کہ اسی سال حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ مقوقس کی طرف سے ماریہ ان کی بہن سیرین۔ دلدل نامی خچر۔ یعفور نامی گدھا۔ خلعت اور ایک خصی دُنبہ کے ہدایا لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی سال آنحضرتؐ نے پہلی مرتبہ مسجد نبوی میں اپنا وہ منبر استعمال فرمایا جس پر کھڑے ہو کر آپ نمازیوں کو خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس منبر کے نیچے دو سیڑھیاں اور اوپر آپ کے تشریف رکھنے کی جگہ بنائی گئی تھی۔

طبری میں ہے کہ آپ نے ۸ھ میں اس منبر کا استعمال شروع فرمایا تھا۔

○

عمرۂ قضا (یا عمرۂ قضیہ)

بماہِ ذیقعدہ ۷ھ م فروری ۶۲۹ء

اس عمرہ کو عمرۂ قضا سے موسوم کرنے کی وجہ پر اہلِ علم کا اختلاف ہے ۔ امام مالکؒ و امام شافعیؒ اور جمہور علماء کا کہنا ہے کہ چونکہ آپ نے حدیبیہ کے سال قریش سے فیصلہ فرمایا تھا اس لئے یہاں قضاء سے مراد وہ فیصلہ ہے جس پر سال آئندہ عمرہ ادا کرنے کا تصفیہ طے پایا ۔ نہ یہ کہ یہ اس عمرہ کی قضا تھا جس سے آپ کو پچھلے سال روک دیا گیا تھا ۔ کیونکہ کوئی عمرہ فاسد نہ ہوا تھا جس کی قضا لازم آتی ۔ بلکہ یہ عمرہ مکمل عمرہ ادا ہوا تھا اور امام ابُوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ جسے بیت اللہ کی حاضری سے روک دیا گیا ہو اس پر آئندہ موقع ملنے پر قضا لازم آتی ہے اس بنا پر اس عمرہ کو عمرۂ قضا کہنا ظاہر ہے ۔ (یہ عمرہ غزوات میں شامل نہیں ۔)

جب آنحضرتؐ خیبر سے مدینہ منورہ واپس ہوئے تو وہاں ماہ ربیع الاوّل سے شوال ۷ھ تک مقیم رہے ۔ پھر ذیقعدہ ۷ھ م فروری ۶۲۹ء کے اسی مہینے میں جس میں مُشرکین نے آپ کو حدیبیہ ہی میں روک دیا تھا اس عمرہ کی جگہ جس کی ادائی سے آپ کو روک دیا گیا تھا ۔ عمرۂ قضا کی نیت فرما کر روانہ ہوئے اور اپنی جگہ مدینہ منورہ پر حضرت عویف بن اضبط دیلیؓ کو حاکم مقرر فرمایا ۔ اس عمرہ کو عمرہ قصاص بھی کہا جاتا ہے کیونکہ مشرکین نے ماہِ ذیقعدہ ۶ھ میں جو حُرمت کا مہینہ تھا آنحضرتؐ کو بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا تھا ۔ پس اس مرتبہ آپ نے ان سے اس کا بدلہ لیا اور حکم دیا کہ گزشتہ سال جو لوگ حدیبیہ گئے تھے ان میں سے کوئی بھی چلنے سے رہ نہ جائے ۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نئے حضرات آپ کے ہمراہ ہو گئے چنانچہ عورتوں بچّوں کے علاوہ کل دو ہزار مرد آپ کے ساتھ روانہ ہوئے ۔ آپ نے ساٹھ قربانی کے جانور اپنے ساتھ لئے ۔ نیز اہلِ مکہ کی ممکنہ غداری کے خطرہ کے پیش نظر ہتھیار ، زرہیں ۔ نیزے اور سو گھوڑے سوار بھی ساتھ لئے ۔ جب اہلِ مکہ نے آپ کی آمد کی خبر سُنی تو وہ مکہ سے باہر چلے گئے اور قریش میں باہم چرچا ہونے لگا کہ محمدؐ اور ان کے صحابہ تنگدستی ، مشقت اور سخت مشکلات میں مُبتلا ہیں ۔ اس بنا پر وہ دارالندوہ (مشرکین کی مکہ میں مجلس شوریٰ) میں جمع ہو گئے ۔ تاکہ وہاں سے آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کی حالت کو دیکھ سکیں ۔

جب آنحضرتؐ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اپنی چادر مبارک دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے

پر ڈالی اور دایاں بازو اس سے باہر نکال لیا (طواف کعبہ کے لئے احرام کے طریقہ کے مطابق) پھر فرمایا "اللہ ان لوگوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے جنھیں میں آج ایک قوت بنتے دیکھ رہا ہوں"۔ پھر آپ نے رُکنِ یمانی کو بوسہ دیا اور سینہ تان کر تیز تیز چل کر طواف شروع کیا اور آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی اسی طرح طواف کیا۔ جب آپ بیت اللہ کی اوٹ میں مشرکین کی نظروں سے اوجھل ہو گئے اور رکن یمانی کا بوسہ دے چکے تو پھر میانہ روی سے طواف جاری رکھا حتیٰ کہ رکن اسود کو بوسہ دیا۔ پھر حسب سابق طواف میں تین چکر تیز تیز چل کر ادا کئے۔ آپ جب مکہ میں داخل ہوئے تھے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آپ کی اُونٹنی کی نکیل پکڑے ہوئے تھے۔ اور مشرکین قعیقعان نامی پہاڑ پر چلے گئے تھے پھر آنحضرتؐ نے اپنی سواری پر جبل صفا اور مروہ کے درمیان سعی فرمائی۔ اس کے بعد جبل مروہ کے پاس قُربانی فرمائی۔ وہیں سر منڈایا۔ پھر اپنے دو سو صحابہ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس بطن یا جج (مکہ سے آٹھ میل پر ایک مقام) پر چلے جائیں اور وہاں ہتھیاروں کی نگرانی کریں تا کہ دُوسرے لوگ آکر اپنا عمرہ ادا کریں۔ چنانچہ انھوں نے تعمیل ارشاد کی۔ قریش کی جنگ بندی کے معاہدہ پر شرط کے مطابق آپ تین دن تک مکہ معظمہ میں مقیم رہے جب چوتھے دن کی ظہر کا وقت ہُوا تو سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ کو معاہدہ یاد دلاتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اب آپ ہمارا شہر خالی کر دیں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے انھیں جواب دینا چاہا۔ مگر آنحضرتؐ نے انھیں خاموش کر دیا اور سب کو کوچ کا حکم دے دیا۔

بخاری میں حضرت براءؓ کی حدیث سے منقول ہے کہ آپ جب مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور وہاں قیام کی مُدت گزر گئی تو بعض مشرکین نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ اپنے پیغمبر سے عرض کر دیں کہ مُدت پُوری ہو چکی ہے۔ اس لئے اب آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ پس آنحضرتؐ فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے۔

○

آنحضرتؐ کا حضرت میمونہؓ سے عقد فرمانا

آنحضرتؐ نے ۷ھ کو عمرۂ قضا کے موقع پر حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہؓ سے عقد فرمایا۔ ان کا نام برّہ تھا۔ آپ نے بدل کر میمونہ رکھ دیا۔ یہ حضرت عباسؓ کی اہلیہ ام فضل کی حقیقی بہن اور حضرت حمزہؓ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس کی ماں کی طرف سے سوتیلی بہن تھیں۔ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے ان کا آنحضرتؐ سے عقد کرایا تھا اور آنحضرتؐ کی طرف سے ان کا مہر چار سو دینار خود اپنے پاس سے ادا کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے چاہا تھا کہ مکّہ ہی میں ان سے خلوت ہو لیکن مشرکین نے آپ کو اس کی مہلت ہی نہ دی۔ جس پر آپ نے ان سے کہلایا کہ اگر تم مجھے اتنی مہلت دے دیتے کہ میں تمہارے درمیان شب عروسی مناؤں اور اس مناسبت سے تمہارے لئے کھانا بھی تیار کراؤں تو تمہارا کیا حرج تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہمیں آپ کے کھانے کی ضرورت نہیں۔ آپ ہمارا شہر چھوڑ دیں۔ اس لئے کہ تین دن ختم ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہو گئے اور مکّہ کے قریب مقام سرف میں شب عروسی منائی۔

مکّہ کے اوباشوں کی طرف سے حضرت میمونہؓ کو قلبی تکلیف پہنچی۔ چنانچہ حضرت ابو رافعؓ سے مروی ہے کہ ہمیں اہلِ مکّہ کے مشرک اوباشوں کی طرف سے بڑی تکلیف پہنچی۔ کیونکہ وہ اپنی زبانوں سے آنحضرتؐ اور حضرت میمونہؓ کی شان میں دل آزار باتیں کہتے تھے۔ اس پر میں نے ان لوگوں سے کہا۔ تم کیا چاہتے ہو۔ واللہ بطن یاجج میں ہمارے پاس گھوڑے اور ہتھیار موجود ہیں کیا تم لوگ بدعہدی کرنا چاہتے ہو۔ یہ سُن کر وہ سر جھکائے خاموش واپس چلے گئے۔ حضرت میمونہؓ سب سے آخری خاتون ہیں جن سے آنحضرتؐ نے عقد فرمایا اور انھوں نے آپ کی ازواج مطہرات میں بھی سب سے آخر میں وفات پائی۔

مسٹر ارونگ نے اپنی کتاب "حیاتِ محمدؐ" میں لکھا ہے کہ نبی کریمؐ نے میمونہ بنت حارث سے سیاسی شادی کی تھی جس کا مقصد دو قوی آدمیوں کو اپنی طرف مائل کرنا تھا۔ کیونکہ میمونہ ایک مُعمّر بیوہ تھیں جن کی عمر اکاون سال کی ہو چکی تھی۔

ان دو میں سے ایک خالد بن ولید تھے جو حضرت میمونہؓ کے بھانجے تھے۔ یہ ایک مشہور بہادر

اور قوی شخص تھے جو حضرت محمدؐ سے غزوۂ اُحد میں لڑ چکے تھے۔ اسلام لانے پر انھیں سیفُ اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب عطا فرمایا گیا تھا۔

دوسرے حضرت خالد کے دوست حضرت عمرو بن عاص تھے۔

یہ وہی خیال ہے جسے ہم آنحضرتؐ کے تعدد ازواج کے اسباب و مصالح کے سلسلہ میں بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ حضرت خالدؓ اپنی خالہ حضرت میمونہؓ سے آنحضرتؐ کے عقد کے کچھ عرصہ بعد ہی مشرف باسلام ہو گئے اور اسی دن ان کے ساتھ حضرت عمرو بن عاصؓ بھی اسلام لے آئے

حضرت میمونہؓ آنحضرتؐ کی آخری زوجہ تھیں۔

سریۂ موتہ سے قبل کے حوادث کا ذکر

آنحضرتؐ نے گرمی کے موسم میں غزوۂ موتہ سے قبل متعدد فوجی دستے روانہ فرمائے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ سریۂ اخرم۔ ماہ ذی الحجہ ۷ھ (م اپریل ۶۲۹ء) میں پچاس مجاہدین پر مشتمل دستہ قبیلۂ بنو سلیم کی طرف روانہ فرمایا۔ اخرم اس دستہ کو لے کر انھیں اسلام کی دعوت دینے کو روانہ ہوئے۔ کفار کو ان کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر ڈالی اور انھیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ یہاں تک کہ ان کے اکثر لوگ شہید کر دیئے گئے۔ ان کے امیر زخمی ہو گئے۔ اور بڑی مصیبت و مشقت برداشت کر کے ماہِ صفر میں مدینہ میں آنحضرتؐ تک پہنچے

۲۔ سریۂ غالب بن عبداللہ لیثی جو بمقام کدید قبیلۂ بنی ملوح کی طرف ماہِ صفر ۸ھ (م جون ۶۲۹ء) میں بھیجا گیا۔ مسلمان بسرکردگی غالبؓ روانہ ہوئے۔ جب مقام قدید پر پہنچے تو حارث بن مالک لیثی عرف ابن برصاء (یہ ان کی ماں تھیں) سے آمنا سامنا ہوا۔ جسے مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ اس نے کہا کہ وہ تو اسلام لانے کے لئے ان کے پاس آیا تھا لیکن انھوں نے اسے باندھ لیا اور اونٹ پر اس کے پیچھے ایک اور شخص کو بٹھا دیا۔ پھر چاروں طرف سے انھیں لوٹنا شروع کر دیا ان کے اونٹوں کو ہانک لیا اور ابن برصاء کو بٹھا کر مدینہ لے آئے۔ ابن برصاء اسلام لے آئے اور حضرت معاویہؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں وفات پائی۔ ان سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو فتح مکہ کے دن فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:۔

"آج کے بعد قیامت تک مکہ مکرمہ پر کوئی چڑھائی نہیں ہوگی"

۳۔ غالب بن عبداللہ لیثیؓ کی دوسری فوج کشی۔

جب غالب بن عبداللہ لیثیؓ اپنی پہلی فوج کشی سے واپس ہوئے تو آنحضرتؐ نے انھیں اس مقام کی طرف روانہ فرمایا۔ جہاں بمقام فدک حضرت بشیر بن سعد کے رفقاء کام آ گئے تھے (حضرت بشیر کی فوج کشی کا جس میں وہ زخمی ہو گئے تھے اوپر بیان ہو چکا ہے) حضرت غالب کے ساتھ دو سو مجاہدین تھے یہ ماہِ صفر ۸ھ کا واقعہ ہے۔ انھیں اس جنگ میں مکمل کامیابی ہوئی۔ مسلمان صرف ایک گھنٹہ لڑے

اُنھوں نے تلوار چلا کر بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا اور ان کے اُونٹ بکریوں اور بچّوں کو ہانک کر مدینۂ منوّرہ لے گئے۔

۴۔ حضرت شجاع بن وہبؓ سدیؓ چوبیس مجاہدوں کو لے کر ماہ ربیع الاوّل ۸ھ (م جولائی ۶۲۹ء) کو قبیلہ ہوازن کی ایک جماعت کی طرف بمقام سی (مکّہ سے چھتیس میل دُور) روانہ ہوئے جہاں اُنھیں بہت سے اُونٹ اور بکریاں ہاتھ آئیں۔ انھیں وہ ہانک کر مدینۂ منوّرہ لے آئے۔ یہ مدینہ سے پندرہ دن تک باہر رہے۔

۵۔ کعب بن عمیر غفاریؓ کی سرکردگی میں ایک پندرہ افراد پر مشتمل فوجی دستہ بماہ ربیع الاوّل ۸ھ ملک شام میں وادی ذات القریٰ سے آگے ہبول والے علاقہ کی طرف بھیجا گیا۔ وہاں انھوں نے ایک بڑے مجمع کو دیکھا جو گھوڑوں پر سوار مسلمانوں کی طرف آیا۔ مسلمانوں نے انھیں اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے قبول نہیں کی اور ان پر تیروں کی بوچھار کر دی۔ صحابہؓ نے ان سے بہت سخت جنگ کی اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان شہداء کے درمیان صرف ایک شخص باقی بچے جو زخمی تھے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ یہ سر لشکر تھے۔ یہ رات کی سردی میں مصیبت جھیلتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور اس حادثہ کی اطلاع دی۔ آپ اس پر بہت رنجیدہ ہوئے اور ان پر فوج کشی کو دوسرا دستہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا لیکن آپ کو معلوم ہوا کہ وہ کسی دوسری جگہ پر جا چکے ہیں۔ اس لئے آپ نے ان کا خیال چھوڑ دیا۔

○

حضرت عمرو بن عاصؓ کا قبولِ اسلام

واقعہ ۸ھ (م ۶۲۹-۶۳۰ء)

سلسلہ نسب۔ عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی بن غالب القرشی السہمی ہے۔ کنیت ابو عبداللہ اور ایک قول کے مطابق ابو محمدؐ ہے۔ والدہ کا نام نابغہ بنت حرملہ ہے۔ یہ ایک قیدی خاتون تھیں جن کا تعلق نسبی بنو جلان بن عتیک بن اسلم بن یذکر بن عترہ سے تھا۔

عمرو بن عاص کے ماں کی طرف سے دو بھائیوں کے نام عمرو بن اثاثہ عدلوی اور عقبہ بن نافع بن عبد قیس فہری تھے۔

کسی شخص نے عمرو بن عاص سے ان کی والدہ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ان کا نام سلمٰی بنت حرملہ اور لقب نابغہ تھا۔ نسبی تعلق قبیلہ بنی عترہ سے تھا۔ یہ عرب کے فقر و فاقہ کے دورِ ابتلا میں بازارِ عکاظ میں فروخت ہوئی تھیں۔ انھیں فاکہہ بن مغیرہ نے خرید لیا تھا۔ پھر ان سے انھیں عبداللہ بن جدعان نے خرید لیا تھا۔ پھر عاص بن وائل کے پاس پہنچ گئیں۔ ان کے بطن سے عاص کے ایک شریف النّسب لڑکے عمرو پیدا ہوئے (پھر عمرو نے سائل سے کہا) پس اگر عاص نے تمھارے لئے کچھ رکھا ہو تو لے لو۔

یہ عمرو بن عاص وہی ہیں جنھیں قریش نے نجاشی کے پاس اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ اپنے پاس آئے ہوئے مسلمانوں حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو قریش کے حوالے کر دیں۔ لیکن نجاشی نے نہ مانا اور ان سے کہا۔ اے عمرو! تعجب ہے کہ تم سے تمھارے چچا زاد بھائی کا معاملہ کیسے مخفی رہا۔ خدا کی قسم! وہ اللہ کے سچے رسُول ہیں۔ انھوں نے کہا۔ آپ ایسا فرماتے ہیں؟ کہا۔ ہاں۔ خدا کی قسم تم میرا کہنا مان لو۔ چنانچہ حضرت عمرو وہاں سے ہجرت کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور غزوہ خیبر کے سال مُشرف باسلام ہو گئے۔

ایک قول ہے کہ وہ نجاشی کے پاس ہی اسلام لے آئے۔ پھر آنحضرتؐ کی طرف ہجرت کی۔ ایک قول ہے کہ وہ بماہِ صفر ۸ھ فتح مکہ سے چھ ماہ قبل اسلام لائے۔ پہلے انھوں نے نجاشی کے پاس سے

سیدھا آنحضرتؐ کے پاس جانے کا قصد کیا تھا۔ پھر انھوں نے اس وقت تک (یعنی فتح مکہ کے قریب تک) توقف کیا۔ پھر وہ اور حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عثمان بن طلحہ عبدریؓ مل کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے حضرت خالد آنحضرتؐ کے سامنے آئے اور اسلام قبول کیا اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی پھر عمرو سامنے آئے اور اسلام قبول کیا اور اس پر بیعت کی کہ اُن کے پچھلے گناہ معاف فرمادیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ اسلام اور ہجرت پچھلے تمام گناہوں کو خود بخود مٹا دیتے ہیں۔

ابن اسحاق وغیرہ کی روایت کے مطابق خود حضرت عمرو بن عاصؓ نے اپنے اسلام لانے کا سبب یُوں بیان کیا ہے کہ :۔

جب ہم غزوہ خندق سے فارغ ہو کر اپنی جماعتوں کے ساتھ واپس لوٹے تو میں نے قریش کی ان شخصیتوں کو جمع کیا جو میری رائے مانتے اور میری بات سُنتے تھے۔ میں نے ان سے کہا تمھیں کچھ معلوم ہے واللہ! مجھے تو نظر آرہا ہے کہ محمدؐ کی نبوت کا معاملہ غیر معمولی طور پر دُوسرے تمام معاملات پر چھاتا جا رہا ہے۔ ایک تدبیر میری سمجھ میں آئی ہے۔ تمھاری اس میں کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا، تم نے کیا تدبیر سوچی ہے؟ میں نے کہا۔ میری رائے ہے کہ ہم نجاشی سے جا کر ملیں اور اسی کے پاس رہ پڑیں۔ اگر محمدؐ ہماری قوم پر غالب آگئے تو ہم اس وقت نجاشی کے پاس ہوں گے اور ہمارا اس کے ماتحت رہنا محمدؐ کی ماتحتی سے زیادہ بہتر ہوگا اور اگر ہماری قوم غالب آگئی تو ہماری قوم ہمیں خوب جانتی پہچانتی ہے۔ ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا اور بھلائی ہی ملے گی۔ اس پر سب نے کہا۔ بیشک یہ درست رائے ہے۔ میں نے کہا تو اب تم سب وہ چیز جمع کرو۔ جسے ہم نجاشی کے سامنے بطور ہدیہ پیش کر سکیں۔ میری نظر میں انھیں ہدیہ پیش کرنے کے لئے ہمارے ملک کی سب سے بہتر چیز دباغت شدہ چمڑا ہے پھر ہم نے بہت سا رنگا ہوا چمڑا جمع کیا اور وہاں سے روانہ ہو کر نجاشی کے پاس پُہنچے۔ ہم اس کے پاس بیٹھے تھے کہ عمرو بن امیہ ضمری بھی وہاں پہنچے جنھیں آنحضرتؐ نے حضرت جعفرؓ اور ان کے دُوسرے رفقاء کے پناہ دینے کے متعلق کچھ ہدایات دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔ وہ دربار میں آئے اور کچھ دیر بعد چلے گئے۔ پس میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ عمرو بن امیہ ضمری تھے۔ اگر میں نجاشی سے مل کر انھیں اس سے مانگوں اور وہ مجھے دے دے تو میں ان کی گردن اڑا دوں گا۔ اگر میں یہ کام کر سکا تو قریش سمجھ جائیں گے کہ میں نے محمدؐ کے قاصد کو قتل کر کے ان کی طرف سے حق ادا کر دیا۔ میں یہ سوچ کر

نجاشی کے پاس حاضر ہوا۔ ان کے سامنے سجدہ تعظیمی بجالایا جیسا کہ ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ انھوں نے فرمایا خوش آمدید اے دوست! کیا تم میرے لئے اپنے ملک سے کچھ ہدیہ لائے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں اے شاہ میں آپ کے لئے وافر مقدار میں رنگا ہوا چمڑا لایا ہوں۔ پھر میں نے یہ ہدیہ ان کی خدمت میں پیش کیا جو انھیں پسند آیا اور وہ اس پر بہت خوش ہوئے۔ پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ابھی ایک صاحب آپ کے پاس سے گئے ہیں۔ وہ ہمارے دشمن کے قاصد ہیں۔ آپ انھیں میرے حوالہ کر دیں تاکہ میں ان کی گردن ماروں۔ کیونکہ انھوں نے ہماری معزز و بہترین ہستیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ اس پر نجاشی جھنجلا اُٹھا اور اپنا ہاتھ بڑھا کر میری ناک پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ مجھے گمان ہوا کہ کہیں ناک نہ ٹوٹ گئی ہو۔ اس وقت اس کی مصیبت سے میرا یہ حال ہوا کہ اگر زمین شق ہو جاتی تو میں اس میں سما جاؤں۔ پھر میں نے اس سے عرض کیا۔ اے بادشاہ! اگر مجھے ذرا بھی احساس ہوتا کہ آپ کو میرا معروضہ ناگوار گزرے گا تو میں آپ سے یہ سوال نہ کرتا۔ انھوں نے فرمایا۔ کیا تم مجھ سے یہ سوال کرتے ہو کہ میں اس ہستی کے قاصد کو قتل کرنے کے لئے تمھارے حوالہ کر دوں جس ہستی کی خدمت میں وہ جبریل امین آتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا اے بادشاہ! کیا محمدؐ واقعی ایسے ہی ہیں؟ فرمایا۔ اے عمرو! تم پر افسوس ہے۔ تم میری بات مانو اور اس نبی کی پیروی اختیار کرو۔ خدا کی قسم! وہ حق و صداقت پر ہیں اور بالآخر وہ اپنے مخالفین پر ضرور غالب آکر رہیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آگئے تھے۔ میں نے عرض کیا تو پھر کیا آپ اسلام پر مجھ سے بیعت لے لیں گے؟ فرمایا۔ ہاں۔ پھر انھوں نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور میں نے ان کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ پھر میں وہاں سے نکل کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اب میری رائے بدل چکی تھی۔ لیکن میں نے ساتھیوں سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ پھر میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے وہاں سے روانہ ہوا تو راہ میں مجھے خالد بن ولید مل گئے جو مکہ سے آرہے تھے۔ یہ فتح مکہ سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے۔ میں نے پوچھا۔ اے ابو سلیمان! کدھر کا قصد ہے؟ کہا خدا کی قسم! حسن و جمال اور خوبیوں کا ظہور ہو چکا ہے۔ بلاشبہ یہ شخص (محمدؐ) نبی ہیں۔ تم بھی چل کر مسلمان ہو جاؤ۔ اب کب تک ہم گمراہی میں رہیں گے؟ واللہ! میں تو اسلام لانے کے لئے جا رہا ہوں۔ پس ہم مل کر مدینہ منورہ پہنچے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے حضرت خالد بن ولید نے

پیش ہو کر اسلام قبول کیا اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ پھر میں آپ کے قریب آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کے دستِ مبارک پر اس بات پر بیعت کرتا ہوں کہ حضرت میرے پچھلے گناہ معاف فرما دیں۔ آئندہ کے گناہوں کا ذکر نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے عمرو! بیعت کر لو کہ اسلام لے آنا خود بخود پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ علیٰ ہذا ہجرت بھی سابقہ گناہوں کو فنا کر دیتی ہے۔ پھر میں نے بیعت کی اور واپس ہوا۔

حضرت زبیر بن بکارؒ نے بیان فرمایا ہے کہ کسی نے حضرت عمرو بن عاصؓ سے سوال کیا کہ آپ اتنے دانشمند و سمجھدار ہو کر اتنی دیر تک اسلام سے کیوں دُور رہے۔ انھوں نے جواباً فرمایا ہم ایسی قوم کے ساتھ تھے جنھیں ہم پر تقدم حاصل تھا اور ان کی عقلیں پہاڑوں کا مقابلہ کرتی تھیں۔ بس ہم ان کی پناہ میں رہے جب وہ لوگ جا چکے اور ہمیں امن میسّر آیا تو اس وقت ہم نے اسلام کی حقیقت پر غور و فکر اور تدبّر شروع کیا۔ تب ہم پر یہ منکشف ہُوا کہ حق و صداقت واضح ہے۔ بس اس وقت اسلام نے میرے دل میں گھر کر لیا۔

حضرت عمرو کے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام لانے میں ایک لطیفہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک صحابی ایک تابعی کے ہاتھ پر مُشرف باسلام ہوئے۔ اس کی کوئی دُوسری مثال تاریخ اسلام میں نہیں پائی جاتی۔

حضرت عمرو بن عاص ایک سیاسی و جنگی شخصیت تھے۔ ہم نے ان کی زبانی ان کے حبشہ کو جانے اور ان کے اسلام لانے کے سبب کے متعلق خود ہی ان کا بیان نقل کر دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انھوں نے اسلام کی وسیع اشاعت اور اس کی مرکزیت کے بارے میں طویل غور و فکر کرنے کے بعد آخر میں یہ رائے قائم کی تھی کہ اسلامی مرکز کی رکاوٹ سے نجات پانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ قریش کی طرف سے سفیر بن کر حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں تاکہ وہاں پہنچ کر عمرو بن امیہ ضمریؓ کو قتل کر سکیں۔ خیال یہ تھا کہ نجاشی ضمری کو ان کے حوالہ کر دیں گے۔ اس نیّت سے انھوں نے نجاشی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں تحائف پیش کئے تھے۔ وہ نجاشی سے اپنی قدیم دوستی کی بنا پر پُر اعتماد تھے۔ اس طرح گویا انھوں نے ایک طرح سے قریش کی خدمت انجام دی تھی۔ یہ حبشہ میں آنحضرتؐ اور قریش کے درمیان جھگڑوں کی فضا سے دُور جا کر مقیم ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ جب حضرت رسُول اللہ غالب آ گئے اور آپ کے ہاتھوں مکہ فتح ہو گیا تو یہ حبشہ میں محفوظ رہے لیکن نجاشی نے ان کی توقع کے خلاف عمرو بن امیہ

ضمری کو ان کے حوالہ کیا نہ دُوسرے مسلمانوں کو اور عمرو پر غصہ ہو گیا۔ مزید برآں ان پر اسلام کو پیش کیا۔ پس ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ کہ وہ نجاشی کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر لیں۔ کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ خود نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے کہ انھیں آنحضرتؐ کی رسالت پر اعتقاد ہو گیا تھا اور وہ آپؐ کے مخالفین پر غالب آ جانے کا ایسا ہی یقین رکھتے تھے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آ گئے تھے۔

اور حضرت عمروؓ کے اس بیان میں نجاشی کے مشرف باسلام ہونے کی واضح دلیل موجود ہے۔

حضرت عمروؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ فتح مکہ سے قبل ۸ھ ام ۶۲۹-۶۳۰ء میں پیش آیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً بیالیس سال تک پہنچی تھی۔ اسلام کو ان کے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے اسلام لانے سے بہت فائدہ پہنچا۔ کیونکہ ان دونوں عظیم الشان اسلامی زعماء اور ہر دو دلیر و بہادر قائدین نے اسلامی فتوحات، دعوت اسلامی کی عام تبلیغ اور دین کی سربلندی کی تاریخ میں ایک اہم اور عظیم الشان دور کی بنا ڈالی تھی۔

حضرت ام سلمہ زوجہ مطہرہ رسول اللہؐ نے جو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والی خواتین میں شامل تھیں مسلمانوں کے وہاں قیام، قریش کی طرف سے عبداللہ بن ربیعہ بن مغیرہ مخزومی اور عمرو بن عاص پر مشتمل وفد کے نجاشی کی طرف بھیجنے، عمرو کے وہاں اختیار کردہ تدابیر، نجاشی کے سامنے جھگڑے پیش آنے، بڑے پادریوں کی حاضری، اس کے اسلامی اصول کو صحیح مان لینے کی وجہ سے اس کے اور اس کے مخالفین کے درمیان جنگ وجدل کے عظیم واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں جن کا حضرت عمرو بن عاصؓ نے ذکر نہیں کیا

حضرت اُمِ سلمہؓ کی روایت درج ذیل ہے:۔

فرماتی ہیں۔ جب ہم حبشہ پہنچے تو ہمیں نجاشی کا بہترین پڑوس نصیب ہُوا۔ وہاں ہمارا دین محفوظ تھا وہاں کسی ایذا رسانی اور کوئی ناگوار بات سُنے بغیر اطمینان سے خدا کی عبادت کرتے رہے۔ جب قریش کو یہ خبر ملی تو انھوں نے مشورہ کر کے یہ رائے قائم کی کہ ہمارے متعلق بات کرنے کے لئے نجاشی کے پاس دو دلیر آدمیوں کو بھیجا جائے اور مکّہ کے بہترین تحائف شاہ کے لئے بھیجے جائیں۔ وہاں سے حبشہ کو جو بہترین و پسندیدہ چیز آتی تھی وہ دباغت شدہ چمڑا تھا۔

پس انھوں نے بہت سا دباغت شدہ چمڑا جمع کیا اور حبشہ کے پادریوں میں سے کسی پادری کو نہیں چھوڑا جسے کوئی نہ کوئی ہدیہ پیش کرنے کے لئے نہ بھیجا ہو۔ چنانچہ انھوں نے عبداللہ بن ربیعہ بن مغیرہ مخزومی

اور عمرو بن عاص بن وائل سہمی کے ساتھ یہ تحائف روانہ کئے اور انھیں اپنے معاملہ کے طے کرانے کا اختیار دے دیا اور ہدایت کر دی کہ مسلمانوں کے متعلق نجاشی سے گفتگو کرنے سے پہلے ہر ہر پادری کو اس کا ہدیہ پہنچا دینا۔ پھر نجاشی کی خدمت میں ان کے تحائف پیش کر کے اس سے پہلے کہ مسلمان نجاشی سے کچھ کہیں ان سے مطالبہ کرنا کہ وہ مسلمانوں کو تمہارے حوالہ کر دیں۔

اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ دونوں نمائندے وہاں سے چل کر نجاشی کی خدمت میں پہنچے۔ ہم نجاشی کے ملک میں راحت و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے کسی پادری کو نہ چھوڑا جسے نجاشی سے عرض معروض کرنے سے پہلے اس کا نامزد تحفہ نہ دے دیا ہو۔

تحائف تقسیم کرنے کے بعد ان دونوں نمائندوں نے ہر پادری سے کہا کہ ہمارے چند بیوقوف نوجوانوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے اور وہ آپ حضرات کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ بلکہ انھوں نے ایک نیا ہی دین ایجاد کیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ حضرات۔ یہ بے دین نوجوان شاہ نجاشی کے ملک میں آ کر مقیم ہو گئے ہیں۔ ان کی قوم کے معززین نے ہمیں شاہ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو ان کی قوم والوں کو واپس کر دیں۔ پس جب ہم شاہ سے اس معاملہ پر گفتگو کریں تو آپ حضرات بھی شاہ کو مشورہ دیں کہ وہ ان سے کوئی بات نہ کریں اور انھیں ہمارے حوالہ کر دیں۔ کیونکہ ان کے ہم قوم ان پر نگرانی کے زیادہ اہل ہیں اور ان مسلمانوں نے اپنی قوم والوں کی جو بُرائیاں کی ہیں وہی ان سے خوب واقف ہیں۔ ان پادریوں نے وعدہ کیا کہ ہم تمھاری تائید کریں گے

ادھر سے مطمئن ہو کر ان دونوں نمائندوں نے نجاشی کو ان کے تحائف پیش کئے جسے انھوں نے قبول کر لیا۔ پھر انھوں نے شاہ سے یہ بات شروع کی۔ اے بادشاہ۔ ہمارے چند ناسمجھ نوجوان آپ کے ملک میں آ گئے ہیں۔ جنھوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے اور وہ آپ کے دین (مسیحیت) میں بھی داخل نہیں ہوتے بلکہ انھوں نے ایک نیا ہی دین گھڑ لیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ۔ ہمیں ان کے والدین اور ان کے قبیلوں کے معززین نے آپ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا ہے کہ آپ انھیں ان کے بزرگوں کو واپس کر دیں۔ کیونکہ وہ ان کی بہتر نگرانی کر سکتے اور ان کے الزامات سے جو انھوں نے اپنے بزرگوں پر لگائے ہیں اور ان پر ملامت کرنے سے زیادہ واقف ہیں۔

عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص کو سب سے زیادہ اس امر کا اندیشہ تھا کہ نجاشی مسلمانوں سے گفتگو

نہ کر بیٹھیں۔

اس گفتگو کے بعد نجاشی کے حاشیہ نشین پادریوں نے ان سے عرض کیا کہ اے شاہ! یہ لوگ صحیح کہہ رہے ہیں۔ ان کے اہلِ قوم ان کے تحفظ کے زیادہ اہل ہیں اور وہی زیادہ جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے ان کی کیا بُرائیاں کی ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ آپ ان لوگوں کو ان نمائندوں کے حوالہ فرمادیں تاکہ یہ دونوں انھیں ان کے ملک اور ان کی قوم کے پاس لے جائیں۔ یہ سُن کر نجاشی غضب ناک ہو گیا اور کہا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ خدا کی قسم اب میں انھیں ہرگز ان لوگوں کے حوالہ نہ کروں گا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ جس قوم نے میرے پڑوس میں پناہ لی ہو، میرے ملک میں فروکش ہو گئے ہوں اور انھوں نے مجھے دُوسرے پر ترجیح دی ہو، میں ان کے ساتھ کوئی بُرا سلوک کروں۔ جب تک میں انھیں بُلا کر ان سے ان دونوں نمائندوں کے بیان کردہ الزامات کے متعلق سوال نہ کرلوں۔ اگر وہ واقعی ایسے نکلے جیسا کہ یہ دونوں کہہ رہے ہیں تو میں انھیں ان کے سپرد کردوں گا اور انھیں ان کی قوم میں واپس کردوں گا اور اگر واقعہ اس کے برعکس ہوگا تو میں انھیں ان کے حوالہ نہ کروں گا اور جب تک وہ میری امان و ذمّہ داری میں رہیں گے۔ میں ان سے حُسنِ سلوک کرتا رہوں گا۔ پھر اس نے آنحضرتؐ کے صحابہ کو بُلا بھیجا۔ جب شاہ کا قاصد پہنچا تو مسلمان یک جا جمع ہوئے اور ایک نے دُوسرے سے پُوچھا کہ جب تم شاہ کی خدمت میں پیش ہو گے تو ان سے کیا گفتگو کرو گے؟ سب نے کہا۔ خدا کی قسم! ہم وہی بات کریں گے جو ہمیں معلوم ہوئی ہے اور جس کی ہمارے نبی اکرمؐ نے تعلیم دی ہے۔ خواہ اس کا انجام کچھ ہی ہو۔ پس یہ صحابہ نجاشی کی خدمت میں پہنچے۔ ادھر اس نے پادریوں کو بُلالیا تھا۔ جنھوں نے شاہ کے اطراف اپنی آسمانی کتابیں پھیلا دی تھیں۔ پھر نجاشی نے مسلمانوں سے سوالات شروع کیے۔

نجاشی۔ یہ کون سا دین ہے جس کی بنا پر تم اپنی قوم سے جُدا ہو گئے اور تم میرے دین میں داخل ہوئے نہ ہی دُوسری قوموں کے دین میں؟

مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے گفتگو کی۔

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ۔ اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے جو بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ فحش کام کرتے تھے۔ قطع رحم کرتے تھے۔ لڑکیوں کو مقید رکھتے تھے ہم میں کا قوی شخص کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم اسی وحشیانہ طریقہ پر زندگی گزار رہے تھے کہ حق تعالیٰ

نے ہم ہی میں سے ایک رسول ہماری اصلاح کے لئے بھیجا جس کے حسب نسب، اس کی سچائی امانت اور پاکبازی سے ہم واقف تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا تاکہ ہم خدا کو ایک مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور خدا کو چھوڑ کر ہم نے اور ہمارے آباؤ اجداد نے پتھروں اور بتوں کی جو پرستش اختیار کر رکھی تھی اُسے چھوڑ دیں۔ آنحضرتؐ نے ہمیں سچ بولنے، امانت کو بعینہٖ ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں سے حُسن سلوک کرنے، محرمات اور خونریزی سے بچنے کا حکم فرمایا ہے اور فحش کاموں کے کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکباز خاتون پر بُرائی کی تہمت لگانے سے منع فرمایا ہے۔ ہمیں آپ نے حکم دیا ہے کہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ نیز آپ نے ہمیں نماز و زکوٰۃ ادا کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے تمام اسلامی تعلیمات کو بیان کیا۔ اس کے بعد کہا کہ ہم نے آنحضرتؐ کی تصدیق کی۔ اس پر ایمان لائے اور آپ کے لائے ہوئے دین کا اتباع کیا۔ پس ہم نے خدائے واحد کی عبادت شروع کر دی اور ہم اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔ آپ نے جن چیزوں کو ہم پر حرام قرار دیا ہے۔ ہم نے انھیں خود پر حرام کر لیا اور جنھیں آپ نے ہمارے لئے جائز قرار دیا ہے انھیں ہم نے اپنے لئے جائز کر لیا۔ اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور یہ لوگ ہم پر طرح طرح کے عذاب ڈھانے لگے اور وہ ہمارے دین سے برگشتہ کرنے لگے تاکہ ہم سے خدا کی عبادت چھڑا کر پھر بتوں کی پرستش کی طرف لوٹا دیں۔ نیز وہ چاہتے تھے کہ ہم پھر حسبِ سابق خبیث عادات کو اپنا لیں۔ جب انھوں نے ہم پر ظلم و قہر ڈھائے۔ ہمیں مصائب میں مُبتلا کر دیا اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن گئے تو ہم اپنے وطن سے نکل کر آپ کے ملک میں آئے اور دُوسروں کے مقابلہ میں آپ کو ترجیح دی اور آپ کے پڑوس کو پسند کیا۔ اے بادشاہ! ہمیں آپ سے یہ توقع ہے کہ آپ کے ملک میں ہم پر کوئی ظلم نہ ہو سکے گا۔

نجاشی۔ حق تعالیٰ نے جو کلام نازل فرمایا ہے۔ کیا تمھیں اس کا کچھ حصہ یاد ہے؟

حضرت جعفر۔ ہاں یاد ہے۔

نجاشی۔ مجھے کچھ پڑھ کر سناؤ۔

حضرت جعفر سورۂ کھیعص کی شروع کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔

نجاشی یہ آیات سن کر زار و قطار روتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر ہو جاتی ہے۔ اور اس کے پادری بھی یہ آیات سن کر اس قدر روتے ہیں کہ ان کے صحیفے بھی ان کے آنسوؤں سے تربتر ہو جاتے ہیں پھر نجاشی کہتے ہیں۔ خدا کی قسم! یہ کلام اور وہ کلام جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر تشریف لائے تھے ایک ہی نور سے نکلے ہیں۔ تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔ خدا کی قسم! میں ہرگز مسلمانوں کو تمہارے سپرد نہ کروں گا اور اس کام کے قریب بھی نہ جاؤں گا۔

اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں۔ جب یہ دونوں شاہ کے پاس سے نکلے تو عمرو بن عاص نے کہا۔ خدا کی قسم میں کل کو مسلمانوں کے عیوب پر ان لوگوں کو مطلع کر دوں گا۔ اس طرح اس قوم کی جڑیں ہی کاٹ دونگا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ نے جو ان دونوں میں زیادہ نیک تھا۔ مشورہ دیا کہ ایسا نہ کرنا۔ کیونکہ اگرچہ ہم سے ان کا خلاف ہے لیکن بہرحال ہماری ان سے قرابت ہے۔

عمرو بن عاص نے جواب دیا۔ واللہ! میں شاہ کو مطلع کر دوں گا کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم بندے ہیں۔ چنانچہ وہ دوسرے دن شاہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے بادشاہ یہ مسلمان حضرت عیسیٰ بن مریم کی شان میں ایک سخت بات کہتے ہیں۔ آپ انھیں بلا کر اس مسئلہ میں دریافت فرمالیں۔ چنانچہ شاہ نے یہ سوال کرنے کے لئے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔

اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ہم پر کبھی ایسا سخت وقت نہ آیا تھا۔ چنانچہ مسلمان جمع ہوئے اور باہم کہنے لگے کہ جب شاہ حضرت عیسیٰ کے متعلق تم سے سوال کریں گے تو کیا جواب دو گے؟

سب نے کہا۔ خدا کی قسم ہے۔ ہم ان کے حق میں وہی کہیں گے جو حق تعالیٰ نے فرمایا اور نبی کریمؐ نے فرمایا ہے۔ خواہ اس صورت میں کچھ بھی پیش آئے۔

جب یہ لوگ شاہ کے سامنے حاضر ہوئے تو نجاشی نے ان سے سوال کیا۔ تم لوگ حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے عرض کیا۔ ہم ان کے متعلق وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے۔ یعنی یہ کہ" وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی رُوح اور اس کا کلمہ تھے، جسے حق تعالیٰ نے کنواری وعفت مآب حضرت مریم کے جسم میں ڈالا تھا۔"

یہ سُن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھا کر کہا کہ جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے حضرت عیسیٰ بن

مریم اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔

جب نجاشی نے یہ بات کہی تو اس کے پادریوں نے جو اس کے گرد جمع تھے ناک مُنہ چڑھایا اور اس کے خلاف شور برپا کیا۔

نجاشی نے کہا۔ اگرچہ تم شور مچاؤ لیکن حقیقت یہی ہے۔ اے مسلمانو! اب تم جا سکتے ہو۔ واللہ! تم میرے ملک میں محفوظ ہو۔ جو تم سے بُرائی کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ میں مکرر کہتا ہوں۔ جو تم سے بُرائی کرے گا۔ سزا پائے گا۔ میں پہاڑ برابر سونے کے بدلے بھی تم میں سے کسی کی ایذا رسانی کو پسند نہیں کرتا۔ اے خادمو! ان اہلِ مکہ کے تحائف انھیں واپس لوٹا دو۔ مجھے ان کی حاجت نہیں ہے۔ خدا کی قسم! جب خدا نے مجھے میرا ملک واپس دلایا تھا تو مجھ سے رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس معاملہ میں رشوت قبول کروں اور لوگوں نے میرے معاملہ میں میری اطاعت نہیں کی تھی کہ میں اس معاملہ میں ان کی اطاعت کروں۔

حضرت اُم سلمہ فرماتی ہیں کہ پس یہ دونوں قریش کے نمائندے نجاشی کے پاس سے محروم و ناکام لوٹے۔ ان کے تحائف انھیں لوٹا دیئے گئے اور ہم نجاشی کے شہر میں بہتر معاشرت اور بہتر پڑوس میں باطمینان تمام مقیم رہے۔

ہم وہاں پُرسکون زندگی گزار رہے تھے کہ کسی ملک نے نجاشی کے ملک پر حملہ کر دیا۔ واللہ ہم نے کبھی اس سے زیادہ رنج نہیں دیکھا تھا جتنا ہم اس حادثہ کے رونما ہونے سے رنجیدہ ہوئے کیونکہ ہمیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگر یہ حملہ آور نجاشی پر غالب آ گیا تو ممکن ہے ایک ایسا شخص اس ملک پر مُسلط ہو جائے جو ہمارا وہ حق نہ پہچانے جو نجاشی پہچانتے تھے۔ نجاشی نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج کشی کی۔ ان دونوں فوجوں کے درمیان دریائے نیل حائل تھا۔

صحابۂ رسول اللہؐ نے آپس میں کہا۔ ہم میں سے کون ہے جو میدانِ جنگ میں پہنچ کر حالات سے ہمیں باخبر کرے؟ حضرت زبیر بن عوامؓ نے کہا۔ میں جاتا ہوں۔ یہ ہم سب میں کم عمر تھے۔ پس لوگوں نے ایک چھاگل میں ہوا بھر کر ان کے حوالہ کی جسے انھوں نے اپنے سینہ سے باندھ لیا اور اس پر تیرتے ہوئے روانہ ہو گئے اور دریائے نیل کے اس حصّہ تک پہنچ گئے جہاں ہر دو فوجیں صف آرا تھیں۔ پھر چلتے چلتے خاص میدانِ جنگ تک پہنچ گئے۔

فرماتی ہیں کہ ہم سب حق تعالیٰ سے دعا مانگتے رہے کہ نجاشی کو دشمن پر فتح و کامیابی نصیب ہو ان کا اقتدار اپنے ملک پر بدستور قائم رہے اور حبشہ پر ان کی حکومت اور مستحکم ہو جائے۔ بہر حال ہم نجاشی کے پاس بہت اچھی طرح رہے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے قیام مکہ کے زمانہ ہی میں آپ کے پاس چلے گئے۔

الحاصل عمرو بن عاص کی حبشہ کی طرف روانگی اور ان کے اور نجاشی کے درمیان پیش آمدہ واقعات خاص کر مسلمان مہاجرین سے متعلق مکالمات کے بارے میں یہ دو روایتیں منقول ہیں۔

پہلی روایت خاص عمرو بن عاصؓ سے اور دوسری حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔

پہلی روایت بحوالہ ابن اسحاق کتاب سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے۔

اور دوسری مسند امام احمد بن حنبلؒ میں مذکور ہے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ کی روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ قریش کی طرف سے وفد لے کر حبشہ گئے۔ ان کے ساتھ نجاشی کو ہدیہ پیش کرنے کے لئے کافی مقدار میں دباغت شدہ چمڑا تھا۔ ان کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ نجاشی تمام مسلمانوں کو یا کچھ کو ان کے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ وہ نجاشی کے یہاں باریاب ہوئے اور انھوں نے ان کے سامنے اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔ لیکن نجاشی کو یہ سن کر بہت غصہ آیا اور اس نے ان کا مطالبہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ان کے پیش کردہ تحائف بھی واپس کر دیئے لیکن عمرو بن عاص نے اس مکالمے کا ذکر نہیں کیا جو نجاشی کے دربار میں عمرو بن عاصؓ اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے درمیان پادریوں کی موجودگی میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں ہوا تھا اور حضرت جعفرؓ کے جواب پر نجاشی مطمئن ہو گیا تھا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس سلسلہ میں صرف اتنا بیان کیا ہے کہ نجاشی نے انھیں سلام کیا اور ان سے مصافحہ کیا۔

حضرت اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ (حضرت جعفر کے بیان کا اعتراف کر لینے کے بعد) نجاشی پر حملہ آور ہونے والے کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عمرو بن عاص اپنی اس مہم میں کامیاب نہیں ہوئے تھے خواہ وہ قریش کے بھیجے ہوئے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے اپنی ذاتی حیثیت میں آئے تھے تاکہ آنحضرتؐ کے مقابلہ میں جو موقف اُنھوں نے اب تک اختیار کر رکھا تھا اس سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی سبیل نکل سکے۔ کیونکہ وہ اس وقت کے انتظار میں ٹھہرے رہے

اور اس وقت تک اسلام نہ لائے جب تک مدینہ اور اس کے مضافاتی علاقوں میں اسلام نہ پھیل گیا. اور مسلمان طاقتور ہو کر مکّہ کی آزادی کو چیلنج کرنے کے قابل نہ ہو گئے. تب انھیں یہ اندیشہ لاحق ہُوا کہ اگر وہ اسی حال پر قائم رہے اور اسلام نہ لائے تو اسلام کا مکّہ پر بھی غلبہ ہو جائے گا اور اس وقت انھیں چارو ناچار آنحضرتؐ کا مطیع ہونا ہی پڑے گا۔ چنانچہ جب انھوں نے دیکھا کہ نجاشی نے ان کا کوئی مطالبہ بھی تسلیم نہیں کیا اور وہ اپنی پناہ میں آئے ہوئے مہاجروں سے حسن سلوک جاری رکھنے پر ثابت قدم ہیں اور آنحضرتؐ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں تو وہ واپس ہو گئے اور انھوں نے خود کو اس بات پر آمادہ کیا کہ سیدھے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ کر اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ جبھی ان کا یہ ارادہ پورا ہو گیا تو وہ اور حضرت خالد بن ولیدؓ ایک ساتھ مشرّف باسلام ہو گئے۔

○

حضرت خالد بن ولید اور انکا قبول اسلام

ان کا شجرۂ نسب یہ ہے۔ خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، ابو سلیمان اور ایک قول کے مطابق ابوالولید قرشی مخزومی۔

ان کی والدہ کا نام لبابۂ صغریٰ بنت حارث بن حزن ہلالیہ ہے اور یہ حضرت میمونہ بنت حارث زوجۂ مطہرہ نبی کریمؐ اور آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اہلیہ جنابہ لبابۂ کبریٰ کی ہمشیرہ ہیں اور حضرت خالدؓ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اس اولاد کی خالہ کے فرزند ہیں جو لبابہ کے بطن سے تھی۔

یہ زمانۂ جاہلیت میں قریش کی معزز شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ وہ اس دور میں قبہ (اسلحہ خانہ) اور اَعِنّہ (سوار دستوں کی افسری) پر فائز تھے۔

قُبّہ اس گنبد کو کہا جاتا تھا جسے وہ فوج کے اسلحہ خانہ کے ذخیرہ کے لئے بناتے تھے۔

اعنّہ سے یہ مراد ہے کہ وہ لڑائیوں میں قریش کے سوار دستوں کے افسر رہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ایک جنگجو فوجی اور بہترین شہ سوار تھے۔

جب انھوں نے اسلام لانے کا قصد کیا تو وہ اپنے ساتھیوں عمرو بن عاص اور طلحہ بن ابی طلحہ عبدری سمیت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے جب انھیں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو صحابہ سے فرمایا۔ مکّہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمھاری طرف بھیج دیئے ہیں۔

ہم پہلے حدیبیہ کے بیان میں لکھ آئے ہیں کہ نبی کریم نے جب یہ سفر اختیار فرمایا اور مقام عسفان تک پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی آپ سے آکر ملا اور اس نے کہا۔ یا رسول اللہ! قریش آپ کی آمد کی خبر سُن کر اپنے ساتھ دُودھ دینے والی نوزائیدہ اُونٹنیوں کو لے کر مکّہ سے نکلے ہیں۔ انھوں نے چیتوں کی پوستینیں پہن رکھی ہیں اور ذی طُویٰ کے مقام پر خیمہ زن ہیں۔ اُنھوں نے حلف اُٹھایا ہے کہ آپ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ نیز قریش نے ایک گھڑ سوار دستہ بسر کردگی خالد بن ولید اپنے سے آگے مقام کراع الغمیم تک بھیجا ہے۔

حضرت خالد بن ولید کہتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے مجھے نیکی کی ہدایت دینی چاہی تو میرے دل

میں اسلام کی محبت پیدا فرمادی اور مجھ پر ہدایت کی راہ واضح فرمادی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ان تمام مقامات پر حضرت محمدؐ کے خلاف معرکوں میں شریک ہوا ہوں۔ مگر کوئی معرکہ بھی ایسا نہیں تھا جس سے میں ناکام واپس ہُوا ہوں۔ اس سے میرے قلب میں یہ احساس پیدا ہُوا کہ میں غلطی پر ہوں اور حضرت محمدؐ ضرور غالب آ کر رہیں گے۔ جب آپ عمرۂ قضا میں مکہ تشریف لائے تو میں چھپ گیا اور آپ کے دخولِ مکہ کے موقع پر وہاں موجود نہ رہا۔ میرے بھائی ولید بن ولید آنحضرتؐ کے ساتھ آئے تھے۔ انھوں نے مجھے بُلایا مگر میں نہ مِلا تو انھوں نے مجھے درج ذیل مضمون کا ایک خط لکھ بھیجا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میرے نزدیک اس سے زیادہ تعجب خیز بات کوئی نہیں کہ تمھاری رائے اب تک اسلام کے خلاف ہے۔ جب کہ تم عقل و فراست میں مشہور ہو۔ کیا اسلام جیسی نعمت سے کوئی سمجھدار شخص ناآشنا رہ سکتا ہے؟ آنحضرتؐ نے مجھ سے تمھارے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ خالد کہاں ہیں؟ میں نے عرض کر دیا ہے کہ اللہ ہی انھیں لائے گا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اس جیسا شخص اسلام سے تابد نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ اپنی جنگی صلاحیت کو مسلمانوں کے ساتھ ہو کر مشرکین کے خلاف استعمال کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور ہم دوسروں پر انھیں ترجیح دیتے۔ پس اے میرے بھائی! تم جہاد کے جن بہترین مواقع سے محروم رہ گئے ہو اب بھی وقت ہے کہ ان کی تلافی کر لو۔"

جب بھائی کا یہ خط مجھے ملا تو دل میں باہر نکلنے کا ولولہ پیدا ہُوا اور اسلام کی طرف زیادہ میلان ہو گیا۔ خصوصاً آنحضرتؐ کے میرے متعلق ارشاد نے مجھے بہت مسرور کیا۔ میں نے خواب دیکھا گویا میں تنگی و قحط والے علاقہ میں تھا۔ پھر وہاں سے ایک وسیع سرسبز و شاداب علاقہ میں آ گیا ہوں۔ جب میں نے مدینہ کی حاضری کا قصد کر لیا تو صفوان بن اُمیّہ سے ملا اور اس سے کہا۔ اے ابو وہب! تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ محمدؐ عرب و عجم پر چھا گئے ہیں۔ پس اگر ہم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کا اتباع اختیار کر لیں تو ان کی عظمت خود ہماری ہی عظمت ہو گی۔ اس نے جواب دیا کہ اگر مکہ میں میرے سوا کوئی بھی اسلام لانے سے باقی نہ رہا۔ تب بھی میں ان کا اتباع نہ کروں گا۔ میں نے دل میں کہا۔ یہ وہ شخص ہے جس کے باپ بھائی بدر میں قتل ہو چکے ہیں۔ (اس لئے اس کے دل پر مسلمانوں کے خلاف گہرا زخم ہے)۔ پھر میں عکرمہ بن ابی جہل سے ملا اور ان سے بھی وہی بات کہی جو صفوان سے کہی تھی۔ مگر انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو

صفوان نے دیا تھا میں نے ان سے کہا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اسے راز میں رکھنا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ میں کسی سے بیان نہ کروں گا۔ پھر میں عثمان بن طلحہ حجبی سے ملا اور خیال کیا کہ یہ میرے دوست ہیں۔ یہ سمجھ کر ان سے کہنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر مجھے ان کے باپ طلحہ، چچا عثمان اور ان کے چاروں بھائیوں، مسافع، جلاس، حارث اور کلاب کا قتل ہونا یاد آگیا۔ یہ سب کے سب جنگ احد میں ہلاک ہو گئے تھے۔ اس لئے پہلے تو مجھے ان سے کچھ کہنا مناسب نہ معلوم ہوا۔ لیکن بالآخر میں نے ان سے کہہ ہی دیا کہ اس وقت ہماری مثال ایسی ہے۔ جیسے لومڑی اپنے بل میں گھسی ہوئی ہو کہ اگر اس میں پانی کا نالہ بہا دیا جائے تو وہ باہر نکل آئے گی۔ پھر میں نے ان سے وہی بات کہی جو پہلے صفوان وعکرمہ سے کر چکا تھا۔ انھوں نے فوراً میری بات مان لی اور ہم نے باہم وعدہ کیا کہ اگر وہ مجھ سے پہلے روانہ ہوئے تو فلاں مقام پر ٹھہر کر میرا انتظار کریں گے۔ اور اگر میں پہلے اس جگہ پہنچ گیا تو میں ان کا انتظار کروں گا۔

پھر طلوعِ فجر سے پہلے پہلے ہم دونوں ملے اور ایک ساتھ روانہ ہو گئے۔ جب ہم مقام ہدّہ پر پہنچے تو وہاں ہمیں عمرو بن عاص مل گئے۔ انھوں نے کہا۔ خوش آمدید! اے دوستو! ہم نے بھی جواباً انھیں خوش آمدید کہا۔ انھوں نے پوچھا۔ کدھر جا رہے ہو؟ ہم نے کہا۔ مشرف باسلام ہونے کے لئے۔ کہا۔ میں بھی اسی لئے سفر کر رہا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ عمرو نے خالد سے کہا۔ اے ابوسلیمان! کدھر کا قصد ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ واللہ! راستہ واضح ہے اور ہر امر ظاہر ہو چکا ہے۔ بلاشبہ یہ صاحب نبی ہیں اس لئے میں جا کر اسلام قبول کر لینا چاہتا ہوں۔ توقف اور تردّد کب تک؟ اس پر عمرو نے کہا۔ خدا کی قسم میں بھی اسلام لانے ہی کو آیا ہوں۔ پھر ہم سب مل کر روانہ ہوئے اور سب مدینہ پہنچ گئے۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ پہنچ کر بہتر لباس تبدیل کیا اور آنحضرتؐ کی طرف روانہ ہوا۔ پہلے اپنے بھائی سے ملا۔ انھوں نے کہا۔ جلدی جاؤ۔ کیونکہ آنحضرتؐ آپ حضرات کی آمد پر مسرور ہیں اور آپ سب کا انتظار فرما رہے ہیں۔ یہ سُن کر ہم تیز تیز چلے اور حاضر خدمت ہو گئے۔ آنحضرتؐ تبسم فرما رہے تھے یہاں تک کہ میں سامنے جا کھڑا ہوا اور آپ پر سلام نبوت عرض کیا۔ آپ نے خندہ پیشانی سے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خُدا کے سوا دوسرا معبود نہیں اور آپ بلاشُبہ اللہ کے رسُول ہیں۔ فرمایا۔ خُدا کی تعریف ہے جس نے تمھیں ہدایت فرمائی۔ میں تم میں ایسی عقل و فراست پاتا تھا جس کے متعلق مجھے توقع تھی کہ یہ عقل ضرور تمھیں بھلائی کی طرف لے جائے گی۔ میں نے عرض

کیا۔ یا رسول اللہؐ! میرے حق میں دُعا فرمائیے کہ وہ میری آپ کے خلاف جنگی معرکوں میں شرکت کا گناہ معاف فرمائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اسلام سب پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ پھر عثمان اور عمرو بن عاص نے پیش ہو کر اسلام قبول کیا۔ عمرو بن عاص ان دونوں میں مُعمّر تھے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے جب عمرہ ادا فرمایا[1] اور سر منڈوایا تو لوگ آپ کے موئے مبارک حاصل کرنے کو جھپٹے۔ میں نے ان سے پہلے پہنچ کر موئے مبارک حاصل کر لیے اور انھیں اپنی ٹوپی میں چپکا لیا۔ اس کے بعد جس لڑائی میں بھی وہ ٹوپی پہن کر گیا۔ اس میں مجھے لازماً واضح فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ اکثر مؤرّخین کی رائے ہے کہ آپ نے ۲۱ھ میں بزمانۂ خلافت حضرت عمر بن خطابؓ بمقام حمص وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر چالیس سے کچھ اُوپر تھی۔

---

[1] شائد اس سے عمرۂ جعرانہ مراد ہے۔ م

رُوم سے جنگ کے لئے سریۂ موتہ

بماہ جمادی الاوّل ۸ھ م ستمبر ۶۲۹ء

موتہ بلقا کے ضلع میں ایک مقام ہے جو ملکِ شام میں بحرِ مُردار کے جنوب مشرق میں بیت المقدس سے دو مرحلہ (چوبیس میل) پر واقع ایک مشہور شہر ہے۔ یہ سریہ (فوج کشی) ماہ جمادی الاولی ۸ھ (م ستمبر ۶۲۹ء) میں پیش آیا۔

امام بخاری نے اس سریہ کو غزوہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اگرچہ اس میں آنحضرتؐ بذاتِ خود تشریف نہ لے گئے تھے کیونکہ اس موقع پر مسلمانوں کا لشکر بہت بڑا تھا۔ اس سریہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ آنحضرتؐ نے حضرت حارث بن عمیر ازدی کو ہرقل کی طرف سے بصریٰ کے حاکم حارث بن ابی شمر غسانی کے نام ایک نامۂ گرامی دے کر بھیجا تھا جب یہ نامہ بر موتہ میں ٹھہرے تو شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر کی طرف سے شام کا حاکم تھا انھیں ٹوکا اور کہا۔ تمہارا کدھر کا ارادہ ہے؟ شاید تم محمدؐ کے قاصد ہو؟ انھوں نے فرمایا۔ ہاں۔ اس نے یہ سنتے ہی انھیں بندھوا کر ان کی گردن اُڑا دی۔ ان کے سوا آنحضرت کا کوئی اور قاصد شہید نہیں کیا گیا تھا جب آنحضرتؐ تک یہ خبر پہنچی تو آپ کو یہ امر بے حد شاق گزرا اور رُوم سے جہاد کے لئے ایک لشکر مرتب فرمایا۔

اکثر مؤرخین نے اس لشکرکشی کا یہی سبب بیان کیا ہے لیکن ابن اسحاق نے اس سریہ کا کوئی بھی سبب بیان نہیں کیا۔ یہ وہ پہلا سریہ تھا جس میں مسلمانوں نے اس وقت کے سب سے بڑے عالمی مسیحی لشکر سے جہاد کیا تھا۔

پس آنحضرتؐ نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہؓ کو تین ہزار مجاہدین کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور مجاہدین کو جہاد کی ترغیب دی اور فرمایا کہ اگر حضرت زید اس جہاد میں کام آ گئے تو ان کی بجائے حضرت جعفر بن ابی طالب تم لوگوں کے سپہ سالار ہوں گے اور اگر وہ بھی کام آ گئے تو عبداللہ بن رواحہ سپہ سالار ہوں گے اگر وہ بھی کام آ گئے تو پھر لوگ خود اپنی مرضی سے اپنی جماعت میں سے کسی سپہ سالار کا انتخاب کر لیں۔

اس وقت نعمان نامی ایک یہودی بھی حاضرِ خدمت تھا۔ اس نے عرض کیا۔ اے محمدؐ! جب آپ نے

متعدد سپہ سالاروں کو نامزد فرما دیا تو پھر وہ سب کے سب ہی شہید ہو جائیں گے۔ کیونکہ انبیاء بنی اسرائیل جب کسی کو فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر وہ شہید ہو گیا تو اس کی جگہ فلاں شخص سپہ سالار ہو گا) تو اگر وہ اس طرح سو سپہ سالاروں کو بھی نامزد کرتے تو وہ سب کے سب شہید ہو جاتے تھے۔

پھر اس نے حضرت زیدؓ سے کہا کہ متعلقین کو وصیت کر جاؤ۔ کیونکہ اگر حضرت محمدؐ سچے نبی ہیں تو تم اب ان کی طرف واپس نہ ہو سکو گے۔ حضرت زیدؓ نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرتؐ سچے اور پاکیزہ رسول ہیں۔

پھر آنحضرتؐ نے سفید جھنڈا تیار کر کے حضرت زیدؓ کو دیا۔ اس سے پہلے حضرت زیدؓ کو سپہ سالاری کا عہدہ نہیں دیا گیا تھا۔ (یہ پہلی مرتبہ تھی) اور انھیں ہدایت فرمائی کہ پہلے حضرت حارثؓ بن عمیرؓ کے قتل کی جگہ پر پہنچ کر وہاں کے موجودہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ قبول کر لیں تو بہتر ورنہ پھر اللہ سے مدد طلب کر کے ان سے جہاد شروع کر دیا جائے۔ پھر مجاہدین تیزی سے جہاد کے لئے نکلے اور مقام جرف[1] پر ان کا پورا لشکر جمع ہوا۔

اسلامی لشکر کے موتہ کی طرف کوچ سے قبل آنحضرتؐ کا اسے نصیحت فرمانا

آنحضرتؐ نے لشکر کو نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"میں تمھیں خدائی تقویٰ اور اپنے مسلمان ساتھیوں سے حسنِ سلوک کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں اللہ کے منکرین سے جہاد کرنا۔ نہ عہد شکنی کرنا۔ نہ کسی قسم کی زیادتی کرنا۔ نہ کسی بچے، عورت، عمر رسیدہ بوڑھے اور اپنی عبادت گاہ میں گوشہ نشین شخص کو قتل کرنا کسی کھجور کے باغ کے قریب تک نہ جانا، نہ کسی درخت کو کاٹنا اور نہ کسی مکان کو منہدم کرنا۔"

رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے موتہ روانگی سے قبل مسلمان لشکر کو آپ کی یہ نصیحت ایک عظیم الشان نصیحت ہے جو اس قابل ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے اور تمام دنیا کی فوجوں کے سپہ سالار اس میں غور و فکر کریں اور اگر جنگ کے سوا کوئی چارۂ کار ہی باقی نہ رہے تو اس کے مفہوم پر حرف بحرف عمل کریں۔ کیونکہ اس زمانہ کی نئی گھمسان کی جنگوں میں ان امن پسند شہریوں پر جن کا جنگ میں کوئی بھی

[1] مدینہ سے بجانب شام تین میل پر واقع ایک مقام کا نام ہے ۱۲۔

دخل نہیں ہوتا۔ ظلم و تعدی اور شقاوت و تشدد کرنے میں جنگی حدود سے بہت تجاوز کیا جاتا ہے۔ ان کے مکانات برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ شہروں کو تہس نہس کر دیا جاتا ہے جس سے وہاں کے باشندے ایسی ہر انتہائی بربریت و شقاوت سے دوچار ہوتے ہیں جن کا ذہن میں تصور ممکن نہ ہو۔ پھر بے رحم حملہ آور بچوں، عورتوں، بوڑھوں، مذہبی لوگوں، مریضوں اور مجروحین کے ہسپتالوں کا بھی کوئی خیال نہیں کرتے (بلکہ بلا امتیاز سب کو بمباری سے تباہ کر دیتے ہیں)۔

یہ سب اس بیسویں صدی میں ہو رہا ہے جو تمدن و تہذیب اور علمی ترقی کا دور ہے۔ میں خبردار کرتا ہوں کہ مغربی متمدن ممالک اس عظیم الشان نصیحت میں غور و فکر کریں جو ایک ایسے قلب اقدس سے صادر ہوتی ہے جو انتہائی رحم و انسانیت سے لبریز ہے۔ اس میں آنحضرتؐ نے اپنے لشکر کو معاہدہ شکنی و خیانت، دشمن کے بچوں، ان کی عورتوں، بوڑھوں اور مذہبی لوگوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔ جو اپنی عبادت گاہوں میں گوشہ نشین ہوں۔ نیز درختوں کے کاٹنے اور دشمن کے مکانات کو منہدم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس میں امن پسندوں کے علاوہ میدانِ جنگ میں حملہ آوروں کے مکانات بھی شامل ہیں۔

پس جنگوں کے لئے اسلامی قانون یہ ہے اور وہ صرف انسانی قانون ہے اور یہ آنحضرتؐ کے وہ احکام ہیں جن کی مسلمان تعمیل کرتے ہیں اور آپ کی سنتوں کا اتباع کرتے ہیں۔

جب اسلامی لشکر مدینہ چھوڑ چکا اور دشمن نے اس کی آمد کی خبر سنی تو شرجیل بن عمرو غسانی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے رومیوں کی ایک لاکھ سے زائد فوج جمع کر لی۔ اس کے علاوہ قریب کے دوست قبائل کو بھی فوج میں شامل کر لیا۔ جب مسلمان ملک شام کے ایک مقام معان میں داخل ہوئے تو انھیں معلوم ہوا کہ ہرقل بلقاء کے علاقہ میں مآب کے مقام پر آ چکا ہے۔ چنانچہ وہ معان کے مقام پر دو دن تک ٹھہرے رہے اور اپنے معاملہ میں غور و فکر کرتے رہے اور باہم کہنے لگے کہ ہمیں آنحضرتؐ کی خدمت میں عریضہ بھیج کر آپ کو دشمن کی کثرت تعداد کی اطلاع دے دینی چاہیئے۔ پس آپ یا تو مزید مجاہدین بھیج کر ہماری مدد فرمائیں گے یا کوئی دوسرا حکم فرمائیں گے تو ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے تقریر فرما کر لوگوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دلایا اور فرمایا:۔

جس بات کو تم آج ناپسند کرنے لگے ہو وہ وہی تو ہے جس کے لئے تم نے یہ سفر کیا ہے اور وہ یہ کہ تم سب شہادت کے خواہشمند ہو۔ ہم مخالفین سے افراد کی تعداد، کثرت اور قوت کے بل بوتے پر

جہاد نہیں کرتے بلکہ ہم تو صرف اس دین کی سر بلندی کے لئے جہاد کرتے ہیں جس کے ذریعہ خدا نے ہمیں سر بلندی عطا فرمائی ہے۔ پس اس کا امکان ہے کہ خدا ہمیں غلبہ عطا فرما دے اور اگر کوئی دوسری صورت پیش آئی تو وہ شہادت ہی کی ہو سکتی ہے اور ہر دو صورتوں میں سے کوئی صورت بھی بُری نہیں ہے۔"

اس پر سب حاضرین بول اُٹھے کہ ابن رواحہ نے صحیح فرمایا ہے۔

چنانچہ یہ سب حضرات موتہ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں مشرکین کی فوج نے ہرقل کے بھائی اتیودور کی بیوی کی کمان میں انھیں اچانک آ گھیرا۔ یہ اتنی بڑی فوج تھی کہ اس سے قبل مسلمانوں کا اتنی بڑی فوج سے مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی جس کے پاس بے حد ہتھیار، گھوڑے اور دوسرے آلات حرب کے ذخائر موجود تھے۔ مزید برآں نصرانی عرب قبائل بنو بکر، بنو لخم، جذام وغیرہ کے ایک لاکھ افراد ان کے علاوہ تھے۔ پہلے ہی دن تینوں اسلامی سپہ سالار پیدل نبرد آزما ہوئے۔ اول حضرت زید بن حارثہؓ نے سپہ سالاری کا علم سنبھالا۔ ان کی ماتحتی میں مسلمان بہادری سے دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوئے یہاں تک کہ دشمن کے نیزہ کے وار سے حضرت زیدؓ شہید ہو گئے۔ تب اسلامی علم حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے سنبھالا جنھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ جاری رکھا۔ وہ ہر طرف سے جنگ کے شدید شعلوں میں گھر گئے تو گھوڑے سے اتر پڑے۔ اپنے گھوڑے کو ذبح کر ڈالا۔ پھر جنگ میں مصروف ہو گئے اور شہید ہو گئے۔

انھوں نے گھوڑے کو اس لئے ذبح کر ڈالا کہ کہیں ان کے بعد دشمن اسے حاصل کر کے اسی پر سوار ہو کر مسلمانوں سے مقابلہ نہ کرے۔ وہ علم سنبھال کر دشمنوں سے بے جگری کے ساتھ لڑے جس میں ان کا دایاں بازو کٹ گیا۔ تب انھوں نے بائیں ہاتھ سے علم سنبھالا۔ وہ بھی کٹ گیا تو کٹے ہوئے بازوؤں سے علم کو سینہ سے لگا کر بلند رکھا اور لڑتے رہے۔ یہانتک کہ آپ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر تلوار کے وار اور نیزہ کے کچوکوں کے ستر سے زیادہ زخم پائے گئے۔

پھر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے۔ پس آپ انکساری کا اظہار فرمانے لگے اور اپنے معاملہ میں متردد رہے۔ پھر گھوڑے سے اتر پڑے اور دشمن سے مقابلہ کرتے کرتے شہید ہو گئے[1]۔

[1] ان کا نام عبداللہ بن ثعلبہ بن امرئ القیس بن عمرو بن امرئ القیس الاکبر انصاری خزرجی تھا۔ یہ قبیلہ بنو حارث سے تھے (بقیہ بر صفحہ ۵۸۱)

سعید بن منصور نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے اس دن تینوں حضرات حضرت زید و جعفر و عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔ پھر انصار کے حلیف حضرت ثابت بن اقرم عجلانی بلوی ؓ نے علم سنبھالا جو غزوۂ بدر کے شرکاء میں سے تھے۔ انھوں نے قوم سے خطاب فرمایا کہ اے مسلمانو! اپنے میں سے کسی ایک شخص کی سرداری پر متفق ہو جاؤ۔ سب نے کہا کہ آپ ہمارے سپہ سالار بنیں۔ فرمایا: میں یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ آپ حضرت خالد بن ولید ؓ پر متفق ہو جائیں۔

صحیح روایت میں ہے کہ اس کے بعد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے علم سنبھالا اور حضرت خالد بن ولید ؓ نے شدید جنگ لڑی جبکہ ابھی ان کے اسلام پر تقریباً تین ہی ماہ گزرے[1] تھے۔

جب حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ شہید ہو گئے تو مسلمان منتشر اور شکستہ خاطر ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ کوئی دو مسلمان بھی یک جا نہ دیکھے جاتے تھے۔

لیکن حضرت خالد بن ولید ؓ سپہ سالاری کے منصب پر فائز ہونے اور علم سنبھالنے کے بعد ان سب منتشر افراد کو یک جا جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انھوں نے کمان ہاتھ میں لیتے ہی لشکر کے اگلے دستہ کو پچھلے دستہ کی جگہ بھیج دیا اور میمنہ (دائیں سمت کے دستہ) کو میسرہ (بائیں سمت کے دستہ) سے بدل دیا۔ اس پر دشمن کو خیال ہوا کہ مسلمانوں کے پاس کمک پہنچ گئی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵۸۰) ان کی کنیت ابو محمد، ایک قول کے مطابق ابورواحہ اور ایک قول کے مطابق ابو عمر تھی۔ ان کی والدہ کا نام کبشہ بنت واقد بن عمرو بن الطنابہ تھا۔ یہ بھی بنو حارث بن خزرج قبیلہ کی تھیں۔ یہ صحابی بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ قبیلہ بنو حارث بن خزرج کے چودھری تھے۔ غزوات بدر، اُحد، خندق، حدیبیہ، عمرۂ قضا اور تمام دوسری جنگوں میں آنحضرت ؐ کے ساتھ شریک رہے بجز فتح مکہ کے اور اس کی مابعد کی جنگوں کے۔ یہ آنحضرت ؐ کی طرف سے دفاع کرنے والے شعراء میں سے تھے۔ ان کے آنحضرت ؐ کی شان میں یہ دو اشعار درج ہیں:۔

اِنّی تفرّستُ فِیکَ الخَیرَ نَافِلَةً	میں نے آپ کی ذات میں کثیر عطایا و بخشش کی خوبی پائی۔
الله یعلم انی ثابتُ البَصَرِ	خدا علیم ہے کہ میں اپنی اس رائے میں صحیح النظر ہوں۔
انتَ الرّسولُ فَمَن یَحرُم نوافِلَه	آپ سچے رسول ہیں۔ جو شخص آپ کے عطایا و توجہات سے
والوجه منه فقد اَزرٰی به القدر	محروم رہا۔ وہ بڑا بدنصیب رہا۔

[1] حضرت خالد بن ولید نے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مل کر پہلی مرتبہ اس جنگ میں اپنے جنگی جوہر دکھائے تھے۔

ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت خالدؓ نے علم سنبھالتے ہی زبردست جنگ لڑی اور دشمنوں کو اتنا ذلیل و خوار کیا کہ وہ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ تب یہ بھی میدان سے واپس ہو گئے۔

ابنِ اسحاق نے بیان کیا ہے کہ اس غزوہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے لیکن دشمن کے مقتولین کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ یہ جنگ ایک ہفتہ تک جاری رہی۔

ادھر آنحضرتؐ نے اس لشکر کے مدینہ منورہ کو واپسی سے قبل ہی اپنے صحابہ کو میدانِ جہاد میں پیش آنے والے واقعات کی اطلاع دے دی۔ اس طرح کہ لوگوں میں منادی کرا دی کہ نماز جمعہ تیار ہے۔ پھر آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ پھر فرمایا:-

اے لوگو! بہتری کی خبر ہے۔ بہتری کی خبر ہے۔ میں تمھیں اس غازی لشکر کے حالات سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہ مجاہدین یہاں سے روانہ ہو کر دشمن سے برسرِ آزما ہوئے۔ پس حضرت زید شہید ہو گئے اور صحابہ نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔ پھر حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا اور دشمن پر سخت حملہ کیا۔ پھر وہ بھی شہید ہو گئے۔ پس ان کے لئے بھی سب نے دعائے مغفرت کی۔ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور ثابت قدمی سے لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے لئے بھی سب نے دعائے مغفرت کی۔ پھر حضرت خالد بن ولیدؓ نے علم سنبھالا۔ وہ میرے نامزد سپہ سالاروں میں سے نہ تھے بلکہ قوم کے منتخب کردہ سپہ سالار تھے۔ لیکن وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھے۔ پس وہ میدانِ جنگ سے مظفر و منصور واپس ہوئے۔ اسی دن سے حضرت خالدؓ کا لقب "سیف اللہ" پڑ گیا۔

بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ موتہ کے دن مسلمانوں کی فتح و کامیابی (صداقت اسلام کی) ایک واضح حقیقت ہے کیونکہ دشمن انھیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھا اور اس کی تعداد دو لاکھ سے بھی زیادہ اور صحابہ صرف تین ہزار تھے۔ دنیوی مروجہ طریق کے مطابق تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ مسلمان فوج کا آخری آدمی تک شہید ہو جاتا۔

اس غزوہ میں صحابہ کی ایک جماعت رومی لشکر کی غیر معمولی کثرت کو دیکھ کر مدینہ کی طرف فرار ہو گئی جنھیں دیکھ کر اہل مدینہ کہنے لگے کہ تم بھگوڑے ہو۔ لیکن آنحضرتؐ فرماتے رہے کہ نہیں بلکہ یہ لوگ دوبارہ حملہ آور ہونے والے ہیں۔ مدینہ کو پہلے سے واپس آنے والے بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان میں کا کوئی فرد جب اپنے ہی گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹاتا تو اس کے گھر والے دروازہ کھولنے سے

انکار کر دیتے اور اندر سے ہی کہتے کہ تم اپنے مجاہد ساتھیوں کے ساتھ کیوں میدانِ جنگ میں شریک رہے کہ وہاں رہ کر جہاد کرتے؟ یہاں تک کہ ان میں کے بعض لوگ تو شرم کی وجہ سے خانہ نشین ہو کر بیٹھ رہے کیونکہ جب بھی ان میں سے کوئی شخص باہر نکلتا تو لوگ اس پر آوازے کستے۔ پھر آنحضرتؐ ان کے پاس ایک ایک آدمی کو بھیجنے لگے (تاکہ یہ بدنمائی بتدریج رفع ہو جائے)

اس فوج کی خبر ہے کہ سب سے پہلے حضرت یعلی بن امیہؓ حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ جب یہ حاضر خدمت ہوئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو مجھے پہلے اطلاع دو اور اگر تم چاہو تو میں پہلے سب کچھ بتا دوں۔ عرض کیا" اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ نے وہاں کے واقعات میں سے ایک حرف بھی نہیں چھوڑا۔ وہاں کے واقعات بعینہٖ ایسے ہی پیش آئے جیسے آپ نے بیان فرمائے ہیں۔

لیکن مسٹر مویر نے اس روایت کو جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے میدانِ جنگ کے واقعات کی اطلاع پہنچنے سے پہلے ہی سب کچھ بیان فرما دیا تھا، خرافات قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک آنحضرتؐ کو میدانِ جنگ کی خبریں سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ کے مدینہ کی طرف فرستادہ قاصد کے ذریعہ ہی معلوم ہوئی تھیں۔ اس بنا پر آپ کا ان خبروں کا بیان کرنا کوئی معجزہ نہ تھا جیسے کہ مسلمان کہتے ہیں۔

لیکن جنگ پر روانگی سے قبل ہی آنحضرتؐ نے جو حضرات زید و جعفر و عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی پیشگی خبر دے دی تھی اور اسی ترتیب سے یہ حضرات شہید بھی ہو گئے تھے جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔ اس کے معجزہ ہونے پر انھوں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ حالانکہ ایک مؤرخ کی حیثیت سے ان پر فرض تھا کہ وہ اس مسئلہ پر بھی رائے زنی کرتے۔ یہ مناسب نہ تھا کہ اسے بلا تبصرہ چھوڑ دیں اور اسے نظر انداز کر دیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب انھوں نے دیکھا کہ آفتاب نصف النہار کی طرح یہ معجزہ بھی بالکل واضح ہے تو انھوں نے اس کا اعتراف کرنا مناسب نہ سمجھا۔

آنحضرتؐ کی متعلقین حضرت جعفرؓ سے غمگساری و ہمدردی فرمانا

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے کہ جس دن حضرت جعفرؓ اور آپ کے دوسرے ساتھی شہید ہو گئے تو آپ ہمارے گھر تشریف لائے اور فرمایا۔ جعفر کے بچوں کو

میرے پاس لاؤ۔ میں نے انھیں حاضر کر دیا۔ آپ نے انھیں سونگھا۔ پھر آپ کے آنسو بہ نکلے۔ ایک روایت میں ہے آپ رو پڑے۔ یہاں تک کہ آنسو آپ کی ریشِ مبارک پر بہنے لگے۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ کو حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کچھ معلوم ہوا ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ وہ آج شہید ہو گئے۔ کہتی ہیں۔ یہ سُن کر میں رونے چیخنے لگی اور محلّہ کی عورتیں میرے پاس جمع ہو گئیں۔ آنحضرتؐ مجھے سمجھانے لگے کہ اے اسماء! واویلا اور بے صبری کے کلمات نہ کہو۔ نہ اپنے چہرہ پر دوہتّڑ مارو۔ پھر دعا فرمائی:

"اے خدا! جعفر کو بہترین ثواب عطا فرما اور ان کی اولاد کو ان کا بہتر جانشین بنا جیسا کہ تو نے اپنے بندوں میں سے کسی کی خلف الصدق اولاد چھوڑی ہو"

پھر آپ اپنے گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا۔ تم خیال کر کے جعفر کے متعلّقین کے لئے کھانا تیار کرو۔ کیونکہ وہ اپنے مرحوم کے غم میں مبتلا ہیں۔

پھر آپ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ انھوں نے سُن کر کہا۔ ہائے میرے چچا۔ آپ نے فرمایا۔ واقعی جعفر جیسی شخصیت پر سب کو رونا ہی چاہیئے۔" پھر ان سے بھی فرمایا کہ جعفر کے متعلّقین کے لئے کھانا تیار کرو۔ کیونکہ آج شدّتِ غم سے وہ خود کو بھولے ہوئے ہیں۔ حضرت جعفر کے متعلّقین کے لئے جو کھانا تیار کیا گیا تھا وہی تعزیت کے کھانے کی اصل بُنیاد ہے۔ عرب اس کھانے کو "وضیمہ" (یعنی میّت کا کھانا) کہتے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابتؓ نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی شہادت پر ایک مرثیہ کہا ہے۔

فروہ بن عامر جذامی کا قبولِ اسلام

فروہ شاہِ روم کی طرف سے عرب کے ملحقہ علاقے معان کا حاکم تھا۔ اس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں اپنا سفید خچر بطور ہدیہ روانہ کیا۔ ساتھ ہی ایک قاصد کے ہاتھ اپنے قبولِ اسلام کا عریضہ بھی بھیجا۔ جب شاہِ روم کو ان کے قبولِ اسلام کا حال معلوم ہوا تو انھیں بلا کر اپنے پاس قید کر دیا اور رومی پبلک کو جمع کر کے سب کے سامنے انھیں فلسطین میں واقع عفری نامی کنوئیں کے پاس پھانسی دے دی۔ اس وقت انھوں نے یہ شعر کہے:۔

اَلا ھَل اَتیٰ سُلمیٰ باَنَّ حلیلَھا — آگاہ رہو کیا سلمیٰ تک بھی یہ خبر پہنچی ہے کہ اس کا شوہر عفری

علیٰ ماءِ عَفرٰی فوقَ اِحدی الرّواحِلِ — کنوئیں پر ایک عجیب سواری پر سوار ہے وہ ایک ایسی اونٹنی

علیٰ ناقۃٍ لم یضرِبِ الفحل اُمّھا — کی مانند ہے جس کی ماں سے اونٹ نے کبھی جفتی نہ کی ہو اور

مُشذّبۃً اَطرافُھا بالمناجِلِ — جس کے اطراف سب شاخیں درانتی سے کاٹ دی گئی ہیں۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ زہری کا یہ کہنا ہے کہ جب رومی انھیں پھانسی دینے کو ان کے قریب آئے تو انھوں نے یہ شعر کہا:۔

بَلّغ سُراۃَ المؤمنین باَنّنی — مومنوں کے معززین کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میں اپنی ہڈیاں

سِلمٌ لربّی اعظمی و بنانی — اور اپنے جوڑ جوڑ اپنے پروردگار کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

موسیو بر سیفال کا کہنا ہے کہ انھیں یہ سولی غزوۂ موتہ کے بعد ان کی غلطی کی سزا کے طور پر دی گئی تھی لیکن راجح قول یہی ہے کہ یہ سنہ ۹ھ میں فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ یہی سال اطراف واکناف سے وفود کی آنحضرتؐ کی خدمت میں باریابی اور عربوں کے خدا کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہونے کا سال تھا۔

○

حضرت عمرو بن عاصؓ کا سریہ

یا سریۂ ذات السلاسل[۱]

واقع جمادی الثانیہ ۸ھ م اکتوبر ۶۲۹ء

غزوۂ موتہ کا معرکہ جمادی الاولیٰ میں ہوا تھا جس کی کمان مذکورہ تین سپہ سالاروں کی شہادت کے بعد جن کا اوپر ذکر آچکا ہے حضرت خالد بن ولیدؓ نے سنبھالی تھی۔ اور وہ حال ہی میں حضرت عمرو بن عاصؓ کے ساتھ مشرف با سلام ہوئے تھے۔ اس معرکہ میں انھوں نے عظیم الشان رومی فوج کے مقابلہ میں اپنی اعلیٰ جنگی صلاحیت و مہارت کا سکہ بٹھا دیا تھا جس میں وہ صحابہ کے دل شکستہ ہو کر منتشر ہو جانے کے بعد انھیں دوبارہ جمع کر کے حملہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جبکہ اسلامی فوج کا کچھ حصّہ مدینہ منورہ کو واپس بھی ہو گیا تھا۔ پس حضرت خالدؓ اس جہاد سے صحیح سلامت واپس ہوئے اور مسلمانوں کو بہت تھوڑا خسارہ اُٹھانا پڑا۔

ماہ جمادی الثانیہ (م اکتوبر ۶۲۹ء) میں ایک ماہ بعد حضرت عمرو بن عاصؓ کی باری آئی۔ آنحضرت ﷺ نے انھیں بلی و عذرہ[۲] کے مقامات پر تین سو مہاجر و انصار کا سرِلشکر بنا کر بھیجا۔ جن کے ساتھ بیس گھوڑے تھے۔ اس کا سبب یہ ہوا تھا کہ قبیلہ قضاعہ کے کچھ لوگ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی نیت سے جمع ہوئے تھے اور ان کا قصد تھا کہ غزوۂ موتہ میں مسلمانوں کی شکست سے فائدہ اُٹھا کر مدینہ کے اطراف پہنچ کر حملہ آور ہوں۔

اس سریہ کا نام "ذات السلاسل" اس لئے رکھا گیا کہ مخالفین اسلام نے ایک دوسرے کو زنجیروں میں جکڑ کر زنجیرہ کا ایک سلسلہ بنا لیا تھا تاکہ کوئی میدان سے فرار نہ ہو سکے۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس کا یہ نام اس لئے پڑا کہ میدانِ جنگ کی جگہ "سلسل" نامی ایک کنواں تھا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے میرے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے کپڑے اور ہتھیار لے کر حاضر خدمت ہو جاؤں۔ جب میں حاضر ہوا تو فرمایا۔ اے عمرو! میں تمھیں ایک مہم پر سرِلشکر

نمبر۱ یہ مقام شام کی سرحد پر واقع ہے اس کے اور مدینہ کے درمیان دس دن کی مسافت ہے۔ م

نمبر۲ بلی و عذرہ کے شہر ذات القریٰ کے پرے واقع تھے۔ ان کے اور مدینہ کے درمیان دس دن کی مسافت تھی۔ بلی ایک بڑا قبیلہ تھا جو بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ کی طرف اور عذرہ، عذرہ بن قضاعہ کی طرف منسوب تھا۔ م

بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ تمھیں مالِ غنیمت بھی عطا فرمائے گا اور تمھیں محفوظ بھی رکھے گا۔

میں نے عرض کیا۔ میں مال کی خواہش میں اسلام نہیں لایا ہوں۔ فرمایا۔ حلال و طیب مال ایک صالح و متقی کے لئے بہترین نعمت ہے۔ پھر انھیں سفید علم اور اس کے ساتھ ایک سیاہ جھنڈی عطا فرمائی۔ وہ اپنے لشکر کو لے کر چلے۔ دن کو چھپ جاتے۔ راتوں کو سفر کرتے۔ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو انھیں خبر ملی کہ تعداد میں دشمن کی فوج بہت بڑی ہے۔ یہ خبر سن کر انھوں نے حضرت رافع بن مکیث جہنی کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیج کر امداد کی درخواست کی۔ پس آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو ان کی امداد کو روانہ فرمایا اور انھیں ایک علم عنایت فرمایا۔ ان کے ساتھ مہاجرین و انصار میں سے دو سو مجاہد جن میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے روانہ فرمائے اور حکم دیا کہ جا کر عمرو سے مل جائیں اور سب مل کر جہاد کریں۔ باہم کسی قسم کا اختلاف نہ کریں۔ وہاں پہنچ کر حضرت ابوعبیدہؓ نے لشکر کی کمان لینی چاہی جس پر حضرت عمرو نے کہا کہ آپ صرف میری مدد کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ لشکر کا سپہ سالار تو میں ہی ہوں۔ اس پر حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا۔ ایسا نہیں بلکہ میں اپنی فوج کا افسر ہوں۔ آپ اپنی فوج کے افسر ہیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ نرم مزاج اور دنیوی شان و شوکت اور حکومت سے لاپروا واقع ہوئے تھے اس لئے کہنے لگے۔ اے عمرو! مجھے آنحضرتؐ نے ہدایت فرمائی ہے کہ تم دونوں باہم اختلاف نہ کرنا۔ اس لئے اگر آپ میری اطاعت قبول نہیں کرتے تو مجھے آپ کی اطاعت منظور ہے۔ چنانچہ ابوعبیدہؓ ان کے تابع ہو گئے اور حضرت عمرو ہی نماز میں لوگوں کی امامت کرتے رہے۔ یہ لشکر روانہ ہو کر دشمن سے جا ملا اور اس پر سب نے مل کر حملہ کیا۔ دونوں فوجیں ایک گھنٹہ تک لڑیں پھر مسلمانوں نے انھیں شکست دے دی اور وہ ان سے مرعوب و ہیبت زدہ ہو کر منتشر ہو گئے اور اپنے اپنے شہروں کی طرف فرار ہو گئے۔ لیکن مسلمانوں کے مالِ غنیمت ہاتھ نہ آیا۔ مگر مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا۔

پھر حضرت عمرو بن عاصؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک قاصد بھیج کر آپ کو اپنے پہلے غزوہ میں اپنی فتح و ظفر کی اطلاع دی۔ نیز یہ کہ انھوں نے آنحضرتؐ کے اثر اور نفوذ کو ملک شام کی حدود میں پختہ و بلند کر دیا ہے۔ پھر وہ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

میں نے خاص حضرت عمرو بن عاصؓ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرتؐ نے انھیں جو ایسی قوم

کا سپہ سالار بنا کر بھیجا ہے جس میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ جیسی شخصیتیں شامل ہیں تو یہ آنحضرتؐ کے نزدیک آپ کی قدر و منزلت کی بنا پر ہے۔ عمروؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے آکر بیٹھا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کو کون سے حضرات زیادہ محبوب ہیں۔ فرمایا۔ عائشہؓ میں نے عرض کیا۔ میں عورتوں میں نہیں بلکہ مردوں میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا۔ حضرت عائشہؓ کے والد (حضرت ابو بکرؓ) میں نے عرض کیا۔ پھر کون؟ فرمایا۔ پھر عمر بن خطابؓ۔ پھر آپ نے چند اور حضرات کا نام لیا۔ پھر میں نے اس اندیشہ کی بنا پر کہ کہیں آپ میرا نام سب سے آخر میں نہ بیان فرمائیں مزید سوال سے سکوت اختیار کر لیا اور اپنے دل میں کہا کہ پھر کبھی آپ سے یہ سوال نہ کروں گا۔

○

سریۂ ابو عبیدہ بن جراح رضؓ

امام بخاریؒ نے اس سریہ کا نام غزوۂ سیف البحر[۱] بیان کیا ہے۔ نیز یہ سریہ سریۂ خبط کے نام سے مشہور ہُوا۔ جس کا واقعہ یہ ہُوا کہ آنحضرتؐ نے ماہِ رجب ۸ھ (م نومبر ۶۲۹ء) میں حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو تین سو مجاہدین کا سردار بنا کر جن میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے، جُہینہ کے علاقہ کی طرف بھیجا تا کہ قریش کے ایک قافلہ کو جا گھیریں۔ نیز جُہینہ کے قبیلہ سے جنگ کریں۔ اس موقع پر مسلمانوں کا زادِ راہ ختم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ شدید بھوک میں مبتلا ہو کر لکڑیوں سے درختوں کے پتے جھاڑ کر کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ پھر خدا نے ان کے لئے عنبر نامی ایک بہت بڑی مچھلی سمندر سے باہر پھینک دی۔ تب وہ اسے کھا کر سیر ہوئے۔

شعبان ۸ھ (م دسمبر ۶۲۹ء) کو آنحضرتؐ نے حضرت ابو قتادہؓ کو پندرہ مجاہدین کا افسر بنا کر نجد کی طرف بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ جنگی علاقہ میں جا کر قبیلۂ غطفان پر حملہ کریں۔ چنانچہ انھوں نے جا کر ان سے جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیا اور ان کے مویشی ہانک لائے۔

اسی سال شروع رمضان میں آنحضرتؐ نے انہی ابو قتادہ کو آٹھ مجاہدین کے ہمراہ مدینہ سے چھتیس میل کی مسافت پر بمقام اِضَم روانہ فرمایا تا کہ ان کی نقل و حرکت سے قریش کو یہ خیال پیدا ہو سکے کہ مسلمان ان کی طرف آ رہے ہیں اور اس طرح انھیں کسی جنگی تیاری کا موقع دیئے بغیر ان پر اچانک حملہ آور ہو سکیں۔ یہ تدبیر اس لئے اختیار کی گئی تھی کہ قریش نے آپ سے معاہدہ شکنی کی تھی۔

چنانچہ حضرت ابو قتادہؓ اپنے رفقاء کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ راہ میں عامر بن اضبط اشجعی سے ان کی ملاقات ہوئی جس نے انھیں اسلامی سلام کیا لیکن محلم بن جثامہ نے جن کا نام یزید بن قیس ہے اپنے اور اس کے درمیان کسی رنجش کی بنا پر اسے قتل کر دیا اور اس کا اونٹ اور دوسرا سامان قبضہ میں کر لیا۔ جب ان لوگوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں واپس آ کر واقعات کی اطلاع دی تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی :-

---

[۱] یعنی ساحل بحر یم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا

اے ایمان والو! جب تم جہاد فی سبیل اللہ کیا کرو تو مقابل کی اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو اور جس نے تمھیں سلام کر لیا اُسے یہ نہ کہا کرو کہ تم مومن نہیں ہو۔

اس آیت کے مفہوم و مراد میں بہت اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت مقداد کے بارے میں اور ایک قول کے مطابق غالب لیثی کے بارے میں نازل ہوئی۔

پھر حضرت ابو قتادہ اور آپ کے ساتھیوں کو کفار کی کوئی جماعت نہیں ملی اور انھیں خبر ملی کہ آنحضرتؐ مکہ کے ارادے سے مدینے سے روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ یہ حضرات آپ سے سقیا کے مقام پر جا ملے اور آپ کو مذکورہ واقعہ کی اطلاع دی۔ اس پر محلم نے آپ سے دعائے مغفرت کی درخواست کی۔ آپ نے تنبیہ کے طور پر فرمایا: "خدا انھیں نہ بخشے" تاکہ آئندہ دوسرے لوگ کسی مومن شخص کو قتل کر دینے میں لاپروائی سے کام نہ لیں۔ یہ سن کر محلم رونے لگے اور اپنی چادر کے پلوں سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے آنحضرتؐ کی محفل سے اٹھ کھڑے ہوئے اور شدتِ غم سے ساتویں ہی دن انتقال کر گئے۔

مورخ طبری نے بیان کیا ہے کہ محلم بن جثامہ نے آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی وفات پائی تو یہ ہوا کہ ان کی نعش کئی بار زمین میں دفن کی گئی مگر ہر مرتبہ زمین نے ان کی نعش کو باہر پھینک دیا۔ اس پر آنحضرتؐ کے حکم سے ان کی نعش دو پہاڑیوں کے درمیان ڈال کر اس پر پتھر ڈال دیئے گئے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ زمین ان سے بھی زیادہ گنہ گار و بدکردار شخص کی نعش کو قبول کر لیتی ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے تم لوگوں کو مومن کے قتل کے انجام کو بتانے کے لئے یہ عمل فرمایا ہے۔

غزوۂ فتح مکّہ

واقع رمضان ۸ھ (م جنوری ۶۳۰ء)

جب آنحضرتؐ اور قریش کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہو گیا تو فریقین کے درمیان طے شدہ شرائط میں یہ شرط بھی تھی کہ جو قبیلہ آنحضرتؐ کے معاہدہ و ذمّہ داری میں داخل ہونا چاہے وہ اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور جو قریش کے معاہدہ و ذمّہ داری میں داخل ہونا چاہے وہ اسمیں داخل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قبیلہ بنو بکر قریش کے معاہدہ و ذمّہ داری میں داخل ہو گیا اور قبیلہ خزاعہ آنحضرتؐ کے معاہدہ و ذمہ داری میں داخل ہو گیا۔

خزاعہ کے آنحضرتؐ کے معاہدہ میں داخل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ جب آنحضرتؐ کے دادا عبد المطلب کا اپنے چچا نوفل سے سقایہ کے چوک اور صحن پر جھگڑا ہوا تو قبیلہ خزاعہ عبد المطلب کا حلیف تھا۔ سقایہ کی خدمت اور اس سے متعلقہ زمین پہلے عبد المطلب کے قبضہ میں تھی جسے نوفل نے ان کے ہاتھ سے چھین لیا تھا۔ اس پر عبد المطلب نے اپنی قوم کو مقابلہ کے لئے آمادہ کرنا چاہا لیکن کوئی بھی ان کے ساتھ کھڑا نہ ہوا اور سب نے کہا کہ ہم آپ کے اور آپ کے چچا کے درمیان مداخلت کرنا نہیں چاہتے۔

پھر عبد المطلب نے اپنے ماموؤں بنو نجار کو لکھا تو ان میں سے ستر آدمی آئے اور انھوں نے نوفل سے کہا۔ اس بیت اللہ کے رب کی قسم! ہمارے بھانجے سے جو کچھ تم نے چھینا ہے وہ اسے واپس کر دو۔ ورنہ ہم تم پر تلوار کا بھرپور وار کریں گے۔ اس پر نوفل نے وہ حصّہ واپس کر دیا۔ پھر نوفل نے اپنے بھتیجے عبد شمس سے معاہدہ کر لیا اور عبد المطلب نے خزاعہ سے معاہدہ کر لیا۔ آنحضرتؐ اس واقعہ سے واقف تھے۔ صلح حدیبیہ کے دن خزاعہ قبیلہ والے آپ کے دادا عبد المطلب کی تحریر لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اُبی بن کعبؓ نے وہ معاہدہ آنحضرتؐ کو پڑھ کر سنایا تو آپ نے حسب سابق انھیں اس قدیم معاہدہ پر قائم رکھا۔

زمانۂ جاہلیت میں بنو بکر و خزاعہ کے درمیان بہت سی جنگیں برپا ہوئی تھیں۔ لیکن اسلام کے غلبہ کے بعد یہ دونوں فریق جنگ و جدل سے باز آ گئے۔

جب حُدیبیہ کی جنگ بندی کا واقعہ پیش آیا اور مسلمانوں اور قریش میں لڑائی ختم گئی تو بنوبکر کی ایک جماعت نے جنھیں بنو نفاثہ کہا جاتا تھا، اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان میں کے ایک شخص نے آنحضرتؐ کی ہجو کی اور ہجو کے اشعار گا گا کر پڑھنے لگا۔ یہ بات خزاعہ کے ایک غلام نے سُن لی۔ جو آنحضرتؐ کے معاہدہ میں داخل تھا اس نے اس پر مشتعل ہو کر اس پر حملہ کر کے اس کا سر پھاڑ ڈالا۔ جس کے نتیجہ میں دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ دشمنی ہر دو میں پہلے ہی سے چلی آ رہی تھی۔ پس بنو نفاثہ نے قریش کے سرداروں سے خزاعہ کے مقابلہ کے لئے آدمیوں اور ہتھیاروں کی مدد مانگی جو انھوں نے دے دی۔ یہ لوگ رات کو خزاعہ کے قبیلہ میں گھس آئے جو اپنے ایک کنوئیں پر اطمینان سے آرام کر رہے تھے۔ حملہ آوروں نے خزاعہ کے بیس یا تیئس آدمیوں کو قتل کر دیا اور قریش کے چند آدمیوں نے بھی چھپ کر اس حملہ میں حصہ لیا ان میں یہ لوگ شامل تھے۔

صفوان بن امیہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، عکرمہ بن ابی جہل، شیبہ بن عثمان، سہیل بن عمرو (یہ تمام حضرات بعد کو اسلام لے آئے)۔ یہ لوگ خزاعہ والوں سے لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ انھیں مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے گھر میں دھکیل آئے۔ جب قریش نے خزاعہ کے مقابلہ میں بنو بکر کی مدد کی اور ان کے اور آنحضرتؐ کے درمیان جو معاہدہ تھا اسے توڑ دیا تو پھر شرمندہ ہوئے اور حارث بن ہشام ابوسفیان کے پاس آئے اور انھیں اپنی قوم کے کرتوت کی اطلاع دی۔ انھوں نے کہا۔ یہ ایسا واقعہ ہے کہ میں اس میں موجود تھا، نہ غائب، لیکن واقعی یہ فتنہ ہے۔ واللہ! محمدؐ اب ہم سے ضرور جنگ کریں گے اور مجھ سے ہند بنت عتبہ (میری بیوی) نے بیان کیا ہے کہ اس نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ اس نے دیکھا ہے کہ حجون سے خون کا ایک سیلاب اُمڈتا ہوا آیا اور خندمہ پر آ کر رُک گیا۔ یہ سُن کر ان کی قوم کے لوگ سہم گئے۔

اس حادثہ کے بعد خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم خزاعی وہاں سے روانہ ہو کر آنحضرتؐ کی ملاقات کے لئے مدینہ آئے اور سیدھے مسجد نبوی میں پہنچے جہاں آنحضرتؐ صحابہؓ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ پس انھوں نے کھڑے ہو کر فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:۔

یارب انی ناشد محمدا	اے میرے پروردگار! میں حضرت محمدؐ کو اس عہد پر مطلع
حلف ابینا وابیہ الاتلدا	کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے اور ان کے آباؤ اجداد کے درمیان
قد کنتم ولدا وکنا والدا	پہلے طے پایا تھا جو ایک ہی گھرانہ کے افراد تھے۔ اے محمدؐ! اس وقت

ثم اسلمنا ولم ننزع يدا	آپ بچے تھے اور ہم آپ سے بڑے تھے پھر ہم اسلام لے آئے اور
فانصر هداك الله نصرا اعتدا	اس بیعت سے ہاتھ نہیں کھینچا۔ خدا آپ کو ہدایت دے۔ آپ ہماری
وادع عباد الله يأتوا مددا	بھاری مدد فرمائیں اور خدا کے دوسرے بندوں کو ہماری مدد کے لئے
فيهم رسول الله قد تجردا	بلائیں۔ ان کفار کے درمیان حضرت رسول اللہ تنہا گھر گئے ہیں
ان سيم خسفا وجهه تربدا	جب آپ کو ان کی طرف سے ایذا پہنچائی جاتی ہے تو رنج سے آپکا
فى فيلق كالبحر يجرى مزبدا	چہرۂ مبارک اُتر جاتا ہے۔ آپ ایک ایسی عظیم فوج کے قلب میں موجود
ان قريشا اخلفوك الموعدا	ہیں جو سمندری موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی چلتی ہیں۔ بلاشبہ قریش
ونقضوا ميثاقك المؤكدا	نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور آپ سے کیا ہوا تاکیدی معاہدہ تک توڑ
وجعلوا لى فى كداء رصدا	ڈالا۔ کفار نے ہمیں پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیا اور ہم پر
وزعموا ان لست ادعوا احدا	نگرانی قائم کر دی۔ انھیں یہ خیال ہو گیا کہ ہم کسی کو اپنی مدد کے لئے
وهم اذل واقل عددا	نہ بلا سکیں گے۔ حالانکہ وہ نہایت درجہ ذلیل وخوار ہیں اور گنتی میں
هم بيتونا بالوتير هجدا	بھی بہت کم ہیں۔ انھوں نے نماز تہجد کے موقع پر ہم پر شبخون مارا
وقتلونا ركعا وسجدا	اور رکوع وسجدے کی حالت میں ہم کو قتل کیا۔

یہ سُن کر آنحضرتؐ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آپ نے فرمایا۔ اے عمرو بن سالم! تمھاری ضرور مدد کی جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ سُن کر آنحضرتؐ اپنی ردائے مبارک کھینچتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ اگر میں نے تمھاری ایسی ہی مدد نہ کی جیسی خاص اپنی جان کی کرتا ہوں تو گویا میں نے تمھاری کچھ مدد نہ کی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ان کا ایسا ہی دفاع کروں گا جیسا خود اپنی جان اور اپنے اہل بیت کا کرتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ یہ سُن کر ایسے غصہ ہوئے کہ پہلے بنو کعب پر ایسا غصے ہوئے تھے۔ اس کے بعد عرصہ سے میں نے آپ کا ایسا شدید غصہ نہ دیکھا تھا۔ جب ان سے آپ کو حقیقت واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے عمرو بن سالم اور ان کے رفقاء کو حکم دیا کہ تم ابھی واپس چلے جاؤ اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں الگ الگ چھپ جاؤ۔ خزاعہ کے بر چالیس سوار تھے۔ آنحضرتؐ نے انھیں منتشر

ہو جانے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ آپ ان کی مدد کو مخفی رکھنا چاہتے تھے۔

اُدھر بدیل بن ورقاء قبیلہ خزاعہ کے چند آدمیوں سمیت روانہ ہو کر مدینہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بنو بکر نے جو ان کے آدمیوں کو قتل کیا تھا اور قریش نے ان کی جو مدد کی تھی اس سب واقعہ کی آپ کو اطلاع دی۔ پھر مکہ کو واپس ہو گئے لیکن ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ بدیل کے وفد نے آنحضرتؐ سے کیا درخواست کی اور آنحضرتؐ نے انھیں کیا جواب دیا۔

قریش کا ابُوسفیان کو مدینہ بھیجنا

آنحضرتؐ نے حاضرین سے فرمایا تم عنقریب ابُوسفیان کو آتا دیکھو گے جو معاہدہ حدیبیہ کو مستحکم کرنے اور اس کی مدت بڑھانے کے لئے آئیں گے۔ ادھر بدیل بن ورقاء اور اس کے ساتھی آنحضرتؐ سے رخصت ہو کر روانہ ہو گئے۔ راستہ میں بمقام عسفان ابُوسفیان سے ملاقات ہو گئی جنھیں قریش نے آنحضرتؐ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ معاہدہ حدیبیہ کو مستحکم اور اس کی مُدت میں توسیع کرائیں۔ کیونکہ وہ اپنی کرتوت کی وجہ سے خائف تھے۔ جب ابُوسفیان کی بدیل سے مُلاقات ہوئی تو انھوں نے اس سے پوچھا۔ اے بدیل کہاں سے آرہے ہو؟ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ضرور یہ آنحضرتؐ کے پاس سے آرہے ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ میں اس ساحل اور اس وادی میں خزاعہ کے قبیلہ میں گیا تھا۔ انھوں نے پھر پُوچھا۔ کیا تم محمدؐ کے پاس نہیں گئے تھے؟ انھوں نے کہا نہیں۔ جب بدیل مکہ پُہنچے تو ابُوسفیان نے کہا۔ اگر یہ مدینہ گئے ہوں گے تو ضرور وہاں اونٹوں کو کھجور کی گٹھلیاں کھلائی ہوں گی۔ چنانچہ ان کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ سے کچھ مینگنیاں لے کر انھیں چیر کر دیکھا تو ان میں سے گٹھلیاں نکلیں (اور یہ عرب کی ذہانت کی بات تھی) اس پر ابُوسفیان نے کہا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں بدیل ضرور حضرت محمدؐ کے پاس ہو کر آئے ہیں۔ پھر ابُوسفیان روانہ ہو کر مدینہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضری کے لئے پُہنچے تو پہلے اپنی بیٹی اور آنحضرتؐ کی زوجۂ مطہرہ حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیانؓ کے پاس پُہنچے۔ جب وہ آنحضرتؐ کے بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُم حبیبہؓ نے اسے لپیٹ دیا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا۔ اے میری بچی! واللہ! میں نہیں سمجھ سکا کیا تو نے اس بستر پر مجھے ترجیح دی ہے یا مجھ پر اس بستر کو ترجیح دی ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ بات یہ ہے کہ یہ جناب رسول اللہ کا بستر ہے اور آپ مشرک اور ناپاک ہیں اس لئے مجھے کچھ اچھا نہیں معلوم ہُوا کہ آپ جناب رسول اللہ کے بستر پر بیٹھیں۔ ابُوسفیان نے کہا۔ واللہ!

میرے بعد تو ایک بد اخلاقی و برائی میں مُبتلا ہو گئی ہے۔ انھوں نے کہا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ نے مجھے اسلام کا راستہ سمجھایا ہے اور آپ ابھی تک پتھر کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سُنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ اے میرے باپ! آپ جو قریش کے سردار اور اس کی بڑی شخصیت ہیں۔ آپ سے یہ بات نہایت تعجب خیز ہے۔ ابُوسفیان نے کہا۔ کیا میں اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمدؐ کے مذہب کا اتباع کرنے لگوں؟ پھر یہ وہاں سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے تجدید معاہدہ اور جنگ بندی کی مدّت میں توسیع کی درخواست کی۔ لیکن آنحضرتؐ نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر یہ وہاں سے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ آنحضرتؐ سے ان کے مقصد کی تائید میں گفتگو کریں۔ انھوں نے عُذر کر دیا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ پھر وہ حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں آئے اور ان سے بھی اس بارے میں گفتگو کی۔ انھوں نے جواب دیا۔ بھلا میں آنحضرتؐ سے تمھاری سفارش کر سکتا ہوں۔ واللہ! اگر میرے ہاتھ میں کسی کے درخت کی چھڑی ہوگی تو میں اسی سے تم سے جہاد کروں گا۔ پھر یہ وہاں سے رخصت ہو کر حضرت علی بن ابی طالبؓ کے پاس آئے۔ ان کے پاس اس وقت آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ جن کے سامنے ان کے کمسن صاحبزادے حسن بن علی زمین پر گھٹنیوں چل رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا۔ اے علی! آپ تمام قوم سے زیادہ مجھ پر مہربان اور سب سے زیادہ میرے قریبی عزیز ہیں میں آپکے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جیسا میں آیا ہوں ویسا ہی ناکام واپس ہو جاؤں۔ وہ ضرورت یہ ہے کہ آپ آنحضرتؐ سے میری سفارش کر دیں۔ انھوں نے جواب دیا۔ اے اُبوسفیان! تم پر افسوس ہے۔ واللہ! آنحضرتؐ نے ایک کام کا عزم فرما لیا ہے۔ اس لئے ہماری مجال نہیں کہ اس میں آپکے سامنے لب کشائی کر سکیں۔ پھر وہ حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے محمدؐ کی صاحبزادی! کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے اس چھوٹے صاحبزادے کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کی فریادرسی کریں اور انھیں پناہ دیں۔ انھوں نے فرمایا۔ واللہ ابھی میرا یہ کمسن بچہ اس عمر کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کو پناہ دے سکے۔ پھر آنحضرتؐ سے بالا ہو کر کوئی بھی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ یہ سُن کر وہ کہنے لگے۔ اے ابوالحسن! میں دیکھ رہا ہوں کہ معاملہ ہمارے خلاف شدّت اختیار کر چکا ہے۔ پس آپ ہی مجھے نصیحت کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ آپ نے جواب دیا۔ واللہ! میں خود کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا جو آپ کو بچا سکے۔ لیکن آپ بنی کنانہ کے سردار ہیں اس لئے کھڑے ہو جائیے اور باہم لوگوں میں صلح پسندی کا اعلان

کر دیں۔ پھر اپنے شہر کو لوٹ جائیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے مجھے کچھ فائدہ پہنچ سکے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ نہیں میرے خیال میں کوئی فائدہ تو نہیں پہنچ سکے گا لیکن اس کے سوا کوئی اور تدبیر میرے ذہن میں نہیں آتی۔ پس ابوسفیان مسجد پہنچے اور اعلان کیا۔ "اے لوگو! میں آپس میں صلح کا اعلان کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں کہ ابوسفیان کا مدینہ جانے سے یہ مقصد تھا کہ وہ معاہدۂ حدیبیہ کو مزید مستحکم کریں اور اس کی مدت میں توسیع کرالیں۔ لیکن آنحضرتؐ نے ان سے منہ موڑ لیا اور ان کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ پھر انھوں نے حضرات ابوبکر و عمر و علی و فاطمہ رضی اللہ عنہم سے بھی کامل روگردانی کا طرزِ عمل دیکھا اور کسی نے ان سے کسی قسم کا بھی وعدہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ ناامید ہو کر رنجیدہ و افسردہ واپس ہو گئے۔ بہرحال وہ یہ جان گئے تھے کہ بنو بکر کی ظلم و زیادتی اور اس ظلم میں قریش کی ایک جماعت کی طرف سے ان کی مدد کرنے کے مقابلہ میں آنحضرتؐ نے کسی بات کا پختہ ارادہ ضرور فرما لیا ہے کیونکہ قریش کا یہ عمل عہد شکنی تھا۔

بعض مستشرقین نے جو یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ابوسفیان کا آنحضرتؐ سے اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ آپ جب مکہ میں داخل ہوں گے تو اہلِ مکہ کی خونریزی سے احتراز فرمائیں گے اور ابوسفیان آپ کے ساتھ ہو کر اہلِ مکہ کو آپ کا مقابلہ کرنے سے روکیں گے تو اس خیال کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور کتبِ سیر کی کوئی روایت ایسی نہیں پائی جاتی جو اس اتفاق رائے پر روشنی ڈالتی ہو۔

انہی مستشرقین کا یہ بھی کہنا ہے کہ رسول اللہ مکہ فتح کرنے کے لئے کسی موقع کی تاک میں تھے۔ پس جونہی خزاعہ پر زیادتی ہوئی تو آپ نے غیظ و غضب کا اظہار فرمایا اور خزاعہ سے ان کے خون کا بدلہ لینے اور ان کی مدد کرنے کا وعدہ فرما لیا۔

حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ بنو بکر کا ظلم و زیادتی کرنا صریحاً عہد شکنی تھا۔ پھر آپ غصہ کیوں نہ ہوتے جبکہ آپ کے حلیف خزاعہ کے بیس سے زیادہ افراد قتل کر دیئے گئے تو خزاعہ نے آپ کا سہارا لیا اور آپ سے درخواست کی کہ آپ انھیں دشمن کے اس ظلم سے نجات دلائیں اور اس امر کی کہ ابوسفیان بغیر کسی سمجھوتہ کے واپس لوٹے ایک واضح دلیل یہ ہے کہ جب وہ قریش کے پاس آئے تو انھوں نے ان سے سوال کیا کہ کیا خبر ہے؟ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے گفتگو کی لیکن خدا کی قسم آپ نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکرؓ) کے پاس گیا لیکن وہاں

بھی مجھے کچھ بہتری نظر نہ آئی۔ پھر میں عمر بن خطابؓ کے پاس پہنچا تو انھیں سب سے زیادہ مخالف پایا۔ پھر علی بن ابی طالبؓ کے پاس پہنچا تو انھیں دوسروں کے مقابلہ میں بہت نرم پایا۔ انھوں نے مجھے ایک مشورہ دیا تھا۔ سو میں نے اس پر عمل کر دیا۔ واللہ! میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے اس عمل سے مجھے کچھ فائدہ پہنچے گا یا نہیں؟ قریش نے سوال کیا۔ انھوں نے تمھیں کیا مشورہ دیا تھا؟ کہا۔ انھوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ میں لوگوں میں باہمی صلح کا اعلان کر دوں۔ پس میں نے ایسا کر دیا۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا حضرت محمدؐ نے اس فعل کو جائز قرار دے دیا تھا؟ کہا نہیں۔ اس پر قریش نے کہا۔ تم پر افسوس ہے۔ واللہ علی نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ تم سے کھیل اور مذاق کیا۔ تم نے جو بیان کیا ہے اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ انھوں نے کہا۔ واللہ اس کے سوا مجھے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکا۔

مزید برآں جب ابوسفیان دیر تک واپس نہ ہوئے تو قریش نے ان پر سخت تہمت لگائی اور کہنے لگے کہ انھوں نے اپنا دین چھوڑ کر مخفی طور پر اسلام قبول کر لیا ہے مگر اپنے اسلام کو چھپا رکھا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ انھوں نے اپنا دین ترک کیا تھا، نہ آنحضرتؐ کا اتباع اختیار کیا تھا بلکہ ان کی مدتِ قیام اس لئے طویل ہو گئی تھی کہ وہ مہاجرین و انصار صحابہ سے گفتگو کرنے اور ان سے یہ درخواست کرنے میں مصروف رہے کہ وہ ان کی آنحضرتؐ کی بارگاہ میں سفارش کر دیں لیکن جب ان کا انتظار طویل ہو گیا تو ان سے کامل ناامیدی ہو گئی تو کوئی فائدہ حاصل کئے بغیر مکہ واپس ہو گئے۔

آنحضرتؐ کی مکہ پر یلغار کی تیاری

آنحضرتؐ نے مکہ پر ایک لشکر جرار لے کر چڑھائی کرنے کی خفیہ طور تیاری شروع فرما دی اور آپ خدا سے یہ دعا مانگنے لگے: "اے میرے خدا! کفار کے کانوں اور آنکھوں کو بند کر دے۔ پس وہ ہمیں اچانک ہی دیکھیں اور ہماری آمد کی خبر یکایک ہی سنیں۔ پھر حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ ہمارے سفر کا توشہ تیار کر دو۔ مگر اس معاملہ کو مخفی رکھنا۔ پس میں نے گندم، ستو اور آٹا تیار کر دیا۔ آپ نے یہ تیاری کسی سے مشورہ کرنے سے پہلے ہی شروع فرما دی تھی۔ پھر بعد میں حضرت ابوبکرؓ کو خبر دی کہ قریش پر حملہ کا ارادہ رکھتا ہوں لیکن اے ابوبکر اس خبر کو صیغۂ راز میں رکھنا۔ پھر آپ نے سب لوگوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ لیکن انھیں یہ نہیں بتایا کہ آپ کدھر کا قصد رکھتے ہیں۔ پھر آپ نے دیہات کے بدوؤں اور ان کے آس پاس بسنے والے ہر سمت کے مسلمانوں کے پاس قاصدوں سے یہ پیغام کہلا بھیجا کہ ہر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول

پر ایمان رکھتا ہو وہ ماہ رمضان میں مدینہ میں حاضر ہو جائے۔" اور آپ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے مکہ کی طرف کوچ کرنے کا مشورہ کر لینے کے بعد اجتماع مجاہدین کا اعلان عام فرمایا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے مشورہ دیا تھا کہ آپ اہل مکہ پر حملہ کے لئے کوچ نہ فرمائیں۔ کیونکہ وہ آپ ہی کی قوم ہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے آپ کو اس جہاد پر آمادہ کیا اور عرض کیا "یہی لوگ کفر کے سرغنہ ہیں۔ انھوں نے ہی یہ کہا ہے کہ آپ نعوذ باللہ جادوگر اور کذاب ہیں" پھر ان کی تمام برائیاں بیان کرنے کے بعد کہا "خدا کی قسم! عرب والے ہرگز نہ جھکیں گے جب تک مکہ والے نہ جھک جائیں گے۔" یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہیں جو اللہ کے معاملہ میں معمولی سے کہیں زیادہ نرم تھے۔"

اور عمر حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہیں جو اللہ کے معاملہ میں پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے۔ واقعی صحیح مشورہ عمر ہی کا ہے۔"

پھر آپ نے جواسیس کو حکم دیا کہ وہ ہر راستے پر ایک جماعت کو متعین کر دیں۔ تاکہ وہ ہر راہ گیر کو پہچان لے اور ان لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر تم پر کسی اجنبی اور مشتبہ شخص کا گزر ہو تو اسے آگے نہ آنے دینا بلکہ واپس کر دینا۔

حضرت حاطبؓ کا مکہ کی طرف خط بھیجنا

جب لوگوں کو آنحضرتؐ کی مکہ کی طرف روانگی کا علم ہو گیا تو بنو اسد کے حلیف حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدریؓ نے مکہ کی طرف ایک خط لکھا جس میں قریش کو آنحضرتؐ کے مکہ پر حملہ آور ہونے کی خبر دی تھی[1] اور یہ خط ایک عورت[2] کے ہاتھ بھیجا تھا جسے انھوں نے اس کام کے لئے دس دینار اور ایک چادر کے عوض مامور کیا تھا اور اسے تاکید کی تھی کہ جہاں تک ہو سکے اس خط کو پوشیدہ رکھنا اور عام راستے سے مت جانا۔ کیونکہ اس پر دیکھ بھال کرنے والے نگران کار مامور ہیں۔ اس عورت نے اس خط کو سر کی مینڈھیوں میں رکھ لیا تاکہ کوئی اس پر مطلع نہ ہو سکے۔ پھر یہ وہاں سے نکل کر عام راستے کو چھوڑ کر غیر معروف

---

[1] انھوں نے قریش کے تین سرداروں سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کو اطلاع دی تھی۔ م

[2] اس عورت کا نام سارہ تھا۔ یہ بنو عبدالمطلب کی کنیز تھی۔ آئندہ ان کا ذکر آئے گا جن کا خون بہانا فتح مکہ کے دن مباح قرار دے دیا تھا۔ م

راستوں سے روانہ ہوئی۔ آنحضرتؐ کو حاطب کے اس عمل کی اطلاع وحی سے دے دی گئی۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی بن ابی طالب اور زبیر بن عوامؓ کو اس کے پیچھے روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے ایک عورت کے ذریعہ قریش کو ایک خط بھیجا ہے جس میں انھیں ہماری فوجی طاقت سے ڈرایا ہے۔ تم جاکر اس عورت کو تلاش کرو اور اس سے وہ خط حاصل کرکے اسے جانے دو۔ (واضح رہے کہ یہ وہی حاطب ہیں جو ۶ھ میں آنحضرتؐ کا پیغام لے کر شاہ مقوقس کے پاس گئے تھے)

اس حکم کے بعد یہ ہر دو صحابہ روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے بمقام خلیقہ بنی ابی احمد اس عورت کو جا پکڑا اور اسے اُونٹ سے نیچے اُترنے کا حکم دیا۔ پھر اس کے کجاوہ میں اس خط کو تلاش کیا مگر کچھ نہ ملا۔ پس حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا۔ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں، نہ جناب رسول اللہؐ نے جھوٹ بولا ہے نہ ہم نے۔ تو فوراً وہ چھپا ہوا خط نکال کر دے دے ورنہ ہم تیرے لباس کو ٹٹولیں گے۔

جب اس نے ان کی سنجیدہ کوشش اور یقین کو دیکھا تو کہا ذرا پرے ہٹ جاؤ۔ چنانچہ آپ ایک طرف ہو گئے۔ تب اس نے اپنے سر کی مینڈھیوں کو کھول کر ان میں سے وہ خط نکال کر آپ کو دے دیا جسے لے کر آپ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت حاطب کو بُلا کر دریافت فرمایا۔ اے حاطب! تم نے یہ کام کیوں کیا؟ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول پر دل سے ایمان رکھتا ہوں۔ مجھ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے لیکن واقعہ یہ ہوا کہ میں ایسا شخص تھا جس کا مکہ والوں میں کوئی کنبہ قبیلہ نہ تھا اور میرے اہل و عیال ان میں گھرے ہوئے تھے۔ پس میں نے ان پر یہ احسان کرنا چاہا (تاکہ وہ میرے متعلقین سے اچھا برتاؤ کریں۔) یہ سُن کر حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں کیونکہ یہ منافق ثابت ہوا (کہ اس نے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ اے عمر! تمھیں کیا خبر ہے کہ حق تعالیٰ اہل بدر کے حالات پر مطلع تھا۔ پھر بھی اس نے ان کی شان میں یہ فرمایا ہے

اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ — تم جو چاہے کرو۔ میں نے تمھیں بخش دیا۔

پھر حق تعالیٰ نے حاطب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی :-

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ — اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے متفقہ دشمن کو دوست نہ بناؤ۔

حاطب کے خط کا مضمون یہ تھا:۔

منجانب حاطب بن ابی بلتعہ بنام سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن اُمیہ۔

"امّا بعد۔ اے اہلِ قریش! آنحضرتؐ ایک عظیم الشان لشکرِ جرار لے کر تم پر چڑھائی کرنے آرہے ہیں۔ جو سیلاب کی طرح اُمڈا چلا آرہا ہے۔ واللہ۔ وہ اگر تنہا بھی تمھارے مقابلہ کو آتے تب بھی خدا انھیں فتح عطا فرماتا اور اپنا ان سے کیا ہوا وعدہ پُورا فرماتا۔ پس اب تم اپنے بارے میں سوچ سمجھ لو۔ والسلام۔"

ایک اور روایت میں خط کا یہ مضمون درج ہے:۔

"آنحضرتؐ نے لوگوں میں جہاد عام کا اعلان فرما دیا ہے۔ میرے نزدیک ان کا رُخ تمھاری ہی طرف ہے۔ میں نے مناسب خیال کیا کہ اس موقع پر تم پر کچھ احسان کر دوں۔"

بہرحال قریش کو یہ خط لکھنے میں آنحضرتؐ کا وہ راز فاش ہوتا تھا جسے آپ نے چھپانے کا حکم دیا تھا اور اگر حاطب غزوۂ بدر کے مجاہدین میں سے نہ ہوتے تو آنحضرتؐ ضرور انھیں سزا دیتے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ حضرت عمرؓ ان کی گردن اڑا دینا چاہتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ خدا تمھیں غارت کرے تمھیں معلوم تھا کہ آنحضرتؐ جاسوس بھیج رہے ہیں اور تم قریش کو خط بھیجتے ہو؟ پھر آنحضرتؐ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے اور مدینہ پر حضرت ابورہم کلثوم بن حصین بن خلفؓ[1] غفاری کو اور ایک قول کے مطابق حضرت ابن ام مکتومؓ کو اپنا قائم مقام امیر مقرر فرما گئے۔ حافظ دمیاطی نے دوسرے قول پر اپنا یقین ظاہر کیا ہے۔

آنحضرتؐ دس رمضان المبارک ۸ھ (ماہ ابتدا جنوری ۶۳۰ء) کو روانہ ہوئے اور آپ نے اور آپ کے ساتھ سب مجاہدین نے بھی روزہ رکھا۔ جب آپ عسفان وامج کے درمیان مقام کدید پر پہنچے تو وہاں روزہ افطار فرمایا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر دس ہزار مسلمانوں کی فوج کے ساتھ بمقام مرالظہران خیمہ زن ہوئے۔ آپ نے مدینہ کے اطراف تمام عربوں کی طرف اپنے قاصد بھیج کر انھیں جہاد کے لئے طلب فرمایا تھا۔ یہ قبائل یہ تھے۔ اسلم۔ غفار۔ اشجع۔ سلیم۔ اور آپ نے ہر طرف اپنے قاصد بھیج دیئے تھے۔ کہا گیا ہے کہ دس ہزار

---

[1] ابورہم بخاری کا نام کلثوم بن حصین ہے۔ یہ آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد اسلام لائے اور غزوۂ احد میں شریک ہوئے جہاں ان کے حلق میں دشمن کا تیر پیوست ہو گیا جس کے بعد ان کا نام منحور پڑ گیا۔ فتح کے سال آنحضرتؐ نے انھیں مدینہ پر اپنا قائم مقام مقرر فرمایا آنحضرتؐ کی واپسی تک یہ اس عہدہ پر رہے۔ یہ بیعت رضوان میں بھی شریک تھے۔ شجرۂ رضوان کے نیچے بیعت کی تھی اور آنحضرتؐ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں جہاد کیا تھا۔

مجاہدین تو صرف مدینہ سے جمع ہو گئے تھے، پھر دو ہزار اطراف کے عربوں میں سے آملے تھے۔ اس طرح اسلامی فوج کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ حتیٰ کہ مہاجرین و انصار میں سے کوئی بھی شرکت جہاد سے پیچھے نہیں رہا تھا۔ کتاب سیرت حلبیہ میں اس لشکر کی تعداد کا یہ نقشہ دیا گیا ہے:۔

مہاجر اور ان کے رفقاء	٧٠٠	گھوڑے ٣٠٠
انصار اور ان کے رفقاء	٤٠٠٠	″ ٥٠٠
قبیلۂ مزینہ و رفقاء	١٠٠٠	″ ١٠٠
قبیلہ اسلم و رفقاء	٤٠٠	″ ٣٠
قبیلہ جُہینہ و رفقاء	٨٠٠	″ ٥٠
مجموعہ	٦٩٠٠	″ ٩٨٠

لیکن یہ تعداد مشہور روایت سے بہت کم ہے۔ بلکہ صرف مدینہ سے جمع ہونے والی تعداد سے بھی بہت کم ہے۔

اس غزوہ میں آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات میں سے حضرت اُم سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ آپ کے ہمراہ تھیں۔ عصر کے بعد آپ نے کوچ فرمایا تھا۔ آپ نے مسلمان مجاہدین کی آسانی کی خاطر ختم رمضان تک روزے افطار فرمائے کیونکہ اگرچہ آپ رمضان ختم ہونے سے پہلے ہی مکہ مکرمہ پہنچ چکے تھے مگر آپ حالت جنگ میں تھے (اس لئے آخر تک روزے افطار فرمائے)۔

ادھر قریش سے آپ کی آمد کی خبریں بالکل پوشیدہ رہیں۔ حتیٰ کہ انھیں نہ آپ کی آمد کا علم ہو سکا نہ آپ کے عزائم کا پتہ چل سکا کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

اسی رات ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزامؓ اور بدیل بن ورقاء خزاعی آنحضرتؐ کی خبر معلوم کرنے

ؐ حکیم آنحضرتؐ کی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور حضرت زبیر بن عوام کے چچیرے بھائی تھے۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ جاہلیت و اسلام ہر دو زمانوں میں قریش کے معززین وذی وجاہت لوگوں میں تھے۔ جن کی اسلام سے تالیف قلوب کی ان میں سے تھے۔ واقعہ فیل سے تیرہ سال قبل پیدا ہوئے۔ ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں گزارے۔ ۵۴ھ میں حضرت معاویہؓ کے دور میں وفات پائی۔ جنگ بدر میں کفار کی طرف سے لڑے تھے شکست کھا کر نجات پائی۔ دار الندوہ ان کا تھا جسے حضرت معاویہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم کو فروخت کر کے سب خیرات کر دیئے۔ م

کے لئے مکہ سے روانہ ہو کر مقام مرالظہران پہنچے۔

ادھر حضرت عباسؓ بھی جو مکہ سے باہر نکلے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسفیان کو یہ کہتے ہوئے سنا۔" خدا کی قسم! میں نے آج جیسی آگ کبھی نہیں دیکھی۔" اس پر بدیل بولا۔ واللہ! یہ خزاعہ کی آگ ہے جس نے جنگ بھڑکائی ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ خزاعہ اس سے بھی زیادہ قابلِ ملامت و ذلیل ہے۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں۔ میں نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور اسے پکارا۔ اے ابوحنظلہ (یعنی اے ابوسفیان) جواب دیا۔ کیا ابوالفضل (حضرت عباسؓ) ہیں۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ کہا لبیک آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ کیا خبر ہے؟ میں نے کہا۔ یہ جناب رسول اللہ ؐ میرے پیچھے ہیں اور اتنا بڑا لشکر جرار لے کر تمھاری طرف آرہے ہیں کہ اس سے قبل اتنا بڑا لشکر لے کر کبھی تم پر چڑھائی نہ کی تھی۔ دس ہزار مجاہدین آپ کے ساتھ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ پھر آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ میں نے کہا۔ میرے اس خچر پہ میرے پیچھے سوار ہو جاؤ۔ تاکہ میں رسول اللہ ؐ سے تمھارے لئے امان طلب کر سکوں۔ کیونکہ خدا کی قسم! اگر انھوں نے تم پر قابو پالیا تو وہ ضرور تمھاری گردن اڑا دیں گے۔ چنانچہ وہ میرے پیچھے بیٹھ گئے۔ میں انھیں سوار کر کے رسول اللہ کے خچر کو دوڑاتے ہوئے آنحضرت ؐ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں جہاں جہاں مسلمانوں کی آگ پر گزرتا۔ لوگ مجھے دیکھ کر کہتے۔ یہ رسول اللہ کے چچا رسول اللہ ؐ کے خچر پر سوار جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ جب میرا گزر حضرت عمر بن خطابؓ کی آگ پر ہوا تو انھوں نے ابوسفیان سے کہا۔ خدا کی تعریف ہے جس نے ہمیں تم پر کسی معاہدہ و ذمہ داری کے نہ ہونے کی صورت میں تم پر قابو دے دیا ہے۔ وہ آنحضرت ؐ کی طرف دوڑے۔ ادھر میں نے بھی ابوسفیان کو لئے ہوئے تیزی سے خچر دوڑایا۔ یہاں تک کہ میں باب قبہ پر اترا اور عمر سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ کیونکہ ان کی سست رفتاری نے انھیں دیر میں پہنچایا۔

پھر حضرت عمرؓ آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ؐ! اللہ نے اسلام دشمن ابوسفیان کو از خود یہاں بھیج دیا ہے جبکہ ہمارا اس سے کوئی معاہدۂ امن ہے نہ اس کے تحفظ کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ اس لئے مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ؐ میں نے انھیں پناہ دے دی ہے۔ پھر میں نے آنحضرت ؐ کے پاس بیٹھ کر آپ کا سر مبارک

تھام لیا اور دل میں کہا کہ آج میرے سوا کوئی آپ سے سرگوشی نہ کر سکے گا۔ جب حضرت عمرؓ کا ابوسفیان کے بارے اصرار بڑھا تو میں نے کہا۔ اے عمر! بس اب جانے دو۔ خدا کی قسم! آپ اس لئے ایسا کہہ رہے ہیں کہ ابوسفیان بنی عبد مناف قبیلہ کے آدمی ہیں۔ اگر وہ بنو عدی بن کعب کے ہوتے تو آپ ایسا نہ کہتے۔ انھوں نے کہا۔ اے عباس! آپ بھی بس کریں۔ خدا کی قسم! جس دن آپ اسلام لائے تھے تو آپ کا اسلام لانا مجھے خطاب کے اسلام لانے سے بشرطیکہ وہ اسلام لاتے زیادہ پسند تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر خطاب اسلام لے آتے تو ان کے اسلام لانے کے مقابلہ میں آنحضرتؐ کو آپ کا اسلام زیادہ پسند تھا۔ اس نوبت پر آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا۔ جائیے۔ میں نے انھیں امن دے دیا اور کل صبح سویرے انھیں میرے سامنے پیش کرنا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ انھیں اپنے گھر لے گئے۔ دوسرے دن سویرے انھیں آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ انھیں دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ اے ابوسفیان تم پر افسوس ہے۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اس بات کو سمجھ لو کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ بہت رحم دل، حلیم الطبع اور شریف انسان ہیں۔ واللہ! مجھے یقین ہو گیا کہ اگر خدا کے سوا کوئی دوسرا ہوتا تو وہ مجھے کچھ فائدہ نہ پہنچا سکتا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے ابوسفیان تم پر افسوس ہے کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ بہت رحمدل، حلیم الطبع اور شریف انسان ہیں۔ رہا تسلیم رسالت، سو ابھی میرے دل میں اس معاملہ میں کچھ تردد[1] باقی ہے۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا تم پر

[1] مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں ان ابوسفیان کے کچھ حالات بیان کر دیں۔ ان کا شجرۂ نسب یہ ہے صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی۔ کنیت ابو حنظلہ۔ حنظلہ بیٹے کی نسبت سے۔ واقعۂ فیل سے بیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ قریش کے معزز سرداروں میں تھے۔ تاجر تھے۔ چھوٹے تجار کو اپنا اور دوسرے لوگوں کا سامان تجارت دے کر شام اور دوسرے عجمی ملکوں میں بھیجتے تھے۔ کبھی خود بھی جاتے تھے۔ سرداران قریش کے علمبردار تھے جس کا نام عقاب تھا۔ جب کبھی جنگ ہوتی تو قریش جمع ہو کر اس جھنڈے کو سردار کے ہاتھ میں دیتے۔ احد کے دن قریش کے سپہ سالار یہی تھے۔ یہ حضرت عباسؓ کے دوست تھے۔ فتح مکہ کی شب کو اسلام لائے۔ پھر آنحضرتؐ کے ہمراہ غزوۂ حنین و طائف میں شریک ہوئے۔ آنحضرتؐ نے حنین کے مال غنیمت میں سے انھیں سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا دیا۔ جیسا کہ دوسرے تمام مؤلفۃ قلوب لوگوں کی بوجہ نومسلمی دلداری کی جائے اکو بھی دیا اور ان کے ہر دو فرزندان یزید و معاویہ کو بھی حصہ دیا۔ طائف کے معرکہ میں ابوسفیان کی آنکھ (بقیہ بر صفحہ ۶۰۴)

ہلاکت ہو۔ اس سے پہلے کہ تمھاری گردن اُڑا دی جائے۔ جلدی سے کلمۂ شہادت پڑھ لو پس انھوں نے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔

پھر جب ابُوسفیان نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا تو آنحضرتؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا۔ اے عباس! آپ انھیں لے جائیں اور انھیں تنگ گھاٹی میں پہاڑ کی چوٹی پر بٹھا دیں تاکہ خدائی لشکر ان کے سامنے سے گزرے اور یہ اس کی شان و شوکت دیکھ سکیں) میں نے عرض کیا۔ یارسُول اللہؐ! ابُوسفیان ایک بڑائی پسند آدمی ہیں۔ پس آپ انھیں ان کی قوم میں کوئی نمایاں امتیاز عطا فرما دیں تو مناسب ہے۔ فرمایا۔ اچھا (اعلان کردیں کہ) جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا اُسے امن دیدیا جائیگا۔ جو شخص مسجد حرام میں پناہ لے گا وہ بھی امن میں رہے گا، جو اپنے گھر کے دروازے بند کرکے بیٹھ رہے گا۔ وہ بھی مامون رہے گا"۔

پس میں وہاں سے روانہ ہوا اور میں نے ابُوسفیان کو ایک تنگ گھاٹی میں پہاڑ کی چوٹی پر بٹھا دیا۔ اور مختلف قبائلی لشکر ان کے سامنے سے گزرنے شروع ہوئے۔ وہ پوچھتے جاتے تھے۔ اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے کہا سُلیم قبیلہ والے ہیں۔ انھوں نے کہا۔ مجھے سُلیم سے کیا تعلق۔ پھر دُوسرا قبیلہ گزرا تو انھوں نے پُوچھا۔ یہ کون ہیں۔ میں نے کہا۔ اسلم قبیلہ والے۔ انھوں نے کہا۔ ان سے میرا کیا تعلق۔ پھر قبیلہ جہینہ والے گزرے تو انھوں نے یہی کہا کہ میرا جہینہ سے کیا واسطہ۔ حتیٰ کہ آخر

(بقیہ صفحہ ۶۰۳) ضائع ہوگئی تھی۔ یونس بن عبید کا بیان ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عتبہ بن ربیعہ، ان کے بھائی شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام اور ابُوسفیان کی رائے نہ مانی جاتی تھی۔ مگر جب اسلام آیا تو ان کی رائے کی کوئی وقعت نہ رہی۔ روایت ہے کہ جب ابوسفیان اسلام لے آئے اور مسلمانوں کی کثرت دیکھی تو حضرت عباس سے کہا۔ تمھارے بھائی کی سلطنت بہت بڑی ہوگئی ہے۔ انھوں نے کہا۔ یہ نبوّت کی حکومت ہے۔ کہا۔ بیشک۔ جنگ یرموک میں ان کی دُوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ اسی لڑائی میں اپنے فرزند یزید کے جھنڈے تلے شریک ہوئے تھے۔ جب ابُوسفیان نابینا ہوگئے تو ان کے غلام انھیں پکڑ کر لے چلتے تھے۔ ۳۱ھ میں بعمر ۸۸ سال اور ایک قول کے مطابق بعمر ۹۳ سال وفات پائی۔

۲ جب آنحضرتؐ نے ابُوسفیان کو کلمۂ شہادت پڑھنے کی دعوت دی تو ابوسفیان نے کہا: اس مسئلہ میں مجھے ابھی کچھ تردد ہے یعنی انھیں آنحضرت کی رسالت میں ابھی کچھ اشتباہ باقی ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ اپنی گردن اُڑ جانے کے خوف سے فوراً ہی اسلام لے آئے اور آنحضرتؐ نے ان سے انتہائی تحمل اور نرمی کا معاملہ فرمایا۔

میں آنحضرتؐ اپنے سبز پوش[1] دستہ کے ساتھ گزرے جس میں زرہ پوش مہاجر و انصار شامل تھے۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں اور کچھ نہیں۔ ابُوسفیان نے پُوچھا۔ اے ابوالفضل! یہ کون لوگ ہیں۔ میں نے کہا یہ مہاجرین و انصار کے لشکر میں گھرے ہوئے آنحضرتؐ ہیں۔ ابُوسفیان نے کہا۔ اے ابُوالفضل واقعی تمھارے بھتیجے کی بڑی حکومت و شان قائم ہوگئی ہے۔ میں نے کہا۔ تم پر افسوس ہے۔ یہ حکومت نہیں بلکہ نبوت ہے۔ انھوں نے کہا۔ صحیح ہے۔ میں نے کہا۔ اب تم جاکر اپنی قوم کو ڈراؤ۔ پس وہ فوراً روانہ ہوکر مکہ پہنچے اور مسجد میں بآوازِ بلند اعلان کیا۔ اے قومِ قریش! یہ محمدؐ تم تک اتنا عظیم الشان لشکر لے کر آپہنچے ہیں کہ اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ لوگوں نے کہا۔ اب بس کرو۔ انھوں نے کہا۔ آج جو شخص میرے گھر میں آجائے گا اسے امن مل جائے گا۔ لوگوں نے کہا۔ افسوس ہے۔ تمھارا گھر ہمیں کیا بچاسکتا ہے۔ پھر انھوں نے کہا جو مسجد میں چلا جائے گا اسے بھی امن مل جائے گا اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرکے بیٹھ رہے گا وہ بھی امن میں رہے گا۔ یہ سُن کر لوگ اپنے اپنے گھروں میں بند ہوکر بیٹھ رہے اور کچھ مسجد حرام میں داخل ہوگئے۔ موسیٰ بن عقبہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عباس نے فرمایا ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے یہ بھی عرض کیا کہ یارسُول اللہؐ! میں نے ابوسفیان، حکیم اور بدیل کو بھی پناہ دے دی ہے۔ وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ فرمایا۔ بلاؤ۔ چنانچہ وہ حاضر ہوگئے اور رات گئے تک آپ کے پاس رہے۔ آپ ان سے مکہ کی خبریں معلوم فرماتے رہے۔ پھر انھیں اسلام کی دعوت دی اور یہ کہ وہ کلمہ لآاِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسُول اللہ پڑھ لیں۔ اس پر بدیل اور حکیم نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ لیکن ابوسُفیان نے کہا۔ میں اس کلمہ کو نہیں جانتا۔ واللہ ابھی میرے دل میں اس بارے میں تردد باقی ہے اس لئے میں اسے ابھی ملتوی کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا۔ اے ابُوسفیان! اسلام قبول کرلو۔ نجات پاجاؤ گے۔ انھوں نے عرض کیا پھر لات و عزیٰ کا کیا کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ ان پر پاخانہ کردینا۔ حضرت عمر حجرہ شریف سے باہر تھے حضرت عمرؓ نے یہ بھی کہا کہ اگر تم حجرہ کے باہر ہوتے تو میں یہ نہ کہتا۔ ابُوسُفیان نے کہا۔ افسوس ہے اے

[1] سبز پوش دستہ کا نام لوہے کی زرہ پہننے کی وجہ سے سبز پوش رکھا گیا تھا کیونکہ عرب سیاہی پر سبزی کا اطلاق کرتے تھے۔ جیساکہ ان کے محاورے میں سبز رنگ پر سیاہی کا اطلاق ہوتا تھا۔ ان زرہ پوشوں کی تعداد دو ہزار تھی۔ م

عمرؓ! تم بدزبانی کر رہے ہو۔ مجھے اپنے چچیرے بھائی (حضرت محمدؐ) کے ساتھ بات کرنے دو کہ میں ان ہی سے بات کر رہا ہوں۔

راستے میں آنحضرتؐ سے ابُوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب بھی ملے جو آپ کے چچیرے اور دودھ شریک بھائی بھی تھے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ نے ان کو بھی دُودھ پلایا تھا اور ان کے ہمراہ ان کا فرزند جعفر اور عبداللہ بن اُمیہ مخزومی آنحضرتؐ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے لڑکے بھی تھے جو آنحضرتؐ کی زوجہ مُطہرہ حضرت اُمّ سلمہؓ کے باپ کی طرف سے سوتیلے بھائی بھی تھے۔ کیونکہ حضرت اُمّ سلمہؓ کی والدہ عاتکہ بنت عامر بن قیس تھیں۔

کہا گیا ہے کہ یہ چار شخص شکل وصُورت میں آنحضرتؐ سے مُشابہت رکھتے تھے۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت حسن بن علیؓ، حضرت قثم بن عباس اور حضرت ابُوسفیان بن حارثؓ۔

ابو سُفیان برجستہ شعر کہنے والوں میں تھے۔ اس سے قبل وہ آنحضرتؐ کی ہجو میں اشعار کہہ چکے تھے جس کا حضرت حسّان بن ثابتؓ نے ان اشعار میں جواب دیا تھا:۔

الا ابلغ ابا سفیان عنی	خبردار رہو۔ ابوسفیان کو ببانگِ دُہل میرا یہ پیغام پہنچادو۔
مغلغلة فقد برح الخفاءُ	کہ اب امرِ نبوتؐ واضح ہو چکا ہے۔
هجوتَ محمدًا فأجبتُ عنه	تم نے محمدؐ کی ہجو کی تھی۔ میں نے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا
وعند الله فی ذاك الجزاءُ	انشاءاللہ مجھے اللہ کے یہاں اس کا بہتر صلہ ملے گا۔

ابُوسفیان اور ان کے ساتھی آنحضرتؐ کے پاس مکّہ اور مدینہ کی درمیانی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے آنحضرتؐ سے ان دونوں کے لئے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کے چچازاد بھائی اور پھوپھی زاد بھائی اور سالے حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ فرمایا مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میرے چچازاد بھائی نے تو میری عزت پر حملہ کیا۔ رہا میرا پھوپھی زاد بھائی اور سالہ سو وہ وہ شخص ہے جس نے مکّہ میں کیا کچھ کہا تھا (یعنی یہ کہا تھا کہ واللہ میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہ لاؤں گا جب تک آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر نہ چڑھ جائیں جسے میں دیکھتا ہوں۔ پھر آپ ایک مہر زدہ تحریر آسمان سے لے کر آئیں اور چار فرشتے آپ کے ساتھ آکر گواہی دیں کہ واقعی خدا نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے) جب ان دونوں کو آنحضرتؐ کے اس ارشاد کی اطلاع ہوئی اور ابوسُفیان کے ساتھ ان کا

چھوٹا بچہ بھی تھا۔ تو انھوں نے کہا۔ واللہ! یا تو رسول اللہؐ مجھے حاضری کی اجازت عطا فرمائیں ورنہ میں اپنے اس بچہ کا ہاتھ پکڑ کر ہم سب زمین میں گڑھا کر کے بیٹھ جائیں گے۔ حتیٰ کہ وہیں بھوک پیاس سے مر جائینگے۔ جب آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ کے دل میں ان کے لئے رحم پیدا ہو گیا اور آپ نے انھیں آنے کی اجازت دے دی۔ پس وہ دونوں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ پھر ابوسفیان نے اسلام کی شان میں اور اپنی سابقہ غلطیوں کی معذرت میں حسب ذیل اشعار کہے:۔

لعمرك انّی یوم اَحمِلُ رایةً — آپ کی عمر کی قسم ہے جس دن میں کُفر کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا
لِتَغلِبَ خیلُ اللّاتِ خیلَ محمّدٍ — تاکہ لات بُت کے سوار محمد کے سواروں پر غالب آجائیں۔
لکالمُدلِجِ الحَیرانِ اُظلِمَ لَیلُه — تو اس وقت اس ظلمت زدہ اور حیران و پریشان شخص کی مانند تھا
فهذا اوانی حین اَهدیٰ وَاَهتَدِی — جس کی راتیں اندھیری ہوں۔ اس کے بالمقابل ایک میرا یہ
وهادٍ هدانی غیرَ نفسی وَدَلَّنِی — زمانہ ہے جس میں میں نے راہِ ہدایت کو پالیا اور مجھے نیک ہدایت میسر ہو گئی
علی الله مَن طَرَّدتُ کلَّ مُطَرَّدِ — میں نے از خود ہدایت نہیں پائی بلکہ ایک ہدایت عطا فرمانے والی
اَصُدُّ وَاَنأیٰ جاهدًا عن محمد — ہستی نے مجھے راہِ مستقیم دکھائی اور اس ہستی نے مجھے خدا سے
وَاُدعیٰ ولولم انتَسِب من محمد — روشناس کرایا جسے پہلے ہم نے اپنے وطن سے جلاوطن کر دیا تھا۔
هُمُ ماهُمُ مَن لم یَقُل بهَواهم — میں حتی الوسع کوشش کر کے محمدؐ کے تقرب سے رکتا اور دُور بھاگتا تھا
وإن کان ذا رَاْيٍ یُلَمْ ویُفنَّدِ — مجھے آپکی طرف سے دعوت اسلام دی جاتی تھی اگرچہ مجھے آپ سے کوئی نسبت
اُرِیدُ لِاُرضِیهم ولَستُ بِلَائِطٍ — و رابطہ پیدا نہ ہوتا تھا۔ کفار تو ویسے ہی ہیں جیسے کہ وہ مشہور ہیں
مع القوم مالم اُهدَ فی کلِّ مَقعَدِ — جو شخص ان کے موافق نہ کہے وہ خواہ صاحب الرائے ہی کیوں نہ ہو
فَقُل لِثَقِیفٍ لا اُرِیدُ قِتالَها — وہ اس کی عیب جوئی کرتے اور اس پر ملامت کی بوچھاڑ کرتے ہیں
وقُل لِثَقِیفٍ تلك عیری اوعدی — جبتک مجھے ہدایت میسر نہ آئی تھی میں ہر جگہ انھیں خوش رکھنا چاہتا تھا
وماکنتُ فی الجیشِ الّذی نال عامرًا — اور ان سے بے رخی نہیں برتنا چاہتا تھا پس قبیلہ بنو ثقیف سے کہہ دیجئے کہ میں
وماکان عن جَرّیٰ لِسانی ولایدی — اُن سے جنگ نہیں کرنا چاہتا نیز ثقیف سے کہہ دیجئے کہ یہ میرا خالی قافلہ ہے
قبائلُ جاءَت من بلادٍ بعیدةٍ — اور ان سے میرا جنگ کرنے کا پختہ وعدہ ہے۔ میں اس جنگ میں شریک
نزائعُ جاءت مِن سهامٍ ومُرّدِ — نہ تھا جس نے عامر کو ذلیل کیا تھا میرے ہاتھ اور زبان سے کوئی اذیت نہیں پہنچی بلکہ یہ وہ قبائل تھے جو دور دراز مقامات سے آئے تھے اور یہ وہ جنگجو دستے تھے جو تیر و کمان اور زرہوں سے مسلح ہو کر آئے تھے۔

ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ جب ابُوسفیان نے آنحضرتؐ کے سامنے اپنا یہ مصرعہ پڑھا:-

ودلنی علی اللہ من طرّدتَ کلّ مُطرّدِ

تو آنحضرتؐ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا:-

انتَ طرّدتنی کلّ مطرّد ہاں تم نے بھی تو مجھے وطن سے بے وطن کر دیا تھا۔

جب ابُوسفیان بن حارث کو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضری کی اجازت مل گئی تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں سامنے کی طرف سے حاضر ہوں اور پیش ہو کر وہ کلمات ادا کریں جو حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں نے ان سے بطور معذرت کہے تھے۔

تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَ اِنْ کُنَّا لَخَاطِئِیْنَ خدا کی قسم۔ بے شک خدا نے آپ کو ہم پر فضیلت و برتری عطا فرمائی ہے اور ہم ہی غلطی پر تھے۔

کیونکہ آنحضرتؐ یہ بات پسند فرمائیں گے کہ ابُوسفیان سے بہتر کلمات ادا کرنے والا اور کوئی نہ ہو۔ چنانچہ ابُوسفیان نے ایسا ہی کیا۔ اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا:-

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ تم پر آج کوئی ملامت نہیں حق تعالیٰ تمہاری غلطی معاف فرما دے گا۔ وہ تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

رسُول اللہؐ کا اپنے صحابہ کو رمضان میں افطار کی اجازت دینا

آنحضرتؐ نے اس سفر میں روزے رکھے اس لئے کہ رمضان کا مہینہ تھا اور صحابہ نے بھی روزے رکھے۔ حتّٰی کہ جب یہ لشکر مقام کدید (عسفان و قدید کے درمیان ایک مقام ہے) پر پہنچا تو آنحضرتؐ نے روزے افطار فرما دیئے اور آپ کے منادی نے اعلان کر دیا کہ جو چاہے روزے رکھ سکتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہ رکھے۔ بعض دنوں میں آپ نے روزے کی حالت میں شدّتِ پیاس سے اپنے سر اور مُنہ پر پانی بہایا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرتؐ کدید پر پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ لوگوں پر روزہ رکھنا دشوار ہو رہا ہے اور وہ آنحضرتؐ کا عمل معلوم کرنے کے منتظر ہیں۔ پس آپ نے عصر کے بعد اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے پانی کا اور ایک قول کے مطابق دُودھ کا برتن منگایا اور اس سے پیا۔ پھر اپنے پاس والے

صاحب کو دیا۔ انھوں نے بھی پیا۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ روزہ دار ہیں۔ فرمایا۔ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ انھوں نے آپ کے روزہ نہ رکھنے کے حکم کے خلاف کیا ہے۔ آپ نے روزہ نہ رکھنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ مجاہدین دشمن کے مقابلہ میں طاقت ور رہ سکیں۔ نیز جب صحابہ دشمن کے قریب پہنچے تو آپ نے ان سے فرمایا۔ تم اب دشمن کے قریب پہنچ گئے ہو۔ اس حالت میں روزہ افطار کرنا تمھاری قوت کا باعث ہوگا۔ اس کے بعد سے آنخضرتؐ نے ختم رمضان تک روزے نہیں رکھے۔

بڑے چھوٹے جھنڈوں کی تیاری

آنخضرتؐ نے مقام قدید پر بڑے جھنڈے اور چھوٹی جھنڈیاں تیار کر کے قبائل کو بہ ترتیب ذیل عطا فرمائیں :-

بنو سلیم کو بڑا اور چھوٹا جھنڈا دونوں جھنڈے عطا فرمائے۔
بنو غفار کو صرف ایک بڑا علم عطا فرمایا۔
اسلم کو دو چھوٹے علم عطا فرمائے۔
بنو کعب کو صرف ایک بڑا علم عطا فرمایا۔
مزینہ کو تین چھوٹے علم عطا فرمائے۔
جہینہ کو چار چھوٹے علم عطا فرمائے۔
بنو بکر کی مسلمان جماعت کو ایک چھوٹا علم عطا فرمایا۔
اشجع کو دو چھوٹے علم عطا فرمائے۔

مسلمانوں کے لشکر کا آگ روشن کرنا

جب آنخضرتؐ مقام مرالظہران پر پہنچے تو صحابہ کو حکم دیا کہ وہ دس ہزار مشعلیں روشن کریں تاکہ قریش انھیں دیکھیں یا ان کی خبر سنیں تو ان کی کثرت سے مرعوب ہو کر ادھر کا رُخ نہ کریں اور حضرت عمر بن خطابؓ کو محافظ دستوں کا امیر مقرر فرمایا۔

مؤرخ واقدی نے لکھا ہے کہ جب آنخضرتؐ مکہ کی جانب روانہ ہوئے تو کچھ لوگ کہتے تھے کہ آپ قریش پر حملہ آور ہونے کا قصد رکھتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ آپ کا رُخ ہوازن قبیلہ کی طرف ہے، بعض لوگ کہتے تھے کہ آپ کا قصد قبیلہ ثقیف سے مقابلہ کا ہے۔ پھر آنخضرتؐ نے دعا کی کہ

اعدائے اسلام سے ہماری خبریں پوشیدہ رہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمالی۔ چنانچہ اہل مکہ کی سماعت و بصارت بیکار ہو کر رہ گئی اور انھیں آپ کی آمد کی خبر معلوم نہ ہوسکی لیکن وہ (حالات کی نزاکت سے) دل ہی دل میں رنجیدہ، غمگین اور خوف زدہ ہو رہے تھے۔

آپ نے حملہ آور لشکر مجاہدین کو بہت تیزی سے سفر کرایا۔ حتیٰ کہ آپ مقام مرالظہران تک جو مکہ سے ایک مرحلہ (بارہ میل) پر ہے ساتویں یا آٹھویں دن پہنچ گئے۔

جب ابوسفیان بن حرب نے آگ کی بہت سی روشنیاں دیکھیں تو کہا۔ میں نے اتنی کثیر روشنیاں کبھی نہیں دیکھیں اور نہ کبھی اتنا عظیم الشان لشکر دیکھا جتنا آج دیکھ رہا ہوں۔

آنحضرتؐ نے ہر قبیلہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے سردار کے جھنڈے کے پاس مجتمع رہے اور اپنی افرادی و اسلحہ کی قوت کا مظاہرہ کرے۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے فوجی دستوں کے ساتھ قدم و بازو ملا کر چلے۔ قبیلے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ اور دستے اپنے اپنے جھنڈوں کے ساتھ گزرے۔ چنانچہ تمام قبائل الگ الگ اپنے دستے بنا کر چلے۔ (جب یہ لشکر گزر رہا تھا تو ابوسفیان کھڑے ان کو دیکھ رہے تھے)۔

سب سے پہلے قبیلہ بنو سلیم کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ گزرے پھر ان کے بعد حضرت زبیر بن عوامؓ گزرے۔ پھر قبیلہ بنو غفار کا دستہ گزرا جس کا جھنڈا حضرت ابوذر غفاریؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ اسی طرح سلسلہ وار تمام لشکر گزرتا گیا مگر جب حضرت سعد بن عبادہؓ ابوسفیان کے سامنے سے گزرے تو کہا:

اے ابوسفیان! آج گھمسان کی جنگ کا دن ہے۔ آج کعبہ میں بھی خونریزی کی اجازت ہوگی۔"

ابوسفیان بولے۔ اے عباس! آج کے دن ہلاکت و بربادی کا کتنا اچھا موقع ہے۔"

کسی صحابی نے حضرت سعد بن عبادہؓ کی یہ بات سن لی اور آنحضرتؐ سے ان کا مقولہ بیان کر کے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! ہمیں اندیشہ ہے کہ حضرت سعدؓ قریش پر حملہ نہ کر دیں۔ آپ نے یہ سن کر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ سعدؓ سے مل کر ان سے علم واپس لے لیں اور ان کے فرزند حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ کو دے دیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ مبادا حضرت سعدؓ آزردہ خاطر نہ ہو جائیں۔ اس لئے علم ان سے لے کر ان ہی کے فرزند کو دینے کا حکم فرمایا۔

آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ آپ کا علم گھاٹی میں زمین میں نصب کر دیا جائے۔ حلبی نے اپنی کتاب سیرت

حلبیہ میں لکھا ہے کہ جس جگہ پر علم نصب کیا گیا تھا اس جگہ ایک مسجد تعمیر کر دی گئی جس کا نام علم والی مسجد رکھ دیا گیا۔"

آنحضرتؐ بالائی گھاٹی سے مکہ میں داخل ہوئے اور حضرت خالد بن ولیدؓ اور آپ کے دستہ کو زیریں گھاٹی سے داخل ہونے کا حکم دیا۔

بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ فتح مکہ کے دن مکہ کے بالائی حصہ سے اندر داخل ہوئے۔ آپ قصواء نامی اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ اسی پر آپ کے پیچھے حضرت اسامہ بن زیدؓ بھی سوار[1] تھے۔ آپ جب مکہ میں داخل ہوئے تو مسلمانوں کی کثرت اور اس عظیم الشان فتح کو دیکھتے ہوئے خدا کے سامنے اظہار عجز و نیاز کرتے ہوئے اپنی سواری پر سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے اور زبان سے یہ کلمات ادا فرماتے جاتے تھے :۔

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةَ — اے میرے خدا حقیقی زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے

آپ مکہ میں دوشنبہ کے دن داخل ہوئے اور سرخ منقش چادر کے ٹکڑے سے سر مبارک کو لپیٹے ہوئے تھے۔

مکہ کے داخلہ کے دن آپ کا چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا اور بڑا علم سیاہ رنگ کا تھا جس کا نام عقاب تھا جو حضرت عائشہؓ کی چادر سے بنایا گیا تھا۔ وہی علم غزوہ خیبر میں بھی تھا اور مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ نے غسل فرمایا تھا۔

آپ نے جملہ سرداران لشکر کو حکم دیا کہ جنگ سے باز رہیں۔ فرمایا "کسی سے مت لڑو بجز اس کے جو تم سے خود ہی جنگ میں ابتدا کرے۔" پس حضرت خالد بن ولیدؓ روانہ ہو کر مکہ کی زیریں گھاٹی سے مکہ میں داخل ہوئے وہاں قبائل بنو بکر، بنو حارث بن عبد مناف اور ہذیل کے کچھ لوگ جمع تھے جن سے قریش نے مدد چاہی تھی۔ انھوں نے حضرت خالدؓ سے لڑائی شروع کر دی اور انھیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے لگے۔ انھوں نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور حضرت خالدؓ پر تیر برسائے اور کہا کہ تم مکہ میں زبردستی داخل نہ ہو سکو گے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے اپنے ساتھیوں کو للکارا اور ان قبائل سے جنگ کر کے انھیں شکست فاش دے دی۔ اس مقابلہ

---

[1] یہ واقعہ آنحضرتؐ کی انتہائی انکساری پر روشنی ڈالتا ہے۔ کیونکہ حضرت اسامہؓ آپ کے خادم اور خادم زادے تھے۔ اگر آپ میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوتا تو ایسے عظیم الشان دن میں جبکہ لوگوں کی نظریں آپ پر لگی ہوئی تھیں۔ یہ عمل نہ فرماتے۔ م

میں بنو بکر کے تقریباً چوبیس آدمی اور ہذیل کے چار آدمی مارے گئے۔ حتیٰ کہ یہ لڑائی مکہ کے حزورہ نامی بازار تک پہنچ گئی۔ پھر مکہ کے کچھ لوگ تو اپنے گھروں میں گھس گئے اور ان کا ایک گروہ بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھ گیا۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ یہ دیکھ کر حکیم بن حزام اور ابوسفیان نے بآوازِ بلند کہا: "اے قوم قریش! کیوں بلاوجہ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہو۔ آج جو میرے گھر میں آجائے گا اسے امان حاصل ہوگی اور جو ہتھیار رکھ دے گا۔ وہ بھی امان میں رہے گا۔" یہ سن کر لوگ ہجوم در ہجوم اپنے گھروں کی طرف دوڑے اور گھروں کے دروازے بند کر لئے اور اپنے ہتھیار زمین پر ڈالتے گئے جسے مسلمان اٹھاتے جاتے تھے۔

اس موقع پر مسلمانوں میں سے صرف دو آدمی قتل کئے گئے جو غلطی سے راستہ بھٹک گئے تھے۔ ایک کرز بن جابر فہری، دوسرے خالد اشقر خزاعی۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ رضؓ نے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کی طرف سے اطمینان حاصل ہوجانے کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت خالدؓ سے فرمایا۔ میں نے تمھیں جنگ سے منع کیا تھا لیکن تم نے پھر بھی جنگ کی۔ انھوں نے عرض کیا۔ کفار ہی نے ہم سے جنگ میں پہل کی تھی اور ہم پر تیر برسائے تھے مجھ سے تو جہاں تک ہوسکا۔ میں نے اپنی طرف سے جنگ سے ہاتھ روکے رکھا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ "اللہ کا جو منشا ہو وہی بہتر ہے۔"

آپ مکہ میں بیس رمضان (٢م جنوری ٦٣٠ء) کو داخل ہوئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کی دو ازواج مطہرات حضرت ام سلمہ رضؓ اور حضرت میمونہ رضؓ تھیں۔ حضرت ام سلمہ کا نام ہند تھا۔ یہ بنو امیہ بن مغیرہ مخزومی کی دختر تھیں اور حضرت میمونہؓ حارث کی دختر اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی خالہ تھیں۔

وہ لوگ جنھیں قتل کر ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا

آنحضرتؐ نے بعض لوگوں کو امان میں داخل کرنے سے مستثنیٰ کر کے ان کے قتل کا حکم صادر فرمایا وہ کل پندرہ مرد و زن تھے جن کے اسماء درج ذیل ہیں:۔

١۔ عبداللہ بن ابی سرح بن حارث عامری (حضرت عثمان بن عفانؓ کے رضاعی بھائی)

٢۔ عبداللہ بن خطل ٣۔ عکرمہ بن ابی جہل ٤۔ حویرث بن نقید

٥۔ مقیس بن صبابہ ٦۔ ہبار بن اسود بن مطلب ٧۔ کعب بن زہیر بن ابی سلمی مزنی

۸۔ حارث بن ہشام مخزومی۔ ابوجہل کے حقیقی بھائی۔ ۹۔ زہیر بن اُمیہ مخزومی۔ اُمِّ سلمہ کا بھائی

۱۰۔ صفوان بن اُمیّہ بن خلف جمحی ۱۱۔ وحشی بن حرب حضرت حمزہؓ کے قاتل

یہ تو مرد تھے، عورتیں یہ تھیں:۔

۱۲۔۱۳۔ دو گانے والی عورتیں جو عبداللہ بن خطل کے پاس تھیں اور آنحضرتؐ اور دُوسرے مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گایا کرتی تھیں۔

۱۴۔ سارہ۔ بنو مطلب بن عبدِ مناف کی باندی۔

۱۵۔ ہند بن عتبہ۔ ابُوسفیان کی بیوی اور حضرت معاویہؓ کی والدہ۔

بعد میں ان میں سے اکثر اسلام لے آئے۔ ہم ذیل میں ان کے خُون مباح کرنے کے اسباب بیان کرتے ہیں:۔

(۱) عبداللہ بن ابی سرح پہلے اسلام لے آئے تھے۔ مگر پھر یہ مُرتد ہو کر مکّہ چلا گیا اور آنحضرتؐ کی شان میں گستاخانہ باتیں کرنے لگا۔ اس لئے فتح مکّہ کے دن آپ نے اس کا خُون بہانا جائز قرار دے دیا۔ جب انھیں اس کا علم ہُوا تو حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس جاکر پناہ لی جو ان کے رضاعی بھائی تھے اور ان سے عرض کیا۔ اے برادر! قبل اس کے کہ حضرت رسُول اللہؐ میری گردن اُڑا دیں۔ آپ میرے لئے ان سے امن حاصل کر لیں۔ پس حضرت عثمانؓ نے انھیں چھپا لیا۔ جب حالات پُرسکون ہو گئے اور لوگ اپنی اپنی جگہ مطمئن ہو گئے تو حضرت عثمانؓ انھیں ساتھ لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا یا رسُول اللہ! میں نے انھیں پناہ دے دی ہے۔ پس اب ان سے بیعت لے لیجئے۔ آنحضرتؐ نے یہ سُن کر چند مرتبہ ان سے مُنہ موڑ لیا۔ پھر فرمایا۔ اچھا۔ یہ فرما کر اپنا دستِ مُبارک بڑھا دیا اور انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام قبول کر لیا اور اسلام پر بہت اچھی طرح عمل پیرا رہے اور کتاب سیرت حلبیہ میں اس طرح مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے ابن ابی سرح کے قتل کا حُکم اس لیے دیا تھا کہ وہ فتح مکّہ سے پہلے اسلام لے آئے تھے اور آنحضرتؐ کی وحی لکھا کرتے تھے۔ حال یہ تھا کہ آنحضرتؐ جب انھیں "سمیعًا بصیرًا" لکھواتے تو یہ اس کی بجائے "علیمًا حکیمًا" لکھ دیتے اور جب آپ "علیمًا حکیمًا" لکھواتے تو یہ "غَفُورًا رحیمًا" لکھ دیتے۔ یہ اسی قسم کی خیانتیں کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اُنھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ محمدؐ خود نہیں جانتے کہ وہ کیا فرما رہے ہیں نعوذُباللہ!

جب اس شخص کی خیانت ظاہر ہوگئی تو یہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکا اور مرتد ہوکر مکہ کو فرار ہوگیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب اس شخص نے یہ آیت لکھی: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۔ ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ تو یہ شخص انسانی تخلیق کی تفصیل سے متعجب ہوکر آنحضرتؐ کے لکھوانے سے قبل ہی برجستہ بول اُٹھا: فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

پھر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ یہی لکھ دو۔ کیونکہ آیت کا یہ جملہ اسی طرح نازل ہوا ہے۔ اس پر عبداللہ نے کہا۔ اگر محمدؐ نبی ہوتے تو یہ آیت ان پر نازل ہوتی لیکن نبی میں ہوں کیونکہ یہ آیت میرے قلب پر القا ہوئی ہے۔ اس کے بعد اسلام سے پھر کر مکہ چلا آیا۔ یہاں آکر قریش سے کہا کہ میں جس طرح چاہتا تھا محمدؐ کو پھیر دیتا تھا۔ اس طرح کہ وہ مجھ سے "عزیز حکیم" لکھواتے تو میں کہتا: "یا علیم حکیم" لکھ دوں۔ آپ فرماتے۔ ہاں۔ دونوں کلمے درست ہیں۔ اور جو کچھ میری زبان سے نکل جاتا، آپ بھی فرماتے۔ ہاں۔ یہی لکھ دو۔ ایسے ہی نازل ہوا ہے۔

مسٹر ورننگم نے اپنی تالیف "حیاتِ محمدؐ" میں یہ لکھ کر غلطی کی ہے کہ اس شخص کا نام عبداللہ بن سعد تھا۔ صحیح وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

۲۔ عبداللہ بن خطل۔ یہ فتح مکہ سے پہلے مدینہ حاضر ہوکر اسلام لے آئے تھے۔ ان کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ آنحضرتؐ نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا اور انھیں صدقات وصول کرنے کو بھیجا اور ایک مسلمان انصاری کو ان کی خدمت کے لئے ان کے ساتھ کر دیا۔ انھوں نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور خادم کو بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کرنے کا حکم دے کر سو گئے۔ جب یہ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ خادم نے کھانا تیار نہیں کیا بلکہ وہ بھی سو گیا۔ اس شخص نے غصہ میں آکر اسے قتل کر دیا اور اسلام بھی ترک کر دیا۔ یہ شخص شاعر تھا۔ اس کے بعد سے آنحضرتؐ کی ہجو میں اشعار کہنے لگا اور اس کی دو باندیاں تھیں جو ان اشعار کو گایا کرتی تھیں۔ فتح مکہ کے دن یہ شخص گھوڑے پر سوار ہوا۔ زرہ پہنی، نیزہ ہاتھ میں لیا اور قسم کھائی کہ محمدؐ کو کبھی بزورِ طاقت مکہ میں داخل نہ ہونے دے گا۔ لیکن مسلمانوں کے سوار دستوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا اور کعبہ میں جا ہتھیار پھینک کر اس کے پردوں سے لٹک گیا۔ آنحضرتؐ نے جب کعبہ کا طواف کیا تو اسے اس حال میں دیکھ کر حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ کعبہ کسی گنہگار کو پناہ نہیں دیتا اور نہ حد قائم کرنے سے روکتا ہے جو فرض ہے۔ پس اسے قتل کر دیا گیا۔ لیکن اس کے قاتل کے

نام میں اختلاف ہے۔

رہی اس کی دونوں گانے والیاں جن کے نام "فرتنا اور "قریبہ" تھے۔ ان میں سے قریبہ تو قتل کر دی گئی لیکن فرتنا کے لئے آنحضرت ؐ سے امان کی درخواست کی گئی جسے آپ نے امان دے دی۔ پس اس نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت عثمان رضؓ کے دورِ خلافت تک زندہ رہی۔

۳۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ آنحضرت ؐ نے اس کے قتل کر ڈالنے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ یہ آنحضرت ؐ کی عداوت میں سب سے زیادہ شدید تھا۔ جب اسے خبر ملی کہ نبی کریم ؐ نے اس کا خون مباح کر دیا ہے تو یہ وہاں سے فرار ہو گیا تاکہ اپنے آپ کو کنوئیں میں ڈال کر ہلاک کر دے یا ملک میں مارا مارا پھرے اور اسی میں جان دے دے۔ یا اس لئے بھاگا کہ بھوکا رہ کر یا ڈوب کر خودکشی کر لے۔ اس کی بیوی حضرت اُمِ حکیم رضؓ حارث بن ہشام رضؓ کی پھوپھی زاد بہن تھیں جو اس سے پہلے اسلام لے آئی تھیں۔ انھوں نے آنحضرت ؐ سے ان کی جان کی امان طلب کی۔ آپ نے امان دے دی اور فرمایا۔ وہ امان میں ہے۔ یہ اسے تلاش کرنے نکلیں اور اسے پا لیا اور اس نے ان کے ہمراہ واپس آکر آنحضرت ؐ کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد ان کا شمار اکابر صحابہ میں ہونے لگا۔ حضرت خالد بن ولید رضؓ ان کے چچا زاد بھائی تھے عکرمہ رضؓ جنگ یرموک میں شہید ہو گئے تھے۔

۴۔ حُویرث بن نُقید۔ آنحضرت ؐ نے اس شخص کا خون بھی مُباح قرار دے دیا تھا۔ کیونکہ یہ آنحضرت ؐ کی شان میں بڑی گستاخانہ باتیں کرتا اور آپ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا۔ جب آپ مکہ میں تھے تو آپ کو بہت اذیت پہنچایا کرتا تھا اور جب آنحضرت ؐ کی صاحبزادی صاحبہ حضرت زینب رضؓ نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو ان کے اُونٹ کو لکڑی چبھو کر بھڑکانے میں یہ بھی ہبار بن اسود کا شریک تھا اس لئے حضرت علی رضؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

۵۔ مقیس بن صبابہ۔ یہ پہلے اسلام لے آیا تھا۔ بعد کو اس نے ایک انصاری کو قتل کر ڈالا۔ جنھوں نے غزوۂ ذی قرد میں اس کے بھائی ہشام بن صبابہ کو دشمن کا آدمی سمجھ کر غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ پس یہ مقیس آیا اور اس نے بھائی کی خونبہا کی رقم بھی وصول کی۔ پھر ان انصاری کو بھی قتل کر ڈالا۔ پھر ترکِ اسلام کر کے قریش کے پاس واپس چلا گیا۔ اس لئے آنحضرت ؐ نے اس کا خون

مباح قرار دے دیا۔ چنانچہ اسی کی قوم کے ایک شخص نمیلہ بن عبداللہ لیثی نے اسے قتل کر دیا۔

۶۔ ہبار بن اسود۔ یہ شخص بھی مسلمانوں کی ایذا رسانی میں شدید تھا۔ جب آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ ہجرت کر کے مکہ سے روانہ ہوئیں تو یہ راستہ میں ان کے آڑے آیا اور ان کے اونٹ کو لکڑی مار کر بدکایا۔ جس کی وجہ سے حضرت زینب اونٹ پر سے ایک چٹان پر گر پڑیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ جس سے وہ بیمار رہنے لگیں۔ یہاں تک کہ اسی تکلیف سے وفات پا گئیں۔

حویرث بن نقید جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے وہ بھی اس مذموم حرکت میں اس کا شریک تھا۔ آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن ہبار بن اسود کا خون مباح قرار دے دیا۔ جس کی وجہ سے یہ وہاں سے بھاگ کر روپوش ہو گیا۔ پھر کچھ دن بعد خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور اسلام لے آیا۔ پس آنحضرتؐ نے معاف فرما دیا اور باوجودیکہ یہ شخص آپ کی صاحبزادی صاحبہ کی موت کا سبب بنا تھا لیکن نبی رحمتؐ نے مسلمانوں کو انھیں سب وشتم کرنے سے منع فرما دیا۔

۷۔ کعب بن زہیر۔ یہ شاعر تھا۔ آنحضرتؐ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔ اپنے بھائی بُجیر کو اس کے اسلام لے آنے کی وجہ سے شرم دلایا کرتا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اس کا خون مباح قرار دے دیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا ہے تو وہ ڈر گیا اور آنحضرتؐ کی فتح مکہ کے بعد مدینہ واپسی پر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا اور آپ کو اپنا وہ مشہور قصیدہ سنایا جس کا مطلع یہ ہے:۔

بَانَتْ سُعَادُ وَقَلْبِی الْیَوْمَ مَبْتُوْلُ میری محبوبہ سعاد مجھ سے دور چلی گئی اس لئے آج میرا دل بے قراری سے کٹا جا رہا ہے۔

اسی قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے:۔

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ
مُهَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ

بلاشبہ رسولِ اکرمؐ وہ نور ہیں جن کی روشنی سے اکتسابِ فیض کیا جاتا ہے۔ اور آپ اللہ کی تلواروں میں سے ایک (بے نیام) کھنچی ہوئی ہندی تلوار ہیں۔

جب وہ قصیدہ سناتے ہوئے اس شعر پر پہنچے تو آنحضرتؐ نے اپنی چادرِ مبارک جو آپ اوڑھے ہوئے تھے ان کی طرف پھینک دی۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس چادر مبارک کے عوض ابنِ زہیر کو

دس ہزار درہم دینے چاہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں آنحضرتؐ کی چادر مبارک کو جو آپ نے مجھے عطا فرمائی ہے کسی دوسرے کو دے کر اپنے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔ پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت معاویہؓ نے ان کے ورثہ کے پاس بیس ہزار درہم بھیج کر یہ چادر مبارک ان سے حاصل کر لی۔ یہ چادر مبارک بعد کو آنے والے سلاطین کے پاس منتقل ہوتی رہی جسے تمام خلفاء عید و جشن کے مواقع پر زیب تن کیا کرتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ یہ تاتاری حملہ میں ضائع ہو گئی۔

کعب بن زہیر بڑے فاضل شعراء میں سے تھے۔ علی ہذا ان کے والد زہیر، ان کے بھائی بجیر ان کے فرزند عقبہ بن کعب اور ان کے پوتے عوام بن عقبہ بھی پایہ کے شعراء تھے۔

۸۔ حارث بن ہشام۔ یہ شخص اور اس کا بیٹا عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام دونوں آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کرنے میں شدید تھے۔

۹۔ زہیر بن اُمیّہ۔ حارث بن ہشام کی طرح اپنے کفر میں شدید تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن ان دونوں کا خون مباح قرار دے دیا۔ یہ دونوں فرار ہو کر حضرت اُم ہانی بنت ابی طالب ہمشیرہ حضرت علیؓ کے گھر میں جا چھپے۔ انھوں نے انھیں پناہ دے دی۔ پھر آنحضرتؐ نے ان کی پناہ کو تسلیم کر لیا۔ تب یہ دونوں کو لے کر حاضرِ خدمت ہوئیں اور یہ دونوں مشرف باسلام ہو گئے۔ پھر ان کا اسلامی کردار مثالی اور بہترین رہا۔

۱۰۔ صفوان بن اُمیّہ۔ یہ حالتِ کفر میں آنحضرتؐ سے عداوت رکھنے اور آپ کی ایذا رسانی میں دوسروں سے بہت سخت تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ان کا خون بہانا جائز فرما دیا تھا۔ یہ سن کر یہ چھپ گئے اور ارادہ کیا کہ دریا میں کود کر خودکشی کر لیں۔ تب ان کے چچازاد بھائی حضرت عمیر بن وہب جمحی حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا۔ اے نبی اللہ! صفوان اپنی قوم کے سردار ہیں اور وہ یہاں سے بھاگ کر خود کو سمندر میں ڈالنے کے لئے چل پڑے ہیں۔ پس آپ سے درخواست ہے کہ آپ انھیں امان عطا فرما دیں کیونکہ آپ نے تو ہر سرخ فام و سیاہ فام کو امان عطا فرما دی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جا کر اپنے بھائی کو تلاش کر لاؤ۔ میں نے انھیں امان دی۔ عرض کیا۔ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرمائیں جسے دیکھ کر وہ آپ کی امان کی تصدیق کر سکیں۔ کیونکہ میں نے ان سے واپسی کی درخواست کی تھی۔ لیکن انھوں نے کہا۔ میں تمہارے ساتھ واپس نہیں آؤں گا جب تک تم کوئی

ایسی نشانی نہ لاؤ گے۔ جسے میں پہچان سکوں۔ پس آنحضرتؐ نے انھیں اپنا وہ عمامہ عطا فرما دیا جسے باندھے ہوئے آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ یہ اُسے لے کر بھائی کے پاس عین اس وقت پہنچے جب وہ سمندر میں جہاز پر سوار ہونے والے تھے۔ انھیں دیکھ کر صفوان نے کہا۔ مجھ سے دُور رہو۔ مجھ سے بات نہ کرو۔ انھوں نے کہا۔ اے صفوان! تم پر میرے والدین فدا ہوں۔ میں اس ہستی کے پاس سے تمھارے پاس آیا ہوں جو تمام بنی نوع بشر میں افضل، سب سے زیادہ حُسنِ سلوک کرنے والی، سب سے زیادہ نرم دِل اور سب سے بہتر ہستی ہے اور وہ تمھارے چچا زاد برادر بھی ہیں۔ ان کی عزت تمھاری عزت، ان کا شرف تمھارا شرف اور ان کی حکومت خود تمھاری حکومت ہے۔ کہا مجھے ان سے اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ انھوں نے کہا۔ وہ اس سے کہیں زیادہ درگزر اور مہربانی فرمانے والے ہیں۔ یہ کہہ کر انھیں وہ عمامۂ مُبارک دکھایا جسے وہ لے کر آئے تھے۔ پس وہ ان کے ساتھ واپس آ گئے اور حاضر خدمتِ اقدس ہو کر عرض کیا۔ یہ عمیر کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے امان بخشی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ انھوں نے سچ کہا ہے۔ عرض کیا۔ مجھے اپنے معاملہ میں رائے قائم کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت عطا فرماویں۔ آپ نے فرمایا۔ تمھیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔

جب آنحضرتؐ نے جنگ ہوازن پر جانے کا قصد فرمایا تو ان صفوان سے چالیس ہزار درہم بطور قرض طلب کئے۔ نیز ان کے پاس جتنی زرہیں تھیں وہ طلب فرمائیں۔ اُنھوں نے کہا۔ اے محمدؐ! کیا مجھ سے یہ سب زبردستی وصول کیا جا رہا ہے؟ فرمایا۔ نہیں۔ بلکہ مُستعار طلب کیا جا رہا ہے۔ جو واپس کیا جائے گا یا اس کی ضمانت دی جائے گی۔ پھر جب آنحضرتؐ جنگ ہوازن پر روانہ ہوئے تو یہ بھی آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ حالانکہ اس وقت تک شرک پر ہی قائم تھے۔ پھر جب آنحضرتؐ نے ہوازن کے اموالِ غنیمت حُنین میں پہنچ کر مجاہدین میں تقسیم فرمائے تو انھیں بھی تین مرتبہ کر کے سو سو اُونٹ (جملہ تین سو اونٹ) عطا فرمائے پھر آنحضرتؐ نے ان کی طرف دیکھا کہ یہ مجاہدین کو اس بات پر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں کہ انھیں اُونٹوں اور بکریوں کے بھرپور عطیات ملے ہیں تو آنحضرتؐ نے ان سے دریافت فرمایا۔ کیا تمھیں یہ پسند ہیں؟ عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا۔ یہ سب کچھ تمھارا ہے۔ پس صفوان نے ان لوگوں کے حصہ پر قبضہ کر لیا اور بول اُٹھا کہ بادشاہ کبھی ایسی فراخ دلانہ بخشش پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اس جیسی فراخ دلانہ بخشش نبی ہی کر سکتا ہے۔ میں کلمۂ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ پڑھتا ہوں۔ پس وہ

اسلام لے آئے اور ان کا اسلام مثالی اور بہترین رہا۔ پھر انھوں نے وہ مدت ترک کر دی جس کی مہلت مانگی تھی۔

۱۱۔ وحشی بن حرب۔ آنحضرتؐ نے ان کا خون مباح فرما دیا تھا۔ کیونکہ انھوں نے اُحد کے دن حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تھا اور صحابہ ان کے قتل کر ڈالنے پر بہت مُصر تھے۔ یہ فتح مکہ کے بعد بھاگ کر طائف چلے گئے۔ جب طائف کا وفد اسلام لانے کے لیے روانہ ہوا اور ان پر تمام راہیں تنگ ہو گئیں تو وہ بھی وہاں سے روانہ ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا پھر حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں مُرتدین سے جنگ کے لئے کُوچ کرنے والوں کے ہمراہ یہ بھی روانہ ہوئے اور اسی نیزہ سے جس سے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا مُسیلمہ کذّاب کو قتل کر ڈالا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے یہ اُمید ہے کہ میرا یہ عمل میرے سابقہ جرم کا کفارہ کرے گا۔

۱۲-۱۳۔ دو گانے والیاں تھیں جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔

۱۴۔ سارہ جاریہ بنو المطلب کا خُون بھی مباح قرار دے دیا تھا۔ یہ مکہ کی ایک مُغنیہ تھی جو آنحضرتؐ کی ہجو کے اشعار گایا کرتی تھی۔ کہا گیا ہے۔ یہ وہی عورت تھی جو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا خط لے کر مکہ کو روانہ ہوئی تھی۔ انھوں نے مدینہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تنگدستی کی شکایت پیش کر کے آپ سے مدد مانگی تھی۔ جس پر آپ نے فرمایا۔ کیا تمھیں اپنے گانے سے کچھ روپیہ نہیں ملتا؟ عرض کیا۔ جب سے غزوۂ بدر میں قریش کے آدمی مارے گئے ہیں اس وقت سے انھوں نے گانا سُننا ہی چھوڑ دیا ہے۔ پس آپ نے ان پر ترس کھا کر انھیں ایک اُونٹ پر غلّہ بار کر کے عنایت فرما دیا۔ جسے لے کر یہ مکہ واپس آگئیں۔ ابن خطل انھیں رسُول اللہؐ کی شان میں ہجو لکھ کر دیتا اور یہ اسے گاتی تھیں۔ اسی بنا پر فتح مکہ کے دن روپوش ہو گئیں مگر ان کے لئے آنحضرتؐ سے امان کی درخواست کی گئی اور انھوں نے حاضرِ خدمت ہو کر اسلام قبول کر لیا اور پکّی مسلمان رہیں۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہیں۔

۱۵۔ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ زوجۂ ابُوسفیان والدۂ امیر معاویہ۔ آنحضرتؐ نے ان کا خون بہانا بھی جائز قرار دے دیا تھا۔ کیونکہ انھوں نے جنگ اُحد کے موقع پر آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کا حُلیہ مسخ کر دیا تھا اور ان کا دل نکال کر چبا لیا تھا۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ اپنے شوہر ابُوسفیان کے

مکان میں چھپ گئیں۔ پھر اسلام لے آئیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کے اور ان کے شوہر (ابوسفیان) کے قبولِ اسلام میں صرف ایک دن کا فرق تھا۔

ہند ایک غیور و عقلمند خاتون تھیں۔ یہ معرکہ یرموک میں رُوم سے جنگ کے موقع پر ابوسفیان کے ساتھ شریک ہوئیں۔ یہ اپنی ساتھی عورتوں کے ساتھ جو شریک جنگ تھیں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتیں اور انھیں جنگ پر اُبھارتی تھیں۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جن لوگوں کا خون بہانا جائز قرار دیا تھا، ان کی تعداد صرف پندرہ تھی۔ ان میں سے بھی صرف چار قتل ہوئے تھے۔ باقی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مسٹر میور نے بھی یہی لکھا ہے کہ فتح مکّہ کے موقع پر صرف چار آدمی قتل کئے گئے۔ اس موقع پر ابُولہب کے دونوں فرزند عتبہ اور معتب بھی رُوپوش ہو گئے تھے۔ پھر انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور سہیل بن عمرو بھی چھُپ گئے تھے۔ ان کے فرزند پہلے اسلام لا چکے تھے۔ بعد میں یہ بھی بمقام جعرانہ[۱] اسلام لے آئے۔

اور شیخ محمد خضری بک مرحوم کی تالیف "تاریخ اُمم اسلامیہ" کے ص ۱۸۷ میں تحریر ہے کہ:

"آنحضرتؐ نے مکّہ میں داخل ہو کر خاص طور سے مُجرموں کے قتل کا حکم دیا تھا جس پر بہت سے لوگ قتل کر دیئے گئے تھے"۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ جو لوگ قتل ہُوئے تھے ان کی تعداد بہت کم تھی۔ زیادہ نہ تھی اور آنحضرتؐ کے قیام کے لئے وادی میں چمڑے کا گُنبد نما حجرہ تیار کیا گیا تھا جس کے پاس حضرت زبیر بن عوامؓ نے اپنا علم زمین پر گاڑ دیا اور آنحضرتؐ اس کے اندر تشریف لے گئے۔ آپ سے عرض کیا گیا۔ کیا آپ اپنے آبائی مکان میں فروکش نہ ہوں گے۔ فرمایا کیا عقیلؓ[۲] نے کہیں ہمارے رہنے کا ٹھکانہ بھی چھوڑا ہے۔

طواف۔ جب آنحضرتؐ مسلمانوں کو ساتھ لے کر کعبہ میں پہنچے تو اپنی مُوٹھ مڑی ہوئی لکڑی سے

۱؎ جعرانہ۔ مکّہ کے قریب طائف و مکّہ کے درمیان ایک کنوئیں کا نام ہے۔ م

۲؎ عقیل ابو طالب کے فرزند آنحضرتؐ کے چچا زاد برادر حضرت علی و جعفرؓ کے باپ کی طرف سے سوتیلے بھائی اور ان دونوں سے بڑے تھے۔ جنگ بدر میں مشرکوں کے ساتھ بادل ناخواستہ و جبراً شریک ہوئے تھے۔ حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے۔ بزمانۂ خلافت معاویہ انتقال فرمایا۔ م

رُکنِ یمانی کا بوسہ لیا۔ اس موقع پر آپؐ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند فرمایا۔ ساتھ ہی مُسلمانوں نے بار بار نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے یہاں تک کہ ان کی گُونج سے مکّہ دہل گیا۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اُنھیں خاموش کیا اور مُشرکین پہاڑ کے اُوپر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر آپؐ نے سواری پر بیتُ اللہ کا طواف کیا۔ محمد بن مُسلمہ ساتوں چکّر میں آپ کی اُونٹنی کی نکیل پکڑے رہے۔ آپ ہر مرتبہ اپنے عصا سے حجرِ اسود کو بوسہ دیتے تھے۔ یہ بیس رمضان یومِ دوشنبہ کا واقعہ ہے۔ جیسا اُوپر بیان ہو چکا۔ آپ اس دن احرام میں نہ تھے بلکہ عادی لباس پہنے ہُوئے تھے۔ آپ طواف سے فارغ ہو کر سواری سے اترے اور مقامِ ابراہیم پر دو نفلیں ادا کیں۔ پھر چاہِ زمزم پر تشریف لائے اور فرمایا۔ اگر اس پر بنو عبدالمطلب کا تسلّط نہ ہوتا تو میں اس میں سے ایک ڈول پانی کھینچتا۔ اس پر حضرت عباسؓ نے ایک ڈول پانی نکال کر آپ کو دیا۔ جس سے آپؐ نے پیا اور وضُو فرمایا۔ مُسلمان آپ کے وضو کا پانی لینے کے لئے ایک دُوسرے پر گرے جا رہے تھے اور یہ پانی اپنے چہروں پر مل رہے تھے مُشرکین یہ دیکھ کر تعجب کر رہے اور کہہ رہے تھے کہ ہم نے کبھی ایسا عظیم بادشاہ نہ کبھی دیکھا نہ سُنا تھا۔

آنحضرتؐ کا کعبہ شریف میں داخل ہونا

آنحضرتؐ مسجدِ حرام کے ایک حصّہ میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے سرہانے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ پھر آپ نے کعبہ شریف کے دربان عثمان بن طلحہ کو بُلا کر ان سے کعبہ کی کُنجی لی اور اندر داخل ہو کر دونوں یمنی ستونوں کے درمیان دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا:"خُدا کے سوا کوئی اور دُوسرا خدا نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور تمام مخالف جماعتوں کو شکست دے دی۔ خبردار رہو۔ ہر آبائی عزّ و شرف، ہر خون یا مال جس کا کوئی دعویٰ کرتا ہو وہ آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہے۔ بجز بیت اللہ کی خدمت گزاری اور حجّاج کو (آبِ زمزم) پلانے کی خدمت کے۔ آگاہ رہو غلطی سے قتل بھی دانستہ قتل کرنے کے مساوی شمار ہوگا۔ دونوں صُورتوں میں شدید قسم کا خُون بہا یعنی چالیس حاملہ اُونٹنیاں ادا کرنا ہوں گی۔

اے قومِ قریش! حق تعالیٰ نے تمھارے زمانہ جاہلیت کے تکبّر و غرور اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے

کے ناروا طریقہ کو ختم فرمادیا ہے۔ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے اور خود حضرت آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ	اے لوگو! ہم نے تمھیں مرد و زن کے جوڑے سے پیدا کیا
وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ	پھر ہم نے تمھیں قوموں اور برادریوں میں تقسیم کردیا تاکہ اس
قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ	نسبت سے باہم تمھارا تعارف ہوسکے۔ لیکن تم میں خدا کے
عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ	نزدیک زیادہ باعزت وہی ہوگا جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہوگا

اے قریشیو اور اے مکہ والو! تمھارا کیا خیال ہے۔ میں تم سے کیا برتاؤ کروں گا؟ سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا۔ آپ سے ہمیں بھلائی ہی کی توقع ہے کیونکہ آپ ہمارے مہربان و فیاض بھائی اور مہربان و فیاض بھائی کے فرزند ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ جاؤ۔ تم سب کو آزاد کردیا گیا۔ پس آنحضرتؐ نے انھیں آزاد فرمادیا۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے آپ کو ان پر بزور بازو تسلط عطا فرمادیا تھا اور وہ سب آپ کے مال غنیمت کا درجہ رکھتے تھے۔ تب سے اہل مکہ کا نام طلقاء[۱] (چھوڑے ہوئے) پڑ گیا۔ رہی کعبہ کی کنجی سوا سے حضرت عثمان بن طلحہؓ[۲] ہی کو واپس فرمادی اور فرمایا۔ اے بنو ابی طلحہ! یہ کنجی لو۔ یہ اب ہمیشہ تمھارے ہی پاس رہے گی۔ آئندہ بجز ظالم شخص کے کوئی تم سے اسے نہ چھین سکے گا۔ اور پانی پلانے کی خدمت حضرت عباس[۳] بن عبد المطلبؓ کو عطا فرمائی۔ ایک وہ وقت تھا۔ جب آنحضرتؐ بحالت مظلومی و مجبوری مکہ سے ہجرت فرما گئے تھے۔ لیکن آج آپ اسی مکہ کے سردار بن گئے۔ آپ کا لشکر اس پر قابض ہوگیا۔ اور آپ نے شرک کا بالکلیہ استیصال فرمادیا اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔ جیساکہ آئندہ بیان ہوگا۔

۱؎ اسی وجہ سے حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ سے کہا تھا۔ آقا اور آزاد کردہ غلام کہاں برابر ہوسکتے ہیں۔ یعنی جب خدا نے ہمیں تم پر غلبہ دے دیا۔ تب ہم نے تمھیں آزاد کردیا۔م

۲؎ حضرت عثمان بن ابی طلحہؓ حدیبیہ کی جنگ بندی کے موقع پر حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ آنحضرتؐ کی خدمت میں ہجرت کرکے حاضر ہوگئے تھے۔ راہ میں ان سے حضرت عمرو بن عاصؓ بھی آملے تھے۔ جیساکہ اوپر بیان ہوچکا۔ پھر یہ سب اسلام لے آئے۔ حضرت عثمانؓ مدینہ ہی میں مقیم ہوگئے تھے۔ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد مکہ چلے گئے اور وہیں مقیم ہوگئے۔ پھر ۴۲ھ میں فوت ہوگئے۔م

۳؎ یہی عباس بن عبدالمطلبؓ خلفاء عباسیہ کے مورث اعلیٰ تھے۔م

اہلِ مکہ کی بیعت

لوگ مکہ میں آنحضرتؐ سے بیعت کرنے کے لئے جمع ہو گئے تو آنحضرتؐ صفا پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت عمر بن خطابؓ آپ کی نشست سے نیچے بیٹھے اور لوگوں سے بیعت لیتے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سب سے جہاں تک ہو سکے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کے احکام کو ماننے پر بیعت لی۔ جس شخص نے آنحضرتؐ سے اسلام پر بیعت کی اس سے آپ نے اسی طریقہ پر بیعت لی۔ آنحضرتؐ کی بیعت لینے کے اثناء میں ایک شخص حاضر خدمت ہوا تو وہ آپ کی ہیبت سے کانپ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اطمینان رکھو۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو ایک قریشی خاتون کا فرزند ہوں جو سکھایا ہوا گوشت کھاتی تھیں۔ ان ہی بیعت کرنے والے حضرات میں حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ بھی تھے۔ آنحضرتؐ نے انھیں خوش آمدید کہا۔ پھر وہ کاتب وحی مقرر ہوئے۔ مردوں کی بیعت سے فراغت کے بعد آنحضرتؐ نے خواتین سے بیعت لی۔ آپ کی خدمت میں قریشی خواتین جمع ہو گئی تھیں جن میں ابوسفیان کی بیوی ہند بن عتبہ بھی تھیں۔ انھوں نے جو عظیم جرم کیا تھا اور حضرت حمزہؓ کی نعش کی جو بے حرمتی کی تھی اس کی بنا پر انھیں اندیشہ تھا کہ آنحضرتؐ ان کے اس جرم کی پاداش میں ان کی سخت گرفت فرمائیں گے۔ چنانچہ وہ اپنے چہرہ پر نقاب ڈال کر اپنی ہیئت بدل کر حاضر خدمت ہوئی تھیں۔ جب یہ خواتین بیعت کے لیئے آنحضرتؐ کے قریب آئیں تو آپ نے ان سے فرمایا۔ تم سب مجھ سے اس عہد پر بیعت کرو کہ کبھی کسی چیز کو بھی اللہ کا شریک نہ بناؤ گی۔ اس پر ہند بولیں کہ واللہ! آپ ہم سے اس امر کا عہد لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔ لیکن ہم آپ سے اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔ پھر آپ نے اس امر پر بیعت لی کہ تم کبھی چوری نہ کرنا۔ اس پر ہند بولیں۔ واللہ! میں ابوسفیان کے مال سے کبھی کبھی تھوڑا تھوڑا مال لے لیا کرتی تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ حلال تھا یا نہیں۔ اس وقت ابوسفیان بھی وہاں موجود یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ انھوں نے کہا۔ تم نے گزشتہ مدت میں اس طرح جو کچھ لیا تھا اس کی میں اجازت دیتا ہوں۔ وہ تمھارے لئے حلال ہے۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کیا تم ہند بن عتبہ ہو؟ عرض کیا۔ ہاں۔ میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ آپ میری سابقہ غلطیوں کو معاف فرما دیجئے۔ خدا آپ پر اپنا فضل فرمائے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم سب کبھی زنا نہ کرنا۔ ہند بنت عتبہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ بھلا کوئی شریف عورت بھی زنا کر سکتی ہے؟ پھر آپ نے فرمایا۔ اپنی اولاد کو ہلاک نہ کیا کرو۔ عرض کیا۔ ہم نے

اپنی اولادوں کو بچپن سے پال کر بڑا کیا تھا۔ جب وہ بڑے ہو گئے تو آپ نے جنگِ بدر میں انھیں قتل کر ڈالا۔ اب آپ اور وہ ہی اس معاملہ کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

(اس بات پر حضرت عمر بن خطابؓ کو ہنسی آگئی۔ یہاں تک کہ وہ کھل کر ہنسے) پھر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کسی دوست پر بہتان و افترا پردازی نہ کرنا۔ ہند نے عرض کیا۔ واللہ بہتان طرازی بہت مذموم فعل ہے اور اس میں حد سے گزر جانا اور بھی بُرا ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ تم کسی نیکی میں میری نافرمانی نہ کرنا عرض کیا۔ ہم اس مجلس میں اس لئے نہیں حاضر ہوئے ہیں کہ کسی بھلے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گے۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ تم ان خواتین سے بیعت لے لو اور ان کے لئے رسول اللہؐ سے دُعائے مغفرت کی استدعا کرو۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرتؐ عورتوں سے مصافحہ نہ فرماتے تھے اور نہ کسی عورت کو چھوتے تھے۔ نہ وہ آپ کو چھو سکتی تھی۔ بجز اس عورت کے جسے خدا نے آپ کے لئے حلال فرما دیا ہو یا وہ آپ کی محرم ہو۔ آنحضرتؐ عورتوں سے صرف زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔ ہند مسلمان ہو کر اپنے گھر میں نصب کردہ بُت کے پاس پہنچیں اور اپنے پیروں سے اسے ٹھوکریں مار کر کہنے لگیں "اے بُت! اب تک ہم تیری وجہ سے بڑے دھوکہ میں رہے۔"

ایک روایت تو یہ تھی۔ دوسری طرف امام شافعی اور احمدؒ اس طرف گئے ہیں کہ آنحضرتؐ مکہ میں داخل ہوئے اور بغیر جنگ کے اس پر قابض ہو گئے تھے۔ اس کے برخلاف امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے اکثر مشاہیر اس طرف گئے ہیں کہ آپ نے مکہ کو طاقت سے فتح فرمایا تھا۔ جو بھی صورت ہو، یہ یقینی ہے کہ آنحضرتؐ نے اس موقع پر قریش سے جنگ نہ کی تھی اور نہ ہی اپنے سپہ سالاروں میں سے کسی کو ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا۔ بلکہ مکہ میں جنگ کئے بغیر داخل ہوئے تھے۔ پھر جن لوگوں نے آپ پر مظالم ڈھائے تھے اور آپ کو آپ کے وطن سے نکال دیا تھا اور آپ کے قتل کے ناپاک منصوبے بنائے تھے ان سے کسی قسم کا ادنیٰ انتقام بھی نہیں لیا بلکہ ان پر قدرت حاصل ہونے پر ان سے درگزر فرمایا۔ یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت تلوار بھی ساتھ نہ لی۔

بتوں کا انہدام

آنحضرتؐ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو تین سو ساٹھ بُت نصب تھے۔ عرب کے خاندانوں میں کے ہر ایک خاندان کا ایک ایک بُت نصب تھا۔ ان بُتوں کے پیر سیسہ سے مضبوطی سے جمائے ہوئے

تھے۔ پس جب آنحضرتؐ وہاں تشریف لائے تو آپ کے دستِ مُبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ جس بُت کی طرف اس سے اشارہ فرماتے وہ فوراً ہی مُنہ کے بل زمین پر آگرتا۔ آپ اس وقت فرماتے جاتے تھے

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا○ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بلاشبہ باطل تو مٹنے ہی والا تھا۔

آپ نے ہُبل بُت کو توڑنے کا حکم دیا۔ تمام بُت مسجد سے باہر نکال کر جلا دیئے گئے۔ کعبہ کے اندر جتنی تصویریں بنی ہوئی تھیں وہ سب کھرچ کر مٹا دی گئیں۔ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دو مُورتیاں تھیں جن کے ہاتھوں میں فال نکالنے والے تیر تھے۔ جن سے کفار اپنے کاموں کی انجام دہی کے لئے فال لیا کرتے تھے۔ یہ بھی باہر نکال دی گئیں۔ آنحضرتؐ کے منادی نے مکّہ میں اعلان عام کر دیا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اپنے گھر کے ہر بُت کو توڑ ڈالے۔ یہ سُن کر سب نے بغیر کسی تردّد کے اپنے اپنے گھروں کے بُتوں کو توڑ ڈالا۔ پھر آنحضرتؐ نے مکّہ کے مضافات والے بُتوں کو توڑنے کے لئے متعدد دستے روانہ فرمائے۔ کیونکہ وہاں کے باشندوں نے الگ الگ اپنے اپنے بُت بنا رکھے تھے۔ جن کے لئے خاص خاص گھر بنا کر ان میں انھیں رکھا گیا تھا وہ ان کی عظمت و احترام کرتے ان کو تحائف پیش کرتے اور ان کا ایسے ہی طواف کرتے جس طرح کعبہ کا طواف کرتے تھے اس طرح ہر قبیلہ کا اپنا ایک علیحدہ بُت تھا۔

ان ہی میں کے مشہور بتوں کے نام یہ تھے: "عُزّٰی۔ مَنات۔ سُواع۔ بَوانہ۔ ذُوالکفَّین۔"

خانہ کعبہ کی چھت پر حضرت بلالؓ کا اذان دینا

آنحضرتؐ نے حضرت بلالؓ کو فتح مکّہ کے دن کعبہ کی چھت پر چڑھ کر ظہر کی اذان دینے کا حکم فرمایا لیکن مکّہ والوں نے جب ان کی آواز سُنی تو ان میں کوئی سوز و گداز پیدا نہ ہوا۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کیا محمدؐ کو اس کالے کوّے کے سوا اور کوئی مؤذن نہیں ملا تھا۔ حکم بن عاص نے کہا۔ واللہ! یہ ایک بڑا حادثہ ہے کہ بنو جمح کا ایک غلام ابوطلحہ کی تعمیر کردہ عمارت (یعنی کعبہ) پر کھڑے ہو کر چیخ رہا ہے۔ ابوسفیان نے اس خوف سے کچھ نہ کہا کہ آنحضرتؐ تک ان کی بات ضرور پہنچ جائے گی۔ حتیٰ کہ کنکریوں تک سے معلوم ہو جائے گی۔ کچھ قریشی حضرت بلالؓ کا مذاق اڑانے لگے اور غصہ میں ان کی آواز کی نقلیں اُتارنے لگے۔ ان ہی میں

ابو محذورہ[1] بھی تھے جو بہت خوش گلو تھے۔ جب آنحضرتؐ نے ان کی آواز سُنی تو انھیں حکم دیا کہ وہ مکّہ والوں کے لئے اذان دیں۔ اس وقت ان کی عمر سولہ سال کی تھی۔

حضرت ابُوبکر صدّیق رضؓ کے والد ابُو قحافہ (عُثمان بن عامر تیمی) کا قبولِ اسلام

حضرت ابوبکرؓ جا کر اپنے والد عثمان ابو قحافہ کو جو نابینا تھے، ہاتھ پکڑ کر خدمت اقدس میں لے آئے جب آنحضرتؐ نے انھیں دیکھا تو فرمایا۔ تم نے اپنے ضعیف باپ کو گھر میں ہی کیوں نہ رہنے دیا۔ تاکہ میں خود ہی ان کے پاس چلا جاتا؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ بجائے اس کے کہ آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے ان پر خدمت اقدس میں حاضری کی سعادت کا زیادہ حق ہے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے اُنھیں آنحضرتؐ کے سامنے بٹھا دیا۔ آپ نے دستِ مُبارک ان کے سینے پر پھیرا اور فرمایا۔ اسلام قبول کر لو۔ نجات پا جاؤ گے۔ چنانچہ وہ مشرف باسلام ہو گئے اور آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو ان کے والد کے اسلام لانے پر مبارکباد دی۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ابو قحافہ کا اسلام فتح مکّہ تک ملتوی رہا اور وہ بیس سال بعد تمام قریش کے مسلمان ہو جانے کے بھی بعد آخر میں مسلمان ہوئے۔

مؤرخ مسعودی نے لکھا ہے کہ ابُو قحافہ نے سنہ ۱۳ھ میں بزمانہ خلافت حضرت عمر بن خطابؓ بعمر ننانوے سال انتقال فرمایا۔ یہ وہ سال ہے جس میں حضرت عمر بن خطابؓ خلیفہ مقرر ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ پہلے شخص تھے جو اسلام میں خلیفہ وقت کے نامزد جانشین ہوئے۔

آنحضرتؐ فتح مکّہ کے بعد اٹھارہ دن تک مکّہ میں مقیم رہے (جیسا کہ بخاری کی روایت ہے) اور اپنے مدّتِ قیام میں نمازوں سے قصر فرماتے رہے۔ کیونکہ آپ قبیلہ ہوازن سے جنگ کے لئے روانگی کے انتظار میں تھے۔ اس لئے کہ آپ کو خبر پہنچی تھی کہ وہ لوگ آپ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔

جب آنحضرتؐ نے مکّہ کو فتح کر لیا تو بتوں کی طرف ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ جس کے ساتھ ہی وہ مُنہ کے بل اوندھے زمین پر گر پڑے۔ یہ دیکھ کر راشد بن حفص نے یہ اشعار کہے:۔

---

[1] ان کا نام اوس بن معیر بن لوذان بن ربیعہ بن عریج بن سعد بن جمح تھا۔ لیکن ان کے نام پر ان کی کنیت غالب تھی۔ مکّہ میں سنہ ۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ م

قالت هلمّ الى الحديث فقلت لا — بتوں نے مجھ سے کہا۔ ہمارے پاس آؤ۔ کچھ بات چیت کریں میں نے

يأبى عليك الله والاسلام — کہا۔ نہیں اس لئے کہ اللہ اور اسلام دونوں تم سے بیزار و متنفر ہیں

لو ما شهدت محمداً وقبيله — میں فتح مکہ کے دن جس دن بت توڑے جا رہے تھے حضرت

بالفتح حين تكسّر الاصنام — محمدؐ اور ان کی جماعت میں حاضر ہوا۔

لرأيت نور الله اضحى ساطعا — تو میں نے دیکھا کہ ہر طرف اللہ کا نور پھیل چکا ہے اور شرک کا

والشرك يغشى وجهه الاظلام — چہرہ ظلمت میں چھپ گیا ہے۔

یہ راشد بنو سلیم کے سواع نامی بت کے بتکدہ کا پجاری تھا۔

آنحضرتؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کیا۔ غاوی بن ظالم (ظالم کا بیٹا گمراہ) آپ نے فرمایا۔ اب سے تمہارا نام راشد بن عبداللہ (اللہ کے بندہ کا ہدایت یافتہ بیٹا) رکھ دیا گیا۔

فتح مکہ کے بعد تمام عرب بتوں کی پرستش ترک کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ پھر انھوں نے دین اسلام کی اشاعت کے لئے آنحضرتؐ کے ساتھ ہو کر دوسرے کفار سے لڑائیاں لڑیں۔ پس یہ اسلام کی عظیم الشان کامیابی اور کھلی فتح تھی۔ اسلام نے تصویروں اور رہبانیت[1] کو ممنوع قرار دے دیا۔ لوگوں میں باہم مساوات قائم کی۔ عورت کا مرتبہ بلند کیا۔ اسے اس کے وہ حقوق دلائے جن سے وہ زمانہ جاہلیت سے محروم چلی آ رہی تھی۔ فسق و فجور اور فواحش کا خاتمہ کر دیا۔ اپنی زندہ اولاد کو مار ڈالنے زمانہ جاہلیت کی متعصبانہ قبائلی جنگوں، قتل کا بدلہ لینے، شراب پینے، سور کا گوشت کھانے، جوا کھیلنے اور رشوت لینے کے تمام قبیح اعمال کو جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے حرام قرار دے دیا اور ان کی بجائے لوگوں میں انصاف کو پھیلایا۔ ان کے اموال اور ان کی جانوں کو محفوظ و مامون فرما دیا۔ گھریلو معاشرہ کا احترام قائم فرمایا۔ والدین کے احترام، یتیموں اور بیواؤں کی ہمدردی لازم قرار دی۔ زکوٰۃ فرض فرمائی۔ جانوروں پر نرمی کرنے اور اسی قسم کے بہترین عادات و اخلاق نافذ کئے جن کا شرعی کتب میں مفصل ذکر موجود ہے۔

عُزّیٰ پر حضرت خالد بن ولیدؓ کی فوج کشی

جب آنحضرتؐ کعبہ میں نصب شدہ بتوں کو ختم فرما چکے اور اس کی دیواروں پر منقش تصویروں کو

---

[1] ترک دنیا کر کے جوگی پن یا پادریت وغیرہ اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ م

مٹا چکے اور آپ کے حکم سے لوگوں کے گھروں میں نصب شدہ بت بھی توڑ دیئے گئے تو آپ نے مکّہ کے مضافاتی بستیوں کے بتوں کو منہدم کرنے کی طرف توجہ فرمائی تاکہ پورے ملک کو بت پرستی سے پاک صاف کر دیں اور ان کی جگہ صرف خدائے واحد و قہار کی عبادت کی جانے لگے اور ایک صحیح و سچ دین کے ستون قائم و مستحکم کیے جائیں۔ پس آپ نے فتح مکّہ کے بعد پچیس رمضان ۸ھ کو حضرت خالد بن ولیدؓ کو عُزّیٰ بت کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ آپ صحابہ کے تیس سواروں کا دستہ لے کر وہاں پہنچے اور اس بت کو منہدم کر کے واپس آکر آنحضرتؐ کو اطلاع دی۔ آپ نے سوال کیا۔ کیا تم نے وہاں کچھ دیکھا تھا؟ عرض کیا۔ نہیں۔ فرمایا تو تم نے اصل بت کو منہدم نہیں کیا۔ اس لئے واپس جا کر اسے منہدم کر آؤ۔ حضرت خالد پھر غصہ میں بھرے ہوئے لوٹے اور تلوار سونت لی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیاہ فام ننگی کھلے سر والی ایک عورت سامنے آئی جسے وہاں کا پجاری چیخ کر بلا رہا تھا۔ حضرت خالدؓ نے اس عورت پر تلوار کا وار کر کے اس کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ پھر واپس آکر آنحضرتؐ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ فرمایا۔ ہاں اصل عُزّیٰ یہی تھی اور یہ اس سے قطعاً ناامید ہو چکی تھی کہ اب اس ملک میں اس کی پرستش کی جائے گی۔ یہ بت مکّہ سے ایک دن کی منزل پر واقع کھجور کے باغ میں نصب تھا اور یہ قریش اور بنی کنانہ کے تمام قبائل کا مشترک بت تھا جو ان کے دوسرے تمام بتوں سے بڑا تھا۔ اس کے پجاری و خادم بتکدہ بنو سلیم کے قبیلہ بنو شیبان میں سے ہوتے تھے۔

ابنِ حبیب نے کہا ہے کہ کھجور کے باغ میں عزّیٰ نامی ایک درخت تھا جس کے پاس ایک بت نصب تھا جسے بنو غطفان پوجتے تھے۔ جب آنحضرتؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا تو انھوں نے اس درخت کو کاٹ دیا۔ بت خانہ کو منہدم کر دیا اور بت کو توڑ دیا۔ یہ بت خانہ عزّیٰ کے پاس بنا ہوا تھا۔ کفار اسے ہدایا پیش کیا کرتے تھے جس طرح وہ کعبہ کے بتوں کو پیش کرتے تھے۔ نیز اس کا طواف کرتے اور قربانی دیا کرتے تھے۔

سعد بن زید اشہلی کی منات پر فوج کشی

منات مشلّل[1] مقام پر قبیلہ اوس، خزرج اور غسان کا بت تھا جو تمام بتوں میں سب سے قدیم بت تھا۔ عرب خود کو منات کا بندہ کہتے اور اس کے پاس جا کر حج ادا کرتے۔ اوس و خزرج کے نزدیک یہ سب سے زیادہ معزز بت تھا۔

[1] ساحل سمندر پر واقع ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں سے قدید کو راستہ جاتا ہے۔ یہ مقام مدینہ سے سات میل پر واقع ہے۔ م

آنحضرتؐ نے حضرت سعد بن زید انصاری اشہلیؓ کو جو بیس رمضان کو منات کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت سعد بیس سواروں کا دستہ لے کر وہاں پہنچے۔ جہاں اس مندر کا خادم پجاری موجود تھا۔ اس نے آپ سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا۔ منات کا انہدام۔ اس نے کہا۔ آپ جانیں اور منات آپ دونوں نمٹ لیں۔

پس حضرت سعد اس کی طرف چلے تھے کہ ایک سیاہ فام عُریاں جسم، پراگندہ بال عورت آپکے سامنے آئی جو کچھ کہہ رہی تھی ہائے تباہی وائے تباہی اور اپنا سینہ پیٹ رہی تھی۔ اس پر پجاری نے کہا۔ کہاں آپ کہاں منات (یعنی آپ اس کے توڑنے پر قادر نہ ہوسکیں گے) پس حضرت سعد نے اس عورت پر وار کر کے اُسے قتل کر دیا۔ پھر آپ اپنے ساتھیوں سمیت بُت کے پاس آئے اور اسے منہدم کر دیا مگر اس کے خزانہ میں آپ کو کچھ نہ ملا۔ منات کے انہدام کے لئے حضرت سعد بن زید اشہلیؓ کے روانہ ہونے کا ذکر مواہب اور طبقات ابن سعد میں موجود ہے۔ مگر سیرت ابن ہشام نے اس کام کے لئے حضرت علی بن ابی طالبؓ کی روانگی کا ذکر کیا ہے۔

سعد بن زید اشہلیؓ وہی صحابی ہیں جنھیں آنحضرتؐ نے بنو قریظہ کے اسیروں کو دے کر نجد کی طرف روانہ فرمایا تھا تاکہ انھیں فروخت کر کے ان کے بدلے گھوڑے اور ہتھیار خرید کر لائیں۔

واقعی یہ واقعہ بہت ہی مضحکہ خیز ہے کہ ایک سیاہ فام عورت کو بُت کے خلا میں چھپا دیا گیا تھا تاکہ جو اس بُت پر دست درازی کرے اُسے ڈرا سکے ساتھ ہی اپنے پجاریوں پر اپنی قوت و ہیبت کا سکہ جما سکے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ کی سُواع کی طرف فوج کشی

آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے بعد ماہِ رمضان ۸ھ میں حضرت عمرو بن عاصؓ کو قبیلہ ہذیل کے سواع نامی بُت کی طرف بھیجا جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر رہاط نامی گاؤں میں کھجور کے باغ میں نصب تھا اور اس کا پجاری خادم قبیلہ بنو لحیان سے تھا۔ حضرت عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں وہاں پہنچا تو بُت کے پاس اس کا پجاری موجود تھا۔ اس نے پوچھا۔ تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا۔ مجھے حضرت رسول اللہؐ نے اسے منہدم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے کہا۔ تم ایسا نہ کر سکو گے۔ میں نے پوچھا۔ کیوں؟ اس نے کہا تمھیں روک دیا جائے گا

ما سعد بن زیدؓ غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے م

میں نے کہا۔ تم پر افسوس ہے کہ تم ابھی تک باطل ہی پر جمے ہوئے ہو۔ کیا یہ بُت کچھ سُنتا اور دیکھتا ہے؟ یہ کہہ کر میں بُت کے پاس گیا اور اسے پاش پاش کر دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ جنھوں نے اس کے خزانہ والی کوٹھڑی کو منہدم کر دیا۔ لیکن اس میں سے کچھ بھی نہ ملا۔ پھر میں نے پجاری سے کہا۔ کہو۔ تم نے کیا دیکھا؟ کہا۔ میں خدا پر ایمان لے آیا۔ کتب تاریخ سے ہمیں ان صحابہ کی تعداد معلوم نہ ہو سکی جو سُواع کو منہدم کرنے کے لئے حضرت عمرو بن عاصؓ کے ساتھ گئے تھے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی جذیمہ پر فوج کشی

آنحضرتؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ماہ شوال ۸ھ قبیلہ کنانہ کی شاخ بنو جذیمہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ قبیلہ یلملم کی جانب مکہ کے نشیبی علاقہ میں ایک دن کی مسافت پر آباد تھا۔

آپ نے حضرت خالدؓ کو جنگ کے لئے نہیں بلکہ ان پر اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ پس وہ مہاجر و انصار اور بنو سلیم کے ساڑھے تین سو صحابہ کا دستہ لے کر روانہ ہوئے جب وہاں پہنچے تو وہاں والوں سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ انھوں نے کہا ہم مسلمان ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں حضرت محمدؐ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اپنے علاقوں میں مسجدیں تعمیر کر لی ہیں۔ ان میں برابر اذان دیتے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ پھر تمہارے پاس یہ ہتھیار کیسے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہمارے اور ایک عرب قبیلہ کے درمیان دشمنی چلی آ رہی ہے ہمیں اندیشہ ہُوا کہ کہیں آپ حضرات وہی نہ ہوں۔ آپ نے حکم دیا کہ فوراً ہتھیار ڈال دو۔ انھوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔ آپ نے ساتھیوں کو حکم دیا کہ انھیں اسیر کر لو۔ چنانچہ انھیں قیدی بنا لیا گیا۔ پھر بنو سلیم کے قبضہ میں جتنے قیدی تھے انہوں نے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ لیکن مہاجرین و انصار نے اپنے اپنے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ جب آنحضرتؐ کو حضرت خالدؓ کے اس عمل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر عرض کیا۔ "اے میرے خدا! خالد نے جو کچھ کیا ہے۔ میں اس سے بری الذمہ ہوں۔"

پھر حضرت علی بن ابی طالبؓ کو مال دے کر ادھر روانہ فرمایا۔ جنھوں نے جا کر اس مال سے ان کے مقتولین کا خُون بہا ادا کیا اور ان کے مالی نقصانات کا معاوضہ دیا۔ پھر واپس آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں رپورٹ پیش کی۔

بنو جذیمہ نے زمانہ جاہلیت میں عوف بن عبد عوف ابو عبد الرحمن بن عوف اور حضرت خالدؓ کے چچا

فاکہ بن مغیرہ کو قتل کر ڈالا تھا جس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ یہ دونوں تجارتی سامان لے کر یمن سے آرہے تھے راستہ میں یہ لوگ بنو جذیمہ کے گاؤں میں ٹھہرے تو انھوں نے انھیں قتل کر دیا اور ان کے سامان پر قبضہ کر لیا۔

جب حضرت خالدؓ بنو جذیمہ کی طرف بھیجے گئے اور اس قبیلہ کے کچھ لوگ قتل کر دیئے گئے حالانکہ آنحضرتؐ نے ان سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا تو آنحضرتؐ نے حضرت خالد کے اس فعل سے اپنی برأت ظاہر فرمادی۔ کیونکہ ان لوگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا تھا۔ اس موقع پر حضرت خالدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں کچھ تلخ کلامی بھی ہوئی۔ وہ یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن نے ان سے کہا کہ آپ نے زمانۂ اسلام میں زمانۂ جاہلیت کا سا عمل کیا۔ حضرت خالدؓ نے جواب دیا کہ میں نے تو آپ کے والد کے خون کا بدلہ لیا ہے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ بے شک آپ نے میرے باپ کے قاتل کو قتل کیا ہے لیکن آپ نے دراصل اپنے چچا فاکہ بن مُغیرہ کے خون کا بدلہ لیا ہے حتیٰ کہ دونوں میں تلخ کلامی بڑھ گئی۔ یہ خبر آنحضرتؐ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ اے خالد! بس کرو اور میرے صحابہ سے اُلجھنا چھوڑ دو۔ خدا کی قسم! اگر تمھارے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تم اس پُورے کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو تب بھی میرے صحابہ کی صرف ایک صبح یا ایک شام کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ حق بات فرماتے تھے اور کوئی کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو اس سے نہ ڈرتے تھے اسی لئے حضرت خالدؓ کے اس عمل کی مذمت کرنے میں آپ کو ذرا بھی باک نہیں ہوا۔

○

غزوۂ حُنین

واقع دس شوّال ۸ھ م فروری ۶۳۰ء

طائف کے راستہ میں ذوالمجاز کے برابر حنین ایک وادی ہے۔ اس کے اور مکّہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اس کا نام غزوۂ اوطاس بھی ہے جو اس مقام کا نام ہے۔ جہاں یہ جنگ برپا ہوئی تھی اور وہ قبیلہ ہوازن کے شہر میں ایک وادی کا نام ہے۔ اس کا نام غزوۂ ہوازن بھی ہے۔ ہوازن عرب کے ایک بڑے قبیلہ کا نام ہے۔ جس کی کئی شاخیں ہیں۔ یہ غزوہ دس شوّال ۸ھ م فروری ۶۳۰ء کو برپا ہوا اس کا سبب یہ ہُوا تھا کہ جب آنحضرتؐ نے مکّہ کو فتح فرمالیا تو قبائل ہوازن وثقیف کے امراء کو یہ اندیشہ لاحق ہُوا کہ مبادا آپ ان کی طرف کوچ کر کے ان سے جنگ نہ چھیڑ دیں۔ پس اس سے پہلے کہ آپ ان سے جنگ کریں۔ انھوں نے آپ پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ فتح مکّہ سے قبل ہی جنگ کے لئے تیار تھے۔ کیونکہ جب انھوں نے آنحضرتؐ کی مدینہ سے روانگی کی خبر سُنی تھی تو انھیں یہ گمان گزرا تھا کہ آپ ان پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اس بنا پر انھوں نے قبیلہ بنونضر کے ایک تیس سالہ شخص مالک بن عوف کو اپنی فوج کی کمان سپرد کر دی۔ جس پر مختلف قبیلوں کی بہت بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہوگئی۔ انہی میں بنوسعد بن بکر بھی تھے۔ یہ وہی قبیلہ تھا جس میں آنحضرتؐ نے اپنا زمانہ شیر خواری گزارا تھا۔ ان ہی میں بنوجشم کا سردار وامیر درید بن صمہ بھی تھا۔ یہ بہت تجربہ کار اور بہادر شخص تھا مگر بُوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کی عمر ایک سو بیس سال اور ایک قول کے مطابق اس سے بھی زیادہ ہو چکی تھی اور وہ نابینا بھی ہو چکا تھا اس لئے وہ صرف اپنی رائے، وسیع معلومات اور فنونِ جنگ کی واقفیت سے قوم کو فائدہ پہنچا سکتا تھا۔

اور قبیلہ ثقیف کے امیر کنانہ بن عبد یالیل تھے جو بعد کو اسلام لے آئے تھے۔

دُشمن کی طاقت اور اس کی جنگی تیاری

جیسا کہ ہم ابھی کہہ آئے ہیں اس لشکر کا سپہ سالار مالک بن عوف تھا جس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی ہر چیز اپنے اپنے مویشی، مال ودولت، عورتوں اور اولاد کو اپنے ساتھ لے چلیں تاکہ وہ جنگ میں

ثابت قدم رہیں اور شکست نہ کھائیں۔ اس پر سب نے یہ شرط عائد کی کہ وہ اس مسئلہ میں درید بن صمہ کی رائے لے لیں کیونکہ وہ بہادر تجربہ کار اور لڑائیوں کے طور طریقوں سے بہت زیادہ واقف ہیں۔ جب یہ لوگ بمقام اوطاس خیمہ زن ہوئے تو درید نے کہا یہ کیا بات ہے کہ میں اونٹوں، گدھوں، بکریوں اور گایوں کی آوازیں اور بچوں کے رونے کی صدائیں سن رہا ہوں۔ اس سے کہا گیا کہ مالک بن عوف نے ان سب کو میدانِ جنگ میں لے چلنے کو کہا ہے۔ درید نے اسے بلا کر پوچھا تو اس نے کہا۔ میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ہر سپاہی کے پیچھے اس کا مال و متاع اور اہل و عیال رہیں تاکہ وہ ان کے تحفظ کے لیے جم کر لڑے۔ درید نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور مالک کو مشورہ دیا کہ ان بال بچوں اور مال و سامان کو واپس کر دیا جائے۔ لیکن اس نے یہ مشورہ نہ مانا اور کہا بڑھاپے کی وجہ سے اس کی رائے میں کمزوری آگئی ہے۔ پھر مالک نے آگے سوار دستوں کی صفیں رکھیں۔ پھر اونٹوں پر عورتوں کو سوار کرا کر ان کی صفیں جنگ باز سپاہیوں کی صفوں کے پیچھے رکھیں۔ پھر ان کے بعد اونٹوں، گایوں اور بکریوں کی قطاریں رکھیں تاکہ سپاہی میدانِ جنگ سے فرار نہ ہو سکیں اور اپنے مال و دولت، عورتوں اور بچوں کی خاطر جم کر مقابلہ کریں۔ فوجوں کی یہ صف بندی کر کے سپاہیوں سے کہا کہ جب تم مجھے دشمن پر حملہ کرتے دیکھو تو تم سب مل کر شخص واحد کی طرح اک دم دشمن پر ٹوٹ پڑنا۔ بنو سعد و ثقیف کے کل جانبازوں کی تعداد چار ہزار تھی۔ مزید برآں دوسرے مختلف عربوں کی کافی بڑی تعداد ان میں شامل ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان کی مجموعی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی تھی اور ایک قول کے مطابق یہ تعداد بیس ہزار تھی اور ہوازن کے لوگ بڑے مشہور تیر انداز تھے۔

مسلمانوں کی فوجی طاقت اور ان کی تیاری

آنحضرتؐ کے ساتھ بارہ ہزار مجاہدین تھے جن میں دس ہزار وہ تھے جو مدینہ سے فتح مکہ کی غرض سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار وہ تھے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔

اس تعداد کو دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے یا ایک قول کے مطابق کسی دوسرے صحابی نے یہ کہا تھا کہ آج ہم عددی کمتری کی بنا پر مغلوب و شکست خوردہ نہ ہوں گے۔ جب آنحضرتؐ نے اس جہاد پر روانگی کا عزم فرمایا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ صفوان بن امیہ کے پاس بہت سی زرہیں اور دوسرے ہتھیار ہیں۔

آنحضرتؐ نے ان کے پاس قاصد بھیج کر یہ چیزیں طلب فرمائیں تو انھوں نے سو عدد زرہیں اور ضروری اسلحہ اور ایک روایت کے مطابق چار سو زرہیں اس مقصد کے لیے پیش کر دیں۔ پھر آنحضرتؐ نے ان سے اس سامانِ جنگ کو میدانِ جنگ تک پہنچانے کا بھی مطالبہ کیا جسے انھوں نے پورا کر دیا۔

اور آپ نے اپنے چچا زاد بھائی نوفل بن حارث بن عبد المطلب سے تین ہزار نیزے مستعار لیے اور فرمایا۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ تمھارے یہ نیزے مشرکوں کی کمروں کو چھید رہے ہیں۔

آنحضرتؐ بروز شنبہ بتاریخ ۶ شوال ۸ھ م ۲۸ جنوری ۶۳۰ء مکہ سے روانہ ہوئے تو اہل مکہ پیدل و سوار حتیٰ کہ خواتین اور نو مسلم سب آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عتاب بن اسید بن ابی عیصؓ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا جو جوان العمر تھے اور حضرت معاذ بن جبل انصاری خزرجیؓ کو لوگوں کو دینی احکام اور شرعی قوانین سکھانے کے لیے چھوڑ دیا کیونکہ وہ قرآن کے بڑے عالم اور دینی معلومات میں متبحر تھے۔

مسلمانوں کی صفوف کی ترتیب اور جھنڈوں کی تقسیم

جب آنحضرتؐ دشمن کے قریب پہنچے تو اپنے صحابہ کے لشکر کی ترتیب و صف بندی فرمائی اور چھوٹے بڑے جھنڈے حسب ترتیب ذیل مہاجرین و انصار کو عطا فرمائے۔

۱۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ	مہاجرین کا چھوٹا علم
۲۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	بڑا علم
۳۔ حضرت عمر بن خطابؓ	بڑا علم
۴۔ حباب بن منذرؓ	خزرج کا چھوٹا علم
۵۔ اسید بن حضیر	اوس کا چھوٹا علم

نیز آپ نے عرب کے قبائل کو ترتیب دے کر ان میں بھی بڑے چھوٹے علم تقسیم فرمائے۔ خود آنحضرتؐ نے دو زرہیں، ایک خود، ایک خود کے نیچے جالی دار ٹوپی زیب تن فرمائی اور اپنے دلدل نامی خچر پر سوار ہوئے اور مکہ سے روانگی کے دن سے صحیح و سلامت چلے آ رہے تھے۔ اس لشکر پر حضرت خالد بن ولیدؓ کو امیر مقرر فرمایا جو آپ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ مقام جعرانہ پر پہنچے۔

دشمن کے جاسوس

ادھر ہوازن کے سپہ سالار مالک بن عوف نے اپنے تین جاسوس مسلمانوں کے لشکر کا حال معلوم کرنے کو بھیجے جو خوفزدہ واپس ہوئے اور اپنی فوج کو لوٹ جانے کا مشورہ دیا۔ مالک نے انھیں بزدل کہہ کر اس اندیشہ سے اپنے پاس روک لیا کہ یہ لشکر میں یہ بات نہ پھیلا دیں جس سے ان کی ہمتیں ٹوٹ جائیں اور عزائم پست ہو جائیں۔

مسلمانوں کے جاسوس

آنحضرتؐ نے اپنے صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ کو جاسوسی کے لئے دشمن کی صفوں میں بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ وہ دشمن کے لشکر میں داخل ہو کر ان کی باتوں کو سُنیں کہ وہ کس لیے جمع ہوئے ہیں چنانچہ وہ جا کر ایک دو روز ان کے لشکر میں ٹھہرے پھر واپس آکر آنحضرتؐ کو اطلاع دی کہ وہ ان کے سپہ سالار مالک بن عوف کے خیمہ تک پہنچ گئے تھے جہاں قبیلہ ہوازن کے سردار بھی جمع تھے۔ میں نے مالک کو اپنے ساتھیوں سے یہ گفتگو کرتے ہوئے سُنا ہے کہ محمدؐ کو اس سے پہلے کبھی ایسی جنگجو اور بہادر قوم سے واسطہ نہیں پڑا۔ بلکہ وہ اب تک ایسے لوگوں سے جنگ کرتے رہے ہیں جو ناتجربہ کار و جاہل تھے اور انھیں فنونِ جنگ کا کوئی تجربہ و معلومات نہ تھیں اس لئے ان پر غالب آتے رہے۔ پس صبح ہوتے ہی تم اپنے پیچھے اپنے مویشیوں، عورتوں اور بچوں کی صفوں کی ترتیب دینا، پھر اپنی صفیں مرتب کرنا، پھر حملہ کی ابتدا تمھاری طرف سے ہونی چاہیئے۔ تم اپنی تلواروں کے میان کو توڑ دو اور بیس ہزار تلواروں سے محمدؐ اور ان کی فوج پر ایک ساتھ ایک شخص کے حملہ کی طرح اکدم متفقہ حملہ کر دو اور یقین رکھو کہ حملہ میں پہل کرنے والے ہی کو فتح حاصل ہوتی ہے۔

آغازِ جنگ

جب آنحضرتؐ حنین کے مقام پر پہنچ کر صبح سویرے وادی میں داخل ہوئے تو دشمن کے سپاہی جو درید بن صمہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے وادی کے مختلف تنگ حصّوں میں چھپے ہوئے تھے اچانک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے جس پر مسلمانوں نے بھی ان پر جوابی حملہ کر کے انھیں شکست دیدی اور خود ان کے اموال لُوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ واقعہ ہمیں غزوہ اُحد والے واقعہ کی یاد دلاتا ہے جبکہ مسلمانوں نے دشمن کو شکست کھا کر بھاگتا ہوا دیکھا تو جنگ بند کر کے اموالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے تھے

اور وہ تیر انداز دستہ جسے آنحضرتؐ نے ہر صورت میں اپنی متعین جگہ پر جمے رہنے کا حکم دیا تھا اپنی جگہ چھوڑ کر اس لوٹ میں شریک ہو گیا تھا جس کا انجام یہ ہوا کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی تھی۔ کیونکہ خالد بن ولید نے (جو اس وقت کفر فوج کے افسر تھے) پلٹ کر مسلمانوں پر نیا حملہ کر دیا تھا۔

علیٰ ہذا اس جنگ میں بھی جب مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے تو دشمن نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی نتیجہ یہ کہ مسلمان شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس دوران ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی۔ اسی طرح بنو سلیم کا سوار دستہ بھی شکست خوردہ ہو کر بھاگا جو آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہ کے ساتھ شریک جنگ تھا اسے بھاگتا دیکھ کر اہل مکہ اور دوسرے مجاہد بھی فرار ہونے لگے۔ اس طرح مسلمان شکست سے دوچار ہوئے۔ قبیلہ ہوازن کے لوگ بڑے تیر انداز تھے۔

آنحضرتؐ کی ثابت قدمی

اس افراتفری میں آنحضرتؐ اپنی جگہ ثابت قدم رہے جس طرح آپ غزوۂ احد میں ایسی ہی حالت میں ثابت قدم رہے تھے۔ آپ کی یہ ثابت قدمی ہی اس ناکام معرکہ کو دوبارہ فتح کر لینے کا سبب بنی۔ واقعہ یہ ہوا کہ آپ یہ حال دیکھ کر میدان جنگ کے دائیں جانب ایک طرف کو ہو رہے۔ آپ کے ہمراہ بہت تھوڑی سی جماعت رہ گئی تھی جس میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عباس، انکے فرزند فضل ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آنحضرتؐ کے چچیرے بھائی اسامہ بن زید۔ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب، عتبہ، معتب (فرزندان ابولہب) ایمن بن ام ایمن وغیرہ شامل تھے۔ آنحضرتؐ کے ساتھ جمے رہنے والوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہر حال یہ امر متفق علیہ ہے کہ یہ حضرات سو سے بھی کم تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنے خچر کو ایڑ لگائی جس پر آپ سوار تھے اور ہوازن کی طرف چلے۔ اس وقت آپ یہ فرماتے جاتے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب — میں سچا نبی ہوں۔ اس میں کچھ جھوٹ نہیں ہے

اَنَا اِبنُ عبد المطّلِب — میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں

آپ نے "انا ابن عبداللہ" (یعنی میں عبداللہ کا فرزند ہوں) نہیں فرمایا۔ لیکن عرب آپ کو آپ کے دادا عبدالمطلب ہی کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ مشہور ہستی تھی اور عبداللہ ان کے سامنے ہی فوت ہو چکے تھے۔

پھر آپ نے مٹھی بھر مٹی اٹھا کر دشمن کے منہ پر پھینک ماری اور فرمایا۔ دشمن کے چہرے مسخ ہو جائیں۔ اس کے بعد دشمن شکست کھا گیا۔ آپ کے مٹی پھینکنے کا واقعہ ایسا ہی ہے جیسا غزوۂ بدر میں پیش آیا تھا۔ یہ آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا

فتح بعد از شکست

جب آنحضرتؐ ثابت قدم رہے اور آپ کے ساتھ صرف چند صحابہ رہ گئے تو آپ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے جو بلند آواز والے تھے فرمایا کہ آپ بلند آواز سے پکاریئے۔ اے جماعت انصار۔ اے اہل سمرہ[1] اور ایک روایت کے مطابق۔ اے حدیبیہ کی بیعت والو۔ اے سورۂ بقرہ والو! یہ آواز سنتے ہی سب کے سب اس طرح آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آئے جس طرح اونٹ اپنے بچے کی آواز کی طرف دوڑتا ہے۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ دشمن پر سخت اور بہادرانہ حملہ کر دو۔ اس پر مسلمانوں نے دشمن پر سخت حملہ کیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ آنحضرتؐ نے اس حالت کا ملاحظہ کر کے فرمایا۔ ہاں۔ اب جنگ کا تنور گرم ہوا ہے۔" نتیجہ یہ کہ مشرکین شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ مسلمان تعاقب کر کے انھیں قتل کرتے جاتے اور گرفتار کرتے جاتے تھے۔ بعض مسلمانوں نے دشمن کے بچوں کو بھی تہ تیغ کر دیا تھا جس پر آنحضرتؐ نے بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ آپ نے یہ اعلان عام فرما دیا کہ" جو شخص جسے قتل کرے گا اس کا سب سامان اسی کا ہو گا۔"

اس جنگ میں درید بن صمہ[2] بھی مارا گیا جسے ربیعہ بن رفیع سلمی نے قتل کیا تھا۔ اس جنگ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو چند گہرے زخم لگے تھے جن سے آپ نڈھال ہو گئے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کے زخموں پر دہن مبارک کا لعاب لگایا جس سے وہ فوراً صحت یاب ہو گئے۔ اس شکست کے بعد کفار مکہ کے کچھ لوگ نیز دوسرے مختلف لوگ بھی اسلام لے آئے۔

م۱ سمرہ اس درخت کا نام ہے جس کے نیچے حدیبیہ میں بیعت رضوان ہوئی تھی۔ م

م۲ درید کے چند حکیمانہ مقولات یہ ہیں:-

۱۔ عورتوں سے بدکاری کرنے سے بچو کیونکہ یہ دائمی بے غیرتی اور کل کو ملنے والی سزا کا موجب ہے۔

۲۔ صلہ رحمی اختیار کرو کیونکہ یہ عمل تمھاری عظمت کو چار چاند لگا دے گا اور نسلوں اور خاندانوں کو شائستہ بنا دے گا

۳۔ جو تم سے بھلائی کرے تم اس سے اس کے بدلہ میں دگنی ورنہ کم سے کم اس کے برابر تو ضرور ہی بھلائی کرو۔

مسلمانوں کے اموالِ غنیمت

مسلمانوں کو جو مالِ غنیمت ہاتھ لگا اس کی تفصیل یہ ہے :-

دشمن کے ان گنت مرد اسیر کر لئے گئے۔ ان کی چھ ہزار عورتیں ہاتھ آئیں۔ حاصل شدہ اونٹ چوبیس ہزار بکریاں چالیس ہزار اور چاندی چار ہزار اوقیہ[1] تھی۔

اموالِ غنیمت کی تقسیم

جنگ سے فراغت پر آنحضرتؐ نے حاصل شدہ اموال کی تقسیم شروع فرمائی۔ سب سے پہلے مؤلفۃ قلوب[2] میں ابوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ (تقریباً سو تولہ) چاندی اور سو اونٹ عطا فرمائے۔ اتنا ہی ان کے فرزندان یزید و معاویہ کو عطا فرمایا۔ حکیم بن حزام کو سو اونٹ عطا فرمائے۔ انھوں نے آپ سے سو اور مانگے تو آپ نے وہ بھی عطا فرما دیئے۔ علی ہذا نضر بن حارث بن کلدہ۔ اُسید بن جاریہ ثقفی۔ حارث بن ہشام صفوان بن اُمیہ۔ قیس بن عدی، سہیل بن عمرو۔ حویطب بن عبدالعزّیٰ۔ اقرع بن حابس تمیمی۔ عیینہ بن حصن، مالک بن عوف سب کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ عطا فرمائے اس کے متعلق انھوں نے ایک شعر کہا تو آپ نے ان کے سو اونٹ پورے کر دیئے اور مخرمہ بن نوفل، علا بن حارثہ سعید بن یربوع، عثمان بن وہب، ہشام بن عمرو عامری کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ اس طرح ان لوگوں میں تقسیم شدہ اونٹوں کی تعداد چودہ ہزار آٹھ سو پچاس تک پہنچی۔ آپ نے یہ تمام عطیات اپنے پانچویں حصہ میں سے دیے تھے۔ (ابن سعد کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک سب سے معتبر روایت یہی ہے) پھر آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ بقیہ مجاہدین اور بکریوں کی گنتی پیش کریں۔ پھر آپ نے وہ سب مال باقی حضرات پر برابر تقسیم فرما دیا۔ چنانچہ ہر مجاہد کے حصہ میں چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں

---

[1] ایک اوقیہ ساڑھے دس درہم یعنی اڑھائی تولہ برابر وزن کا ہے اس طرح اس چاندی کا مجموعی وزن دس ہزار تولہ سے کچھ زیادہ ہوا۔

[2] یہ وہ لوگ ہیں جن کی دلداری مقصود تھی اور ان کے دل موہ لینے کے لئے ان سے اسلام نے حسن سلوک اور داد و دہش کا سلسلہ قائم کیا تھا۔ یہ لوگ عرب کے معززین تھے۔ ان میں سے کچھ تو وہ تھے جن کی مسلمانوں کو ایذارسانی سے بچنے کے لیے عطیات دیے جاتے تھے اور بعض وہ تھے کہ جن سے اور جن کے متبعین و لواحقین سے یہ توقع تھی کہ وہ نرم ہو کر اسلام قبول کرلیں گے بعض وہ نومسلم تھے جنھیں ان کے اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لیے کچھ دیا جاتا تھا بعض کا قول ہے کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے اور اسلام عالم میں پھیل گیا تو آپ نے تالیف قلب کے لیے عطیات کا سلسلہ بند کر دیا۔ اور فرمایا: اب یہ مد مسدود کر دی گئی۔

آئیں۔جو گھوڑے سوار تھے، انھوں نے سہ گنا حصّہ، بارہ اُونٹ اور ایک سو بیس بکریاں حاصل کیں۔ اگر کسی کے پاس ایک گھوڑے سے زیادہ گھوڑے تھے تو ان زائد کا الگ حصّہ نہیں لگایا گیا۔

اسیروں کی واپسی

قبیلہ ہوازن کا ایک چودہ نفری وفد بسرکردگی زہیر بن صرد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا ان ہی میں آنحضرتؐ کے رضاعی چچا ابُو برقان بھی تھے جن کا تعلق بنو سعد سے تھا۔ یہ سب اسلام قبول کر کے حاضر ہوئے تھے۔ انھوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ ہمارے قیدی واپس فرما کر ہم پر احسان فرمایا جائے۔ اس پر آنحضرتؐ راضی ہو گئے اور آپ کی رضامندی پر تمام مسلمان بھی راضی ہو گئے اور سب نے ہوازن کے بچوں اور عورتوں کو انھیں واپس کر دیا۔ بجُز ایک عیینہ بن حصن کے جو مُتشدد قسم کے دیہاتی تھے انھوں نے اس بڑھیا عورت کو واپس کرنے سے انکار کر دیا جو ان کے حصّہ میں آئی تھی۔ بعدازاں انھوں نے بھی کہنے سُننے سے اسے واپس کر دیا۔ پھر ہوازن کا سردار و سپہ سالار فوج مالک بن عوف بھی حاضر خدمت ہُوا تو آپؐ نے اس کے متعلقین اور اس کا لوٹا ہوا مال واپس فرما دیا اور اس کے علاوہ سو اونٹ مزید اپنے پاس سے دیئے جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے یہ مُشرف باسلام ہو گئے اور پکّے مسلمان رہے۔ آنحضرتؐ نے انھیں ان کی قوم کے مسلمانوں پر حاکم مقرر فرما دیا۔

اموالِ غنیمت اور انصار

جب انصار نے آنحضرتؐ کے قریش اور دُوسرے عرب کو دیئے جانے والے عطیات کو دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ آنحضرتؐ اپنے لوگوں کی طرف جُھک گئے اور ان پر مہربان ہو گئے ہیں۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے جماعت انصار! کیا تمھیں یہ منظور نہیں ہے کہ دُوسرے لوگ اُونٹ و بکریاں لے کر جائیں اور تم رسُول اللہ کو اپنے پڑاؤ میں لے کر جاؤ۔ اس پر سب انصار بول اُٹھے یا رسول اللہؐ ہم آپ کی تقسیم اور آپ کے ہمارے حصّہ میں آنے پر بخوشی راضی ہو گئے۔ اس پر آنحضرتؐ نے اُنھیں یہ دُعا دی۔ اے خدا! تو انصار انکی اولاد اور اولاد کی اولاد سب پر رحم فرما۔

آنحضرتؐ کی مدینہ مُنوّرہ کو واپسی

آنحضرتؐ یہاں سے واپس ہو کر بتاریخ ۵ ذیقعدہ شب پنجشنبہ کو مقام جعرانہ پر پہنچے۔ اور

وہاں تیرہ دن تک قیام فرمایا۔ پھر جب مدینہ واپسی کا قصد فرمایا تو بتاریخ ۱۸ ذیقعدہ شب چہار شنبہ کو وہاں سے روانہ ہوئے۔ عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ میں داخل ہو کر طواف، سعی اور سر منڈانے کے مراسم ادا فرما کر اسی شب جعرانہ کو واپس ہو گئے۔ جہاں رات گزار کر بروز پنجشنبہ وہاں سے روانہ ہو کر مقام سرفؔ پر پہنچے پھر مر الظہران سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ حق تعالیٰ نے اس واقعہ سے متعلق سورۂ توبہ میں آیاتِ ذیل نازل فرمائیں:۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ۝	حق تعالیٰ نے تمھیں بہت سے مقامات پر فتح و نصرت سے ہمکنار فرمایا۔ خاص کر جنگ حنین کے دن جبکہ تمھاری افرادی کثرت نے تمھیں مبتلائے عُجب کر دیا تھا مگر وہ کثرت تمھارے کام نہ آسکی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو کر رہ گئی۔ پس تم شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ پھر حق تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت و طمانیت نازل فرمائی اور اپنے نظر نہ آنے والے لشکروں کو نازل فرمایا۔ اور کفار پر عذاب نازل فرمایا۔ واقعی کافر اسی سزا کے مستحق تھے

اسی غزوہ میں حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ کو جواد (سخی) کا اور ایک قول کے مطابق فیّاض کا لقب دیا گیا کیونکہ انھوں نے اسلامی لشکر پر بہت مال صرف کیا تھا۔

حضرت ابُوعامر اشعری کی فوج کشی
یا سریۂ اوطاس (ہوازن)

حضرت ابُو عامر اشعریؓ حضرت ابُوموسیٰ اشعریؓ کے چچا اور اکابر صحابہ میں تھے۔ جب آنحضرتؐ نے جنگ حنین سے فراغت پائی تو آپ نے حضرت ابُو عامر کو ایک لشکر کا افسر بنا کر ہوازن کے بھاگنے والوں کے تعاقب میں اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ بھاگنے والے تین حصّوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ

ؔ مکہ سے چھ میل پر واقع ایک مقام کا نام ہے۔

طائف چلا گیا۔ دوسرا گروہ نخلستان کی طرف چلا گیا اور تیسرا گروہ اوطاس چلا گیا۔ حضرت ابُو عامر ان تک پہنچے تو دیکھا کہ یہ لوگ جمع ہیں۔ انھوں نے آپ پر حملہ بول دیا۔ حضرت ابُو عامر نے پہلے ہر مقابلہ میں آنے والے کو اسلام لانے کی دعوت دی۔ پھر ان سے مقابلہ کرکے نو جنگ بازوں کو قتل کر دیا۔ دسواں آپ کی زد سے بچ نکلا۔ پھر آپ شہید کر دیئے گئے۔ علاء اور اوفی دو برادران نے جو حارث بن جشم کے فرزند تھے حضرت ابو عامر کو شہید کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو حضرت ابو عامرؓ کا جانشین مقرر کرنے کا مشورہ دیا۔ جسے قوم نے منظور کر لیا۔ پس انھوں نے مخالفین سے جنگ کرکے انھیں شکست فاش دے دی اور مسلمانوں کے مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کی ذوالکفین کی طرف فوج کشی

آنحضرتؐ نے جب طائف کے سفر کا قصد فرمایا تو حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ[1] کو ماہ شوال ۸ھ میں ذوالکفین[2] کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ اس معاملہ میں وہ اپنی قوم سے مدد لیں پھر مجھ سے طائف میں آملیں۔ چنانچہ یہ تیزی سے اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان کی مدد سے ذوالکفین کو برباد کر دیا۔ آپ اس کے پیٹ میں آگ لگا کر اُسے جلاتے جا رہے تھے اور یہ پڑھتے جا رہے تھے:-

یا ذا الکفین لستُ من عُبّادِکا	اے ذوالکفین! میں تیرے پرستاروں میں سے نہیں ہوں
میلادُنا اقدمُ من میلادِکا	ہماری پیدائش تیرے وجود سے بہت پہلے کی ہے۔
اِنّی حَشَشْتُ النّارَ فی فُؤادِکا	میں نے تیرے دل میں آگ لگا دی ہے۔

پھر حضرت طفیل اپنی قوم کے چار سو آدمیوں سمیت تیزی سے روانہ ہو کر آنحضرتؐ کی طائف میں تشریف آوری کے چار دن بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آنحضرتؐ اس سفر میں ایک دبابہ اور ایک منجنیق اپنے ساتھ لے کر تشریف لائے تھے اور اس سے پہلے دبابات و منجنیق کا پہلی مرتبہ غزوۂ خیبر میں ذکر آیا تھا۔

○

۱؎ حضرت طفیل بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کے اسلام کا ذکر پہلے آچکا ہے۔م

۲؎ یہ عمرو بن حممہ دوسی کے لکڑی کے بنے ہوئے بُت کا نام ہے۔م

غزوۂ طائف

واقع شوال ۸ھ م فروری ۶۳۰ء

غزوۂ طائف ماہ شوال ۸ھ م فروری ۶۳۰ء میں واقع ہوا تھا۔ اس سے پہلے اس سلسلہ میں طائف کا ذکر آچکا ہے کہ آنحضرتؐ نے ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد قبیلہ ثقیف سے مدد طلب کرنے کی غرض سے طائف کا سفر اختیار فرمایا تھا۔ لیکن بنوثقیف نے آپ کی کوئی مدد نہ کی (بلکہ آپ سے سخت گستاخی سے پیش آئے) یہ آپ کی نبوت کے دسویں سال کا واقعہ ہے۔

اس مرتبہ آپ نے حنین سے طائف کا اس غرض سے سفر فرمایا کہ وہاں کی کافرانہ طاقتوں سے جہاد کریں۔ کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ مالک بن عوف اور اس کی قوم کے معززین کی ایک جماعت حنین میں شکست خوردگی کے بعد طائف میں آکر جمع ہوگئی ہے۔ ادھر بنوثقیف نے اپنے قلعہ کی مرمت کرکے اس میں سال بھر کی تمام ضروریات جمع کر دی تھیں۔ جب یہ لوگ اوطاس میں شکست کھا گئے تو اپنے قلعہ میں داخل ہوکر قلعہ بند ہوگئے اور جنگ کے لئے تیار ہوگئے۔ مالک بن عوف نضیری بھی انکے ساتھ تھا۔

آنحضرتؐ نے طائف کا سفر کرکے قلعہ طائف کے قریب اپنا پڑاؤ ڈالا اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ یہاں کفار نے مسلمانوں پر تیروں کی سخت بوچھاڑ کر دی جس سے بہت سے مسلمان زخمی اور بارہ شہید ہو گئے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیقؓ بھی تھے۔ ان کا زخم مندمل ہوگیا تھا لیکن بعد میں بگڑ گیا اور اسی سے ان کی موت واقع ہوئی۔ اسی میں حضرت ابوسفیانؓ کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ وہ اپنی آنکھ ہاتھ میں لئے ہوئے حاضر خدمت اقدس ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ میری آنکھ ہے جو راہِ خدا میں ضائع ہوگئی۔ آپ نے فرمایا تم چاہو تو میں خدا سے دعا کروں تاکہ یہ آنکھ تمھیں واپس مل جائے اور اگر چاہو تو اس کے عوض جنت میں دوسری اچھی آنکھ حاصل کرلو۔ عرض کیا۔ مجھے جنت کی آنکھ قبول ہے۔ یہ کہہ کر اپنی آنکھ ہاتھ سے پھینک دی۔

۱؎ پھر ان کی دوسری آنکھ جنگ یرموک میں رومیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے ضائع ہوگئی جبکہ یہ مسلمانوں کو روم سے جنگ کرنے اور ثابت قدم رہنے پر اکسا رہے تھے۔ م

وہاں سے اُٹھ کر آنحضرتؐ مسجد طائف کے مقام پر تشریف لے آئے جہاں بعد میں یہ مسجد تعمیر کر دی گئی۔ آپ کے ساتھ آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے حضرت امِ سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان دونوں کے لئے وہاں دو عارضی جھونپڑے بنا دیئے گئے تھے۔ آپ دونوں جھونپڑوں کے درمیان قصر نمازیں ادا فرماتے تھے۔ طائف کا یہ محاصرہ اٹھارہ دن تک جاری رہا۔ جہاں آپ نے دشمن کے قلعہ کے سامنے منجنیق نصب کرا دی اور خاردار درختوں کے کانٹے لکڑیوں سے جھاڑ جھاڑ کر قلعہ کے اطراف پھیلا دیئے۔ اور آپ کے منادی نے اعلان کر دیا کہ جو شخص قلعہ سے اُتر کر ہمارے پاس آ جائے گا اُسے چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ ان میں سے دس سے زیادہ افراد قلعہ سے نکل کر حاضر خدمت ہو گئے جنھیں آنحضرتؐ نے آزاد کر دیا۔

یہاں آنحضرتؐ نے کفّار کے انگور کے باغات کو کاٹ پھینکنے اور جلا ڈالنے کا حکم فرمایا۔ مسلمانوں نے کچھ حصّہ کاٹنے کے بعد آنحضرتؐ سے قطع و بُرید ختم کر دینے کی درخواست کی جسے آپ نے منظور فرما لیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کو بزورِ شمشیر فتح کرنے کی اجازت نہیں دی اور حضرت عمرؓ بن خطاب کو حکم دیا جنہوں نے لوگوں میں کوچ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے خلاف لوگوں میں کچھ شور و غوغا بلند ہوا پھر انہوں نے اس حکم کو تسلیم کر لیا۔

اس جنگ میں مسلمانوں نے دبابہ کا استعمال کیا جو جنگی ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار تھا۔ یہ کھالوں سے بنایا جاتا تھا۔ جس کے اندر سپاہی بیٹھ کر اسے چلا کر شہر پناہ تک لے جاتے اور اس کی دیوار میں سوراخ کر دیتے تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم ایک لطیف واقعہ بیان کر دیں۔ وہ یہ کہ حنین کے قیدیوں میں آنحضرتؐ کی رضاعی ہمشیرہ شیما بھی تھیں جن کی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ تھیں۔ جب یہ خدمت میں پیش ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں آپ کی بہن ہوں تو آپ نے فرمایا۔ اس کا کیا ثبوت ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ جب آپ بچپن میں بسلسلہ رضاعت ہمارے گھر میں رہتے تھے تو آپ نے مجھے کاٹ لیا تھا اور یہ کہہ کر کاٹنے کا نشان آپ کو دکھا دیا۔ آپ نے اُسے پہچان لیا اور وہ واقعہ آپ کو یاد آگیا۔ پھر آپ اُن کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ اُن کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی۔

اس سے قبل جب ان کی والدہ حضرت حلیمہؓ حاضر خدمت ہوئی تھیں تو آپ ان سے بھی اسی طرح

پلیش آئے تھے۔ پھر (اپنی بہن کو دیکھ کر اور حضرت حلیمہؓ کو یاد کر کے) آنحضرتؐ کی چشم مبارک سے آنسو بہہ نکلے جب آپ نے شیماء کو پہچان لیا تو ان سے فرمایا،"تم مجھ سے سوال کرو پورا کیا جائے گا۔ تم مجھ سے سفارش کرو۔ تمھاری سفارش قبول کی جائے گی"۔

روایت ہے کہ شیماء کی قوم والوں نے ان سے کہا تھا کہ یہ صاحب تمھارے بھائی ہیں پس جب تم ان کے پاس جاؤ تو اپنی قوم کے حق میں ان سے سفارش کرنا۔ ہمیں امید ہے کہ وہ ہماری مدد فرمائیں گے۔

چنانچہ شیماء نے آنحضرتؐ سے اپنی قوم کے قیدیوں کو جن کی تعداد چھ ہزار تھی ا سے بخش دینے کی سفارش کی۔ آپ نے وہ سب انھیں بخش دیئے۔

پس اس سے قبل کبھی ایسی عظیم مہربانی اور فیاضی کی مثال نہیں ملتی اور نہ کسی ایسی خاتون کی نظیر ملتی ہے جو ان سے زیادہ اپنی قوم کے لئے باعثِ برکت و رحمت ثابت ہوئی ہوں۔

پھر آنحضرتؐ نے انھیں شیماء کو اختیار دیا اور فرمایا کہ اگر آپ میرے پاس قیام کرنا چاہیں تو آپ کو میرے پاس میری انتہائی محبت و احترام حاصل رہے گا اور اگر آپ چاہیں کہ میں آپ کو ضروری مال و متاع دے دوں اور آپ اپنی قوم میں جا کر رہیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ مجھے یہی صورت قبول ہے کہ آپ جو عطا فرمانا چاہیں عطا فرما دیں اور میں اپنی قوم میں واپس چلی جاؤں۔ پس آپ نے انھیں بہت سے اونٹ بکریاں مکحول نامی ایک غلام اور ایک باندی عطا فرما کر رخصت فرما دیا۔

حضرت قیس بن سعد کی صُدَاء پر فوج کشی

آنحضرتؐ جب جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے حضرت قیس بن عبادہ خزرجیؓ کو چار سو مجاہدین کا سر لشکر بنا کر یمن کی طرف روانہ فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ جا کر صُداء قبیلہ سے جو یمن کا ایک قبیلہ ہے جہاد کریں اور معجم البلدان میں مذکور ہے کہ صداء یمن میں ایک پہاڑی درّہ کی آبادی ہے کہ اس کے اور صنعاء کے درمیان بیالیس فرسخ[1] کا فاصلہ ہے۔ اس کا یہ نام ایک قبیلہ کے نام پر رکھا گیا تھا پھر حضرت زیاد بن حارث صدائیؓ حاضر خدمت ہوئے اور آپ سے اس لشکر کی روانگی کی غرض کے متعلق سوال کیا۔ آپ

---

[1] فرسخ تین میل ہاشمی یا آٹھ کیلو میٹر کا ہوتا ہے۔ م

نے اس کی غرض بیان فرمادی۔ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! میں انھیں لاکر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ اس لئے آپ اس لشکر کو واپس بُلا لیجئے۔ میں اپنی قوم کے اسلام قبول کرنے اور آپ کی اطاعت اختیار کرنے کا ذمہ دار ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر تم خود جاکر اس فوج کو واپس بھیج دو۔ انھوں نے عرض کیا اس وقت میری سواری تھکی ہوئی ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے قاصد کو بھجوا کر فوج کو واپس بُلا لیا۔ پھر صُدائی اپنے قوم کے پاس پہنچے اور ان کی قوم کے لوگ پندرہ دن بعد حاضر خدمت اقدس ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ صُدائی نے اپنی قوم کو خط لکھ بھیجا تھا۔ اس پر اس کی قوم کا وفد حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے بھائی صُدا واقعی آپ اپنی قوم میں محترم اور واجب الاطاعت شخص ہیں۔ انھوں نے عرض کیا۔ بات یہ نہیں ہے بلکہ خدا نے انھیں ہدایت فرمادی ہے۔ پھر انھوں نے عرض کیا کیا آپ مجھے ان کا امیر مقرر نہ فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا۔ ضرور لیکن ایک مومن کے لئے امارت میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ یہ سُن کر انھوں نے امارت کا خیال ترک کر دیا۔ آنحضرتؐ نے انھیں نمازِ فجر کی اذان دینے کا حکم دیا تو انھوں نے اذان دی پھر حضرت بلالؓ نے اقامت کہنی چاہی تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ بھائی صُدا نے اذان دی ہے اور جو اذان دے اُسے ہی اقامت بھی کہنی چاہیئے۔

عُیینہ بن حصن فزاری کی تمیم کی طرف فوج کشی

آنحضرتؐ نے ماہ محرم ۹ھ م اپریل ۶۳۰ء کو عیینہ بن حصن فزاریؓ کو پچاس عرب سواروں کا امیر بنا کر جن میں مہاجر و انصاری نہ تھا قبیلہ بنو تمیم کی طرف روانہ فرمایا۔ وہ راتوں کو سفر کرتے اور دن میں چھُپ جاتے۔ اس طرح وہاں پہنچ کر ایک جنگل میں ان پر اچانک جا پڑے جو وہاں اپنے مویشی چرا رہے تھے۔ جب انھوں نے ایک فوجی دستہ دیکھا تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ عیینہ نے ان کے گیارہ مرد گرفتار کر لیے اور آبادی میں سے گیارہ عورتوں اور تیس بچّوں کو گرفتار کر لیا اور ان سب کو مدینہ لے گئے۔ آنحضرتؐ نے ان سب کو رملہ بنت حارث کے مکان میں مقید رکھنے کا حکم فرمایا۔ پھر ان کے قبیلہ کے چند سردار مدینہ منورہ آئے تو انھیں دیکھ کر ان کی عورتیں اور بچے رونے لگے۔ پس یہ سردار جلدی سے آنحضرتؐ کے دروازے پر پہنچے اور آپ سے ان قیدیوں کی رہائی کے متعلق عرض کیا۔ پس آنحضرتؐ نے

قیدیوں کو انھیں واپس فرما دیا۔ اس وفد کی تعداد میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ وہ ستر تھے اور ایک قول کے مطابق وہ اسی تھے۔ یہ سب اسلام لاچکے تھے اور انھوں نے ایک مدت تک مدینہ میں قیام کرکے قرآن کریم اور دینی احکام کی تعلیم حاصل کی تھی۔

اس فوج کشی کا سبب یہ ہوا تھا کہ آنحضرتؐ نے حضرت بشر بن سفیان عدوی کلبیؓ کو بنو کعب بن خزاعہ کے پاس ان پر واجب زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس قبیلہ کے لوگ ایک زرعی کنوئیں پر قبیلہ بنو تمیم کے ساتھ شریک تھے۔ بنو تمیم پر یہ مطالبہ بہت گراں گزرا اور انھوں نے بنو کعب سے کہا کہ تم اپنے اموال انھیں کیوں دیتے ہو۔ بنو تمیم جمع ہو گئے اور انھوں نے ہتھیار اُٹھا لئے اور حضرت بشر کو زکوٰۃ کی وصولی سے روک دیا۔ اس پر بنو کعب نے ان سے کہا کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اور ہمارے دین میں زکوٰۃ کی ادائی لازمی ہے۔ اس پر بنو تمیم نے کہا۔ واللہ! ہم یہاں سے ایک اُونٹ بھی نہ جانے دیں گے۔ حضرت بشرؓ یہ صورتِ حال دیکھ کر مدینہ لوٹ گئے اور جاکر آنحضرتؐ کو اس صورتِ حال کی اطلاع دی۔ اس پر آنحضرتؐ نے حضرت عیینہ بن حصن فزاریؓ کو بنو تمیم کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔

ولید بن عقبہؓ کی بنی مصطلق پر فوج کشی

آنحضرتؐ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بنی مصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا جو اسلام لاچکے تھے اور انھوں نے مساجد تعمیر کرلی تھیں اور زمانہ جاہلیت میں ان کے اور ولید کے درمیان عداوت تھی۔ جب ان لوگوں نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے ولید کی آمد کی خبر سُنی تو ان میں کے بیس آدمی زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے اُونٹ اور بکریاں ساتھ لے کر ان کی آمد پر مسرت اور اللہ اور رسول کی تعظیم کا اظہار کرتے ہوئے ان کے استقبال کو شہر سے باہر نکلے۔ ولید نے انھیں اپنی طرف ہتھیار لئے ہوئے آتا دیکھا تو خیال کیا کہ یہ لوگ انھیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہتھیار صرف زینت کے طور پر ساتھ لے کر نکلے تھے۔ پس ولید ان کے اپنے پاس تک پہنچنے سے پہلے ہی واپس ہو کر مدینہ پہنچ گئے اور آنحضرتؐ کو اطلاع دی کہ وہ لوگ مُرتد ہو گئے ہیں اور وہ ہتھیار بند ہو کر ان کی طرف آرہے تھے تاکہ انھیں زکوٰۃ وصول کرنے سے روک دیں۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ نے کسی کو ان سے جنگ کرنے کے لئے بھیجنے کا قصد فرمایا۔ یہ

خبر بنو مصطلق کو معلوم ہوئی تو ان کا وہی قافلہ جو ولید سے ملنے آ رہا تھا سیدھا آنحضرتؐ کے پاس پہنچا اور آپ کو صحیح صورت حال پر مطلع کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ

اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق و بدکردار کوئی خبر لے کر آئے تو تم اس کی اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو اپنی لاعلمی میں ہلاک کر ڈالو۔

یہ ولید بن عقبہؓ حضرت عثمانؓ کے ماں شریک بھائی تھے۔ یہ خود اور ان کے بھائی خالد بن عقبہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔ یہ وہی تھے جنھوں نے کوفہ والوں کو صبح کی نماز میں چار رکعتیں پڑھا دی تھیں اور پھر کہا تھا کہ کیا اور زیادہ پڑھاؤں۔ اس وقت وہ نشہ کی حالت میں تھے۔ جب لوگوں نے ان کی شراب نوشی پر ان کے خلاف گواہی دی تو حضرت عثمانؓ کے حکم سے انھیں کوڑے لگائے گئے۔ اور یہ کوفہ سے معزول کر دیئے گئے۔ گزشتہ آیت میں جس فاسق کا ذکر آیا ہے اس سے مراد یہی ولید بن عقبہ ہیں کیونکہ انھوں نے آنحضرتؐ سے آکر یہ خبر بیان کی تھی کہ بنو مصطلق مرتد ہو گئے ہیں اور وہ ہتھیار بند ہو کر ان کے سامنے آئے تھے۔ یہ ولید بہت شراب نوش تھے۔ شاعر اور سخی شخص تھے۔

حضرت قطبہ بن عامرؓ کی خثعم پر فوج کشی

آنحضرتؐ نے ماہ صفر ۹ھ کو قطبہ بن عامر بن حدیدہؓ کو بیس مجاہدوں پر افسر مقرر کر کے تبالہ[1] کی سمت قبیلہ خثعم کی طرف روانہ فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ اس قبیلہ والوں پر اک دم چاروں طرف سے حملہ آور ہوں۔ پس یہ مجاہدین دس اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے جو باری باری ان پر سوار ہوتے تھے۔ راہ میں انھوں نے ایک شخص کو پکڑ لیا اور اس سے معلومات کرنی چاہیں مگر غلبۂ خوف سے اس سے کچھ جواب بن نہ پڑا۔ اور وہ آبادی والوں کو پکارنے اور اس خطرہ سے ڈرانے لگا۔ پس مسلمانوں نے اس کی گردن اڑا دی۔ پھر یہ لوگ رکے رہے۔ یہاں تک کہ آبادی کے لوگ سو گئے۔ تب یہ لوگ یکایک چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی اور جانبین میں بکثرت زخمی ہوئے۔ حضرت قطبہ بن عامر نے بہتوں کو قتل کر دیا اور ان کے مویشیوں، بکریوں اور عورتوں کو مدینہ کی طرف لے چلے۔ اس اثنا میں اچانک سیلاب آگیا

---

[1] تبالہ یمن کے راستہ پر تہامہ کے علاقہ میں واقع ایک شہر کا نام ہے۔ م

جو اہل قبیلہ اور حضرت قطبہ کے درمیان حائل ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ان کے لئے حضرت قطبہ پر قابو پانے کا راستہ نہ رہا۔

اس مالِ غنیمت سے خُمس (پانچواں حصہ) نکال کر مجاہدین کے حصہ میں چار چار اونٹ آئے اور ہر اُونٹ دس بکریوں کے مساوی قرار پایا۔

حضرت ضحاک بن سفیان رضؓ کی بنو کلاب پر یلغار

آنحضرت ؐ نے ماہ ربیع الاول سنہ ۹ھ کو مجاہدین کا ایک لشکر قرطاء کی طرف بھیجا۔ اس پر حضرت ضحاک بن ابی بکر کلابی رضؓ کو افسر مقرر فرمایا جو بڑے دلیر اور بہادر لوگوں میں سے تھے۔ ان کے ساتھ اُصید بن سلمہ بن قرط رضؓ بھی تھے۔ پس یہ لوگ قرطیوں سے زج لاوہ (نجد کے ایک مقام) پر جا ملے اور انھیں اسلام لانے کی دعوت دی۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ تب مُسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے انھیں شکست دے دی اور ان کا مال و متاع لُوٹ لیا۔ اس موقع پر اُصید اپنے والد سلمہ سے جا کر ملے جو اپنے گھوڑے پر سوار زج کے ایک تالاب میں کھڑے تھے اور انھیں اسلام کی دعوت دی اور انھیں اپنی امان پیش کی۔ مگر انھوں نے ان پر اور ان کے دین پر سب و شتم کیا۔ جس پر اصید نے اپنے باپ کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ گھوڑا کونچوں کے بل زمین پر جا پڑا تو سلمہ پانی میں زمین پر اپنا نیزہ گاڑ کر اس کے سہارے کھڑے ہو گئے۔ پس ایک مجاہد نے آ کر ان کا کام تمام کر دیا۔ خود ان کے بیٹے (اُصید) نے انھیں قتل نہیں کیا۔

علقمہ بن مجزز مُدلجی کی حبشہ پر فوج کشی

ماہ ربیع الآخر سنہ ۹ھ م جولائی سنہ ۶۳۰ء میں علقمہ بن مجزز مدلجی نے حبشہ پر فوج کشی کی۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت ؐ کو یہ اطلاع ملی کہ حبشہ کے کچھ آدمیوں کو اہلِ جدّہ نے مسلمانوں کے خلاف اپنا ہمنوا بنا لیا ہے۔ اس پر آپ نے حضرت علقمہ بن مجزز رضؓ کو تین سو مجاہدین کا دستہ دے کر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا۔ وہ دریا کے ایک جزیرہ پر پہنچے چونکہ دریا کا بہاؤ مخالفین کی طرف تھا اس لئے وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ مقابلہ سے واپسی پر کچھ مسلمانوں نے اپنے اہل و عیال میں جلد واپس ہونا چاہا۔ قبل اس کے کہ باقی فوج روانہ ہو ان ہی میں حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی بھی تھے۔ حضرت علقمہ نے جلد واپس جانے والوں

پر انھیں امیر مقرر کر دیا۔ ان کے مزاج میں ظرافت تھی۔ اس قافلہ نے راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور لوگ آگ جلا کر اس سے تاپنے اور کھانا پکانے لگے۔ پس عبداللہ نے ان سے کہا۔ کیا تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے؟ سب نے کہا۔ ہاں ہے۔ کہا تو پھر اس آگ میں کُود پڑو۔ اس حکم پر بعض لوگ آگ کے گرد جمع ہو گئے جس پر عبداللہ کو خیال ہُوا کہ اب یہ لوگ اس میں کُود پڑیں گے تو کہا۔ بیٹھ جاؤ۔ میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا۔ یہ خبر آنحضرتؐ کو معلوم ہوئی تو فرمایا۔ جو شخص تمھیں کسی گناہ کا حکم دے اس کی اطاعت نہ کرو۔

یہ وہی علقمہؓ ہیں جنھیں حضرت عمر بن خطابؓ نے (اپنے دورِ خلافت میں) حبشہ کی طرف بھیجا تھا جہاں وہ اور ان کا لشکر ہلاک ہو گیا تھا اور عبداللہ بن حذافہؓ قدیم مہاجرین اور اہلِ بدر میں سے تھے جو بزمانہ خلافت عثمانی مصر میں وفات پا گئے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ کی فُلس پر فوج کشی

نجد میں فُلس نامی ایک بُت تھا جس کی طے قبیلہ والے پرستش کیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ربیع الآخر ۹ھ میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کو ڈیڑھ سو انصاری مجاہدین کا دستہ دے کر فلس کو منہدم کرنے کی غرض سے روانہ فرمایا۔ یہ دستہ سو اونٹوں اور پچاس گھوڑوں پر مشتمل تھا۔ حضرت علیؓ کے ساتھ ایک بڑا سیاہ اور ایک چھوٹا سفید جھنڈا تھا۔ ان مجاہدین نے فجر کے وقت آل حاتم طائی کے محلہ پر چاروں طرف سے اک دم حملہ کر کے فلس کو منہدم اور نیست و نابُود کر دیا۔ یہاں انھیں قیدیوں، مویشیوں، بکریوں اور چاندی کی ایک معقول مقدار ہاتھ آئی۔ ان ہی اسیروں میں حاتم طائی کی دختر اور عدی بن حاتم کی بہن سفانہ بھی تھی۔ عدی شام کی طرف بھاگ گئے۔ حضرت علیؓ کو فلس کے خزانہ میں سے تین تلواریں، رسُوب، مخزم اور سیف یمانی اور تین زرہیں ملیں۔ آنحضرتؐ نے اسیروں پر حضرت ابو قتادہؓ کو اور مویشیوں اور دُوسرے سامان پر حضرت عبداللہ بن عتیکؓ کو نگران مقرر فرمایا۔ جب یہ مجاہدین مقام رکک پر پہنچے تو انھوں نے باہم اموالِ غنیمت تقسیم کر لئے۔ مالِ غنیمت میں آنحضرتؐ کے حصہ کی رسُوب اور مخزم تلواریں علیحدہ کر دی گئیں۔ بعد میں آپ کو دُوسری تلوار بھی پیش کر دی گئی۔

خُمس (پانچواں حصہ) اور قبیلۂ حاتم والے تقسیم سے علیحدہ رکھے گئے۔ انھیں مجاہدین میں تقسیم

نہیں کیا۔ بلکہ انھیں مدینۂ منورہ لے آئے۔ پھر آنحضرتؐ نے سفانہ پر احسان فرمایا۔ جس کے بعد وہ اسلام لے آئیں اور بہت اچھی دیندار رہیں۔ ان پر احسان ان کے بھائی عدی بن حاتمؓ کے اسلام کا سبب بنا کیونکہ یہ مدینہ سے روانہ ہوکر شام میں اپنے بھائی کے پاس پہنچیں تو انھوں نے پوچھا۔ تمھاری اس شخص (حضرت محمدؐ) کے متعلق کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا۔ خدا کی قسم! میری رائے ہے کہ آپ ان کی خدمت میں جلدی حاضر ہوں۔ اگر وہ واقعی نبی ہوئے تو ان کی خدمت میں پہلے حاضر ہونے والے کو فضیلت حاصل ہوگی اور اگر وہ بادشاہ ہوئے تو آپ بھی ذی رتبہ خاندانی آدمی ہیں۔ ان کی مصاحبت میں باعزت منصب پر فائز رہ سکیں گے۔ عدی نے کہا۔ واللہ! یہ رائے بہترین ہے۔ پس وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوگئے۔

○

غزوۂ تبوک یا غزوۂ عسرت

واقع رجب ۹ھ م ستمبر۔اکتوبر ۶۳۰ء

تبوک، وادی قری اور شام کے درمیان ایک مقام ہے۔ اس کے اور مدینہ کے درمیان شام کی طرف سے چودہ منزل اور اس کے اور دمشق کے درمیان گیارہ منزل[1] کا فاصلہ ہے۔ یہ عُسرت والا غزوہ تھا جس کا یہ نام اس آیت سے ماخوذ ہے:

اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ — جنھوں نے تنگی کے وقت آنحضرتؐ کا اتباع کیا

یہ غزوہ ماہِ رجب ۹ھ م ستمبر۔اکتوبر ۶۳۰ء میں واقع ہوا تھا اور یہ آنحضرتؐ کے غزوات میں سب سے آخری غزوہ تھا۔ آپ کے کوچ کے وقت شدید گرمی اور سخت قحط پڑ رہا تھا۔ اسی لئے آپ نے اس جہاد پر روانگی کو کسی سے پوشیدہ نہ رکھا تھا۔ جیسا کہ دوسرے غزوات میں آپ ایسا کیا کرتے تھے بلکہ لوگوں پر صاف صاف واضح فرما دیا تھا کہ آپ رُوم کے سفر کا قصد رکھتے ہیں۔ مسلمان شدّت گرمی کی وجہ سے اونٹ ذبح کرتے اور اس کی آنتوں کا پانی نکال کر پیتے تھے۔ اسی بناء پر اس کا نام غزوۂ عسرت پڑ گیا۔ یعنی شدّت و تنگی والا غزوہ۔ یہ آنحضرتؐ کا آخری غزوہ تھا۔ اس کا سبب یہ ہُوا تھا کہ شاہِ روم نے شام میں اپنی بہت بڑی فوج جمع کر لی تھی اور ہرقل نے اپنی فوج کے لئے سال بھر کا راشن جمع کر دیا تھا اور اس کے ساتھ قبائل لُخَم، جُذام، عاملہ اور غسّان کے قبائل بھی جمع ہو گئے تھے اور ان کے اگلے دستے بلقاء[2] تک آ گئے رہے۔ کہا گیا ہے کہ شہنشاہ ہرقل خود حمص میں تھا۔

صحابہؓ کا اخلاص اور ان کے صدقات

آنحضرتؐ نے لوگوں کو جہاد پر روانگی کے لئے طلب فرمایا اور انھیں اپنی منزل بھی بتا دی تاکہ وہ اس کے لئے تیار ہو کر آئیں۔ ادھر آپ نے اہلِ مکّہ اور عرب کے تمام قبائل کی طرف قاصد روانہ فرمایا تاکہ وہ انھیں

---

[1] ہر منزل ایک دن کی مسافت کو کہا جاتا ہے م

[2] بلقاء شام و وادی قری کے درمیان ایک علاقہ ہے جو دمشق کے اضلاع میں داخل ہے۔ م

جہاد کے لئے کوچ پر آمادہ کرے۔ نیز آپ نے لوگوں کو خیرات دینے کا حکم فرمایا اور انھیں راہِ جہاد میں اپنی دولت خرچ کرنے اور باربرداری کے جانور ہبہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس پر لوگ بہت خیرات لے کر حاضر ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا تمام سرمایہ چالیس ہزار درہم[1] حاضر خدمت کر دیا۔ آنحضرتؐ نے ان سے دریافت فرمایا۔ کیا آپ اپنے متعلقین کے لئے بھی کچھ چھوڑ آئے ہیں؟ عرض کیا میں ان کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنا نصف سرمایہ حاضر کر دیا۔ آنحضرتؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کچھ اپنے متعلقین کے لئے بھی چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا۔ ہاں آدھا سرمایہ چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ دو سو اوقیہ[2] چاندی لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ نے ستّر وسق[3] کھجور پیش کی۔

اور حضرت عثمانؓ نے ایک تہائی لشکر کو پورے ساز و سامان سے لیس کر دیا۔

بہت گریہ وزاری کرنے والے

سات صحابہ اور ایک قول پر کچھ زیادہ روتے تڑپتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اور آپ سے سفر جہاد کے لئے سواری کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ میرے پاس تمہارے لئے سواری کا انتظام نہیں ہے۔ وہ یہ سن کر روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ یہی وہ حضرات تھے جن کی شان میں حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝	اور ان پر بھی کوئی مواخذہ نہیں ہے جو آپ کی خدمت میں سواری کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس تمہارے لئے سواری نہیں ہے پس وہ اس حال میں غمگین و پژمردہ واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں اشک بہا رہی تھیں کیونکہ وہ جہاد کی ضروریات حاصل نہ کر سکے۔

---

[1] درہم ساڑھے چار آنہ کے برابر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ رقم اندازاً ساڑھے دس ہزار روپیہ بنتی ہے۔ م

[2] ایک اوقیہ ساڑھے دس درہم وزن کے برابر ہوتا ہے۔ جملہ چاندی سوا دو ہزار درہم تقریباً پانچ سو تولہ ہوتی ہے۔ م

[3] وسق ایک اونٹ کے بار کو کہا جاتا ہے۔ ازہری کا کہنا ہے کہ وسق آنحضرتؐ کے صاع سے ساٹھ صاع کا اور ایک صاع پانچ رطل و تہائی رطل کے برابر ہوتا ہے۔ م

(غزوہ تبوک سے) پیچھے رہ جانے والے

کچھ منافقین نے حاضر خدمت ہوکر بغیر کسی معقول وجہ کے جہاد پر نہ جانے کی اجازت چاہی۔ یہ اسی سے کچھ زائد افراد تھے۔ ان منافقین میں سے ایک نے جہاد کی رغبت نہ ہونے، حق وصداقت میں شک وشبہ کرنے اور آنحضرتؐ کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کی غرض سے لوگوں سے کہا کہ گرمی میں جہاد کے لئے نہ جاؤ۔ ان رہ جانے والوں میں عبداللہ بن اُبی بن سلُول بھی تھا۔

عُذر کرنے والے

کچھ دیہاتی نہ جانے کا عُذر پیش کرنے حاضر ہوئے جنھوں نے غلط اعذار پیش کئے تاکہ انھیں اپنے دیہات میں ہی رہنے کی اجازت مل جائے۔ جب انھوں نے جہاد سے معذرت چاہی تو آپ نے ان کا عُذر قبول نہیں فرمایا۔ کہا گیا ہے کہ یہ اسد و غطفان قبیلے تھے۔

آنحضرتؐ نے اپنے لشکر پر حضرت اُبوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے اپنا جانشین مقرر فرمایا اور مدینہ پر حضرت محمدّ بن مسلمہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ (ابن سعد کہتے ہیں بعض روایات میں ہے کہ آپ نے کسی دوسرے صحابی کو قائمقام بنایا تھا، مگر ہمارے نزدیک مذکورہ نام ہی ثابت ہے) اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کو اپنے زمانہ غیاب میں اپنے خاندان کی خبرگیری کے لئے چھوڑ دیا۔ اس پر منافقوں نے حضرت علی بن ابی طالب کی شان میں بہت سی تکلیف دہ باتیں گھڑ گھڑ کر کہیں۔ انھوں نے کہا کہ آنحضرتؐ نے انھیں اپنے اوپر بار سمجھ کر اور ان سے چھٹکارا پانے کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا ہے۔ جب منافقوں نے اس قسم کی باتیں کیں تو حضرت علیؓ ہتھیار سنبھال کر روانہ ہوگئے اور مقام جرفؔ[1] پر آنحضرتؐ سے جا ملے اور عرض کیا۔ یا رسُول اللہؐ! منافقین یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ مجھے بار سمجھ کر نجات حاصل کرنے کو مدینہ میں چھوڑ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے تو تم کو اپنے خاندان کی خبرگیری کے لئے چھوڑا ہے۔ پس تم چلے جاؤ اور میرے اور اپنے خاندان کی نگرانی میں میری نیابت کرو۔ اے علی! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے ایسے ہی قوت بازو ہو جیسے حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہما السلام کے تھے۔ فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں۔ اس پر حضرت علیؓ مدینہ کو واپس ہوگئے۔

جب آنحضرت مقام ثنیۃ الوداع سے تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے بڑے چھوٹے جھنڈے

---

[1] جرف مدینہ سے جانب شام تین میل پر واقع ایک مقام کا نام ہے۔ م

تیار کئے۔ بس چھوٹے جھنڈوں میں سب سے بڑا حضرت ابوبکرؓ کو اور بڑوں میں سب سے بڑا علم حضرت زبیرؓ کو اور اوس کا بڑا علم حضرت اُسید بن حضیرؓ کو اور خزرج کا حضرت حباب بن منذرؓ کو دیا۔ اسی طرح انصار اور قبائلِ عرب کی ہر ہر شاخ کو ایک ایک بڑا یا چھوٹا علم عطا فرمایا

مُسلمانوں کے لشکر کی تعداد

آنحضرتؐ جس لشکر کو لے کر روانہ ہوئے تھے، اس کی تعداد تیس ہزار تھی جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ منافقین اور دیہاتیوں کے رہ جانے کے بعد یہ لشکر سب سے بڑا لشکر تھا جو عربوں میں تیار ہوا تھا۔

آنحضرتؐ اس عظیم الشّان لشکر کے ساتھ تبوک پُہنچے اور وہاں بیس دن قیام فرمایا۔ اس مدت میں آپ دو رکعت نماز قصر ادا فرماتے رہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کو اکیدر کی طرف بھیجنا

آنحضرتؐ نے ماہ رجب سنہ ۹ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو چار سو بیس سوار دستہ کا افسر بنا کر مقام دُومۃُ الجندل اکیدر بن عبد الملک کی طرف روانہ فرمایا۔ اس مقام اور مدینہ کے درمیان پندرہ دن کی مسافت تھی۔ اکیدر کندہ قبیلہ کا تھا جوان کا بادشاہ بن گیا تھا۔ یہ عیسائی تھا جو ہرقل کی طرف سے وہاں کا بادشاہ تھا حضرت خالدؓ اس کے پاس پُہنچے تو یہ اور اس کا بھائی حسان چاندنی رات میں قلعہ سے باہر نکلے ہوئے تھے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے سواروں نے جا کر ان پر حملہ کر دیا۔ پس اکیدر نے تو خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا لیکن حسان نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور مقابلہ کیا جس میں وہ مارا گیا۔ ان کا ایک تیسرا ساتھی بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو گیا۔ حضرت خالدؓ نے اکیدر کو اس شرط پر قتل سے امان دے دی کہ وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو اور آپ کے لئے قلعہ دومۃ الجندل کا دروازہ کھول دے۔ چنانچہ اس نے اس پر عمل کیا اور حضرت خالدؓ سے دو ہزار اُونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہ اور چار سو نیزوں کی پیشکش پر صلح کر لی۔ حضرت خالدؓ نے مالِ غنیمت میں سے بڑھیا مال آنحضرتؐ کے لئے علیحدہ محفوظ کر دیا اور باقی مال اپنے مجاہد رفقا میں تقسیم کر دیا جس میں سے ہر ایک کے حصہ میں پانچ پانچ عطیات آئے۔

پھر حضرت خالد بن ولیدؓ، اکیدر اس کے بھائی مصاد کو جو قلعہ میں تھا اور وہ تمام مال جس پر صلح ہوئی تھی سب کو لے کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر اکیدر کو آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پس آنحضرتؐ نے اُسے جزیہ (خراج) پر مصالحت کا بہترین ہدیہ دیا اور اس کے اور اس کے بھائی کی جان کی حفاظت کا

ذمہ لیا۔ ان دونوں کو آزاد کر دیا اور اسے ایک تحریر لکھوا کر دی جس میں ان کی جان کی امان اور شرائط صلح کا ذکر تھا اور اس پر اپنی مہر لگا دی۔ آنحضرتؐ نے تبوک میں حضرت عباد بن بشرؓ کو اپنی فوجوں پر نگران کار مقرر فرما دیا تھا جو فوجی تنصیبات میں دورہ کر کے مجاہدین کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔

تبوک میں بیس دن قیام کے بعد آنحضرتؐ مدینہ منورہ کو واپس آگئے کیونکہ وہاں غنیم سے مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔ مدینہ واپسی پر وہ عوام جو اس جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے آکر حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ان میں سے کسی سے بھی کوئی شخص کلام نہ کرے۔ پس خود آنحضرتؐ اور دوسرے صحابہ نے ان سے مُنہ پھیر لیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ ہر شخص نے اپنے باپ اور بھائی تک سے قطع تعلق کر لیا۔

اِدھر منافقین قسمیں کھانے اور طرح طرح کے عُذر پیش کرنے لگے۔ آپ نے ان کے سب ظاہری و باطنی اعذار قبول فرما کر ان کے حق میں دُعائے مغفرت قبول فرمائی۔ حالانکہ یہ لوگ آپ کے غیاب میں آپ کے متعلق بُری بُری خبریں اُڑاتے تھے۔ آنحضرت تبوک سے ماہ رمضان میں واپس تشریف لائے تھے۔

مُعجزات و غیر عادی امُور

اس غزوہ میں آنحضرتؐ سے چند معجزات و خلاف عادت امور اور غیبی خبریں بتانے کا ظہور ہوا۔ جن میں سے چند ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

آنحضرتؐ جب مقام حجر پر پہنچے تو وہیں فروکش ہوئے۔ لوگوں نے وہاں کے کنوئیں کا پانی پینا چاہا۔ جب لوگ وہاں سے روانہ ہوئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ نہ وہاں کا پانی پینا، نہ اس سے وضو کرنا اور اگر اس سے آٹا گوندھ لیا ہو تو اسے بھی اُونٹوں کو کھلا دینا مگر خود اس کی روٹی وغیرہ نہ کھانا۔ نیز یہاں پہ شب کو کوئی شخص کسی ساتھی کے بغیر باہر نہ نکلے۔ چنانچہ سب نے تعمیل ارشاد کی۔ لیکن بنو ساعدہ قبیلہ کے دو آدمی ایسے تھے جن میں سے ایک رفع حاجت کے لئے دُوسرے اپنے اُونٹ کی تلاش میں اکیلے جنگل میں نکل گئے۔ نتیجہ یہ کہ جو صاحب رفع حاجت کے لئے گئے تھے ان کا وہیں گلا گھونٹ دیا گیا۔ اور جو اپنا اُونٹ تلاش کرنے نکلے تھے انھیں ہوا اُڑا لے گئی اور لے جا کر طی پہاڑ پر پھینک دیا۔ آنحضرتؐ کو ان واقعات کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا۔ کیا میں نے تمھیں منع نہیں کیا تھا کہ کوئی شخص اکیلا کسی ساتھی کے بغیر باہر نہ نکلے۔ پھر آپ نے دونوں کے حق میں دُعا فرمائی۔ پس گلا گھونٹے ہوئے صاحب صحتیاب ہو گئے اور دوسرے جو ہوا سے قبیلہ طے کے پہاڑ پر جا پڑے تھے انھیں قبیلہ طے والوں نے

آپ کے مدینہ پہنچنے کے بعد لاکر خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔

صبح کو جب لوگوں کو پانی نہ ملا تو لوگوں نے آنحضرتؐ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے خدا سے دُعا کی تو اسی وقت خدا نے آسمان پر بادل بھیج دیئے اور بارش ہوگئی۔ حتٰی کہ سب سیر ہو کر پانی پیا اور بقدر ضرورت پانی سے اپنے اپنے برتن بھی بھر کرلے گئے۔

راستہ میں آنحضرتؐ کی اُونٹنی گم ہوگئی جسے تلاش کرنے کے لئے صحابہ اِدھر اُدھر روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ کے پاس آپ کے ایک صحابی عمارہ بن حزم انصاری موجود تھے جن کے کجاوے میں ان کے ہم سفر زید بن لصیت قینقاعی ایک شخص تھا جو منافق تھا۔ جس وقت عمارہ آنحضرتؐ کی خدمت میں تھے۔ زید بن لصیت ان کے کجاوے میں بیٹھا لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ کیا حضرت محمدؐ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ وہ آپ لوگوں کو آسمانی خبریں بتاتے ہیں مگر انھیں یہ تک خبر نہیں کہ ان کی اُونٹنی کہاں ہے۔

عین اسی وقت آنحضرتؐ نے حضرت عمارہ سے جو زید بن لصیت کی طعن آمیز بات کہنے کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ فرمایا کہ اس شخص یعنی زید نے ابھی یہ کہا ہے کہ محمدؐ کہتے ہیں کہ وہ نبی ہیں نیز وہ تمھیں آسمانی خبروں پر مطلع کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ خود اپنی اونٹنی کے متعلق یہ نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہے۔ واللہ! میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں جتنا خدا نے مجھے معلوم کرا دیا ہے۔ اسی نے مجھے یہ بتایا ہے کہ میری اُونٹنی فلاں فلاں وادی میں موجود ہے۔ ایک درخت میں اس کی نکیل اُلجھ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ اس درخت کے نیچے رُکی ہوئی ہے۔ اس نشان دہی پر لوگ اسے لانے کے لئے روانہ ہو کر اسی مقام پر پہنچے اور اسے لے آئے۔

پھر آنحضرتؐ اپنے قافلہ کو لے کر آگے روانہ ہوئے تو ایک شخص قافلہ سے پیچھے رہ گیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! فلاں صاحب رہ گئے ہیں۔ فرمایا۔ انھیں رہنے دو۔ اگر ان کے آنے میں کوئی بہتری ہوگی تو عنقریب خدا انھیں تم سے ملا دے گا اور اگر دُوسری صُورت ہوئی تو اللہ نے تمھیں ان سے نجات دے دی۔

پھر آپ سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! حضرت ابوذرؓ کا اونٹ سُست رفتار ہے اس لئے وہ قافلہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ فرمایا۔ انھیں رہنے دو۔ اگر ان میں کوئی بہتری ہوگی تو اللہ انھیں تم سے ملائے گا۔ اگر معاملہ برعکس ہُوا تو اللہ نے تمھیں ان سے نجات دے دی۔ حضرت ابوذرؓ نے اول اول اپنے اُونٹ پر

سوار قافلہ تک پہنچنے کا انتظار کیا۔ لیکن جب اس نے چلنے میں دیر و سستی کی تو انھوں نے اونٹ کو چھوڑ کر اپنا سامان کمر پر لادا اور آنحضرتؐ کے قافلہ کے نقوشِ قدم کا تتبع کرتے ہوئے پیدل روانہ ہوگئے آنحضرتؐ راہ میں کسی جگہ فروکش تھے کہ مسلمانوں میں سے کسی کی حضرت ابوذر پر نظر پڑی تو اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کوئی شخص تن تنہا پیدل چلا آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ ابوذر ہیں۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو بول اُٹھے۔ ہاں یا رسول اللہ! یہ ابوذر ہی ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اللہ ابوذر پر رحم فرمائے۔ وہ اکیلے ہی پیدل چلتے ہیں۔ تنہا ہی وفات پائیں گے اور قیامت میں بھی تنہا ہی اُٹھائے جائیں گے۔"

بعد کو آنحضرتؐ کا یہ ارشاد صحیح ثابت ہوا کیونکہ جب حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت ابوذرؓ کو ربذہ میں جلاوطن کر دیا تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آگیا تو ان کی بیوی اور غلام کے سوا کوئی اور ان کے پاس نہ تھا۔ انھوں نے ان دونوں کو وصیت فرمائی کہ تم دونوں مجھے نہلا کر کفنا دینا۔ پھر میری نعش کو راستے میں کسی نمایاں مقام پر رکھ دینا اور جو پہلا قافلہ اُدھر سے گزرے اس سے کہنا کہ یہ ابوذر آنحضرتؐ کے صحابی کا جنازہ ہے ان کی تدفین میں ہماری مدد کیجئے۔ چنانچہ وفات کے بعد انھوں نے آپ کے جنازہ کو راستہ کے نمایاں مقام پر رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد اُدھر سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عراق والوں کی ایک جماعت کا گزر ہوا تو راستے پر رکھے ہوئے ایک جنازہ نے یکایک انھیں روک دیا جسے اونٹ روندنے ہی والا تھا۔ انھیں دیکھ کر وہ غلام کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا۔ یہ حضرت ابوذرؓ آنحضرتؐ کے صحابی ہیں آپ ان کی تدفین میں ہماری مدد کیجئے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور رونے لگے اور فرمایا۔ آنحضرتؐ نے سچ فرمایا تھا کہ "تم تنہا پیادہ پا سفر کرو گے۔ تنہا مرو گے اور تنہا ہی قیامت کو اُٹھائے جاؤ گے۔ پھر آپ اور آپ کے قافلہ والے سواریوں سے اُتر پڑے اور انھوں نے آپ کو دفن کیا۔ پھر اُنھوں نے لوگوں سے حضرت ابوذرؓ سے متعلق حدیث بیان کی اور تبوک کے سفر میں ان کے سفر سے متعلق آپ نے جو فرمایا تھا وہ بیان فرمایا۔

حضرت ابوذرؓ کا اسمِ گرامی جندب بن جنادہ تھا۔ آپ کی وفات ۳۲ھ میں واقع ہوئی۔

مقامِ قبا کی مسجدِ ضرار کا انہدام

آنحضرتؐ جب تبوک سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی منافقین کی ایک

جماعت آپ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ آپ قبا میں ان کی مسجد میں تشریف لے چلیں اور وہیں نماز ادا فرمائیں۔ یہ وہی مسجد ضرار تھی جسے ان لوگوں نے قبا کی مسجد کے مقابلہ پر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے، ان کی وحدت و جماعت کو ختم کر کے انھیں انتشار پھیلانے کی غرض سے تعمیر کیا تھا۔ منافقین اس میں جمع ہو کر آپ کی عیب جوئی کیا کرتے اور آپ کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ ان کی درخواست پر آپ نے اپنا کرتہ منگایا۔ تاکہ اسے پہن کر ان کے ساتھ چلیں مگر فوراً ہی یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ	یہ منافقین وہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے
کُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ	اپنے کفر کو پھیلانے، مومنوں میں انتشار و تفریق پیدا کرنے
اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	اور پہلے سے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والوں
مِنْ قَبْلُ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ	کے لئے کمین گاہ کے طور پر ایک نئی مسجد تعمیر کر لی ہے اور وہ
اِلَّا الْحُسْنٰی وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ	حلف اُٹھاتے ہیں کہ ہمارا تو اس سے صرف نمازیوں کی بھلائی
لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا	ہی مقصود ہے۔ اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔
(سورۂ توبہ)	آپ ہرگز اس مسجد میں تشریف نہ لے جائیں۔

اس پر آنحضرتؐ نے مالک بن دخشم، معن بن عدی بن عامر بن سکن اور وحشی رضؓ کو بلایا اور فرمایا۔ اس مسجد میں جاؤ۔ جس کے بانی ظالم لوگ ہیں اور جا کر اسے مُنہدم کر دو اور جلا ڈالو۔ حکم سُنتے ہی یہ لوگ تیزی سے روانہ ہو کر بنی سالم بن عوف کے محلہ میں پہنچے جو مالک بن دخشم کے قبیلہ کے لوگ تھے۔ مالک نے کہا تم یہیں میرا انتظار کرو۔ میں ابھی آگ لے کر آتا ہوں۔ یہ گھر پہنچے اور کھجور کی ایک ٹہنی جلا کر لے آئے اور یہ سب کے سب جلدی سے روانہ ہو کر مسجد ضرار میں داخل ہو گئے جہاں اس کے بانی منافقین بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے اس میں آگ لگا دی اور اسے مسمار کر دیا۔ منافقین اس میں سے نکل کر بھاگ گئے۔ پھر آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اس جگہ کو کوڑا گھر بنا دو اور یہیں غلاظت اور کوڑا کرکٹ پھینکا کرو۔

جب آنحضرتؐ سفرِ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے تو مسجد ضرار کے بانی اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا تھا کہ یا رسُول اللہ! ہم نے برسات اور موسمِ سرما کی راتوں میں مریضوں اور دُوسرے ضرورت مندوں کے آرام کی خاطر ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں تشریف لا کر ہمیں نماز پڑھائیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں پابہ رکاب ہوں۔ اس وقت ضروری کام سے عازمِ سفر ہوں

انشاءاللہ واپسی پر وہاں آکر تمھیں نماز پڑھاؤں گا۔ جب آپ بمقام ذی اوان پہنچے تو آسمان سے آپ پر اس مسجد سے متعلق وحی نازل ہوئی۔ اس کے بانی یہ بارہ آدمی تھے :۔

خذام بن خالد، اسی کے گھر کی جگہ یہ مسجد نفاق تعمیر ہوئی تھی۔ ثعلبہ بن حاطب۔ مُعتّب بن قشیر۔ ابو حبیبہ بن ازعر۔ عباد بن حنیف۔ جاریہ بن عامر۔ اس کے دونوں فرزند۔ مجمع بن جاریہ اور زید بن جاریہ۔ نبتل بن حارث۔ بخزج۔ بجاد بن عثمان۔ ودیعہ بن ثابت۔

مالک بن دُخشم جن کا ذکر ابھی آچکا ہے۔ مسجد ضرار مسمار کرنے والوں میں شامل تھے مگر لوگ انھیں نفاق سے متہم کرتے تھے۔ یہی تھے جن کے متعلق عتبان بن مالکؓ نے آنحضرت سے عرض کیا تھا کہ مالک منافق ہیں۔ آنحضرتؐ نے سوال کیا۔ کیا وہ کلمہ لآالٰہ اِلّا اللہ نہیں پڑھتے۔ انھوں نے کہا۔ ہاں پڑھتے تو ہیں لیکن ان کی یہ شہادت دلی شہادت نہیں ہے پھر آنحضرت نے سوال فرمایا کیا وہ نماز نہیں پڑھتے کہا ہاں پڑھتے تو ہیں مگر اُن کی نماز حقیقی نماز نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے قتل سے خدا نے مجھے منع فرمایا ہے۔

لیکن ان کی طرف نفاق کی نسبت ثابت نہیں ہے اور مسجد ضرار کے معاملہ میں انھوں نے اپنے عمل سے اپنے اسلام کا جو بہتر ثبوت دیا ہے وہ ان کی طرف منسوب تہمت کو رفع کر دیتا ہے۔

مسجد ضرار کی تعمیر کی وجہ

حق تعالیٰ نے مسجد ضرار کا چار تعبیرات کے ساتھ ذکر فرمایا ہے :۔

۱۔ قرآن میں اس کا نام ضرار فرمایا گیا۔ جس کے معنی ہیں ضرر رسانی کی سعی کرنا۔

۲۔ اسے کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ مسجد مومنین کو ضرر پہنچانے اور نبی کریم کی شخصیت اور آپ کی رسالت کے انکار کا مرکز تھی۔

۳۔ اسے تفریق بین المومنین سے تعبیر فرمایا گیا اس لئے کہ منافقین نے باہم یہ کہا تھا کہ ہم اپنی ایک علیحدہ مسجد بنا کر اس میں نماز پڑھا کرینگے۔ حضرت محمدؐ کے پیچھے نماز نہ پڑھا کرینگے۔ اگر وہ ہماری مسجد میں آگئے تو پھر انکے ساتھ پڑھ لینگے اسطرح ان کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آپ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، تفریق پیدا کر دینگے اس طرح بتدریج ان میں باہم اختلافات پیدا ہو جائیں گے اور محبت ختم ہو جائے گی۔

۴۔ اِرصَادًا لِمَن حَارَبَ اللّٰہ وَرَسُولَهُ سے تعبیر فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ مسجد اللہ اور اس

کے رسول سے جنگ کی کمین گاہ کا درجہ رکھتی تھی۔

یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر منافقوں نے مسجد ضرار تعمیر کی تھی جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ پھر حق تعالیٰ نے اس مسجد کے مذکورہ چار اوصاف بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ "منافق حلف اٹھاتے ہیں کہ بخدا ہمارا اس مسجد کی تعمیر سے صرف نمازیوں کی خیر خواہی و بھلائی مقصود تھا اور وہ یہ تھا۔ کہ ضعیفوں، بیماروں اور آنحضرتؐ کی مسجد تک چل کر جانے والوں کی مجبوری کا لحاظ کر کے ان کے لئے وسعت و آسانی پیدا کی جائے۔

جیسا کہ خود منافقین نے آپ سے عرض کیا تھا کہ ہم نے یہ مسجد صرف بیماروں اور ضرورت مندوں کی آسانی اور برسات اور سردی کی راتوں کے لحاظ سے تعمیر کی ہے۔ ان کے بیان پر حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ خدا گواہ ہے کہ یقیناً یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔

مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو مطلع فرما دیا کہ ان منافقین نے جھوٹا حلف اٹھایا ہے ابھی ذکر آ چکا ہے کہ مآل کار یہ مسجد مسمار کر دی اور جلا ڈالی گئی۔ پھر یہ جگہ غلاظت اور کوڑا کرکٹ پھینکنے کے لئے کوڑا گھر بن گئی

سرخیل منافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی موت

اسی سال ماہ ذیقعد ۹ھ میں سرخیل منافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کا بیس دن تک بیمار رہنے کے بعد انتقال ہو گیا۔

روایت ہے کہ جب عبداللہ بیمار پڑا تو آنحضرتؐ خود اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اس وقت اس نے آپ سے درخواست کی کہ اس کی وفات کے بعد آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں اور دفن کے وقت اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ پھر اس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک قاصد بھیج کر آپ سے آپ کا کرتہ مبارک مانگا تاکہ وہ اس کا کفن بنے۔ آپ نے اپنا اوپر والا کرتہ اسے بھیج دیا۔ اس نے اسے واپس کر دیا اور دوسرا نیچے والا کرتہ جو جسم اطہر سے مس رہتا ہے مانگا۔ تاکہ اسے اس کا کفن دیا جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! آپ اپنا پیرہن مبارک اس غلیظ ناپاک کو نہ دیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میرا کرتہ اسے اللہ کے حکم سے بچا نہیں سکتا۔ لیکن توقع ہے کہ اس ذریعہ حق تعالیٰ ایک ہزار کفار کو حلقہ بگوش اسلام کر دے گا۔

منافقوں کا یہ حال تھا کہ وہ عبداللہ سے منٹ بھر کو جُدا نہ ہوتے تھے جب انھوں نے یہ دیکھا کہ وہ آنحضرتؐ کا کرتہ مانگ رہا ہے اور اسے اُمید ہے کہ یہ اسے فائدہ پہنچائے گا تو ان منافقین میں سے اسی دن ایک ہزار افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ جب عبداللہ کی وفات ہوگئی تو آنحضرت کو اس کی اطلاع دینے کے لئے اس کا بیٹا حاضر خدمت ہُوا۔ آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا کہ تم اس کی نماز جنازہ پڑھا کر اسے دفنا دو۔ انھوں نے عرض کیا۔ یارسُول اللہ! اگر آپ نے ان کی نماز نہ پڑھائی تو کوئی مسلمان بھی ان کی نماز نہ پڑھے گا۔ پس آنحضرتؐ اس کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے حضرت عمرؓ اُٹھے اور آنحضرتؐ اور قبلہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ تاکہ آپ اس کی نماز نہ پڑھا سکیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝	آپ مرنے والے منافقوں میں سے کسی کی نماز جنازہ پڑھائیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ بلاشبہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ حالتِ فسق پر مرے۔

زجاج نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ کا یہ طریقہ تھا کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا تھا تو آپ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے حق میں دعائے معفرت فرمایا کرتے تھے۔ لیکن یہاں آپ کو اس سے منع کر دیا گیا تھا۔

صیحح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تھی آپ کو نماز سے فراغت کے بعد واپسی پر تھوڑا ہی وقفہ گزرا تھا کہ سابقہ آیت نازل ہوئی۔

آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کی بات پر اس لئے عمل نہیں فرمایا تھا کہ آپ نے اسلام کے ظاہری حکم پر عمل فرمایا اور ابن ابی کے بیٹے کا احترام ملحوظ رکھا جس کی دینی صلاحیت ثابت ہو چکی تھی۔ نیز ان کی قوم کی تالیف قلب و دلداری مقصود تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی بن سلول کی وفات ہوگئی تو آنحضرتؐ کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے بلایا گیا آپ تشریف لے گئے۔ جب آپ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں پلٹ کر آپ کے سینہ مبارک کے سامنے جا کھڑا ہُوا اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا آپ اللہ کے دشمن عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں جس نے فلاں دن یہ یہ باتیں کہی تھیں۔ وہ اس کے گزشتہ زمانہ کی باتیں گنوا رہے تھے اور آنحضرتؐ تبسم فرما رہے تھے

جب یہ باتیں حد سے بڑھ گئیں تو آپ نے فرمایا۔ اے عمرؓ ہٹ جاؤ، مجھے خدا کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے۔ پس میں نے ایک صورت کو اختیار کر لیا ہے کیونکہ مجھ سے قرآن میں فرمایا گیا ہے:۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط — آپ منافقین کے لئے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں۔ اگر

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً — آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کریں گے تو خدا

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط — ہرگز ان کی مغفرت نہ کرے گا۔

پس اگر میں سمجھتا کہ اگر میرے ستر مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کرنے سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں ستر سے بھی زیادہ مرتبہ اس کے لئے دعا کرتا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ نے اس کی نماز پڑھائی اور میت کے ساتھ چلے اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعائے مغفرت کر کے فارغ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے اپنے اوپر اور آنحضرتؐ کے مقابلہ میں اس جرأت پر تعجب ہو رہا تھا کیونکہ اللہ اور اس کا رسول ہر امر کو ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ خدا کی قسم! اس کے بعد تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں:۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ — آئندہ منافقین میں سے جو کوئی مرجائے تو آپ ہرگز اس کی

مَّاتَ اَبَدًا — نماز جنازہ نہ پڑھایا کریں۔

زاں بعد آنحضرتؐ نے زندگی بھر نہ کسی منافق کی نماز جنازہ پڑھائی، نہ کسی کی قبر پر دعا کے لئے کھڑے ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فریضۂ حج ادا کرنا

آنحضرتؐ نے ماہ ذی الحجہ سنہ ۹ھ م مارچ سنہ ۶۳۱ء میں حضرت ابوبکرؓ کو مکہ روانہ فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو حج کرائیں۔ پس وہ مدینہ سے تین سو حاجیوں کے قافلہ کو لے کر روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ اپنے بیس قربانی کے جانور روانہ فرمائے جن کی گردنوں میں اپنے دستِ مبارک سے پٹکے باندھے اور قربانی کے نشان لگائے اور خود حضرت ابوبکرؓ نے اپنے قربانی کے پانچ جانور ساتھ لئے۔ پھر حضرت علیؓ آنحضرتؐ کی اونٹنی قصواء نامی پر سوار ہو کر حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے دریافت کیا۔ کیا آنحضرتؐ نے آپ کو امیر حج مقرر فرما کر بھیجا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں۔ بلکہ مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کے سامنے سورت براءت (توبہ) کی تلاوت کروں اور ہر معاہدہ والے کو اس کے معاہدہ کی تحریر واپس کر دوں۔ آنحضرتؐ اور مشرکین کے درمیان عام و خاص دو قسم کے معاہدے تھے۔ عام یہ تھا کہ

جب بھی کوئی بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے گا تو اسے روکا نہ جائے گا۔ دوسرے کسی کو حرام مہینوں (شوال تا محرم) میں ہراساں و خوف زدہ نہ کیا جائے گا اور خاص معاہدہ آنحضرتؐ اور قبائل عرب کے درمیان مُعیّنہ مدّتوں تک کے لئے تھا۔ عرب میں یہ رسم تھی کہ معاہدہ کو جب منسوخ کر کے واپس کیا جاتا تو صرف وہی شخص اُسے واپس کر سکتا تھا جو واپس کرنے والے کا قریبی عزیز ہو۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو بھی روانہ فرمایا اور صرف حضرت ابوبکرؓ پر اکتفا نہ فرمایا۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کا حج ادا کرایا اور حضرت علیؓ نے قربانی کے دن جمرہ کے قریب لوگوں کے سامنے سورۂ برأت تلاوت کی۔ اس کے بعد ہر معاہدہ والے کو اس کا معاہدہ نامہ واپس کر دیا اور اعلان کر دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج ادا نہ کر سکے گا اور نہ کوئی ننگا ہو کر بیتُ اللہ کا طواف کر سکے گا۔

پھر حضرت ابوبکرؓ و علیؓ دونوں ایک ساتھ مدینہ منوّرہ واپس ہوئے۔ مدینہ واپسی تک حضرت علیؓ برابر حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے ہی نماز پڑھتے رہے۔

اس روایت سے روافض کی تردید ہوتی ہے جو اس کے قائل ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو بھیج کر حضرت ابوبکرؓ کو امارتِ حج کے منصب سے معزُول کر دیا تھا۔

○

حضرت خالدبن ولیدؓ کی بنو حارث بن کعبؓ پر بمقام نجران فوج کشی

آنحضرتؐ نے ماہ ربیع الاول ۱۰ھ م جون ۶۳۱ء میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو چار سو مجاہدین کا سردار بنا کر نجرانؔ کی طرف بنو حارث بن کعب پر فوج کشی کے لئے روانہ فرمایا اور انھیں حکم فرمایا کہ ان سے جنگ کرنے سے پہلے ان پر تین دن تک اسلام کی دعوت پیش کریں۔ اگر وہ منظور کرلیں تو تم ان کا اسلام قبول کرلو۔ پھر ان میں قیام کرکے انھیں اللہ کی کتاب، سُنت نبی کریمؐ اور اسلامی حقائق کی تعلیم دیتے رہو۔ اہل نجران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھے۔ پس یہ ہدایات لے کر حضرت خالدبن ولیدؓ روانہ ہوکر نجران پہنچے۔ اور سواروں کو مختلف سمتوں میں بھیج دیا تاکہ وہ ہر طرف سے لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں اور ان سے کہیں کہ "اے لوگو! اسلام قبول کرلو، نجات پا جاؤ گے۔" پس وہ لوگ اسلام لے آئے اور حضرت خالدؓ کی دعوت قبول کرلی۔ پھر حضرت خالدؓ وہاں ٹھہر گئے اور انھیں اسلام، کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ کی تعلیم دیتے رہے۔ پھر حضرت خالدؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں یہ عریضہ لکھ بھیجا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از خالد بن ولید بجانب نبی کریم حضرت محمد رسول اللہؐ۔

السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، میں آپ کی جناب میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ امابعد۔ یا رسول اللہ! حضرت نے مجھے بنو حارث بن کعب کی طرف بھیجا تھا اور ہدایت فرمائی تھی کہ جب میں ان کے پاس پہنچوں تو تین دن تک ان سے جنگ نہ کروں۔ بلکہ پہلے انھیں اسلام کی دعوت دوں۔ اگر وہ اسلام لے آئیں تو میں ان کا اسلام قبول کرلوں۔ پھر انھیں اسلامی حقائق، اللہ کی کتاب، سُنّتِ نبی کریمؐ کی تعلیم دوں اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو پھر ان سے جنگ کروں۔ چنانچہ میں ان کے پاس آیا اور انھیں تین دن تک اسلام لانے کی دعوت دیتا رہا جیسا کہ مجھے رسول اللہ نے حکم فرمایا تھا میں نے ان میں ہر طرف سواروں کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ اے بنی حارث اسلام لے آؤ۔ نجات پا جاؤ گے۔ پس انھوں نے اسلام قبول کرلیا جنگ نہیں کی۔ اب میں ان کے درمیان مقیم ہوں۔ انھیں خدائی احکام کا حکم دیتا ہوں اور خدائی منہیات سے روکتا ہوں۔ نیز انھیں اسلامی حقائق اور سُنّت رسول اللہ کی تعلیم دیتا ہوں۔ جب تک آنحضرتؐ مجھے کوئی دوسرا حکم نہیں لکھ بھیجتے۔ والسلام

۱؎ نجران۔ یمن اور نجد کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ م

علیک یا رسُول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حضرت خالدؓ نے اس عریضہ میں اپنی مہم کی تفصیل و امتثال امر کی وضاحت کر دی تھی جس کے جواب میں آنحضرتؐ نے انھیں یہ مکتوب روانہ فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از محمد النبی رسُول اللہ بجانب خالد بن ولید۔

سلام علیک۔ میں تم سے اس خدا کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی دُوسرا خدا نہیں۔

امّا بعد۔ میرے پاس تمھارے قاصد کے ہاتھ تمھارا خط نجران سے پہنچا۔ جس میں تحریر تھا کہ بنی حارث جنگ سے پہلے ہی اسلام لے آئے اور تم نے انھیں اسلام لانے اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وحدہٗ لاشریک لہٗ وَ اَنَّ محمداً عبدہٗ ورسُولہٗ پڑھ لینے کی جو دعوت دی تھی اسے انھوں نے قبول کر لیا اور یہ کہ حق تعالیٰ نے انھیں اپنے کرم سے راہ ہدایت دکھا دی۔ پس تم انھیں خدا کی خوشنودی کی خوشخبری سُنا دو اور بصورت نافرمانی اس کے عذاب سے ڈرا دو۔ پھر تم واپس آجاؤ اور تمھارے ساتھ ہی ان کا ایک وفد بھی آجائے۔ والسّلام علیک و رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اس امر کی بنا پر حضرت خالد بن ولیدؓ اور بنی حارث بن کعب کا وفد بھی حاضر خدمت اقدس ہو گیا حسبِ ذیل افراد پر مشتمل تھا۔

قیس بن حصین بن یزید بن قنان ذوالغصّہ۔ یزید بن عبدالمدان۔ یزید بن محجّل۔ عبداللہ بن قریظ زیادی شداد بن عبداللہ قنانی۔ عمرو بن عبداللہ ضبابیؓ۔

جب یہ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا۔ یہ کون لوگ ہیں ہندوستان کے باشندے معلوم ہوتے ہیں۔ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! یہ بنو حارث بن کعب ہیں جب یہ لوگ آپ کے سامنے حاضر ہوئے تو انھوں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ پھر کہا۔ نشھدُ اَن لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ واَنّک رسُول اللہ۔ آنحضرتؐ نے جواباً فرمایا۔ میں بھی کہتا ہوں کہ اشھدُ ان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ واَنّی رسُول اللہ۔

پھر آپ نے ان سے سوال فرمایا۔ کیا تم ہی وہ لوگ ہو کہ جب تمھیں للکار کر جنگ سے روکا جاتا تھا تو تم مقابلہ کے لئے آگے بڑھتے تھے۔ مگر کسی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر آنحضرتؐ نے یہی بات دوسری تیسری اور چوتھی بار دُہرائی تب یزید بن عبدالمدان نے عرض کیا۔ ہاں۔ یا رسُول اللہ! ہم ہی وہ لوگ ہیں کہ جب ہمیں للکار کر جنگ سے روکا جاتا تھا تو ہم اور آگے بڑھتے تھے۔ اس نے بھی یہ کلمہ چار مرتبہ دُہرایا۔ آنحضرتؐ

نے فرمایا۔ اگر خالد بن ولید تمہارے متعلق مجھے یہ نہ لکھتے کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ جنگ نہیں کی تو میں تمہارے سروں کو تمہارے قدموں پر ڈال دیتا۔ اس پر یزید بن عبد المدان نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہ، خدا کی قسم! ہم نہ آپ کی تعریف کرتے ہیں نہ خالد کی۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تم کس کی تعریف کرتے ہو؟ عرض کیا ہم اس خدا کی حمد کرتے ہیں جس نے ہمیں آپ کے ذریعہ سیدھا راستہ دکھایا۔ فرمایا تم نے سچ کہا۔ پھر آپ نے ان سے سوال کیا۔ زمانۂ جاہلیت میں تم سے جو جنگ کرتا تھا تم اس پر کس وجہ سے غالب آ جایا کرتے تھے؟ انھوں نے عرض کیا۔ ہم تو کسی پر غالب نہ آتے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ بیشک تم اپنے مدِ مقابل پر غلبہ پا لیا کرتے تھے۔ عرض کیا۔ یا رسُول اللہ! بیشک ہم سے جو جنگ کرتا ہم اس پر غلبہ پا لیتے تھے۔ ہم بنُو عبید تھے اور ہم سب متحد رہا کرتے، منتشر و منفرق نہ ہوتے تھے اور کسی پر اپنی طرف سے ظلم کی ابتدا نہ کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے یہ سچ کہا۔ پھر آپ نے قیس بن حصین کو بنو حارث بن کعب پر امیر مقرر فرما دیا اور بنو حارث بن کعب کا وفد اپنی قوم کی طرف واپس ہو گیا۔

اس وفد کو اپنی قوم میں واپس ہوئے چار ماہ ہی ہوئے تھے کہ آنحضرتؐ کا وصال ہو گیا۔

○

حضرت ابراہیمؓ کی وفات

آنحضرتؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم جو آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت ماریہ کے بطن سے تولد ہوئے تھے۔ صرف سولہ مہینے کی عمر میں بماہ ربیع الاوّل ۱۰ھ جون ۶۳۱ء وفات پا گئے۔

آنحضرتؐ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سہارے حجرہ میں داخل ہوئے۔ جہاں حضرت ابراہیم قریبُ المرگ تھے جب ان کا انتقال ہو گیا تو آنحضرتؐ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں حضرت عبدالرحمٰن نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہ! اسی بات سے تو آپ لوگوں کو منع فرماتے ہیں۔ مسلمان جب آپ کو روتا ہوا دیکھیں گے تو وہ بھی رویا کریں گے۔ جب آنحضرتؐ کے آنسو خشک ہو گئے تو آپ نے فرمایا۔ یہ رونا تو رحمت ہے۔ جو شخص دُوسرے پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ میں تو نوحہ و ماتم اور اس بات سے منع کرتا ہوں کہ مُردہ کی طرف وہ باتیں منسُوب کر کے بیان کی جائیں جو اس میں نہ ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اگر حق تعالیٰ کا (موت کے وقت سے متعلق) پختہ وعدہ اور ہر جاندار کو پیش آنے والا یکساں طریقہ نہ ہوتا اور یہ ارشاد نہ ہوتا کہ ہم میں کا بعد کا شخص ہمارے پہلے سے جا ملے گا تو ہم اس سے بھی زیادہ اس مرحوم پر غم و اندوہ کرتے۔ ہم اس کی موت پر غمگین ہیں۔ آنکھیں اشکبار اور قلب رنجیدہ ہے۔ البتہ ہم وہ بات نہیں کرتے جس سے خدا ناراض ہوتا ہو۔ اس کی شیر خواری (کی موت) کی فضیلت و ثواب جنّت میں ملے گا۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت ابراہیم کو بقیع کے قبرستان میں دفن کرنے کا حکم فرمایا۔ آنحضرتؐ نے ان کی میّت کی نماز پڑھی۔ جس میں چار تکبیریں کہیں۔ جمہور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کمسن بچے اگر کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ لیں تو ان کی موت پر ان کی نماز جنازہ پڑھی جانی چاہیئے۔ دفن کے بعد ان کی قبر پر ایک مشکیزہ پانی چھڑک دینے کا حکم فرمایا۔ یہ پہلی قبر تھی جس پر پانی چھڑکا گیا۔ جب ان کی قبر برابر کی جانے لگی تو آنحضرتؐ نے قبر کے ایک حصّہ میں ایک پتھر سا دیکھا۔ آپ اسے اپنے دستِ مُبارک سے درست فرمانے لگے اور فرمایا۔ "تم جب کوئی کام کرو تو اسے مکمل اور اچھی طرح انجام دیا کرو۔ کیونکہ اس سے میّت کے نفس کو راحت و اطمینان حاصل ہوتا ہے"

جس دن حضرت ابراہیم کا انتقال ہُوا اس دن اتّفاق سے سُورج گرہن ہو گیا۔ اس پر لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ حضرت ابراہیم کی موت کے غم میں یہ سُورج گرہن ہُوا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "چاند سوُرج خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ وہ کسی کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے"

اگر نبی کریمؐ خدانخواستہ دھوکا باز یا جھوٹے ہوتے تو اس اتفاقی واقعہ کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے اور ملک کے طول وعرض میں یہ مشہور کرا دیتے کہ سورج آپ کے فرزند کی موت کی وجہ سے گرہن ہو گیا ہے یا لوگوں میں مشہور ہو جانے والی بات کی تائید فرمادیتے اور دعوٰی کر دیتے کہ یہ بھی نبوت کے دوسرے معجزات کے منجملہ ایک معجزہ ہے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ سچ فرمایا اور اصل حقیقت ظاہر فرمادی۔

موسیو ورمنگم نے اپنی تالیف "حیاتِ محمدؐ" فصل ۱۲ میں اس واقعہ کی مناسبت سے لکھا ہے۔ کہ "محمدؐ بہت وسیع العقل تھے۔ اس لئے آپ نے اس خرافات کی یہ کہہ کر تردید فرمادی کہ چاند، سورج کسی کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے اور کوئی دھوکا دینے والا ایسے کلمات نہیں کہہ سکتا۔

یہی بات ہم نے بھی کہی ہے کیونکہ دھوکا باز آدمی کا دارومدار ہی خیالی اور وہمی باتوں پر ہوتا ہے۔ اور وہ ایسے مواقع سے فوراً فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن نبی کریمؐ چونکہ اپنے اقوال وافعال میں سچے تھے اس لئے انھیں اپنی شان بلند کرنے اور اپنے موقف کو قوی بنانے کے لئے ایسی غلط باتوں کا سہارا لینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

امام نووی ؒ نے اپنی کتاب "تہذیبُ الاسماء" میں لکھا ہے کہ بعض مُتقدمین سے جو یہ مروی ہے کہ "اگر حضرت ابراہیم زندہ رہتے تو وہ آنحضرتؐ کے بعد نبی ہوتے۔" تو یہ سراسر غلط ہے اور غیبی امور پر رائے زنی کی جسارت بے تکی یا وہ گوئی اور بہت بڑی لغزش ہے۔

○

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ
جنھیں آنحضرتؐ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا اسم گرامی عبداللہ بن قیس تھا۔ یہ پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے انھیں آنحضرتؐ نے زبید و عدن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ ان کے اس عہدہ پر مامور کرنے پر علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ ذی علم و ذہین تھے اور انتظامی مہارت رکھتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرتؐ انھیں امارت کا عہدہ سپرد نہ فرماتے اور اسی وجہ سے حضرت عمرؓ، پھر حضرت عثمانؓ، پھر حضرت علیؓ نے اپنے اپنے ادوارِ خلافت میں ان پر اعتماد کیا ہے۔ جنگ صفین میں ثالثی کے موقع پر ان سے جو بات سرزد ہوئی تھی اس کی بنا پر خارجیوں اور رافضیوں نے ان کی طرف غفلت اور کند ذہنی کی نسبت کی ہے اس کا بیان انشاء اللہ حضرت علیؓ کی سیرت سے متعلق ہماری تصنیف میں آئے گا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ ان ستر انصار میں شامل تھے جو عقبہ کے مقام پر حاضر ہوئے تھے۔ آپ جنگ بدر و احد اور تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے۔ آپ خزرجی انصاری ہیں۔ قبولِ اسلام کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا، تم قرآن چار آدمیوں سے سیکھو۔ عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے حضرت ابو بکرؓ ہیں"۔ پھر حدیث بیان کرتے ہوئے آخر میں یہ جملہ بیان کیا: "اور امت میں حلال و حرام کے سب سے زیادہ عالم حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں"۔

حضرت معاذ بن جبلؓ ان حضرات میں سے تھے جو آنحضرتؐ کے زمانہ ہی میں فتویٰ دیا کرتے تھے وہ نہایت خوبصورت، بااخلاق اور بہت فراخ دست تھے۔ اس لئے ان پر قرضوں کا بہت بار ہو گیا تھا پس آنحضرتؐ نے انھیں یمن روانہ فرما دیا اور فرمایا: "اس طرح توقع ہے کہ حق تعالیٰ تمہارے نقصان کی تلافی فرمائے گا اور تمہارے قرضہ جات ادا فرمائے گا"۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا، تم

عنقریب اہل کتاب کے پاس پہنچو گے جب تم وہاں پہنچو تو انھیں کلمۂ شہادت "لاالٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ" پڑھنے کی دعوت دینا جب وہ تمھاری یہ بات تسلیم کر لیں تو انھیں مطلع کرنا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جو تمھارے دولت مندوں سے لے کر تمھارے فقراء پر تقسیم کر دی جائے گی۔ اگر وہ تمھاری یہ بات مان لیں تو تم ان کے عمدہ و اعلیٰ اموال لینے سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہوتا۔

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا میں نے تمھیں ایسی قوم کی طرف بھیجا ہے جو نرم دل ہیں۔ پس تم اپنی اطاعت کرنے والوں کو ساتھ لے کر اپنی حکم عدولی و نافرمانی کرنے والوں سے جنگ کرنا۔

جب آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کو روانہ فرمایا تو آپ ان کو وداع کرنے کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے کیفیت یہ تھی کہ حضرت معاذ سواری پر سوار تھے اور آنحضرتؐ ان کی سواری کے سایہ میں پیدل چل رہے تھے اور آپ کو نصائح و ہدایات فرماتے جاتے تھے جب ان نصائح سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اے معاذ! غالباً تم اس سال کے بعد مجھ سے نہ مل سکو گے۔ شاید تم میری قبر اور مسجد پر آؤ گے یہ سن کر حضرت معاذ آنحضرتؐ کی جدائی پر رو دیئے۔ پھر حضرت معاذؓ برابر یمن کے حاکم رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں واپس آئے۔ پھر شام کا سفر کیا اور وہیں وفات پا گئے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ کی یمن کو روانگی

آنحضرتؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو ماہِ رمضان سنہ ۱۰ھ م دسمبر سنہ ۶۳۱ء میں یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت علیؓ تین سو سواروں کا دستہ لے کر روانہ ہوئے جب آپ ان اطراف میں پہنچے تو اپنے ساتھیوں کو ہر سمت منتشر کر دیا۔ وہ لوگ اموالِ غنیمت اور عورتوں اور بچوں کو لے کر واپس لوٹے۔ مالِ غنیمت میں اونٹ اور بکریاں تھیں۔ پھر حضرت علیؓ وہاں کے کفار سے ملے اور انھیں اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی اور ان کی جماعت میں سے قبیلۂ مذحج کے ایک شخص نے باہر نکل کر مسلمانوں کو دعوتِ مقابلہ دے دی جس کے مقابلہ کو حضرت اسود بن خزاعیؓ باہر نکلے اور اسے قتل کر دیا اور اس کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ پھر حضرت علیؓ نے اپنے مجاہدین

کی صف بندی کی اور اپنا جھنڈا حضرت مسعود بن سنان رضؓ کو دیا۔ مقابلہ میں دشمن کے بیس آدمی مارے گئے جس پر وہ شکست خوردہ اور منتشر ہو گئے۔ حضرت علیؓ کچھ دیر ان کو بلانے سے رُکے رہے پھر انھیں بلا کر اسلام کی دعوت دی جسے انھوں نے فوراً حاضر ہو کر قبول کر لیا اور ان کے سرداروں کی ایک جماعت نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ نے اموالِ غنیمت یکجا جمع کئے اور انھیں پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ پر اللہ (اللہ کے لئے) لکھ کر قرعہ اندازی کی تو سب سے پہلا حصہ خُمس (پانچواں حصہ) کا نکلا۔ بقیہ اموال کو مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔ پھر فوج لے کر واپس روانہ ہوئے اور مکہ پہنچ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جہاں آپ سنہ ۱۰ھ کے موسم بہار میں فریضہ حج کی ادائی کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔

آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو سنہ ۸ھ میں یمن کی طرف بھیجا تھا۔ فتح مکہ کے بعد یہ یمن پر پہلی فوج کشی تھی اور آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو قبیلہ ہمدان کی طرف بھی بھیجا تھا۔ تو وہ پورا قبیلہ اسلام لے آیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ کو اس قبیلہ کے اسلام لانے کا اطلاعی عریضہ لکھا۔ جب وہ عریضہ آپ کے سامنے پڑھا گیا تو آپ فوراً سجدہ میں گر پڑے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا۔ ہمدان پر سلامتی ہو۔

حضرت علیؓ کی یہ دوسری فوج کشی ماہِ رمضان سنہ ۱۰ھ میں یمن کے قبیلہ مذحج کی طرف ہوئی تھی۔

حجِّ وداع

ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ م مارچ ۶۳۲ء میں آنحضرتؐ نے حجِّ وداع (آخری حج) ادا فرمایا۔ اس کا نام حجّ وداع اس لئے رکھا گیا کہ آپ نے اس میں لوگوں کو رخصت کیا تھا۔

حضرت عائشہؓ زوجہ رسول اللہؐ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ پچیس ذیقعدہ کو حج کے لئے روانہ ہوئے جب آپ مقام سرف پر پہنچے تو لوگوں کو حکم دیا کہ لوگ عمرہ کر کے حلال ہو جائیں (احرام کھول دیں)، بجز ان کے جن کے ساتھ قربانی کے جانور ہوں۔ خود آنحضرتؐ اور دوسرے صحابہ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے۔

ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ پھر آنحضرتؐ حج کے سفر پر روانہ ہوگئے اور لوگوں کو حج کے فرائض و سُنَن بتائے اور ان کے سامنے مشہور خطبہ دیا جس میں جو کچھ بیان کرنا تھا وہ بیان فرمایا۔ پس پہلے آپ نے خدا کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا۔

"اے لوگو! میری بات سنو۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ شاید اس سال کے بعد اس مقام پر پھر کبھی تم سے نہ مل سکوں گا۔ اے لوگو! قیامت تک تمھارے خون اور اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ جس طرح تمھارے آج کے دن اور اس مہینہ کی حرمت واجب ہے۔ تم عنقریب اپنے رب سے جا ملو گے جہاں وہ تمھارے اعمال کا محاسبہ کرے گا۔ میں نے خدائی پیغام تم تک پہنچا دیا۔ جس کے پاس کسی کی امانت ہو اسے چاہیئے کہ اسے صاحب امانت کو واپس کر دے۔ آج سے ہر سُود کالعدم قرار دے دیا گیا۔ صرف تم اپنا اصل راس المال واپس لے سکتے ہو۔ نہ کسی پر ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ حق تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ اب سُود کا کوئی وجود باقی نہیں رہا۔ عباس بن عبد المطلب کے حصّہ کا تمام سُود کالعدم قرار دے دیا گیا۔ زمانہ جاہلیت کا ہر خون کالعدم ہے۔ میں تم میں سے عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خون سب سے پہلے کالعدم قرار دیتا ہوں۔ واقعہ یہ تھا کہ عامر بن ربیعہ نے بنو لیث سے کسی دودھ پلانے والی کو طلب کیا تھا جسے ہذیل نے قتل کر ڈالا تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت کے خونوں میں پہلا خون تھا۔

امّا بعد۔ اے لوگو! شیطان آج سے اس بات سے تو قطعی نا اُمید ہو چکا ہے کہ تمھاری اس سرزمین پر آئندہ اس کی کبھی بھی پرستش ہو سکے گی۔ لیکن عبادات کے سوا دُوسرے امور میں اپنے پست افعال کے ذریعہ

اس کی اطاعت کی گئی تو وہ اس پر بھی راضی رہے گا۔ پس تم اس سے اپنے دین کی حفاظت کرنا۔

اے لوگو! نسئی[1] کفر کی زیادتی کا سبب ہے۔ اس کے ذریعہ کفار گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ ایک سال حرام مہینوں کو حلال کر لیتے اور دوسرے سال انھیں حرام قرار دے لیتے تھے۔ تاکہ اس طرح حرام مہینوں کی گنتی پوری کر لیا کریں۔ اس طرح وہ حرام مہینوں کو حلال اور حلال کو حرام کر لیا کرتے تھے۔ لیکن اب زمانہ[2] اپنی اس ابتدائی اصل حالت پر لوٹ آیا ہے جس دن حق تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔ خدا کے نزدیک سال کے بارہ ماہ ہوتے ہیں جن میں چار ماہ حرام ہیں۔ تین مہینے مسلسل و متصل ہیں اور ایک ماہ رجب ہے جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان واقع ہے۔

اما بعد۔ اے لوگو! تمھارے تمھاری بیویوں پر کچھ حقوق ہیں۔ علیٰ ہٰذا تمھاری بیویوں کے تم پر کچھ حقوق ہیں۔ تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی اجنبی شخص کو نہ بیٹھنے دیں۔ جسے تم ناپسند کرتے ہو اور ان پر تمھارا یہ حق بھی ہے کہ وہ صریح بدکاری نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ نے تمھیں اجازت دی ہے کہ انھیں ان کی خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور انھیں ہلکی مار مارو۔ اگر وہ اپنی حرکت سے باز آجائیں تو حسب سابق باعزت طور پر ان کا کھانا کپڑا تم پر واجب ہے۔ تم اپنی بیویوں سے بہتر سلوک کیا کرو۔ کیونکہ وہ تمھارے پاس ایک مستور امانت ہیں۔ وہ اپنے لئے کسی چیز کی مالک نہیں۔ تم نے انھیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات کے ذریعہ ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ پس اے لوگو میری بات اچھی طرح سمجھ لو۔ میں نے خدائی پیغام تم تک پہنچا دیا۔ میں نے تم میں وہ واضح نعمت چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے۔ اے لوگو! میری بات سنو اور خوب اچھی طرح سمجھ لو۔ تم جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب مسلمانان عالم باہم بھائی بھائی ہیں۔ پس کسی شخص کے لئے کسی بھائی کی کوئی چیز لینا جائز نہیں۔ بجز اس کے جو اس نے اسے خوشدلی کے ساتھ دی ہو۔ پس تم اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

اے خدا! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا؟

مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اس پر حاضرین نے کہا۔ ہاں خدا گواہ ہے کہ آپ نے اس کا پیغام ہمیں پہنچا

---

[1] زمانہ جاہلیت میں عرب حلال و حرام مہینوں کو مقدم و مؤخر کر کے ان میں ردّ و بدل کرتے رہا کرتے تھے۔ اسے نسئی کہا جاتا ہے۔ م

[2] یعنی حج کا زمانہ پھر اپنے اصلی وقت ذی الحجہ میں عود کر آیا۔ م

دیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے خدا تو گواہ رہنا۔"

لوگوں کی کثرت کی وجہ سے میدانِ عرفہ میں آپ کی طرف سے لوگوں کو آپ کا پیغام ربیعہ بن امیہ بن خلف پہنچا رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے اس خطبہ میں اس سے بھی خبردار فرما دیا تھا کہ آپ کے وصال کا وقت قریب آگیا ہے اور آپ اس کے بعد کبھی حج نہ کریں گے جیسا کہ آپ نے خطبہ کی ابتداہی میں فرما دیا تھا کہ شاید میں اس سال کے بعد پھر کبھی اس مقام پر تم سے نہ مل سکوں گا۔" آپ نے بطورِ خاص لوگوں کو عورتوں سے حُسن سلوک کی نصیحت فرمائی اور لوگوں کو ان پر ظلم کرنے سے منع فرمایا اور انہیں ان کے ساتھ حُسن سلوک کی ترغیب دی اور یہ بتایا کہ جس طرح مردوں کے ان پر حق ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی ان پر کچھ حقوق ہیں۔ بلاشبہ اس خُطبہ میں آپ نے عورتوں کا مرتبہ بلند فرمایا تاکہ عورت کو ایک بیکار وجود اور مسلوب الحقوق نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں لوگوں کو ان حقوق کی طرف بطورِ خاص متوجہ فرمایا

پس روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو اس نصیحت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

اس حج کا نام کامل و اکمل حج بھی رکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[1] — میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتِ کاملہ کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے مذہب اسلام کو پسند کر لیا۔

یہ آیت شریفہ اس وقت نازل ہوئی جب آپ میدانِ عرفہ میں کھڑے ہوئے تھے۔

آنحضرتؐ نے ہجرت کے بعد اس حج کے سوا اور کوئی حج ادا نہیں کیا۔ البتہ مکہ کی مدت قیام میں آپ نے کوئی حج نہیں چھوڑا۔ کیونکہ قریش زمانہ جاہلیت میں کوئی حج بھی ترک نہ کرتے تھے۔ البتہ بعض وہ لوگ حج سے رہ جاتے تھے جو اس وقت مکہ میں موجود نہ ہوتے یا کمزوری کی وجہ سے مجبور ہوتے تھے۔

ابن اثیر نے اپنی کتاب نہایہ میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ ہجرت سے پہلے ہر سال حج ادا فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے اس موقع پر حضرت ابُودجانہ ساعدیؓ اور ایک قول کے مطابق حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا اور آپ کی تمام ازواجِ مطہرات آپ کے ہمراہ تھیں۔ آپ مکہ میں چار ذی الحجہ

---

[1] کہا گیا ہے کہ اس آیت کے بعد سے فرائض اور حلال و حرام سے متعلق آنحضرتؐ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتؐ صرف اکیاسی یا بیاسی دن زندہ رہے۔ اس کے بعد شریعت میں نہ کوئی اضافہ ہوا۔ نہ کوئی نسخ و تبدیلی واقع ہوئی۔ م

یوم یکشنبہ کی صُبح کو داخل ہوئے تھے۔

مسٹر مویر لکھتے ہیں کہ راجح قول یہی ہے کہ نبی کریمؐ مدینہ منورہ سے ۲۵ ر ذیقعدہ یوم شنبہ م ۲۳ فروری ۶۳۲ء کو روانہ ہو کر دسویں دن بروز یکشنبہ مقام سرف[1] پر پہنچے تھے اور سہ شنبہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تھے"

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے ساتھ نوّے ہزار مسلمان حج کے لئے روانہ ہوئے تھے یا ایک قول کے مطابق ان کی تعداد اس سے بھی بہت زیادہ تھی۔ بہرحال جنھوں نے آپ کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا تھا وہ قدرتی طور پر اس تعداد سے کہیں زیادہ تھے اس لئے کہ مکہ اور یمن کے مسلمان بھی اس میں شامل ہوگئے تھے

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن نجیح نے بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ جب عرفہ کے میدان میں کھڑے ہوئے تو آپ نے میدان میں واقع اس پہاڑ کو جس پر آپ کھڑے تھے فرمایا کہ یہ موقف (بزمانۂ حج کھڑے ہونے کی جگہ) ہے اور تمام میدانِ عرفہ ہی موقف ہے۔ جب آپ مزدلفہ کی صُبح کو قزح پر کھڑے ہوئے تو فرمایا۔ یہ بھی موقف ہے بلکہ تمام مزدلفہ ہی موقف ہے۔ پھر جب آپ نے بمقام منیٰ ذبیحہ کی جگہ پر اپنی قربانی کا جانور ذبح کیا تو فرمایا۔ یہ قربانی کی جگہ ہے اور پورا منیٰ ہی قربانی کی جگہ ہے۔ الحاصل آنحضرتؐ نے فریضۂ حج ادا فرمایا اور لوگوں کو مناسک حج ادا کر کے دکھا دیئے اور اُنھیں حج کے جُملہ فرائض موقف عرفہ، کنکریاں پھینکنے کی جگہ، بیت اللہ کے طواف، زمانۂ حج کے حلال وحرام وغیرہ سب بتا دیئے۔ پھر آپ حج سے فراغت پا کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی فوج کشی

آنحضرتؐ حج سے واپس ہو کر بقیہ ماہ ذی الحجہ اور محرّم وصفر مدینہ میں مقیم رہے۔ پھر مجاہدین کا ایک دستہ شام کی طرف بھیجنے کے لئے لوگوں کو تیار کیا اور اپنے غلام حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ اپنے سواروں کو لے کر فلسطین کے علاقہ بلقاء اور داروم کی سرحدوں میں داخل ہو جائیں پس مجاہدین سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے تمام مہاجرین اوّلین کو حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ساتھ روانہ فرما دیا۔ ابھی مجاہدین حالتِ تیاری ہی میں تھے کہ آنحضرتؐ کو مرض الموت لاحق ہو گیا۔ اس موقع

[1] سرف مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ایک مقام کا نام ہے۔ م

پر منافقین نے حضرت اسامہؓ کو سر لشکر بنا کر بھیجنے پر اعتراض کیا تو آنحضرتؐ نے انھیں جواب دیا کہ وہ سرداری کے اہل ہیں۔ اگر تمھیں ان کے متعلق کچھ اعتراض ہے تو تم اس سے پہلے بھی ان کے باپ کے متعلق ایسا ہی اعتراض کر چکے ہو۔ اگرچہ وہ امارت کے اہل ثابت ہو چکے تھے۔ امیر لشکر مقرر کیے جانے کے وقت حضرت اُسامہؓ کی عمر کل بیس سال تھی۔ اس لئے ان کی کم عمری کی وجہ سے انھیں فوج کی قیادت سپرد کر دینے پر منافقین نے اعتراض کیا تھا۔

غزوات و دیگر بعثات کی تعداد

ابن اسحاق کے بیان کے مطابق ان تمام مُجاہدانہ معرکوں کی تعداد جن میں خود آنحضرتؐ بنفسِ نفیس شریک ہوئے ۲۷ غزوات ہیں اور آپ کے بھیجے ہوئے فوجی لشکر اور وہ معرکے جن میں آپ خود شریک نہ تھے ان کی تعداد ۳۸ ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ جن غزوات میں آپ بنفسِ نفیس شریک ہوئے تھے۔ ان کی تعداد چھبیس ہے اور بعض کے نزدیک ستائیس ہے۔ پس جس نے یہ تعداد چھبیس بیان کی ہے اس نے آنحضرتؐ کے خیبر سے وادی قریٰ تک کے غزوہ کو ایک غزوہ شمار کیا ہے۔ کیونکہ آپ غزوۂ خیبر سے فارغ ہو کر اپنے ٹھکانہ پر واپس نہ ہوئے تھے بلکہ وہیں سے وادیٔ قریٰ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ اس طرح آپ نے اسے ایک ہی غزوہ بنا لیا تھا۔ اور جس نے یہ تعداد ستائیس بیان کی ہے اس نے غزوۂ خیبر کو مستقل ایک غزوہ اور غزوۂ وادیٔ قریٰ کو مُستقلاً دُوسرا غزوہ قرار دیا ہے۔ اس طرح اس نے یہ تعداد ستائیس بیان کی ہے۔

وفُود کی آمد

آنحضرتؐ کی خدمت میں بہت سے وفود حاضر ہوئے جن کا ہم یہاں مختصراً ذکر کرتے ہیں :-

مقام جعرانہ میں آپ کی خدمت میں ہوازن کا وفد حاضر ہوا۔ علیٰ ہذا مالک بن عوف نصری کا وفد ۸ھ کے آخر میں حاضرِ خدمت ہوا۔ بنو تمیم کا وفد سریہ عیینہ بن حصین کے موقع پر محرم ۹ھ میں حاضر ہوا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نجرانی نصاریٰ کا وفد حاضر ہوا جو ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے مناظرہ کرنے حاضر ہوئے تھے۔ بالآخر انھوں نے آنحضرتؐ سے جزیہ پہ صلح کر لی۔ آنحضرتؐ نے انھیں تحریری معاہدہ لکھ کر دیا اور حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو انکے ساتھ روانہ فرمایا اور ان سے فرمایا کہ یہ امتِ محمدیہ

کے امین ہیں۔ اہلِ نجران کی شان میں اور ان کی تردید میں حق تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران کی اکثر آیات نازل فرمائی ہیں۔ داری قبیلہ کا وفد حاضرِ خدمت ہوا جس میں ابوتمیم داری، ان کے بھائی نعیم اور چار دوسرے آدمی شامل تھے۔ یہ لوگ عیسائی تھے۔ ان کا وفد دو مرتبہ، ایک مرتبہ مکہ میں ہجرت سے قبل اور ایک مرتبہ بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں حاضرِ خدمت ہوا۔ جب آنحضرتؐ غزوۂ تبوک سے فارغ ہو کر ماہِ رمضان میں مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنو ثقیف اور بنو عامر بن صعصعہ کا وفد حاضرِ خدمت ہوا جس میں اس قبیلہ کے سردار عامر بن طفیل عامری اربد بن قیس اور جبار بن سلمی شامل تھے۔ عامر بن طفیل رئیس وفد تھا۔ یہ بہت حسین شخص تھا۔ اس نے دل میں آنحضرتؐ سے غداری کا منصوبہ چھپا رکھا تھا۔ اس نے آنحضرتؐ سے درخواست کی تھی کہ اگر وہ اسلام لے آئے تو اسے حاکم مقرر فرما دیا جائے۔ جب عامر اور اس کے ساتھی اپنے شہر کو واپس لوٹے تو عامر راستہ ہی میں طاعون میں مبتلا ہو کر غیر اسلامی حالت پر فوت ہو گیا۔ لیکن بعض راویوں کو وہم ہو گیا اور انھوں نے دعویٰ کر دیا کہ عامر بن طفیل اسلام لائے اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے۔ لیکن دراصل وہ مسلمان ایک دوسرے ہمنام صحابی حضرت عامر بن طفیل اسلمیؓ تھے۔

سنہ ۹ھ میں ضمام بن ثعلبہ کا وفد حاضرِ خدمت ہوا۔ ضمام نے آپؐ سے سوال کیا۔ کیا خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے اور بتوں کی پرستش ترک کر دینے اور زکوٰۃ کی ادائی، رمضان کے روزے رکھنے اور بصورتِ استطاعت ادائی حج کا حکم دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ہاں! حق تعالیٰ نے ہی یہ احکام دیئے ہیں۔ پس وہ مشرف باسلام ہو کر اپنی قوم میں واپس ہو گئے اور لات و عزیٰ بتوں کی برائی کرنے لگے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ ان کی قوم کے تمام مرد و زن اسلام لے آئے۔

عبد القیس کا وفد اپنے وطن بحرین سے حاضرِ خدمت ہوا۔ ان کے وفد میں جارود بھی تھے جو عیسائی تھے اور مذہبی کتب کے عالم تھے۔ یہ وفد سنہ ۱۰ھ میں حاضرِ خدمت ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے ان پر اسلام پیش فرمایا تو جارود اور ان کے سب ساتھی اسلام لے آئے۔ ان لوگوں نے آپؐ سے نبیذ پینے کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارا ملک وبائی امراض کا ملک ہے۔ ہمیں نبیذ ہی فائدہ کرتی ہے لیکن آنحضرتؐ نے انھیں نبیذ[1] پینے سے منع فرما دیا۔

بنو حنیفہ بن لجیم بن مصعب بن علی بن بکر بن وائل کا سترہ اشخاص پر مشتمل وفد حاضرِ خدمت ہوا۔ انہی میں

---

[1] انگور یا کھجور کے نچوڑے ہوئے عرق کی شراب کو کہا جاتا ہے۔ م

مسیلمہ بن کذاب بھی تھا جس کا اپنی قوم میں بہت اثر تھا۔ اُس نے آنحضرتؐ سے گفتگو کی اور درخواست کی کہ اسے اپنے ساتھ نبوت میں شریک فرمالیا جائے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے آنحضرتؐ کی حیات ہی میں اپنی نبوّت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ علیٰ ہذا صنعا (یمن) والے اسود عنسی نے بھی نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔ مُسیلمہ نے قرآنی آیات کے مقابلہ میں بے تکی بکواس کی تھی۔ مثلاً اس نے سُورۂ کوثر کے طرز پر ایک مسجع عبارت کہی تھی جو یہ ہے:-

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْجَوَاهِرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَهَاجِرْ۔ إِنَّ مُبْغِضَكَ رَجُلٌ فَاجِرٌ۔

ہم نے آپ کو جواہرات عطا کئے ہیں پس آپ اپنے خدا کی عبادت کریں اور ہجرت کریں۔ بلاشبہ آپ سے بغض رکھنے والا فاجر فاسق شخص ہے۔

اس نے اپنی قوم کو اپنی اتباع کی ترغیب دینے کے لئے انھیں نمازوں کی چھوٹ دے دی تھی اور شراب و زنا کو جائز قرار دے دیا تھا۔

قبیلہ طے کا وفد حاضر خدمت ہُوا جس میں قبیصہ بن اسود بھی تھے۔ رئیس وفد زید خیل[1] تھے جو بہت سخی بہت شاہسوار اور بہت با اخلاق شخص تھے۔ آنحضرتؐ نے ان پر اسلام پیش فرمایا تو وہ خود اور ان کے تمام ساتھی اسلام لے آئے اور آخر تک اسلام پر ثابت قدم رہے۔

عدی بن حاتم طائی ایک وفد لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ یہ اپنی قوم کی بہت معزز شخصیت اور عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ پھر یہ مُشرّف باسلام ہو گئے۔ ان ہی وفود میں عروہ مرادی کا وفد، بنو زبید کا وفد اور کندہ کا وفد بھی تھا۔ کندہ یمن کا ایک قبیلہ تھا جو کندہ کی طرف منسُوب تھا۔ کندہ ان کے مورثِ اعلیٰ ثور بن عفیر کا لقب تھا۔ آنحضرتؐ کی دادی بھی اسی قبیلہ سے تھیں۔ جو آپ کے مورثِ اعلیٰ کلاب کی والدہ تھیں۔ اس ہی خاندان کے اشعث بن قیس بھی تھے جو اپنی قوم کے سربرآوردہ شخص تھے۔ یہ بھی مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ پھر آنحضرتؐ کے وصال کے بعد مُرتد ہو گئے تھے۔ مگر پھر حضرت ابو بکرؓ کے دورِ خلافت میں پھر مسلمان ہو گئے۔

ازدِ شنوءہ کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا جس کا تعلق قبیلہ ازد سے تھا۔ ان ہی میں صرد بن عبداللہ ازدیؓ

---

[1] آنحضرتؐ نے زید سے پُوچھا تھا کہ تمھارا نام کیا ہے۔ کہا زید خیل۔ فرمایا: بلکہ تم زید خیر ہو۔ یہ بہت عمدہ شاعر بڑے خطیب، لسّان، بہادر اور سخی تھے۔ م

بھی تھے جو ان سب میں افضل مانے جاتے تھے۔ انھیں آنحضرتؐ نے ان کی قوم کے مسلمانوں کا امیر مقرر فرما دیا۔ حارث بن کعب۔ رفاعہ بن جذامی اور ہمدان کے وفود بھی حاضرِ خدمت ہوئے۔ قبیلہ ہمدان کے وفد میں مالک بن نمط بھی تھے جو بہت خوش گو شاعر تھے۔ تبوک سے آنحضرتؐ کی واپسی پر یہ لوگ حاضرِ خدمت ہوئے۔ تجیب کا وفد بھی حاضرِ خدمت ہوا۔ یہ کندہ کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ لوگ آنحضرتؐ سے قرآن اور سُنّت کے احکامات معلوم کرتے رہے۔ بنو ثعلبہ اور بنو سعد ہذیم شاخ قضاعہ کا وفد بھی حاضرِ خدمت ہُوا۔ یہ لوگ اسلام لے آئے اور انھوں نے آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور اپنی قوم میں واپس ہو گئے۔ ان کی تبلیغ سے خدا نے ان کی قوم والوں کو بھی نعمتِ اسلام سے بہرہ ور فرمایا۔ بنو فزارہ کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا جس میں عیینہ بن حصن کے بھائی خارجہ بن حصن شریک تھے۔ ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ بنو اسد کا وفد جس میں حضرمی بن عامر بھی شریک تھے، حاضرِ خدمت ہوا۔ جس کے سب شرکاء نے اسلام قبول کر لیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم اسلام لے آئے ہیں۔ ہم آپ سے اب نہ لڑیں گے۔ جس طرح عرب نے آپ سے لڑائیاں کی ہیں۔ اس کے متعلق حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :-

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۖ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝	یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھ پر اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ اگر تم سچے ہو تو خدا تم پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت فرمائی۔

یہ لوگ چند دن تک وہیں مقیم رہ کر احکامِ اسلام کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ بنو عذرہ کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا۔ یہ یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں کو نجومیوں سے سوالات کرنے اور اپنے بتوں کے نام پر ذبیحہ کرنے سے منع فرمایا۔ بلیّ کا وفد حاضرِ خدمت ہوا۔ یہ قضاعہ کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ لوگ اسلام لے آئے۔ ان کے رئیس وفد ابو ضبیب تھے۔ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے مہمان نوازی کا شوق ہے۔ کیا مجھے اس کا ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک۔ کیونکہ تم کسی دولتمند یا غریب جس سے بھی کوئی بھلائی کرو گے۔ وہ ایک صدقہ ہو گی۔ پھر انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مہمانداری کی مدت کتنی ہے؟ فرمایا۔ تین دن۔ عرض کیا۔ اس کے بعد کیا ہے؟ فرمایا۔ پھر خیرات ہے۔ مہمان کے لئے مناسب نہیں ہے،

کہ اس سے زیادہ مُدت تک تمھارے پاس ٹھہرا رہے اور تمھاری دل تنگی کا باعث بنے اور تمھارے کاموں میں حرج ڈالے۔

بنو مرّہ کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا جس کے رئیس حارث بن عوف تھے۔ خولان کا وفد حاضر ہُوا جو یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ ان کا "عم انس" نامی ایک بُت تھا جس کی یہ پرستش کیا کرتے تھے۔ یہاں سے واپس ہو کر انھوں نے اسے توڑ پھوڑ دیا۔ بنو محارب کا وفد بھی حاضرِ خدمت ہُوا جس میں خزیمہ بن سوار بھی تھے۔ اس قبیلہ کے لوگ دُوسرے عرب کے مقابلہ میں بہت سخت اور آنحضرتؐ پر آپ کے زمانۂ حج میں مختلف قبائل کے سامنے اسلام پیش کرنے کے موقع پر بہت تشدد کیا کرتے تھے۔ قبیلۂ صداء کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا۔ یہ یمنی عربوں کا ایک قبیلہ تھا۔ ان سب قبائل نے آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کر لی۔ پھر اپنی قوم میں واپس ہوئے تو ان کے ذریعہ ان میں اسلام پھیل گیا۔ زیاد بن حارث کی بات ان کی قوم میں مانی جاتی تھی۔ سلاماں کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا جس میں حبیب بن عمرو سلامانی شریک تھے۔ یہ سب مسلمان ہو گئے۔ حبیبؓ نے آنحضرتؐ سے سب سے بہتر عمل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔ نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا ہے۔ اس دن ان لوگوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ ہی ظہر اور عصر کی نماز ادا کی۔

بنو عبس کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا۔ مزینہ کا وفد حاضر ہُوا۔ یہ ایک قبیلہ تھا جو عمرو بن اُدبن طانجہ بن الیاس بن مضر کی بیوی مزینہ کی طرف منسُوب تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی قوم اشعریین کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا۔ یہ لوگ اشعر بن اُدد کی طرف منسُوب تھے۔ یہ سب اسلام لے آئے اور آنحضرتؐ کے دستِ مُبارک پر بیعت کر لی۔ آنحضرتؐ نے انہی کے حق میں فرمایا تھا۔ "تمھارے پاس یمن والے آئے ہیں۔ گویا وہ بادلوں کی طرح (پاکیزہ) ہیں اور وہ اہلِ زمین میں سب سے بہتر ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ "اشعری لوگ اس تھیلی کی طرح ہیں جس میں مشک بھری ہو۔

دوس قبیلہ کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا۔ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی قوم تھی۔ ان کا نسب جا کر اُزد پر ختم ہوتا ہے۔ یہ ۷ھ میں خیبر میں حاضرِ خدمت ہوئے تھے۔ قضاعہ کے قبیلہ بُہرا کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا۔ یہ لوگ بھی یمن سے حاضر ہوئے تھے۔ یہ سب مشرّف باسلام ہو گئے۔ انھوں نے وہیں اسلامی احکام کی تعلیم حاصل کی۔ پھر یمن اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔ غامد کا وفد ۱۰ھ میں حاضر ہُوا جو یمن کے قبیلۂ اُزد کی ایک شاخ تھی۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرتؐ نے انھیں ایک رسالہ لکھوا کر دے دیا۔

جس میں اسلامی احکام درج تھے۔ آپ نے حضرت اُبی بن کعبؓ انصاریؓ کو حکم دیا کہ وہ انھیں قرآن پڑھائیں۔
ازد کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا۔ یہ لوگ اپنے مورثِ اعلیٰ ازد بن غوث کی طرف منسوب ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان ہی کے حق میں یہ جملے فرمائے تھے: "یہ لوگ اہلِ علم و دانش ہیں۔ فقہ میں اتنے ماہر ہیں کہ شاید اپنے فقہ کی وجہ سے انبیاء کے درجہ تک پہنچ جاتے۔"

بنو منتفق کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا۔ یہ بنو عامر بن صعصعہ کا ایک ذیلی قبیلہ تھا۔ جس میں لقیط بن عامر بن صبرہ بن عبداللہ بن منتفق شریک تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کی شان میں فرمایا تھا "اس قبیلہ والے دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ متقی لوگ ہیں۔"

قبیلۂ نخع کا وفد حاضرِ خدمت ہُوا جو یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ یہ سب سے آخری وفد تھا جو وسطِ محرم سنہ ۱۱ھ میں حاضر ہُوا تھا۔ یہ دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد حاضرِ خدمت ہوتے تھے۔ جنھوں نے پہلے ہی حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر لی تھی۔

○

۱؎ ابی بن کعب دبلے پستہ قد تھے۔ سر داڑھی کے بال سفید تھے۔ عقبۂ ثانیہ، غزوۂ بدر اور مابعد کے تمام معرکوں میں شریک رہے، کاتبِ وحی تھے۔ ان چھ حفاظ میں شامل تھے۔ جنھوں نے آنحضرتؐ کی حیات ہی میں قرآن یاد کر لیا تھا۔ ان فقہاء میں سے تھے جو آنحضرتؐ کی حیات ہی میں فتویٰ دینے لگے تھے۔ مدینہ میں تمام صحابہ میں سب سے بہتر قاریِ قرآن تھے۔ ۳۰ھ میں وفات پائی۔ مدینہ ہی میں دفن ہوئے۔ م

آنحضرتؐ کا وصال

بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ م ۷ جون ۶۳۲ء

آنحضرتؐ آخری ایام صفر ۱۱ھ بم ۶۳۲ء میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ آپ کی کل مدت بیماری تیرہ دن اور ایک قول کے مطابق سات دن رہی۔ آپ مرض کے ابتدائی ایام میں اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت میمونہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ لیکن جب مرض نے شدّت اختیار کر لی تو آپ نے اپنی تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت حاصل کر لی کہ بیماری کی باقی مُدت حضرت عائشہؓ کے گھر میں گزاریں۔ اس کے بعد آپ حضرت عباس بن عبدُالمطلبؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کے بازوؤں کے سہارے حضرت میمونہؓ کے گھر سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے گھر میں داخل ہُوئے اور حکم دیا کہ آپ کے جسم پر پانی ڈالا جائے کیونکہ آپ کو بخار تھا۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے جو مسمُوم کھانا خیبر میں چکھ لیا تھا میں اب تک اس کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں لیکن اب اس زہر کے اثر سے میری کمر اور قلب کی شریانوں کے انقطاع کا وقت آچکا ہے۔ جب آپ نماز کے لئے باہر نکلنے سے معذُور ہو گئے تو فرمایا حضرت ابوبکرؓ سے کہا جائے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہؐ! حضرت ابوبکرؓ رقیق القلب انسان ہیں جب وہ آپ کی جگہ مصلّٰی پر کھڑے ہوں گے تو شدّت گریہ کی بنا پر لوگ ان کی قرأت نہ سُن سکیں گے۔ مگر آپ نے مکرّر ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کو لوگوں کی امامت کے لئے کہا جائے۔ حضرت عائشہؓ نے پھر پہلی بات دُہرائی۔ اس پر آپ نے فرمایا: "بلا شُبہ تم خواتین حضرت یوسف علیہ السّلام والی عورتوں کی طرح ہو[1]۔ حضرت ابوبکرؓ سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پس حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو سترہ نمازیں پڑھائیں، پہلی نماز شبِ جمعہ کی تھی اور آخری دوشنبہ کی صبح کی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کو امامت نماز کے لئے آگے بڑھانے میں اس طرف لطیف اشارہ تھا کہ آپ کے بعد وہی منصبِ خلافت کے اہل ہیں۔ ان کی امامت پر لوگوں نے آپس میں کہنا شروع کر دیا۔ آنحضرتؐ نے انھیں ہماری دینی امامت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ کیا ہم انہیں اپنی دُنیوی قیادت کے لئے بھی منتخب نہ کر لیں؟

(۱) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو بہکانے کے لئے خواتین مصر نے جو کام کیا تھا تم بھی حیلہ و مکر میں انہی کی طرح ہو۔ م

اس حالت میں صرف ایک مرتبہ نبی کریم ؐ سر مبارک کو کپڑے سے باندھے ہوئے باہر تشریف لائے کیونکہ سر درد سے دکھ رہا تھا اور منبر کی نچلی سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ آپ نے خدا کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خائف ہو۔ کیا مجھ سے پہلے مبعوث شدہ انبیاؑ میں سے کوئی نبی بھی ہمیشہ اس دنیا میں رہا ہے کہ میں دائمی طور پر تم میں رہ سکوں گا۔ آگاہ رہو۔ میں اپنے رب سے جا ملوں گا اور تم سب مجھ سے آملو گے۔ پس میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ پہلے ہجرت کرنیوالوں سے بہتر سلوک کرنا۔ علیٰ ہٰذا مہاجرین کو بھی آپس میں حسنِ سلوک سے رہنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝	زمانہ کی قسم! بلاشبہ انسان خسارہ میں ہے: بجز ان لوگوں کے
اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	جو ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کئے اور وہ
الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ	ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے اور صبر و استقامت اختیار
تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝	کرنے کی نصیحت کرتے رہے۔

بلاشبہ تمام امور اللہ کی مرضی سے جاری ہوتے ہیں۔ اس کی مرضی کسی امر میں تاخیر کی ہو تو تم اس میں عجلت کی خواہش نہ کرو۔ کیونکہ حق تعالیٰ کسی کی جلد بازی کی بنا پر کسی کام میں عجلت نہیں فرماتا۔ جو شخص خدا کی مرضی پر غالب آنا چاہے۔ خدا اس پر غالب رہتا ہے۔ جو اللہ کو دھوکا دیتا ہے۔ خدا اسے دھوکا دیتا ہے۔ پس کیا تم چاہتے ہو کہ اگر تم کو اس سرزمین کی حکومت دے دی جائے تو تم زمین میں فساد پھیلاتے پھرو۔ اور قرابت کے تعلقات کو منقطع کر دو۔ میں تمھیں انصار سے بھی حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے تمھیں اپنے گھروں میں قیام کی جگہ دی اور تمھیں باعزت طریق پر رکھا۔ پس تم پر ان سے حسنِ سلوک واجب ہے۔ کیا انھوں نے اپنے باغات کے پھلوں میں تمھارا حصہ نہیں مقرر کیا۔ کیا انھوں نے اپنے گھروں میں تمھارے قیام کے لئے گنجائش نہیں نکالی۔ کیا انھوں نے خود پر تنگی ترشی برداشت کر کے بھی تمھیں اپنی جانوں پر ترجیح نہیں دی۔ خبردار! تم میں سے جو کسی دو آدمیوں پر حاکم مقرر ہو اسے چاہیئے کہ انصار کی بھلائیوں کو قبول کرے اور ان کی برائیوں سے درگزر کرے۔ خبردار! تم ان پر برتری اور ترجیحی سلوک کی سعی مت کرنا۔ خبردار رہو کہ میں تم سے پہلے خدا کے یہاں جانے والا ہوں تم بعد کو مجھ سے آملو گے۔ خبردار رہو تم سے حوضِ کوثر پر ملاقات ہو گی، خبردار! جو شخص کل مجھ سے حوضِ کوثر پر ملنے کا خواہشمند ہو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے ہاتھ اور زبان کو لوگوں کی ایذا رسانی سے روکے رکھے۔"

آنحضرتؐ کا یہ آخری خطبہ تھا۔ اس دن کے بعد آپ پھر کبھی منبر پر تشریف فرما نہ ہوئے۔

الحاصل جس وقت آپ مرض کی شدت میں مبتلا تھے۔ آپ نے آخری مرتبہ تمام مسلمانوں کو مہاجر ہوں کہ انصار۔ یہ عام وصیت فرمائی کہ وہ ہمیشہ باہم محبت، اتحاد اور صلہ رحمی سے زندگی بسر کریں اور انھیں باہم قطع تعلقات سے منع فرمایا۔

آپ کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا کہ آپ پر سکرات طاری ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ آپ کی صحت کی دعا کرتی اور کہتی تھیں کہ موت کی کتنی شدید سکرات ہوتی ہے۔ جب آنحضرتؐ کی بے چینی حد سے بڑھ گئی تو حضرت فاطمہؓ بول اٹھیں۔ آہ میرے باپ کی شدید بے چینی!" آپ نے فرمایا۔ "آج کے بعد تمھارے باپ پر کبھی یہ کرب و غم نہ ہوگا۔"

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کی حدیث منقول ہے کہ دوشنبہ کے دن لوگ نماز فجر میں مشغول تھے اور حضرت ابوبکرؓ ان کی امامت کر رہے تھے کہ اچانک آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا پردہ اٹھا کر نمازیوں کی طرف دیکھا جو نماز کی صفوں میں تھے۔ انھیں دیکھ کر آپ ہنسے۔ حضرت ابوبکرؓ اس خیال سے کہ شاید آپ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ قریب تھا کہ آنحضرتؐ کی تشریف آوری کی خوشی کے جذبہ میں لوگوں کی نماز میں انتشار پیدا ہو جائے کہ آنحضرتؐ نے دست مبارک کے اشارہ سے فرمایا کہ اپنی نماز پوری کر لو۔ پھر حجرہ میں داخل ہو کر پردہ ڈال لیا۔ ایک روایت میں یہ فقرہ زائد ہے کہ آپ اسی دن وصال فرما گئے۔ پھر آپ کی میت کے گرد تمام صحابہ جمع ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے میرے گھر میں میرے سینے اور گردن کے درمیان یعنی میری گود میں وصال فرمایا۔ وصال کے وقت حضرت ابوبکرؓ وہاں موجود نہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی تلوار کھینچ لی اور لوگوں کو دھمکایا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ وفات پا گئے اس کا سر اڑا دیا جائے گا۔ حالانکہ وہ حال ہی میں آنحضرتؐ کا وہ خطبہ سن چکے تھے جس میں آپ نے فرمایا تھا۔ "اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خائف ہو۔ کیا مجھ سے پہلے مبعوث ہونے والے انبیاء میں کوئی نبی دنیا میں ہمیشہ رہا ہے کہ میں تم میں ہمیشہ رہوں گا۔ خبردار! میں عنقریب اپنے رب سے جا ملوں گا۔"

جب حضرت ابوبکرؓ کو اس حادثہ کی خبر ملی تو آپ حضرت عائشہؓ کے گھر آئے۔ آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک کو کھولا اور اسے بوسہ دے دے کر رونے لگے۔ پھر باہر نکل کر فرمایا۔ اے قسم کھانے والے (عمرؓ) ذرا ٹھہرو

جلدی نہ کرو۔ ان کے کہنے پر حضرت عمرؓ بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکرؓ نے اوّلاً خدا کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا:۔

اَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ ۔ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ فَاِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ	خبردار رہو! تم میں سے جو شخص حضرت محمدؐ کی عبادت کرتا تھا، تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت محمدؐ کا وصال ہو چکا اور جو شخص حق تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ زندہ ہے۔ اس پر کبھی بھی موت طاری نہ ہوگی

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○	اے پیغمبر! یقیناً آپ مرنے والے ہیں اور دوسرے سب لوگ بھی مرنے والے ہیں۔

نیز فرمایا ہے:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ	حضرت محمدؐ صرف ایک پیغمبر خدا تھے۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے انبیاء ہو گزرے ہیں۔

اس پر لوگوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔

حضرت عمرؓ ان سب سے زیادہ جزع فزع کا اظہار کر رہے تھے مگر جب انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کی یہ بات سُنی تو کہا۔ خدا کی قسم! یُوں معلوم ہُوا جیسے میں نے یہ آیت اس سے پہلے کبھی تلاوت ہی نہ کی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کا یہ موقف اختیار کرنا رنج و غم کے مواقع پر ان کے اضطراب و جوش میں اعتدال پسندی، ضبط و تحمّل اور دانائی و بہادری پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے وصال کے موقع پر لوگوں کے ہوش و حواس اور عقل و خرد گم ہو گئے پس بعض کے تو عقل و حواس ہی جاتے رہے بعض نڈھال ہو کر ایسے بیٹھے کہ اُٹھنے کی طاقت ہی نہ رہی بعض کی زبانیں ہی بند ہو گئیں کہ بات ہی نہ کر سکے اور بعض صدمہ سے پچھاڑ کھا کر بیمار ہو گئے۔

حضرت عمرؓ تو شدتِ غم سے دیوانے ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ بالکل ساکت و ششدر رہ گئے کہ بول ہی نہ سکے۔ حضرت علیؓ فرطِ غم سے اپنی جگہ سے ہل نہ سکے۔ حضرت عبداللہ بن انیسؓ اسی غم میں ایسے بیمار پڑے کہ آخر اسی بیماری میں انتقال کر گئے۔ صرف حضرت ابوبکرؓ سب میں ثابت قدم رہے۔

قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ حضرت ابوبکرؓ کی کمال شجاعت کی دلیل ہے کیونکہ بہادری کی تعریف ہی یہ

یہ ہے کہ انسان مصائب و شدائد میں ثابت قدم اور قوی القلب ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ آنحضرتؐ کے وصال کی مصیبت سے زیادہ اور کیا مصیبت ہو سکتی تھی۔ ایسے نازک موقع پر حضرت صدیقؓ کی شجاعت اور علم و دانش کا اظہار ہُوا۔

روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد آپ کی تدفین سے پہلے حضرت بلالؓ اذان دے رہے تھے۔ جونہی انھوں نے کلمہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ کہا تو لوگوں کی آہ و بکا کی گونج سے مسجد نبوی لرز اٹھی۔

آنحضرتؐ کا وصال بروز دوشنبہ بماہ ربیع الاوّل ۱۱ھ ہوا۔ جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وصال کون سے دوشنبہ کو ہُوا۔ حجاز کے فقہاء کا قول ہے کہ آنحضرتؐ کا وصال بروز دوشنبہ بتاریخ ۲ ربیع الاوّل ہُوا

لیکن واقدی کا قول ہے کہ آپ کا وصال بروز دوشنبہ بتاریخ بارہ ربیع الاوّل ہُوا۔

آپ کی تدفین دوسرے دن بروز سہ شنبہ بوقت دوپہر زوال آفتاب کے بعد عمل میں آئی۔ اس وقت آپ کی عمر ترسیٹھ سال تھی۔

آپ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ اور حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ اور بعض دوسرے حضرات نے آپ کے مرثیے کہے۔

آنحضرتؐ کے جسمِ اطہر پر جو کرتہ تھا اسی میں آپ کو غسل دیا گیا۔ اس پر پانی ڈال ڈال کر اسی سے جسم مُبارک کو ملا جاتا تھا۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے آپ کو غسل دیا تھا اور قبا میں واقع غرس نامی کنوئیں سے پانی لایا گیا تھا۔

حضرت عباسؓ اور ان کے فرزند الفضلؓ آپ کے جسمِ مبارک کو پلٹنے میں حضرت علیؓ کی مدد کر رہے تھے۔ آپ کو تین سفید سوتی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ جن میں کرتہ اور عمامہ نہیں تھا۔ جب غسل و کفن سے فارغ ہو چکے تو نعش مبارک آپ کے مکان کے ایک پلنگ پر رکھ دی گئی۔ پھر زائرین گروہ در گروہ اندر داخل ہو کر آپ کی نماز پڑھتے رہے۔

آپ کا وہ بستر جس پر آپ کا وصال ہُوا اٹھا دیا گیا اور اسی جگہ آپ کی قبر مُبارک کھودی گئی اور جو چادر آپ اوڑھا اور بچھایا کرتے تھے وہ آپ پر ڈال دی گئی

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "انبیاء میں جس نبی کا وصال ہوتا ہے ان کی تدفین اسی جگہ عمل میں آتی ہے جہاں ان کا وصال ہوا ہو۔"

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ میں نے بھی آپ کو ایسا ہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

قبر مبارک حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاریؓ نے کھودی۔ انھوں نے آپ کی لحد عین آپ کے بستر کی جگہ کھودی جہاں آپ کا وصال ہوا تھا۔ آپ کو قبر میں اتارنے کے لئے آپ کے چچا حضرت عباس۔ حضرت علی۔ حضرت الفضل اور حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہم اندر اترے۔ حضرت بلالؓ پانی کا مشکیزہ بھر لائے اور قبر کے سرہانے سے آخر تک پانی چھڑکا۔ پھر قبر پر میدان کی سرخ سفید کنکریاں لا کر ڈال دی گئیں۔ قبر مبارک سطح زمین سے ایک بالشت بلند رکھی گئی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت اسامہؓ کو امیر الجیش مقرر کرنے پر منافقین میں بہت چہ می گوئیاں ہوئیں جب آنحضرتؐ تک یہ خبر پہنچی تو آپ بحالت مرض ہی شدت درد سر کی وجہ سے سر پر کپڑا باندھ کر باہر تشریف لائے اور ان کے اعتراض کی تردید فرماتے ہوئے فرمایا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ اسامہ بن زید کی امارت کے بارے میں اعتراض کر رہے ہیں۔ میری عمر کی قسم ہے کہ اگر آج وہ اسامہ کی امارت کے متعلق اعتراض کر رہے ہیں تو وہ اس سے پہلے ان کے باپ حضرت زید بن حارثہؓ کے بارے میں بھی یہی اعتراض کر چکے ہیں۔ حالانکہ وہ امارت کے اہل تھے اسی طرح اسامہ بھی اس کے اہل ہیں پس اسامہ کا لشکر روانہ کر دیا جائے۔

آپ کا یہ ارشاد اس امر پر روشنی ڈالتا ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک حضرت اسامہ کے لشکر کی روانگی۔ مسلمانوں کے اہم معاملات اور ان میں اتحاد و اتفاق کا کس قدر اہتمام تھا۔

جب آنحضرتؐ کا وصال ہوا تو آپ کی زرہ اپنے خانگی مصارف کے سلسلہ میں ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ آپ نے کوئی دینار، درہم، بکری یا اونٹ ورثہ میں نہیں چھوڑا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں آنحضرتؐ کا اس حال میں وصال ہوا کہ میرے گھر میں کسی جاندار کے کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ صرف دیوارگیری پر کچھ جو رکھے ہوئے رہ گئے تھے جن میں سے لے لے کر میں کچھ مدت تک کھاتی رہی آخر وہ بھی ختم ہو گئے۔ کاش میں انھیں نہ کھاتی۔

ترمذی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کا اس حال میں وصال ہوا

کہ آپ اور آپ کے اہلِ بیت نے زندگی بھر کبھی جو کی روٹی بھی شکم سیر ہو کر نہیں کھائی۔ آنحضرتؐ نے اپنے ترکہ میں صرف اپنے ہتھیار، اپنی سواری کا خچر اور کچھ زمین چھوڑی جسے آپ نے خیرات کرنے کو فرما دیا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ کا مرثیہ

محمدؒ بن عمر واقدی نے اپنے راویوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنحضرتؐ کے وصال پر آپ کے مرثیہ میں اشعارِ ذیل کہے:

يا عَينُ فابكِي ولا تسأمِي	اے آنکھ۔ اشکبار ہو اور رونے سے نہ تھم۔ کیونکہ تجھ پر
وحُقَّ البكاءُ على السيّدِ	یہ واجب ہو گیا ہے کہ اپنے سردار اور اس ہستی کے وصال
على خيرِ خِندفَ عند البلاءِ	پر گریہ وزاری کرتی رہے جو مصائب کے وقت ہمارا بہترسہارا
امسىٰ يُغيَّبُ فى المُلحدِ	تھی۔ حسرت ہے کہ وہ ہستی آج لحد میں چھپ گئی ہے۔
فصلّى المَليكُ وَلِيُّ العبا	آج حضرت احمدؐ پر فرشتے اور بندوں کا پروردگار اور ملکوں کا
د وربُّ البلاد على احمدِ	حاکم، اعلیٰ درود بھیج رہے ہیں۔
فكيفَ الحياةُ لفقدِ الحبيـ	پس اس ہستی کی جدائی کے بعد ہم کیسے زندہ رہ سکیں گے جو
ـبِ وزينِ المعاشرِ فى المَشهدِ	ہمارا محبوب اور میدانِ جہاد میں ہمارا بہترین ساتھی تھا۔
فليتَ المماتُ لنا كُلِّنا	کاش! ہم سب کو بھی موت آجاتی اور ہم سب کے سب اپنے ہادی
وكُنّا جميعًا مع المهتدِى	کے ساتھ ہی رہتے۔

حسبِ ذیل اشعار بھی آپ ہی کے ہیں:-

لَمّا رايتُ نبيَّنا مُتجدِّلًا	جب میں نے اپنے پیغمبرؐ کو مُردہ زمین پر پڑے ہوئے دیکھا تو
ضاقتْ علىَّ بعرضِهِنّ الدُّورُ	مجھ پر گھر اپنی وسعت کے باوجود تنگ و تاریک ہو گیا۔
وارتعتُ روعةَ مُستهامٍ والهٍ	میں شدتِ غم واندوہ کی وجہ سے نڈھال وضعیف ہو جانے والے کی طرح
والعظمُ مِنّى واهِنٌ مكسورُ	تڑپا اور بے قرار ہو گیا جس سے میری ہڈیاں تک کمزور اور چکنا چور ہو گئیں
اَعتيقُ ويحكَ انّ حِبّكَ قد ثوىٰ	مقامِ حسرت ہے کہ تو آج آزاد و زندہ رہا ہے جبکہ تیرا محبوب دفن ہو چکا ہے
وبَقِيتُ منفرِدًا وانتَ حسيرُ	اے پیارے محبوب! آج میں تنہا رہ گیا اور تو بے بس و درماندہ ہو گیا۔

يَا لَيْتَنِي مِن قَبلِ مَهْلِكَ صَاحِبِي
غُيِّبْتُ فِي جَدَثٍ عَلَيَّ صُخُورُ

اے میرے پیارے حبیب! کاش میں تیری موت سے پہلے ہی قبر میں دفن کر دیا جاتا اور مجھ پر پتھر ڈال دیئے جاتے۔

فَلَتَحْدُثَنَّ بَدَائِعٌ مِن بَعْدِهِ
تَعْيَى بِهِنَّ جَوَانِحٌ وَصُدُورُ

اس حبیب کے بعد اس کی بے مثال خوبیوں کے تذکرے ہوتے رہیں گے جن کے بیان سے لوگوں کے بازو اور سینے (تمام اعضا) عاجز رہ جائیں گے۔

حضرت حسّان بن ثابت رضؓ کا مرثیہ

والله مَا حَمَلَتْ أُنثَى وَلَا وَضَعَتْ
مِثْلَ النَّبِيِّ رَسُولِ الْأُمَّةِ الْهَادِي

خدا کی قسم! امت محمدیہ کے رسول اور رہبر انسانیت نبی کریم جیسی کسی شخصیت کا آج تک نہ کسی خاتون کو حمل ٹھہرا نہ کسی نے ایسا فرزند پیدا کیا

امسى نِسَاؤُكَ عَطَّلْنَ الْبُيُوتَ فَمَا
يَضْرِبْنَ خَلْفَ قَفَا سِتْرٍ بِأَوْتَادِ

آنحضرتؐ کے وصال کے غم میں آپ کی ازواج کو ان کے گھر کھانے کو آتے ہیں اس لئے انھوں نے انھیں چھوڑ دیا ہے اور انھوں نے گھر کے پردوں کو کیلوں سے ٹھونکنا بھی ترک کر دیا ہے۔

مِثْلَ الرَّوَاهِبِ يَلْبَسْنَ الْمُسُوحَ وَقَد
أَيْقَنَّ بِالْبُؤْسِ بَعْدَ النِّعْمَةِ الْبَادِي

ان تارک الدنیا گوشہ نشین پادری عورتوں کی طرح ٹاٹ سا موٹا کپڑا پہنتی ہیں۔ انھوں نے خدا کی کھلی نعمت کے بعد اس کے چھن جانے کی شدت کو بری طرح محسوس کیا ہے۔

یہ بھی ان ہی کے اشعار ہیں:-

مَا بَالُ عَيْنِكَ لَا تَنَامُ كَأَنَّمَا
كُحِلَتْ مَآقِيهَا بِكُحْلِ الْأَرْمَدِ

آج تیری آنکھوں کو کیا ہوا کہ وہ جھپکتی ہی نہیں ہیں۔ گویا ان کے ڈھیلوں میں آشوب چشم کا سُرمہ لگا دیا گیا ہے۔ (یعنی پر آشوب ہونے کی وجہ سے ان میں نیند نہیں آتی)۔

جَزَعًا عَلَى الْمَهْدِيِّ أَصْبَحَ ثَاوِيًا
يَا خَيْرَ مَنْ وَطِئَ الْحَصَى لَا تَبْعَدِ

دراصل ہادی اعظمؐ کے وصال پر غم واندوہ کی وجہ سے ان کی نیند اُڑ گئی ہے۔

يَا وَيْحَ أَنْصَارِ النَّبِيِّ وَرَهْطِهِ
بَعْدَ الْمُغَيَّبِ فِي الضَّرِيحِ الْمُلْحَدِ

اے بہترین خلائق ہستی جس کے پائے مبارک اس زمین پر پڑے ہوں تو ہم سے جدا نہ ہو۔ نبی کریمؐ کے لحد میں مستور ہو جانے کے بعد آپ کے انصار اور آپ کی جماعت صحابہ پر حسرت طاری ہے۔

جَنبِی یقِیكَ التُّربَ لهفی لیتَنِی	کاش میں آپ کو زیر زمین جانے سے بچا لیتا اور میں آپ
کُنتُ المُغیَّبَ فی الضَّریحِ المُلحَدِ	کی بجائے خود لحد میں دفن ہو جاتا۔
یا بکرَ آمنةَ المباركِ ذکرِہٖ	اے آمنہ کے لاڈلے جس کا ذکر باعث برکت ہے اسے
ولَدَتهُ محصنةٌ بسعدِ الأسعدِ	اس کی باعفت و پارسا خاتون نے انتہائی خوش بخت و بلند طالع جنا ہے۔
نُورًا اَضاءَ علی البَرِیَّةِ کُلِّھَا	وہ نور مجسم ہے جس نے تمام کائنات کو اپنے نور سے جگمگا دیا
مَنْ یُھدَ لِلنُّورِ المباركِ یھتدِی	اور جسے اس کے بابرکت نور سے استفادہ کی توفیق ہو گئی اور وہ ہدایت پا گیا
اَاُقِیمُ بعدَكَ بالمَدِینَةِ بَینَھُم	کیا اب میں آپ کے بعد لوگوں کے درمیان مدینہ میں مقیم رہوں مجھ پر حسرت
یالَھفَ نَفسِی لیتَنِی لم اُولَدِ	وافسوس ہے۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔
بِاَبِی واُمِّی مَن شَھِدتُ وفَاتَهٗ	نبی ہادی کی وہ ذات اقدس جن کے وصال پر میں دوشنبہ کے
فی یومِ الاثنینِ النَّبِیِّ المُھتَدِی	دن حاضر ہوا ان پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔
فَظَلَلتُ بعد وفاتِہٖ مُتَلَدِّدًا	میں ان کے وصال کے بعد حیران و سراسیمہ رہ گیا۔ کاش
یا لَیتَنِی صُبِّحتُ سُمَّ الاَسوَدِ	مجھے اس دن کی صبح سویرے ہی سیاہ زہر دے دیا جاتا۔
اَو حلَّ امرُ اللہِ فِینَا عاجِلًا	یا پھر ہم سب کی موت کے بارے میں بھی خدا کا حکم جلد سے جلد
فی رَوحةٍ من یَومِنا اومِن غدِ	آج شام یا کل صبح ہی آ پہنچے۔
فَتَقُومُ ساعَتُنا فنَلقَی سیّدًا	پس ابھی ہماری قیامت برپا ہو جائے تاکہ ہم جلد ہی اپنے
مِحضًا مضاربُهٗ کریمَ المُحتَدِ	مخلص سردار سے جا ملیں جو اصالۃً وطبعًا کریم النفس اور شریف
	ومعزز ہیں۔
یاربِّ فاَجمِعنَا معًا ونَبِیَّنَا	اے میرے پروردگار! ہم سب کو جنت میں اپنے نبی کے ساتھ
فی جَنَّةٍ تَفقَی عُیُونَ الحُسَّدِ	جمع فرما جس سے دیکھنے والے حاسدوں کی آنکھیں پھوٹ جائیں
فی جَنَّةِ الفردوسِ وَاکتُبهَا لَنَا	اے صاحب جلالت وعظمت، صاحب رفعت و سروری
یا ذَا الجلالِ وذا العُلا والسُّودَدِ	خدائے قدوس ہمیں آپ کے ساتھ جنت الفردوس میں جمع فرما
	اور ہمارے مقدر میں یہ جنت لکھ دے۔
واللہ اَسمَعُ ما حَیِیت بھالِكٍ	خدا کی قسم! جب تک میں زندہ رہوں گا تب تک جب کسی

اِلَّا بکیتُ علی النَّبیِّ مُحَمَّدٖ	مرنے والے کی خبر سنوں گا حضرت نبیؐ کو یاد کرکے رویا کروں گا۔
ضاقَت بِالاَنصارِ البلادُ فاَصبحوا	آنحضرتؐ کے غم سے انصار پر شہر و بستیاں تنگ ہوگئیں اور
سُودًا وجُوهُهم کلَونِ الاِثمدِ	اس غم سے ان کے چہرے سرمہ کی طرح سیاہ پڑ گئے۔
وَلقدْ ولَدْناهُ وَفِینا قَبرُهٗ	وہ ہم میں پیدا ہوئے اور ہمارے درمیان ہی ان کی قبر بنی ہم
وفُضُولَ نِعمَتِهٖ بنا لاتُجحَدِ	پر آپ کی بے انتہا نعمتوں کے فیضان کا انکار نہیں کیا جاسکتا
واللّٰه اهداهُ لنا وهدٰی به	حق تعالیٰ نے آپ کو ہماری اصلاح کی خاطر سیدھا راستہ دکھایا
انصارَهٗ فی کلِّ ساعةٍ مَشهَدِ	پھر بیداری کے تمام اوقات میں آپکے ذریعہ آپکے انصار کو ہدایت فرمائی۔
صَلَّی الاِلٰهُ ومَن یَحُفُّ بعرشِهٖ	حق تعالیٰ اس کے حاملین عرش، ملائکہ اور تمام نیک پاکیزہ ہستیاں
وَالطَّیِّبُونَ علَی المُبارَكِ اَحمَدِ	برکتوں والے حضرت احمدؐ پر درود بھیجتی ہیں۔

حضرت حسان بن ثابتؓ ہی کے یہ اشعار بھی ہیں:۔

یا عَینُ جُودِی بِدَمعٍ منكِ اَسبالِ	اے آنکھ! آج آنسوؤں کی جھڑی لگادے اور لگاتار رونے
وَلَا تَمَلَّنَّ مِن سَحٍّ واَعوالِ	اور چیخ چیخ کر آہ و بکا کرنے سے نہ اُکتا۔
لَا یَنفِدَنَّ لی بعدَ الیوم دمعُكُما	اے آنکھو! آج سے تمہارے آنسو کبھی ختم نہ ہونے پائیں۔
اِنِّی مُصابٌ و اِنِّی لَستُ بالسَّالی	آج مجھ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے آج مجھے کسی طرح بھی
	چین و سکون نصیب نہیں ہوتا۔
فاِنَّ منعَكُما مِن بعدِ بذلِكُما	تمہارا آنسو بہا کر تھم جانا ایسا ہی ہے جیسا کسی کو اپنی اولاد
اِیَّایَ مثلُ الَّذِی قد غَرَّ بِالاٰلِ	کی طرف سے دھوکا دیا گیا ہو۔
لکِن افیضِی علیٰ صدری باَربعةٍ	آج تم میرے سینے پر چاروں طرف سے بارش کی طرح آنسو
اِنَّ الجوانِحَ فیها حِسٌّ صالِی	بہاؤ کیونکہ میرے جسم کا جوڑ جوڑ نڈھال ہے اور غم کی آگ میں
	بھن رہا ہے۔
سَحَّ الشَّعِیب وماءُ الغربِ یمنَعهٗ	اس طرح آنسو بہاؤ جس طرح بڑا ڈول پانی بہاتا ہے اور
ساقٍ یُحَمِّلهُ ساقِی بِاَرزَالِ	رہٹ اسے پانی دیتا رہتا ہے کہ ایک کے پیچھے ایک ڈول
	پانی سے بھرا ہوا آتا ہے۔

حامی الحقیقۃِ نسّال الودیقۃِ فکّا
کُ العناۃِ کریمٌ ماجدٌ عالِ
کشّافُ مکرمۃٍ مِطعامُ مسغبۃٍ
وھّابُ عانیۃٍ وجناءُ شِملالِ

آپ حقائق کے حامی، شدائد میں پختہ عزم وہمت والے مصیبت زدوں کو نجات دلانے والے، شریف النفس، عالی ظرف، بلند حوصلہ، کشادہ دلی سے کرم کرنے والے، بھوکوں کو کھانا کھلانے والے مصائب زدہ کو بخشش دینے والے، کوہ عظمت وجبروت اور پسندیدہ اخلاق والے ہیں۔

عفٌّ مکاسبُہ جزلٌ مواھبُہ
خیرُ البریّۃِ سمحٌ غیرُ نکّالِ

انکے اعمال پاکیزہ، ان کی بخششیں بے حد بے حساب ہیں۔ وہ بہترین خلائق ہیں، مروت اور رواداری کرنے والے اور کسی سے انتقام لینے والے اور برائی کرنے والے نہیں۔

واری الزّنادِ وقوّادُ الجیادِ إلی
یومِ الطّرادِ إذا شبّت بأجذالِ

آپ جنگ کے دن جب وہ اعداء کے مقابلہ میں بھڑک اٹھے تو آپ ایسے موقع پر جنگ کا شعلہ بھڑکا دینے والے اور تیز رفتار گھوڑوں کی قیادت کرنے والے ہیں۔

ولا اُذکّی علی الرحمانِ ذا بشرٍ
لکنّ عِلمکَ عندَ الواحدِ العالی
اِنّی اری الدّھرَ والایّامَ تُفجِعنی
بالصّالحینَ وأبقیٰ ناعِمَ البالِ

میں کسی بشر کو رحمان کے مقابلہ میں پاکیزہ تو نہیں کہہ سکتا لیکن آپکے صحیح مرتبہ ومقام کا علم صرف خدائے واحد ہی کے پاس ہے، میں زمانہ کی رفتار دیکھ رہا ہوں کہ وہ صالحین کی وفات سے مجھے مبتلائے رنج وغم کر رہا ہے تو کیا میں آپکے بعد خوشحال رہ سکتا ہوں۔

یا عینُ فابکی رسولَ اللّٰہِ إذ ذُکِرت
ذاتُ الإلٰہِ فنعمَ القائدُ الوالی

پس اے آنکھ! رسول کے وصال پر روئے جا کہ جب تک اس عالم میں خدا کی یاد وعبادت ہوتی رہے گی، آنحضرت اس وقت تک بنی نوع بشر کے بہترین قائد وسردار بنے رہیں گے۔

اشعار میں آپکے مرثیہ گویوں میں حضرت کعب بن مالک، اروی بن عبد المطلب، عاتکہ بنت عبد المطلب، صفیہ، ہند بنت الحارث۔ ہند بنت اثاثہ۔ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل اور ام ایمن رضوان اللہ علیہم بھی تھے۔

○

مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سورتیں

آنحضرتؐ پر مدینہ منورہ میں قرآن کریم کی ۲۸ سورتیں نازل ہوئی تھیں۔

سب سے پہلے سورۃ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ" پھر "سورۃ بقرہ" پھر "سورۃ انفال" پھر "سورۃ آل عمران" پھر "سورۃ حشر" پھر "سورۃ احزاب" پھر "سورۃ نور" پھر "سورۃ ممتحنہ" پھر "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ" پھر "سورۃ نساء" پھر "سورۃ حج" پھر "سورۃ حدید" پھر "سورۃ محمد" پھر "سورۃ هل اتى على الانسان" پھر "سورۃ طلاق" پھر "سورۃ لم یکن" پھر "سورۃ جمعہ" پھر "سورۃ تنزیل السجدہ" پھر "سورۃ مومن" پھر "سورۃ اذا جاءك المنٰفقون" پھر "سورۃ مجادلہ" پھر "حجرات" پھر "تحریم" پھر "تغابن" پھر "الصف" پھر "مائدہ" پھر "براءۃ" پھر اذا جاء نصر اللہ والفتح" پھر "اذا وقعت الواقعہ" پھر "والعادیات" پھر معوذتان" سب سے آخر میں آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ آخری سورت تک نازل ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے آخر میں آیت ذیل نازل ہوئی:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط

اور یہی صحیح روایت ہے۔

○

وحی کے درجات اور مستشرقین کی تردید

ہم اس فصل میں وحی کے درجات بیان کریں گے۔ پھر ان مستشرقین کی تردید کریں گے جو نزولِ وحی کے انکار کرنے کی غرض سے یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کو مرگی کے دورے پڑتے تھے۔

اب ہم وحی کے درجات کا آغاز کرتے ہیں۔ یہ سات درجے ہیں :۔

۱۔ سچے خواب۔ کیونکہ آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ صبح صادق کی طرح صحیح ثابت ہوتا تھا۔

۲۔ وہ وحی جسے فرشتہ کو دیکھے بغیر صرف آپ کے قلبِ مبارک پر القا کر دیا جاتا تھا اور حق تعالیٰ آپ کے قلب میں ایسا یقین پیدا فرما دیتا تھا جس سے آپ سمجھ جاتے تھے کہ یہ محض الہام نہیں بلکہ وحی ہے۔

۳۔ فرشتہ کا انسان کی شکل میں آکر آپ سے بالمشافہ خطاب کرنا جس سے آپ اس کی بیان کردہ آیات یاد فرما لیتے تھے۔

۴۔ فرشتہ آپ سے گھنٹی کی سی آواز کے ساتھ مخاطب ہوتا تھا۔ وحی کی یہ قسم آپ پر بہت گراں گزرتی تھی حضرت ابنِ عباسؓ کی حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نزولِ وحی کے وقت ہمیشہ گرانباری و شدت محسوس فرمایا کرتے تھے۔

۵۔ کبھی حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں حاضر ہو کر وحی پیش کرتے تھے اور آنحضرت انہیں ان کی پیدائشی صورت میں دیکھتے تھے۔

۶۔ وہ وحی تھی جو خود حق تعالیٰ نے آپ کو اس وقت القا کی تھی جب آپ شبِ معراج میں آسمانوں کے اُوپر تھے جس میں آپ پر نمازیں اور بعض دُوسری عبادات فرض کی گئی تھیں۔ یہ القا براہِ راست اس ازلی کلام ربانی کے ذریعہ ہُوا تھا جس میں نہ حرف تھے نہ آواز تھی۔ نہ اس میں کوئی واسطہ تھا بلکہ اس موقع پر آپ کو ذاتِ مقدسہ الٰہیہ کا بلا واسطہ اور بے حجابانہ دیدار نصیب ہُوا تھا۔

۷۔ اس کے علاوہ بھی اور دوسری ایسی وحی تھیں جو کسی ذریعہ کے بغیر براہ راست خدائی ازلی کلام کی سماعت کے ذریعہ آپ پر نازل ہوئیں لیکن ان میں آپ کو رویت ذاتِ الٰہی نصیب نہیں ہوئی تھی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بغیر رویت ذات کے ہمکلامی کا شرف حاصل ہُوا تھا۔

یہ تھے وحی کے درجات۔ آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتے وقت شدید گرانی ہوتی تھی۔ اس پر مستشرقین

نے یہ رائے قائم کرلی کہ آپ پر جو گرانی کے آثار دیکھے جاتے تھے تو یہ آپ کو (خدانخواستہ) مرگی کا دورہ ہوتا تھا۔ لیکن طبّی اعتبار سے مرگی کے جو آثار و عوارض ہوتے ہیں وہ ان آثار سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جو آنحضرتؐ پر نزولِ وحی کے وقت پائے جاتے تھے۔

مرگی والے پر مرگی کا دورہ اچانک پڑتا ہے جس سے اس کی زبان بند ہو جاتی ہے اور اگر اس کے ہاتھ میں کچھ ہوتا ہے تو وہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے ڈھیلے ٹھٹھر کر بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں۔ چہرہ زرد پڑ جاتا ہے۔ وہ زور زور سے چیخنے چلّانے لگتا ہے اور بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ گویا اس پر آگ کی لکڑی پھینک دی گئی اور وہ اپنی اس زبوں حالی سے نکلنے کے لیے کوئی جدّ و جہد نہیں کرتا۔ اسی لئے اکثر اسے چوٹیں لگ جاتی ہیں۔ کبھی اگر وہ آگ کے قریب گر جائے تو جل بھی جاتا ہے۔ مرگی کے دورہ کے وقت اس کے چہرہ اور جبڑے کا گوشت اور رگ پٹھے سکڑ جاتے ہیں اور وہ اپنی زبان کو کاٹتا اور لعابِ دہن کو خون آلود کر دیتا ہے جو اس کے مُنہ سے بہ نکلتا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ چند گھنٹے سو جاتا ہے۔ پھر جب بیدار ہوتا ہے تو وہ دردِ سر اور عقلی فتور در بُودگی کا شکار ہوتا ہے۔ پھر جب مرگی زدہ کو یکایک زمین پر گرنے سے چوٹیں آتی ہیں تو اس کے سبب سے اس کے دماغ میں ہیجان پیدا ہو جاتا اور جوش و غصہ بھڑک اُٹھتا ہے۔ یہ ہیں مرگی کے طبّی عوارض و آثار۔ پس یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر مرگی کے دَورے پڑا کرتے تھے، حالانکہ کسی روایت میں بھی یہ نہیں آیا کہ آپ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑتے تھے یا آپکے سر میں چوٹیں آجاتی تھیں یا آپ خود اپنی زبان یا ہونٹوں کو کاٹ لیتے تھے یا منہ سے خون بہنے لگتا تھا یا جسم میں آگ لگ جاتی تھی یا حافظہ کھو بیٹھتے تھے یا اپنی کسی سابقہ حالت سے ہٹ جاتے تھے بلکہ کسی راوی نے یہ بھی بیان نہیں کیا کہ آپ بلند آواز سے چیختے تھے۔ تو پھر کیا اطبا کے نزدیک مرگی کے آثار کے برخلاف آپکے حالات مرگی کے حالات سے مختلف ہونے سے ان مستشرقین کے زعمِ باطل کی پوری پُوری تردید نہیں ہو جاتی؟

آنحضرتؐ وحی کی شدّت ختم ہونے پر پُوری وضاحت اور حاضر دماغی سے قرآنی آیات لکھواتے تھے حالانکہ اطبّا کے نزدیک یہ امر طے شدہ ہے کہ مرگی زدہ شخص مرگی کے دَورے کے ختم پر کبھی حاضر دماغ نہیں ہوتا بلکہ اس کا تا دمِ مرگ تندرست اور طاقتور رہ کر زندگی گزارنا ناممکن ہوتا ہے۔ علیٰ ہٰذا کسی مرگی زدہ کا نبی یا صاحبِ شریعت ہونا اور اپنے قوائے عقلیہ و جسمانیہ کو صحیح سالم رکھنا ناممکن ہے۔

سیرت نگاروں میں سے ایک سیرت نگار مسٹر بودلی نے اپنی کتاب "حیاتِ رسول" مطبوعہ سنہ ۱۹۴۶ء صفحہ ۵۵۔ ۵۶ میں بھی یہی بیان کیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ:

معجزات کا دائرہ دو ہزار سال قبل مسیح یا دو ہزار سال بعد مسیح تک وسیع ہے۔ اس بنا پر جو لوگ کوہِ حرا میں آپ کی عبادت پر آپ کا مذاق اڑاتے ہیں تو انھیں اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہِ سینا پر اور حضرت مسیح علیہ السلام کا کوہِ جلیل پر بھی مذاق اڑانا چاہیے۔

الحاصل آنحضرتؐ پر وحی کے وقت جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ مرگی کا دورہ قطعاً نہ ہوتی تھی۔ جو چاہے وہ اس موضوع پر طبی کتابوں کا مطالعہ کرے تاکہ وہ مرگی کے آثار و علامات کو جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اچھی طرح معلوم کر سکے۔

بات صرف یہ تھی کہ نزولِ وحی کے وقت ہمیشہ آپ پر سختی و گرانی ہوتی تھی۔ یہ کیفیت زیادہ دیر تک نہ رہتی تھی بلکہ وحی کے ختم پر زائل ہو جاتی تھی۔

مرگی کے اہم آثار کے منجملہ یہ ہے کہ اس میں قوائے عقلیہ تک مضمحل ہو کر رہ جاتے ہیں چہ جائیکہ قوائے جسمانی اور یہ صورت آنحضرتؐ کی وحی کے وقت کی حالت سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ عمر بھر آپ کے قویٰ صحیح و سالم رہے اور آپ کی اصلی حالت کبھی نہیں بدلی اور نہ آپ نے زندگی کے آخری دن تک کبھی تبلیغِ رسالت کے فرض کو ترک کیا۔ آپ آخر تک لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ شرک اور بتوں کی پرستش کا مقابلہ کرتے رہے۔ آپ عمر بھر اپنے اوصافِ جلیلہ اور اخلاقِ کریمہ سے متصف رہے۔ حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے آپؐ کی روح قبض فرمالی۔

○

آنحضرتؐ کی ازواجِ مطہراتؓ

آنحضرتؐ نے جملہ پندرہ خواتین سے شادی فرمائی جن میں سے تیرہ سے خلوت فرمائی اور بیک وقت جُملہ گیارہ ازواجِ مطہرات آپ کے پاس رہیں۔ آپ کے وصال کے وقت آپ کی نو ازواج زندہ تھیں۔

آپؐ کی سب سے پہلی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ تھیں۔ ان کی زندگی میں آپ نے کوئی دُوسرا عقد نہیں کیا۔

پھر آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ سے شادی فرمائی۔ یہ پہلے اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو سے منسوب تھیں۔ یہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں تھیں۔ پھر یہ دونوں مکہ واپس آگئے جہاں ان کے شوہر وفات پا گئے مگر انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ ان کے بعد آنحضرتؐ نے ماہ رمضان میں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال ان سے عقد فرمالیا۔ حضرت سودہؓ کا بماہِ شوال ۵۴ھ مدینہ منورہ میں حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں انتقال ہُوا۔

پھر آپ نے حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ سے ۲ھ میں عقد فرمایا۔ ان کے سوا کسی اور کنواری خاتون سے عقد نہیں فرمایا۔ ان سے مکہ میں عقد فرمایا تھا۔ جبکہ ان کی عمر چھ سال تھی۔ پھر ان سے مدینہ منورہ میں جبکہ وہ نو سال کی تھیں، زفاف فرمایا۔

پھر حضرت حفصہ بنت عمر بن خطابؓ سے عقد فرمایا جو پہلے خنیس بن حذافہ سہمی سے منسُوب تھیں۔ آنحضرتؐ نے انھیں قاصد بناکر کسریٰ کے پاس بھیجا تھا۔ جب خنیس بن حذافہ کا انتقال ہوگیا اور حضرت حفصہؓ بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کا ذکر کرکے انھیں حضرت حفصہؓ سے عقد کرنے کی طرف متوجہ کیا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں ایک کلمہ بھی نہ کہا۔ اس پر حضرت عمرؓ کو غصہ آیا۔ پھر انھوں نے یہی سوال حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا۔ کیونکہ ان کی اہلیہ آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوچکا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں سردست کوئی عقد کرنا نہیں چاہتا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت عثمانؓ کی شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حفصہؓ سے وہ ہستی عقد کرے گی جو عثمانؓ سے بہتر ہے اور عثمانؓ اس سے عقد کریں گے جو حفصہؓ سے بہتر ہے۔ پھر آپ نے حضرت عمرؓ سے اپنے لیے حضرت حفصہؓ کا رشتہ مانگا اور آپ نے ۳ھ میں غزوۂ اُحد کے بعد ان سے عقد فرمالیا۔ اس وقت ان کی

عمر بیس سال تھی۔ ۴۵ھ میں مروان بن حکم کے دورِ خلافت میں بعمر ساٹھ سال ان کا انتقال ہوا۔

پھر آپ نے ۳ھ میں حضرت زینب بنت خزیمہ بن حارثؓ سے عقد فرمایا۔ ان کا لقب ام المساکین پڑ گیا تھا۔ کیونکہ یہ بکثرت مساکین و فقراء کو کھانا کھلایا کرتی تھیں اور انھیں خیرات دیا کرتی تھیں۔ پہلے یہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ سے منسوب تھیں جو غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے اور انھیں بیوہ چھوڑ گئے تھے۔ حضرت زینبؓ آنحضرتؐ سے عقد کے بعد بہت کم مدت غالباً دو یا تین ماہ آپ کے پاس رہ سکیں۔ پھر آپ کی حیات میں ہی وفات پا گئیں۔

پھر آپ نے ۵ھ میں زینب بنت جحشؓ سے عقد فرمایا جو آپ کی پھوپھی کی لڑکی تھیں۔ ان کی کنیت اُمّ الحکم تھی۔ یہ ازواجِ مطہرات میں وہ پہلی زوجہ مطہرہ تھیں جن کا دورِ خلافت فاروقی میں انتقال ہوا تھا۔ یہ پہلے اسلام لانے والوں میں تھیں۔ ان کی پہلی شادی آنحضرتؐ کے غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے ہوئی تھی تاکہ وہ اُنھیں کتاب اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہؐ کی تعلیم دیں۔ حضرت زینب کا نام بَرّہ تھا۔ آنحضرتؐ نے ان کا نام زینب رکھا تھا۔ ان ہی کی وجہ سے پردہ کا حکم نازل ہوا تھا۔

پھر آپ نے حضرت اُمِ حبیبہؓ سے عقد فرمایا۔ ان کا نام رملہ تھا۔ یہ ابُوسفیان صخر بن حرب کی دُختر تھیں۔ ان کی والدہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی پھوپھی صفیہ بنت ابی العاص تھیں۔ یہ مکّہ میں پہلے اسلام لائیں۔ پھر انھوں نے اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ عبداللہ بن جحش نے بعد میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور وہیں فوت ہوئے لیکن اُمِ حبیبہؓ نے عیسائی مذہب قبول نہیں کیا بلکہ وہ اپنے اسلام پر قائم رہیں۔ ۶ھ میں جبکہ وہ حبشہ ہی میں تھیں آنحضرتؐ نے ان سے وکیل کے ذریعہ عقد فرما لیا۔

مُسلم بن حُجّاج نے صحیح مسلم میں روایت کی ہے کہ حضرت ابُوسفیان نے آنحضرتؐ سے درخواست کی تھی کہ آپ اُمِ حبیبہؓ سے عقد فرمالیں جسے آپ نے منظور فرمالیا۔

یہ روایت مسلم کے اوہام میں شمار کی جاتی ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے حضرت اُمِ حبیبہؓ سے اس وقت غائبانہ وکیل کے ذریعہ عقد فرمایا تھا جبکہ وہ ابھی حبشہ ہی میں تھیں۔ اور یہ واقعہ ابُوسفیان کے اسلام لانے سے قبل کا ہے جس میں سیرت نگاروں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نجاشی شہنشاہِ حبشہ نے اپنے پاس سے ان کا مہر چار سو دینار ادا کیا تھا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ جو اس وقت حبشہ ہی میں تھے ان کے ولی بنے تھے۔

پھر آپ نے ۴ھ میں حضرت اُمِ سلمہ بنت ابی اُمیہ بن مغیرہ مخزومی سے عقد فرمایا۔ ان کا نام ہند تھا۔ یہ آنحضرتؐ کے عقد سے قبل ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کے عقد میں تھیں جن سے ان کے بطن سے سلمہ، عُمر، درّہ اور زینب تولّد ہوئے ابو سلمہ کے انتقال کے بعد آنحضرتؐ نے ان سے عقد فرمالیا۔ یہ حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھیں۔ آنحضرتؐ سے عقد کے وقت ان کی عمر تیس سال تھی۔

نیز آپ نے حضرت میمونہؓ سے عقد فرمایا۔ یہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی خالہ تھیں۔ آنحضرتؐ کے عقد سے پہلے یہ ابو دہم عامری کے عقد میں تھیں۔ آنحضرتؐ نے ان سے بماہِ ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضا کے موقع پر عقد فرمایا تھا۔

نیز آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب سے ۷ھ میں عقد فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال سے کم تھی۔ یہ سلام بن مُشکم یہُودی کی بیوی تھیں۔ سلام کے مرنے کے بعد کنانہ بن ابی حقیق سے بیاہی گئیں یہ دونوں شخص شاعر تھے۔ غزوۂ خیبر میں کنانہ قتل ہوگیا۔ تب آنحضرتؐ نے ان سے عقد فرمالیا۔ ۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

نیز آپ نے حضرت جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار سے ۵ھ میں عقد فرمایا۔ یہ غزوہ مریسیع یعنی غزوہ بنی مُصطلق کے موقعہ پر اسیر ہو کر آئی تھیں۔ یہ پہلے مسافع بن صفوان مُصطلقی ذُوالشفرین کی منکوحہ تھیں۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے بنی مصطلق کے قیدیوں کو تقسیم فرمایا، تو جویریہ بنت حارث آنحضرتؐ کے چچا کی اولاد حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حصّہ میں آئی تھیں۔ مگر جویریہ نے ان سے اپنی آزادی کے عوض مکاتبت کی رقم ادا کرنے کا معاملہ کر کے آزادی حاصل کر لی تھی جب لوگوں کو یہ خبر پہنچی کہ آنحضرتؐ نے حضرت جویریہ سے عقد فرمالیا ہے تو وہ کہنے لگے کہ اب یہ سب لوگ آنحضرتؐ کی سُسرال ہو گئے ہیں۔ اس بنا پر ان سب نے اس خاندان کے تمام قیدیوں کو جو ان کے حصّہ میں آئے تھے آزاد کر دیا۔

نیز آپ نے حضرت خولہ بنت حکیمؓ سے عقد فرمایا۔ یہ وہی ہیں جنھوں نے خود اپنے کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کر دیا تھا۔

نیز آپ نے عمرہ نامی ایک اور خاتون سے عقد فرمایا تھا۔ پھر انھیں طلاق دے دی تھی۔ آپ نے ان سے تخلیہ نہیں فرمایا تھا۔ جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان خاتون کے والد نے آنحضرتؐ سے عرض کیا تھا کہ میں آپ

کی معلومات میں اضافہ کے لیئے کہتا ہوں کہ یہ کبھی بیمار نہیں پڑیں۔ اس پر آپ نے فرمایا تب اللہ کے نزدیک اس میں کوئی بہتری نہیں ہے۔ پس آپ نے انھیں طلاق دے دی۔

ایک اور خاتون امیمہ بنت نعمان سے آپ نے عقد فرمایا۔ مگر انھیں بھی خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دے دی۔

آپ نے بنو مرہ بن عوف کی ایک خاتون سے بھی رشتہ بھیجا تھا لیکن اس کے باپ نے یہ جھوٹ بول کر رشتہ سے انکار کر دیا کہ اسے برص کا مرض ہے مگر جب اس کا باپ بیٹی کے پاس گیا تو اس نے اسے واقعی برص زدہ پایا۔

آنحضرتؐ نے ان سب سے چار بیویوں سے زیادہ کے حرام ہونے سے قبل عقد فرمائے تھے۔ آپؐ کی ازواج مطہرات کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت عائشہ، میمونہ، صفیہ، حفصہ، ہند، زینب، جویریہ، رملہ، سودہ۔

ازواجِ مطہرات کی کثرت کا بیان

سیرتِ رسولؐ کے بعض مسیحی مؤلفین نے آپ کی کثرتِ ازواج پر اعتراض کیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ آپ (نعوذ باللہ) شہوت پرست تھے۔

مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ کا تعدد ازدواج کسی شہوانی تقاضا کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس سسرالی تعلق کے ذریعہ آپ کے اور آپ کے صحابہ اور قوم کے اکابر کے درمیان قوی تعلق اور مستحکم رشتہ قائم ہو جائے کیونکہ اس طرح آپ کو مدد ملتی تھی اور یہ لوگ دعوتِ اسلامی کی اشاعت اور آپ کی بلند اغراض کی ترویج کے لیئے آپ کے قوتِ بازو کا کام دیتے تھے۔

رہا یہ امر کہ آپ شہوت پرست نہ تھے سو یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ بات آپ کی زندگی اور طور طریقوں سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے جب حضرت خدیجہؓ سے عقد فرمایا تو ان کی عمر چالیس سال تھی جب کہ آنحضرتؐ کی عمر صرف پچیس سال تھی۔ یہ آپ کا عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا۔ پھر آپ نے ان کی وفات تک دوسرا عقد نہیں فرمایا۔ جبکہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت آپ کی عمر پچاس سال ہو چکی تھی۔ پس جب اس عمر تک آپ میں شہوت پرستی کا غلبہ نہ ہوا تھا بلکہ آپ ایک ہی بیوی پر قانع رہے تو کیا یہ کہنا مبنی بر انصاف ہو سکتا ہے کہ آپ پچاس سال کے بعد یکایک شہوت پرست

ہو گئے تھے؟

پھر آنحضرتؐ فارغ البالی اور بے فکری سے نا آشنا رہے۔ آپ عمر بھر مسلسل جہاد میں مشغول رہے اور ابتدا رسالت سے وصال تک راحت و آرام کا ذرا سا لطف بھی نہ دیکھا۔ آپ دعوتِ اسلام کی نشر و اشاعت بُت پرستی کے مقابلہ، بھلائیوں کی تبلیغ، برائیوں کی روک تھام، مسلمانوں کے دفاع و تحفظ، ان کی صفوں میں اتحاد قائم رکھنے، انھیں دینی امور کی تعلیم دینے، ان میں غیر مخلوط، خالص اسلامی اور صحیح تہذیب و تمدن کو مستحکم کرنے اور زبان و تلوار سے دشمنانِ اسلام سے مقابلہ کرنے میں اپنے تمام اوقات صرف فرماتے تھے۔ پھر ان ہمہ گیر مشاغل و گوناگوں ذمہ داریوں کے ساتھ آپ دن رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر ایسی عظیم مشقتیں برداشت کیں جن کے بار سے پہاڑ بھی جھک جائیں۔ کثرتِ ازواج نے آپ کو کبھی اپنے رب کی عبادت اور رسالت کے واجبات کی ادائی سے باز نہیں رکھا۔ بلکہ تعدد ازدواج سے آپ کا مقصد صرف تبلیغ اسلام کی خاطر سسرالی رشتوں کو قائم کرنا اور مختلف خاندانوں کی تالیفِ قلوب کرنا تھا۔ ہمارا یہ دعویٰ بھی واضح ہے۔ اس لئے کہ آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکرؓ کی اور حضرت حفصہؓ حضرت عمر بن خطاب کی صاحبزادیاں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کے پہلے شوہر کی وفات پر خود حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عثمانؓ سے ان کا رشتہ کرنے کی پیش کش کی تھی لیکن خود آنحضرتؐ نے ان سے عقد فرما لیا۔

حضرت امِ حبیبہؓ حضرت ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں جو پہلے آنحضرتؐ کے سب سے بڑے دشمن اور سردارانِ قریش میں سے تھے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ حضرت امِ حبیبہؓ پہلے مشرف باسلام ہوئی تھیں اور انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ وہاں جا کر ان کے شوہر نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا لیکن انھوں نے عیسائی بننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس بنا پر بھی آنحضرتؐ نے ان سے عقد فرما کر ان کی عزت افزائی فرمائی۔

اور آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت میمونہؓ خالد بن ولیدؓ کی خالہ تھیں۔ وہ خالد جو مسلمانوں کے عظیم الشان زعیم اور ان کے سپہ سالارِ اعظم ہوئے جنھیں اپنے عظیم کارناموں کی بنا پر شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔

رہیں آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت صفیہ بنت حییؓ تو ان سے آپ نے اس لئے عقد فرمایا کہ وہ ایک یہودی بادشاہ کی بیٹی تھیں اس لئے وہ آپ ہی کے شایانِ شان تھیں اور جب پہلے وہ حضرت دحیہ

بن خلیفہ کلبیؓ کے حصہ میں آئی تھیں تو مسلمان ان کے بارے میں باہم رشک کرنے لگے تھے۔

آنحضرتؐ قوی اور تندرست تھے اور غیر معمولی عزم و ارادہ کے مالک تھے کہ لوہے میں شگاف ڈال دیتے ــــــ آپ بشر تھے۔ کھاتے پیتے اور خواہشاتِ نفسانی بھی رکھتے تھے۔ البتہ حق تعالیٰ نے آپ کو گناہوں سے معصوم فرما دیا تھا۔ آپ نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے بھی عقد فرمایا تھا جو پہلے آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے عقد میں تھیں۔ بعد میں انھوں نے انھیں نبھاؤ نہ ہو سکنے کی بنا پر طلاق دے دی تھی۔ تب آنحضرتؐ نے ان سے عقد فرما لیا تھا تاکہ اس فعل سے ثابت کر سکیں کہ متبنّٰی کی کوئی اصلیت نہیں ہے اور اس کی بیوہ سے شادی کر لینا جائز ہے۔

الحاصل آپ کے پچاس سال کی عمر کو پہنچ جانے اور جوانی اور غلبۂ شہوت کے دور کے ختم پر متعدد عقد فرمانے کے یہ اسباب تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس وقت عرب میں عام طور پر متعدد شادیوں کا رواج بھی تھا۔

علاوہ ازیں خود یورپ کے سمجھدار افراد نے اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا ہے اور انھوں نے ایسے کوتاہ نظروں کی افترا پردازی کی پُرزور تردید کر دی ہے۔ چنانچہ ایک انگریز فلسفی توماس کارلیل نے لکھا ہے :-

"حضرت محمدؐ ہرگز شہوت پرست شخص نہ تھے۔ ان پر اس کی تہمت لگا کر ظلم و زیادتی کی گئی ہے۔ اگر ہم انھیں ایک شہوانی شخص کہیں اور ان کی طرف اس کی نسبت کریں کہ ازواج سے ان کا مقصد صرف شہوانی لذتوں کو پورا کرنا تھا۔ ہرگز ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ آپ کے اور لذتوں کے درمیان بہت بُعد تھا۔ خواہ کسی قسم کی لذت کیوں نہ ہو۔ بلاشبہ آپ تارکِ دنیا تھے اور اپنی رہائش، خورو نوش، لباس اور تمام امور و احوال میں انتہائی متقشفانہ (شکستہ حالی و مفلوکانہ) زندگی گزارتے تھے۔

آپ کی غذا اکثر صرف سوکھی روٹی اور پانی ہوتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہینوں تک آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی۔ پھر خود یورپین مؤرخین اپنی کتاب میں اس کا ذکر کرتے ہیں اور کیا خوب ذکر کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے۔ پھر کیا اس سے زیادہ بھی اور کوئی فضیلت اور معجزہ ہو سکتا ہے۔

پس حضرت محمدؐ لائقِ تعریف ہیں کہ آپ موٹا جھوٹا لباس پہنتے اور معمولی کھانا کھاتے تھے آپ ہمیشہ خدا کی راہ میں جدوجہد فرماتے رہتے تھے۔ دن بھر مہماتِ امتِ مسلمہ میں مشغول رہتے اور رات بھر عبادت الٰہی میں جاگ کر گزارتے تھے اور لگاتار دین الٰہی کی اشاعت میں منہمک رہتے تھے۔"

علاوہ ازیں انبیاء سابقین میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تین سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں۔ علیٰ ہذا حضرت داؤد علیہ السلام کے زُہد و تقویٰ اور اپنی دستکاری کے ذریعہ روزی کمانے کے باوجود ننانوے بیویاں تھیں۔ جو آخری بیوی اوریاہ سے عقد کرنے کے بعد پُوری سو ہو گئی تھیں۔

اسلام میں عورت کا مقام

زمانۂ جاہلیت میں عورت کا کوئی مقام نہ تھا۔ اس لئے اسے بچّوں کی طرح وراثت میں بھی حِصّہ نہ ملتا تھا۔ کفار کہتے تھے کہ صرف وہی ترکہ کا وارث ہو سکتا ہے جو دشمن کو نیزے سے مجروح کرے۔ اپنی سواری کے جانور کی حفاظت کرے اور مالِ غنیمت اکٹھا کرے۔ پھر حق تعالیٰ نے عورتوں سے حُسن سلوک کا حکم فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے :۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ — تم اپنی بیویوں سے حسن سلوک سے پیش آیا کرو۔

اسی طرح عورتوں کو مردوں کے سامنے جُھکنے کا حکم فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے :۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ — مرد عورتوں پر حاکم اور ان کے نگران کار ہیں۔

نیز آنحضرتؐ نے بیویوں سے نرم برتاؤ کرنے کی ترغیب دی۔ آپ کا ارشاد ہے :۔

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا — تم میری یہ نصیحت قبول کرو کہ عورتوں سے اچھی طرح پیش آیا کرو۔

اسلام نے شادی سے پہلے بیوی کی رضامندی کی شرط عائد کی ہے اور اس کی رضامندی کے بغیر اس سے شادی کو منع فرمایا ہے۔ نیز حدیث میں اس کے رُتبہ کے متعلق ارشاد ہے :۔

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ — جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

میراث میں مردوں کے حصّہ کا نصف عورتوں کا حِصّہ مقرر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کو منع فرمایا ہے۔ وقتی نکاح (مُتعہ) اور زنا کو حرام فرمایا ہے۔ متعدد شادیوں کو صرف اس صورت میں جائز قرار دیا ہے کہ انسان سب میں پُورا پورا عدل کر سکے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً — اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم اپنی بیویوں میں انصاف و مساوات قائم نہ رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کیا کرو۔

اسلام نے طلاق کو جائز کیا۔ ساتھ ہی آنحضرتؐ نے اس کی بھی صراحت فرما دی کہ اللہ کے نزدیک

سب سے مکروہ چیز جو حلال کی گئی ہے وہ طلاق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چھپ چھپ کر زنا کرتے رہنے سے ایک سے زائد بیویوں کا رکھنا کہیں بہتر ہے۔ یہ عمل انسان کو زنا کے لیے بدکاری کے اڈوں پر جانے اور عورتوں کو زیادہ عمر تک بغیر شادی کے آوارہ گھومنے سے باز رکھتا ہے جس کی اس دور میں کثرت ہے۔

متعدد بیویوں کی حکمت و مصلحت

چونکہ اسلام ایک عام و ہمہ گیر مذہب ہے اس لئے اس نے متعدد شادیوں کی اجازت دی ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ	تم اپنی حسب پسند دو دو، تین تین اور چار چار شادیاں کیا کرو۔
مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ	مگر اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم ان میں انصاف و برابری قائم نہ رکھ سکو گے
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً	تو پھر صرف ایک ہی پر اکتفا کیا کرو۔

اور یہ حکم اجتماعی قومی اور شخصی ضروریات کے تحت دیا گیا ہے۔

اجتماعی ضروریات یہ ہیں کہ میدانِ جنگ میں مردوں کے قتل ہو جانے کی وجہ سے مرد کم رہ جاتے ہیں اور ان کی بیوہ عورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں اور تمام حکومتوں کے سربراہان علمُ الاجتماع کے علماء، مُصلحین اور زُعماء اقوام اور بین الممالک کانفرنسیں مِل کر بھی آج تک جنگوں کو نہیں روک سکی ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں جب گزشتہ عالمی جنگ برپا ہوئی تھی تو لاکھوں انسان اس کی بھینٹ چڑھ گئے تھے اور آج بھی وہی اقوام گزشتہ جنگ کا بدلہ لینے اور اپنے ملک میں اور توسیع کرنے اور نوآبادیاں قائم کرنے کے لئے مُسلسل جنگی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ یہ اس مقصد کے لئے برابر جنگی طیارے، جنگی بحری بیڑے اور توپیں تیار کرنے میں منہمک ہیں ہتھیاروں کی تیاری پر پابندی لگانے والی کانفرنس بُری طرح ناکام ہو چکی ہے۔

ادھر افریقہ، امریکا اور ایشیا میں مختلف قبائل برابر ایک دُوسرے پر حملے کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح مردوں کی بہت بڑی تعداد موت کے گھاٹ اُتار دی جاتی ہے۔

ان جنگوں اور قبائلی حملوں کے نتیجہ میں مردوں کی تعداد برابر کم ہوتی جاتی ہے۔ اس کے برعکس عورتیں بہت زیادہ باقی رہ جاتی ہیں۔ یہ کمی اور تفاوت ہولناک درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کی کمی خاص کر جبکہ یہ کمی بہت بڑے پیمانہ پر ہو قوم کو ہر طرح نقصان پہنچانے والی ہوتی ہے۔

ان کے منجملہ ثروت و دولت کی کمی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ کام کرنے والوں کی بہت کمی ہو جاتی ہے۔

دوسرے اس سے جنگی طاقت کمزور ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ ایسی کمزور قومیں طاقتور قوموں کے لالچ کا مرکز اور حملہ آوروں کے حملوں کا نشانہ بنتی رہتی ہیں۔ اس لئے وہ قوم جو مردوں کی کمی کا شکار ہو چکی ہو اس کی سابقہ قوت کی بحالی اور افراد کی کثرت کے اعادہ کی تدبیر متعدد شادیوں کے سوا اور کچھ نہیں۔

ایک انگریز عالم مسٹر ہربرٹ سپنسر نے اپنی کتاب "اصول علم الاجتماع" میں لکھا ہے۔

"جب کسی قوم کو ایسی صورت حال پیش آجائے کہ اس کے مرد جنگوں میں ہلاک ہو چکے ہوں اور باقی لوگوں کی صرف ایک ایک بیوی ہو اور بہت سی بیوہ عورتیں بے شادی کے رہ گئی ہوں تو لامحالہ اس کا انجام ولادت کی کمی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس طرح موجودہ لوگ مرنے والوں کی تعداد کی برابری نہ کر سکیں گے۔ پس ایسی حالت میں اگر کسی دو قوموں کا باہم اس مفروضہ پر مقابلہ کیا جائے کہ وہ دونوں اقتصادی و معاشی ذرائع میں برابر ہیں لیکن ان میں سے ایک قوم اپنی تمام عورتوں سے افزائش نسل کا کام نہ لے سکتی ہو تو وہ قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس کے سب مرد اپنی سب عورتوں سے توالد و تناسل کا کام لیتے ہوں۔ انجام کار جس قوم میں صرف ایک بیوی کا رواج ہوگا وہ اس قوم کے مقابلہ میں جس کے یہاں متعدد بیویوں کا رواج ہو، فنا ہو کر رہ جائے گی۔"

پھر غیر شادی شدہ عورتوں کی کثرت فسق و فجور اور فقر و فاقہ کو پھیلانے کا سبب بنتی ہے پس ثابت ہوا کہ بلاشبہ جو حضرات متعدد بیویاں رکھنے پر قادر ہوں، ان کے لئے متعدد شادیاں کرنا ہی مذکورہ خرابیوں کا واحد علاج ہے۔

رہی انفرادی ضرورتیں سو یہ بات سب کو معلوم ہے کہ شرعاً زنا ناجائز ہے۔ پس اگر اسلام تعددِ ازدواج کو حرام قرار دے دیتا تو وہ دیندار جو اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے احکام کا اتباع کرتے ہیں اور اس کی منع کردہ باتوں سے باز رہتے ہیں ان کے لئے راہیں مسدود ہو کر رہ جاتیں۔ کیونکہ یہاں بہت سی وجوہ ہیں جو انسان کو ایک سے زائد شادی کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ جن کے منجملہ ہم بعض کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ بیوی کا کسی دائمی مزمن مرض میں مبتلا ہو جانا۔ جس کی وجہ سے شوہر کو اس سے نفرت ہو جائے اس لئے وہ اسے چھونے یا تخلیہ کے قابل نہیں پاتا۔ اور اگر وہ اسے طلاق دے دیتا ہے تو پھر اس کی کوئی کفالت کرنے والا نہیں رہتا، نہ وہ عورت خود اپنی روزی کما سکتی ہے اور نہ اس مرض کی وجہ سے وہ کسی اور مرد سے

شادی کرسکتی ہے۔ اس حال میں اسے طلاق دے دینا مروت اور انسانیت سے بعید ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی خلاف مصلحت و دانائی ہے کہ اس کے شوہر کو دوسری شادی سے منع کر دیا جائے۔ ورنہ اس کی نسل منقطع یا معطل ہونے کا خدشہ ہے یا مجبورًا فطری و طبعی شہوت نفسانی اسے زنا کی طرف مائل کرسکتی ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ایک صالح و متقی صاحب کو پیش آیا جو گھریلو معاملات کی عدالت کے جج تھے۔ وہ یہ تھا کہ ان کی شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ان کی بیوی کے ہاتھ شل ہو گئے (سوکھ گئے) اور ان کی حالت سے نفرت و بیزاری ہوگئی۔ وہ نہ حرکت کرنے کے قابل رہیں۔ نہ ہی اپنے ہاتھ سے کھانا کھا سکتی تھیں۔ اگر اس حال میں انھیں طلاق دیدی جائے تو دوسرا کوئی ان کے مصارف کا کفیل نہ تھا اور ایسا کرنا جج صاحب کے لئے ممکن بھی نہ تھا۔ کیونکہ وہ بہت بامروت و رقیق القلب انسان تھے۔ اطبا نے اس خاتون کی صحت یابی سے ناامیدی ظاہر کردی تھی چونکہ جج صاحب دیندار شخص تھے اس لئے انھوں نے دوسری شادی کر لی اور موجودہ بیوی کے لئے ایک خادمہ مقرر کردی اور خود بھی ان کی دیکھ بھال رکھتے تھے۔ ان خاتون کا مرض طویل ہو گیا اور عرصہ تک اسی حالت پر رہنے کے بعد انتقال کر گئیں۔

۲۔ وضع حمل اور نفاس نیز اس حالت میں تکالیف و کمزوری پیش آجانے کی بنا پر مرد بیوی کے پاس نہیں جا سکتا۔

۳۔ عورت کی کشش اور اس کے حسن و جمال کے مرد کے دل میں اثر کر جانے کی وجہ سے دوسری شادی کی طرف رغبت پیدا ہو جانا جبکہ مرد اپنی جسمانی صحت اور مالی حالات کے اعتبار سے تعدد ازدواج کا متحمل بھی ہو سکتا ہو۔

۴۔ بیوی کا بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جانا۔

۵۔ عورت کا بانجھ ہونا جبکہ مرد کو اولاد کی خواہش بھی ہو۔

۶۔ اپنے اثر و اقتدار اور منصب و جاہ کی خواہش میں کثرت اولاد کی خواہش ہونا۔

۷۔ اقتصادی اسباب کا پایا جانا کیونکہ عورتیں اور اولادیں انسان کو اس کے کاروبار میں مدد دیتی ہیں۔ خاص کر زرعی ملکوں میں یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے۔ جیسے مصر کا علاقہ ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرد اپنی مالی بدحالی کی بنا پر کسی دولت مند بیوی سے عقد ثانی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

مزید براں عرب میں تعدّد ازدواج کا رواج عام تھا اور زمانۂ جاہلیت میں کوئی ایسا قانون نہ تھا، جو بیویوں کی تعداد کو محدود کر سکتا۔ جب غیلان بن سلمہ اسلام لائے تو ان کے دس بیویاں تھیں۔ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا۔ تم ان میں سے چار کو رہنے دو۔ باقی کو علیحدہ کر دو۔

مسٹر جوسٹاف لوبون لکھتے ہیں :۔

"تعدّد ازدواج جسے اسلام نے جائز قرار دیا ہے بہترین انتظام اور کسی قوم کے ادب و تہذیب کو بلند کرنے کے لئے جسکی طرف وہ مائل ہوا اور اسے مضبوطی سے تھام سکے عُمدہ طریقِ عمل ہے۔ یہ کُنبہ کے روابط کو بہت مضبُوط کرنے والا اور خاندانی تعلقات کو قوی اور مُستحکم کرنے والا ہے۔ اس کی وجہ سے ایک مسلمان خاتُون خوشحال، با وقار اور مرد کے احترام کی زیادہ مستحق ہوتی ہے۔ بمقابلہ اپنی مغربی بہن کے۔"

نیز وہ لکھتے ہیں :۔

"میں نہیں سمجھ سکا کہ اہل یورپ نے اس نظام (یعنی تعدّد ازدواج کے نظام) کو کمزور کر دینے کا فیصلہ کس اصول کی بنا پر کیا اور اس کی بجائے صرف ایک بیوی کا نظام جاری کیا ہے جو سراسر جھُوٹ و نفاق پر مبنی ہے حالانکہ میں یہاں وہ اسباب دیکھتا ہوں جو میری نظر میں تعدّد ازدواج کے نظام کو دُوسرے نظام پر قابل ترجیح قرار دیتے ہیں۔

پھر یہ امر باعثِ تعجب نہ ہوگا اگر وہ مشرقی سیّاح جو ہمارے مُلکوں میں آتے اور ہمارے شہروں میں گھُومتے ہیں اپنے یہاں کے تعدّد ازدواج کے برخلاف ہمارے اس مسئلہ میں تشدّد اور سخت دلی پر حیرت زدہ ہوتے ہوں۔"

ایک اور جرمنی فلسفی مسٹر شوبنہور نے تعدّد ازدواج کی تعریف میں لکھا ہے :۔

"کیا ابھی اہلِ یورپ کے لئے وہ وقت نہیں آیا جبکہ ہم تعدّد ازدواج کو تمام نسوانی عالمی برادری کے لئے ایک بہترین حقیقت تسلیم کر لیں۔"

اس نے صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنے کے نقصانات کی وضاحت کرنے کے بعد یہ بات کہی ہے۔ ان نقصانات کی تفصیل کے منجملہ یہ بھی بیان کی ہے :۔

"کہ صرف شہر لندن میں ایسی اسّی ہزار جوان لڑکیاں ہیں جن کی عزّت و عصمت کا خون صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنے کی قُربانی کی بنا پر شادی کے مذبح کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے اور جو یورپین خواتین کی تکلیف دہ ہٹ دھرمی اور مرد سے اپنی ذات کے لئے دُور از کار غلط مُطالبات منوانے کا براہِ راست نتیجہ ہے۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں۔

اگر ہم چیزوں کے اصُول وحقائق کی طرف رجُوع کریں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مرد کو دُوسری شادی کرنے سے منع کیا جائے۔ خاص کر جبکہ اس کی بیوی ایسے مُزمن مرض میں مُبتلا ہو گئی ہو کہ اس سے دُکھ پہنچتا ہو یا وہ بانجھ ہو یا مدّت گزر جانے پر بوڑھی ہو چکی ہو۔

مسیحی قوموں میں شادی کرنے والا شخص جہاں ایک سے زائد بیویوں کی اجازت نہیں، درحقیقت صرف ایک بیوی پر کبھی بھی اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دُوسری بہت سی خواتین کو دوست بنا لیتا ہے اور ان میں سے جسے وہ پسند کرتا ہو اس سے ناجائز طور پر استفادہ کو اپنے لئے جائز قرار دے لیتا ہے لیکن یہی شخص جب شادی کے موضُوع پر کوئی مضمون لکھتا یا اپنی رائے ظاہر کرتا ہے تو متعدد شادیوں پر اعتراض کرتا اور مُسلمانوں کو حماقت اور معاشی ابتری اور بیوی کے حقُوق پر ظلم وزیادتی کا طعنہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لوگ شہوت پرست ہیں۔

اسی لئے مسٹر لوبان نے اہل یورپ میں ایک بیوی والے نظام معاشرت کے رواج پر کہا ہے کہ یہ نظام جھوٹ اور نفاق سے مُرکب ہے۔

علیٰ ہذا مسٹر شوبہور نے اس کی یُوں وضاحت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

بھلا ہم میں کون ہے جو فی الحقیقت صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا وقناعت کرتا ہو۔ اس کے برعکس ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ ہم سب کے سب یا ہم میں سے زیادہ لوگ بعض ایام بلکہ اکثر ایام میں دُوسری بہت سی عورتوں سے غیر قانونی تعلقات قائم کئے رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں جیسا کہ قرآن کریم کی صراحت سے واضح ہوتا ہے۔ اسلامی شریعت نے متعدد بیویوں کی اجازت بھی مطلقاً بغیر کسی قید وشرط کے نہیں دی ہے بلکہ اس میں عدل کی شرط لگا دی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً اگر تمھیں اپنی متعدد بیویوں میں عدل ومساوات باقی نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ایک ہی پر اکتفا کیا کرو۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تمھیں یہ اندیشہ لاحق ہو کہ تم اپنی متعدد بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے، علیٰ ہذا ان سے زیادہ بیویوں میں بھی تمھیں اور بھی عدل نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو (ذٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا) معنی یہ ہیں کہ یہ اس سے زیادہ مناسب ہے کہ تم ان میں سے کسی پر ظلم وزیادتی کرو اور اس کی

طرف سے بے رُخی کرو۔

الحاصل نصُوص قرآنی اور حدیث نبوی کے مجمُوعہ سے جو بات اخذ کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر دوسری شادی محض پہلی کو نقصان و تکلیف پہنچانے کی غرض سے کرے گا تو وہ گنہگار سمجھا جائے گا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ اور ان پر تنگی تشدد کرنے کے لئے ان کی ایذارسانی کے درپے نہ ہو۔

پس اسلام نے بھی تعدُّد ازدواج بے اصُولی طور پر جائز قرار نہیں دیا بلکہ اُسے عدل کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ پس اس نے گویا اس طرح تعدد ازواج کی حدُود کو تنگ کر دیا۔ پس جو لوگ متعدد بیویاں کر لیتے مگر اس شرط کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ دراصل وہ اپنے مذہب کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کا کوئی مرتبہ نہیں اور ایسے لوگوں کا عمل کوئی دینی حُجت نہیں ہو سکتا۔

آنحضرتؐ کے صاحبزادگان وصاحبزادیاں

آنحضرتؐ کی تمام اولاد صرف حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئی سوائے صاحبزادہ ابراہیم کے جو مدینہ منورہ میں ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے جو انصنا کے علاقہ کے ایک گاؤں حفن کی رہنے والی تھیں اور جنہیں قبطی بادشاہ مقوقس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا ان کے ساتھ ان کی بہن سیرین کو بھی ہدیہ کیا تھا۔ یہی وہ سیرین ہیں جنہیں آنحضرتؐ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو ہبہ کر دیا تھا۔ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے قاسم تھے۔ انہی کے نام سے آپ کی کُنیت (ابُوالقاسم) تھی۔ یہ نبوت سے قبل مکہ میں تولد ہوئے۔ آپ کی اولاد میں یہی سب سے پہلے وفات پا گئے۔ پھر آپ کی صاحبزادی زینب، پھر رُقیہؓ، پھر فاطمہ، پھر ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ پھر بزمانۂ اسلام آپ کے صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے (انہی کا لقب طیب وطاہر تھا)۔ یہ سب کے سب حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تولد ہوئے۔ حضرت قاسم کے بعد حضرت عبداللہ وفات پا گئے۔ اس پر عاص بن وائل سہمی نے کہا۔ "ان کی اولاد ختم ہو گئی۔ پس وہ منقطع النسل رہ گئے۔" اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ بلاشبہ آپ کا دشمن ہی منقطع النسل ہے۔

حضرت عبداللہ، حضرت خدیجہؓ سے آپ کے آخری صاحبزادے تھے۔ حضرت ابراہیم ۸ھ میں

تولد ہوئے اور سولہ یا اٹھارہ ماہ کی عمر میں سنہ ۱۰ھ میں وفات پا گئے۔

آپ کی تمام صاحبزادیوں نے اسلام کا زمانہ پایا۔ سب مشرف باسلام ہوئیں اور سب نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابو العاص بن ربیع بن عزّیٰ بن عبد شمس سے منسوب ہوئیں جو ان کی خالہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن کے لڑکے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سنہ ۸ھ میں فوت ہوئیں۔ ابوالعاص سے ان کے علی اور امامہ پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت رقیہ اور اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے انجام پائی اور آپ ہی کے عقد میں دونوں فوت ہوئیں۔ ان ہر دو کے آپ کے عقد میں آنے کی وجہ سے آپ کو ذوالنّورین (دو نور والے) کا لقب دیا گیا۔ حضرت رُقیہ غزوۂ بدر کے دن ماہ رمضان سنہ ۲ھ میں اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا سنہ ۹ھ میں انتقال فرما گئیں۔ اس طرح آپ کی کل صاحبزادیاں چار اور صاحبزادے تین ہوئے۔

○

سراپائے اقدس ﷺ

آنحضرت ﷺ کا رنگ سُرخ و سفید تھا۔ پیشانی مبارک چوڑی تھی۔ سر بڑا تھا مگر معتدل اور خوب صُورت پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ دونوں بھوئیں باریک اور ملی ہوئی تھیں۔ دونوں کے درمیان بہت تھوڑا فاصلہ تھا جو غور سے دیکھنے پر ہی نظر آتا تھا۔

آپ کی پلکیں گھنی اور لمبی تھیں۔ آنکھیں بہت بڑی اور سیاہ تھیں۔ بینی مبارک کھڑی لانبی اور ستواں تھی۔ رخسار ہائے مبارک چوڑے تھے۔ جن میں اُبھار تھا نہ بلندی۔ ریش مُبارک گھنی اور سیاہ تھی۔ دہانہ مُبارک معتدل حد تک کشادہ تھا۔ عربوں میں یہ وصف قابلِ تعریف ہے، کیونکہ دہانہ کی وسعت فصیح البیان ہونے کی دلیل ہے۔ دندانِ مُبارک کے درمیان ریخیں تھیں اور وہ مضبوط تھے۔ جسم مبارک کی ہڈیاں چوڑی اور پُرگوشت تھیں شانہ ہائے مبارک چوڑے، پُرگوشت اور گداز تھے۔ دونوں ہتھیلیاں اور تلوے موٹے اور گداز تھے۔ شانہ ہائے مبارک کے درمیان مہرِ نبوت تھی جو کبُوتر کے انڈے کے برابر ایک سُرخ غدود کی شکل میں تھی۔ انگشتانِ مُبارک موٹی تھیں، نہ چھوٹی تھیں نہ سخت۔ سینۂ مبارک چوڑا، بطنِ مبارک نرم تھا۔ پائے مُبارک موٹے تھے۔ قدمِ مُبارک کا انگوٹھا درمیانی انگلی سے بڑا تھا۔ بازوؤں، مونڈھوں اور سینۂ مبارک پر گھنے بال تھے۔ ہاتھوں کی کلائیاں لمبی تھیں۔ قدِ مُبارک لانبا تھا، نہ چھوٹا مگر لمبائی کے قریب تھا۔ بال بہت سیاہ اور درمیانی تھے۔ نہ بالکل گھنگریالے تھے، نہ بالکل سیدھے تھے۔ جب آپ کسی طرف رُخ فرماتے تو پُوری گردن موڑتے تھے۔

صاف سُتھرا لباس رہتا تھا۔ گفتگو میں نرمی تھی۔ آواز دلکش اور بلند تھی۔ آپ کبھی بکواس کرتے نہ لغو بیہُودہ باتیں زبان سے نکالتے تھے۔ ہر شخص سے اس کی سمجھ کے مُطابق گفتگو فرماتے تھے۔ ہر قبیلہ سے اس زبان میں گفتگو فرماتے جس سے وہ واقف ہوتا تھا۔ آپ کو عرب کی تمام ذیلی مختلف زبانوں پر کامل عبُور حاصل تھا۔ خوشی کے وقت کنارۂ چشم بند فرما لیتے۔ کبھی آپ کھل کر ہنستے ہُوئے نہیں دیکھے گئے صرف تبسّم فرماتے تھے۔ آپ کو ہنسی شاذ و نادر ہی آتی تھی۔ قہقہہ مار کر کبھی نہ ہنستے تھے۔ کبھی جمائی نہ لیتے تھے۔ نہ کبھی آپ کو احتلام ہُوا۔ جسم مُبارک ڈھیلا نہ تھا (بلکہ تنا رہتا تھا) خوش اخلاق اور نرم برتاؤ والے تھے۔ نہ آپ بدخُو اور سخت کلام تھے، نہ شور کرنے والے تھے، نہ فحش گفتگو کرنے والے اور عیب جوئی کرنے والے

تھے۔ نہ آپ زیادہ مذاق فرماتے تھے۔ کبھی مذاق فرماتے تو اس میں بھی سچ ہی بولتے تھے۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے تھے۔ قطع تعلق کرنے والے سے تعلق پیدا فرماتے تھے۔ آپ محرُوم کرنے والے کو عطا فرماتے تھے۔ خود پر ظلم کرنے والے کو مُعاف فرما دیتے تھے۔ صرف وہی بات کرتے جس میں ثواب کی توقع ہوتی کوئی اجنبی آتا تو اس کی سخت کلامی اور کھرے سوالات پر صبر فرماتے۔ کسی کی بات درمیان سے نہ کاٹتے۔ بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ بات اس طرح فرماتے کہ ہر سُننے والا اسے اچھی طرح یاد کر لیتا۔ نعمت تھوڑی کیوں نہ ہو اسے بڑا سمجھتے۔ اپنی ذات کے لئے کبھی غصہ نہ فرماتے اور نہ کبھی دشمن سے اپنا بدلہ لیتے۔ البتہ اگر حق و صداقت کے خلاف کوئی بات پیش آتی تو اس پر غصہ فرماتے۔ ہر قوم کے معزز شخص کی عزت فرماتے۔ اسے ان کا امیر مقرر فرما دیتے۔ اس کے ساتھیوں کو بُلا کر ان سے اس کے متعلق دریافت فرماتے اگر وہ موجود نہ ہوتا تو اسے بُلواتے۔ اگر موجود ہوتا تو اس سے ملتے۔ اگر مریض ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے۔ جب آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو انکساری سے جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے۔

جو شخص آپ کی مجلس میں بیٹھتا یا کسی ضرورت سے آپ کے ساتھ رہتا تو آپ اسے جانے کو نہ فرماتے جب تک وہ خود ہی واپس نہ چلا جاتا۔ جب کوئی شخص آپ کے سامنے کوئی ضرورت پیش کرتا تو آپ اسے اسی ضرورت کے متعلق جواب دیتے۔ حق میں سب آپ کے نزدیک برابر تھے۔ آپ کی مجلس حلم و حیا کی مجلس ہوتی تھی جس میں نہ بلند آواز سے گفتگو ہوتی تھی۔ نہ آپ کے سامنے کسی بات پر جھگڑا ہوتا تھا۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کی مجلس کے حاضرین ایسے سکون و خاموشی سے سُنتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا "میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ عالیہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دوں۔"

آپ اللہ سے خوف و خشیت میں سب سے زیادہ تھے۔ اپنے دستِ مُبارک سے کبھی کسی عورت یا گھریلو خادم کو نہیں مارا۔ آپ کا تحمل آپ کے غُصّہ پر غالب تھا۔ کوئی شخص آپ سے جتنا جہالت اور گنوارپن سے پیش آتا۔ اتنا ہی آپ نرمی و تحمل سے کام لیتے۔ سب سے زیادہ سخی اور فراخ دست اور سب سے زیادہ باحیا تھے۔ نیک فالی پسند فرماتے تھے۔ بُرے نام کو اچھے نام سے تبدیل فرما دیتے تھے۔ معاملات میں اپنے صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرۂ مُبارک پر اس کا اثر ظاہر ہو جاتا۔ کسی سے بُرائی سے پیش نہ آتے۔ اپنے صحابہ کے بچّوں سے مذاق فرماتے اور انھیں اپنی گود میں بٹھا لیتے۔ بچے آپ کے سینہ مبارک

پر بیٹھ جاتے۔ تو آپ اُنھیں پیار کرتے اور انھیں اپنے سے چمٹا لیتے اور بھینچتے تھے۔ جنازوں میں شریک ہوتے۔ عُذر پیش کرنے والے کا عذر قبول فرما لیتے۔ جو شخص آپ کے کان میں بات کرتا تو آپ توجہ سے اس کی بات سُنتے رہتے جب تک وہ بات سے فارغ ہو کر واپس نہ چلا جاتا۔ بیواؤں، مسکینوں اور کمزوروں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے ان کے ساتھ پیدل چلتے۔ کسی سے مصافحہ فرماتے تو اپنا ہاتھ الگ کرنے میں پہل نہ فرماتے۔ جب تک دُوسرا ہی اپنا ہاتھ نہ ہٹالے۔ جس سے ملتے پہلے خود اسے سلام کرتے۔ اپنے صحابہ سے مصافحہ میں پہل فرماتے۔ کبھی آپ کو صحابہ کے سامنے پیر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ آپ خالی زمین، بوریے اور بچھونے سب پر بیٹھ جاتے۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کا احترام فرماتے۔ کبھی اس کے لیے اپنی چادرِ مُبارک بچھا دیتے اور اپنا تکیہ اپنے نیچے سے نکال کر اسے پیش فرما دیتے اگر وہ انکار کرتا تو آپ اصرار فرما کر دیتے۔ صحابہ کو ان کے بہتر ناموں اور بہتر القاب سے مُخاطب فرماتے۔ کوئی شخص آپ کے پاس ایسے وقت حاضر ہوتا کہ آپ نماز پڑھتے ہوتے تو نماز میں تخفیف فرما دیتے اور اس شخص سے پہلے اس کا حال دریافت فرماتے۔ اس سے بات ختم کر کے پھر نماز شروع فرما دیتے۔ گدھے کی سواری فرماتے اور کبھی اس کی ننگی پیٹھ پر بھی سواری فرماتے اور کبھی کسی کو اپنے پیچھے بھی بٹھا لیتے۔

آپ زمین پر بیٹھتے تھے، مسواک پسند فرماتے تھے۔ سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین سلائی سُرمہ ڈالتے تھے۔ آپ نے ایک بوسیدہ کجاوہ پر بیٹھ کر حج ادا کیا۔ جس پر تقریباً چار درہم قیمت کی بہلوے دار چادر پڑی ہوئی تھی اور دُعا فرمائی۔ اے اللہ! اس حج کو خالص حج قرار دے دے جس میں ریاکاری اور شُہرت کا شائبہ نہ ہو۔

آپ اور آپ کے صحابہ زیادہ تر سوتی کپڑا پہنتے تھے اور کبھی اُونی اور السی کے ریشوں سے بُنے ہوئے دساگر مٹھا کپڑے پہنتے تھے۔ آپ اپنی بکری خود دوہتے اور جُوتا خود گانٹھتے۔ پھٹے کپڑے میں خود پیوند لگاتے۔ اپنا ہر کام خود کرتے۔ اپنے گھر میں خود جھاڑو دیتے۔ آپ گھر میں کبھی خالی نہیں دیکھے گئے۔ خادم کے ساتھ کھانا کھاتے، اس کے ساتھ آٹا گُوندھتے۔ بازار سے اس کا سامان اٹھا کر لانے میں اس کا ہاتھ بٹاتے۔ خوشبُو پسند فرماتے۔ دُوسروں کو بھی اس کے استعمال کی ہدایت فرماتے۔ اپنے صحابہ کو اپنے آگے چلنے کی ہدایت فرماتے۔ جب آپ کا وصال ہُوا تو خانگی مصارف کے سلسلہ میں آپ کی زرہ ایک یہُودی کے پاس رہن تھی۔ زندگی بھر مسلسل تین دن کبھی گندم کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ علیٰ ہٰذا کبھی چھنے ہوئے

اور بھوسہ نکالے ہوئے آٹے کی روٹی نہیں کھائی۔ آپ کی کئی راتیں مسلسل ایسی گزرتیں کہ آپ بھوکے ہی سو جاتے۔

آپ نے کبھی خوان پر کھانا نہیں کھایا بلکہ آپ دستر خوان پر کھانا تناول فرماتے تھے کبھی صاف زمین پر اپنا کھانا رکھ لیا کرتے تھے۔ کھانے میں کبھی بیک وقت دو چیزیں جمع نہ فرماتے۔ اگر آپ گوشت کھاتے تو اس پر کسی دوسری غذا کا اضافہ نہ فرماتے اور اگر کھجور کھاتے تو اس کے سوا کوئی اور چیز نہ کھاتے اور اگر روٹی کھاتے تو اس کے سوا کوئی دوسری غذا نہ کھاتے۔

بورے یا دباغت شدہ پوستین پر نماز ادا فرماتے تھے کبھی بورے پر ہی سو رہتے تھے۔ جس کی وجہ جسم مبارک پر اس کے نشان پڑ جاتے تھے۔ آپ کھجور کی چھال بھرے ہوئے چمڑے کے گدے پر آرام فرمایا کرتے تھے۔

آپ سب لوگوں سے زیادہ فصیح و بلیغ، بے حد شیریں کلام۔ روانی سے بولنے والے اور بہت میٹھی بات کرنے والے تھے۔ یہاں تک آپ کی بات دلوں میں گھر کر جاتی اور روحوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی تھی۔ آپ جب گفتگو فرماتے تو بات مفصل اور واضح فرماتے کہ کوئی سننے والا چاہتا تو اسے دہرا سکتا تھا آپ نہ ایسی جلدی جلدی ناقابلِ فہم باتیں کرتے جو سامع کے ذہن میں محفوظ نہ رہ سکتیں اور نہ ٹکڑے ٹکڑے اور چبا چبا کر باتیں کرتے جس سے بات کرنے والوں کی بات میں وقفہ پڑ سکتا۔

آپ کا رونا سسکیوں اور بلند آواز سے نہ ہوتا تھا جس طرح آپ کی ہنسی بھی قہقہہ کے ساتھ نہ ہوتی تھی۔ کبھی آپ پر رات کی نماز (تہجد) میں گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

آنحضرتؐ نے زمین پر، منبر پر، اونٹ پر اور اونٹنی پر سوار ہو کر خطبے دیئے ہیں۔ جب آپ قوم سے خطاب فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور آپ کا غصہ بھڑک اٹھتا۔ یوں معلوم ہوتا گویا آپ لشکر کو کسی آنے والے خطرہ سے ڈرا رہے ہیں۔ آپ اپنے خطاب کا آغاز اللہ کی حمد و ثنا سے فرماتے۔ منبر پر چڑھ کر لوگوں کی سمت رُخ کر کے فرماتے۔ السلام علیکم۔ خطبہ کو استغفار پر ختم فرماتے۔ اکثر خطبہ میں آیاتِ قرآنی بیان فرماتے۔ خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تو عصا پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے۔ کبھی کمان پر بھی ٹیک لگاتے تھے۔ کسی نے یہ نہیں بیان کیا کہ کبھی آپ نے تلوار پر بھی ٹیک لگائی ہے۔

جب آپ اپنے مکان میں داخل ہوتے تو گھر والوں کے پاس یکایک نہ پہنچ جاتے کہ ان کی بے تکلفی میں خلل پڑتا۔ بلکہ انھیں اپنی گھر میں آمد کا علم کرا کر ان کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور پہلے انھیں سلام کرتے تھے۔ اندر جا کر ان سے کوئی بات دریافت فرماتے یا ان کی حالت پوچھتے۔ کبھی فرماتے کیا تمھارے پاس کھانا موجود ہے اور کبھی سکوت فرماتے تاکہ خود ہی ان کے سامنے جو کچھ موجود ہے حاضر کر دیا جائے۔ جب اپنی ازواج پر رات کو داخل ہوتے تو انھیں سلام کرتے۔ سوئے ہوئے کو نہ جگاتے۔ بیدار کو سلام سنا دیتے۔ جب کسی کے گھر پر تشریف لے جاتے تو دروازہ کے بالکل سامنے سے نہ جاتے بلکہ دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب سے جاتے تھے اور پہلے فرماتے السلام علیکم۔ السلام علیکم۔ سلام کا جواب کبھی ہاتھ سے، سر سے اور انگلیوں سے نہ دیتے تھے۔ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو ختم دعا پر منہ پر ہاتھ پھیرتے۔ زیادہ تر آپ کی دعا یہ ہوتی تھی:۔

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ۔ — اے قلوب کو بدلنے والے! میرے قلب کو اپنے دین پر قائم رکھنا۔

جب آپ کو کوئی صدمہ پہنچتا یا جسمانی تکلیف ہوتی تو فرماتے:۔

حَسْبِيَ الرَّبُّ مِنَ الْعِبَادِ۔ حَسْبِيَ الْخَالِقُ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ۔ حَسْبِيَ الرَّازِقُ مِنَ الْمَرْزُوْقِيْنَ۔ حَسْبِيَ الَّذِيْ هُوَ حَسْبِيْ۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ — میرا رب مجھے بندوں کے مقابلہ میں کافی ہے۔ میرا خالق مجھے مخلوق کے مقابلہ میں کافی ہے۔ میرا رازق مجھے رزق عطا کئے ہوئے لوگوں کے مقابلہ میں کافی ہے۔ مجھے وہی ذات کافی ہے جو میرے لئے کفایت کرتی ہے۔ مجھے اللہ کافی ہے۔ وہی میرا بہترین وکیل ہے۔ مجھے اللہ ہی کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں۔ میں اسی کی ذات پر بھروسہ کرتا ہوں۔ وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

جب دعا میں زیادہ اہتمام فرماتے تو فرماتے يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ (اے زندۂ جاوید۔ اے تمام جہانوں کے سنبھالنے والے) جب کسی کام کا ارادہ فرماتے تو دعا فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ خِرْ لِيْ وَاخْتَرْ لِيْ۔ — اے میرے خدا! اس کام میں میرے لئے خیر فرما اور میرے لئے بہتر صورت منتخب فرما۔

آپ کو جب کوئی خوشی پیش آتی تو خدا کی شکر گزاری کے طور پر سجدہ شکر ادا فرماتے۔

آپ کو یہ بات بہت پسند تھی کہ ہر شخص کو اس کے بہترین نام سے پکارا جائے۔

جب آپ کسی مرحوم کی تعزیت فرماتے تو یہ جملہ ادا فرماتے۔

يَرْحَمُهُ اللهُ وَيُؤْجِرُكُمْ — اللہ مرحوم پر رحم فرمائے اور تمہیں بہتر اجر عطا فرمائے۔

جب کسی کو مبارک باد دیتے تو فرماتے:۔

بَارَكَ اللهُ لَكُمْ وَبَارَكَ اللهُ عَلَيْكُمْ۔ — اللہ یہ کام تمہیں مبارک فرمائے اور تم پر اپنی برکتیں نازل فرمائے

جب سفر کا قصد فرماتے تو فرماتے:۔

اَللّٰهُمَّ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَسِيْرُ۔ — اے اللہ! میں تجھی سے طاقت حاصل کرتا ہوں اور تیرے ہی نام پر سفر کرتا ہوں۔

جب مؤذن کی اذان سنتے تو جواب میں اذان کے کلمات دہراتے۔ لیکن جب مؤذن کلمہ "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" پر پہنچتا تو اس کے جواب میں اصل کلمات ادا کرنے کی بجائے فرماتے: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔"

○

محمدی عادات و خصائل

آنحضرتؐ نے تریسٹھ سال کی عمر پائی۔ چالیس سال کی عمر کے بعد آپ نے اسلامی دعوت و تبلیغ کا آغاز فرمایا یعنی آپ بُت پرستی کے خاتمے اور اسلامی تعلیمات اور توحید الٰہی اور نیک اعمال پر مبنی تہذیب و تمدن کو عالم میں پھیلانے کے لیے تیئیس سال تک مُسلسل مجاہدہ اور اعداء اسلام سے مقابلہ کرنے میں مشغول رہے پس آپ کی عمر عزیز کے گھنٹے مہینوں میں۔ مہینے سالوں میں۔ اور سال صدیوں میں بدل گئے تھے۔ آپ اپنی زبان و تلوار سے برابر جہاد کرتے رہے۔ اپنے صحابہ اور مُتبعین کو دینی احکام کی تعلیم دیتے رہے انہیں ادب سکھاتے رہے اور اپنے اعمال و اقوال اور اپنی پاکیزہ سیرت کے اتباع کے ذریعہ انہیں مہذب بناتے رہے۔ انہیں اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کی ہدایات دیتے رہے۔ گناہوں سے بچاتے رہے بھلائیوں کی تلقین فرماتے اور برائیوں سے منع فرماتے رہے۔ اپنے ارشادات میں وہ حکیمانہ باتیں اور جامع نصیحتیں بیان فرماتے رہے کہ اس سے پہلے کسی اور انسان نے ایسی باتیں بیان نہ کی تھیں۔

آپ میدان ہائے جنگ میں بھی اپنی فوجوں کی خود کمان فرماتے۔ لشکروں کی تنظیم و ترتیب فرماتے اور سپہ سالاروں کو ہدایات دیتے اور انہیں جہاد اور مصائب پر صبر کی تلقین فرماتے ان کی رہنمائی کے لیے خود نقشۂ جنگ مرتّب فرماتے۔ لوگوں میں عدل و انصاف سے فیصلے دیتے تھے۔ پس آپ بیک وقت ایک مُعلّم۔ مُربّی۔ مُؤدّب۔ واعظ۔ پیر۔ خوشخبری سنانے والے عذاب الٰہی سے ڈرانیوالے۔ خطیب۔ امام۔ مشفق باپ، سچے اور مخلص بھائی۔ قائد۔ نافذ احکامِ شریعت اور قاضی تھے۔ جب اپنے مکان میں تشریف لے جاتے تو وہاں اپنی عورتوں کو دینی تعلیم دیتے۔ اُن کی گھریلو زندگی کی اصلاح فرماتے۔ ان سب میں اتّحاد و میل جول قائم فرماتے۔ جب تنہائی ہوتی تو دنیا سے مُستغنی ہو کر اپنے رب کی عبادت اور آہ و زاری میں مشغول ہو جاتے یہاں تک کہ کوئی دوسرا شخص خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرتا آپ کی نمازوں

اور دُعاؤں میں آپ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ ہم ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جنہیں انتہائی اقتدار و طاقت حاصل ہے کہ جب وُہ دنیاوی اور سماجی و رفاہی معاملات میں مشغول ہو جاتے ہیں تو نماز کی ادائی میں سُستی کرنے لگتے ہیں یا پھر اچھے اور مکمّل طریقہ پر اُسے ادا نہیں کر سکتے اور جو لوگ عبادت میں مُنہمک ہو جاتے ہیں تو اپنے گھر اور کُنبہ کے مُعاملات پر توجہ دینی چھوڑ دیتے ہیں اور بالکل ہی تارکِ دنیا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس آنحضرتؐ نے زندگی بھر دین و دنیا کو جمع رکھا اور آپ دینی و دنیوی دونوں خوش بختیوں میں اس اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے جو بشری طاقت سے کہیں بالاتر تھا اسی وجہ سے اس قلیل ترین مُدت میں آپ کے دستِ مُبارک پر وہ عظیمُ الشّان کارنامے انجام پائے کہ صدیوں میں تمام اقوام عالم مل کر بھی ان جیسے عظیم کارنامے انجام نہ دے سکیں۔

جو شخص گہری نظر سے سیرتِ رسولؐ کا مطالعہ کرے آپ کے اخلاقِ فاضلہ اور آپ کی عظیم شخصیت میں غور و فکر کرے اور سوچے کہ آپ کس طرح بیک وقت ایسے مجموعی بلند اخلاق و فضائل سے مُتصف تھے تو وُہ اس اعتراف پر مجبُور ہو گا کہ آپ واقعتہً اس تمام مخلوق کے سردار تھے۔

آپ کے یہ اخلاق و اعمال بے تکلّف و برجُستہ تھے کیونکہ تکلّف سے کسی عمل کو کرنے والے کا یہ عمل زیادہ عرصہ تک نہیں رہ سکتا بلکہ کچھ عرصہ بعد ہی وُہ اپنی اصلی عادت پر لوٹ آتا ہے۔ اور آنحضرتؐ کا یہی وُہ وصف تھا جس سے آپ کو یہ عظمت و بزرگی حاصل ہوئی تھی۔

علم الاخلاق والوں کا قول ہے کہ اخلاق وُہ طبعی و ذاتی ملکہ ہے جس کی وجہ سے اس سے مُتصف شخص سے بہتر اعمال کا سرزد ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ اور بہتر اعمال کا ارتکاب دُوسری چیز ہے اور ایسے اعمال کے صدور میں آسانی پیدا ہونا دوسری چیز ہے۔ پس وُہ کیفیت جس سے ایسی عملی سہولت حاصل ہو جائے اسی کا نام اخلاق ہے۔

پس آنحضرتؐ سے جو اعلیٰ افعال سرزد ہوئے اُن میں کسی قسم کے تکلّف کو بالکل دخل نہ تھا اور کسی ایک انسان میں کسی تکلّف و تصنّع کے بغیر اتنے فضائل کا جمع ہو جانا۔ خلاف

عادت غیر معمولی واقعہ ہے کیونکہ انسان کی ہستی میں مختلف خواہشات پیدا کر دی گئی ہیں پس عام طور سے اس کے لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وُہ کسی کمی بیشی کے بغیر ان میں اعتدال و توازن پیدا کر سکے جب تک اپنے آپ کو برسوں ان اعمال کے صدور کی عادت نہ ڈالے اور مسلسل جدّوجہد جاری نہ رکھے اور کبھی اسکے باوجود بھی وُہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا۔ ایک سمجھدار آدمی جب اپنے اندر کوئی عیب دیکھتا ہے اور اس سے جنگ کرنا اور اُسے عادت اور قوتِ ارادی کے ذریعہ مٹا دینا چاہتا ہے تو اس مقصد کے لیے ایک طویل مُدت درکار ہوتی ہے تب کہیں وُہ بری عادت مِٹ سکتی ہے اور اس عادت خبیثہ سے مقابلہ کے دوران اُسے یہ بات بھی پیش آسکتی ہے کہ کسی دوسرے وقت پھر یہی برائی یا اس کے آثار اس میں مکرّر نمودار ہو جائیں۔

جب وُہ اس برائی کو مٹانے میں کامیاب ہو جائے تب لوگ اس کے متعلق کوئی رائے قائم کر سکیں گے۔ اگر وُہ ایک عظیم شخصیت بن کر نمودار ہُوا تو اُسے اُس کی زندگی کی تاریخ میں اس کی حاصل کردہ عظمت پر باقی رکھیں گے مثلاً یُوں کہیں گے کہ فلاں شخص پہلے بخیل تھا پھر سخاوت کا عادی ہو گیا۔ یا وہ پہلے بزدل تھا مگر پھر بہادروں کی صحبت میں رہ کر اور اُن کی پیروی کر کے بہادر بن گیا۔ اور اسی قسم کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ہمارے کثیر تجربات اور لوگوں سے میل جول کے باوجود ہم کسی ایک بھی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس میں صرف ایک ہی بُرائی ہو۔

البتہ ہر انسان اپنے نزدیک یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ کامل انسان ہے اس میں کوئی عیب اور بُرائی نہیں کیونکہ کوئی آنکھ خود اپنے آپ کو بغیر آئینے کے نہیں دیکھ سکتی اور انسانی آئینہ اپنے دوست احباب اور ملنے جلنے والے ہوتے ہیں پھر انسان کا اپنے متعلق یہ اعتقاد کہ وہ کامل انسان ہے، بُرائیوں اور کمینہ باتوں سے مبّرا ہے، اسے اپنے عیوب، لغزشوں اور غلطیوں پر باخبر ہونے سے روک دیتا ہے اگرچہ اسکی بُرائیاں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ اور اگر وہ اپنے بارے میں لوگوں کی رائے سُن لے جو مرتبے میں اس سے کمتر ہی کیوں نہ ہوں تو اس پر اسکی بہت سی بُرائیاں ظاہر ہو جائینگی جو اسکے اپنے متعلق کامل انسان ہونے کے اعتقاد کی وجہ سے اس کی نظروں سے اوجھل تھیں۔

ممکن ہے ہم پر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ تم کوئی ایسا شخص نہیں دیکھتے جس میں صرف ایک آدھ ہی بُرائی ہو حالانکہ مجھے اپنی دانست میں کوئی عیب نظر نہیں آتا جس کا مجھ سے مواخذہ کیا جاسکے یہ سب

لوگ میری تعریف کرتے اور میری عزت کرتے ہیں تو یہ قول صرف پردے میں چھپے ہوئے نابینا شخص کا دعویٰ ہو سکتا ہے
پس اسکے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ لوگوں سے پہلے اپنے عیوب معلوم کرے تاکہ جب وہ اُسے بتائے جائیں تو وہ
ان عیوب کو رفع کر کے اپنی اصلاح کرلے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جن کا علم۔ بزرگی سچائی۔ اخلاص اور
تقویٰ کسی پر مخفی نہیں ہے فرمایا ہے۔

"خدا اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کرے"۔

یعنی حضرت ابوبکرؓ میں کچھ عیب موجود تھے جن سے وہ باخبر ہونا چاہتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس آج لوگوں میں غرور و تکبّر اور خود پسندی کے وہ شدید جذبات پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ خود کے تمام برائیوں سے مبرّہ ہونے کا دعویٰ کرنے کی جرأت کرنے لگے ہیں اسی لیے وہ اپنے نفس کی اصلاح سے محروم رہ گئے ہیں۔

درحقیقت ایک شخص کا تمام عیوب سے خالی ہونا اور اس میں تمام خوبیوں کا جمع ہونا محالات سے ہے۔ بجز اس کے کہ کوئی شخص پیدائشی طور پر ہی معتدل مزاج۔ معتدل خواہشات والا، تندرست و توانا۔ صحیح العقل۔ قوی اعصاب والا اور شریف النّسل ہو اُسے کوئی موروثی بیماری نہ ہو۔ مادی خواہشات سے خالی ہو۔ مگر کسی ایسے شخص کا وجود نہیں ہے انسان کا خود کو انسان کامل سمجھنا اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے محبت رکھتا ہے اور جو اپنے آپ سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی ذات کے کمال کو بھی چاہتا ہے اور یہ بھی خواہش رکھتا ہے کہ لوگ اُسے صفات کمال سے متّصف کیا کریں۔ یہ جذبہ بچّوں میں زیادہ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اگر تم کسی کمسن بچّے کی تعریف کر دو تو اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اگر وہ بدصورت ہو مگر تم اُسے خوبصورت کہہ دو تو وہ تمہارے کہنے پر یقین کر کے خوشی سے ہنس دے گا۔

ایک شاعر نے کسی ایسے شخص کا پتہ مانگا ہے جو ہر برائی سے خالی ہو اس لیے کہ اسے کوئی کامل انسان نہیں مل سکا۔ پس اس نے کہا۔

مَن ذا الّذی ما ساءَ قط	ایسا کون شخص ہے جس نے کبھی کوئی برائی نہ کی ہو اور
ومن لہ الحُسنیٰ فقط	وہ کون ہے جس میں صرف خوبیاں ہی خوبیاں ہوں۔

پس اس نے ایک ہاتف غیبی کو کہتے ہوئے سُنا۔

مُحمّدٌ الھادی الّذی — ایسی اعلیٰ شخصیت صرف حضرت محمدؐ رہبرِ انسانیت کی
علیہ جبریل ھبط — ہے جن پر حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوتے تھے

حضرت حسان بن ثابتؓ اس شعر میں آنحضرتؐ کی یُوں تعریف کرتے ہیں۔

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ — آپ ہر عیب سے مبرّہ پیدا کیے گئے ہیں گویا کہ آپ جیسا
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ — چاہتے تھے ویسے ہی پیدا کیے گئے ہیں۔

پس جو ہستی عیوب سے بالکل پاک صاف پیدا کی گئی ہے وُہ صرف آنحضرت کی ہستی ہے جیساکہ حضرت حسان بن ثابتؓ نے کہا ہے۔ رہیں دُوسری بزرگ شخصیتیں سو ان کے لیے ان کے عیوب کا گنوا دینا ہی کافی ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے۔

وَمن ذا الّذِی تُرضٰی سجایاہ کلُّھا — ایسا کون شخص ہے جس کی تمام ہی عادات پسندیدہ ہوں:
کفی المرء نبلاً اَن تُعَدَّ معایبُہ — کسی انسان کے شرف کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے عیوب گنوا دیئے جائیں

صرف آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی ہی وُہ واحد ذات تھی جس میں تمام خُوبیاں تمام برائیوں سے دُوری اور پاک دامنی جمع ہو گئی تھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغام ربّانی کی تبلیغ کے لیے آپ کو اپنی تمام مخلوق میں سے انتخاب فرما لیا تھا آپ کو تمام آلائشات سے پاک وصاف کر دیا تھا اور ہر بُرائی و گناہ سے مامون و محفوظ رکھا تھا۔ آپ کو علومِ الٰہیہ ودیعت فرمائے تھے آپ کو تہذیب سے آراستہ کیا تھا اور باادب و شائستہ بنایا تھا تاکہ آپ تمام عالم کے قائد بنیں آپ کا دینی و دنیوی تمام امور میں کامل اقتدا کیا جائے۔ خود آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ — میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بُہت اچھی طرح
میری ادبی تربیت فرمائی۔

پس ہمیں اس ہستی سے کیا نسبت جسے خود خُدا نے ادب سکھایا ہو اور اس کی اچھی ادبی تربیت فرمائی ہو۔ پھر خود ہی آپ کی یہ جامع تعریف بیان فرمائی ہو۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ — بلاشبہ آپ اخلاق فاضلہ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ میں اس لیے دنیا میں بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ عالیہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دوں۔

یہ بدیہی امر ہے کہ جو ہستی مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجی گئی ہو ضروری ہے کہ وُہ خود بھی اخلاق میں کامل و اکمل ہو کیونکہ جس میں کوئی نقص یا عیب ہو گا وُہ اخلاقِ عالیہ کی تکمیل کا فریضہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔

حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے آنحضرتؐ کے اخلاقِ کریمہ کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا۔

کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ۔ آپ کے اخلاق عین قرآن تھے۔

یعنی آپ نے قرآنی آداب سے ادب حاصل فرمایا تھا۔ اس کی بیان کردہ خوبیوں سے خود کو مزین فرمایا تھا اور اس کے احکام و نواہی کی پابندی فرمائی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس مختصر جملہ میں آنحضرتؐ کے تمام اخلاق و اوصاف کو جمع فرما دیا ہے کیونکہ اگر وُہ آپ کے اخلاق و اوصاف کو تفصیل سے بیان کرنا چاہتیں تو نہیں کر سکتی تھیں اس لیے اُنہوں نے سائل کو قرآن کا اور اس میں بیان کردہ آداب اخلاق فضائل اور معاملات کا حوالہ دے دیا۔

حق تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا ہے۔

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ؕ خدا نے آپ کو وُہ سب کچھ بتا دیا جو آپ پہلے نہ جانتے تھے۔

وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۝ اللہ کا آپ پر بہت بڑا فضل و کرم رہا۔

قرآنِ کریم میں آپ کے اسماء گرامی بیان فرمائے گئے ہیں اور یہ سب آپ کے اوصاف ہیں۔ صرف تعریفی نام ہی نہیں ہیں بلکہ یہ نام ان اوصاف سے بنائے گئے ہیں جو آپ کی ذاتِ اقدس میں موجود تھے اور جن کی وجہ سے آپ تعریف و اظہارِ کمال کے مستحق تھے۔

ان کے منجملہ آپ کا اسمِ گرامی "محمدؐ" ہے یہی نام زیادہ مشہور ہے وُہ حمد سے اسم مفعول محمد ہے جس کے معنی ہیں بہت سی قابل تعریف خصائل والی ہستی۔ دوسرا اسم گرامیؐ "احمدؐ" ہے یہ بھی حمد سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں اپنے رب کی حمد کرنے والوں میں سب سے

بڑا حمد کرنے والا۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔ وُہ ذاتِ گرامی جو بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ افضل و مستحق حمد و ستائش ہے۔ اس قول کے مطابق اس کے معنی وُہی ہوئے جو محمد کے ہیں۔ بہر حال یہ دونوں نام آپ کے اخلاق و خصائل محمُودہ سے نکالے گئے ہیں جن کی وجہ سے آپ محمد کہلانے کے مستحق قرار پائے۔

اور احمد وُہ ہستی ہے جس میں پائے جانے والے کثیر اخلاقِ حمیدہ جو شمار کرنے والوں کی گنتی اور اُن کا احاطہ کرنے والوں کے احاطہ سے بھی بالا تر ہیں۔ اُن کی وجہ سے زمین و آسمان والے اور دنیا و آخرت والے سب کے سب ہی اُس کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ ان اسماء گرامی میں ایک نام "البشیر" ہے کیونکہ جو شخص ثواب کے کاموں میں آپ کی اتباع کرے اسے آپ (رضائے الٰہی کی) خوشخبری سنانے والے ہیں۔

آپ کا ایک اسم گرامی "نذیر" ہے یعنی جو شخص قابلِ سزا اعمال ہیں۔ آپ کی نافرمانی کرے اُسے (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والے ہیں۔

صحیح بخاری میں آپ سے روایت ہے فرمایا۔

أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں تمام اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اس سے بڑا اور کوئی فخر نہیں ہو سکتا۔

مطلب یہ کہ اس فخر سے بڑا اور کوئی فخر نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے آپ کا نام "سراجاً منیرا" بھی فرمایا ہے۔ آفتاب کو سراجاً وھّاجا (روشن چراغ) فرمایا۔ منیر وُہ چراغ ہے جو بغیر روشن کیے از خود روشن ہو جائے۔ بخلاف وہاج کے کہ اس میں دوسرے کے روشن کرنے کی صفت پائی جاتی ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ سب لوگوں سے کہیں زیادہ بااخلاق تھے۔ آپ سب سے زیادہ بُردبار تھے۔ نیز فرمایا کہ میں نے آنحضرتؐ کی دس سال تک خدمت کی ہے مگر آپ نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا اور جو کام میں نے کیا اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور اگر میں نے کوئی کام چھوڑ دیا تو اس پر یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

یہ خادم رسول اللہؐ حضرت انس کا قول ہے پس کیا کوئی انسان جس کے پاس خادم ہو

ایسا ہے جو خادم سے ایسا معاملہ کرے۔ کون ایسا ہے جو خادم کو کبھی اُف تک بھی نہ کہتا ہو اور یہ وُہ اِنتہائی معمولی جُملہ ہے جو خادم کی برائی اس سے ناراضی اور اس پر غصہ ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ بھلا کون ایسا شخص ہے جو خادم کے کاموں سے مزاحمت و تعارض نہیں کرتا۔ اسے نہیں جھڑکتا اسے بُرا بھلا نہیں کہتا۔ اور ہم ان ادبار۔ علماء۔ فلاسفر۔ امراء اور ذی وجاہت حضرات کو دیکھتے ہیں کہ وُہ نہ صرف اپنے خدام سے بُرا سلوک کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں تک سے بھی بُری طرح پیش آتے ہیں۔ پس جب حال یہ ہو تو ہمارا اس صفت کمال تک پُہنچنا دشوار ہے۔

آنحضرت کی صفتِ عفو و حلم

روایت ہے کہ جب غزوۂ اُحد میں آپ کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور سر و پیشانی مُبارک پر گہرے زخم آ گئے تو صحابہ کو یہ امر بہت ناگوار گزرا اور اُنہوں نے آپ سے عرض کیا کہ کاش آپ یا رسُول اللہ! اس موقع پر ان پر بددُعا فرما دیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

اِنِّی لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَّلٰکِنِّیْ	میں لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ داعی اسلام
بُعِثْتُ دَاعِیًا وَّرَحْمَةً۔ اَللّٰھُمَّ	اور رحمت عالم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اے میرے خدا تو میری
اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔	قوم کو صحیح راستہ سجھادے کیونکہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں۔

پس بجائے اس کے کہ آپ ان کے ظلم و تعدی پر بددعا فرماتے ان کے لیے توفیق ہدایت کی دعا فرمائی اور یہ فعل حسنِ اخلاق اور حکمت و مصلحت کی انتہا ہے۔ ہم عامۃ الناس بلکہ اکابر قوم تک کے متعلق یہ بات جانتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو کوئی ایسا کلمہ کہے جو اُن کے احساس کو مجروح کرتا ہو تو وُہ کبھی اُسے برداشت نہیں کرتے اور نہ صرف یہ کہ اُسے معاف نہیں کرتے بلکہ اس پر غضب ناک ہوتے۔ دل میں اس سے بغض رکھتے اس سے انتقام لیتے اس سے مکر کی تدبیریں سوچتے رہتے اور اُسے کسی بُرائی میں متہم کر کے پھانس دینے کے موقع کی تاک میں رہتے ہیں پس اس بلند ہستی کے مقابلہ میں جس کے دندانِ مُبارک دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تو اُس نے بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دیا۔ ہمارے اخلاق کو کیا نسبت ہے۔

علیٰ ہذا جس شخص نے آپ کو شہید کرنے کے ارادہ سے آپ پر تلوار کھینچ لی تھی۔ آپ نے اُسے معاف فرما دیا۔ نیز اس یہودی عورت سے درگزُر فرمایا جس نے آپ کو زہر بھری بکری پیش کر دی تھی۔ حالانکہ اُس نے اِس جرم کا اقرار کر لیا تھا۔ آپ نے اس یہودی سے بھی باز پرس نہیں فرمائی جس نے آپ پر جادو کر دیا تھا۔

یہ سب ان حالات میں ہُوا جبکہ آپ انہیں سخت سے سخت سزائیں دینے کی قدرت رکھتے تھے۔ پھر کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی حلم و عفو ہو سکتا ہے؟ آنحضرتؐ کبھی اپنی ذات کے معاملہ میں غصہ نہ فرماتے تھے اور نہ اس کا بدلہ لیتے تھے بلکہ غصہ اس وقت فرماتے تھے جب حق پر آنچ آتی تھی۔

آپؐ کی سخاوت وکرم

آنحضرتؐ سب لوگوں سے کہیں زیادہ سخی و فراخ دست تھے کبھی ایسا نہیں ہُوا کہ آپ سے کسی نے سوال کیا ہو اور آپ نے انکار فرما دیا ہو۔

صفوان بن امیہؓ سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرتؐ نے غزوۂ حنین کے موقع پر عطیہ دیا جبکہ آپ میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض شخص تھے مگر آپ برابر مجھے عطایا دیتے رہے یہاں تک کہ آپ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبُوب شخصیت بن گئے۔ جب صفوان نے خود پر آنحضرتؐ کی کثیر داد و دہش دیکھی تو بول اُٹھے۔ خُدا کی قسم نبی کی ذات کے سوا اتنا اچھا سلوک اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اِسی سے متاثر ہو کر وُہ مشرف باسلام ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے صفوان کو اتنی بکریاں عطا فرمائی تھیں کہ اُن سے دو پہاڑوں کی درمیانی وادی بھر گئی تھی اور حضرت عباسؓ کو اتنا سونا عطا فرمایا تھا کہ وُہ اُسے اُٹھا نہ سکے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں نوّے ہزار درہم لائے گئے اور بوریے پر رکھ دیے گئے۔ آپ بوریے پر تشریف لے گئے اور درہم تقسیم کرنا شروع فرما دیے کسی سائل کو محروم نہیں فرمایا یہاں تک کہ سب تقسیم فرما کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے غزوۂ حنین میں بے شمار اموال تقسیم فرمائے۔ سب سے پہلے تالیف قلوب کی غرض سے مؤلفہ قلوب کو عطا یا دئیے۔ چنانچہ ابُوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ چاندی اور سو اُونٹ عطا فرمائے۔ اتنا ہی ان کے دونوں بیٹوں یزید و

معاویہ کو عطا فرمایا۔ حضرت حکیم بن حزام کو سو اونٹ عطا فرمائے پھر انہوں نے اور مانگے تو وُہ بھی عطا فرما دیے۔ حضرت نضر بن حارث بن کلدہ کو سو اُونٹ۔ علیٰ ہذا اسید بن جاریہ ثقفی۔ حارث بن ہشام۔ صفوان بن اُمیہ۔ قیس بن عدی۔ سہیل بن عمرو۔ حویطب بن عبدالعزیٰؓ۔ اقرع بن حابس تمیمی۔ عیینہ بن حصن اور مالک بن عوف میں سے ہر ایک کو سو سو اُونٹ عطا فرمائے۔ آپ نے عباس بن مرداس کو اوّلاً چالیس اُونٹ عطا فرمائے تو انہوں نے اس بارے میں اشعار کہے۔ پھر آپ نے انہیں سو اُونٹ پورے کر دئیے۔ مخرمہ بن نوفل۔ علاء بن حارثہ۔ سعید بن یربوع اور عثمان بن وہب بن عمرو عامری کو فی کس پچاس پچاس اُونٹ عطا فرمائے۔ پس آپ کے تقسیم فرمائے ہُوئے اُونٹوں کی مجموعی تعداد (۱۴۸۵۰) تک پہنچی۔

اِن بڑے بڑے عطیات میں غور کیجیے جنہیں آنحضرتؐ خوش دلی سے دیتے ہیں اور اپنے لیے کچھ نہیں لیتے حتیٰ کہ اپنے گھر ایک درہم بھی لے کر نہیں جاتے نہ اپنی غذا کے لیے کچھ حاصل فرماتے ہیں۔ حال یہ ہے کہ اکثر آپ اور آپ کے متعلقین رات کو بھُوکے ہی سو رہتے ہیں۔ آپ کے پاس کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے مگر عین اسی وقت میں حضرت عباسؓ کو اتنا سونا عطا فرماتے ہیں کہ اُن سے اُٹھ نہیں سکتا۔ مؤلفۂ قلوب کو اتنے اُونٹ بخش دیتے ہیں کہ دیکھ کر ان کے ہوش گم اور اُن کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ صفوان نے جب انہیں آنحضرتؐ کے عطا فرمودہ عطایا کی کثرت دیکھی تو وُہ فارغ البال اور مطمئن ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ اب آپ اپنے دلوں سے دریافت کریں اور اس سب سے زیادہ سخی شخص سے دریافت کریں جسے آپ جانتے ہوں یا جس کی آپ نے تعریف سُنی ہو۔ کیا کوئی شخص اتنے عظیمُ الشّان عطیات دے سکتا ہے۔ جبکہ وُہ خود دوسروں کو دے کر خود بالکل محروم رہتا ہو؟

بنی نوع انسان میں کوئی ایسا بشر نہیں ملتا جو دوسروں پر ایسی داد و دہش کرے اور خود کو بالکل محروم کر لے۔ ہاں لوگوں میں لکھ پتی کروڑ پتی موجود ہیں جیسے امریکا میں۔ لیکن اُن کا حال یہ ہے کہ اگر وُہ کسی رفاہی کام میں کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو اپنے لیے اس سے کئی گنا زیادہ مال رکھ لیتے ہیں اور ان تمام آسائشوں اور لذّتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ جن کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ ہے ان دولت مندوں کی شان جو تمام دنیا میں جُود و سخا سے متصف کیے جاتے

ہیں اور داد و دہش میں مشہور ہیں، رہے وُہ دولت مند جو دولت کا ذخیرہ کرتے رہتے ہیں اور اسے دانتوں سے پکڑے رہتے ہیں اس میں سے ایک حبہ بھی رفاہی کاموں میں نہیں دیتے۔ بجز ایسی صورت کے کہ وُہ کچھ دینے پر مجبور ہی کر دیے جائیں اور انہیں جھکنا ہی پڑے۔ پس ہم ایسوں کے متعلق کچھ کہنا ہی نہیں چاہتے کیونکہ وُہ ہمارے دائرۂ بحث سے ہی خارج ہیں اس لیے ہم اُن کے بارے میں غور و فکر بھی نہیں کرتے بلکہ وُہ بالکل ہی ناقابلِ ذکر ہیں۔ پس کیا اس کے بعد تم پر یہ حقیقت واضح نہیں ہو گئی کہ کوئی سخاوت آنحضرتؐ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور نہ کوئی اور بشر آپ کی سخاوت کی حد تک پہنچ سکتا ہے۔

آنحضرتؐ کی شجاعت

حضرت علی بن ابی طالبؓ نے جن کی بہادری مشہور ہے فرمایا ہے کہ جب جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھتے۔ لڑائی شدت اختیار کر جاتی اور خُون بہنے لگتا تو ہم آنحضرتؐ کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرتے کیونکہ آنحضرتؐ سے زیادہ کوئی دوسرا دشمن کے قریب نہ ہوتا تھا۔ میں نے جنگِ بدر میں خود کو آنحضرتؐ کی پناہ میں محفوظ رکھا۔ اس دن آپ ہمارے مقابلہ میں دشمن سے بہت قریب تھے نیز اس دن آپ نے غیر معمولی بہادری کا مظاہرہ فرمایا تھا۔"

کہا گیا ہے کہ مسلمانوں میں بہادر وُہ سمجھا جاتا تھا جو آپ کے قریب ہوتا تھا اس لیے کہ آپ دشمن کے بالکل قریب ہوتے تھے۔ غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کو شکست ہو گئی تھی تو آپ اپنی جگہ آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ بھلا آنحضرتؐ کی بہادری سے زیادہ کون سی بہادری ہو سکتی ہے۔ ہم ان جنگوں کا جن میں آپ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور ان میں آپ کی کامیابیوں کے تفصیلی ذکر سر دست نظر انداز کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ نے تمام جزیرۂ عرب کو فتح فرما لیا۔ اسلامی لشکروں کی قیادت فرمائی۔ بھوک، سردی اور گرمی کی شدت برداشت فرمائی۔ خوفناک و دشوار گزار راستے اور دُور دراز مسافتیں طے فرمائیں۔ کبھی دشمن کی عددی برتری اور کثرت اسلحہ نے آپ کو مرعوب و خوف زدہ نہیں کیا۔ ہم ان سب باتوں کو بھی نظر انداز کیے دیتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر یہاں ایسے مقامات و مواقع بھی پیش آئے جن میں میدان جنگ و جدال سے بھی کہیں بڑھ کر بہادری اور قوت قلبی کی ضرورت پیش آئی۔ وُہ یہ کہ آنحضرتؐ تن تنہا

دعوتِ اسلام کی اہم تحریک لے کر کھڑے ہوئے۔ آپ تنہا ہی دینِ اسلام کی نشر و اشاعت فرماتے رہے آپ اپنے بنیادی اصول پر مضبوطی سے جمے رہے۔ انگشت برابر بھی اس سے نہ ہٹے اور خدائی احکام کی پیروی اور منہیات الٰہیہ سے پوری طرح اجتناب فرماتے رہے اور اپنے بنیادی اصُول کی تقویت کے لیے اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے رہے۔ ہر قسم کی توہین و ذلت طرح طرح کی تکالیف اور ظلم و ستم سہتے رہے۔ وطن مالوف سے ہجرت، دوست، احباب عزیز و اقارب کے قتل اور ان کی لاشوں کو مسخ کر دینے اور قسم قسم کی شدید سے شدید تکالیف مشقّتیں اور مصائب و سختیاں جھیلتے رہے جن کا کوئی انسانی عقل تصوّر کر سکتی تھی۔ یہاں تک کہ بالآخر واضح کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

پھر کیا یہاں کوئی شجاعت ہے جو آنحضرتؐ کی شجاعت کی برابری کر سکے؟ کہا گیا ہے کہ ایک گھڑی صبر کر لینا بڑی شجاعت ہے لیکن یہاں آنحضرتؐ کی حیاتِ مُبارکہ آپ کی ابتدائِ رسالت سے وصال تک ایک مسلسل اور غیر مختتم مجسمۂ صبر و استقامت تھی جس نے دوسرے بہادروں کی بہادری اور صبر و تحمل کرنے والوں کے صبر کو ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ اور اللہ کی تمام مخلوق میں سے کوئی بھی آپ کے پایہ کے صبر و شجاعت نہیں رکھتا تھا۔ بھلا کون شخص ایسا ہو سکتا ہے جو اپنے عقل، جسم اور خدا کی عطا کردہ قوتوں کو ان تمام سالوں میں دن رات مشغول رکھے اور ہمیشہ عمل و حرکت میں رہے اور ہمیشہ لوگوں کو دینی تعلیم دینے ان میں تہذیب و شائستگی پیدا کرنے ان کے درمیان معاملات کا فیصلہ کرنے ان کے معاملات کو سلجھانے کی تدابیر فرمانے ان کی فوجوں کی قیادت، نقشۂ جنگ کی تیاری۔ اموالِ غنیمت کی تقسیم۔ ان کے دینی امُور یعنی عبادات معاملات۔ وفود کے استقبال اور ان سے گفتگو اور ان کے سوا بہت سے ایسے امور جن سب کا ذکر باعثِ طوالت ہو گا۔ ان میں آپ ہمیشہ غور و فکر فرماتے۔ اور عملاً منہمک رہا کرتے تھے۔

اس کتاب کے صفحے خواہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں آنحضرتؐ کے اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ حسنہ کے تفصیلی بیان کی گنجائش نہیں رکھتے۔ ہم اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ جس کی مکمل تفصیل کا احاطہ نہ ہو سکے تو اس کے پُورے بیان کو ترک بھی نہ کرنا چاہیئے

اسلامی تعلیمات کا اتباع

اے مسلم قوم ہم پر واجب ہے کہ ہم اعلیٰ ترین اسلامی شریعت سے مضبوطی سے وابستہ رہیں اور آنحضرتؐ کے اخلاقِ گرامی کا اتباع کرتے رہیں تاکہ دین و دنیا میں سعادت وخوش بختی کی بلندیوں تک پہنچ سکیں۔ بلا شبہ جو شخص اللہ کی کتاب میں غور و فکر کرے گا اسے معلوم ہو جائیگا کہ آنحضرتؐ تمام اخلاق کریمانہ پر حاوی اور قادر تھے۔ آپ نے قوم کو اعلیٰ ترین خوبیوں اور آداب و شائستگیوں کی ترغیب دی ہے اور رذیل وکمینہ افعال سے منع فرمایا ہے۔ جدید تمدن و تہذیب، علوم و آداب میں انتہائی ترقی پر پہونچنے کے بعد بھی صاف ستھری اور پاکیزہ اسلامی تعلیمات کے مقابلہ میں کسی شمار قطار میں نہیں آتے پس ہم دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہر ذلیل وپست عمل سے دور رہنے اور ہر خوبی و نیکی کے ساتھ متصف ہونے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ مسلمانوں نے بُت پرستی کے رسوا کن اعمال اور جاہلیت کے فتنوں کو فنا کر دیا اللہ نے انہیں غیر معمولی فتوحات عطا فرمائیں وُہ تمام قوموں کے سردار بنا دیے گئے اور اپنے عقیدہ کی بزرگی۔ مردانگی اور قوی اخلاق سے متصف ہونے کی وجہ سے جو انہیں قرآن کریم اور آنحضرتؐ کی تعلیماتِ عالیہ سے حاصل ہوئے تھے۔ انہوں نے علوم و فنون کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ یہ بات نہایت رنج دہ ہے کہ آج ہم عام اخلاقی بے راہ روی۔ عام طور سے فتنہ و فساد کے پھیلاؤ اور دینیات و اخلاقیات کا طرح طرح سے مذاق اُڑاتے اور ان کی ادائی میں غفلت و سستی ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ دینی شعائر کے قائم کرنے میں غفلت و پستی ہے۔ علوم و فنون کے حاصل کرنے اور دوسری قوموں سے ترقی کی دوڑ میں مقابلہ کرنے میں غفلت و پستی ہے۔ وطنی حقوق کی ادائی میں غفلت ہے قومی و خاندانی عزو شرف اور وقار کے تحفظ میں پستی ہے۔ واقعی یہ امر انتہائی رنج و افسوس کا موجب ہے کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے ہمتوں میں فتور واجبات کی ادائی میں کوتاہی۔ اچھے اور شریفانہ کاموں سے مجرمانہ غفلت و لاپرواہی۔ رذیل وکمینہ عادات و اطوار کو اپنانے اور جرائم پیشگی

رُسوا اور بدنام کن برائیوں پر باہم فخر و مباہات کرنے کے غیر اخلاقی طور طریقے دیکھ رہے ہیں۔ کیا ہمارے صالح بزرگ ہماری طرح اپنے ملکوں کو ہر لالچی کی لوٹ کھسوٹ اور اس کا لقمہ و نوالہ بننے کے لیے چھوڑ دیتے تھے کہ ان کے سکون میں حرکت ہی نہ ہوتی تھی؟ کیا وُہ باہم ایک دوسرے کو رسوا کرتے ایک دوسرے سے بغض و عداوت رکھتے اور باہم ایک دوسرے کی مدد نہ کرتے تھے؟ کیا وُہ ضعیفوں مسکینوں پر شفقت نہیں کرتے تھے کیا وُہ عزیز و اقارب سے بھلائی نہ کرتے تھے کیا وہ بیماروں کی عیادت کو نہ جاتے تھے کیا وُہ مظلوموں کی داد رسی نہ کرتے تھے؟ کیا اُن کے احساسات میں جمود تھا کہ وُہ لوگوں کے مصائب و مشکلات کا احساس نہ رکھتے ہوں؟ کیا وُہ صحیح بات کو چھپاتے تھے اور باطل کا مقابلہ اور مظلوم سے انصاف نہ کرتے تھے کیا وُہ کسی مجروح کے زخموں کی مرہم پٹی نہ کرتے تھے؟ کیا وُہ بھلائیوں کی ہدایت دینے اور بُرائیوں سے منع کرنے سے غفلت برتتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم بالکل بے بس اور مجبور ہیں نہ ہم میں برائیوں کو روکنے کی قوت ہے نہ طاقت کیا وُہ تھوڑے بہت فائدے کے لالچ منصب و جاہ کی محبت اور فنا ہونے والی دنیا کے رنگا رنگ نقش و نگار اور ملمع سازیوں سے دلچسپی کی بنا پر اپنے تمام امور کی باگ ڈور صرف دنیوی اعمال کے دوش پر ہی ڈال دیا کرتے تھے؟ اگر وُہ ایسا کرتے تو اُن کا عالم میں کوئی مقام ہوتا نہ کوئی قدر و قیمت اور نہ تاریخ عالم میں اُن کی عظمت و شوکت کے وُہ آثار پائے جاتے (جو ہم ہر جگہ پاتے ہیں)

غیروں نے ہماری اجتماعی قومی حالت اور ہمارے انحطاط۔ تنزل۔ جہالت اور ہمارے عزائم میں پستی و بزدلی کا اچھی طرح مطالعہ کر لیا ہے۔ بالآخر انہوں نے یہ حکم لگا دیا کہ ہماری یہ کیفیت ہماری مذہبی رجعیت ہماری دینی اصلیت اور اسلامی تعلیمات ہی کے سبب ہے اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ وُہ ہمیں اپنے ہی دین سے بیزار کر دیں تاکہ اسلام کی پہلی عظمت و شوکت اور قدیم عز و شرف دوبارہ نہ ابھر سکے۔ بعض کوتاہ نظر مسلمان ان کی ان باتوں سے دھوکہ کھا گئے انہوں نے اغیار کی ان رایوں کو وقعت دے دی اور خود اپنے ہی مذہب پر بہت سے طعنے دینے لگے اور خیال کرنے لگے کہ ہم قوم کی اصلاح کرنے والے ہیں حالانکہ درحقیقت وُہ فساد پھیلانے والے اور اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں

برباد کرنے والے ہیں۔ کاش وُہ اسی حد تک توقف کرتے انہوں نے تو ایک قدم آگے بڑھ کر حرام چیزوں کو بھی حلال قرار دے لیا۔ دنیا میں فتنہ و فساد پھیلا دیا۔ گمراہی کو رواج دے دیا اور مغربی تمدن سے وابستہ ہو کر رہ گئے وہ ان کی طرح شراب نوشی۔ فسق و فجور، لہو و لعب بے حیائی و فحاشی اور اباحیت[1] میں مبتلا ہو گئے اور یہ نہ سمجھے کہ خود مغرب کے اہل علم و دانش اور سمجھ دار طبقے فتنہ و فساد اور بُرائیوں کے اس پھیلاؤ پر بہت ناخوش ہیں اور اسے خطرناک اور بُرا سمجھتے ہیں انہوں نے بار بار اپنے بیانات میں اس امر کی صراحت کی ہے کہ یہ برائیاں قوموں کی تباہی کا پیش خیمہ اور اُن کی بربادی کا لازم ہیں اگرچہ اس وقت بظاہر وُہ انتہائی طاقتور اور قوی نظر آ رہی ہیں۔

خبردار رہنا چاہیے کہ مصلحینِ قوم کی تعمیری اور مصلحانہ کوششوں کے مقابلہ میں عمارت کو گرا دینے والی کدالیں بہت زیادہ مؤثر ہوتی اور جلد اپنا کام کرتی ہیں۔ پس تمہیں اپنی تحریروں اور تقریروں اور بیانات میں خدا سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ تمہیں اپنی موروثی عظمت کی تعمیر کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیئے۔ نفع بخش علوم زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے چاہئیں کیونکہ بعض علوم ایسے بھی ہیں جن کا نقصان جہالت سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور جو علم کسی کے لیے مفید نہ ہو وُہ ایسے علم حاصل کرنے والے کے لیے صریح خسارے کا باعث ہوتا ہے۔ تمہیں لوگوں میں شہرت اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کی خواہشات نفسانی میں ان کا ساتھی اور ہمنوا نہ ہونا چاہیئے۔

اِسلامی تعلیمات کے اتباع کی جو اہمیت ہے میں انہیں واضح کرنے کے لیے یہ لکھ رہا ہوں۔ یہ تمام مسلمانانِ عالم کے لیے میری مخلصانہ نصیحت ہے۔

آنحضرتؐ کے اخلاقِ کریمہ کا اِتبّاع

مسلمانوں پر آنحضرتؐ کے اخلاق کریمہ کا اتباع ضروری ہے کیونکہ آپ ہمارے بہترین مقتدیٰ ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا ہے یہ امر اللہ تعالیٰ کی محبت کرنے والے کی علامات

[1] اباحیت۔ برائیوں کو رواج دینے اور بھلائیوں سے روکنے کو کہا جاتا ہے۔ م

میں سے ہے کہ اللہ کے حبیب کے اخلاق و اعمال اور آپ کے احکام وسُنن میں آپ کا اتباع کیا جائے۔

میں یہاں آپ کے بعض ان اوصاف حمیدہ کا بیان کرتا ہوں جو میں نے آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارکہ سے حاصل کیے ہیں اور ہیں مسلمانوں کو ان اوصاف سے آراستہ ہونے کی تلقین کرتا ہوں۔ یہاں انتہائی اختصار سے چند اوصاف کا بیان کرتا ہوں۔

۱۔ آنحضرتؐ ہمیشہ لباس صاف ستھرا رکھتے تھے۔ پاکیزگی وصفائی ایمان کا جزو ہے اس لیے مسلمان پر اپنے لباس و اعضاء جسمانی کو صاف ستھرا رکھنا واجب ہے اس لیے کہ وضو اور غسل دونوں ان پر فرض ہیں۔ حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو حکم دیا ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ آپ اپنے لباس کو پاک وصاف رکھا کریں۔

ہمیں ہمارا مذہب یہی حکم دیتا ہے چنانچہ آنحضرتؐ ظاہری صفائی کا اتنا ہی اہتمام فرمایا کرتے تھے جتنا کہ باطنی پاکیزگی کا نیز لوگوں کو مسواک کے استعمال اور مُنہ اور دانتوں کی صفائی کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ خوشبو استعمال فرماتے اور اپنے سر اور ریش مبارک کے بالوں میں کنگھا کیا کرتے تھے۔ اپنے گھر میں خود جھاڑو دیا کرتے تھے لیکن لوگ آج خود اپنے گھر کی صفائی کرنے سے گریز کرتے اور ناک بھویں چڑھاتے ہیں۔ پس یہ امر قابلِ غور وفکر ہے۔

۲۔ آنحضرتؐ نہ فحش گوئی و بدکلامی کرتے تھے نہ بیہودہ بکواس کرتے تھے لیکن آج ہم میں فحش گوئی اور بیہودہ بکواس کس قدر عام ہے اور بے حیائی اور فحش مذاق اور بدگوئی کرنے والوں کی کس قدر کثرت ہے پس ہم آنحضرتؐ کی اتباع کیوں نہیں کرتے اور اسلوب تحریر اور باہمی گفتگو میں آپ کے طریق ادب کو اختیار نہیں کرتے اور بیہودہ بکواس، سب وشتم اور لعن طعن سے اجتناب نہیں کرتے؟

۳۔ آپ کسی گفتگو کرنے والے کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ پس اے مسلمانو تم آپ کے اس ادب۔ بردباری اور وسعت عقل پر نظر کرو۔ کیونکہ زیادہ اور بے ضرورت گفتگو۔ بات کرنے والے کی بات کاٹنا بیہودہ بکواس۔ بیہودہ مذاق۔ غیبت۔ چغلخوری اور ریاکاری نہ اسلامی اخلاق میں نہ مروت میں داخل ہیں۔ آپ اپنے دیر تک غیر حاضر رہنے والے

صحابہ کی جستجو فرماتے اور اُن کے حالات دریافت فرماتے تھے۔ اس بارے میں بڑے اور چھوٹے اور دولت مند و فقیر میں کوئی فرق نہ کرتے تھے لیکن آج حال یہ ہے کہ لوگ صرف دولت مندوں ہی کا حال پوچھتے ہیں ادھر دولت مند فقرائے سے تکبر سے پیش آتے اور خود کو اُن سے بڑا اور برتر سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان کا خمیر فقرائے کے خمیر سے علیحدہ ہے۔ یہیں سے باہم دشمنی اور بُغض پروان چڑھتا ہے اور خاندانوں اور قوموں کے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں۔ نیز آنحضرتؐ تالیف قلوب بھی فرماتے تھے پس جو آپ سے قطع تعلق کرتا تھا۔ آپ اس سے تعلق پیدا فرماتے تھے۔ جو آپ کو محروم کرتا آپ اسے عطا فرماتے تھے جو آپ پر ظلم کرتا آپ اُسے معاف فرما دیتے تھے۔ کوئی اجنبی آتا تو اس کی کھری اور سخت گفتگو اور سوالات کی بوچھاڑ پر صبر فرماتے تھے۔ بیمار کی عیادت فرماتے اور جنازوں میں شرکت فرماتے تھے۔

۵۔ آپ جب لوگوں کے کسی اجتماع میں پہونچتے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے تھے کہاں یہ منکسرانہ و خاکسارانہ اخلاقِ کریمہ ہیں اور کہاں ان متکبرین کا طریقہ جو ایسی مجلسوں میں اپنا حق سمجھ کر اور بغیر کسی استحقاق کے بھی مجلس کے صدر مقام پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ جگہ خالی ہو یا نہ ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خاکساری۔ پستی اور کمزوری کا نام ہے۔ لیکن درحقیقت خاکساری ہی میں بلندی ہے اور کوئی انسان ہرگز بد اخلاقی سخت کلامی۔ تیز مزاجی اور ترشروئی سے کسی قوم کی قیادت حاصل نہیں کر سکتا۔

۶۔ آنحضرتؐ نہایت سخی و فراخ دست تھے۔

ہم لوگوں کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ بخیل شخص اللہ کے نزدیک مغضوب ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ بخل انسان کے خدا کے ساتھ بدگمانی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ہمیں کوئی ایسا بخیل معلوم نہیں جس سے لوگ محبت رکھتے اور اس کا احترام کرتے ہوں۔

اَحسِن اِلی النّاس تَستَعبِد قلوبَہم — تم لوگوں سے بھلائی کر کے اُن کے دلوں کو موہ سکتے ہو

فَطَالَما استعبَدَ الاِنسانَ احسان — کیونکہ قدیم سے یہ روایت قائم چلی آ رہی ہے کہ بھلائی انسان کو اپنا غلام بنا لیتی ہے۔

۷۔ آپ کو کبھی صحابہ کے سامنے پیر پھیلا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

لیکن آج کل ہم کسی بات کی پرواہ کیے بغیر ہر وُہ حرکت کر گزرتے ہیں جو انسانی آداب کے خلاف ہو اور اُسے اپنی آزادی کا حق سمجھتے ہیں لیکن اجتماعی زندگی میں آزادی یک طرفہ نہیں ہوتی بلکہ دوستوں اور دوسرے عام لوگوں کے احساسات کی رعایت کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ پس اولاد پر اپنے والدین، اساتذہ اور ہمعصروں کا ادب کرنا ضروری ہے۔ علیٰ ہذا اولاد کی پیروی اور ان کی محبت میں ان طبقوں پر بھی اولاد کے ساتھ تہذیب سے پیش آنے کی رعایت رکھنا لازمی ہے۔

۸۔ آنحضرتؐ اپنے ذاتی کام خود اپنے دستِ مُبارک سے انجام دے لیا کرتے تھے۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ آپ خود اپنے جُوتے گانٹھتے اپنے پھٹے کپڑوں میں پیوند لگاتے۔ اپنا سامان خود اٹھا کر لاتے۔ اپنے گھر میں خود جھاڑو دیتے اور اپنی بکری کو خود دوہتے تھے آپ کا یہ عمل اپنی ذات پر اعتماد کی بنا پر تھا کہ آپ اپنے تمام کام دوسروں کے سہارے کے بغیر خود انجام دیتے تھے اور کیسا بھی کام کیوں نہ ہو اس کے کرنے سے نہ ہچکچاتے تھے۔

پس جب آنحضرتؐ جو تمام مخلوق کے سردار ہیں اور تمام مسلمانانِ عالم اپنے اعضاءِ جسمانی حتیٰ کہ انگلیوں کے پوروں سے بھی زیادہ آپ کے زیرِ نگین و مطیع ہیں اپنے گھر میں خود جھاڑو دیتے ہیں تو کیا کسی اور کی مجال ہے کہ وُہ زندگی کے کاموں میں سے کسی کام کے کرنے سے ناک بھوں چڑھائے اور بیزاری کا اظہار کر سکے۔ علیٰ ہذا کیا گھر کی مالکہ اپنے اور اپنے شوہر اور اولاد کی خدمت سے ناگواری و بیزاری کا اظہار کر سکتی ہے محض اس خیال سے کہ یہ کام اس کے شایانِ شان نہیں ہیں کیونکہ وُہ دولت مند اور خوبصورت ہے۔

دراصل امور کی انجام دہی میں خود اپنی ذات پر بھروسہ کرنا ہی اصل طاقت۔ جوانمردی ترقی اور استقلال کا مظہر ہوتا ہے۔

۹۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم جب کوئی کام کرو تو اُسے اچھی طرح کیا کرو چنانچہ جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی قبر تیار ہوئی تو آپ کو قبر کے ایک طرف ایک پتھر نظر پڑا آپ اُسے فوراً اپنے دست مبارک سے درست کرنے لگے اور فرمایا کہ تم جب کوئی کام کیا کرو تو اسے اچھی طرح کیا کرو کیونکہ یہ میت کے لیے اطمینان وسکون کا باعث ہوتا ہے۔

پس اے مسلمانو عمل محکم اختیار کرو کاموں کو حقیر نہ سمجھو اور خواہ کوئی کام کتنا ہی معمولی ہو اسے ہرگز معمولی خیال نہ کرو۔ کیونکہ علم بھی پختگی کا محتاج ہے۔ صنعت بھی پختگی کی محتاج ہے۔ تجارت بھی پختگی کی محتاج ہے اور وہ نظام جو تہذیب و تمدن کی بنیاد ہے وہ بھی صرف عملی استحکام پختگی سے ہی قائم ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سر تا سر فروگزاشت اور کوتاہی ہے اور ان دونوں سے کاموں میں انحطاط، پیچیدگی اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ آنحضرتؐ کاموں میں اپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ اے پیغمبر اپنے صحابہ سے اپنے امور میں مشورہ لے لیا کیجیے

حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو تمام مخلوق کے سردار، عقل و دانائی میں سب لوگوں سے برتر۔ علم میں سب سے زیادہ فائق رائے اور فکر میں دوسروں کے مقابلہ میں شیر تھے حکم دیا کہ آپ صرف اپنی ذاتی رائے پر عمل نہ کیا کریں بلکہ اپنے صحابہ سے بھی مشورہ کر لیا کریں۔ ضحاکؒ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کی فضیلت جانتے ہوئے بھی آپ کو صحابہ سے مشورہ کی ہدایت فرمائی ہے حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ آپ کو صحابہ سے مشورہ کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کے اسی طریق کار پر عمل کیا کریں اور مومنین بھی اس میں آپ کا اتباع کریں۔ اگرچہ آپ کو اپنے لیے اُن سے مشورہ کی ضرورت نہ تھی معلوم ہوا کہ اپنی رائے پر ہٹ دھرمی سے قائم رہنا اسلامی اصول کے منافی ہے اور تکبر و خود بینی کی دلیل ہے۔ اس کے برعکس مشورہ کرنے سے اپنی کسی کمزوری کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنا دانش مندی، دُور بینی اور اصلاحِ اُمور کی خواہش پر مبنی ہوتا ہے اور اسلام اپنے آغاز سے ہی مشورۂ باہمی کے فوائد کی اہمیت و ضرورت سمجھتا رہا اور اس پر عمل پیرا رہا ہے۔

۱۱۔ آنحضرتؐ اسلامی اصول پر ثابت قدم رہتے تھے۔

سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غور و فکر کرنے والوں پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرتؐ کبھی اسلامی اصول سے سرانگشت برابر بھی نہیں ہٹے اور انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ مشرکوں کی ایذا رسانی برداشت فرماتے رہے اور اشاعتِ دین کی راہ میں کبھی کوئی

آرام نہ پایا بلکہ قریش نے جو مال و دولت اور ملک و حکومت اور منصب و جاہ آپ کو پیش کیا تھا آپ نے اُسے بھی ٹھکرا دیا۔ پھر اپنے اصُول پر جمے رہنے کا کیا انجام ہوا ؟ انجام یہ ہُوا کہ آپ نے مُشرکین کو شکستِ فاش دے دی ان کے شہروں کو فتح کر لیا۔ ان کے بتوں کو مسمار کر ڈالا۔ اور گوشہ گوشہ میں اسلام کو پھیلا دیا اور پُوری امانت و دیانت کے ساتھ اپنے پروردگار کی رسالت کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے اور اپنی ذمہ داریوں کو بہترین طریق پر انجام دینے کے بعد اپنے رب سے جا ملے۔

پس مسلمانوں کو اپنے نبی کریمؐ کے طریق کار پر اعتماد رکھنا چاہیئے اور اپنے تمام کاموں میں آپ ہی کا اتباع کرنا چاہیئے تاکہ دُنیا و آخرت ہر دو کی نعمتوں اور راحتوں سے مالا مال ہو سکیں۔

○

آنحضرتؐ کے معجزات

معجزہ اُس فعل کو کہا جاتا ہے جو عام فطری ورسمی عادت کے خلاف ہو جس پر دوسروں کو چیلنج کیا جا سکے۔ اس کا نام معجزہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ ہر انسان اس جیسا عمل کرنے سے عاجز و قاصر رہتا ہے یہ اس ہستی کی صداقت پر دلالت کرتا ہے جس کے ہاتھوں اس کا ظہور ہوتا ہو۔ اُسے معجزہ کہنے کی شرط یہ ہے کہ رسالت کے مدعی کے ہاتھوں پر اس کے دعوی کے مُطابق ایسے عمل کا ظہور ہو۔ آنحضرتؐ کے بیشتر معجزات متواتر ہیں جنہیں ہر دور میں ایک جماعت نے دُوسری جماعت سے روایت کیا ہے یہ معجزات مسلمانوں کے اجتماعی مواقع پر ان کی محفلوں میں اور اسلامی فوجوں کے اجتماع میں ظاہر ہوئے ہیں اور کسی صحابی سے آج تک نہ ان کے برخلاف کچھ اور ثابت ہو سکا ہے نہ کسی روایت کرنے والے کے قول کی تردید ہی ہو سکی ہے

خود قرآن کریم کے معجزہ ہونے کا بیان

آنحضرتؐ کی نبوت کے دلائل کے منجملہ سب سے بڑی دلیل قرآن کریم کا نزول ہے جس نے عرب کو اس کی فصاحت و بلاغت اور معجز نما ہونے پر چیلنج کیا اور انہیں اس کے مقابلہ اور اس جیسی ایک سورت بھی لانے کی دعوت دی مگر عرب اس جیسی کوئی سُورت بھی نہ لا سکے حالانکہ خود آنحضرتؐ اُمّی (اَن پڑھ) تھے اور قریش بلاغت و فصاحت والے اور شعر گوئی میں ایسے ماہر تھے کہ محفلوں میں برجستہ فصیح و بلیغ کلام کہہ کر سنا دیتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى	اے حضرت محمدؐ ان سے فرما دیجے کہ اگر تمام عالم کے انسان
اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا	اور جنات بھی جمع ہو کر یہ سعی کریں کہ اس جیسا قرآن لا سکیں
يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ	تو وُہ اس جیسا کلام نہ لا سکیں گے اگرچہ سب کے سب
لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝	اس سعی میں ایک دوسرے کی پُوری مدد کیوں نہ کریں۔

قرآنِ کریم کا اعجاز صرف اس کی حسنِ ترتیب اور فصاحت و بلاغت تک ہی محدود نہیں رہا

بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر حکمت و دانائی۔ اخلاق و دینداری۔ قانونِ اسلامی۔ عقلی علومِ عقلیہ گزشتہ قوموں کی تاریخ اور غیبی خبروں پر مشتمل معلومات کے وافر اور انمول ذخائر کا حامل ہے حالانکہ یہ بات عام طور سے معلوم و معروف ہے کہ آنحضرتؐ محض اُمّی تھے لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اہل فصاحت و بلاغت نے اس امر کا اعتراف کر لیا ہے کہ واقعی قرآنِ کریم کسی بشر کا کلام نہیں ہے اور کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ان کے منجملہ عتبہ بن ربیعہ تھے جب اُنہوں نے آنحضرتؐ سے قرآن سُنا تو واپس آکر قریش سے کہا۔"

"واللہ میں نے آج ایسا کلام سُنا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ سُنا تھا۔ خُدا کی قسم نہ وُہ شعر ہے نہ جادُو منتر ہے نہ کہانت (غیب دانی) ہے۔ واللہ جو کلام میں نے حضرت محمدؐ سے سُنا ہے اس کی ایک عظیم شان و شوکت ہو کر رہے گی"۔

ان مُعترفین میں سے ایک ولید بن مغیرہ بھی تھے جو فصاحت و بلاغت میں قریش میں سب سے آگے تھے جب آنحضرتؐ نے ان کے سامنے آیاتِ ذیل تلاوت فرمائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	تحقیق حق تعالیٰ انصاف بھلائی اور قرابت داروں کی
وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ	مالی اعانت کا حکم دیتا اور فواحش۔ ناپسندیدہ افعال اور
الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ	زنا کے ارتکاب سے منع فرماتا ہے وُہ تمہیں نصیحت
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○	فرماتا ہے شاید تم اس نصیحت کو مان لو۔

یہ سُن کر اُنہوں نے آپ سے عرض کیا کہ دوبارہ تلاوت فرمائیے آپ نے پھر تلاوت فرمائی تو وُہ بول اُٹھے کہ واللہ اس کلام میں ایک لطافت و شیرینی اور شگفتگی و برجستگی ہے اس کا ظاہر نتیجہ خیز و ثمر آور ہے اور اس کا باطن سرسبزی و شادابی اور آسودگی و راحت بخشنے والا ہے۔ ایسا کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا یہ کلام بلند ہو کر رہے گا اس پر کوئی غالب نہ آسکے گا۔ یہ سن کر قریش نے کہا کہ ولید اپنے آبائی دین سے پھر گئے واللہ ان کے بعد پُورے کے پُورے قریش بے دین ہو جائیں گے۔

اُدھر حضرت ابوذرؓ کے بھائی انیس جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں بارہ شاعروں سے مقابلہ کیا تھا وُہ آنحضرتؐ کی زبانی قرآن کریم کی آیات سُن کر لوٹے تو کہا میں نے مکّہ میں ایک صاحب

کو دیکھا ہے جو خُدا کے بھیجے ہوئے رسُول ہونے کے مُدّعی ہیں۔ حضرت ابُوذر نے فرمایا تو لوگ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کہا وُہ انہیں شاعر۔ کاہن اور ساحر کہتے ہیں لیکن میں کاہنوں کی باتیں سُن چُکا ہوں اُن کی باتیں اُن جیسی نہیں ہیں۔ میں نے اُن کے اقوال کو اشعار کے اوزان واقسام پر رکھ کر پرکھا ہے لیکن وُہ اشعار کے اوزان ومعیار سے بھی مطابقت نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی کسی اور کے نثر کلام سے ہی مُطابقت رکھتے ہیں۔ بے شک حضرت محمدؐ سچے ہیں اور دوسرے لوگ جھوٹے ہیں۔

حضرت ضماد بن ثعلبہ اسدیؓ آنحضرتؐ سے یہ خطبہ سُن کر اسلام لے آئے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ	تمام تعریفیں صرف اللہ ہی کے لیے ہیں ہم اس کی تعریف
مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ	بیان کرتے اور اسی سے مدد کے طلب گار ہیں جسے خُدا
وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ	ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وُہ
	گمراہ کردے اُسے پھر کوئی راہ راست دکھانے والا نہیں

حضرت عمر بن خطابؓ جو اسلام لانے سے پہلے آنحضرتؐ کے شدید ترین دشمن تھے اپنی ہمشیرہ حضرت فاطمہ بنت خطابؓ کے مکان میں قرآنی آیات پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے تھے جس کا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

علیٰ ہذا حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ جو عرب کے مشہور شاعر تھے جب آنحضرتؐ نے اُن کے سامنے قرآنِ کریم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں تو وُہ کہہ اُٹھے کہ:

" واللہ مَیں نے اِس سے پہلے کبھی نہ اس سے بہتر کلام سُنا ہے نہ اس سے بہتر احکام سُنے ہیں " اور ساتھ ہی مشرف باسلام ہو گئے۔ ہم اُن کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کر آئے ہیں وہاں دیکھا جائے۔

چونکہ عرب اربابِ فصاحت و بلاغت تھے اس لیے اُن کے مُنصف مزاج، قرآنِ کریم سُنتے ہی بغیر کسی مقابلہ انکار اور مخالفت کے فوراً ہی اسلام قبول کر لیتے تھے۔ اس لیے کہ حق و صداقت اسی قابل ہوتے ہیں کہ اُن کی پیروی کی جائے۔ لیکن جن کے دل کھوٹے اور بیمار تھے وُہ لوگوں کو اس اندیشہ کی بنا پر آنحضرتؐ کی تلاوتِ قرآن سُننے سے روکنے کی پُوری کوشش کرتے

تھے کہ کہیں وُہ سُن کر متأثر نہ ہو جائیں اور اسلام قبول نہ کر لیں۔

حضرت ابُو عبیدہ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک دیہاتی نے ایک شخص کو آیتِ ذیل پڑھتے ہوئے سُنا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ۔ تمہیں جو حکم دیا جاتا ہے اُس پر عمل کرو۔

یہ سُنتے ہی وُہ سجدہ میں گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں نے اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کیا ہے۔

اِسی طرح ایک دوسرے دیہاتی نے ایک شخص کو آیتِ ذیل پڑھتے ہوئے سُنا۔

فَلَمَّا اسْتَايْـَٔسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی (حضرت بنیامین کی واپسی سے) ناامید ہو گئے تو الگ ہٹ کر باہم مشورہ کرنے لگے

یہ سُن کر وُہ بول اُٹھا کہ کوئی مخلوق ایسا کلام کہنے پر قادر نہیں ہے۔

یہ صرف چند مثالیں بیان کی گئی ہیں بہر حال قرآن کے معجزات رہتی دُنیا تک باقی رہیں گے ان کے برعکس دوسرے انبیاء کے تمام مُعجزات وقتی طور پر ظاہر ہو کر ختم ہو گئے جنہیں صرف اس وقت کے حاضرین ہی دیکھ سکے۔

حضرت اصمعیؒ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک پانچ یا چھ سالہ کمسن لڑکی کو دیکھا جو یہ کہہ رہی تھی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ ذُنُوبِیْ كُلِّهَا ۔ میں خُدا سے اپنے تمام گناہوں کی مغفرت چاہتی ہوں۔

میں نے اس سے کہا تم تو ابھی چھوٹی ہو کسی بات کی مکلف بھی نہیں ہو پھر کس گناہ کی مغفرت چاہتی ہو اُس نے جواب دیا۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِذَنْبِیْ كُلِّهٖ ۔ میں خُدا سے اپنے تمام گناہوں سے استغفار کرتی ہوں
قَتَلْتُ اِنْسَانًا لِغَيْرِ حِلِّهٖ ۔ کہ میں نے ایک شخص کو بے گناہ قتل کر ڈالا۔ جو آسودہ ہرن
مثل غَزَالٍ نَاعِمٍ فِیْ دَلِّهٖ ۔ کی طرح اپنی آرام دہ کھوری میں سویا ہوا تھا۔ آدھی رات
اِنْتَصَفَ اللَّيْلُ وَ لَوْ اصله ۔ ہونے کو آئی مگر میں نے ابھی تک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی

میں نے اس سے کہا خُدا تجھے غارت کرے کیا ہی فصیح کلام ہے اس نے کہا: کیا آپ حق تعالیٰ کے درجِ ذیل قول کے بعد میرے قول کو فصیح فرماتے ہیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○	ہم نے حضرت موسیٰ کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تم موسیٰ کو دُودھ پلاتی رہو اگر کسی وقت تمہیں ان کی جان کا خطرہ لاحق ہو تو انہیں دریا میں ڈال دینا اور کوئی خوف وخطر کرنا نہ رنجیدہ ہونا۔ یقیناً ہم انہیں پھر تمہیں ہی واپس دلادیں گے۔ پھر انہیں منصب رسالت سے سرفراز فرمائیں گے۔

کیونکہ اس میں حق تعالیٰ نے دو اوامر اور دو نواہی اور دو خبروں اور دو بشارتوں کو یک جا جمع فرمادیا ہے۔ پس دو خبریں " اَن اَرضِعیہِ واَلقِیہ (انہیں دُودھ پلانا۔ اور اُنہیں دریا میں ڈال دینا)، اور دو نواہی ولا تخافی ولا تحزنی (نہ خوف کرنا اور نہ رنجیدہ ہونا) اور دو خبریں"، واوحینا فاذا خفت (ہم نے اُن کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ اگر تمہیں اندیشہ لاحق ہو)

اور ایک قول یہ ہے کہ دو خبریں اور دو بشارتیں یہ ہیں۔

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○	ہم یقیناً اُنہیں پھر تمہیں واپس دلادیں گے اور اُنہیں پیغمبری عطا فرمائیں گے۔

یہ ایک حیثیت سے خبر اور ایک حیثیت سے بشارت ہے۔ بعض کفّار نے قرآن کے مقابلہ کا کلام کہنے کی کوشش کی مگر وُہ مضحکہ خیز اور احمقانہ کلام کہہ سکے اُن کے منجملہ مسیلمہ کذّاب کا قول ہے حالانکہ وُہ پختہ عرب تھا۔ اُس نے کہا ہے۔

یا ضَفدع کو تنقین۔ اعلاکِ فی الماء واسفلُکِ فی الطین۔ لا الماءَ تکدّرین۔ ولا الشُّربَ تمنعین۔	اے مینڈک تو کتنا پاک صاف ہے تیرا اُوپر کا حصّہ پانی میں اور نچلا مٹی میں ہے نہ تُو پانی کو گدلا کرتا ہے اور نہ کسی کو اُسے پینے سے روکتا ہے۔

علیٰ ہذا جب اُس نے حق تعالیٰ کا ارشاد " وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا "

سُنا تو اُس کے مقابلہ میں کہا :۔

وَالزَّارِعَاتِ زَرْعًا وَالحَاصِدَاتِ حَصْدًا وَالذَّارِيَاتِ قَمْحًا وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا	قسم ہے کھیتی کرنے والیوں اور کھیتی کاٹنے والیوں کی اور گندم کو اُڑانے والیوں کی اور چکی پیسنے والیوں کی اور گرِھے

وَالْحَافِرَاتِ حُفَرًا وَالثَّارِدَاتِ ثَرْدًا — کھودتے والیوں کی اور ثرید[1] بنانے والیوں کی اور لقمے
وَاللَّاقِمَاتِ لُقَمًا۔ لَقَدْ فَضَلْتُ عَلٰی — بنانے والیوں کی۔ میں اُون والوں اور چکنی مٹی والوں سے
اهلِ الوبر وما سبقکم اهلُ المدر۔ الخ — جو پہلے گزر چکے ہیں۔ افضل ہُوں۔

ایسے ہی اُس کا ایک کلام یہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِالْحُبْلٰی — کیا تُونے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے حاملہ عورت سے
اَخْرَجَ مِنْ بَطْنِهَا نَسَمَةً تَسْعٰی — کیا مُعاملہ کیا اس کے پیٹ سے ایک دوڑتے ہوئے جاندار
مِنْ بَیْنِ شَرَاسِیْفَ وَ اَحْشَا — کو اس کی آنتوں اور پسلیوں کے درمیان سے باہر نکالا۔

اور بعض اور آدمیوں نے کہا ہے۔

اَلْفِیْلُ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْفِیْلُ لَهٗ ذَنَبٌ — ہاتھی کیا ہے۔ تجھے کچھ خبر ہے ہاتھی کیا ہے اُس کی
وَبِیْلٌ وَمِشْفَرٌ طَوِیْلٌ وَاِنَّ ذٰلِكَ — دُم رسی جیسی ہے اُس کے ہونٹ لمبے ہیں اللہ کی مخلوق
مِنْ خَلْقِ رَبِّنَا لَقَلِیْلٌ۔ — میں اس جیسی مخلوق کم ہے۔

یہ سب وُہ کلام ہیں جن میں نہ کوئی لذّت ہے نہ حلاوت۔ معنی سے بالکل خالی ہیں۔ کوئی صاحبِ ذوق ایسے کلام کو سُننا بھی گوارا نہ کرے گا اور اس کا سننے والا اپنی ہنسی پر بھی قابو نہ پا سکے گا۔

ایک شخص نے سورۂ اخلاص (قل ہو اللہ) کے مقابلہ میں اپنا کلام کہنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا دل دھڑکنے لگا اور دل میں رقت پیدا ہو گئی پس اُس نے اس سے توبہ کر لی۔

ابن مقفع نے بھی قرآن کا مقابلہ کرنا چاہا تھا لیکن اُس پر قادر نہ ہو سکا۔ بالآخر اُس نے قرآن کے اعجاز کا اعتراف کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کا تھوڑا حصّہ ہو یا بہت سب کا سب ہی مُعجزہ ہے۔

قرآنِ کریم میں ان تمام غیبی باتوں کا ذکر پایا جاتا ہے جو پہلے ہو چکیں یا جو آپ کے زمانہ میں ہونے والی تھیں یا جو آپ کے بعد ہونے والی ہیں جیسے حق تعالیٰ نے فرمایا۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ — تم لوگ انشاء اللہ امن و سلامتی کے ساتھ فاتحانہ مسجد
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ — حرام میں داخل ہو جاؤ گے۔

[1] شوربے میں روٹی کے ٹکڑے چور کر کھانے کو ثرید کہا جاتا ہے۔ م

یہ غزوہ حُدیبیہ کے سال سے پہلے کے واقعہ سے متعلق ہے ۔

نیز قول باری تعالیٰ ہے ۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِہِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۝ — قریبی زمانے میں اہل روم مغلوب ہوگئے تھے لیکن وہ مغلوب ہوجانے کے بعد عنقریب چند سالوں کے اندر اندر اپنے مقابل (اہلِ فارس) پر غلبہ پالیں گے ۔

نیز حق تعالیٰ کا یہ قول ہے ۔

لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ — تاکہ اِس دین کو تمام ادیان پر غالب کردے ۔

نیز قول باری تعالیٰ ہے ۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ — بلاشبہ ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔

اور قول حق تعالیٰ ہے ۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ — تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال کیے اُن سے حق تعالیٰ نے یہ وعدہ فرما لیا ہے کہ وہ ضرور انہیں زمین پر اپنا خلیفہ وحاکم مقرر فرمادے گا ۔

نیز قول عزّوجل ہے ۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۝ — اے محمدؐ! جب اللہ کی مدد اور فتح کا وقت آپہنچے

نیز ارشاد ہوتا ہے ۔

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ — اور حق تعالیٰ دشمنوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا ۔

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے صحابہ کو اپنی حفاظت کرنے سے منع فرمادیا یہ آیت آپ کی نبوت کی صحت پر دلالت کرتی ہے ۔ کیونکہ یہ غیب کی خبر سے متعلق تھی کہ دشمنوں کی کثرت تعداد کے باوجود کوئی شخص بھی آپ کے قتل کرنے آپ پر غلبہ پانے اور آپ کو گرفتار کرنے ، غرض کسی بات پر بھی قادر نہ ہوسکے گا ۔

نیز قولِ عزّوجل ہے ۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ○ عنقریب مخالف لشکر شکست کھا کر پچھلے پیروں فرار ہو جائے گا

یہ آیت شریفہ مکہ میں نازل ہوئی جبکہ مسلمان کمزور تھے اس لیے وہ نہ سمجھ سکے کہ یہ کون سی جماعت ہو گی جو شکست کھا جائے گی اور نہ اس آیت کی صحیح مراد سمجھ سکے لیکن جب جنگ بدر کا دن آیا جو اس آیت کے نزول کے سات سال بعد پیش آئی تھی تو آنحضرتؐ نے اپنی زرہ زیب تن کی اور آپ فرماتے جاتے تھے۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ○" حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اس وقت میں نے اس آیت کا مفہوم سمجھا۔

میں اس موقع کی مناسبت سے عالمِ اسلام کے سامنے آنحضرتؐ کے متعلق ایک انگریز دانشور کی رائے پیش کرتا ہوں جس کا نام مسٹر بوسورث ہے اور جو کتاب محمدؐ اور اسلام" کے مؤلف ہیں اس توقع پر کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا اس میں دقّت نظر سے غور و فکر کرے گا اور اس کو ملحوظ رکھے گا کہ یہ شخص مسیحی ہے لیکن وہ منصف مزاج ہے اس کے نفس نے اُسے اس پر مجبور کیا کہ وہ کسی دوسری حیثیت سے آنکھیں بند کر کے صرف اصل حقیقت کو صحیح صحیح بیان کر دے اس کا بیان یہ ہے :

بلاشبہ وہ دائمی معجزہ جس کا حضرت محمدؐ نے دعویٰ فرمایا تھا وہ یہی قرآن کریم ہے اور حقیقت یہی ہے کہ وہ ایسا ہی ہے۔ جب ہم اس زمانہ کے حالات کا اندازہ لگاتے ہیں جس میں آپ حیات تھے اور آپ کے متبعین کے آپ کے بے حد و حساب احترام کا لحاظ کریں اور آپ کی شخصیت کا گرجا کے پوپوں یا قرونِ وسطیٰ کے مقدس اور مقربین خدا عیسائیوں سے مقابلہ کیا جائے تو ہم پر واضح ہو جائے گا کہ حضرت "محمد رسول اللہؐ" کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ آپ نے کبھی از خود معجزات ظاہر کر سکنے کا دعویٰ نہیں کیا اور جو کچھ فرمایا اسے کر دکھایا جسے اُن کے متبعین نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا نیز آپ کے صحابہ نے کبھی آپ کی طرف ایسے معجزات منسوب نہیں کیے جو آپ سے ظاہر نہ ہوئے ہوں یا آپ کی طرف ان کے صدور کی نسبت نامناسب ہو۔ پس آپ کے اخلاص پر اس سے زیادہ یقینی دلیل اور کون سی ہو سکتی ہے ؟

حضرت محمدؐ اپنی آخری عمر تک وہی دعویٰ فرماتے رہے جو آپ نے ابتدائے رسالت میں فرمایا تھا کہ آپ واقعی خدا کے سچے رسول ہیں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ بلند فلسفہ اور سچی مسیحیت بالآخر کسی نہ کسی

دن اس حقیقت کا ضرور اعتراف کر کے رہیں گے"۔

چاند کا دو ٹکڑے ہونا

آنحضرتؐ کے معجزات کے منجملہ شق قمر (چاند کے ٹکڑے ہو جانا) کا معجزہ بھی ہے جس کا قرآنِ کریم نے ذکر فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ قیامت قریب آگئی۔ چاند ٹکڑے ہو گیا مگر کفار جب خدا کی
وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا اس نشانی کو دیکھتے ہیں تو اس سے انکار کر دیتے اور کہہ دیتے
سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو حضرت محمدؐ ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا تھا جس کے متعلق مختلف اسناد سے متواتر و مسلسل احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے اس واقعہ کا ظہور یقینی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے۔

تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ بالفعل قمر ٹکڑے ہو گیا اور اس میں شگاف پڑ گئے اور اس واقعہ کی صداقت پر روایات نے روشنی ڈالی ہے۔

صحیح بخاری میں ایک مشہور حدیث ہے جسے صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ آنحضرتؐ سے اس انشقاق کی آیت کے معجزہ کے متعلق سوال کیا گیا جس پر آپ نے خدا سے عرض کیا تو اس نے چاند کے ٹکڑے کر دکھائے۔ بعض مفسرین نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ عنقریب شق قمر ہو گا لیکن یہ مفہوم بعید از قیاس ہے اس کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ کیونکہ جو اس کے منکر ہیں اور وہ فلسفی لوگ ہیں تو وہ گزشتہ اور آئندہ ہر زمانہ میں اس کے منکر ہیں اور جو اس کے قائل ہیں ان کے لیے کسی قسم کی تاویل کی ضرورت ہی نہیں جو راوی انشقاق قمر کے اس مفہوم کی طرف گئے ہیں (کہ وہ آیندہ ہو گا)، وہ اس لیے اس کے لیے قائل ہوئے ہیں کہ شق قمر کا واقعہ ایک نہایت غیر معمولی واقعہ ہے اگر ایسا ہوتا تو تمام روئے زمین پر ہوتا اور اِس بنا پر اس کی روایت تواتر و تسلسل تک پہنچ جانی چاہیئے تھی۔

ہم کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے قرآن کریم کی مثال پیش کرنے کا چیلنج دیا تھا اور کفار کہتے تھے

کہ ہم اعلیٰ ترین فصیح کلام لا سکتے ہیں مگر وہ قرآن کی مثال لانے سے عاجز رہے تو اس طرح قرآن کریم ہی قیامت تک کے لیے ایک دائمی معجزہ ہو گیا اس کے سامنے کسی دوسرے معجزہ کے پیش کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی اس لیے اہلِ علم نے حدِ تواتر تک اس کے بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور مؤرخین نے اس کے بیان کو نظر انداز کر دیا کہ اکثر معاملات میں نجومی تاریخ کا استعمال کیا کرتے ہیں جب یہ واقعہ ہوا تو مؤرخین نے کہا کہ یہ چاند گرہن ہی کی ایک صورت ہے اور فضائے آسمانی میں چاند کے نصف دائرہ کی ایک شکل ہے اس لیے انہوں نے کتبِ تواریخ میں اس واقعہ کا ذکر ترک کر دیا لیکن قرآنِ کریم سب سے بڑی دلیل اور اس کے ثبوت کی سب سے قوی حجت ہے جس کی بنا پر اس واقعہ کے ظہور میں شک نہیں کیا جا سکتا پھر ایک راست گو اور امانت دار ہستی نے اس واقعہ کی خبر دی ہے اس لئے اس کے وقوع پر یقین کرنا لازمی ہے۔ شقِ قمر کے منکرین کی بات کمینوں اور فاسقوں کی بات ہے اور شقِ قمر اور آسمانوں پر شکست و ریخت کا جواز ثابت ہو چکا ہے جس کا ہم متعدد مرتبہ ذکر کر چکے ہیں اس لئے اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے شہر مدائن میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ آگاہ رہو کہ قیامت قریب آ چکی ہے اور تمہارے نبی کے زمانہ میں (اُس کی علامت کے طور پر) شقِ قمر ہو چکا ہے۔

علامہ زمخشریؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

شقِ قمر کا واقعہ آنحضرتؐ کی نبوت کی نشانیوں اور آپ کے روشن معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ کفار نے آنحضرتؐ کی رسالت کی صداقت پر کسی نشانی کے اظہار کا مطالبہ کیا تھا پس اس کے جواب میں دو مرتبہ شقِ قمر کا ظہور ہوا۔ علیٰ ہذا حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا جس کا ایک ٹکڑہ تو غائب ہو گیا تھا اور ایک باقی رہ گیا تھا۔

حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے غارِ حرا کو چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان میں دیکھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ چاند قیامت کے دن شق ہوگا۔ لیکن قرآنِ کریم

کی یہ آیت۔

وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ جب کفار خدا کی کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو محمدؐ کا جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے

اس کی تردید کرتی ہے اور خود حق تعالیٰ جل شانہ کا قول اس کی تردید کے لیے کافی ہے حضرت حذیفہؓ کی روایت میں "وقد انشق القمر" کے معنی بیان کیے گئے ہیں کہ قیامت کا دن قریب آ گیا ہے اور اس کے قرب کی ایک علامت یہ ہے کہ چاند شق ہو گیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی امیر کے متعلق یہ خبر دینے آیا ہو کہ امیر آنے والے ہیں مگر بوجہ یقین کے وہ یہ کہے کہ امیر تشریف لے آئے ہیں۔ تفسیر طبری میں ہے کہ خدا کے قول " وانشق القمر○" کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "وانفلق القمر" یعنی چاند ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ آنحضرتؐ جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں تشریف فرما تھے تب یہ واقعہ پیش آیا تھا جس کا سبب یہ ہوا تھا کہ کفار مکہ نے آپ سے آپ کی نبوت کی دلیل کے طور پر کسی نشانی کے اظہار کا مطالبہ کیا تھا پس آنحضرتؐ نے اپنے قول کی صداقت اور نبوت کی حقیقت پر دلیل قائم کرنے کے لیے انہیں شق قمر کا معجزہ دکھایا تھا جب آپ نے انہیں یہ دکھا دیا تو وہ منکر ہو گئے آپ کو جھٹلانے لگے اور کہنے لگے۔ کہ یہ تو محمدؐ کا جادو ہے جو وہ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں دراصل محمدؐ نے ہمیں یہ جادو کر کے دکھایا ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○"

اس موضوع پر ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے آثارِ صحابہ میں بھی وہی بیان ہوا ہے اور اہلِ تاویل نے بھی وہی بیان کیا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ نے روایت کی ہے کہ مکہ والوں نے آنحضرتؐ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ انہیں اپنی کوئی نشانی دکھائیں اس پر آپ نے انہیں دو مرتبہ چاند کے ٹکڑے کر کے دکھا دے۔

حضرت عبد اللہؓ سے مروی ہے فرمایا کہ ہم آنحضرتؐ کے ہمراہ مقام منیٰ میں تھے کہ چاند کے ٹکڑے ہو گئے اور اس کا ایک ٹکڑہ پہاڑ کے پیچھے چلا گیا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم

لوگ اس پر گواہ رہو۔

حضرت عبداللہؓ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا اس پر آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا "اے ابوبکر گواہ رہنا۔ مگر کفار نے کہا کہ چاند پر جادو کر دیا گیا ہے اس لیے اس کے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ بخاری شریف کے شارح قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ معجزہ تمام معجزات کی اصل کی حیثیت رکھتا ہے جو دوسرے تمام انبیاء کرام کے معجزات پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات زمینوں سے متجاوز نہیں ہوئے۔ شقِ قمر کا یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل پیش آیا تھا۔

پس شقِ قمر قرآنی صراحت سے ثابت ہے۔ لیکن جس نے کہا ہے کہ شقِ قمر آئندہ ہو گا تو وہ یا تو تمام معجزات حتیٰ کہ قرآن میں بیان کردہ معجزات کا بھی منکر ہے اور یا وہ عربی زبان پر عبور نہیں رکھتا اس لیے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقِرٌّ ۝	جب کفار نے خدا کی نشانی (شقِ قمر) دیکھی تو اس کے منکر ہو گئے اور کہنے لگے یہ تو محمدؐ کا ہمیشہ کا جادو ہے۔ انہوں نے اس نشانی کو جھٹلایا اور اپنی ہی نفسانی باتوں کا اتباع کرتے رہے اور ہر امر ایک وقت معین پر ٹھیرا ہوا ہے

کیونکہ کفار نے پہلے تو آنحضرتؐ سے کوئی نشانی دکھانے کی فرمائش کی پھر جب چاند کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتا دیکھا تو انہوں نے ہٹ دھرمی سے اس کے معجزہ ہونے کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ تو محمدؐ کا ہمیشہ کا جادو ہے۔ اور اگر آیت کا مفہوم یہ ہوتا کہ آئندہ شقِ قمر ہو گا تو اس آیت کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ ۝ اور وہ نشانی جو آپ نے دکھائی تھی وہ یہی شقِ قمر کا معجزہ تھی اور جنہوں نے اسے دیکھ کر بھی اس کے معجزہ ہونے کا انکار کر دیا تھا وہ کفارِ قریش تھے اور انکارِ معجزات ہیں اُن کا یہ دائمی طریقہ تھا۔ شقِ قمر کی حدیثیں تمام اہلِ سُنن مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل امام بیہقی اور بقیہ کتب حدیث کے مرتب کرنے والوں نے بیان کی ہیں۔ نیز اس باب میں ہم اکابر مفسرین کی تفسیر بھی بیان کر آئے ہیں۔

یشیخ حمزہ فتح اللہؒ نے اپنی کتاب (باکورۃ الکلام فی حقوق النساء فی الاسلام) میں بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے لیے چاند کے ٹکڑے ہو جانے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ رہی آیت کی ماضی کی جگہ مستقبل سے تاویل کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ شق قمر تو بالفعل واقع ہو چکا تھا مزید برآں یہ تاویل صحیح اقوال کے بھی خلاف ہے۔

اجنبی جرائد نے اس سلسلہ میں ایک مقالہ شائع کیا ہے جس کا عربی جریدۃ "الانسان العربیہ" نے جو آستانۂ عالیہ سے شائع کیا جاتا تھا اُس کا عربی میں ترجمہ شائع کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ صاحب مقالہ نے ملک چین میں ایک قدیم عمارت دیکھی جس پر لکھا ہُوا تھا کہ یہ عمارت فلاں سنہ میں تعمیر کی گئی تھی جس میں ایک عظیم آسمانی واقعہ یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے والا واقعہ پیش آیا تھا۔

جب مؤلف نے حساب لگایا تو وُہ آنحضرتؐ کے شق قمر کے واقعے کے سال سے بالکل مطابق تھا۔ آپ کے معجزات کے منجملہ انگشت ہائے مُبارک کے درمیان سے پانی کا جاری ہو جانا ہے آپ کی انگلیوں سے پانی کے جاری ہو جانے کی حدیث صحابہ کی ایک جماعت نے بیان کی ہے جن میں حضرت انسؓ۔ حضرت جابرؓ۔ حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ شامل ہیں یہ واقعہ حدیبیہ کے دن اور غزوۂ بواط میں ایک بڑی جماعت کے سامنے پیش آیا تھا مگر کسی ایک صحابی نے بھی اُس کا انکار نہیں کیا۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے وُہ فرماتے ہیں۔ کہ جب آنحضرتؐ مقام زوراء میں تھے تو آپ کے پاس ایک خالی برتن لایا گیا آپ نے اس برتن پر اپنا دست مبارک رکھ دیا جس سے پانی آپ کی انگشتان مبارک کے درمیان سے بہ نکلا۔ پس پُوری قوم نے اس سے وضو کیا" قتادہؓ کہتے ہیں میں نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ تم کتنے آدمی تھے کہا تین سو یا تین سو کے قریب تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ مَیں نے دیکھا کہ نماز عصر کا وقت قریب آگیا تھا اور آنحضرتؐ وضو کے لیے پانی تلاش فرمارہے تھے مگر آپ کو پانی نہ مِل سکا پھر آپ کی خدمت میں وضو کا برتن لایا گیا اس میں آپنے اپنا دستِ مُبارک داخل فرما دیا اور لوگوں سے فرمایا

کہ وضو کر لیں میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ اُبل رہا ہے پھر اس پانی سے لوگ وضو کرنے لگے یہاں تک کہ آخری آدمی تک نے وضو کر لیا۔

کھانے کی فراوانی آنحضرتؐ کی دُعا اور برکت کے طفیل کھانے میں فراوانی کا معجزہ بھی داخل ہے جس کا پہلے چند مرتبہ بیان ہو چکا ہے۔

درخت کے کھمبے کا گریہ وزاری کرنا مسجد نبویؐ کی چھت کھجور کے درختوں کے تنوں پر پڑی ہُوئی تھی۔ جب آنحضرتؐ خطبہ دیتے تو اُن میں سے ایک کھمبے سے ٹیک لگا کر خُطبہ دیا کرتے تھے جب آپ کے لیے منبر تیار ہو گیا تو اس سے یکایک بلبلانے اور رونے کی ایسی آواز بلند ہُوئی جیسے بچّے والی اُونٹنی بچّے کی جُدائی میں بلبلاتی ہے۔ اس آواز کو تمام حاضرینِ مسجد نے سُنا یہاں تک اس کی بلبلاہٹ سے تمام مسجد گونج اُٹھی ساتھ ہی حاضرین بھی اس سے متاثر ہو کر زار و قطار رونے لگے کھجُور کا یہ کھمبا اسی طرح بلبلاتا رہا یہاں تک کہ درمیان سے شق ہو گیا تب آنحضرتؐ منبر سے اُترے اور اُسے اپنی بغل میں دبایا۔ تب وُہ خاموش ہُوا درخت کے کھمبے کی یہ حدیث مشہُور ہے جسے دسیوں صحابہ نے روایت کیا ہے ان راویوں میں حضرات ابی بن کعب۔ جابر بن عبد اللہ۔ انس بن مالک۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس۔ سہیل بن سعید۔ ابُوسعید خدری بریرہ۔ اُمِ سلمہ۔ مطلب بن ابی وداعہؓ وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب نے اسی مضمون کی حدیث بیان کی ہے۔ امام بخاریؒ نے کھمبے والی حدیث حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے نقل کی ہے۔

بیماروں اور زخمیوں کا صحت یاب ہونا ہم بیان کر آئے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت قتادہؓ کی باہر نکلی ہُوئی آنکھ دستِ مُبارک سے اپنی جگہ بٹھا دی تھی اور غزوہ خیبر کے دن حضرت علیؓ کی پُر آشوب آنکھ میں اپنا لعابِ دہن لگا دیا تھا جس سے وُہ فوراً اچھی ہو گئی تھی۔

مسجد اقصیٰ تک راتوں رات تشریف بری پھر آسمانوں کی معراج۔ بوقتِ ہجرت غار میں چھپنے پر اس کے مُنہ پر مکڑی کا جالا تننا۔ سراقہ بن جعشم کے گھوڑے کے پیر زمین میں دھنس جانے کا واقعہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حق میں برکت کی دُعا فرمانا جس کے بعد وُہ بہت دولت مند

ہو گئے علیٰ ہذا آپ کا ثعلبہ کے لیے دولت کی دُعا فرمانا۔ حضرت مُعاویہؓ کے لیئے مُلکوں پر غلبہ کی دُعا فرمانا جس کے بعد انہیں منصبِ خلافت حاصل ہو گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے حق میں مُستجابُ الدّعوات (جس کی دُعا مقبول ہوتی ہو) ہونے کی دُعا فرمانا جس کے بعد اُن کی ہر دُعا قبول ہو جاتی تھی۔

آپ نے نابغہ کے لیئے فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ تیرے دانت نہ گرائے چنانچہ اُن کی عمر ایک سو بیس سال کی ہُوئی مگر اُن کے مُنہ کے دانت نہ گرے تھے۔ کنکریوں کا دستِ مبارک میں آکر تسبیح پڑھنا۔

ایک اُونٹ چرانے والے کا بیٹا بسر نامی اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا کرتا تھا آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھایا کرو اُس نے عرض کیا میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا آپ نے فرمایا خُدا کرے تُو کبھی نہ کھا سکے اس کے بعد سے کبھی اس کا دایاں ہاتھ اس کے مُنہ تک نہیں پُہنچ سکا۔ یہ آپ کے بے شمار معجزات میں سے صرف چند کی فہرست ہے۔

حضرت رافع بن عمیرہؓ کے تذکرہ میں وارد ہے کہ وُہ زمانۂ جاہلیت میں چوری کیا کرتے تھے ایک دن وُہ اپنی بھیڑیں چرا رہے تھے کہ ایک بھیڑیے نے انہیں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی ترغیب دی۔ رافع نے اسی واقعہ سے متعلق اشعار ذیل کہے۔

رعیت الضأن احمیہا بکلبی	میں اپنی بکریوں کو چرا رہا تھا اور اپنے پالتو کُتّے کے
من اللصت الخفی وکل ذیب	ذریعہ چوروں اور بھیڑیوں سے ان کی حفاظت کر رہا
ولما آن سمعت الذئب نادی	تھا کہ میں نے قریب ہی ایک بھیڑیے کو ندا دیتے ہوئے
یبشرنی باحمد من قریب	سُنا کہ وُہ مجھے حضرت احمدؐ کی رسالت کی بشارت سُنا
سعیت الیہ قد شمرت ثوبی	رہا تھا یہ سُنتے ہی میں اپنے کپڑے سمیٹ کر آپ کی
علی الساقین قاصدہ الرکیب	طرف روانہ ہو گیا۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا
فألفیت النبی یقول قولا	تو دیکھا کہ واقعی آپ سچّی بات ارشاد فرما رہے ہیں
صدوقًا لیس بالقول الکذوب	جس میں کچھ جھُوٹ نہیں۔ آپ نے مجھے حقانیت کی
فبشرنی بقول الحق حتّی	بات بتائی۔ یہاں تک کہ شریعت کے اسرار اُس اللہ

تبینت الشریعۃ للمنیب　　کی طرف رجوع ہونے والے پر منکشف ہوگئے میں نے
وابصرت الضیلہ یضئ حولی　　دیکھا کہ نورِ نبوت نے میرے اطراف آگے پیچھے جنوب
امامی ان سعیت ومن جنوبی　　شمال ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیلا دی۔

حضرت رافع رضؓ غزوۂ ذات السلاسل میں شریک ہوئے اور اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ساتھ رہے ان کا واقعہ مشہور ہے۔

آنحضرتؐ کے معجزات کے منجملہ ایک معجزہ حضرت علی رضؓ کے حق میں سردی گرمی کا اثر نہ ہونے کی دعا فرمانا بھی ہے جس کے بعد ان پر ان دونوں کیفیتوں کا اثر نہ ہوتا تھا۔ علیٰ ہذا حضرت ابن عباس رضؓ کے حق میں دینی تفقہ (دینی مسائل کی فہم)، اور علم تاویل کی دُعا فرمائی چنانچہ وُہ متبحر عالم ہوئے حضرت انس رضؓ کے حق میں مال و دولت اور اولاد کی کثرت اور درازیٔ عمر کی دُعا فرمائی چنانچہ اُن کے سو اولادیں ہوئیں۔ سو سال کی عُمر ہوئی اور ان کے کھجور کا باغ سال میں دو مرتبہ پھیلتا تھا۔

حضرت عثمان رضؓ کے حق میں پیشین گوئی فرمائی کہ انہیں ایک عظیمُ الشّان مُصیبت و ابتلاء سے گزرنا ہوگا چُنانچہ ویسا ہی ہُوا۔

○

آنحضرتؐ کی خصوصیّاتؐ

آپ کی خصوصیات میں یہ ہے کہ آپ کے لئے صدقہ کھانا حرام تھا۔ ایسے ہی آپ کے اہل بیت بھی صدقہ نہیں کھاتے تھے علیٰ ہذا لکھنے پڑھنے شعر گوئی کی تعلیم بھی آپ کے لیے حرام تھی۔ دوسروں کا شعر دوہرانا حرام نہیں تھا آپ پر یہ بھی حرام ہے کہ آپ جب اپنی اُمّت کے مفاد کی خاطر دشمن سے جہاد کرنے کو ہتھیار اُٹھائیں تو انہیں اس وقت تک جسم سے علیحدہ نہ کریں جب تک اللہ آپ کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔

اس آخری خصوصیّت میں دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی آپ کے شریک رہے ہیں اور کن انکھیوں سے اشارہ کرنا یعنی ظاہری حکم کے برخلاف کسی مباح قتل کی طرف آنکھوں سے اشارہ کرنا۔ جو آپ کو ناپسند کرے اس سے تعلق قائم کرنا۔ کتابیہ عورت سے نکاح کرنا۔ باندی سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا کیونکہ اس سے زنا سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ آپ کی خصوصیات میں روزہ کی حالت میں شہوت کے ساتھ بوسہ لینے کا جواز بھی داخل ہے چنانچہ آپ روزہ رکھ کر بھی حضرت عائشہؓ کا بوسہ لیتے تھے۔ آپ کے لیے احرام کی حالت میں عقد جائز قرار دے دیا گیا نیز آپ کو اس کی اجازت دے دی گئی کہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے قبل اپنے لیے جس چیز کا چاہیں انتخاب فرمالیں اور کسی خاتون سے مہر کے بغیر عقد فرما سکتے ہیں جیسا کہ حضرت صفیہؓ کا (بغیر مہر ادا کئے) آپ سے عقد ہوا تھا۔ آپ اتفاقیہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو سکتے تھے آپ اپنے علم سے فیصلہ صادر کرنے کے مجاز تھے اگرچہ وُہ فیصلہ خدائی حدود سے متعلق ہو آپ کو بیک وقت ظاہری اور باطنی حکم کو جمع کرنے کی اجازت دی گئی۔

آپ کے لیے شریعت اور حقیقت ہر دو کو جمع کر دیا گیا۔ اس کے برعکس دوسرے انبیائ سابقین کے لیے بیک وقت صرف ایک ہی صورت کی اجازت تھی آپ کے لئے اپنی ذات اور اپنی اولاد کے حق میں خود فیصلہ فرمانا جائز قرار دے دیا گیا آپ جس سے چاہیں ہدیہ قبول فرما سکتے اور غصہ کی حالت میں بھی فیصلہ دے سکتے تھے۔ آپکے لئے مال کی زکوٰۃ نہ ادا کرنا جائز قرار دیا گیا کیونکہ آپ بھی دُوسرے

انبیاء کی طرح تھے کہ اُنکی ذاتی کوئی ملک نہ تھی اور اُنکے پاس جو کچھ مال تھا وہ بھی اللہ کی طرف سے اُن کے پاس ایک امانت تھی جسے وہ اسکے جائز مقام پر صرف کرتے اور بے موقع مصرف سے احتراز کرتے تھے۔ نیز اس لئے کہ زکوٰۃ انسان کو پاک کرنے والی ہے اور حضرات انبیاء کسی قسم کی غلاظت و ناپاکی سے پاک صاف تھے۔

دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں آنحضرتؐ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ نے اپنی وفات کے بعد اپنی ازواج مطہرات کا کسی سے نکاح کرنا ناجائز فرما دیا تھا۔ آپ کی خصوصیات میں آپ کا گناہوں سے معصوم و مبرّا ہونا۔ جمائی نہ لینا اور احتلام نہ ہونا بھی داخل ہیں۔ آپ کے لئے نو سے زیادہ شادیاں جائز فرما دی گئیں حالت احرام میں اور بغیر ولی اور گواہوں کے آپ کو عقد کی اجازت دے دی گئی نیز آپ کو ایجاب و قبول کی بجائے لفظ ھبہ کے عقد کی اجازت دی گئی۔ آپ کو یہ حق دیا گیا کہ جس کی شادی جس سے چاہے اپنی مرضی سے فرما دیں۔ آپ کو حالت جنابت میں مسجد میں جانے۔ آپ کو اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لیئے گواہی دینے کی اور ہر دو کے معاملات میں خود فیصلہ فرمانے کی اجازت دے دی گئی اور آپ کی گواہی دو گواہوں کے مساوی قرار دی گئی۔ آپ کی یہ بھی اہم خصوصیت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السّلام کے خاتم اور آخری نبی ہیں سب سے پہلے آپ روزِ قیامت زمین شق ہو کر نمودار ہوں گے آپ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ سب سے پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔ خُدا نے آپ کی حیات کی قسم کھائی ہے۔ آپ اپنی پُشت کی چیز دیکھ سکتے تھے آپ اندھیرے میں بھی ایسا ہی دیکھ سکتے تھے جیسا روشنی میں۔ سُورج اور چاند کسی کی روشنی میں بھی آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ کبھی مکھی آپ کے جسمِ اطہر پر نہ بیٹھتی تھی۔ آپ کے سامنے آواز بلند کرنا ممنوع تھا۔ علیٰ ہذا آپ کو آپ کے نام سے اور پردے کے پیچھے سے پکارنا آپ کی کنیت پر اپنی کنیت رکھنا اور کسی کو آپ کا وارث قرار دینا ممنوع قرار دے دیا گیا۔

○

غلامانِ رسولؐ

حضرت زید بن حارثہؓ۔ جن کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ تھیں۔ ان کی کنیت ابُواسامہ تھی۔
یہ آنحضرتؐ کے غلاموں میں سب سے زیادہ مشہور اور آپ کے
سب سے زیادہ محبوب تھے۔ یہ زمانۂ جاہلیت میں قیدی بنائے گئے تھے۔ کفار نے انہیں پکڑا اور عکاظ نامی بازار میں لے گئے وہاں انہیں حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کے لیئے خرید کر لیا پھر حضرت خدیجہؓ نے مکہ میں نبوت سے قبل انہیں آنحضرتؐ کو ہبہ کر دیا جبکہ اُن کی عمر آٹھ سال تھی پس آنحضرتؐ نے انہیں آزاد کر کے اپنا متبنیٰ (مُنہ بولا بیٹا) بنالیا۔

حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم انہیں زید بن حارثہ نہیں بلکہ زید بن محمد کے نام سے پکارا کرتے تھے حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ — تم انہیں اُن کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو۔

ان کے والد حارثہ اور ان کے بھائیوں کو جب معلوم ہوا کہ زید مکہ میں ہیں تو وہ ان کا فدیہ ادا کر کے انہیں حاصل کرنے کے لئے مکہ روانہ ہوئے لیکن حضرت زید نے آنحضرتؐ کو ترجیح دی اور آنحضرتؐ سے عرض کیا" آپ میرے باپ اور چچا کے مرتبہ میں ہیں"۔ ان کا یہ تأثر اس لیئے تھا کہ آنحضرتؐ کا اُن سے معاملہ حُسنِ سلوک کا رہا اور انہیں آپ کے پاس بالکل آزادی حاصل تھی چنانچہ اُنہوں نے عرض کیا" میں نے اس ہستی میں وہ باتیں دیکھی ہیں کہ اُن کی بنا پر میں ان پر کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا"۔ اس پر آنحضرتؐ نے انہیں بغل میں دبا لیا اور فرمایا" اے حاضرین آپ گواہ رہیں کہ زید میرے بیٹے ہیں وہ میرے وارث ہوں گے میں اُن کا" اس کے بعد ان کے والد اور چچا مطمئن ہو کر خوش خوش اپنے گھر واپس چلے گئے۔ غلاموں میں حضرت زید سب سے پہلے اسلام لائے آنحضرتؐ نے ان کا عقد حضرت اُمِّ ایمنؓ سے کر دیا جس سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے پھر اُن کا دوسرا عقد حضرت زینب بنت جحشؓ سے کر دیا جو آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں یہ وہی زینبؓ ہیں جن سے آنحضرتؐ نے حضرت زیدؓ کی وفات کے بعد خود عقد فرما لیا تھا۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کسی وحی کو چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ	اور اس وقت کو یاد کیجے جب آپ اس شخص سے جس پر
عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِكْ	خدا نے اپنا فضل و کرم فرمایا تھا اور آپ نے بھی اُن پر
عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰہَ وَ	احسان فرمایا تھا کہ ابھی اپنی بیوی کو روکے رکھو (طلاق
تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ	نہ دو) اور اس بارے میں اللہ کا خوف کرو۔ اس وقت
وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ	آپ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جسے خدا برملا
اَنْ تَخْشٰہُ ؕ الی قولہ تعالیٰ	ظاہر کر دینا چاہتا تھا۔ آپ اس معاملہ میں لوگوں سے خائف
وَكَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا ۝	تھے حالانکہ صرف خدا ہی اس قابل ہے جس سے خوف
	کیا جائے۔ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہا (ایضاً)

کیونکہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضؓ سے عقد فرمایا تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ آپ نے اپنے فرزند کی بیوی سے عقد فرما لیا ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ	حضرت محمد ﷺ تم میں سے کسی کے بھی باپ نہیں بلکہ وہ
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ	تو صرف اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ نے شام کی طرف اسلامی لشکر روانہ فرمایا تو حضرت زید بن حارثہ رضؓ کو اس کا امیر (سپہ سالار) مقرر فرمایا جس کا ذکر ہماری اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کا نام لے کر نہیں بیان فرمایا۔ بجز حضرت زید بن حارثہ رضؓ کے۔

۲۔ شقران۔ وہ اس لقب سے مشہور تھے۔ کہا گیا ہے کہ اُن کا نام "صالح" تھا۔ یہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضؓ کے حبشی غلام تھے پھر اُنہوں نے انہیں حدیبیہ سے واپسی پر آنحضرت کو ہبہ کر دیا تھا پھر آنحضرت ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ یہ اُونٹوں پر عورتوں کو سفر کراتے وقت حدی خوانی[1] کرتے جاتے تھے یہ ایک مرتبہ عورتوں کے سفر میں حدی خوانی کرتے جا رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اے انجشہ ذرا ٹھیر ٹھیر کر حدی خوانی کرو اور اِن کانچ کے آبگینوں (یعنی عورتوں) سے

---

[1] حدی اس گانے کو کہتے ہیں جو اُونٹوں کے سامنے گایا جائے جس سے اُونٹ تیز دوڑنے لگتا ہے۔ م

نرمی و مہربانی کا برتاؤ کرو کیونکہ اُونٹ جب حدی سُنتا ہے تو تیز دوڑنے لگتا ہے جس سے سوار پریشان ہو جاتا ہے اور عورتیں اپنی کمزوری کی بنا پر زیادہ حرکت کی وجہ سے متاثر ہو جاتی ہیں آنحضرتؐ نے اُن کے ضعف کی بنا پر انہیں کانچ کے ظروف سے تشبیہ دی ہے۔

۳۔ حضرت ابو رافع - ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے ان کا نام اسلم بتایا ہے بعض نے ابراہیم اور بعض نے صالح بتایا ہے۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب کا غلام تھا اسلام اہلِ بیت رسولؐ میں داخل ہو چکا تھا چنانچہ حضرت عباسؓ حضرت ام فضلؓ اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عباس اپنی قوم سے ڈرتے تھے اور ان کا خلاف کرنے سے خائف تھے اس لئے اپنے اسلام کو چھپاتے تھے یہ بہت دولتمند تھے ان کی دولت ان کی قوم کے لوگوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابُورافع کو آزاد فرما دیا تھا۔

۴۔ حضرت سلمان فارسی - ان کی کُنیت ابُوعبداللہ ہے یہ اصفہان کے باشندے تھے ہماری اسی کتاب میں ان کے اسلام لانے کے تذکرہ کے سلسلہ میں ان کی زندگی کے واقعات بیان ہو چکے ہیں۔

۵۔ سفینہ کہا گیا ہے کہ یہ فارسی تھے اور مدینہ کے قریب بطن نخلہ نامی گاؤں میں رہتے تھے۔ یہ آنحضرتؐ کی زوجۂ مطہرہ حضرت اُمِّ سلمہؓ کے غلام تھے جنہوں نے انہیں آزاد کر کے یہ شرط لگا دی تھی کہ وُہ حضرت رسُول اللہؐ کی خدمت کیا کریں۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام مہران اور بعض کے نزدیک رومان تھا۔ ان کی کُنیت ابُوعبدالرحمان تھی پھر آنحضرتؐ نے ان کا نام سفینہ رکھ دیا۔ جس کا سبب یہ ہُوا کہ چند صحابہ اپنا سامان بوجھل ہونے کی وجہ سے نہ اُٹھا سکے تھے آنحضرتؐ نے انہیں فرمایا کہ یہ تم اُٹھا کر لے چلو۔ کیونکہ تم تو ایک کشتی ہو چنانچہ یہ وُہ سب سامان خود پر لاد کر لے چلے یہ آنحضرتؐ کے مؤذن بھی تھے اور آپ کے ساتھ غزوۂ بدر و اُحد اور تمام جنگوں میں شریک رہے ہیں۔

۶۔ ابو کبشہ۔ ان کا نام سلیم ہے آنحضرتؐ نے انہیں خرید کر آزاد فرما دیا تھا۔ یہ آنحضرتؐ کے ہمراہ غزوۂ بدر اور دُوسری تمام جنگوں میں شریک رہے ہیں۔ جس روز حضرت عُمر بن خطابؓ

منصبِ خلافت پر فائز ہوئے اُسی روز ان کی وفات ہوئی۔

۷۔ رُوَیفع ابو مُوَیہبہ۔ یہ قبیلہ مزینہ کے مولدین میں سے تھے آنحضرتؐ نے انہیں خرید کر آزاد فرما دیا تھا۔

۸۔ رباح اسود۔ یہ کبھی کبھی آنحضرتؐ کی مؤذنی کے فرائض انجام دیتے تھے

۹۔ فضالہ۔ یہ یمن کے باشندے تھے پھر شام میں آباد ہو گئے تھے اس کے سوا ان کے متعلق اور کچھ بیان نہیں کیا گیا۔

۱۰۔ مِدعَم۔ سیاہ فام غلام تھے۔ حضرت رفاعہ بن زید جذامیؓ نے انہیں آنحضرتؐ کو ہدیہ کر دیا تھا۔ جنہیں آنحضرتؐ نے آزاد فرما دیا انہیں بمقام وادی قریٰ شہید کر دیا گیا تھا۔

۱۱۔ یسارؓ۔ یہ چرواہے تھے اپنے اُونٹ چرا رہے تھے کہ انہیں عرنی قبیلہ والوں نے شہید کر دیا ان کی آنکھیں پھوڑ دیں ان کی میت قباء میں لا کر دفن کر دی گئی۔

سلمہ بن اکوع نے بیان کیا ہے کہ نبی کریمؐ کے ایک غلام یسار نامی تھے۔ آنحضرتؐ نے انہیں اچھی طرح نماز ادا کرتے دیکھ کر آزاد فرما دیا اور انہیں اونٹنیاں چرانے کے لیے مقام حرہ میں بھیج دیا وہ وہیں تھے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں بحالت بیماری حاضر ہوئے کہ ان کے پیٹ بیماری سے بڑھے ہوئے تھے آنحضرتؐ نے انہیں یسار کے پاس بھیج دیا چنانچہ یہ لوگ آنحضرتؐ کی ہدایت کے مطابق اُونٹنیوں کے پیشاب پیتے رہے یہاں تک کہ ان کے پیٹ چھنٹ کر برابر ہو گئے۔ اس کے بعد اُنہوں نے آنحضرتؐ کے چرواہے یسارؓ کو شہید کر دیا۔

۱۲۔ مہران۔ کہا گیا ہے کہ یہ آل ابی طالب کے غلام تھے ان کے نام میں اختلاف ہے۔ حضرت عطاء بن سائبؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت ام کلثوم بنت حضرت علیؓ کے پاس کچھ ہدیہ لے کر حاضر ہوا اُنہوں نے اسے واپس فرما دیا اور فرمایا مجھے آنحضرتؐ کے غلام مہران نے حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ہم آلِ محمد ہیں ہم پر صدقہ حرام ہے"

۱۳۔ مابور۔ یہ خصّی تھے انہیں سلطان مقوقس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ کہا گیا ہے کہ یہی وہ صاحب ہیں جن سے حضرت ماریہ متہم کی گئی تھیں۔ جس پر آنحضرتؐ

نے حضرت علیؓ کو انہیں قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا لیکن حضرت علیؓ نے انہیں خصی دیکھ کر چھوڑ دیا تھا۔

۱۴- سندر- آپ کی کنیزیں۔ اُمّ ایمنؓ۔ امیمہؓ۔ اور سیرینؓ تھیں۔ سیرین وہی ہیں کہ وُہ اور اُن کی بہن ماریہ قبطیہ سلطان مقوقس کی طرف سے آنحضرتؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجی گئی تھیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلطان مقوقس نے ان دونوں کے ہمراہ قلنسر کو بھی آنحضرتؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا یہ بھی ماریہ اور سیرین کی بہن تھیں۔

آنحضرتؐ کے محافظین وپہرہ دار

حق تعالیٰ کی طرف سے جب آیت۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط   اللہ دشمنوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

نازل ہُوئی تو اس سے پہلے آپ کی حفاظت ونگہبانی کرنے والی ایک جماعت تھی جس میں حضرت سعد بن معاذؓ بھی شامل تھے جنہوں نے جنگ بدر کی شب میں آنحضرتؐ کا پہرہ دیا تھا اور دن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پہرہ دیا تھا۔ آنحضرت کو اپنی جھونپڑی میں نیند آگئی تو حضرت ابو بکر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہُوئے آپ کا پہرہ دیتے رہے ایک روایت یہ بھی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ حضرت سعد بن معاذؓ بھی جھونپڑی میں موجود تھے اور دونوں مل کر پہرہ دے رہے تھے حضرت محمد بن مسلمہؓ نے غزوۂ اُحد میں آپ کا پہرہ دیا تھا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ نے غزوۂ خندق میں پہرہ دیا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر پہرہ دیا تھا۔ جس رات آپ نے خیبر کے راستے میں اثناء سفر میں حضرت صفیہؓ سے شب عروسی منائی تھی اس رات کو حضرت ابُو ایوب انصاریؓ نے آپ کا پہرہ دیا تھا۔ حضرت بلالؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ذکوان بن عبد قیسؓ نے بمقام وادی قُریٰ آپ کا پہرہ دیا تھا اور ابن ابی مرثد غنویؓ نے معرکہ حنین کی شب میں آپ کا پہرہ دیا تھا جب کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کیا کوئی شخص ہے جو آج رات کو ہمارا پہرہ دے سکے تو انہوں نے عرض کیا تھا۔ یارسُول اللہ میں پہرہ دوں گا۔ اس پر آنحضرتؐ نے ان کے حق میں دُعائے خیر فرمائی تھی۔

جب آیت (وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ) نازل ہوئی تو آپ نے پہرہ داروں کو چھٹی دے دی۔ حق تعالیٰ کے قول (یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ) سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ خود دشمنوں سے آپ کی جان کی حفاظت فرمائے گا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی جان کو جتنی مصیبتیں اور اذیتیں پیش آئیں گی حق تعالیٰ نے ان سے آپ کے بچاؤ کی ذمہ داری اب اپنے اُوپر عائد فرما لی ہے۔ یہ آیت غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس میں "ناس" سے مراد کفار ہیں۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت سعد اور حذیفہؓ آپ کا پہرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی پس آپ نے چمڑے کی چھولداری سے سرِمُبارک باہر نکالا اور فرمایا اے لوگو اب واپس چلے جاؤ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔ پھر حق تعالیٰ نے آخری عمر تک آپ کی حفاظت فرمائی۔

آنحضرتؐ کے امین

ان میں ایک حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ تھے جو آنحضرتؐ کی ازواجِ مُطہرات کی حفاظت پر مامُور تھے۔ علیٰ ہذا حضرت اَسد بن اُسید ساعدیؓ بھی آپ کی ازواجِ مُطہرات کے نگراں کار تھے اور اہل بدر میں وُہ آخری صحابی تھے جنہوں نے سب کے بعد وفات پائی۔

حضرت بلالؓ مؤذن رسُول اللّٰہ آپ کے اُمورِ خانہ داری کے مہتمم تھے۔ حضرت معیقیبؓ آپ کی مہر مُبارک کے مُحافظ تھے۔

آنحضرتؐ کے شعراء

۱۔ حضرت حسان بن ثابتؓ۔ حضرات عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ۔ آنحضرتؐ کے شعُراء تھے۔ یہ سب شعراء آنحضرتؐ کی حمایت اور دشمن سے مدافعت میں شعر کہتے تھے اور کفارِ قریش کی مذمت کیا کرتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کو آنحضرتؐ کا شاعرِ خاص کہا جاتا تھا یہ انصاری تھے۔ آنحضرتؐ ان کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے تھے جس پر کھڑے ہو کر یہ آنحضرتؐ کی حمایت میں اشعار پڑھتے تھے اور آنحضرتؐ فرماتے جاتے تھے۔ جُب تک حسانؓ اشعار سے رسولؐ اللہ کی حمایت

کرتے رہیں گے تب تک حق تعالیٰ روح القدس (حضرت جبریل ؑ) سے اُن کی تائید و مدد فرماتا رہیگا۔"

حضرت حسان رضؓ حضرت ابو بکر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے قریش کے حسب نسب سے واقفیت حاصل کرتے پھر اشعار میں ان کے انساب کی مذمت نظم کرتے تھے۔ جب قریش نے حضرت حسان رضؓ کے وہ اشعار سُنے تو کہنے لگے کہ یہ وہ اشعار ہیں۔ جن سے ابن ابی قحافہ بھی غیر متعلق نہیں رہے ہیں (انساب کی معلومات کی بنا پر)، ابن سیرین رحؒ نے بیان کیا ہے کہ مشرکین میں سے آنحضرتؐ کی ہجو بیان کرنے کے لئے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب: عبداللہ بن زبعری۔ عمرو بن عاص اور ضرار بن خطاب کو بلایا گیا ادھر مشرکوں کی ہجو کے لئے تین انصاری صحابہ حضرت حسان بن ثابت۔ حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ بلائے گئے۔ پس حضرت حسان اور کعب رضؓ تو معرکہ ہائے جنگ، تاریخ گزشتہ اور فضائل و مناقب میں ان کا مقابلہ کرتے اور ان اُمور پر جو کفار اپنے اشعار میں بیان کرتے تھے یہ شعراء اپنے اشعار میں ان کا تُرکی بہ تُرکی جواب دیتے اور ان کے عیوب و برائیاں بیان کرتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ اپنے اشعار میں انہیں ان کے کفر اور بتوں کی پرستش پر جو نہ سُن سکتے ہیں نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں انہیں شرم غیرت دلاتے تھے۔ پس ان کا کلام کفار کے نزدیک ذرا نرم ہوتا تھا اور حضرت حسان رضؓ اور حضرت کعب رضؓ کا کلام سخت و گراں ہوتا تھا جب یہ حضرات اسلام لے آئے اور دین کو سمجھا تو اس وقت اُن پر منکشف ہوا کہ فی الواقع حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ کا قول زیادہ شدید و گراں تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کی بہن سیرین کو حضرت حسان رضؓ کو ہبہ فرما دیا تھا۔ حضرت حسان رضؓ نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ انہوں نے اپنی عمر کے ساٹھ سال جاہلیت کے دور میں اور ساٹھ سال اسلام کی حالت میں گزارے۔ سن ۴۰ھ سے قبل حضرت علی رضؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ بھی خزرجی انصاری تھے اور قبیلہ بنو عبدالحارث سے تعلق رکھتے تھے ان کی کُنیت ابُو محمد تھی۔ یہ بنو حارث بن خزرج کے نقیب کی حیثیت سے بمقام عقبہ حاضر ہوئے تھے پھر آنحضرتؐ کے ہمراہ غزوات۔ بدر۔ اُحد۔ خندق۔ حدیبیہ۔ خیبر۔ عمرۃ القضا اور دوسرے تمام معرکوں میں شریک رہے ہیں بجز غزوۂ فتح مکہ اور مابعد غزوات کے کیونکہ آپ فتح مکہ

سے قبل ہی شہید ہو چکے تھے۔ آپ غزوۂ موتہ کے سپہ سالاروں میں سے ایک تھے اور ان شعراء میں تھے جو آنحضرتؐ کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی شان میں ان کے درج ذیل اشعار ہیں۔

اِنّی تفرّستُ فیکَ الخیرَ اَعرفُہٗ	میں نے سمجھ لیا اور معلوم کر لیا کہ آپ کی ذاتِ گرامی میں بھلائی
واللہ یَعلَمُ ما اِن خاننی البصَرُ	ہی بھلائی ہے۔ خدا جانتا ہے کہ میری آنکھ نے دھوکہ نہیں کھایا
اَنتَ النّبِیُّ ومَن یُحرَم شفاعَتَہ	آپ یقیناً سچے نبی ہیں جو شخص قیامت کے دن آپ
یومَ الحِسابِ فقد اَزرٰی بہِ القَدَرُ	کی شفاعت سے محروم رہے گا وُہ بہت ہی کم نصیب ہوگا۔
فثبّتَ اللہُ ما اٰتاکَ مِن حَسَنٍ	حق تعالیٰ نے آپ کو جو خُوبیاں عطا فرمائی ہیں آپ کو ان پر
تَثبیتَ موسٰی ونصرًا کالّذی نُصِرُوا	اس طرح ثابت قدم اور قائم فرما دیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرما دیا تھا اور آپ کو فتح و نصرت سے نوازا ہے جس طرح پہلوں کو نوازا تھا۔

یہ سُن کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اے ابنِ رواحہ خدا تمہیں بھی ثابت قدم رکھے پھر وُہ غزوۂ موتہ میں شہید کر دیے گئے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۳۔ حضرت کعب بن مالکؓ خزرجی انصاری تھے یہ بھی بمقام عقبہ حاضر خدمت اقدس ہوئے تھے اُنہوں نے اُحد کے دن زرد رنگ کی زرہ پہن رکھی تھی۔ اس جنگ میں ان کے جسم پر گیارہ زخم آئے تھے یہ بھی آنحضرتؐ کے شعراء میں تھے اور اپنے اشعار سے مُشرکین کو دہشت زدہ مرعوب کیا کرتے تھے۔ ابنِ سیرینؒ کا بیان ہے کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ کعب بن مالکؓ کے ان اشعار سے خوف زدہ ہو کر دوسی قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

قَضَینا مِن تِہامَۃَ کلَّ وِترٍ	ہم نے تہامہ اور خیبر سے ہر مخالف طاقت کا استیصال
وخیبرَ ثمّ اَغمَدنا السُّیُوفا	کر کے تلواروں کو میان میں کر لیا ہے پھر ہم نے تلواروں
نُخَبّرُہا ولو نطقَت لَقالت	سے حقیقت حال معلوم کرنا چاہی اگر ان کے زبان ہوتی
قَواطِعُہُنّ دَوسًا اَو ثَقِیفا	تو وُہ کہہ دیتیں کہ آئندہ وُہ دوس یا ثقیف کے قبائل کو کاٹ کر رکھ دیں گی۔

یہ سن کر دوسی قبیلہ والوں نے آپس میں کہا کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی جانوں کو بچالو ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وُہی مصیبت نازل ہو جو ثقیف پر نازل ہو چکی ہے۔ یہ تینوں شعراء اپنے اشعار کے ذریعہ آنحضرتؐ کا دفاع کیا کرتے تھے اور قریش کی ہجو کرتے اور اُن پر بتوں کی پرستش کی بُرائی کا الزام لگاتے تھے اور خود اپنے انصاری ہونے اور مومنین کی مدد کرنے پر فخر کیا کرتے تھے مہاجرین میں انصار کی طرح ایسے شاعر نہ تھے جو اشعار میں قریش کی مذمت کرتے غالب خیال یہ ہے کہ یہ لوگ اس لئے قریش کی ہجو سے علیحدہ رہے کہ ان کے قریش سے متعدد رشتے اور تعلقات تھے پس وُہ ان سے میدانِ جنگ میں تو لڑتے تھے مگر اشعار میں ان کی ہجو نہ کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کے مؤذنین

یہ حضرت بلالؓ۔ حضرت ابن اُمِّ مکتُوم متوطن مدینہ اور حضرت سعد قرظیؓ تھے (حلبی نے اپنی سیرت میں ان کا ذکر کیا ہے لیکن ابنِ اثیر نے اسدُ الغابہ میں ان کا ذکر نہیں کیا) اور حضرت ابو محذورہؓ ساکن مکہ مکرمہ۔ حضرت زبیر ان کے چچا مصعب حضرت ابن اسحاق اور میبی اس پر متفق ہیں کہ ابو محذورہ کا نام "اوس" تھا۔ آنحضرتؐ نے انہیں ایک مرتبہ اذان کی نقل اتارتے ہوئے سُنا تو آپ کو ان کی آواز پسند آئی آپ نے انہیں پیش کرنے کا حکم دیا چنانچہ یہ اسی دن حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہو گئے آپ نے حنین سے واپسی پر انہیں مکہ میں اذان دینے کا حکم فرمایا چنانچہ یہ مکہ میں برابر اذان دیتے رہے۔ یہ بہت خوش گلو تھے۔ ان کا انتقال ۵۹ھ میں مکہ ہی میں ہوا۔

حضرت بلال بن ابی رباح، حضرت ابُو بکر صدیقؓ کے غلام تھے یہ آنحضرتؐ کے مؤذن خاص اور پہلے اسلام لانے والوں میں تھے انہیں کفّار نے راہِ خُدا میں طرح طرح کی اذیتیں دیں جن کا مفصل بیان اُوپر گزر چکا ہے۔ یہ آنحضرتؐ کی زندگی میں عمر بھر سفر و حضر میں اذان دیتے رہے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دورِ اسلام میں اذان دی۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ کے لئے بھی ایک مرتبہ اذان دی تھی جب حضرت عمرؓ شام تشریف لے گئے تھے اس دن وُہ اس قدر زار و قطار روئے کہ اس سے قبل

کبھی اتنے روتے ہوئے نہ دیکھے گئے تھے۔ جب حضرت بلالؓ شام میں تھے تو انہوں نے آنحضرتؐ کی خواب میں زیارت کی کہ آپ فرما رہے ہیں:

"اے بلال یہ کیا بے وفائی و لاپرواہی ہے کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کے لئے آؤ۔"

جب بیدار ہوئے تو غمگین اُٹھے اور سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ نبی کریمؐ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور وہاں روتے اور مُرغِ بسمل کی طرح زمین پر لوٹ پوٹ ہوتے رہے ادھر سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسین علیہما السلام آنکلے تو وہ فرطِ محبت سے انہیں بوسہ دیتے اور بغل میں دباتے رہے انہوں نے اُن سے فرمائش کی کہ کیا آپ فجر کی اذان دے سکتے ہیں؟ امتثالِ امر میں صبح کو حضرت بلالؓ مسجد کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے لگے جب انہوں نے "اللہ اکبر، اللہ اکبر" کہا تو شہر مدینہ منورہ سامعین کی آہ و بکا سے گونج اُٹھا۔ جب انہوں نے "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ" کہا تو یہ گونج زیادہ شدید ہو گئی جب انہوں نے "اشهد اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللہ" کہا تو عورتیں پردوں سے باہر نکل آئیں۔ حال یہ تھا کہ اس دن جس طرح مرد و زن دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اس سے پہلے کبھی ایسا رقت انگیز منظر دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ حضرت بلالؓ شہرِ دمشق میں ۲۰ھ میں فوت ہوئے اور وہیں "بابِ صغیر" میں دفن کئے گئے ان کی عمر ساٹھ سے کچھ اوپر ہوئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ شہر حلب میں فوت ہوئے اور وہیں "باب اربعین" میں دفن کئے گئے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اُن کا رنگ بہت گہرا سانولا تھا۔ دبلے پتلے طویل قامت۔ کمزور جسم۔ پچکے ہوئے رخساروں والے تھے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت بلالؓ نے اذان کے آخر میں یہ کہا تھا "اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ

آنحضرتؐ کے خدام

مردوں میں آنحضرتؐ کے سب سے زیادہ مشہور خادم حضرت انس بن مالک انصاریؓ تھے یہ آپ کے خادمِ خاص تھے آنحضرتؐ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے وقت سے آپ کے وصال تک دس سال تک برابر آپ کے خدمت گزار رہے سفر و حضر ہر حال میں آپ کی خدمت کرتے رہے سو سے اُوپر عمر پانے کے بعد وفات پائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرتؐ کے مسواک و نعل بردار تھے جب آنحضرتؐ کہیں تشریف لے جانے کے لیئے کھڑے ہوتے تو آپ کو نعلین پہناتے اور جب آپ بیٹھ جاتے تو ہر دو چیزیں آپ کے کھڑے ہونے تک اپنے ہاتھوں میں سنبھالے رکھتے۔ وہ لکڑی لے کر آپ کے آگے آگے چلتے جب تک آپ حجرہ شریف میں داخل نہ ہو جاتے

حضرت معیقیب رومیؓ آپ کی مہر کے محافظ تھے۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ آپ کے خچر کے نگران تھے سفر میں اسے ہانک کر لے چلتے تھے یہ تفسیر معانی قرآنِ کریم اور علمِ فرائض کے عالم تھے فصیح و بلیغ شاعر تھے۔ یہ انصاری تھے۔ حضرت معاویہ کے عہدِ خلافت میں ان کی طرف سے مصر کے گورنر رہے اور وہیں وفات پائی۔ حضرت اسقع بن شریکؓ آپ کی سواری کے نگران تھے۔ حضرت بلال مؤذن خانۂ مبارک کے مصارف کے مہتمم تھے۔ عورتوں میں آپ کی خادمائیں حضرت امۃ اللہ بنت زرینہ۔ حضرت خولہ حضرت حفص بن سعد کی دادی۔ حضرت ماریہ اُمِ رباب اور حضرت ماریہ حضرت مثنیٰ بن صالح بن مہران کی دادی تھیں۔ حضرت ماریہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی آنحضرتؐ کے دستِ مبارک سے زیادہ نرم و گداز کوئی اور چیز نہیں چھوئی۔

آنحضرتؐ کے گھوڑے، خچر اور اُونٹ

آپ کے ذاتی سات گھوڑے۔ چھ خچر۔ دو گدھے اور سواری کے قابل تین اُونٹ تھے

۱۔ آپ کے گھوڑوں میں سے ایک کا نام "السکب" (زیادہ بہنے والا) تھا جسے اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے پانی کی تیز دھار اور بہاؤ سے تشبیہ دی گئی تھی۔ یہ پہلا گھوڑا تھا جو آپ کی ملکیت میں آیا تھا۔ جسے آپ نے ایک دیہاتی سے خریدا تھا اور اس کا نام "الضّرس" رکھا ہوا تھا اس کے چہرہ پر سفید ٹیکا تھا ٹانگوں پر سفیدی تھی صرف دائیں پیر پر سفیدی نہ تھی کمیت رنگ یعنی سیاہی و سرخی کے درمیان رنگ تھا۔

۲۔ آپ کے ایک گھوڑے کا نام "المرتجز" تھا یہ نام اس کی سُریلی ہنہناہٹ کی بنا پر رکھا گیا تھا یہ لفظ رجز سے ماخوذ ہے جو شعر کی ایک قسم کا نام ہے اس کا رنگ سفید تھا۔

۳۔ ایک گھوڑے کا نام "اللحیف" تھا جسے حضرت فروہ بن عمرو نے ملکِ شام کے علاقے

"بلقا" سے آنحضرتؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

۴ - ایک گھوڑے کا نام "اللزاز" تھا جسے سلطان مقوقس نے آپ کو ہدیہ بھیجا تھا۔

۵ - ایک گھوڑے کا نام "الظَّرف" تھا یہ بہت عمدہ اور بہت شریف النّسل گھوڑا تھا۔

۶ - ایک کا نام "الورد" (گلاب)، تھا اس کا رنگ کمیت اور گہرے سُرخ رنگ کے درمیان تھا اسے تمیم داریؓ نے آپ کو ہدیہ کیا تھا پھر آنحضرتؐ نے اسے حضرت عمر بن خطابؓ کو ہدیہ کر دیا تھا۔

۷ - ایک کا نام "سبحہ" تھا یعنی تیز رفتار۔

۸ - کہا گیا ہے کہ آپ کا ایک اور بھی گھوڑا تھا جس کا نام "یعسوب" تھا یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ آپ کے تمام گھوڑوں میں سب سے بہتر تھا۔ (یعسوب شہد کی مکھیوں کے بادشاہ کو کہتے ہیں)

۱ - آپ کے خچروں میں ایک خچر سفید سیاہی مائل تھا جس کا نام "دُلدُل" تھا اسے شاہِ مقوقس نے آپ کو ہدیہ بھیجا تھا۔ دُلدُل اصل میں سیہہ کو کہتے ہیں یہ پہلا خچر تھا جس پر اسلامی دَور میں سواری کی گئی تھی آنحضرتؐ اس پر مدینہ منورہ میں اور دُوسرے سفروں میں سواری فرمایا کرتے تھے یہ طویل عمر تک زندہ رہا یہاں تک کہ اس کے دانت جاتے رہے تھے اس لئے اسے جَو کوٹ کر کھلائے جاتے تھے آخر میں یہ اندھا ہو گیا تھا اس پر حضرت عثمانؓ سواری کرتے رہے پھر آپ کے بعد خوارج سے مقابلہ کے وقت حضرت علیؓ نے اس پر سواری کی تھی۔ حضرت علیؓ کے بعد آپ کے صاحبزادگان حضرت حسنؓ اور پھر حضرت حسینؓ پھر حضرت محمد بن حنفیہؓ نے اس پر سواری کی تھی۔

۲ - ایک خچر کا نام "فِضّہ" (چاندی)، تھا جسے عمرو بن عمرو جذامی نے آپ کو ہدیہ کیا تھا۔ پھر آپ نے اُسے حضرت ابوبکرؓ کو ہدیہ فرما دیا تھا۔

۳ - ایک خچر آپ کو کسریٰ شہنشاہِ ایران نے ہدیہ بھیجا تھا۔

۴ - ایک خچر "دومۃُ الجندل" سے آیا تھا۔

۵ - ایک خچر نجاشی شاہِ حبشہ نے بھیجا تھا۔

آپ کے گدھوں میں سے ایک کا نام "یعفور" تھا جس کا رنگ سفید سیاہی مائل تھا یہ حجۃ الوداع کے سال مر گیا۔

١ - آپ کے اُونٹوں میں آپ کی سواری کی ایک اُونٹنی کا نام "القصوٰی" تھا یہ وُہی اُونٹنی تھی جسے آپ نے حضرت ابُوبکرؓ سے خریدا تھا اور اِسی پر سوار ہو کر ہجرت فرمائی تھی۔

٢ - ایک اُونٹنی کا "جدعاء" تھا۔

٣ - ایک کا نام "عضباء" تھا یہی وُہ اُونٹنی تھی کہ تیز رفتاری میں کوئی اُونٹ اس سے آگے نہ جا سکتا تھا۔ کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد اُس نے صدمہ سے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ اِسی صدمہ میں مر گئی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ تینوں نام ایک ہی اُونٹنی کے تھے۔

آنحضرتؐ کے ہتھیار

آنحضرتؐ کے پاس نو تلواریں سات زرہیں۔ پانچ کمانیں۔ تین ڈھالیں۔ دو بڑے نیزے پانچ چھوٹے نیزے اور دو خَود تھے۔

آپؐ کی تلواروں کے نام

١ - ایک کا نام "ماثور" تھا یہ آپ کو اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی جسے آپ مدینہ منوّرہ اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

٢ - ایک کا نام "العضب" تھا یعنی کاٹنے والی۔ جب آنحضرتؐ غزوہ بدر کے لیے تشریف لے چلے تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے یہ تلوار آپ کی خدمت میں بھیجی تھی۔

٣ - ایک کا نام "ذوالفقار" تھا یہ تلوار عاص بن وائل کی تھی جو جنگِ بدر میں مالِ غنیمت میں حاصل ہوئی تھی اس کے درمیان میں کچھوے کی پیٹھ جیسے خراشے تھے یہ تلوار ہر جنگ میں آپ کے ساتھ رہتی تھی۔

٤ - ایک کا نام "الصمصامہ" تھا یہ عمر بن معد یکرب کی تلوار تھی پھر آنحضرتؐ نے یہ تلوار حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ کو یمن کا گورنر مقرر فرماتے وقت بطور ہدیہ عطا فرما دی تھی

٥ - ایک کا نام "القلعی" تھا یہ ایک دیہاتی مقام "برج قلعہ" کی طرف منسوب تھی۔

۶ - ایک کا نام "حیف" تھا جس کے معنی موت کے ہیں۔

۷ - ایک کا نام "الرّسُوب" تھا یعنی یہ اندر تک گھُس جاتی اور اچھی طرح کاٹتی تھی۔ یہ اُن نو تلواروں میں سے ایک تھی جنہیں ملکۂ سبا بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں تحفةً بھیجا تھا۔

۸ - ایک کا نام "المخذم" یعنی کاٹنے والی تھا۔ یہ دونوں تلواریں قبیلۂ طے کے بُت غلس نامی پر لٹکی ہُوئی ملی تھیں۔

۹ - ایک کا نام "القضیب" تھا جس کے معنی کاٹنے کے ہیں۔

آنحضرتؐ کی زرہوں کے نام

۱ - آپ کی ایک زِرہ کا نام "ذات الفضُول" تھا یہ نام اس لئے تھا کہ یہ لانبی تھی۔ جب آنحضرتؐ غزوۂ بدر کے لئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے یہ زرہ آپ کی خدمت میں بھیجی تھی یہ لوہے کی تھی۔ یہی وُہ زرہ تھی جسے آنحضرتؐ نے تیس صاع[1] جَو کے بدلے میں ابُوشحم یہودی کے پاس رہن رکھا تھا۔ یہ قرض ایک سال کے لئے تھا۔

۲ - ایک زرہ کا نام "ذاتُ الوِشاح" تھا۔

۳ - ایک کا نام "ذاتُ الحواشی" تھا۔

۴ - ایک کا نام "السّغدیہ" تھا۔ السغد ایک مقام کا نام تھا جہاں زرہیں تیار کی جاتی تھیں اور بقول بعض اس مقام کا نام "السغدیہ" تھا

۵ - ایک کا نام "الفِضّہ" تھا یہ قبیلۂ بنو قینقاع کی زرہ تھی۔

۶ - ایک کا نام "البتراء" تھا یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ وُہ چھوٹی تھی۔

۷ - ایک کا نام "الخرِنق" تھا یہ نام اس کی نرمی و نزاکت کی بنا پر رکھا گیا تھا۔

آنحضرتؐ کی کمانوں کے نام

۱ - آپ کی ایک کمان کا نام "البیضاء" تھا۔ یہ ایک پہاڑی درخت کی لکڑی سے بنی ہُوئی تھی جس کی عام طور سے کمانیں بنائی جاتی تھیں یہ بنو قینقاع کے اسلحہ سے ہاتھ آئی تھی۔

---

[1] ایک صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے اس طرح جَو کا کل وزن تقریباً اڑھائی من ہوتا ہے۔ م

۲۔ ایک زرہ کا نام "الروحار" تھا۔
۳۔ ایک کا نام" الصفراء" تھا۔ یہ نبع نامی درخت کی لکڑی کی بنی ہوئی تھی جس سے کمانیں اور اس کی شاخوں سے تیر بنائے جاتے تھے۔ یہ جنگ اُحد میں ٹوٹ گئی تھی۔
۴۔ ایک کا نام" الزّورا" تھا۔ اسے" الکتوم" بھی کہا جاتا تھا۔ کیونکہ جب اس سے تیر پھینکا جاتا تھا تو اسکی آواز دھیمی رہتی تھی۔ کہا گیا ہے یہی وہ کمان تھی جس کا ایک سرا جنگ احد کے دن کچل کر ٹوٹ گیا تھا۔
۵۔ ایک کمان کا نام" السداد" تھا۔

آنحضرتؐ کی ڈھالیں

۱۔ آپ کی ایک ڈھال کا نام" الالزلوق[1]" تھا کیونکہ ہتھیار اس پر سے پھسل جاتا تھا۔
۲۔ ایک کا نام" فُتُق" تھا۔
۳۔ ایک زرہ بچھو یا مینڈھے کی صورت کی تھی۔ یہ آنحضرتؐ کو پسند نہ آئی۔ اس لئے خُدا نے اسے غائب ہی کر دیا۔
ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے اس پر دستِ مُبارک رکھا ہی تھا کہ غائب ہوگئی۔

آنحضرتؐ کے نیزوں کے نام

۱۔ ایک کا نام" المثنّٰی" تھا۔
۲۔ ایک کا نام" المثوی" تھا۔ یہ ثوی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ٹھہرنا۔ یہ نام اس لئے پڑا کہ جس پر اس سے وار کیا جاتا وہ اپنی جگہ ٹھہر کر رہ جاتا تھا، ہل نہ سکتا تھا۔

آنحضرتؐ کے چھوٹے نیزے

۱۔ ایک نیزے کا نام" النبعہ" تھا۔
۲۔ دُوسرے کا نام" البیضاء" تھا۔
۳۔ ایک چھوٹا نیزہ تھا جو پستہ قد والے کے مُشابہ تھا۔ اس کا نام" العنزہ" تھا۔ کہا گیا ہے کہ اسے حضرت زبیرؓ حبشہ سے لائے تھے جسے نجاشی نے انھیں عطا کیا تھا اور اس سے انھوں نے نجاشی کے سامنے اس کے ایک دشمن پر حملہ کیا تھا۔ جس سے نجاشی نے اپنے دشمن پر غلبہ

---

[1] زلق کے معنی ہیں بہت پھسلنے والا۔ م

پالیا تھا۔حضرت زبیرؓ اسے لے کر غزوۂ بدر، اُحد اور خیبر میں شریک ہوئے تھے۔پھر خیبر سے واپسی پر آنحضرتؐ نے ان سے اُسے لے لیا تھا جسے آپ عید کے دن اپنے سامنے رکھتے تھے۔اسے حضرت بلالؓ اُٹھا کر چلتے اور آپ کے سجدہ گاہ کے سامنے گاڑ دیتے تھے۔جسے سترہ[1] بنا کر آنحضرتؐ نماز ادا فرماتے تھے۔اسی طرح آپ اپنے سفر کے اثنا میں بھی اس سے سترہ کا کام لیتے تھے اور چلتے وقت اسے ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے۔

۴۔ ایک کا نام "المہر" تھا۔

۵۔ ایک کا نام "النمر" تھا۔

آنحضرتؐ کے خود

خود، خودہ کی جمع ہے۔یہ لوہے کی بنی ہوئی سر کی ٹوپی ہوتی ہے (جسے جنگ میں اوڑھا جاتا ہے)

پس آپ کے ایک خود کا نام "المُوشّح" تھا۔

اور ایک کا نام "السّبُوغ" یا "ذات السّبُوغ" تھا۔

○

[1] نماز کے سامنے کوئی آڑ رکھ دینے کو سترہ کہا جاتا ہے جس کے بعد کسی کا سامنے سے گزرنا جائز ہوتا ہے۔م

حق تعالیٰ کا اپنے رسولؐ کو ادب سکھانا

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "حق تعالیٰ نے میری ادبی و اخلاقی تربیت فرمائی اور بہت اچھی تربیت فرمائی"۔

قرآن کریم میں ایسی متعدد آیتیں موجود ہیں جس میں آنحضرتؐ کی اخلاقی تربیت کی گئی ہے۔ آنحضرتؐ ان آیات کو یاد فرماتے اور ان پر عمل فرماتے تھے۔ ممنوعہ برائیوں سے اجتناب فرماتے اور ماموره اعمال پر عمل فرماتے۔ اگرچہ آپ معصوم تھے۔ پھر بھی حق سبحانہ' و تعالیٰ آپ کی حفاظت فرماتا۔ آپ کو نصیحت فرماتا قابلِ عمل امُور کا حکم دیتا۔ قابلِ ممانعت چیزوں سے منع فرماتا۔ کسی لغزش بشری پر آپ پر عتاب فرماتا۔ اور آپ کو راہِ مستقیم کی ہدایت فرماتا۔ آپ کو ہر امر کی بصیرت عطا فرماتا تھا۔ پس حق تعالیٰ نے آپ کو اخلاقی اعتبار سے مہذب و شائستہ بنا دیا تھا۔ آپ کو نیک ہدایت دینے کی طرف اپنی خاص عنایت مبذول فرمائی تھی اور دوسری طرف آنحضرتؐ پوری تدقیق کے ساتھ خدائی احکام کی پیروی کرتے اور اس کی ممنوعہ افعال سے احتراز کرتے۔ پابندی سے اللہ کی فرمانبرداری کرتے تھے۔ ان باتوں نے آپ کو تمام مخلوق کا سردار اور تمام بنی نوع انسان کا رہبرِ اعظم بنا دیا تھا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے آپ کی تعریف میں فرمایا ہے:۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ بلاشبہ آپ عظیم الشان اخلاقی مقام پر فائز ہیں۔

یہ وہ تعریف ہے جس سے زیادہ اور کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔

خود آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ میں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق عالیہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دوں۔

آپ واقعی ان اخلاقِ فاضلہ کے مجسم نمونہ تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اللہ کی تعلیم و تربیت سے ہی اس عظیم الشان مرتبہ تک پہنچے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ حق تعالیٰ نے ہی رسول اللہؐ کو راہِ خدا کی دعوت، مخلوقِ خدا کی ہدایت، لوگوں میں عدل و انصاف کے قیام اور معاملات میں اپنے صحابہ سے مشورہ لینے کے طریقے بتائے۔ نیز آپ کو اس کی تعلیم دی کہ آپ لوگوں کی ایذا رسانیوں پر صبر فرمائیں۔ برائی کرنے والے سے درگزر

فرمائیں۔ بھلائی کرنے والے سے اچھا سلوک فرمائیں۔ لوگوں سے کس طرح خطاب فرمائیں۔ کس طرح ان سے مناظرہ و مقابلہ فرمائیں۔ قرآنِ کریم میں یہ تمام تعلیمات مختلف مناسبتوں سے متعدد مواقع پر مذکور ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان اوامر و نواہی میں سے کسی امر کو بھی نہیں چھپایا۔ اس طرح آپ پر جو احکامِ وحی کے ذریعہ نازل ہوتے رہے ہے۔ آپ ان کو بعینہٖ لوگوں تک پہنچانے میں امین ثابت ہوئے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقعہ پر ان آیتوں کو بیان کروں جن کے ذریعہ حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی اخلاقی تربیت فرمائی ہے تاکہ تمام مسلمان ان میں غور و فکر کر سکیں۔ ان میں بعض آیات صرف آنحضرتؐ کے لئے خاص ہیں اور بعض تمام مومنوں کے لئے عام ہیں۔

مشورہ کا حکم

حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اپنے صحابہ سے مشورہ لینے کی ہدایت فرمائی ہے۔ سورت آل عمران میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ — آپ معاملات میں صحابہ سے مشورہ فرمالیا کریں۔

پس اسلامی شریعت سب سے پہلی شریعت ہے جس نے مشورہ کا حکم دیا ہے۔ اس سے پہلے جو سلاطین ہوتے تھے وہ اپنی رعایا سے ظلم و خودرائی کا معاملہ کرتے تھے اور ان سے مشورہ کرنا اپنے لئے ضروری نہ سمجھتے تھے۔

آنحضرتؐ کو اگرچہ صحابہ سے مشورہ کی کچھ حاجت نہ تھی لیکن اس کے باوجود آپ کو مشورہ کرنے کا حکم دینے میں یہ مصلحت مضمر تھی کہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے سلسلہ میں دوسرے لوگ بھی اس حکم کا اتباع کیا کریں اور آپ کی اُمت میں یہ مسنون طریقہ جاری ہو جائے۔

یتیم و سائل کا بیان

حق تعالیٰ نے سورۃ والضحیٰ میں فرمایا ہے:-

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ — یتیم پر ظلم نہ کیجئے۔ کسی سائل کو نہ جھڑکئے اور اپنے پروردگار کی نعمت کا اعتراف کیجیے۔

یعنی یتیم سے ترشروئی سے پیش نہ آیئے بلکہ اس سے ایسا ہی بہتر برتاؤ کیجیے جیسا میں نے آپ سے کیا ہے۔

روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرتؐ حضرت خدیجہؓ کے فرزند پر غصہ ہوئے تھے۔ لَاتَنْهَرْ کے معنی ہیں نہ جھڑکئے۔ اس سے بغیر کسی تخصیص کے ہر سائل مراد ہے۔ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فقراء کے معاملہ میں تین مواقع پر آنحضرتؐ پر عتاب فرمایا ہے۔

ان میں سے ایک کا واقعہ یہ ہے کہ آپ تشریف فرما تھے کہ حضرت عثمانؓ آپ کی خدمت میں کھجور کے چند خوشے لے کر حاضر ہوئے اور وہ آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ آپ نے کھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ دروازہ پر ایک سائل نے عرض کیا۔ اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو ہم پر رحم کرے۔ آپ نے وہ خوشے اس سائل کو دے دینے کا حکم فرمایا حضرت عثمانؓ کی خواہش یہ تھی کہ خود آنحضرتؐ نوش فرمائیں۔ اس لئے انھیں یہ معاملہ ناگوار گذرا۔ انھوں نے باہر نکل کر اس سائل سے وہ خوشے خرید کر پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ سائل نے واپس آکر پھر سوال کیا۔ یہ عمل تین مرتبہ ہوا۔ ہر مرتبہ آنحضرتؐ اسے دے دیتے تھے۔ حتیٰ کہ آنحضرتؐ نے اس سے سوال فرمایا۔ "کیا تم سائل ہو یا تاجر؟" اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ — آپ کسی سائل کو نہ جھڑکئے۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ آپ تشریف فرما تھے اور آپ کے اطراف رؤسائے قریش جمع تھے کہ نابینا ابن امِ مکتومؓ حاضر ہوئے اور لوگوں کی گردنوں پر سے پھلانگتے ہوئے آنحضرتؐ کے سامنے جا بیٹھے اور عرض کیا۔ "اللہ نے آپ کو جو کچھ سکھایا ہے وہ مجھے بھی بتا دیجئے۔" یہ بات آنحضرتؐ کو ناگوار گذری اور آپ نے منقبض ہو کر ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ (اس پر آیت عَبَسَ وَتَوَلّٰی نازل ہوئی۔)

تیسرا واقعہ یہ ہوا کہ قریش نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ مناسب ہوتا اگر آپ ہمارے لئے ایک الگ مخصوص نشست رکھتے اور فقراء کے لئے علیحدہ۔ آپ نے ایسا کرنے کا قصد ہی فرمایا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی:۔

اِصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

صبر و عبادت کا بیان

حق تعالیٰ نے سورۂ دہر میں فرمایا ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ	پس آپ اپنے رب کے حکم پر قائم رہیئے اور ان میں سے کسی
اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ	فاسق یا کافر کا کہنا نہ مانیئے اور صبح و شام اپنے رب کے نام
بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ	کا ورد کیا کیجئے۔ رات کو اس کی عبادت کیا کیجئے اور بڑی رات

لَہٗ وَسَبِّحْہُ لَیۡلًا طَوِیۡلًاO گئے تک اس کی تسبیح کیا کیجیے یعنی تہجد پڑھا کیجیے)۔

حق تعالیٰ نے تمام معاملات میں آنحضرتؐ کو صبر و استقامت اختیار کرنے اور عبادتوں، اطاعتوں اور پیغامِ رسالت کے ادا کرنے میں مشقتوں کی برداشت کا حکم دیا۔ نیز یہ کہ کفار اور گنہگاروں کی اطاعت نہ کی جائے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ لوگ اس کے محتاج ہیں اور انھیں مسلسل تنبیہ اور ہدایت کی جاتی رہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ آپ صبر اختیار کیجیے جس طرح پہلے اولوالعزم انبیاء صبر کرچکے ہیں

معیُوب افعال کو ترک کر دینے کا حکم

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ" رجز قبیح اور غلیظ چیز کو کہا جاتا ہے۔ وہ رجس ناپاک کے ہم معنی ہیں۔ پس "وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ" اخلاقِ فاضلہ کے پیدا کرنے کے لئے ایک جامع کلام ہے۔ گویا ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ کمینگی، درشتی و ترش روئی اور ہر بُری عادت کو ترک کر دیں اور ان مشرکوں کے اخلاق و عادات اختیار نہ کریں جو خبیث و بُرے خصائل کو اپنائے ہوئے ہیں اور مراد یہ ہے کہ ترکِ خباثت پر مداومت کی جائے۔ نیز فرمایا: "وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ" یعنی ان پر مشقت اعمال کے کرنے پر اپنے رب پر احسان نہ جتائیں۔

حلال کو حرام کر لینے کی مُمانعت

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے سورت تحریم میں فرمایا ہے :-

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ اے نبیؐ! اللہ نے جس چیز کو آپ کے لئے حلال فرمایا ہے آپ

لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ؕ وَ اسے اپنے لئے حرام کیوں کرتے ہیں؟ کیا آپ اپنی بیویوں کی

اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌO خوشنودی چاہتے ہیں، اللہ بہت بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔

حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اپنی ازواج مطہرات کی خوشنودی کے لئے حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کو منع فرمایا ہے۔

"تفسیر کشاف" میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ کی باری میں حضرت ماریہ سے تخلیہ فرمالیا۔ حضرت حفصہؓ کو اس کا علم ہوگیا اس لئے آپ نے ان سے فرمایا کہ میرا یہ راز چھپائے رکھنا۔

میں نے اس لغزش کے عوض آج سے ماریہ کو اپنے اُوپر حرام کر لیا ہے اور تمھیں خوشخبری سُناتا ہوں کہ میرے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ میرے خلیفہ ہوں گے۔ لیکن حضرت عائشہؓ و حفصہؓ میں باہم دوستی تھی۔ اس لئے حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی۔

ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت حفصہؓ کی باری میں حضرت ماریہ سے تخلیہ فرمایا تھا۔ اس لئے اپنی مذکورہ بات سے انھیں راضی کرنا چاہا تھا اور ان سے رازداری کی خواہش فرمائی تھی لیکن انھوں نے رازداری نہ رکھی۔ اس پر آپ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی اور اپنی تمام ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی اور انتیس دن تک حضرت ماریہ ہی کے مکان میں مقیم رہے۔

ایک روایت ہے کہ اس واقعہ پر حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ اگر خطاب کے خاندان میں کوئی بھلائی ہوتی تو آنحضرتؐ تمھیں طلاق نہ دیتے۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السّلام نے حاضر خدمت ہو کر آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ آپ حضرت حفصہؓ کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لے لیں۔ اس لئے کہ وہ صائم الدہر و عابدۂ شب زندہ دار ہیں اور وہ جنت میں آپ کی ازواج میں سے ایک ہوں گی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے انھیں طلاق نہیں دی تھی بلکہ طلاق کا مصنوعی بہانہ بنایا تھا۔

ایک روایت ہے کہ آپ نے ایک دن حضرت زینب بنت جحشؓ کے مکان میں شہد پیا تھا۔ اس پر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ نے ایکا کر کے آپ سے عرض کیا کہ ہمیں مغافیر[1] کی بو آرہی ہے۔ آنحضرتؐ کھانے کے بعد کسی کھانے کی چیز سے نُقل کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ اس پر آپ نے اپنے اُوپر شہد کو حرام فرما لیا۔ پس کلام خداوندی کے یہ معنی ہوئے کہ "اللہ نے جو چیزیں آپ کے لئے حلال فرمائی ہیں یعنی باندی اور شہد، آپ انھیں اپنے اُوپر کیوں حرام فرماتے ہیں۔"

مسروق نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی اُمِّ ولد[2] کو اپنے اوپر حرام فرما لیا تھا اور حلف اُٹھا لیا تھا کہ آئندہ سے اسکے نزدیک نہ جائیں گے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں آپ سے کہا گیا کہ جسے آپ نے اپنے لئے حرام کر لیا ہے وہ آپ کے لئے حلال ہے اور آپ نے جو قسم کھائی تھی اس پر اللہ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا فرض فرما دیا۔

---

[1] یہ ایک قسم کا گوند ہے جو درخت سے ٹپکتا ہے۔ اس کا مزہ شیریں ہوتا ہے البتہ بدبودار ہوتا ہے اسے کھایا جاتا ہے۔ م

[2] اُمِّ ولد وہ باندی کہلاتی ہے جس سے اس کے آقا کی اولاد پیدا ہو گئی ہو۔ م

امام شعبی کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے اوپر حرام کر لینے کے ساتھ قسم بھی تھی۔ پس حرام کرنے پر تو آپ کو تنبیہ فرمادی گئی اور قسم کے کفارہ کی ادائی کا حکم دیا گیا۔ حق تعالیٰ کے اس ارشاد میں یہی مراد ہے :۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ — اللہ تعالیٰ نے تم پر قسم کھانے کا کفارہ فرض فرما دیا ہے۔

خدا کا قول "لِمَ تُحَرِّمُ" استفہام انکاری ہے اور خدا کا انکار فرمانا نہی کے درجہ میں ہے۔ حلال کو حرام کر لینا مکروہ ہے۔ حلال صرف خدا ہی کے حرام کرنے سے حرام ہو سکتا ہے۔ اس تحریم سے مراد یہ ہے کہ آپ ازواجِ مطہرات سے متمتع ہونے سے رک گئے تھے۔

جاہلوں سے درگزر اور کنارہ کشی اختیار کرنے کا بیان

حق تعالیٰ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے :۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ○ — آپ معافی و درگزر کا طریقہ اختیار کیجیے۔ لوگوں کو نیکوکاری کی ہدایت کیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیجیے۔

لغت میں عفو کے معنی ہیں کسی کے گناہ پر درگزر کرنا اور اس پر سزا نہ دینا۔ اس کے اصلی معنی مٹا دینے کے ہیں۔ جو شخص کسی سزا کا مستحق ہو لیکن تم اس کی سزا موقوف کر دو تو تم نے اسے معاف کر دیا اور اس کی غلطی سے درگزر کیا۔ حق تعالیٰ کے ارشاد "خُذِ الْعَفْوَ" سے مراد وہ اخلاقی فضیلت ہے جو بے تکلف سرزد ہوتی ہو۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں سے ان کے وہ اخلاق قبول کر لیجیے جو ان سے سہولت سے سرزد ہو سکیں۔ ان سے تمام اخلاق کے احاطہ کا مطالبہ نہ کیجیے۔

حضرت ابن زبیرؓ کی حدیث میں وارد ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو لوگوں کی اخلاقیات میں عفو و درگزر کے برتاؤ کا حکم دیا ہے جو آسان و سہل ہوں یعنی آپؐ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کے ممکنہ اخلاق کو ہی گوارا فرمائیں اور آسان و سہل العمل اخلاق کو قبول فرمائیں۔ ان سے جملہ اخلاقیات کے احاطہ کی پابندی کا مطالبہ نہ کریں۔ ان سہل و غیر متشددانہ اخلاق میں وہ اعمال بھی داخل ہیں جو مالی حقوق سے متعلق ہوں اور ان ہی میں لوگوں سے بہترین و پاکیزہ اخلاق سے پیش آنے اور درشتی و کج خلقی کو ترک کر دینے کا حکم بھی داخل ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا — اگر آپ کج خلق اور بدمزاج ہوتے تو لوگ آپ کے گرد جمع نہ

مِنْ حَوْلِكَ ۖ ہوتے بلکہ منتشر ہو جاتے۔

اور جن اعمال میں سہل پسندی اور درگزر کرنا جائز نہ ہو ان میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ آنحضرت ؐ لوگوں کو نیکی و بھلائی کا حکم دیں۔ نیز ارشاد باری ہے: " وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ " یعنی اللہ جل شانہٗ کا حکم ہے کہ جو شخص قطع تعلقات کرے اس سے آپ اپنے روابط استوار فرمائیں اور جو آپ کو آپ کے حق سے محروم رکھے اسے آپ عطا فرمائیں۔ اور جو آپ پر ظلم کرے اسے آپ معاف فرما دیں۔ یہ احکام اس آیت کے عین مطابق ہیں۔

مؤمنین کے سامنے فروتنی و انکساری اختیار کرنے کا حکم

حق تعالیٰ سورۂ حجر میں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○	ہم نے آپ کو سات عظیم آیتیں (سورۂ فاتحہ) جو نمازوں میں بار بار پڑھی جاتی ہیں اور پورا قرآن عظیم ہی عطا فرمایا ہے بس ہم نے دوسروں (کافروں) کو جو نعمتیں دی ہیں آپ ان کی طرف آنکھیں اُٹھا کر بھی نہ دیکھیے۔ نہ ان پر غم کھائیے اور مسلمانوں سے شفقت و نرمی سے پیش آیئے۔

سبع مثانی سورۃ فاتحہ کو کہا جاتا ہے۔ حضرات عمر، علی، ابنِ مسعود، ابُوہریرہ، حسن، ابوالعالیہ، مجاہد، ضحاک سعید بن جبیر اور قتادہ رضوان اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔

ایک روایت ہے کہ آنحضرت ؐ نے سُورت فاتحہ تلاوت فرما کر فرمایا، سبعِ مثانی یہی ہے یہ روایت حضرت ابُوہریرہؓ سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں " لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ " سے مراد یہ ہے کہ ہم نے کسی کو زیادہ دُنیوی ساز و سامان اور دولت سے نوازا ہے تو آپ اپنے لئے اتنے ہی کی تمنا نہ کریں۔

ایک روایت ہے کہ آنحضرت ؐ نے قبیلہ بنو مصطلق کے مویشیوں کی کثرت دیکھی اور ایک قول ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں کے سات تجارتی قافلے بعض ملکوں سے آئے تھے جن میں انواع و اقسام کے کپڑے، عطریات، جواہرات اور دُوسری بہت سی چیزیں تھیں۔ انھیں دیکھ کر مسلمانوں نے کہا۔ کاش یہ اموال

۱ یعنی نمازوں میں دُہرائی جانے والی سات آیتیں۔ مُراد سورۂ فاتحہ ہے۔ م

ہمیں ملتے تو ہم ان سے قوت حاصل کرتے اور انھیں راہِ خدا میں صرف کرتے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا میں نے تمھیں وہ سات آیتیں عطا کی ہیں جو ان ساتوں قافلوں سے کہیں افضل و بہتر ہیں۔

الحاصل ارشادِ باری تعالیٰ "ولا تمدن عینیك الی ما متعنا به ازواجًا منهم" میں آپ کو ان کے سازوسامان اور مال و دولت پر نظر رکھنے اور اس کی رغبت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور حق تعالیٰ کے اس ارشاد "ولا تحزن علیهم" میں آپ کے ان کے اموال کی طرف ملتفت ہونے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ پھر فرمایا ہے۔ "واخفض جناحك للمؤمنین"

لغت میں خفض کے معنی ہیں رفعت و بلندی اختیار نہ کرنا۔ انسانی جناح سے مراد اس کے ہاتھ ہیں جناح کے پست کرنے سے مراد نرمی، خاکساری اور فروتنی اختیار کرنا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جہاں آنحضرتؐ کو کفار کے امراء کی طرف نظرِ التفات کرنے سے منع فرمایا ہے وہیں غریب مسلمانوں سے انکساری و خاکساری سے پیش آنے کا بھی حکم دیا ہے۔ حق تعالیٰ کے مندرجہ ذیل ارشاد میں اس کی مثال موجود ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	آنحضرتؐ مومنین سے خاکساری و تواضع سے پیش آتے اور کفار سے برتری و تفوق کا برتاؤ کرتے ہیں

بہتر طریق پر مناظرہ و مقابلہ کرنے کی تعلیم

حق تعالیٰ سورۂ نحل میں فرماتا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔	آپ لوگوں کو بہترین طریقے اور عمدہ نصیحت کے ذریعے راہِ خدا کی طرف بلائیں اور ان سے بہتر طریقہ سے مناظرہ و مقابلہ کریں۔

اس آیت میں خدا نے آنحضرتؐ کو حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو درج ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے اسلام کی دعوت دیں۔

حکمت و دانائی، بہترین نصیحت اور عمدہ طریقہ سے ان سے مقابلہ و مناظرہ کرنا۔

اہلِ قرابت اور یتیموں کو اُن کا حق دینے کی تعلیم

حق تعالیٰ نے سورتِ اسراء میں فرمایا ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ

آپ اپنے قرابت داروں مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دے دیا کریں مگر اس میں فضول خرچی نہ کیا کریں کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنے قرابت داروں کو وہ تمام حقوق دیں جو اموالِ غنیمت میں ان کا حصہ ہیں اور آپ پر یہ بھی لازم فرمایا ہے کہ آپ ان اموال میں سے مسکینوں، فقیروں اور مسافروں کا حق بھی نکال دیں۔ اور لغت میں تبذیر کے معنی ہیں مال کا ضائع کرنا اور اسے فضول و بے محل خرچ کرنا لیکن کارِ خیر میں صرف کرنے پر فضول خرچی کا اطلاق نہیں ہوتا۔

دشمن سے معاملہ کرنے کی تعلیم

حق تعالیٰ نے سورۂ فصلت میں فرمایا ہے:۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝

بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں۔ آپ ایسے بہتر طریق عمل سے دشمن کا دفاع کریں کہ آپ کے اور دشمن کے درمیان عداوت دوستی اور محبت سے بدل جائے اور دشمن آپ کا مخلص اور پکا دوست بن جائے۔

یعنی ان کی بے وقوفی و جہالت کا بہتر طریقہ سے دفاع کیجئے کیونکہ اگر آپ نے ان کی بداخلاقی پر بار بار صبر کیا اور ان کی سفیہانہ حرکتوں کے مقابلہ میں نہ غصہ کا اظہار کیا نہ انھیں کوئی تکلیف پہنچائی نہ انھیں خوف و دہشت دلائی تو وہ اپنے مذموم افعال پر شرمندہ ہو جائیں گے اور وہ بُرے افعال کو چھوڑ دیں گے پھر حق تعالیٰ نے فرمایا۔ "فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ" یعنی جب آپ ان کی بُرائی کا بدلہ حُسنِ سلوک سے اور ان کے مذموم افعال کا بدلہ اپنے اچھے اعمال سے دیں گے تو وہ لوگ اپنے بُرے کام چھوڑ دیں گے اور ان کی دشمنی دوستی سے اور بُغض و کینہ محبت سے بدل جائیں گے۔

مصارف میں اقتصاد کا بیان

اقتصاد فضول خرچی اور بخل میں اعتدال و میانہ روی کا نام ہے اور ہر عظمت و بھلائی دو برائیوں میں اعتدال سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک عرب شاعر کا قول ہے:۔

خَیْرُ الْاُمُوْرِ الْوَسَطْ حُبُّ التَّنَاهِیْ غَلَطْ

سب سے بہتر امور وہ ہیں جو معتدل ہوں۔ کسی جہت میں بھی انتہا پسندی غلط طریقہ ہے۔

حق تعالیٰ نے ایک طرف بخیلوں اور کنجوسوں کی مذمت فرمائی ہے تو دوسری طرف فضول خرچی کرنے والوں کی بھی مذمت فرمائی ہے۔ عام طور سے لوگ بخیل یا فضول خرچ ہوتے ہیں۔ کم لوگ محتاط و معتدل ہوتے ہیں تم دیکھو گے کہ بخیل اپنے بُخل کی توجیہہ کرتا ہے اور اس فعل میں خود کو حق پر سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ بُخل و احتیاط سے کام لیا جائے اور تنگدستی کے وقت کے لئے کچھ مال جمع کر لیا جائے۔ پس وہ اس خیال کے تحت تمام عمر کنجوسی کرتا رہتا ہے اور مال خرچ کرنے سے دُور رہتا ہے حتیٰ کہ عادات پُختہ ہو جانے سے وہ تنگی و سختی کے موقع پر بھی خرچ نہیں کر پاتا۔

علیٰ ہذا فضول خرچ بھی اپنے اسراف کی تاویل کرتا اور اپنے فعل کو برحق سمجھتا ہے اور اپنی دولت کو حرام اور آرائشی و تعیشاتی مدات میں لُٹا کر ایسا مفلس رہ جاتا ہے کہ نانِ شبینہ تک محتاج ہو جاتا ہے ایسوں کے متعلق ہی حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ — فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں۔

اور دولت جمع رکھنے والوں کے حق میں فرمایا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ	جو لوگ سونے چاندی کے ذخائر جمع کر لیتے ہیں اور انھیں اللہ
وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ	کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں آپ عذابِ الٰہی کی خبر سُنا
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰي عَلَيْهَا فِيْ	دیجئے جس دن انھیں دوزخ کی دہکتی آگ میں ڈال دیا جائیگا۔
نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰي بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ	جس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور کمروں کو داغا جائیگا
وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ	اور ان سے کہا جائے گا۔ یہ وہ اموال ہیں جنھیں تم نے اپنے لیے
فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝	ذخیرہ کر کے رکھا تھا۔ پس آج ان ذخیروں کا مزہ چکھو۔

فضول خرچی اگرچہ نہایت مذموم اور باعثِ غضب خداوندی فعل ہے لیکن بھلے کاموں میں زیادہ صرف کرنا فضول خرچی میں شمار نہیں۔ ہمیں حق تعالیٰ نے مصارف میں اعتدال کا حکم دیا ہے کہ اسی میں خوشحالی و بہتری ہے۔ چنانچہ سُورتِ اسرا میں فرمایا ہے:۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ	آپ نہ تو اپنے ہاتھوں کو اپنی گردن میں باندھ لیں اور نہ انھیں
وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا	بالکل ہی کھول دیں کہ انجام کار لوگوں کا نشانۂ ملامت اور

تَحْسُوْرًا ○ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ○

تنگدست بنے بیٹھے رہیں۔ بلاشبہ آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت فرما دیتا اور ایک معقول مقدار اس کے لئے معین فرما دیتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں کے حالات پر باخبر ہے اور انھیں دیکھ رہا ہے۔

حق تعالیٰ نے سورت فرقان میں خرچ کے مضمون پر اپنے مومن بندوں کی توصیف میں فرمایا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○

مومنین جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے۔ نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ وہ درمیانی اور معتدل حالت پر قائم رہتے ہیں۔

پس مذکورہ آیت میں خدا نے اپنے رسول کو یہی وصف اختیار کرنے کو فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ "وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ"۔ یعنی خرچ کرنے میں ایسے بخل سے کام نہ لیجئے کہ خود اپنی ذات اور اپنے متعلقین پر صلہ رحمی اور حسن سلوک میں تنگی پیدا ہو جائے۔ مطلب یہ کہ مصارف میں اپنا ہاتھ اتنا نہ کھینچئے کہ وہ بالکل ناکارہ ہو جائے اور کیفیت انبساط سے رک جائے۔ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دیجئے۔ یعنی خرچ کرنے میں حد سے بڑھی ہوئی وسعت اختیار نہ کیجئے کہ آپ کے ہاتھ میں کچھ سرمایہ بھی باقی نہ رہے۔

پھر فرمایا: "فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا"۔ یعنی نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ خود انسان اپنے نفس کو ملامت کرنے لگے اور پوری دولت ضائع کر دینے اور بال بچوں کو مصیبت و مشقت میں چھوڑ دینے پر اس کے دوست احباب بھی اسے ملامت کرنے لگیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو ادبی تعلیم و تربیت فرمائی ہے۔ یہ اس کی متعدد مثالوں کے منجملہ ایک مثال ہے۔ اس موضوع سے متعلق جو آیتیں نازل ہوئی ہیں ہم نے ان کا ان کی مختصر تفسیر کے ساتھ بیان کر دیا ہے تاکہ مسلمان ان سے نصیحت و ہدایت حاصل کر سکیں اور یہ بھی جان لیں کہ حق تعالیٰ کے اپنے رسول پر کس درجہ عنایات و الطاف ہیں۔

○

قرآنِ کریم میں آنحضرتؐ کے مرتبہ و منزلت کا ذکر

ہم کچھ پہلے حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت رسول اللہؐ کی ادبی تربیت کا ذکر کر آئے ہیں جو کبھی حکم کبھی نہی اور کبھی عتاب و تنبیہ کے ذریعہ کی گئی ہے اور اس موضوع پر قرآنی آیتیں نازل ہوئیں۔ اب ہم یہاں ان آیات کا ذکر کرتے ہیں جن میں قرآن کریم نے آپ کے بلند مرتبہ و منزلت کا ذکر کیا ہے۔

حق تعالیٰ کی اور اُس کے رسُول کی اطاعت

حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے وابستہ فرمائی ہے اور یہ امر آنحضرتؐ کی عزت افزائی کا موجب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

جس نے آنحضرتؐ کی اطاعت کی اس نے بعینہٖ حق تعالیٰ کی اطاعت کی۔

نیز فرمایا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور اپنے حاکم کی اطاعت کرو، پھر اگر تم میں کسی امر میں نزاع پیدا ہو جائے تو اپنے نزاعی معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول سے رجوع کرو۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اسے حق تعالیٰ ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝

جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، وہ عظیم الشان کامیابی پر فائز ہو گیا۔

پس ثابت ہوا کہ رسولؐ کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے۔ (ہر دو لازم و ملزوم ہیں)۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے اطاعت سے مُنہ موڑا تو ہم نے آپ کو ان کا نگران کار بنا کر نہیں بھیجا۔

یعنی جس نے آنحضرتؐ کی اس وجہ سے اطاعت کی کہ آپ اللہ کے احکام اس کی مخلوق تک پہنچانے والے ہیں تو اس نے درحقیقت خدا ہی کی اطاعت کی۔

آنحضرتؐ کے اخلاق گرامی کی توصیف

حق تعالیٰ آنحضرتؐ کے اخلاق کی تعریف میں فرماتا ہے :۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

بلاشبہ آپ عظیم الشان اخلاق کے حامل ہیں۔

اس سے زیادہ آپ کی کوئی تعریف نہیں ہوسکتی کیونکہ حُسنِ اخلاق ہی انسان کا اعلیٰ زیور ہے پس اس حیثیت سے آنحضرتؐ محاسن اخلاق میں جن کی برابری دُنیا کا کوئی اور عمل نہیں کر سکتا۔ تمام مخلوق کے قائد اور اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔

خود آنحضرتؐ کا ارشاد ہے :۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

میں صرف اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ محاسن اخلاق کو ان کے انتہائی کمال تک پہنچا دوں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔

اللہ کی مہربانی سے آپ لوگوں کے لئے نرم ہو گئے اگر آپ بداخلاق، درشت کلام اور سخت دل والے ہوتے تو وہ سب کے سب آپ سے علیحدہ ہو جاتے۔

پس آنحضرتؐ نہایت نرم خو، خوش اخلاق، بہترین عادتوں والے تھے۔ درشتی و سختی سے بہت دُور تھے۔ آپ لوگوں میں انصاف فرماتے تھے کسی پر ظلم نہ فرماتے تھے۔ اسی وصف کی وجہ سے آپ نے مومنین کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اگر آپ متشدد ہوتے تو لوگ آپ سے بیزار ہو کر آپ کو چھوڑ دیتے اور آپ سے

الگ ہو جاتے۔

آنحضرتؐ کی بعثت تمام عالم پر احسان ہے

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○	یقیناً حق تعالیٰ نے مومنوں پر احسان عظیم فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کے سامنے خدا کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ ان کے نفس کی اصلاح کرتا اور انھیں قرآن کریم اور حکمت و دانائی کی تعلیم دیتا ہے جبکہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

اس ارشاد میں " مِنْ اَنْفُسِهِمْ " سے مُراد ہے اہل وطن اور عزیز و اقارب۔

اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ نے بعثتِ رسُول سے انسانوں پر احسان فرمایا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس بعثت سے انسانوں پر احسانِ عظیم فرمایا اور انھیں اپنی بے بہا نعمت سے مالامال فرمایا اور یہ احسان تمام اہل عالم کے لئے عام ہے کیونکہ آپ سب اہل جہاں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ	ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف رسُول بنا کر بھیجا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ خُدا کے اس انعام سے صرف اسلام لانے والے ہی مستفید ہو سکے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اس احسان کو مومنوں سے مخصوص فرما دیا۔

نبی کریمؐ پر درُود شریف بھیجنے کا بیان

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○	بلاشبہ حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریمؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپؐ پر درود و سلام بھیجا کرو۔

صلوٰۃ کے معنی دُعا کے ہیں لغت میں کہا گیا ہے۔ " صلّی علیہ " یعنی " اس کے لئے دُعا کی "۔ لیکن خدا

کی طرف ان معنی کی نسبت ناقابلِ فہم و نامناسب معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کسی کے لئے دُعا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کسی کے لئے دُعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی تیسری ہستی سے کوئی نعمت مانگی جائے لیکن اللہ کا اپنے رسول پر صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے آپ پر رحمت بھیجی جاتی اور آپ کی تعریف کی جاتی ہے۔

اور صلوٰۃ کی ملائکہ کی طرف نسبت کا مطلب فرشتوں کی طرف سے آپ کے حق میں دُعا اور استغفار کرنا اور اللہ کی طرف سے آپ پر نزولِ رحمت کی طلب ہے اور اس میں نبی کریمؐ کی تعظیم مقصود ہے۔

نبی کریمؐ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم کس طرح آپ پر درود بھیجا کریں؟ آپ نے فرمایا یہ کہا کرو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اے میرے خدا! حضرت محمدؐ اور آپ کی آل پر درود بھیج جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا تھا اور حضرت محمدؐ پر اور آپ کی آل پر برکتوں کا نزول فرما۔ جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائی تھیں۔ بلاشبہ تو قابلِ تعریف اور صاحب مجد و عظمت ہے۔

آنحضرتؐ کے حضور میں باادب رہنے کی تعلیم

حق تعالیٰ نے مومنوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی عظمت شان اور بلندی مرتبہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپ کے حضور میں مؤدب رہا کریں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کریمؐ کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ آپ سے بلند آواز سے بولا کرو۔ جیسا تم آپس میں ایک دوسرے سے بلند آواز میں باتیں کیا کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمھیں پتہ بھی نہ چلے اور اس کی وجہ سے تمھارے نیک اعمال بھسم اور فنا ہو کر رہ جائیں۔

حق تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کے سامنے آپ کی آواز پر اپنی آوازیں بلند کریں کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کرتا ہے وہ اس کے مقابلہ میں اپنا زیادہ

اعتبار قائم کرنا اور اس پر اپنی بڑائی جتانا چاہتا ہے۔

نیز اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ آپ کے سامنے زیادہ گفتگو سے منع کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی عظمتِ شان کی وجہ سے آپ کی مجلس میں ایسا کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے اور آپ کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کو منع فرمانے کا حکم محض آپ کے احترام کو ملحوظ رکھنے اور آپ کی شان و عظمت کے اظہار اور آپ کے سامنے ادب و تہذیب کی رعایت رکھنے کے پیش نظر دیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ کا یہ قول ان تحبط اعمالکم" سے مُراد یہ ہے کہ تمہارے اعمال باطل اور فاسد ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنے والے کے لئے ایک تہدید ہے۔

جو لوگ آنحضرتؐ کے احترام و عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کے سامنے مؤدب رہتے ہیں اور اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں ان کی تعریف فرماتے ہوئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی	جو لوگ آنحضرتؐ کے حضور میں پست و آہستہ آواز سے گفتگو کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب تقوٰی میں حق تعالیٰ کے امتحان و آزمائش میں پورے اُترے ہیں۔

آنحضرتؐ کو حکم بنانے کا بیان

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○	آپ کے رب کی قسم! وہ مومن خالص نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے نزاعی امور میں آپ کو اپنا ثالث نہ بنالیں گے پھر وہ آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں گے اور آپ کے فیصلہ کو بلا چون وچرا تسلیم نہ کر لیں گے۔

یہ آیت اس امر پر روشنی ڈالتی ہے کہ جو شخص آنحضرتؐ کے فیصلہ کو قبول نہ کرے گا وہ مومن نہ کہلائے گا۔

آنحضرتؐ کی مخالفت کے انجام کا بیان

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

جو شخص ہدایت کی راہ خود پر واضح ہو جانے کے بعد بھی حضرت رسول اللہ کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کے طریقہ سے ہٹ کر دوسرے راستوں پر چلے گا تو جتنا وہ آنحضرتؐ سے روگردانی کرے گا ہم بھی اتنا ہی اس سے اعراض و بے توجہی کریں گے اور اسے داخل جہنم کر دیں گے جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

پس آنحضرتؐ کی مخالفت اس وعید کا سبب بنی۔ یہ آیت آنحضرتؐ کے تمام گناہوں سے پاک وبری ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرتؐ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس صورت میں آپ کی مخالفت کرنا ضروری ہو جاتا کیونکہ اس آیت کے ذریعہ آپ کی مخالفت حرام قرار دے دی گئی ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ آپ سے کوئی گناہ بھی سرزد نہ ہو۔

نیز اس آیت سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرتؐ کے اعمال میں آپؐ کا اتباع کرنا واجب ہے کیونکہ اگر آپ کی اُمت کے اعمال آپ کے اعمال کے برعکس ہوں تو لازم آئے گا کہ دونوں کے اعمال دو مختلف سمتوں میں جائیں۔ اس سے آنحضرتؐ کا خلاف لازم آئے گا جو حرام کر دیا گیا ہے۔ پس لازم آیا کہ آنحضرتؐ ہی کے اعمال کی پیروی کی جائے۔ قرآن کریم میں بطور خاص آنحضرتؐ کی منزلت آپ کے رُتبہ کی عظمت اور آپ کی شان کی بلندی سے متعلق جو آیتیں وارد ہوئی ہیں ان میں سے چند ایک کا ذکر ہم نے کیا ہے۔

حق تعالیٰ نے ان آیات میں مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کے احکام کی پیروی کیا کریں اور خُدا نے اپنی اطاعت کو آنحضرتؐ کی اطاعت سے مشروط و وابستہ فرما دیا ہے۔ آپ کی نافرمانی سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والے کو آتش دوزخ سے ڈرایا ہے۔ کیونکہ آپ کی نافرمانی بعینہٖ حق تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ نیز آپؐ کا خلاف کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ آپ گناہوں سے مُبرّا ہیں اور جو گناہوں سے پاک ہو اس کا خلاف کرنا حرام ہے۔

علیٰ ہذا مومنوں کو آنحضرتؐ کی حضوری میں طریق ادب کی پابندی کا حکم دیا ہے اور آپ کے سامنے بلند آواز سے بات کرنے کو بھی منع فرمایا ہے کیونکہ آپ ان کے برابر والے نہیں ہیں۔ اس لئے یہ امر زیب نہیں دیتا کہ حاضرین مجلس آپ کے سامنے بلند آواز سے بات کریں اور آپ کے سامنے ضرورت سے زیادہ گفتگو کریں۔ جب دنیوی بادشاہوں اور حاکموں کے سامنے ادب کا لحاظ رکھنا لازم ہے تو آنحضرتؐ کے سامنے تو اور بھی زیادہ

ضروری ہے۔ کیونکہ آپ تو تمام مخلوق کے سردار اور خالق کے سب سے زیادہ مُقرب اور عظیم الشان اخلاق کے حامل ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کی رسالت کے ذریعہ بنی نوعِ انسان پر احسانِ عظیم فرمایا اور اسے ان کے حق میں اپنی رحمت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

خود آنحضرتؐ بھی ہر معاملہ میں اپنے صحابہ سے ادب سے پیش آتے تھے اور صحابہ بھی آپ کی اعلیٰ صفات سے کسبِ فیض کرتے اور آپ کے اعمال و اقوال کی پیروی کرتے تھے۔

حق تعالیٰ نے ہمیں آپ پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ پس ہم دعا کرتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اپنی اور اپنے رسُول کی اطاعت کی توفیق عطا فرما اور ہمیں سیدھی و صحیح راہ دکھا۔ بیشک تو ہر امر پر قادر ہے اور بندہ کی دُعا قبول کرنے والا ہے۔

○

احادیثِ نبویہؐ اور ان کی تدوین

امام بُخاری نے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حدیثوں کو جمع اور مرتب کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکرؒ بن حزم انصاری مدنی کو حسب ذیل حکم لکھا:

"آنحضرتؐ کی احادیث کو تلاش کر کر کے لکھ لو۔ کیونکہ مجھے علوم کے مٹ جانے اور اہلِ علم کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ صرف رسول اللہؐ کی احادیث قبول کی جائیں اور علم کو شائع کیا جائے تاکہ جو لوگ عُلوم سے بے بہرہ ہیں وہ بھی ان سے مستفید ہو جائیں کیونکہ علم اگر راز میں رہے گا تو فنا ہو جائے گا۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہی ابنِ حزم کو مدینہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ ان کا ۱۲۰ھ میں انتقال ہوا اُنھوں نے کچھ احادیث نبویہؐ کا مجموعہ تیار کیا تھا۔ پھر ان کے بعد دوسرے علماء نے بہم تدوینِ حدیث و تصانیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ کوفہ میں صرف حضرت ابوبکر بن ابی شیبہؒ کثرتِ ابواب حسنِ ترتیب اور حُسنِ تالیف میں انفرادی مقام کے حامل ہوئے لیکن جمع احادیث کا کام ابھی ابتدائی دور میں تھا جو صرف زبانی جمع کی جاتی تھیں۔ اس لئے جب کسی مصنف سے کوئی شخص کوئی حدیث بیان کرتا تو وہ اس سے اس کی سند معلوم کرتا اور یہ کہ اس نے کس سے سُنا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی حدیث خاص آنحضرتؐ کی فرمودہ ہوتی تو یہ اس کا سلسلہ سند آنحضرتؐ تک بیان کرتا۔ اور اگر وہ کلام کسی صحابی یا تابعی کا ہوتا تو ان تک سلسلہ سُند پُہنچاتا۔ ان احادیث میں بہت سی وضعی اور من گھڑت احادیث بھی داخل ہوگئی تھیں۔ اس لئے مصنفین کو ایک ایسا خاص قانون بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے ذریعہ وہ کھوٹے کھرے میں امتیاز کر سکیں چنانچہ اس قانون کو چند ستونوں پر استوار کیا گیا۔

پہلا ستون: فنِ تاریخ و تراجم کی بُنیاد ڈالی گئی تاکہ اس کے ذریعہ راوی کے حالات اور اس کی تاریخ وفات معلوم کی جا سکے۔ تاکہ اگر کوئی راوی یہ کہے کہ مجھ سے فلاں راوی نے یہ حدیث بیان کی ہے اور اس نے اس راوی کا زمانہ ہی نہ پایا ہو تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ راوی جھُوٹا ہے۔ اسی لئے امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے جب راویوں نے روایت احادیث میں جھُوٹ بولنا شروع کر دیا تو ہم نے ان کی پہچان بین کے لئے فنِ تاریخ کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

دُوسرا ستون۔ فنِ جرح و تعدیل ہے جس میں اس پر بحث ہوتی ہے کہ فلاں راوی قابلِ اعتماد ہے

ہے اور فلاں حدیث کا وضع کرنے والا ہے۔

تیسرا ستون۔ اس میں اس پر نظر کی جاتی ہے کہ راویوں نے باہم ایک دوسرے سے کس طرح حدیث حاصل کی ہے۔ آیا دوسرے سے پڑھ کر یا لکھ کر یا کسی سے کوئی تحریر کردہ جزء حاصل کر کے، یا اجازتِ روایت کے ذریعہ احادیث حاصل کی ہوں۔ ان احادیث کے مراتب کا فرق کیا ہے۔ دوسرے علماء میں انھیں قبول کرنے یا مسترد کرنے میں کیا اختلاف ہے۔ پھر احادیث کے متن میں جو الفاظ ادا ہوئے ہیں ان الفاظ کی روشنی میں حدیث کی حیثیت متعین کرنے پر بحث کی ہے کہ آیا وہ حدیث غریب ہے، یا مشکل ہے یا اس میں تحریف ہے یا اس کی اسناد جُدا جُدا ہیں یا اس میں کچھ اختلافات ہیں۔ علیٰ ہٰذا ان کے ناسخ و منسوخ ہونے سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ علومِ حدیث میں سب سے اہم اور سب سے زیادہ سخت موضوع ہے۔ علماءِ حدیث نے ان اصطلاحوں پر متعدد کتابیں تالیف کی ہیں جن کے منجملہ قاضی ابو محمد رامہرمزیؒ ہیں جنھوں نے کتاب "المحدث الفاضل" تالیف کی ہے۔ دوسرے حاکم ابو عبداللہ نیشاپوریؒ ہیں۔ ان کے بعد ابو نعیم اصفہانیؒ ہیں ان کے بعد خطیب بغدادی مؤلف تاریخ بغداد آئے اور انھوں نے روایتِ حدیث کے قواعد کے بیان میں ایک کتاب تالیف کی جس کا نام "الکفایہ" رکھا۔ نیز آدابِ حدیث میں ایک کتاب تالیف کی جس کا نام "الجامع لآداب الشیخ والسامع" (شیخ حدیث اور سامع کے آداب کی جامع) رکھا۔

الحاصل فنونِ حدیث میں سے کوئی فن ہی ایسا رہ گیا ہوگا جس میں انھوں نے کتاب تصنیف نہ کی ہو حتّٰی کہ ہر انصاف پسند جانتا ہے کہ خطیب کے بعد آنے والے محدثین فن حدیث میں ان کی اولاد ہیں (اور ان کا تمام تر انحصار انہی کی تصانیف پر ہے) پھر خطیب کے بعد آنے والوں نے بھی جنھیں اس فن میں سے کچھ حصہ ملا تھا چند کتب تالیف کیں۔ چنانچہ قاضی عیاضؒ نے ایک کتاب تالیف کی جس کا نام "الالماع" رکھا اور ابو حفص میانجی نے ایک رسالہ تالیف کیا جس کا نام "مالایسع المحدّث جہلہ" (کسی محدّث کا اس سے ناواقف رہنا ممکن نہیں) رکھا۔ پھر اس فن پر بہت سی تصانیف مرتب ہوئیں۔ یہاں تک کہ فقیہ و حافظ حدیث شیخ عبدالرحمٰن شہرزوری معروف بابن الصلاح ساکن دمشق کا دور آیا۔ جب وہ وہاں کے مدرسہ اشرفیہ میں حدیث کے اُستاد مقرر ہوئے تو انھوں نے اصطلاحاتِ حدیث میں اپنی مشہور کتاب تصنیف کی۔ پھر اس کے فنون کی تہذیب و ترتیب کی اور تھوڑا تھوڑا کر کے اُسے لکھتے رہے۔ ان کے بعد شیخ محی الدین نووی اور حافظ ابن حجر عراقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا دور آیا۔

پھر جیسا کہ مشہور ہے ان سب نے آنحضرتؐ کی طرف نسبت کردہ احادیث کو خواہ وہ قولی ہوں یا فعلی یا تقریری یا آپ کے اوصاف میں ہوں تین قسموں میں تقسیم کیا صحیح ۔ حسن ضعیف ۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو کئی حصوں میں تقسیم کیا۔

پس پہلی قسم یعنی صحیح وہ حدیث ہے جس کی سند ثقہ اور عادل راویوں تک مسلسل پائی جاتی ہو جن کی روایت میں ضبط و اتقان ہو اور ان میں شذوذ (انفرادی روایت) اور کسی قسم کا سقم نہ ہو۔

عادل وہ شخص کہلاتا ہے جس میں ایسا اخلاقی ملکہ ہو کہ وہ اسے ہمیشہ تقویٰ اور مروّت کا پابند رکھے۔ ضابط اسے کہتے ہیں جو کسی روایت کو سُن کر اپنے سینہ میں اس طرح محفوظ کرلے کہ جب ضرورت ہو تو وہ اسے اپنے حافظہ سے بیان کرسکے اور جو اپنی کتاب کو بھی محفوظ رکھ سکے۔ یعنی جب سے اس نے اس میں احادیث سُن کر لکھی ہوں اور ان کی تصحیح کرلی ہو تب سے وہ انھیں محفوظ رکھ سکا ہو۔ حتیٰ کہ وقت پر اس میں سے بیان کرسکے اور بغیر شذوذ کے جو کہا گیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ راوی تن تنہا اور اکیلا نہ رہ جائے کہ وہ اپنی روایت میں اپنے سے زیادہ قابلِ ترجیح راوی کی مخالفت کرسکے۔ نیز یہ کہ وہ روایت میں عیب لگانے والی علت سے خالی ہو جیسے کہ مرفوع حدیث کو مرسل کہہ دینا اور مرسل کو مرفوع کہنا۔ اسی بنا پر صحیح احادیث اپنی قوت میں اس کے راویوں کے ضبط و اتقان، حفظِ حدیث اور پارسائی میں شہرت اور حدیث بیان کرنے والوں کی افضلیت اور ان کی احتیاط کے اعتبارات سے مختلف درجہ کی ہوتی ہیں۔ اس بنا پر محدثین اس پر متفق ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح حدیث وہ ہے جس پر بخاری اور مسلم متفق ہو گئے ہوں۔

پھر اس کا درجہ ہے جسے صرف بخاری نے بیان کیا ہو۔ پھر اس کا درجہ ہے جسے صرف مسلم نے بیان کیا ہو۔ پھر اس کا درجہ ہے جو ان کتب میں نہ ہو مگر وہ ان دونوں کی شرائط کے مطابق ہو۔ پھر وہ ہے جو صرف بخاری کی شرط کے مطابق ہو پھر جو مسلم کی شرط کے مطابق ہو پھر ان ہر دو کے علاوہ کسی اور جامع احادیث کی شرط پر ہو۔

حدیث کی دوسری قسم حسن ہے اور وہ اسے کہتے ہیں جس کی سند کے راوی معروف و مشہور ہوں اور عدالت اور ضبط کی صفات میں صحیح کے راویوں سے کم درجہ کی شہرت رکھتے ہوں۔

حدیث کی قسم غریب وہ ہے جسے اہل حدیث نے بعض وجوہ سے غریب و نادر قرار دیا ہو کیونکہ بعض حدیثیں غریب ہوتی ہیں اور صرف ایک ہی سلسلۂ سند سے مروی ہوتی ہیں۔ گویا ان کی روایت کا مدار صرف ایک ہی راوی پر ہوتا ہے اگرچہ وہ روایت اہل علم میں اس لئے مشہور ہو گئی ہو کہ اس ایک راوی سے بہت سے دُوسرے راویوں نے اسے روایت کیا ہو۔

اور بعض حدیثیں اصل میں کچھ اضافہ کی وجہ سے غریب کہلاتی ہیں۔ یہ اضافہ اگر کسی ایسے راوی کی طرف سے ہو جو اپنے حافظہ کے اعتبار سے قابلِ اعتماد سمجھا جاتا ہو تو یہ اضافہ صحیح سمجھا جاتا ہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ محدثین کا یہ قول کہ یہ حدیث صحیح ہے، یہ ضعیف ہے اس کا اعتبار اسناد کے ظاہر کے اعتبار سے ہوتا ہے، صحت یا ضعف یقینی نہیں ہوتا۔

تیسری قسم ضعیف ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی سندیں حدیث حسن کے رُتبہ تک نہ پہنچ سکیں۔ جب ایسا ہے تو صحیح کے مرتبہ تک اس کا نہ پہنچنا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہو جاتا ہے۔ اور ضعیف حدیث کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بعض کے خاص خاص لقب ہیں جیسے مُضطرب، مقلوب، موضوع، منکر اور بعض کے یہ القاب نہیں ہوتے۔

○

انتخاب

از احادیثِ نبویّہ

۱۔ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔ جب اسے امانت سپرد کی جاتی ہے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے۔ (روایت شیخین[1] از ابوہریرہؓ)

۲۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکروہ شے جو حلال ہے وہ طلاق ہے (روایت ابوداؤد و ابن ماجہ از ابن عمرؓ)

۳۔ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف ملحوظ رکھو۔ (روایت شیخین از نعمان بن بشیر)

۴۔ ظلم کرنے سے ڈرو کہ وہ قیامت کے دن تمہارے حق میں ظلمت ہی ظلمت ثابت ہوگا۔ بخل سے بچو کہ اس نے تم سے پہلوں کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ (روایت مسلم از جابرؓ)

۵۔ سات ہلاک کرنے والے معاصی سے بچو۔ اللہ کا شریک بنانے سے، جادو سے، اس جان کو قتل کرنے سے جس کا قتل خدا نے حرام قرار دے دیا ہو بجز اس کے جسے حق پر قتل کیا جائے، سود خوری سے، یتیم کا مال کھانے سے، میدانِ جہاد سے بھاگ جانے سے، پاکباز، سیدھی سادی خواتین پر فحش کی تہمت لگانے سے۔ (روایت شیخین از ابوہریرہؓ)۔

۶۔ خدا کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس کی ہمیشہ پابندی کی جاتی رہے اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو۔ (روایت شیخین از عائشہؓ)

۷۔ قیامت کے دن خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور اس کا سب سے زیادہ مقرب منصف بادشاہ ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور اس کے قرب سے دور رہنے والا ظالم بادشاہ ہے۔ (روایت ترمذی از ابوسعید)

۸۔ نیکی حسنِ اخلاق کا نام ہے۔ گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو اس پر کسی کو باخبر ہونا پسند نہ کرے (روایت مسلم از نواس بن سمعان)

۹۔ اگر کسی کی بیوی اس سے مسجد میں جانے کی اجازت چاہے تو اسے منع نہ کرنا چاہیئے (روایت مسلم از سالمؓ از والد خود)

۱؎ شیخین سے بخاری و مسلم مراد ہیں۔ م

۱۰۔ جب دو مسلمان تلواروں سے باہم لڑیں اور ایک دوسرے کو قتل کرڈے تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ تو قاتل تھا مگر مقتول کا کیا جرم؟ فرمایا وہ بھی اپنے مقابل کے قتل کر ڈالنے کا خواہاں تھا۔ (روایت شیخین از ابی بکرہؓ)

۱۱۔ جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرے تو اسے نماز میں تخفیف کرنی چاہیئے کیونکہ نمازیوں میں چھوٹے بڑے، کمزور و بیمار اور ضروری کام کاج والے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ البتہ جب تنہا اپنی نماز پڑھے تو جتنی چاہے طویل کرے (روایت شیخین از ابی ہریرہؓ)

۱۲۔ جب دو شخص تجھ سے کسی معاملہ میں فیصلہ کرانے آئیں تو صرف پہلے کی بات سن کر فیصلہ نہ کر جب تک دوسرے فریق کی بات بھی نہ سن لے۔ اس کے بعد تجھے معلوم ہو سکے گا کہ تجھے کیا فیصلہ کرنا چاہیئے (روایت احمد۔ ابی داود۔ ترمذی از ابی ہریرہؓ)

۱۳۔ جب کوئی حاکم اس طرح فیصلہ کرے کہ اس میں کافی کدو کاوش کرے اور اس کا فیصلہ درست ہو تو اس کے لیئے دُہرا ثواب ہے لیکن اگر کسی نے فیصلہ کیا اور اس میں کدو کاوش کی مگر فیصلہ میں غلطی کی تو اسے بھی اکہرا اجر ملے گا۔ (متفق علیہ روایت ہے۔ از عمرو بن عاصؓ)

۱۴۔ تم میں سے جب کوئی شخص کوئی جنازہ جاتا ہوا دیکھے تو اگر اس کے ساتھ نہ چلے تو کم از کم اس وقت تک کھڑا ہو جائے جب تک کہ جنازہ آگے نہ چلا جائے اور وہ پیچھے نہ رہ جائے۔ یا پھر جنازہ اس سے پیچھے نہ رہ جائے یا جنازہ اُسے پیچھے چھوڑنے سے پہلے ہی زمین پر نہ رکھ دیا جائے۔ (روایت بخاری از عامر بن ربیعہؓ)

۱۵۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل مرنے کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ جاری رہنے والی خیرات، وہ علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے، نیک اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعائے خیر کرتی رہے (روایت مسلم از ابو ہریرہؓ)

۱۶۔ چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک وہ اسے ترک نہ کردے:۔

جب بولے تو جھوٹ بولے۔ جب معاہدہ کرے تو غداری کرے۔ جب وعدہ کرے تو خلاف وعدہ کرے۔ جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔ (روایت شیخین از عبداللہ بن عمرؓ)

۱۷۔ اے لوگو! کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں بھی سب سے بڑے گناہوں پر مطلع نہ کردوں۔ خدا کا شریک کرنا۔

والدین کی نافرمانی کرنا۔ جھوٹ بولنا۔ (روایت شیخین از علیؓ)

۱۸۔ احسان اس کیفیت کا نام ہے کہ تو خدا کی عبادت اس جذبہ سے کرے۔ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو یہ کیفیت تجھ پر غالب ہو کہ گویا وہ تجھے دیکھ رہا ہے (روایت شیخین از ابو ہریرہؓ)

۱۹۔ نیند کے وقت روحیں لشکر در لشکر عالمِ ارواح میں گھومتی پھرتی ہیں۔ پس وہاں جس کا جس سے تعارف ہو جاتا ہے دنیا میں بھی اس سے اس کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور جس سے وہاں اجنبیت رہتی ہے اس سے یہاں بھی بے تعلقی و بے گانگی رہتی ہے۔ (روایت شیخین از ابی ہریرہؓ)

۲۰۔ ہم ایسے شخص کو ہرگز حاکم نہیں بنا سکتے جو خود عہدہ کا خواہاں ہو۔ (روایت شیخین از ابو موسیٰ)

۲۱۔ تم اپنے سے کمتر کی طرف دیکھو، اپنے سے برتر کی طرف نہ دیکھو۔ اس طرح تم خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھو گے۔ (متفق علیہ از ابو ہریرہؓ)

۲۲۔ حق تعالیٰ نے تم پر اپنی ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کو حرام فرمایا ہے اور قیل وقال کثرتِ سوال اور ضیاعِ مال کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (روایت شیخین از مغیرہ بن شعبہؓ)

۲۳۔ جو شخص خاص خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے خدا اس پر آتش دوزخ کو حرام کر دیتا ہے۔ (روایت شیخین از عتبان بن مالکؓ)

۲۴۔ دعا ہی عبادت کی اصل و روح ہے۔ (روایت ائمہ اربعہ از ابو ہریرہؓ)

۲۵۔ اسلام آسانی و سہولت کا دین ہے۔ جو شخص دین میں تکلف و تشدد اختیار کرتا ہے وہ اس پر چھا جاتا ہے۔ پس تم صحیح راہ اختیار کرو۔ نیز خوش کلامی اختیار کرو اور ہنسی خوشی رہو۔ صبح شام ہوا خوری کیا کرو اور صبح سویرے چہل قدمی کیا کرو۔ (روایت بخاری از ابو ہریرہؓ)

۲۶۔ قیامت کے دن خدا کے نزدیک بدترین مرتبہ والا وہ شخص ہوگا، جو اپنی بیوی سے مخلی بالطبع ہو اور وہ اس سے کھل جائے پھر وہ بیوی کا راز لوگوں سے بیان کرے (روایت مسلم از ابو سعید خدریؓ)

۲۷۔ قیامت کے دن خدا کے نزدیک بدترین مرتبہ والا وہ شخص ہوگا جس کی فحش کلامی سے بچنے کے لئے لوگ اس سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ (روایت شیخین از عائشہؓ)

۲۸۔ عنقریب تم حکومت کی حرص کرو گے لیکن وہ قیامت کے دن تمہارے لئے باعثِ ندامت ہوگی۔

۲۹۔ میت پر زندہ کے آہ و بکا کرنے سے میت پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ (روایت شیخین از عمرؓ)

۳۰۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا ثمرہ ملتا ہے۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہو گی تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لیئے ہی شمار ہو گی اور جس کی ہجرت حصولِ دُنیا یا حصولِ زن کے لیئے ہو گی تو اس کی ہجرت اسی کے لیئے شمار ہو گی جس کی اس نے نیت کی ہو گی۔ (روایت شیخین از عمرؓ)

۳۱۔ اطاعت کا حکم صرف نیک کاموں میں ہے۔ (بُرائیوں میں نہیں) (روایت شیخین از علیؓ)

۳۲۔ اوائل نبوت کی پہلی بات جو لوگوں کو معلوم ہوئی تھی یہ تھی :۔ "اگر تجھ میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کر" (بخاری از ابنِ مسعودؓ)

۳۳۔ بعض اشعار حکمت و دانائی ہوتے ہیں۔ (بخاری از ابن کعبؓ)

۳۴۔ ایک مومن دُوسرے مومن بھائی کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کی اینٹیں باہم ایک دُوسرے کو جوڑتی ہیں۔ (بخاری از ابُو موسیٰ اشعریؓ)

۳۵۔ جب میں نماز کے لیئے کھڑا ہوتا ہوں تو اسے طویل کرنے کا قصد کرتا ہوں۔ مگر درمیان میں کسی بچے کے رونے کی آواز سُنتا ہوں تو نماز میں اس خیال سے تخفیف کر دیتا ہوں کہ کہیں طول سے اس کی ماں پر گرانی کا باعث نہ ہوں۔ (بخاری از قتادہ)

۳۶۔ تم حسد سے دُور بھاگو۔ کیونکہ حسد بھلائیوں کو اس طرح بھسم کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر خاکستر کر ڈالتی ہے۔ (روایت ابُو داؤد۔ ابنِ ماجہ از ابو ہریرہؓ و انسؓ)

۳۷۔ ایمان کی تعریف یہ ہے کہ تو اللہ، اس کے ملائکہ، اس کی کتاب اور قیامت کے دن اس کے دیدار پر نیز اس کے رسولوں پر اور روزِ قیامت دوبارہ زندہ اُٹھنے پر اعتقاد رکھے (شیخین از ابو ہریرہؓ)

۳۸۔ ایمان کے ساٹھ سے کچھ زائد شعبے ہیں۔ حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے (بُخاری از ابو ہریرہؓ)

۳۹۔ اسلام کی بُنیاد پانچ امُور پر ہے۔ کلمۂ شہادت لا الٰہ الا اللہ و انّ محمداً رسول اللہ پڑھنا۔ نماز کی پابندی کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ حج ادا کرنا۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔ (بخاری از ابن عمرؓ)

۴۰۔ ولیمہ کا کھانا سب سے بُرا کھانا ہے جس میں دولتمندوں کو بُلایا جاتا ہے اور فقراء کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جس نے دعوت کا انکار کیا، اس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی۔ (شیخین از ابو ہریرہؓ)

۴۱۔ تم اللہ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین شخص اُسے پاؤ گے جو دو رُخا ہو کہ کچھ لوگوں سے ایک بات

ایک طرح اور دُوسروں سے وہی بات دُوسری طرح بیان کرتا ہو۔ (روایت صحاح ستہ از ابُوہریرہؓ)

۴۲۔ اے مسلمانو! میرے نام پر نام رکھا کرو، مگر میری کُنیت پر اپنی کُنیت نہ رکھا کرو۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعۃً مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شباہت بنا کر نہیں آسکتا جس نے دانستہ میری طرف جھُوٹی بات منسوب کی اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا (بخاری از ابُوہریرہؓ)

۴۳۔ آپس میں ایک دُوسرے کو تحائف دیا کرو۔ اس سے باہم محبت بڑھے گی۔ (بخاری از ابُوہریرہؓ)

۴۴۔ تین شخص ایسے ہیں جن سے حق تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا نہ انھیں الائش گناہ سے پاک صاف کرے گا حضرت ابومعاویہؓ نے یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ نہ ان کی طرف دیکھے گا اور انھیں دردناک عذاب دے گا۔ اوّل بُوڑھا شخص جو زنا کرتا ہو۔ دوم بادشاہ جو جھُوٹ بولتا ہو۔ سوم وہ جو متکبرانہ نازانداز سے اٹھلا اٹھلا کر اور اکڑ کر چلتا ہو۔ (مُسلم از ابوہریرہؓ)

۴۵۔ مُسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ جب تم کسی مسلمان سے ملو تو اسے سلام کرو۔ جب تمھیں کوئی کسی کام سے بُلائے تو اس کی بات مان لو۔ جب کوئی تم سے نصیحت کرنے کی خواہش کرے تو تم اسے نصیحت کرو۔ جب کسی نے چھینک پر الحمد للہ کہا تو دُوسرے کو یرحمک اللہ کہنا چاہیئے۔ جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کو جانا چاہیئے۔ جب کوئی وفات پا جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرنی چاہیئے (مُسلم از ابی ہریرہؓ)

۴۶۔ حیا سے صرف اچھے ہی کام سرزد ہوتے ہیں (شیخین از عمران بن حصینؓ)

۴۷۔ حیا ایمان کا ایک جزو ہے۔ (متفق علیہ از ابن عمرؓ)

۴۸۔ خالہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔ (شیخین از براءؓ)

۴۹۔ تو اپنے شوہر کے مال سے اتنی مقدار لے سکتی ہے جو تیرے اور تیرے بچّوں کے لیئے کافی ہو۔ آپؐ نے یہ جملہ ابُوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ سے فرمایا تھا۔ (شیخین از عائشہؓ)

۵۰۔ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کے اخلاق بہترین ہوں۔ (شیخین از ابن عمرؓ)

۵۱۔ ایک عورت محض اس بنا پر دوزخ میں داخل کر دی گئی کہ اس نے ایک بلّی کو باندھ رکھا تھا۔ وہ نہ تو خود اسے کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ وہ کیڑے مکوڑوں کا شکار کر کے اپنا پیٹ بھر لیتی۔ حتّٰی کہ وہ بھُوک سے مر گئی۔ (شیخین از ابُوہریرہؓ)

۵۲۔ دین نصیحت وخیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کس کے لئے خیر خواہی؟ فرمایا اللہ کے لیئے، اس کی کتاب کے لیئے، اس کے رسُول کے لئے، ائمۂ مسلمین کے لئے اور عام مسلمانوں کے لیئے۔ (مسلم از تمیم داری)

۵۳۔ بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنے والے، راہِ خُدا میں جہاد کرنے والوں یا رات بھر عبادت کرنے والوں اور دن کو روزہ رکھنے والوں کے مانند ہیں۔ (شیخین از ابوہریرہؓ)

۵۴۔ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ (شیخین از ابن مسعودؓ)

۵۵۔ سخی اللہ سے قریب ہے، بندوں سے قریب ہے اور جنّت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے۔ اور بخیل اللہ سے دُور ہے، جنّت سے دُور ہے، لوگوں سے دُور ہے اور دوزخ سے قریب ہے۔ خدا کے نزدیک جاہل سخی، عبادت گزار بخیل سے بہتر ہے۔ (ترمذی از ابوہریرہؓ)

۵۶۔ کسی امر کا سُننا اور اطاعت کرنا اس وقت تک واجب ہے، جب تک گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ مگر جب کسی گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سُننا واجب ہے نہ اطاعت کرنا۔ (بخاری از ابنِ عمرؓ)

۵۷۔ کسی چیز کو ہبہ کر کے اسے واپس لینے والا اس کُتّے کی مانند ہے جو قے کر کے پھر اسے چاٹ لے۔ (متفق علیہ۔ از ابنِ عباسؓ)

۵۸۔ تم پر سچ بولنا واجب ہے۔ کیونکہ سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنّت کی راہ دکھاتی ہے۔ ایک انسان ہمیشہ سچ بولتا رہتا اور سچ کو ترجیح دیتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے یہاں اس کا نام صدیقوں (سچ بولنے والوں) میں لکھ دیا جاتا ہے۔ تم جھوٹ سے بچتے رہو۔ کیونکہ جھُوٹ فسق وفجور کی راہ دکھاتا ہے اور فسق دوزخ کی راہ دکھاتا ہے۔ ایک شخص ہمیشہ جھُوٹ بولتا رہتا اور جھُوٹ کو ہر بات پر ترجیح دیتا ہے، حتّٰی کہ اللہ کے یہاں کذاب (بہت جھُوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔ (متفق علیہ۔ از ابنِ مسعودؓ)

۵۹۔ اے عورتو! تمھیں حق تعالیٰ نے اپنی ضرورتوں کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت فرمادی ہے۔ (شیخین از عائشہؓ)

۶۰۔ ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو، حرام ہے (صحاح ستہ از عائشہؓ)

۶۱۔ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر نگہبان اپنی رعایا کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ پس بادشاہ ایک نگہبان ہے جو رعایا کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح ہر شخص اپنے گھر کا نگہبان ہے اور اپنی گھر کی رعایا کا ذمہ دار ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہوتی ہے اور وہ گھر کے افراد کی ذمہ دار ہے۔ خادم اپنے مالک کے مال کا

نگہبان ہوتا ہے اور وہ اس کا ذمہ دار ہے۔ (پانچ کتب حدیث میں وارد ہے۔ از ابن عمرؓ)

۶۲۔ ہر نشہ آور شے شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے (مسلم۔ از ابن عمرؓ)

۶۳۔ ہر بھلائی ایک صدقہ ہے (بخاری از جابرؓ)

۶۴۔ اپنے باپوں سے انحراف نہ کرو کہ باپوں سے انحراف کرنا کفر ہے۔ (مسلم از ابوہریرہؓ)

۶۵۔ مرنے والوں کو بُرا نہ کہو۔ کیونکہ وہ اپنے اعمال کا نتیجہ بھگت چکے (بخاری از عائشہؓ)

۶۶۔ اگر عورتیں تم سے مسجدوں میں جانے کی اجازت چاہیں تو انھیں اس سے منع نہ کرو (مسلم از عبداللہ بن عمرؓ)

۶۷۔ حسد کرنا جائز نہیں۔ صرف دو آدمیوں سے حسد رکھنا جائز ہے۔ ایک وہ جسے خدا نے مال دیا اور اس نے وہ مال ان لوگوں کی نگرانی میں دے دیا جو اسے امورِ خیر میں صرف کریں۔ دوسرا وہ شخص ہے جسے خدا نے علم و حکمت سے نوازا۔ پس اس نے اس سے صحیح فیصلے کئے اور دوسروں کو تعلیم دی۔ (بخاری از عبداللہ بن مسعودؓ)۔

۶۸۔ کسی شخص کو غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرنا چاہیئے (متفق علیہ از ابوبکرہؓ)

۶۹۔ کوئی مسلمان جو اس کی گواہی دیتا ہو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول برحق ہوں اس کا خون بہانا جائز نہیں مگر تین شخصوں کا۔ شادی شدہ مرد جو زنا کرے۔ ناحق قتل کرنے والا جس سے قصاص لیا جائے۔ اپنے دین کو ترک کر کے اپنی اسلامی جماعت سے علیحدہ ہونے والا (متفق علیہ از ابن مسعودؓ)

۷۰۔ کسی مسلمان کے لئے عطیہ دے کر واپس لینا جائز نہیں بجز والد کے جو بیٹے کو عطیہ دے کر واپس لے سکتا ہے۔ (امام احمد اور چار کتب حدیث۔ از ابن عمرؓ و ابن عباسؓ)

۷۱۔ کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تخلیہ میں نہ بیٹھے۔ جب تک اس کا کوئی محرم وہاں موجود نہ ہو۔ (بخاری از ابنِ عباسؓ)

۷۲۔ جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مسلم از عبداللہ بن مسعودؓ)

۷۳۔ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (متفق علیہ از ابو حذیفہؓ)

۷۴۔ کوئی مسلمان کافر کے مال کا اور کوئی کافر مسلمان کے مال کا وارث نہیں ہو سکتا (متفق علیہ از اسامہ بن زیدؓ)

۷۵۔ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ خدا بھی اس پر رحم نہیں فرماتا۔ (شیخین و ترمذی۔ از جریرؓ)

۷۶۔ جس وقت کوئی زانی زنا کرتا ہے تو وہ اس وقت مومن نہیں رہتا۔ اور جس وقت کوئی چور چوری کرتا ہے

تو وہ اس وقت مومن نہیں رہتا۔ اور جس وقت کوئی شخص شراب پیتا ہے تو وہ اس حالت میں مومن نہیں رہتا۔ (مسلم از ابوہریرہؓ)

۷۷۔ کوئی مومن شخص ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ (بخاری از ابوہریرہؓ)

۷۸۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں کہلائے گا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔ (بخاری از انسؓ)

۷۹۔ نبوت کے منجملہ صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا۔ سچے خواب۔ (بخاری از ابوہریرہؓ)

۸۰۔ قوی وہ نہیں ہے جو پہلوانی کرتا ہو بلکہ قوی وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے اُوپر قابو رکھے۔ (متفق علیہ از ابوہریرہؓ)

۸۱۔ وہ شخص جھوٹا نہ کہلائے گا جو لوگوں میں صُلح کرانے کے لئے جھوٹ بولے۔ پس وہ اصلاح ہی کے لئے چغلخوری کرے یا اصلاح ہی کے لئے کوئی بھلی بات کہے (بخاری از ام کلثوم بنت عقبہؓ)

۸۲۔ چھوٹے کے لئے بڑے کو، گزرنے والے کے لئے بیٹھے ہوئے کو، چھوٹی جماعت کے لئے بڑی جماعت کو سلام میں پہل کرنی چاہیئے۔ (متفق علیہ از ابوہریرہؓ)

مسلم کی روایت میں یہ اضافہ منقول ہے کہ سوار کے لئے پیدل کو سلام میں پہل کرنی چاہیئے۔

۸۳۔ فقیر وہ نہیں ہے جو لوگوں سے گھوم پھر کر مانگتا پھرے۔ جسے کوئی ایک دو لقمہ یا ایک دو کھجور دے دے بلکہ فقیر وہ ہے جو کسی دولت مند کو نہ پا سکے جو اسے سوال سے مستغنی کر دے اور اسے کوئی ضرورت مند نہ سمجھتا ہو تاکہ اسے خیرات دے دے اور وہ خود کسی سے سوال نہ کرتا ہو۔ (بخاری از ابوہریرہؓ)

۸۴۔ جس نے (میّت پر) اپنے مُنہ پر تھپڑ مار لئے۔ گریبان چاک کر ڈالا اور زمانۂ جاہلیت کی نوحہ گری کی اس کا ہم میں شمار نہیں (مسلم بخاری از عبداللہؓ)

۸۵۔ جو حاکم مسلمانوں کے اُمور کا متولّی ہو مگر وہ نہ ان کے حقوق کی ادائی کے لئے جدّ وجہد کرتا ہو، نہ ان کی خیر خواہی کرتا ہو۔ وہ ان کے ساتھ جنّت میں داخل نہ ہوگا۔ (مُسلم از معقلؓ)

۸۶۔ جس شخص کو اللہ نے رعایا کا نگہبان بنایا ہو اور وہ مرتے دم تک اپنی رعایا سے دھوکہ فریب کرتا

رہے اس پر خدا جنت کو حرام کر دے گا۔ (مُسلم از معقل رض)

۸۷۔ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ طبعی اور خلقی فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے والدین بعد کو اسے یہودی یا عیسائی یا آتش پرست بنا دیتے ہیں۔ (بخاری از ابوہریرہ رض)

۸۸۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے آزار) سے لوگ محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کردہ باتوں کو چھوڑ دے۔ (بخاری از عبداللہ بن عمر رض)

۸۹۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کر دی جائے اور اس کی عزت و توقیر میں اضافہ کر دیا جائے تو اسے قرابت داروں سے حسن سلوک کرنا چاہیئے (بخاری از ابوہریرہ رض)

۹۰۔ جس نے اپنا دین بدل دیا اُسے قتل کر ڈالو۔ (بخاری از ابن عباس رض)

۹۱۔ انسان کا بہترین اسلام یہ ہے کہ وہ لایعنی اور لغو باتوں کو ترک کر دے۔ (ترمذی از ابوہریرہ رض)

۹۲۔ جس نے ہم پر ہتھیار اُٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔ (متفق علیہ از ابن عمر رض)

۹۳۔ جس نے کسی لوہے کے ہتھیار سے خودکشی کی تو وہ وہی ہتھیار اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے اپنے پیٹ میں گھونپتے ہوئے دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا اور ابدالآباد تک اسی میں رہے گا اور جس نے زہر پی کر خودکشی کر لی وہ اسے چاٹتا ہوا جہنم میں داخل ہوگا پھر ابدالآباد تک اسی میں رہے گا۔ اور جس نے پہاڑ سے گر کر خودکشی کی تو وہ اسی طرح دوزخ میں کودے گا۔ پھر ہمیشہ اسی میں رہے گا (مسلم از ابوہریرہ رض)

۹۴۔ جس شخص کے دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کو نظر انداز کر کے دوسری کی طرف جھکا رہے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک بازو ایک طرف کو لٹکا ہوا ہوگا (احمد اور چار کتب حدیث از ابوہریرہ رض)

۹۵۔ جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُسے یا تو اچھی بات کہنی چاہیئے یا خاموش رہنا چاہیئے اسی طرح جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے پڑوسی کا احترام کرنا چاہیئے اور جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیئے۔ (مُسلم از ابوہریرہ رض)

۹۶۔ جس شخص نے کسی مسلمان کا دنیوی درد و کرب دُور کیا حق تعالیٰ اس کے قیامت کے درد و کرب کو دُور فرمائے گا۔ اور جس نے کسی تنگ دست کو سہولت دی، حق تعالیٰ دُنیا و آخرت میں اسے سہولت عطا فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی حق تعالیٰ دُنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اور جب تک کوئی شخص اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے حق تعالیٰ اس کی مدد فرماتا رہتا ہے۔ (مسلم از ابوہریرہ رض)

۹۷۔ جسے حق تعالیٰ نے مسلمانوں کے معاملات کا متولی و نگران کار مقرر فرمایا ہو اور وہ ان کی ضروریات اور ان کے فقر اد سے غافل رہا ہو تو حق تعالیٰ اس کی ضروریات کی تکمیل میں بھی رکاوٹ بن جائے گا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی از ابی مریم ازدیؓ)

۹۸۔ جس نے وہ بات میری طرف منسوب کر کے بیان کی جو میں نے نہیں کہی۔ تو اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لینا چاہیئے۔ (بخاری از سلمہ بن اکوعؓ)۔

۹۹۔ وہ مومن جو لوگوں سے میل جول رکھتا اور ان کی ایذارسانی کو برداشت کرتا ہو وہ اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل جول ہی نہ رکھتا ہو۔ اس لئے ان کی ایذارسانیوں پر صبر و تحمل بھی نہ کرتا ہو۔ (ابن ماجہ از ابن عمرؓ)

۱۰۰۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی اپنی رسی لے کر لکڑیاں کمر پر باندھ کر لائے (اور فروخت کرے) تو یہ کسی سے سوال کرنے سے بہتر ہے کہ معلوم نہیں وہ اسے کچھ دیتا ہے یا انکار کرتا ہے۔ (بخاری از ابوہریرہؓ)

۱۰۱۔ اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے ضرور شادی کر لینی چاہیئے کیونکہ یہ عمل بدنظری کا محافظ اور شرم گاہ کے لئے پاک دامنی کا ذریعہ ہے اور جو شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے روزے رکھنے چاہئیں کیونکہ وہ اس کی شہوت کا زور توڑنے والے ہیں۔ (متفق علیہ از ابن مسعودؓ)۔

○

خاتمۂ کتاب

امّا بعد۔ بندۂ ضعیف محتاجِ لطفِ خداوندی امیدوارِ عفو و خیرِ ربانی محمد رضا رقم طراز ہے کہ میں اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوگیا۔ جس کی جمع و تالیف اور اس کے مختلف موضوعات و مسائل کی تحقیق سے میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصّہ صرف کیا تاکہ عالمِ اسلام کے سامنے ایک ایسی کتاب پیش کرسکوں جس پر وہ سیرتِ نبوی کے متعلق کامل اعتماد رکھ سکے۔

تاہم مجھے اس کا اعتراف ہے کہ انسان کتنا ہی صحت کا اہتمام کیوں نہ کرے پھر بھی اس سے غلطی اور لغزش کا ارتکاب لازمی ہے۔

ایک مؤلف کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اس راہ میں حتی الوسع اپنی بہترین مساعی کا استعمال کرے اور اپنی خالص جدّوجہد اور توانائی کو صرف کردے۔

بس قارئین کرام سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری جن غلطیوں اور لغزشوں پر مطلع ہوں وہ ان میں مجھے معاف کردیں کہ اس قسم کی اغلاط سے کوئی کتاب بھی خالی نہیں ہوتی۔ یہ امر مسلّم ہے کہ دُنیا میں ہر اہلِ علم سے بڑھ کر دوسرا صاحبِ علم موجود ہے اور یہ بھی تسلیم ہے کہ قدرت سے ہمیں بہت تھوڑا علم عطا ہوا ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ "جو شخص کوئی تصنیف کرتا ہے وہ بالآخر تنقید کا نشانہ بنتا ہے۔" میں حق تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلائے۔ ہمیں نیکی کو نیکی سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائے تاکہ ہم اس کا اتباع کرسکیں اور بُرائی کو بُرائی جاننے کی اہلیت دے تاکہ ہم اس سے بچ سکیں۔ ہمیں سچ بولنے اور پراز اخلاص عمل کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز فرمائے۔ اس کتاب سے طلبۂ علم کو فائدہ پہنچائے اس کے ذریعہ نفوسِ انسانی کی اصلاح فرمائے اور تمام مُسلم اقوام کو سیّد خلق اللہ کی اتباع اور آپ کی سُنتوں پر عمل کرنے کی ہدایت نصیب فرمائے تاکہ وہ اس کے ذریعہ پھر اپنی سابقہ عظمت وشان کو واپس لاسکیں اور دُنیا میں پھر اپنا مرتبہ و مقام بلند کرسکیں۔ اللّٰھم آمین!

محمد رضا